سیرۃ النعمان رحمہ اللہ

یعنے

امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمتہ کی سوانح عمری حصہ اوّل و دوم

اس کتاب کے پہلے حصے میں امام ابوحنیفہؒ کا نام و نسب ولادت سن رشد تعلیم و تربیت شیوخ حدیث، درس افتا، بقیہ زندگی اور دربار کے تعلقات وفات عام اخلاق و عادات، مناظرات و فتاوی، ذہانت و طباعی یا اس قسم کے حالات نہایت تفصیل سے مذکور ہیں، دوسرے حصے میں اصول و مسائل ہیں جو علم کلام اور فن حدیث سے متعلق ہیں، تفصیلی بحث ہے اور واقعات و اسانید کی تحقیق ثابت کیا گیا کہ فن حدیث میں ان کا کیا پایہ تھا۔ فن فقہ پر تفصیلی ریویو ہے جس کی وجہ فقہ حنفی کو اور ائمہ کی فقہوں پر ترجیح حاصل ہے خاتمہ میں امام صاحب کے نامور اور ممتاز شاگردوں کے حالات درج ہیں۔

باہتمام سید ظہور الحسن قومی پریس دہلی ترا ہا بہرام خاں چھتہ لال میاں

حسب فرمائش

حافظ سید ابوالحسن پرسنل اسسٹنٹ محکمہ انجنیر

مطبع جامعہ ملیہ دہلی میں چھپ کر شائع ہوا

فہرست مضامین کتاب سیرۃ النعمان

مخدرات تیموریہ

بے عیب خاندان شاہی کی مستورات کا عالیشان سلسلہ عصمت و عفت کے پاکیزہ کرشمے جو ہر باب شجاع اور حیادار قوم کی جان ہے علم و ہنر کے مکمل اور بے عیب عالمی نتائج اور سرزمین کے سب سے سرسبز اور ہرے بھرے باغ سے شگفتہ مہک جو ایک دفعہ توری زمین کہلا چکی ہے شجاعت اور جوہر کے حیرت انگیز تماشے جنہوں نے ساری دنیا کو مسخر کر لیا تھا عظیم الشان خاندان کی وہ شان و شوکت کی تعجبناک تصویریں جن کی نظیر چشم فلک نے نہیں دیکھی قیمت رسمی کاغذ مجلد

فہرست بیگمات

امۃ الحبیب یا حمیدہ بانو بیگم	بیگم امیر تیمور	لاڈ ملک	بیگم تاج خان	زینت النساء بیگم	دختر اورنگزیب
فخر النساء بیگم	"	شمر دکی بیگم	دختر لطف علی خان	زبدۃ النساء بیگم	"
عظمت النساء بیگم	"	رضیہ سلطانہ	دختر شمس الدین التمش	بادشاہ بیگم	"
آسائش بانو بیگم	دختر محمد مراد بخش	بدر النساء بیگم	دختر اورنگ زیب	سلطان بیگم	ہمشیرہ شاہ
آغا بیگی	دختر میران شاہ	جانان بیگم	دختر خان خانان		والی ایران
آمنہ مریم بانو بیگم	دختر سعادت خان صفوی	جانی بیگم	بیگم محمد اعظم شاہ	سلیمہ سلطان بیگم	بھانجی محمد ہما
آرام جان بیگم	بیگم جہانگیر بادشاہ	رانی جودہ بائی	دختر راجہ اودے سنگھ		بادشاہ
ممتاز محل	بیگم شاہجہان بادشاہ		والی جودہ پور	سلیمہ بانو بیگم	دختر سلیمان
امۃ الحبیب	بیگم محمد معظم شاہ	حمیدہ بانو بیگم	بیگم محمد ہمایوں بادشاہ	جمیلہ خاتون	بیگم محمد میرزا
قدسیہ بیگم	بیگم محمد شاہ	حاجی بیگم	"	موتی بیگم	بیگم محمد اکبر باد
عزاز النساء بیگم	بیگم محمد شاہ جہاں	خانہ زاد بیگم	ہمشیرہ محمد بابر بادشاہ	اشرف النساء بیگم	بیگم بہادر شاہ
اورنگ آبادی محل	بیگم اورنگزیب	شہزادہ خانم	دختر محمد اکبر شاہ	آئی بیگم	ہمشیرہ نجابت
دلپذیر بانو بیگم	دختر شاہ شجاع	نواب قدسیہ بیگم	دختر شاہ جہاں	بخت النساء بیگم	دختر ہمایوں باد
بی بی وعدو	بیگم یوسف زئی خان	ثریا بانو بیگم	"	بہار بانو بیگم	دختر جہانگیر باد
دلرس بانو بیگم	دختر شاہنواز خان صفوی	جہان آرا بیگم	"	بائی اودے پوری	دختر راجہ اودے
روشن آرا بیگم	دختر شاہجہان	رانی پدمتی	رانی راجہ جے سنگھ	بائی بھوت وتی	دختر راجہ کشتو
روپ متی	مالوہ کی رئیس زادی		والی بندیلہ	بیگمی بیگم	دختر شاہزادہ
رحمت بانو	بیگم محمد معظم شاہ	رانی تارا بائی	رانی رام راجہ	بیگم سلطان	دختر راجہ

رضیۃ النساء بیگم ۔ دختر شاہزادہ محمد اکبر ۔ تلسی بائی ۔ رئیس مرشد ۔ بی بی بائی ۔ بیگم سلیم شاہ ۔ حبیب النساء بیگم ۔ دختر

تمام درخواستیں بنام سید ظہور الحسن چھتہ لال میاں دہلی آنا چاہئیں

ہو المستعان

سیرۃ النعمان رحمہ اللہ

یعنے

امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کی سوانح عمری

کا

حصہ اول و دوم

مؤلفہ

مولانا محمد شبلی نعمانی

حسب فرمایش سید ظہور الحسن مالک قومی پریس چھتہ لال میاں دہلی

جامعہ ملیہ پریس دہلی میں چھپوائی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حمد و ستائش کہ بعنوان خوشست
نعت ہمانگونہ ہمانسان خوشست

شیفتگان نسیم و پیمبر پرست
سجدہ اگر نیست زمین بوس ہست

تا بضروری پایہ نگہدار باش
دم ز شریعت نزن و ہشیار باش

ہرچہ نہ زیبش است و ز نم بار وال
سجدہ و تعظیم ز ہم باز دان

در رہ الفت کہ بود پیچ پیچ
پا چو نہی بر تو تکریم ہیچ

من کہ درین دائرہ از دیر باز
پائے ز خلوت نہ نہادم فراز

باز برآئم کہ درین راہ رسے
دل برم از خلق بافسونگرے

خواستہ ام طرح دگر ریختن
شعبدۂ تازہ بر انگیختن

بزم دگر ہست و تماشا دگر
بادہ دگر آرم و مینا دگر

زمزمہ تازہ بساز افگنم
غلغلہ در حلقہ راز افگنم

بادہ فرستم بحریفان دگر
از می دوشین قدحے تندتر

زخمہ کہ بر تار سخن میزنم
ہاں بنگر تا بچہ فن میزنم

قاعدۂ سحر طرازیست این
نیک نگہ کن کہ چہ بازیست این

پا چو درین معرکہ افشردہ ام
پایہ فن تا بکجا بردہ ام

حرمت این کار نگہداشتن
نامہ بہ لعل و گہر انباشتن ق

کار من است این حد ہر خام نیست
این بود آن مے کہ بہ ہر جام نیست

دست اگر سوئے قدح بردہ ام
جائے عنب لخت دل افشردہ ام

کان معانی ہمہ کاویدہ ام
لیک گہرے چند فراچیدہ ام

غارت بتخانہ چین کردہ ام
تا صنمے چند گزین کردہ ام

خاک در میکدہ ہا بیختم
لیک مے صافی بقدح ریختم

وایہ اگر دگران خواستم
چارہ نہ زد بود ازان خواستم

فن سخن گرچہ بود دلپذیر
نیست درو خود ز روایت گزیر

گرچہ متاع از دگر آوردہ ام　　قطرہ ز بودم گہر آوردہ ام
گرچہ مرا شیوہ فن ایں نبود　　حرف بہ از دوزدوں آئیں نبود
پیشتر از گرم طلب بودہ ام　　بادیہ پیمائے عرب بودہ ام
بزم چوں آں فرہ وآں ساز داشت　　ساغر من بادہ شیراز داشت
لیک چوں آں مطرب و ساقی نماند　　بوئے از آں میکدہ باقی نماند
بزم بطرز دگر آراستم　　خوشتر ازاں نیز کہ میخواستم
گرچہ سرو برگ سخن دیگر است　　شمع ہماں است لکن دیگر است
بادہ گوارا بہ عزیزاں تمام　　بادۂ گلگوں بہ سفالینہ جام

نامورانِ اسلام جسکا ایک حصہ المامون چھپکر شائع ہو چکا ہے اول اول جب مجھکو اسکا خیال پیدا ہوا تو نہایت وسیع بنیاد پر ہوا جسطرح میں نے خلافت و سلطنت کے مختلف خاندانوں کے ہیرو انتخاب کئے ارادہ تہا کہ اسی طرح علوم و فنون کے جدا جدا خاندان قائم کئے جائیں اور جو لوگ ان خاص خاص فنوں میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تہے انکو اس سلسلہ کا ہیرو قرار دیا جائے۔ مگر اتنا بڑا کام تنہا میرے بس کا نہ تہا مجبوراً حیثیت حکومت کی قید لگا کر میں نے اس وسیع خیال کو بہت کچھ محدود کر دیا۔ بلکہ سلسلہ حکومت سے بہی بہت سے خاندان چہوڑ دیئے تاہم وہ خیال دل سے نہ گیا کہ فرصت ہو تو اہل کمال کا دربار بہی سجایا جائے کہ السیف والقلم توأمان

المامون کے بعد میں نے الفاروق لکہنی شروع کی تہی اور ایک معتدبہ حصہ لکہہ بہی لیا تہا لیکن بعض مجبوریوں سے چند روز کیلئے اسکی تالیف سے ہاتہہ اٹہانا پڑا۔ اسپر کوتاہ بینوں نے عجیب عجیب بدگمانیاں کیں حالانکہ بات اتنی تہی کہ بعض نادر کتابیں جو اس تصنیف کیلئے نہایت ضروری ہیں یورپ میں چہپی ہیں ابہی تک بہم نہیں پہنچ سکیں اس زمانہ انتظار میں بیکار بیٹہنا تو مشکل تہا۔ خیال ہوا کہ کسی اور نامور کی لائف شروع کروں لیکن دیکہا کہ الفاروق ناتمام ہی طبیعت رک جاتی تہی اور اس میدان میں ایک قدم آگے نہ بڑہ سکتا تہا ادہر یہ خلش چین نہ لینے دیتی تہی کہ علمی نام آوروں کے کارنامے دکہلانے بہی ضرور ہیں کیونکہ اسلام میں تیغ و قلم کا ہمیشہ ساتہہ رہا ہے۔ آخر یہ خیال غالب آیا اور چند روز کے لیئے خاندان حکومت کو چہوڑ کر علمی سلسلہ کیطرف توجہ کرنی پڑی فقہ حدیث۔ ادب۔ منطق۔ فلسفہ۔ ریاضی مختلف فن داں سامنے تہے بعض وجوہ سے فقہ کو ترجیح دی اور امام ابو حنیفہ کو جو فقہ کے بانی ہیں اسکا ہیرو قرار دیا۔ امام ابو حنیفہ کے اجتہادی مسائل تقریباً بارہ سو برس سے تمام ممالک اسلام میں جاری ہیں۔ بڑی بڑی عظیم الشان اسلامی سلطنتوں میں انہی کے مسائل قانون سلطنت تہے اور آج بہی ہیں۔ اسلامی دنیا کا غالب حصہ انہی کے مسائل کا پیرو ہے۔ عربی۔ فارسی۔ ترکی۔ بلکہ یورپ کی زبانوں میں انکی تصنیف

سوانح عمریاں لکھی گئیں۔ ظلم تھا اگر انکی لائف خود اردو میں لکھی جاتی جو بلحاظ ان ہی کے پیروؤں کی زبان ہے۔
امام ابو حنیفہ کو اسلام میں جو رتبہ حاصل ہے اُسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جس کثرت سے انکی سوانح عمریاں لکھی گئیں مسلمانوں میں علم رجال کو جو ترقی ہوئی دنیا میں اُس کی کوئی نظیر موجود نہیں۔ تراجم۔ طبقات۔ قرون وفیات۔ اعیان۔ سنین۔ وغیرہ کے نام سے جدا جدا عنوان قائم ہوئے اور ایک ایک عنوان کے ذیل میں اس کثرت سے کتابیں لکھی گئیں کہ اُنکا شمار بھی مشکل ہے لیکن خاص سیرت (لائف) کے فن کو چنداں ترقی نہیں ہوئی علما، شعرا، قضاۃ، حکما، میں سے بہت کم ایسے خوش قسمت ہیں جنکے حالات مستقل تصنیفوں میں لکھے گئے جہاں ہمکو معلوم ہے صرف امام ابو حنیفہ ایک شخص ہیں جنکے واقعات زندگی کے ساتھ معمول سے زیادہ اعتنا کیا گیا نہایت کثرت کے ساتھ انکی سوانح عمریاں لکھی گئیں اور ان ناموروں نے لکھیں جو اس قابل تھے کہ انکی مستقل سوانح عمریاں لکھی جائیں۔ اس خصوصیت میں اگر کوئی شخص امام ابو حنیفہ کا ہمسر ہے تو صرف امام شافعی ہیں۔ امام ابو حنیفہ کے حالات میں جسقدر کتابیں لکھی گئیں اُن میں سے جسقدر ہم تحقیق کر سکے حسب ذیل ہیں۔

نام کتاب[1]	نام مصنف	کیفیت
عقود المرجان	امام احمد بن محمد طحاوی المتوفی سنہ ۳۲۱ ہجری	امام طحاوی حدیث و فقہ کے مشہور امام اور صرف ایک واسطے سے امام شافعی کے شاگرد ہیں انکی تصنیفات میں سے معانی الآثار چھپ گئی ہے یہ عقود المرجان کا خلاصہ ہے۔
قلائد عقود الدرر والعقیان	امام احمد بن محمد طحاوی	
الروضۃ العالیۃ المنیفۃ	امام محمد بن احمد بن شعیب المتوفی سنہ ۳۵۷ ہجری	امام محمد بن احمد حدیث میں حاکم کے استاد ہیں یہ کتاب چند جلدوں میں ہے۔ الجواہر المضیۃ ترجمہ محمد بن احمد۔
مناقب النعمان	شیخ ابو عبد اللہ الصیمری حسین بن علی	قاضی صیمری بڑے فقیہ اور فن حدیث میں دارقطنی کے شاگرد تھے مورخ خطیب نے ان سے روایت کی ہے قاضی ابو الولید باجی نے انکو امام الحنفیہ کہا ہے سنہ ۴۳۶ھ میں وفات پائی یہ تصنیف ایک ضخیم کتاب ہے اور امام ابو حنیفہ کے متعلق تصنیفات کا زیادہ تر ماخذ یہی کتاب ہے الجواہر المضیۃ فی طبقات الحنفیہ
مناقب النعمان	ابو العباس احمد بن الصلت الحمانی المتوفی سنہ ۳۰۸ھ	نہایت مفصل کتاب ہے صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے کہ خطیب بغدادی نے ابو العباس کی تضعیف کی ہے جیسا کہ حنفیوں کی نسبت انکی عام عادت ہے

[1] یہ فہرست زیادہ تر کشف الظنون سے ماخوذ ہے بعض کتابوں کے نام یا مصنفین اور ان کے سنہ وفات چھوڑ دیئے گئے ہیں جن کی تصریح کر دی ہے

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
شقائق النعمان فی مناقب النعمان	علامہ جار اللہ زمخشری المتوفی سنہ ۵۳۸ ہجری	زمخشری ایک نامور مصنف ہیں تفسیر کشاف انکی مشہور کتاب ہے یہ کتاب چالیس بابوں میں ہے
مناقب النعمان	موفق الدین بن احمد المکی الخوارزمی المتوفی سنہ ۵۶۸ھ	موفق الدین علامہ زمخشری کے شاگرد فقہ وادب میں کامل تھے حافظ سیوطی نے بغیۃ الوعاۃ میں انکا ذکر کیا ہے۔
کشف الآثار	امام عبداللہ بن محمد الحارثی	مشہور مصنف ہیں ابن جوزی نے ابوسعید سے روایت کی ہے کہ حدیث میں انکا اعتبار نہیں اسپر صاحب جواہر المضیئہ فرماتے ہیں کہ امام عبداللہ کا رتبہ ابن جوزی ابوسعید دونوں سے بڑھکر ہے
مناقب النعمان	امام ظہیر الدین المرغینانی المتوفی سنہ ۶۰۰ھ	مشہور فقیہ ہیں۔ جواہر المضیئہ کے مصنف نے لکھا ہے کہ قاضی خاں انہیں کے شاگرد تھے۔
مناقب النعمان	امام محمد بن محمد الکردری المتوفی سنہ ۸۲۸ھ	گیارہ بابوں میں ہے اسمیں امام کے حالات کے ساتھ انکے مشہور تلامذہ یعنی قاضی ابو یوسف امام محمد عبداللہ بن المبارک امام زفر داؤد طائی وکیع بن الجراح حفص بن غیاث یحیی بن زکریا حسن بن زیاد کے حالات بھی جدا جدا بابوں میں لکھے ہیں یہ کتاب روم میں بہت متداول ہے سلطان مراد ثانی کے حکم سے محمد بن عمر نے ترکی زبان میں اسکا ترجمہ
مناقب النعمان	ابو القاسم بن کاس	کیا عقود الجمان میں اس کتاب کے اکثر حوالے ہیں۔
کتاب الانتہاء فی مناقب الثلاثۃ الفقہاء	قاضی ابن عبد البر المتوفی سنہ ۴۶۳ھ	امام ابوحنیفہ امام مالک امام شافعی کے حالات ہیں علامہ ابن خلکان نے قاضی ابو یوسف کے ترجمہ میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے قاضی ابن عبد البر بہت بڑے محدث اور امام ہیں انکی کتاب الاستیعاب صحابہ کے حالات میں ایک مشہور اور مستند کتاب ہے۔
مناقب النعمان	ابو القاسم عبداللہ بن محمد احمد المعروف بابن ابی العوام	
مناقب ابی حنیفہ	علامہ ذہبی	علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ میں نے امام ابوحنیفہ کے مناقب ایک جداگانہ رسالہ میں لکھے ہیں علامہ ذہبی بہت

نام کتاب	نام مصنف	کیفیت
		شیخ محدث تھے اس فن میں انکے بعد کوئی اس رتبہ کا نہیں ہوا میزان الاعتدال وکاشف وغیرہ ودول الاسلام وتذکرۃ الحفاظ انکی مشہور کتابیں ہیں
المواہب الشریفہ		اسکا ترجمہ ہو گیا ہے جسکا نام تحفۃ السلطان فی مناقب النعمان ہے
بستان فی مناقب النعمان	شیخ محی الدین عبدالقادر القرشی المتوفی ۷۷۵ھ	الجواہر المضیئہ فی طبقات الحنفیہ انہیں کی تالیف ہے حدیث میں حافظ تقی الدین سبکی کے شاگرد ہیں۔
تبییض الصحیفہ فی مناقب ابی حنیفہ	حافظ جلال الدین سیوطی	مشہور مصنف ہیں۔
عقود الجمان فی مناقب النعمان	محمد بن یوسف بن علی الدمشقی	زیادہ تفصیل آگے آئیگی۔
الخیرات الحسان فی مناقب النعمان	حافظ ابن حجر مکی مصنف صواعق محرقہ	مشہور مصنف ہیں۔
قلائد عقود العقیان مناقب النعمان	شمس الدین احمد بن محمد السیواسی	مؤلف کا نام معلوم نہیں دیباچہ سے معلوم ہوا کہ یمن کا کوئی عالم ہے ترکی میں ہے اور نظم ہے۔
مناقب الامام الاعظم	شیخ ابو سعید	
رسالہ فی فضل ابی حنیفہ	عتیق بن داؤد الیمانی	فارسی زبان میں ہے۔
نظم الجمان	شیخ صارم الدین ابراہیم بن محمد بن دقماق المتوفی سنہ ۸۰۹ھ	تین جلدوں میں ہے۔ امام ابوحنیفہ قاضی ابو یوسف و امام محمد ہر ایک کے حال میں الگ الگ جلد ہے۔
مناقب الامام الاعظم	مولانا محمد کامی آفندی قاضی بغداد المتوفی ۱۱۳۶ھ	ترکی میں ہے۔
مناقب الامام الاعظم	مستقیم زادہ سلیمان سعدالدین آفندی	ضخیم کتاب ہے [illegible]ھ میں تالیف ہوئی ترکی زبان میں ہے

افسوس ہے کہ یہ کتابیں ہمارے ملک میں ناپید ہیں۔ میرے پاس عقود الجمان والخیرات الحسان موجود ہیں اور قلائد العقیان کا ایک عتیق نسخہ نظر سے گزرا ہے۔ الخیرات الحسان اگرچہ اس وجہ سے کہ ابن حجر مکی کی طرف منسوب ہے زیادہ مشہور ہے لیکن وہ خود کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے بلکہ تمام تر عقود الجمان کا خلاصہ ہے اور خود مصنف نے

دیباچہ کتاب میں اسکا اعتراف کیا ہے۔ قلائد العقیان کے دیباچہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ زیادہ تر قاضی صیمری کی تصنیف سے ماخوذ ہے۔ عقود الجمان جو نہایت جامع اور مفصل کتاب ہے اور میری تالیف کا عام ماخذ وہی ہے حافظ ابو المحاسن محمد بن یوسف بن علی الدمشقی الصالحی نزیل بر قوقیہ کی تصنیف ہے حافظ ابو المحاسن جلال الدین سیوطی کے شاگرد اور فن حدیث میں ممتاز ہیں یہ کتاب جیسا کہ خود مصنف نے خاتمہ میں تصریح کی ہے ربیع الثانی سنہ ۹۳۹ھ میں تمام ہوئی۔ دیباچہ میں لکھا ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہ کے حالات میں بہت سی کتابیں دیکھی ہیں جن میں سے موافق بن احمد خوارزمی کی تصنیف سب سے عمدہ تر اور جامع ہے کتاب کے خاتمہ میں لکھا ہے کہ میں نے اس بحث میں جس قدر کتابیں دیکھیں اگر ان سے لکھنا چاہتا تو یہ کتاب دو ضخیم جلدوں میں تیار ہوتی۔

امام ابو حنیفہ کے حالات میں تصنیف تو مجھکو ایک یہی مل سکی لیکن رجال و تاریخ کی مستند کتابیں جنمیں امام کا ذکر ہے اکثر میری نظر سے گذریں جن میں تاریخ صغیر بخاری۔ معارف ابن قتیبہ۔ مختصر تاریخ خطیب بغدادی انساب سمعانی۔ تہذیب الاسماء واللغات للنووی۔ تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی۔ دول الاسلام للذہبی عبر فی اخبار من غبر للذہبی۔ تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر عسقلانی۔ خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال للعلامہ صفی الدین الخزرجی خاصۃً قابل ذکر ہیں کیونکہ یہ وہ کتابیں ہیں جن پر آج فن رجال کا مدار ہے اور حدیثوں کی تنقید کے لیئے زیادہ تر انہیں تصنیفات کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔

میری کتاب کا پہلا حصہ جس میں امام ابو حنیفہ کے عام حالات ہیں انہیں تصنیفات سے ماخوذ ہے لیکن دوسرا حصہ جس میں امام صاحب کی طرز اجتہاد و اصول استنباط سے بحث ہے اسکے لیئے یہ تمام دفتر بیکار تھا۔ کیونکہ قدیم زمانہ میں سوانح عمریوں کا یہ ڈھنگ ہی نہ تھا کہ حالات زندگی کے ساتھ اس شخص کی تصنیفات یا مسائل سے بھی بحث کرتے۔ مناظرہ اور مذہبی حمایت کے پیرایہ میں البتہ ایسی کتابیں لکھی گئی ہیں کہ ان سے مسائل اور تصنیفات پر تفصیلی ریویو لکھا جاسکتا ہے۔

مثلاً ابن ابی شیبہ نے امام ابو حنیفہ کے مسائل پر جو اعتراضات کئے اور ثابت کیا کہ وہ حدیث ۱
کے مخالف ہیں۔

قاسم بن قطلوبغا المتوفی سنہ ۸۷۹ھ نے اس کا مفصل جواب لکھا شمس الائمہ کردری نے منخول کے جواب میں ایک مستقل کتاب لکھی۔ اسی طرح ترجیح مذہب ابی حنیفہ کے نام سے شیخ اکمل الدین محمد بن البابرتی المتوفی سنہ ۷۸۲ھ اور شیخ ابو عبداللہ محمد بن یحیی الجرجانی المتوفی سنہ ۳۹۷ھ نے مستقل
کتابیں لکھیں۔ ۱

مورخ سبط ابن جوزی نے ایک ضخیم کتاب دو جلدوں میں لکھی جسکا نام الانتصار لامام ائمۃ الامصار ہے اسی مورخ کی ایک اور تصنیف ہے جو تیس بابوں میں ہے اس میں تفصیلاً امام ابوحنیفہ کے مسائل کی حقیقت ثابت کی ہے صاحب کشف الظنون نے لکھا ہے کہ یہ کتاب اپنے باب میں بے نظیر ہے اسی مضمون پر عمر بن محمد سعید الموصلی کی ایک تصنیف ہے جس کا نام الانتصار والترجیح ہے سب سے مفصل کتاب الابانۃ ہے جو قاضی ابوجعفر احمد بن عبداللہ بن القاسم کی تصنیف ہے اور چھ بابوں پر منقسم ہے پہلے باب میں ثابت کیا ہے کہ امام کا مذہب اصول سلطنت سے بہت مناسبت رکھتا ہے۔ دوسرا باب اس بحث میں ہے کہ اُنکے مسائل حدیث و آثار سے ثابت ہیں چھٹے باب میں اُن مسائل کا ذکر ہے جنپر مخالفوں نے اعتراض کئے ہیں پھر نہایت تفصیل کے ساتھ اُنکے جواب دیئے ہیں۔

جواہر المضیۃ کے مصنف نے لکھا ہے کہ میں نے یہ کتاب دیکھی ہے نہایت عمدہ کتاب ہے اور جو دعویٰ کیا ہے اُسکے ثبوت میں بہت سی مثالیں دی ہیں۔

بے شبہ اس قسم کی تصنیفات سے بہت بڑی مدد ملسکتی تھی لیکن میں مصنف کشف الظنون کی سی قسمت کہاں سے لاؤں کہ ان نایاب تصنیفات پر دسترس پا سکتا۔ بڑی تلاش سے شمس الائمہ کردری کا رسالہ بہم پہنچا کہ اس نادری میں وہ بھی غنیمت ہے بعض باتیں اس رسالہ سے لیں باقی میرا تتبع اور تحقیق ہے جسکے لیئے خوش قسمتی سے حدیث و فقہ کا بڑا ذخیرہ میرے پاس مہیا تھا۔

یہ بات بھی لحاظ رکھنے کے قابل ہے کہ امام ابوحنیفہ کی زندگی کی مختلف حیثیتیں ہیں۔ ولادت نشو و نما طریقہ معاش طرز معاشرت وغیرہ اس قسم کے حالات کو تاریخی پیرایہ کہتے ہیں روایت میں اُنکا ثقہ ہونا نہ ہونا محدثانہ بحث ہے اُنکے مسائل و طریقہ اجتہاد پر رائے قائم کرنی مجتہد کا کام ہے اس لیئے جو کتاب ان تمام حیثیتوں پر شامل ہوگی ضرور ہے کہ مختلف بحثوں میں خود اسکی حیثیتیں بھی بدلتی جائیں اسکا طرز تحریر کہیں مورخانہ ہوگا کہیں محدثانہ اور کہیں دونوں پہلوؤں سے الگ [illegible] روش ہوگی۔ اس کتاب میں میں نے ان مختلف حیثیتوں کا لحاظ رکھا ہے جو حالات تاریخ سے متعلق ہیں اُن میں شہادتیں کافی سمجھی ہیں جو عام مورخوں کے نزدیک مسلم ہیں۔ جو واقعہ محدثانہ پہلو رکھتا ہے اسمیں زیادہ تر تدقیق کی ہے اور تمام تر ان اصول سے کام لیا ہے جو محدثین نے اخبار و روایت کیلئے قرار دیے ہیں عام ناظرین کو شاید ان بحثوں میں مزہ نہ آئے مگر ایسے ضروری حصہ کو میں کیونکر چھوڑ سکتا تھا عام تاریخی واقعات میں گو رواۃ حدیث کیطرح بال کی کھال نہیں نکالی ہے تاہم کوئی ایسا واقعہ نہیں لکھا جس کی سند موجود نہ ہو [illegible] ہی اسکا التزام کیا ہے کہ ایسی کتاب کا حوالہ نہ دیا جائے جو خود میری نظر سے نگذری ہو کیونکہ نقل [illegible]

روایتیں اپنی حالت پر قائم نہیں رہتیں ان احتیاطوں کا لحاظ رکھنا تھا بھی ممکن بلکہ ضروری ہے کہ مجھ سے مسامحات اور غلطیاں ہوئی ہونگی لیکن میں اس سے زیادہ اور کیا کر سکتا تھا و قال اللہ تعالیٰ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا۔

(امام ابوحنیفہ کا نام و نسب و ولادت)

(نعمان نام۔ ابوحنیفہ کنیت۔ امام اعظم لقب شجرہ نسب یہ ہے نعمان بن ثابت بن زوطی ابن ماہ یہ امر جیسا کہ خود ناموں کی ترکیب سے ظاہر ہے عموماً مسلم ہے کہ امام صاحب عجمی النسل تھے) البتہ اس میں اختلاف ہے کہ کس نسل سے تھے اور عرب میں کیونکر آئے خطیب بغدادی نے امام کے پوتے اسمٰعیل کی زبانی یہ روایت نقل کی ہے کہ میں اسمٰعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان ہوں ہم لوگ نسل فارس ہیں اور کبھی کسی کی غلامی میں نہیں آئے ہمارے دادا (ابوحنیفہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے) ثابت بچپن میں حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے انہوں نے انکے اور انکے خاندان کے حق میں دعائے خیر کی تھی ہمکو امید ہے کہ وہ دعا بے اثر نہیں رہی اسمٰعیل نے امام صاحب کے دادا کا نام نعمان بتایا اور پردادا کا نام مرزبان حالانکہ عام طور پر زوطی اور ماہ مشہور ہے غالباً جب زوطی ایمان لائے تو انکا نام نعمان سے بدل دیا گیا اسمٰعیل نے سلسلہ نسب کے بیان میں زوطی کا وہی اسلامی نام لیا اور حمیت اسلام کا مقتضا بھی یہی تھا زوطی کے باپ کا نام غالباً کچھ اور ہوگا اور ماہ مرزبان لقب ہونگے کیونکہ اسمٰعیل کی روایت سے استقدر اور بھی ثابت ہے کہ انکا خاندان فارس کا ایک معزز اور مشہور خاندان تھا فارس میں رئیس شہر کو مرزبان کہتے ہیں اسی لئے نہایت قرین قیاس ہے کہ ماہ اور مرزبان لقب ہیں امام حافظ ابوالمحاسن نے قیاس لگایا ہے کہ ماہ اور مرزبان ہم معنے الفاظ ہونگے انہوں نے قیاساً کہا کیونکہ وہ فارسی زبان نہیں جانتے تھے لیکن میں یقیناً کہتا ہوں کہ درحقیقت ماہ اور مرزبان کے ایک معنے ہیں ماہ دراصل وہی مہ ہے جسکے معنے بزرگ اور سردار کے ہیں مشہور مصرع ہے سا نہ کہ را منزلت ماند نہ مہ را عربی لہجہ نے مہ کو ماہ کر دیا ہے۔

بعض مورخوں نے زوطی کی نسبت لکھا ہے کہ کابل سے گرفتار ہو کر آئے اور قبیلہ بنی تیم اللہ کی ایک عورت نے خرید لیا کچھ دنوں غلامی میں رہے پھر اسنے آزاد کر دیا اسی لئے امام کا خاندان مولی بنی تیم اللہ کہلاتا ہے مخالفوں نے جنکو امام کی تنقیص میں مزہ آتا ہے اس روایت کو زیادہ چمکایا ہے حالانکہ اس قسم کی غلامی ثابت بھی ہو تو کسر شان کی کیا بات ہے زمانے نے خاندان کسریٰ پر اس لعنت کا داغ لگایا ہے ہمارے علماء حضرت ہاجرہ کو کنیز تسلیم کرتے ہیں اگر تو ریت ثابت نہیں اسلام کے قرب زمانہ میں اکثر وہ لوگ حدیث و روایت کے امام نظر آتے ہیں جنپر اس قسم کی غلامی کا اطلاق ہو چکا تھا امام حسن بصری ابن سیرین طاؤس عطا ابن یسار نافع عکرمہ مکحول جو اپنے زمانے کے مقتدائے عام تھے خود یا انکے باپ دادا غلام رہ چکے تھے زوطی کا غلام ہونا بھی ثابت ہو تو کچھ عار نہیں لیکن تاریخی شہادتیں اسکے خلاف ہیں امام کے نسب میں اور بھی اختلافات ہیں لیکن بعض نے انکو نسل عرب سے شمار کیا ہے اور سلسلہ نسب یوں بتایا ہے نعمان بن ثابت بن زوطی بن یحییٰ بن زید بن اسد بن راشد الانصاری حافظ ابواسحٰق نے شجرہ نسب کے

مختصر تاریخ بغداد و ابن خلکان ترجمہ امام ابوحنیفہ

متعلق یہ روایت نقل کی ہے نعمان بن ثابت بن کاؤس بن ہرمز بن مرزبان بن بہرام زوطی کے مقام سکونت میں بھی اختلاف ہے اور یہ
ضرور سمجھنا چاہیے کہ زوطی یا اول اول جب عرب میں آئے ہونگے تو برسوں تک انکی حالت بیگانگی کی حالت رہی ہوگی لوگوں کو
انکے حالات کے ساتھ چنداں اعتنا نہ ہوگا اور ہوگا تو زبان کی اجنبیت کی وجہ سے صحیح حالات معلوم ہوسکے ہونگے معاشرتی ضرورت
نے زوطی کو مجبور کیا ہوگا کہ وہاں کے رہنے والوں سے دوستانہ تعلق پیدا کریں یہ طریقہ عرب میں عام طور پر جاری تھا اور
اس قسم کے تعلق کو ولا کہتے تھے جسکا مشتق مولیٰ ہے مولیٰ غلام کو بھی کہتے ہیں اسیطرح لفظی شراکت سے بعضوں نے
زوطی کو غلام سمجھ لیا اور رفتہ رفتہ یہ خیال روایت کی شکل پکڑ کر کسی قدر عام ہوگیا جسکی وجہ سے اسمٰعیل کو دفع دخل کرنا پڑا کہ
واللہ ہمارا خاندان کبھی کسی کی غلامی میں نہیں آیا۔ اسمٰعیل نہایت ثقہ اور معزز شخص تھے اسوجہ سے دقیقہ سنج مورخوں نے
اس بحث میں انہی کی روایت پر اعتماد کیا ہے کہ صاحب طبقات ولی بما فیہا قاضی صیمری نے جو بڑے پایہ کے مصنف ہیں
صاف تصریح کی ہے کہ زوطی بنی تیم اللہ کے حلیف[1] یعنی ہم قسم تھے اس روایت کا (جس میں زوطی کی غلامی کا ذکر ہے) یہ حصہ بھی
غلط ہے کہ وہ کابل سے گرفتار ہو کر آئے زوطی کے باپ دادا کے نام فارسی زبان کے ہیں خود امام ابوحنیفہ کی نسبت ثابت
ہے کہ وہ خاندانی حیثیت سے فارسی زبان جانتے تھے یہ ظاہر ہے کہ کابل کی زبان فارسی نہ تھی۔

زوطی کی نسبت ہم یہ نہیں بتا سکتے کہ خاص کس شہر کے رہنے والے تھے مورخوں نے مختلف شہروں کے نام لئے ہیں جنمیں سے
کسی کی نسبت ترجیح کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا یقینی طور پر جو ثابت ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ اقلیم فارس اور فارسی
نسل سے تھے یہ ممالک اس زمانہ میں اسلامی اثر سے معمور تھے اور اکثر بڑے بڑے خاندان اسلام قبول کرتے جاتے تھے غالباً زوطی
اسی سلسلے میں اسلام لائے اور جوش شوق یا خاندان والوں کی ناراضی سے جسکا باعث تبدیل مذہب تھا عرب کا رخ کیا
یہ جناب امیر علیہ السلام کی خلافت کا زمانہ تھا اور شہر کوفہ دارالخلافہ ہونیکا شرف رکھتا تھا اس تعلق سے زوطی نے کوفہ کو
پسند کیا اور وہیں سکونت اختیار کی کبھی کبھی جناب امیر کے دربار میں حاضر ہوتے اور خلوص عقیدت کے آداب بجا لاتے ایک بار
نوروز کے دن کہ پارسیوں کی عید کا دن ہے فالودہ نذر کے طور پر بھیجا حضرت نے ارشاد فرمایا کہ "نوروزنا کل یوم" یعنی ہمارے یہاں
ہر روز نوروز ہے ثابت امام ابوحنیفہ کے پدر بزرگوار کوفہ ہی میں پیدا ہوئے زوطی نے نیک فال لڑکے کو حضرت علی کی
خدمت میں حاضر کیا آپ نے بزرگانہ شفقت فرمائی اور انکے اور انکی اولاد کے حق میں دعائے خیر کی۔

ثابت کے حالات زندگی بالکل نامعلوم ہیں۔ قرائن سے اس قدر پتہ چلتا ہے کہ تجارت کے ذریعہ سے زندگی بسر کرتے تھے
چالیس برس کی عمر ہوئی تو خدا نے فرزند عطا کیا جسکا نام والدین نے نعمان رکھا لیکن زمانہ آگے چلکر امام اعظم کے لقب سے پکارا
اسوقت عبدالملک بن مروان جو دولت مروانیہ کا دوسرا تاجدار شمار کیا جاتا ہے مسند آرائے خلافت تھا یہ وہ عہد تھا۔ کہ
رسول اللہ صلعم کے جمال مبارک سے جن لوگوں کی آنکھیں روشن ہوئی تھیں انمیں سے چند بزرگ موجود تھے جنمیں سے

[1] دیکھو قلائد عقود العقیان باب اول علامہ نووی کی تہذیب الاسماء واللغات کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ مولیٰ کا لفظ زیادہ تر حلیف ہی کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے ۱۲

بعض امام ابو حنیفہ کے آغاز شباب تک زندہ رہے۔ انس بن مالک نے جو رسول کے خادم خاص تھے ۹۳ھ میں وفات پائی سہل بن سعد نے ۹۱ھ میں انتقال کیا اور ابو الطفیل عامر بن واثلہ تو سو ہجری تک زندہ رہے لیکن یہ ثابت نہیں ہوتا کہ امام ابو حنیفہ نے کسی سے بھی کوئی حدیث روایت کی اسپر لوگوں کو نہایت تعجب ہے اور مورخوں نے اسکی مختلف اسباب خیال کئے ہیں بعضوں کی رائے ہے کہ امام ابو حنیفہ نے اسوقت تک کسی قسم کی تعلیم نہیں حاصل کی تھی انکے باپ دادا تجارت کرتے تھے اسلئے انکی نشو و نما بھی ایک عام تاجر کی حیثیت سے ہوئی بڑے ہوئے تو امام شعبی کی ہدایت سے علم کی طرف توجہ ہوئی اسوقت موقع ہاتھ سے نکل چکا تھا یعنی صحابہ میں سے کوئی باقی نہیں رہا تھا لیکن میرے نزدیک اسکی ایک وجہ اور ہے محدثین میں باہم اختلاف ہے کہ حدیث سیکھنے کے لئے[1] کم از کم کیا عمر مشروط ہے اس امر میں اہل کوفہ سب سے زیادہ احتیاط کیا کرتے تھے یعنی بیس برس سے کم عمر کا شخص حدیث کی درسگاہ میں شامل نہیں ہو سکتا تھا انکے نزدیک چونکہ حدیثیں بالمعنی روایت کی گئی ہیں اس لئے ضرور ہے کہ طالب علم پوری عمر کو پہنچ چکا ہو ورنہ مطالب کے سمجھنے اور اس کے ادا کرنے میں غلطی کا احتمال ہے غالباً یہی قید تھی جس نے امام ابو حنیفہ کو ایسے بڑے شرف سے محروم رکھا اور سچ پوچھو تو یہ قید مصلحت سے خالی بھی نہیں جن لوگوں نے دس بارہ برس کے سن میں صحابہ سے حدیثیں سنیں انکی روایتیں اس لحاظ سے تو نہایت قابل اعتماد ہیں کہ رسول اللہ تک صرف ایک واسطہ ہے لیکن اسبات کا قوی احتمال موجود ہے کہ کم سنی کی وجہ سے مضمون حدیث کی تمام خصوصیتیں خیال میں نہ آئی ہوں جسکی وجہ سے ادائے مطلب میں عظیم الشان غلطیاں پیدا ہو جاتی ہیں بہر نوع وجہ جو کچھ ہو واقعہ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ نے کسی صحابی سے کوئی حدیث نہیں سنی تاہم یہ شرف انکی قسمت میں تھا کہ جن آنکھوں نے پیغمبر کا جمال دیکھا تھا انکے دیدار سے عقیدت کی آنکھیں روشن کیں یہ واقعہ ایک تاریخی واقعہ ہے لیکن چونکہ اس سے تابعیت کا رتبہ حاصل ہوتا ہے اسلئے یہ مسئلہ مذہبی پیرایہ میں آگیا ہے اور اسپر بڑی بحثیں قائم ہو گئی ہیں بے شبہ امام ابو حنیفہ کو اس شرف پر ناز تھا اور بجا تھا۔ کہ انہوں نے حضرت انس صحابی کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ غیر قومیں ان باتوں کو معمولی امر خیال کرینگی۔ لیکن ان واقعات سے اس محبت اور جوش عقیدت کا اندازہ ہوتا ہے جو مسلمانوں کو رسول اللہ اور انکے تعلق کی وجہ سے صحابہ کیساتھ تھا سچ ہے شعر

فی الجملہ نسبتے بتو کافی بود مرا
بلبل ہمیں کہ قافیہ گل بود بس ست

ہمارے زمانہ کے بعض مصنفوں نے امام کی تابعیت سے انکار کیا ہے اور یہ کوئی نئی بات نہیں پہلے بھی لوگوں کو شبہ ہوا تھا لیکن محدثین نے جنکو اس قسم کی بحثوں کے طے کرنیکا سب سے زیادہ حق حاصل ہے امام کے موافق فیصلہ کیا حافظ ابن حجر عسقلانی سے کہ فن حدیث کے ایک عنصر ہیں فتویٰ لیا گیا انہوں نے یہ جواب لکھا امام ابو حنیفہ کے زمانہ میں کئی صحابی موجود تھے اسلئے کہ امام ۸۰ھ میں بمقام کوفہ پیدا ہوئے اور اسوقت وہاں صحابہ میں

[1] مقدمہ ابن الصلاح مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۱۲۵۸۔

سے عبد اللہ بن ابی اوفی موجود تھے کیونکہ وہ ۸۶ھ میں یا اسکے بعد مرے اور ابن سعد نے روایت کی ہے جسکی سند میں کچھ نقصان نہیں کہ امام ابو حنیفہ نے انس بن مالک کو دیکھا تھا۔ ان دو صحابہ کے سوا اور اصحاب بھی مختلف شہروں میں موجود تھے بعض لوگوں نے ان حدیثوں کو جمع کیا ہے جو امام نے صحابہ سے روایت کیں لیکن ان حدیثوں کی سندیں ضعف سے خالی نہیں اور صحیح یہی ہے کہ امام انکے ہمزمان تھے اور بعض صحابہ کو دیکھا تھا جیسا کہ ابن سعد نے روایت کی ہے پس اس لحاظ سے امام ابو حنیفہ تابعین کے طبقہ میں ہیں اور یہ امر اور اماموں کی نسبت جو انکے ہمعصر تھے مثلاً اوزاعی شام میں حماد بن سلمہ بصرہ میں ثوری کوفہ میں مالک مدینہ شریف میں لیث مصر میں ثابت نہیں ہوا واللہ اعلم

ابن سعد کی جس روایت کا حافظ ابن حجر نے حوالہ دیا ہے وہ صرف ایک واسطہ یعنی سیف بن جابر کے ذریعہ سے امام ابو حنیفہ تک پہنچتی ہے یعنی ابن سعد نے سیف بن جابر سے سنا اور سیف نے خود امام ابو حنیفہ سے ابن سعد وہ شخص ہیں جنکی نسبت علامہ نووی نے تہذیب الاسماء میں لکھا ہے کہ اگرچہ انکا شیخ واقدی ثقہ نہیں مگر وہ خود نہایت ثقہ ہیں۔ سیف بن جابر بصرہ کے قاضی اور صحیح الروایت تھے اس لحاظ سے یہ روایت اس قدر صحیح اور مستند ہے کہ قوی سے قوی حدیث بھی اس سے زیادہ صحیح نہیں ہو سکتی اسی بنا پر تمام بڑے بڑے محدثین مثلاً خطیب بغدادی علامہ سمعانی مصنف کتاب الانساب علامہ نووی شارح صحیح مسلم علامہ ذہبی حافظ ابن حجر عسقلانی زین الدین عراقی سخاوی ابو المحاسن دمشقی نے جن پر اب حدیث و روایت کا مدار ہے قطعاً فیصلہ کر دیا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے حضرت انس کو دیکھا تھا[۱]

ابن خلکان نے بھی خطیب بغدادی کا یہ قول نقل کیا ہے لیکن چونکہ مورخ مذکور نے لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ کو کسی صحابی سے ملاقات اور روایت حاصل نہیں ہوئی" لوگوں کو دھوکا ہوا کہ ابن خلکان تابعیت کے منکر ہیں حالانکہ ابن خلکان کو ملاقات اور روایت سے انکار ہے نہ رویت سے لیکن اگر ابن خلکان کی عبارت کا وہی مطلب ہو جو بعض ظاہر بینوں نے قرار دیا ہے تاہم کون کہہ سکتا ہے کہ ایسے بڑے بڑے محدثین کے مقابلہ میں انکی شہادت کچھ بھی اعتبار کے قابل ہوگی اصول روایت میں یہ مسئلہ طے ہو چکا ہے کہ اگر کسی واقعہ کے اثبات و نفی میں برابر درجے کی شہادتیں موجود ہوں تو اثبات کا اعتبار ہوگا۔ یہاں نفی کی شہادت ثبوت کے مقابلہ میں بالکل کم رتبہ ہے۔

بعض حنفیوں نے رویت سے بڑھکر روایت کا بھی دعویٰ کیا ہے اور تعجب ہے کہ علامہ عینی شارح ہدایہ بھی اس غلطی کے حامی ہیں لیکن انصاف یہ ہے کہ یہ دعویٰ ہرگز پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتا حافظ ابو المحاسن نے عقود الجمان میں ان تمام حدیثوں کو مع سند نقل کیا ہے جنکی نسبت یہ خیال ہے کہ امام نے صحابہ سے سنیں تھیں پھر اصول حدیث سے انکی جانچ کی ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ ہرگز ثابت نہیں محدثانہ بحثیں تو وقت طلب ہیں صاف بات یہ ہے کہ امام نے صحابہ سے

---

[۱] اس فتویٰ کو حافظ ابو المحاسن نے عقود الجمان میں بعبارتہا نقل کیا ہے اور میں نے اسی کا لفظی ترجمہ کیا ہے حافظ تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی میں یہ تصریح موجود ہے دیکھو مختصر تاریخ خطیب بغدادی کتاب الانساب تہذیب الاسماء واللغات و تذکرۃ الحفاظ و عبر فی اخبار من غبر ذہبی و تہذیب التہذیب میں امام ابو حنیفہ کا ترجمہ دیکھو ۱۲۔

ایک بھی روایت کی ہوتی تو سب سے پہلے امام کے تلامذہ خاص اسکو شہرت دیتے لیکن قاضی ابو یوسف امام محمد حافظ عبدالرزاق امام عبداللہ بن المبارک ابو نعیم فضل بن دکین مکی بن ابراہیم۔ ابو عاصم النبیل وغیرہ سے کہ امام کے مشہور اور باخلاص شاگرد تھے اور سچ پوچھئے تو زیادہ تر انہیں لوگوں نے انکی نام آوری کے سکے بٹھائے ہیں ایک حرف بھی اس واقعہ کے متعلق منقول نہیں۔

(امام کی کنیت جو نام سے زیادہ مشہور ہے حقیقی کنیت نہیں ہے امام کی کسی اولاد کا نام حنیفہ نہ تھا یہ کنیت وصفی معنی کے اعتبار سے ہے ابو الملۃ الحنیفۃ قرآن مجید میں خدا نے مسلمانوں سے خطاب کر کے کہا ہے واتبعوا ملۃ ابراہیم حنیفا امام ابو حنیفہ نے اسی نسبت سے اپنی کنیت ابو حنیفہ اختیار کی۔)

(سن رشد تعلیم و تربیت شیوخ و اساتذہ

امام کے بچپن کا زمانہ نہایت پر آشوب زمانہ تھا حجاج بن یوسف خلیفہ عبدالملک کی طرف سے عراق کا گورنر تھا اور ہر طرف ایک قیامت برپا تھی چونکہ مذہبی گروہ کی مخالفت کی وجہ سے عرب و عراق میں ابتک مروانی حکومت کے پاؤں نہیں جمے تھے حجاج کی سفاکیاں زیادہ تر انہیں لوگوں پر مبذول ہیں جو ائمہ مذہب اور علم و فضل کی حیثیت سے مقتدائے عام تھے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے نہایت سچ کہا ہے اگر اور پیغمبروں کی امتیں سب ملکر اپنے اپنے زمانہ کے بدکاروں کو پیش کریں اور ہم صرف حجاج کو پیش کریں تو واللہ ہمارا پلہ بھاری رہیگا عبدالملک نے ۸۶ھ میں وفات کی اور اسکا بیٹا ولید تخت نشین ہوا ولید کے زمانہ میں اگرچہ فتوحات نے نہایت ترقی کی اسپین و سندھ دو بڑی مملکتیں اسلام کے قبضہ میں آگئیں خوارزم و سمرقند سے گزر کر کابل و فرغانہ پر علم اسلام نصب ہوا مغرب کی طرف جزائر منورقہ و میورقہ فتح ہوئے لیکن اسلام کی روحانی برکتوں کا نشان نہ تھا۔ ملکی عہدہ داروں میں جو لوگ جسقدر زیادہ معزز اور با اختیار تھے اسی قدر ظالم اور سفاک تھے اسی زمانہ کی نسبت حضرت عمر بن عبدالعزیز فرمایا کرتے تھے کہ ولید شام میں حجاج عراق میں عثمان حجاز میں۔ قرہ مصر میں واللہ تمام دنیا ظلم سے بھر گئی" اس عالمگیر آشوب میں بھی اگرچہ درس و تعلیم کا سلسلہ بند نہیں ہوا تھا۔ جا بجا حدیث و روایت کی درسگاہیں موجود تھیں۔ اور فقہا و محدثین باوجود بے اطمینانی کے درس و تدریس میں مشغول تھے تاہم اسلام کی حوصلہ مندیوں اور جوش کے لحاظ سے جس قدر تھا نہایت کم تھا۔

ملک کی خوش قسمتی تھی کہ حجاج ۹۵ھ میں مرگیا ولید نے بھی ۹۶ھ میں وفات پائی ولید کے بعد سلیمان بن عبدالملک نے مسند خلافت کو زینت دی جسکی نسبت مورخین کا بیان ہے کہ خلفائے بنی امیہ میں سب سے افضل تھا سلیمان نے اسلامی دنیا پر سب سے بڑا یہ احسان کیا کہ عمر بن عبدالعزیز کو مشیر سلطنت بنایا اور مرتے دم تحریری وصیت کی کہ میرے بعد عمر بن عبدالعزیز تخت نشین ہوں سلیمان نے ۹۹ھ میں وفات پائی اور وصیت کے موافق عمر بن عبدالعزیز

ںد خلافت پر بیٹھے انکی خلافت نے دفعتہً حکومت مروانی کا رنگ بدلدیا۔ اور تمام ملک میں عدل و انصاف
وعمل خیر و برکت کی جان تازہ ڈالدی ایک مدت سے حضرت علیؓ پر خطبوں میں جو لعن طعن پڑھا جاتا تھا یکلخت
وف کردیا شہزادگان بنو اُمیہ کے ہاتھوں سے جاگیریں چھین لیں۔ جہاں جہاں ظالم عمال تھے یک قلم معزول
ئے سب سے بڑھکر یہ کہ علوم مذہبی کو وہ رونق دی کہ گھر گھر انکے چرچے پھیل گئے امام زہری کو حکم دیا کہ حدیثوں کو یکجا
یا یہ مجموعہ تیار ہوا تو ممالک اسلامیہ میں اسکی نقلیں ہوئیں غرض حجاج اور ولید کے عہد تک تو امام ابو حنیفہ
صیل علم کی طرف متوجہ ہونیکی نہ رغبت ہو سکتی تھی نہ کافی موقع مل سکتا تھا تجارت باپ دادا کی میراث تھی
ۂ خزبافی کا کارخانہ قائم کیا اور حسن تدبیر سے اسکو بہت کچھ ترقی دی لیکن سلیمان کے عہد خلافت میں جب
ں تدریس کے چرچے زیادہ عام ہوئے تو انکے دل میں بھی ایک تحریک پیدا ہوئی حسن اتفاق یہ کہ ان ہی دنوں میں
ا اتفاقی واقعہ پیش آیا جس سے ارادہ کو اور بھی استحکام ہوا۔

یک دن بازار جارہے تھے امام شعبی جو کوفہ کے مشہور امام تھے انکا مکان راہ میں تھا سامنے سے نکلے تو انہوں نے یہ سمجھکر
ئی نوجوان طالب علم ہے پاس بلالیا اور پوچھا کہ کہاں جارہے ہو انہوں نے ایک سوداگر کا نام لیا امام شعبی نے کہا
ر مطلب یہ تھا تم پڑھتے کس سے ہو؟ انہوں نے افسوس کیساتھ جواب دیا کہ در کسی سے بھی نہیں شعبی نے کہا کہ مجکو تم
ی قابلیت کے جوہر نظر آتے ہیں تم علما کی صحبت میں بیٹھا کرو" اس نصیحت نے انکے دل میں گھر کرلیا اور نہایت اہتمام
تحصیل علم پر متوجہ ہوئے اسوقت تک علم جس چیز کا نام تھا۔ وہ ادب انساب ایام العرب فقہ حدیث کلام تھا
م اگرچہ آجکل کا علم کلام نہ تھا۔ کیونکہ اس عہد تک مسائل اسلام پر فلسفہ کا پرتو نہیں پڑا تھا تاہم ان علوم
وقت نظر بلندی خیال زور طبع کیلئے اس سے وسیع تر میدان نہ تھا۔ اسلام جب تک عرب کی آبادی میں
ودرہا اسکے مسائل نہایت سادہ اور صاف رہے لیکن فارس اور مصر و شام پہنچکر ان میں رنگ آمیزیاں
روع ہوگئیں ان ملکوں میں اگرچہ حکمت و فلسفہ کا وہ زور باقی نہ رہا تھا تاہم فلسفہ کے بگڑے بگڑائے
ائل عام لوگوں میں پھیلے ہوئے تھے اور طبیعتیں عموماً باریک بینی اور احتمال آفرینی کی عادی تھیں قرآن پاک
خدا کی ذات و صفات مبداء و معاد وغیرہ کے متعلق جو کچھ مذکور ہے عرب نے اسکو اجمالی نگاہ سے دیکھا اور
ں اعتقاد کے لئے وہی کافی تھا بخلاف اسکے فارس و شام میں نہایت دقیق بحثیں پیدا ہو گئیں جو وسعت
ت اور ترقی خیالات کے لحاظ سے ضرور پیدا ہونی چاہیئں تھیں تنزیہ و تشبیہ صفات عینیت و غیریت
وث و قدم غرض اس قسم کے بہت سے مضامین نکل آئے جن کو بحث و تدقیق کی وسعت نے مستقل
بنا دیا رفتہ رفتہ عام اعتقادی مسائل میں بھی موشگافیاں شروع ہوگئیں اور رایوں کے اختلافات سے
لف فرقے بنتے گئے جو قدری مرجی معتزلی جہمی خارجی رافضی کہلائے۔ یہ فتنہ یہاں تک بڑھا کہ اہل حق جو

ۂ الجمان باب سادس ۱۲

ابتک ان بحثوں سے الگ تھے انکو بھی مخالفت کی ضرورت سے اس طرف متوجہ ہونا پڑا اسطرح علم کلام پیدا ہوگیا
جسکو تدوین و ترتیب کی وسعت نے اس رتبہ کو پہنچایا کہ بڑے بڑے آئمہ مذہب مثلاً امام اشعری ابو منصور ماتریدی کا مایہ ناز ٹھہرا
علم کلام نے زمانہ مابعد میں اگرچہ مدون و مرتب ہوکر اکتسابی علوم میں داخل ہوگیا لیکن اسوقت تک اسکی تحصیل کیلئے
صرف قدرتی ذہانت اور مذہبی معلومات درکار تھیں قدرت نے امام ابوحنیفہ میں یہ تمام باتیں جمع کردی تھیں رگوں
میں ایرانی خون اور طبیعت میں زور اور جدت تھی مذہبی روایتیں و مسائل کوفہ میں ایسے عام تھے کہ ایک معمولی شخص بھی
تعلیم یافتہ لوگوں میں اٹھ بیٹھکر حاصل کرسکتا تھا امام ابوحنیفہ نے اس فن میں وہ کمال پیدا کیا کہ بڑے بڑے اساتذہ فن
بحث کرنے میں انسے جی چراتے تھے تجارت کی غرض سے اکثر بصرہ جانا ہوتا تھا جو ان تمام فرقوں کا دنگل اور خاصکر خارجیوں کا
مرکز تھا اباضیہ صفریہ حشویہ وغیرہ سے اکثر بحثیں کیں اور ہمیشہ غالب رہے اگرچہ آخر ان جھگڑوں کو چھوڑکر وہ علم فقہ
پر مائل ہوئے اور تمام عمر اسکی نذر کردی لیکن اخیر تک یہ مذاق طبیعت سے نہ گیا خارجیوں وغیرہ سے انکے مناظرے علم کلام
کی جان ہیں انکی علمی زندگی کے تذکرے میں ہم بعض واقعات کی تفصیل بیان کریں گے۔

[1] شروع شروع میں تو امام صاحب اس فن کے بہت دلدادہ تھے لیکن جس قدر عمر اور تجربہ بڑھتا جاتا تھا انکی طبیعت رکتی جاتی
تھی خود انکا بیان ہے کہ آغاز عمر میں اس علم کو سب سے افضل جانتا تھا کیونکہ مجھکو یقین تھا کہ عقیدہ و مذہب کی بنیاد انہیں
باتوں پر ہے لیکن پھر خیال آیا کہ صحابہ کبار ان بحثوں سے ہمیشہ الگ رہے حالانکہ ان باتوں کی حقیقت انسے زیادہ کون
سمجھ سکتا تھا انکی توجہ جس قدر تھی فقہی مسائل پر تھی اور یہی مسائل وہ دوسروں کو تعلیم دیتے تھے ساتھ ہی خیال
گزرا کہ جو لوگ علم کلام میں مصروف ہیں انکا طرز عمل کیا ہے اس خیال سے اور بھی بیدلی پیدا ہوئی کیونکہ ان لوگوں میں
وہ اخلاقی پاکیزگی اور روحانی اوصاف نہ تھے جو اگلے بزرگوں کا مخصوص امتیاز تھا۔ اسی زمانہ میں ایکدن ایک عورت
نے آکر مسئلہ پوچھا کہ ایک شخص اپنی بیوی کو سنت کے طریقے پر طلاق دینی چاہتا ہے کیونکر دے خود تو بتا نہ سکا عورت کو
ہدایت کی کہ امام حماد جنکا حلقہ درس یہاں سے قریب ہے جاکر پوچھے یہ بھی کہدیا کہ حماد جو کچھ بتائیں مجھ سے کہتے جانا تھوڑی
دیر کے بعد واپس آئی اور کہا حماد نے یہ جواب دیا مجھکو سخت عبرت ہوئی اسیوقت اٹھ کھڑا ہوا اور حماد کے حلقہ درس میں جا بیٹھا

(امام کی ابتدائی تحصیل کے متعلق ایک اور روایت ہے جسکا سلسلہ سند خطیب نے امام تک پہنچایا ہے یعنی امام صاحب کا بیان ہے کہ
جب میں نے تحصیل علم پر توجہ کی تو بہت سے علوم پیش نظر تھے اور میں متردد تھا کہ کسکو اختیار کروں سب سے پہلے کلام کا خیال آیا
ساتھ ہی دل میں گزرا کہ وہ کندن و کاہ بر آوردن ہے ایک مدت کی محنت و دردسری کے بعد کمال بھی پیدا کیا تو علانیہ اظہار
نہیں کرسکتے کہ لوگ الحاد کی تہمت نہ لگائیں ادب اور قرأت کا بجز اسکے کہ مکتب پڑھائیں اور کچھ فائدہ نہ تھا۔ شعر و
شاعری میں ہجو اور جھوٹی مدح کے سوا اور کیا دھرا تھا۔ حدیث کیلئے اولاً تو ایک مدت درکار ہے اس کے علاوہ

[1] عقود الجمان باب سادس ۱۲

کم سنوں سے واسطہ پڑتا اور ہر وقت یہ فکر رہتی کہ لوگ جرح و تعدیل کا نشانہ نہ بنائیں آخر فقہ پر نظر پڑی اور دنیا و دین کی حاجتیں اس سے وابستہ نظر آئیں لیکن یہ روایت محض غلط ہے تمام معتمد روایتیں اسکے خلاف ہیں جو ریمارک امام صاحب کی طرف منسوب کئے ہیں ایسے جاہلانہ ریمارک ہیں کہ ایک معمولی آدمی کی طرف بھی نسبت نہیں کیجا سکتی اس روایت کو صحیح مانیں تو ماننا پڑیگا کہ حدیث و کلام کی طرف امام ابوحنیفہ نے توجہ ہی نہیں کی حالانکہ ان فنون میں امام ابوحنیفہ کا جو پایہ ہے اس سے کون انکار کرسکتا ہے یہ ممکن ہے کہ تحصیل علوم کے بعد امام نے خیال کیا ہو کہ کس فن کو اپنا خاص فن قرار دیں اور چونکہ عام خلائق کی ضرورتیں فقہ سے وابستہ دیکھیں اسی کو ترجیح دی یہی بات طرز بیان کی رنگ آمیزیوں سے اس حد تک پہنچ گئی جس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ روایت باینہمہ کو قید کتابت میں آچکی تھی عقود الجمان کے مصنف نے نقل کی تو بہت سے اختلافات پیدا ہو گئے ابن حجر نے تاریخ بغداد کا جو اختصار کیا ہے ہمارے پیش نظر ہے اس میں اس روایت کا جہاں ذکر ہے ہر علم کے متعلق جو ریمارک ہیں دوسروں کی طرف منسوب ہیں امام ابوحنیفہ کی نسبت صرف انکا تسلیم کرنا بیان کیا ہے۔

(حماد کوفہ کے مشہور امام اور استاد وقت تھے حضرت انسؓ سے جو رسول اللہ کے خادم خاص تھے حدیث سنی تھی اور بڑے بڑے تابعین کے فیض صحبت سے مستفید ہوئے تھے اسوقت کوفہ میں انہیں کا مدرسہ مرجع عام سمجھا جاتا تھا) مسعر و شعبہ نے جو ائمہ فن خیال کئے گئے ہیں انہیں کے حلقہ درس میں تعلیم پائی تھی حضرت عبداللہ بن مسعود (صحابی) سے جو فقہ کا سلسلہ چلا آتا تھا اسکا مدار انہیں پر رہگیا تھا۔ ان باتوں کے ساتھ زمانہ نے بھی انکا ساتھ دیا تھا یعنی دولتمند اور فارغ البال تھے اور اسوجہ سے نہایت اطمینان اور دلجمعی کیساتھ اپنے کام میں مشغول رہتے تھے ان وجوہ سے امام ابوحنیفہ نے علم فقہ پڑھنا چاہا تو استادی کیلئے انہی کو انتخاب کیا اسوقت درس کا طریقہ یہ تھا کہ استاد کسی خاص مسئلہ پر زبانی گفتگو کرتا تھا جسکو شاگرد یاد کرلیتے اور کبھی لکھ بھی لیا کرتے تھے امام ابوحنیفہ پہلے دن بائیں صف میں بیٹھے کیونکہ مبتدیوں کیلئے یہ امتیاز عموماً قائم رکھا جاتا تھا لیکن چند روز کے بعد جب حماد کو تجربہ ہو گیا کہ تمام حلقہ میں ایک شخص بھی حافظہ اور ذہانت میں انکا ہمسر نہیں ہے تو حکم دیدیا کہ ابوحنیفہ سب سے آگے بیٹھا کریں۔

امام نے اگرچہ اسی زمانہ میں حدیث پڑھنی شروع کر دی تھی جسکا تفصیلی بیان آگے آتا ہے تاہم حماد کے حلقۂ درس میں ہمیشہ حاضر ہوتے رہے خود انکا بیان ہے کہ میں دس برس تک حماد کے حلقۂ درس میں حاضر ہوتا رہا پھر خیال ہوا کہ اب خود درس و تعلیم کا سلسلہ قائم کروں لیکن استاد کا ادب مانع ہوتا تھا اتفاق سے انہیں دنوں حماد کا ایک رشتہ دار جو بصرہ میں رہا کرتا تھا مر گیا حماد کے سوا اور کوئی اسکا وارث نہ تھا اس ضرورت سے انکو بصرہ جانا پڑا چونکہ مجکو اپنا جانشین کر گئے تھے تلامذہ اور ارباب حاجت نے میری طرف رجوع کیا بہت سے ایسے مسئلے پیش آئے جن میں استاد سے میں نے کوئی روایت نہیں سنی تھی اسلئے اپنے اجتہاد سے جواب دئے اور احتیاط کے لئے ایک یادداشت لکھتا گیا۔

...کہ حماد بصرہ سے واپس آئے تو میں نے سب مسائل پیش کئے جن کی کل تعداد ساٹھ تھی ... بیس میں
تصفیہ ... باقی کی نسبت فرمایا تمہارا جواب صحیح ہے ... یہ سلسلہ ... حماد جب تک زندہ رہے ان کی شاگردی
کبھی نہیں چھوڑا تھا حماد نے سنہ ۱۲۰ھ میں انتقال کیا امام ابو حنیفہ نے اگرچہ حماد کے سوا اور بزرگوں کی
صحبت میں بھی فقہ کی تحصیل کی لیکن کچھ شبہ نہیں کہ اس فن خاص میں وہ حماد ہی کے تربیت یافتہ تھے
یہی سبب ہے کہ وہ سب سے زیادہ ان کی تعظیم کرتے تھے۔

حماد کے زمانہ میں ہی امام نے حدیث کی طرف توجہ کی کیونکہ مسائل فقہ کی ... جو امام کو مطلوب تھی حدیث کی تکمیل کے بغیر ممکن نہ تھی۔ اسوقت تمام ممالک اسلامیہ میں نہایت زور شور سے حدیث کا درس جاری تھا اور ہر جگہ سند اور روایت کے دفتر کھلے ہوئے تھے صحابہ جن کی تعداد کم از کم دس ہزار ہو تمام ممالک میں پھیل گئے تھے اور ان کی وجہ سے اسناد و روایت کا ایک عظیم الشان سلسلہ قائم ہو گیا تھا۔ لوگ جہاں کسی صحابی کا نام سن پاتے تھے ہر طرف سے ٹوٹے پڑتے تھے کہ چل کر رسول اللہ کے حالات سنیں یا مسائل شرعیہ کی تحقیق کریں۔ اسی طرح تابعین کا جو صحابہ کے شاگرد کہلاتے تھے بیشمار گروہ پیدا ہو گیا تھا جن کے سلسلے تمام ممالک اسلامیہ میں پھیل گئے تھے جن شہروں میں صحابہ یا تابعین کا زیادہ مجمع تھا وہ دار العلم کے لقب سے ممتاز تھے ان میں مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، یمن، بصرہ، کوفہ کو خاص امتیاز تھا کیونکہ اسلامی آثار کے لحاظ سے کوئی شہر ان مقامات کا ہمسر نہ تھا

کوفہ جو امام ابو حنیفہ کا مولد و مسکن تھا اسلام کی وسعت و تمدن کا گویا دیباچہ تھا۔ اہل عرب کی روز افزوں ترقی کے لئے عرب کی مختصر آبادی کافی نہ تھی۔ اس ضرورت سے حضرت عمر نے سعد بن ابی وقاص کو جو اسوقت حکومت کسریٰ کا خاتمہ کر کے مدائن میں اقامت گزیں تھے خط لکھا کہ مسلمانوں کیلئے ایک شہر بساؤ جو ان کا دار الہجرت اور قرارگاہ ہو۔ سعد نے کوفہ کی زمین پسند کی سنہ ۱۷ھ میں اس کی بنیاد کا پتھر رکھا گیا اور معمولی سادہ وضع کی عمارتیں تیار ہوئیں اسی وقت عرب کے قبائل ہر طرف سے آ آ کر آباد ہونے شروع ہوئے یہاں تک کہ تھوڑے دنوں میں وہ عرب کا ایک خطہ بن گیا حضرت عمر نے یمن کے بارہ ہزار اور نزار کے آٹھ ہزار آدمیوں کے لئے جو وہاں جا کر آباد ہوئے تھے روزینے مقرر کر دئیے چند روز میں جمعیت کے اعتبار سے کوفہ نے وہ حالت پیدا کی کہ جناب فاروق کوفہ کو رمح اللہ، کنز الایمان، جمجمۃ العرب یعنی خدا کا علم، ایمان کا خزانہ، عرب کا سر۔ فرمایا کرتے تھے اور خط لکھتے تو اس عنوان سے لکھتے الی راس الاسلام الی راس العرب۔ حضرت علی نے اس شہر کو دار الخلافہ قرار دیا۔ صحابہ میں سے ایک ہزار پچاس شخص جن میں چوبیس وہ بزرگ تھے جو غزوہ بدر میں رسول اللہ کے ہمرکاب تھے وہاں گئے اور بہتوں نے سکونت اختیار کر لی۔ ان بزرگوں کی بدولت ہر جگہ حدیث و روایت کے چرچے پھیل گئے تھے کوفہ کا ایک ایک گھر حدیث و روایت کا درسگاہ بن گیا

یہ تمام تفصیل فتوح البلدان بلاذری ذکر کوفہ و معجم البلدان و فتح المغیث صفحہ ۳۰۲ میں مذکور ہے ۱۲

بصرہ بھی اسی مقدس خلیفہ کے حکم سے آباد ہوا تھا اور وسعت علم اور اشاعت حدیث کے اعتبار سے کوفہ کا ہمسر تھا یہ دونوں شہر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی طرح علوم اسلامی کے دار العلم خیال کئے جاتے تھے۔ علامہ ذہبی نے اسلام کے دوسرے تیسرے عہد میں جن لوگوں کو حاملین حدیث کا لقب دیا ہے اور ان کے مستقل ترجمے لکھے ہیں انہیں اکثر مثلاً مسروق بن الاجدع عبیدہ بن عمر، اسود بن یزید، ابو عمرو الشیبانی۔ زر بن حبیش، ربیع بن خثیم، عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ، ابو عبد الرحمن السلمی۔ شریح بن الحارث، شریح بن ہانی، ابو وائل شقیق بن سلمہ، قیس بن ابی حازم، محمد بن سیرین، حسن بصری، شعبہ بن حجاج قتادہ بن دعامہ۔ انہیں دونوں شہروں کے رہنے والے یا خوشباش تھے۔ سفیان بن عیینہ جو ائمہ حدیث میں شمار کئے جاتے ہیں اکثر فرماتے تھے کہ مناسک کیلئے مکہ، قرأت کیلئے مدینہ اور حلال و حرام یعنی فقہ کیلئے کوفہ ہے۔[1] فقہ میں امام نے زیادہ تر حماد کا حلقہ درس کافی سمجھا تھا لیکن حدیث میں یہ قناعت ممکن نہ تھی یہاں صرف ذہانت اور اجتہاد سے کام نہیں چل سکتا تھا بلکہ درایت کے ساتھ روایت کی بھی ضرورت تھی۔ حدیثیں اس وقت تک نہایت پریشان اور غیر مرتب تھیں یہاں تک کہ بڑے بڑے اساتذہ دو چار حدیثوں سے زیادہ یاد نہیں رکھتے تھے۔ یہ تعداد ضروری مسائل کے لئے بھی کافی نہ تھی اس کے علاوہ طریق روایت میں اس قدر اختلافات پیدا ہو گئے تھے کہ ایک حدیث جب تک متعدد طریقوں سے معلوم نہ ہو اس کے مفہوم و تعبیر کا ٹھیک ٹھیک متعین ہونا دشوار تھا امام ابوحنیفہ کو حماد کی صحبت اور پختگی عمر نے ان ضرورتوں سے اچھی طرح واقف کر دیا تھا اسلئے نہایت سعی اور اہتمام سے حدیثوں کے بہم پہنچانے پر توجہ کی۔ تقریباً کوفہ میں کوئی ایسا محدث باقی نہ تھا جسکے سامنے امام صاحب نے زانوئے شاگردی طے نہ کیا ہو اور حدیثیں نہ سیکھی ہوں۔ ابوالمحاسن شافعی نے جہاں ان کے شیوخ حدیث کے نام گنائے ہیں ترانوے شخصوں کی نسبت لکھا ہے کہ کوفہ کے رہنے والے نزیل تھے۔ تہذیب التہذیب۔ تہذیب الاسماء و تذکرۃ الحفاظ وغیرہ میں اگرچہ (جیسا کہ ان کتابوں کا عام طریقہ ہے) امام کے شیوخ کا استقصا نہیں کیا ہے تاہم انہیں کتابوں کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے ایک گروہ کثیر سے روایت کی جنمیں ۹۳ شخص خاص کوفہ کے رہنے والے تھے اور ان میں اکثر تابعی تھے شیوخ کوفہ میں خاصکر امام شعبی، سلمہ بن کہیل، محارب بن دثار، ابو اسحٰق سبیعی، عون بن عبد اللہ، سماک بن حرب عمرو بن مرہ، منصور بن المعتمر، اعمش، ابراہیم بن محمد، عدی بن ثابت الانصاری، عطاء بن السائب، موسیٰ بن ابی عائشہ علقمہ بن مرثد بہت بڑے محدث اور سند و روایت کے مرجع عام تھے۔ سفیان ثوری اور امام حنبل وغیرہ کا سلسلہ سند اکثر انہیں بزرگوں تک پہنچتا ہے۔

(۱) امام شعبی وہی بزرگ ہیں جنہوں نے اول اول امام ابوحنیفہ کو تحصیل علم کی رغبت دلائی تھی بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کی تھیں مشہور ہے کہ پانسو صحابہ کو دیکھا تھا۔ عراق عرب، شام میں چار شخص جو استاد کامل تسلیم کئے گئے

[1] تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی ۱۲ [2] معجم البلدان ذکر کوفہ ۱۲

جاتے تھے انھیں میں ایک یہ تھے امام زہری کہا کرتے تھے کہ عالم صرف چار ہیں۔ مدینہ میں ابن المسیب بصرہ میں حسن شام میں مکحول کوفہ میں شعبی۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے انکو ایک بار مغازی کا درس دیتے دیکھا تو فرمایا کہ واللہ یہ شخص اس فن کو مجھ سے اچھا جانتا ہے" ایک مدت تک منصب قضا پر مامور ہے خلفاء اور اعیان دولت انکا نہایت احترام کرتے تھے (سنہ [illegible] ہجری میں یا سنہ [illegible] ہجری میں وفات پائی۔) ×

سلمہ بن کہیل مشہور محدث اور تابعی تھے جندب بن عبداللہ بن ابی اوفی ابوالطفیل اور انکے علاوہ اور بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کیں ابن سعد نے ان کو کثیر الحدیث لکھا ہے سفیان بن عیینہ امام شافعی رح کے استاد فرماتے تھے کہ سلمہ بن کہیل ایک رکن ہیں ارکان میں سے ابن مہدی کا قول تھا کہ کوفہ میں چار شخص سب سے زیادہ صحیح الروایۃ تھے منصور، سلمہ، عمرو بن مرہ، ابوحصین۔

ابواسحق سبیعی کبار تابعین سے تھے عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، ابن زبیر، نعمان بن بشیر، زید بن ارقم اور بہت سے صحابہ سے جنکے نام علامہ نووی نے تہذیب الاسماء میں بہ تفصیل لکھے ہیں حدیثیں سنی تھیں عجلی نے لکھا ہے کہ ۳۸ صحابہ سے انکو بالمشافہ روایت ہے۔ علی بن المدینی جو امام بخاری کے استاد تھے ان کا قول ہے کہ ابواسحق کے شیوخ میں نے شمار کئے تو کم و بیش تین سو تھے حافظ ابن حجر نے تہذیب میں انکا مفصل تذکرہ لکھا ہے

سماک بن حرب بہت بڑے تابعی اور محدث تھے امام سفیان ثوری نے کہا ہے کہ سماک نے کبھی حدیث میں غلطی نہیں کی خود سماک کا بیان ہے کہ میں اسی صحابہ سے ملا ہوں۔

محارب بن دثار نے عبداللہ بن عمر اور جابر وغیرہ سے روایت کی امام سفیان ثوری کہا کرتے تھے کہ میں نے کسی زاہد کو نہیں دیکھا جسکو محارب پر ترجیح دوں۔ علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ محارب عموماً حجۃ ہیں امام احمد بن معین ابوزرعہ دارقطنی ابوحاتم یعقوب بن سفیان نسائی نے انکو ثقہ تسلیم کیا ہے کوفہ میں منصب قضا پر مامور تھے سنہ ۱۱۶ھ میں وفات کی

عون بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود حضرت ابوہریرہ اور عبداللہ بن عمر سے حدیثیں روایت کیں نہایت ثقہ اور پرہیزگار تھے۔

ہشام بن عروہ معزز و مشہور تابعی تھے۔ بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کیں بڑے بڑے ائمہ حدیث مثلاً سفیان ثوری، امام مالک، سفیان بن عیینہ ان کے شاگرد تھے ابوجعفر منصور کے زمانے میں کوفہ گئے اہل کوفہ نے انسے اکثر حدیثیں روایت کیں خلیفہ منصور انکا نہایت احترام کرتا تھا ایک بار لاکھ درہم ان کو عطا کئے انکی جنازہ کی نماز بھی منصور نے پڑھائی تھی ابن سعد نے لکھا ہے کہ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے ابوحاتم نے انکو امام حدیث کہا ہے۔

سلیمان بن مہران معروف باعمش کوفہ کے مشہور امام تھے صحابہ میں سے انس بن مالک سے ملے تھے اور عبداللہ بن ابی اوفی سے حدیث سنی تھی سفیان ثوری و شعبہ ان کے شاگرد تھے امام کی تحصیل حدیث کا دوسرا

مدرسہ بصرہ تھا جو امام حسن بصری، شعبہ، قتادہ کے فیض تعلیم سے مالا مال تھا عجیب بات ہے کہ حسن بصری [illegible]
سنہ ۱۱۰ھ تک زندہ رہے لیکن امام ابوحنیفہ کا انکے درس سے مستفید ہونا ثابت نہیں ہوتا البتہ قتادہ و [illegible]
کا ذکر علماء محدثین نے کیا ہے اور عقود الجمان کے مختلف مقامات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام نے شعبہ سے حدیث سیکھی
اور انہوں نے ان کے سامنے ہی فتوی و روایت کی اجازت بھی دیدی تھی۔

قتادہ بہت بڑے محدث اور مشہور تابعی تھے حضرت انس بن مالک، عبداللہ بن سرجس، ابو الطفیل اور [illegible]
صحابہ سے حدیثیں روایت کیں حضرت انس کے دو شاگرد جو نہایت نامور ہیں ان میں ایک یہ بھی [illegible]
خصوصیت میں ان کو نہایت شہرت تھی کہ حدیث کو بعینہ ادا کرتے تھے یعنی الفاظ و معنی میں بالکل فرق نہیں
ہوتا تھا ان کے قوت حافظہ کی ایک عجیب مثال لکھی ہے عمرو بن عبداللہ کا بیان ہے کہ یہ مدینہ میں سعید بن المسیب
سے حدیث پڑھتے تھے ایکدن انہوں نے فرمایا کہ "تم ہر روز بہت سی باتیں پوچھتے ہو تم کو ان میں سے کچھ یاد بھی [illegible]
انہوں نے کہا ایک ایک حرف محفوظ ہے چنانچہ جسقدر ان سے سنا تھا بقید تاریخ اور دن کے بیان کرنا شروع کیا
متعجب ہوئے اور کہا "خدا نے دنیا میں تم جیسے لوگ بھی پیدا کئے ہیں" اسی بنا پر لوگ ان کو احفظ الناس کہا کرتے
تھے امام حنبل نے ان کی فقہ، واقفیت اختلافات، و تفسیر دانی کی نہایت مدح کی ہے اور کہا ہے کہ "کوئی شخص ان
باتوں میں ان کی برابر ہو تو ہو مگر ان سے بڑھ کر نہیں ہو سکتا حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں ان کا حال
لکھا ہے جس سے ان کی عظمت و شان کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

شعبہ بھی بڑے رتبہ کے محدث تھے دو ہزار حدیثیں یاد تھیں سفیان ثوری نے فن حدیث میں انکو امیر المومنین
مانا ہے عراق میں یہ پہلے شخص ہیں جس نے جرح و تعدیل کو مراتب مقرر کئے امام شافعی فرمایا کرتے تھے کہ شعبہ نہ ہوتے تو
عراق میں حدیث کا رواج نہ ہوتا سنہ ۱۶۰ھ میں انتقال کیا سفیان ثوری کو ان کے مرنے کی خبر پہنچی تو کہا "آج فن
حدیث بھی مر گیا" شعبہ کو امام ابوحنیفہ کے ساتھ ایک خاص ربط تھا غیبت میں اکثر ان کی ذہانت اور خوبی فہم کی تعریف
کرتے ایکبار ان کا ذکر آیا تو کہا کہ "جس طرح میں جانتا ہوں کہ آفتاب روشن ہے اسی یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ
علم اور ابوحنیفہ ہم نشین ہیں" یحییٰ بن معین سے جو امام بخاری کے استاد تھے کسی نے پوچھا کہ آپ ابوحنیفہ کی نسبت
کیا خیال رکھتے ہیں فرمایا "اس قدر کافی ہے کہ شعبہ نے ان کو حدیث و روایت کی اجازت دی اور شعبہ آخر شعبہ
ہی ہیں" بصرہ کے اور شیوخ جن سے امام ابوحنیفہ نے حدیثیں روایت کیں ان میں عبدالکریم بن امیہ، عاصم بن سلیمان الاحول [illegible]
(امام ابوحنیفہ کو اگرچہ ان درسگاہوں سے بہرہ ذخیرہ ہاتھ آیا تاہم تکمیل کی سند حاصل کرنے کے لئے حرمین کا سفر
ضروری تھا جو اس زمانہ کے اصلی مرکز تھے) مورخوں کو یہ پتہ نہیں چلتا کہ امام کا پہلا سفر کس سنہ میں واقع ہوا تھا تاہم [illegible]

ملہ عقود الجمان باب دہم ۱۲

جب انہوں نے علوم دین کا سفر کیا تو تحصیل کا قصد تھا مورخ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ شیخ نے خود امام ابو حنیفہ سے روایت کی ہے کہ حج میں ایک حجام نے جس سے بال منڈوائے تھے کئی باتوں میں میری گرفت کی پہلے میں مناسک پوچھنے کو نہیں جانتے میں جب بیٹھا تو کہا قبلہ رو ہو کر بیٹھو حجامت سے فارغ ہو کر میں گھر چلا تو اس نے کہا پہلے دو رکعت نماز پڑھ لو پھر کہیں جانا میں نے متعجب ہو کر پوچھا یہ مسائل تم نے کہاں سیکھے ہیں بولا عطاء بن ابی رباح کا فیض ہے اس قصہ سے زیادہ تر یہی قیاس ہو سکتا ہے کہ ابتدائی زمانہ تھا

(جس زمانہ میں امام ابو حنیفہ مکہ معظمہ پہنچے درس و تدریس کا نہایت زور تھا متعدد اساتذہ کہ جو فن حدیث میں کمال رکھتے تھے اور اکثر صحابہ کی خدمت سے مستفید ہوئے تھے ملک الگ درسگاہ قائم تھی ان میں عطاء بن ابی رباح کا حلقہ سب سے زیادہ وسیع اور مستند تھا عطاء مشہور تابعی تھے اکثر صحابہ کی خدمت میں رہے تھے اور ان کے فیض صحبت سے اجتہاد کا رتبہ حاصل کیا تھا (حضرت عبد اللہ بن عباس ابن عمر ابن زبیر اسامہ بن زید جابر بن عبد اللہ زید بن ارقم عبد اللہ بن سائب عقیل رافع ابو درداء ابو ہریرہ اور بہت سے صحابہ سے حدیثیں سنی تھیں۔ خود ان کا بیان ہے کہ میں دو سو بزرگوں سے ملا ہوں جن کو رسول اللہ کی صحبت کا شرف حاصل تھا مجتہدین صحابہ ان کے علم و فضل کے معترف تھے عبد اللہ بن عمر جو حضرت فاروق کے فرزند رشید اور صاحب اجتہاد تھے اکثر فرماتے تھے کہ عطاء بن رباح کے ہوتے لوگ میرے پاس کیوں آتے ہیں حج کے زمانہ میں ہمیشہ سلطنت کی طرف سے ایک منادی مقرر ہوتا تھا کہ عطاء کے سوا کوئی شخص فتویٰ دینے کا مجاز نہیں بڑے بڑے ائمہ حدیث مثلاً امام اوزاعی زہری عمرو بن دینار انہیں کے حلقہ درس سے نکل کر استاد کہلائے۔

(امام ابو حنیفہ استفادہ کی غرض سے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے احتیاط کے لحاظ سے عقیدہ پوچھا امام نے کہا میں اسلاف کو برا نہیں کہتا گنہگار کو کافر نہیں سمجھتا۔ قضا و قدر کا قائل ہوں" عطاء نے اجازت دی کہ حلقہ درس میں شامل ہوا کریں۔ روز بروز ان کی ذہانت و طباعی کے جوہر کھلتے گئے اور اس کے ساتھ استاد کی نظر میں ان کا وقار بھی بڑھتا گیا یہاں تک کہ جب یہ حلقہ درس میں جاتے تو عطاء اوروں کو ہٹا کر ان کو اپنے پہلو میں جگہ دیتے عطاء نے ۱۱۵ھ تک زندہ رہے اس مدت میں امام ابو حنیفہ کو جب مکہ معظمہ جانے کا اتفاق ہوتا تو ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور مستفید ہوتے عطاء کے علاوہ مکہ معظمہ کے اور محدثین جن سے امام نے حدیث کی سند لی ہے عکرمہ کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا جا سکتا ہے عکرمہ حضرت عبد اللہ بن عباس کے غلام اور شاگرد تھے انہوں نے نہایت توجہ اور کوشش سے ان کی تعلیم و تربیت کی تھی یہاں تک کہ اپنی زندگی ہی میں اجتہاد و فتویٰ کا مجاز کر دیا تھا عکرمہ نے اور بہت سے صحابہ مثلاً حضرت علی۔ ابو ہریرہ عبد اللہ بن عمرو عقبہ بن عامر صفوان۔ جابر۔ ابو قتادہ سے حدیثیں سیکھی تھیں اور فقہی مسائل تحقیق کئے تھے کم و بیش

[illegible]

مشہور تابعین حدیث و تفسیر میں انکے شاگرد ہیں۔ امام شعبی کہا کرتے تھے کہ قرآن جاننے والا عکرمہ سے بڑھکر نہیں رہا۔ سعید بن جبیر کہ تابعین کے سردار تھے اُن سے ایک شخص نے پوچھا کہ دنیا میں آپ سے بڑھکر بھی کوئی عالم ہے فرمایا ہاں عکرمہ۔

اسی زمانہ میں یعنی ۱۰۲ھ سے پہلے امام ابوحنیفہ نے مدینہ کا قصد کیا کہ حدیث کا مخزن اور نبوت کا اخیر قرارگاہ تھا صحابہ کے بعد تابعین کے گروہ میں سے سات شخص علم و فقہ و حدیث کے مرجع بن گئے تھے اور مسائل شرعیہ میں عموماً اُن کی طرف رجوع کیا جاتا تھا ان لوگوں نے بڑے بڑے صحابہ کے دامن فیض میں تعلیم پائی تھی اور یہ مرتبہ حاصل کیا تھا کہ تمام ممالک اسلامی میں بواسطہ و بلاواسطہ ان کے درس کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا یہ لوگ ہمعصر تھے اور ایک مشترکہ مجلس افتاد کے ذریعہ سے تمام شرعی مسائل کا فیصلہ کرتے تھے مدینہ کی فقہ جس کی تدوین امام مالک نے کی اسکی بنیاد زیادہ تر انہوں کے فتووں پر ہے

امام ابوحنیفہ جب مدینہ پہنچے تو ان بزرگوں میں سے صرف دو شخص زندہ تھے سلیمان و سالم بن عبداللہ سلیمان حضرت میمونہ کے جو رسول اللہ کی ازواج مطہرات میں سے تھیں غلام تھے اور فقہائے سبعہ میں فضل و کمال کے لحاظ سے انکا دوسرا نمبر تھا سالم حضرت فاروق کے پوتے تھے اور اپنے والد بزرگوار سے تعلیم پائی تھی۔ امام ابوحنیفہ دونوں بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن سے حدیثیں روایت کیں۔

(امام ابوحنیفہ کی طالب العلمی کی مسافت اگرچہ مدینہ تک محدود ہو تاہم تعلم کا سلسلہ اخیر زندگی تک قائم رہا۔ اکثر حرمین جاتے اور مہینوں قیام کرتے۔ حج کی تقریب میں ممالک اسلامی کے ہر گوشہ سے بڑے بڑے اہل کمال کھنچ آکر جمع ہو جاتے تھے جنکا مقصد حج کے ساتھ افادہ و استفادہ بھی ہوتا تھا امام صاحب اکثر اُن لوگوں سے ملتے اور مستفید ہوتے امام اوزاعی اور مکحول شامی کہ شام کے امام المذہب کہلاتے تھے امام ابوحنیفہ نے مکہ ہی میں ان سے تعارف حاصل کیا اور حدیث کی سند لی یہ وہ زمانہ تھا کہ امام صاحب کی ذہانت اور اجتہاد کی شہرت دور دور پہنچ گئی تھی یہانتک کہ ظاہر بینوں نے اُن کو قیاس مشہور کر دیا تھا انہیں دنوں میں عبداللہ بن مبارک نے جو امام ابوحنیفہ کے مشہور شاگرد ہیں بیروت کا سفر کیا کہ امام اوزاعی سے فن حدیث کی تکمیل کریں پہلی ہی ملاقات میں اوزاعی نے ان سے پوچھا کہ "کوفہ میں یہ ابوحنیفہ کون شخص پیدا ہوا ہے جو دین میں نئی باتیں نکالتا ہے" انہوں نے کچھ جواب نہ دیا اور گھر چلے گئے دو تین دن کے بعد پھر گئے تو کچھ اجزا ساتھ لیتے گئے اوزاعی نے اُن کے ہاتھ سے وہ اجزا لے لئے سر نامہ پر لکھا تھا "قال نعمان بن ثابت" دیر تک غور سے دیکھا کئے پھر عبداللہ سے پوچھا نعمان کون بزرگ ہیں انہوں نے کہا عراق کے ایک شیخ ہیں جنکی صحبت میں میں رہا ہوں" فرمایا بڑے پایہ کا شخص ہے عبداللہ نے عرض کی یہ وہی ابوحنیفہ ہیں جن کو آپ مبتدع بتلاتے تھے اوزاعی کو اپنی غلطی پر افسوس ہوا حج کی تقریب سے اوزاعی مکہ گئے تو امام ابوحنیفہ سے ملاقات ہوئی انہیں مسائل کا ذکر آیا اتفاق سے عبداللہ بن المبارک بھی موجود تھے ان کا بیان ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اس خوبی سے تقریر کی کہ اوزاعی حیران رہ گئے۔ امام ابوحنیفہ کے جانے کے بعد مجھ سے

کہا کہ اس شخص کے کمال نے اسکو لوگوں کا محسود بنا دیا بے شبہ میری بدگمانی غلط تھی جس کا میں افسوس کرتا ہوں تاریخوں سے ثابت ہی کہ امام ابوحنیفہ نے فن حدیث میں امام اوزاعی کی شاگردی کی ہے غالباً یہی زمانہ ہوگا)

امام باقر علیہ السلام کی

حضرت امام باقر علیہ السلام کیساتھ بھی ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ امام ابوحنیفہ دوسری بار مدینہ گئے تو امام موصوف کی خدمت میں حاضر ہوئے اُن کے ایک ساتھی نے پہچنوایا کہ یہ ابوحنیفہ ہیں انہوں نے ابوحنیفہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "ہاں تمہیں قیاس کی بنا پر ہمارے دادا کی حدیثوں سے مخالفت کرتے ہو" انہوں نے نہایت ادب سے کہا "معاذ اللہ حدیث کی کون مخالفت کر سکتا ہی آپ تشریف رکھیں تو عرض کروں" پھر حسب ذیل گفتگو ہوئی (ابوحنیفہ) مرد ضعیف ہی یا عورت (امام باقر) عورت (ابوحنیفہ) وراثت میں مرد کا حصہ زیادہ ہی یا عورت کا (امام باقر) مرد کا (ابوحنیفہ) میں قیاس لگاتا تو کہتا کہ عورت کو زیادہ حصہ دیا جائے کیونکہ ضعیف کو ظاہر قیاس کی بنا پر زیادہ ملنا چاہئے۔ پھر پوچھا نماز افضل ہی یا روزہ (امام باقر) نماز (ابوحنیفہ) اس اعتبار سے حائضہ عورت پر نماز کی قضا واجب ہونی چاہئے نہ روزہ کی حالانکہ میں روزہ ہی کی قضا کا فتویٰ دیتا ہوں امام باقرؑ اسقدر خوش ہوئے کہ اٹھکر اُن کی پیشانی چوم لی[1] ابوحنیفہ ایک مدت تک استفادہ کی غرض سے انکی خدمت میں حاضر رہے اور فقہ و حدیث کے متعلق بہت سی نادر باتیں حاصل کیں شیعہ و سنی دونوں نے مانا ہی کہ امام ابوحنیفہ کی معلومات کا بڑا ذخیرہ حضرت ممدوح کا فیض صحبت تھا امام صاحب نے اُن کے فرزند رشید حضرت جعفر صادق علیہ السلام کی فیض صحبت سے بھی بہت کچھ فائدہ اٹھایا جس کا ذکر عموماً تاریخوں میں پایا جاتا ہی ابن تیمیہ نے اس سے انکار کیا ہے اور اُس کی یہ خیال کی ہے کہ امام ابوحنیفہ حضرت جعفر صادق کے معاصر اور ہمسر تھے اس لئے ان کی شاگردی کیونکر اختیار کرتے لیکن یہ ابن تیمیہ کی گستاخی اور خیرہ چشمی ہی امام ابوحنیفہ لاکھ مجتہد و فقیہ ہوں لیکن فضل و کمال میں اُنکو حضرت جعفر صادقؑ سے کیا نسبت؟ حدیث و فقہ بلکہ تمام مذہبی علوم اہلبیت کے گھر سے نکلے و صاحب البیت ادری بما فیہا یا تو وہ زمانہ تھا کہ امام ابوحنیفہ نے ایک طالب العلم کی حیثیت سے حرمین کا سفر کیا تھا یا اب یہ نوبت پہنچی کہ سفر کا قصد کرتے تو تمام اطراف میں شہرہ ہو جاتا کہ فقیہ عراق عرب کو جا رہا ہی جس شہر یا گاؤں میں گزر ہوتا تو ہزاروں آدمیوں کا مجمع ہو جاتا۔ ایکدفعہ مکہ معظمہ گئے تو لوگوں کی وہ کثرت ہوئی کہ مجلس میں تل رکھنے کو جگہ نہ تھی ارباب حدیث و فقہ دونوں فرقہ کے لوگ تھے اور شوق کا یہ عالم تھا کہ ایک پر ایک گرا پڑتا تھا۔ آخر امام صاحب نے تنگ آکر فرمایا "کاش ہمارے میزبان سے جا کر کوئی کہتا کہ اس ہجوم کا انتظام کرتے" ابو عاصم نبیل حاضر تھے عرض کی کہ میں جاتا ہوں لیکن چند مسئلے دریافت کرنے رہگئے ہیں۔ امام نے پاس بلایا اور زیادہ توجہ کی ساتھ اُن کی باتیں سنیں۔ اس میں میزبان کا خیال جاتا رہا ابو عاصم سے فارغ ہوکر ایک طالب العلم کیطرف متوجہ

[1] عقود الجمان باب شانزدہم ۱۲

ہوئے اور پھر وہی سلسلہ قائم ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد خیال آیا تو فرمایا کسی شخص نے میزبان کے پاس جانیکا ارادہ کیا تھا وہ کہاں گیا۔ ابوعاصم بولے میں نے عرض کیا تھا شاید آپ بھول گئے نہیں؟ ابوعاصم نے شاعرانہ شوخی سے کہا میں نے تو یہ نہیں کہا تھا کہ ابھی جاتا ہوں جب فرصت ہو گی جاؤنگا۔ امام نے فرمایا عام بول چال میں ایسے احتمالات کا موقع نہیں۔ ان لفظوں کے معنی ہمیشہ وہی لئے جائیں گے جو عوام کی غرض ہوتی ہے[1] ایک اعتبار سے یہ بھی ایک فقہی مسئلہ تھا جسکو امام صاحب نے باتوں باتوں میں حل کر دیا۔

امام صاحب کے اساتذہ انکا اس قدر ادب و احترام کرتے تھے کہ لوگوں کو تعجب ہوتا تھا محمد بن الفضل کا بیان ہے کہ ایک دفعہ امام ابوحنیفہ ایک حدیث کی تحقیق کیلئے خصیب کے پاس گئے میں بھی ساتھ تھا خصیب نے ان کو آتے دیکھا تو اٹھ کھڑے ہوئے اور نہایت تعظیم کیساتھ لاکر اپنے برابر بٹھایا۔ امام صاحب نے پوچھا کہ "بیضۂ نعام کے بارے میں کیا حدیث آئی ہے؟" خصیب نے کہا "اخبرنی ابو عبیدۃ عن عبد اللہ ابن مسعود فی بیضۃ النعام یصیبہا المحرم ان فیہ قیمتہ" عمرو بن دینار جو کہ مشہور محدث تھے ابوحنیفہ کی وجہ سے حلقہ درس میں اور کسی کیطرف خطاب نہیں کرتے تھے اس عظمت کیساتھ امام صاحب کو طلب علم میں کسی سے عار نہ تھی۔ امام مالک عمر میں ان سے تیرہ برس کم تھے انکے حلقہ درس میں بھی اکثر حاضر ہوئے اور حدیثیں سنیں۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ "امام مالک کیسامنے ابوحنیفہ اس طرح مودب بیٹھتے تھے جسطرح شاگرد استاد کے سامنے بیٹھتا ہے اسکو بعض کوتاہ بینوں نے امام کی کسر شان پر محمول کیا ہے لیکن ہم اسکو علم کی قدر شناسی اور شرافت کا تمغہ سمجھتے ہیں امام مالک بھی ان کا نہایت احترام کرتے تھے عبداللہ بن المبارک کی زبانی منقول ہے کہ میں امام مالک کی خدمت میں حاضر تھا ایک بزرگ آئے جنکی انہوں نے نہایت تعظیم کی اور اپنے برابر بٹھایا ان کے جانیکے بعد فرمایا جانتے ہو یہ کون شخص تھا" یہ ابوحنیفہ عراقی تھے جو اس ستون کو سونے کا ثابت کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں" ذرا دیر کے بعد ایک اور بزرگ آئے امام مالک نے انکی بھی تعظیم کی لیکن نہ اس قدر جتنی ابوحنیفہ کی تھی وہ اٹھ گئے تو لوگوں سے کہا یہ سفیان ثوری تھے۔

حجاز و عراق کے ائمہ فن روایت کے متعلق جدا جدا اصول رکھتے تھے طرز تعلیم بھی مختلف تھا بعضوں کے نزدیک لکھنے کا زیادہ اعتبار تھا بعض مثلاً ابراہیم شعبی صرف حافظہ سند سمجھتے تھے اکثر وں نے اس بات کو جائز رکھا تھا کہ مطلب میں فرق نہ آئے تو روایت میں حدیث کا ایک ٹکڑا چھوڑ دیا جا سکتا ہے بعض اس کو بالکل خلاف سمجھتے تھے ایک فریق کہتا تھا کہ راوی جبتک سامنے نہ ہو اس سے روایت نہیں کیجا سکتی شعبہ جو امام صاحب کے استاد تھے ان کا یہی مذہب تھا۔ دوسرا گروہ پردہ کی اوٹ سے تحریر کی بنا پر روایت کرنے کو جائز سمجھتا تھا۔ امام زہری کی عادت تھی کہ روایت کے ساتھ الفاظ و مطالب کی تفسیر بھی کرتے جاتے تھے۔ بعض لوگ اس کے سخت مخالف تھے

[1] کرامر المغنیۃ۔ باب الکنی ترجمہ ابوعاصم النبیل ۱۲

یہاں تک کہ ایک شخص نے خود زہری کو ٹوکا کہ حدیث نبوی میں آپ اپنے الفاظ نہ ملائیں۔ امام مالک کو یہ طریقہ زیادہ پسند تھا کہ شاگرد پڑھیں اور وہ سنتے جائیں۔ بعض اسکے مخالف تھے یحییٰ بن سلام اتنی بات پر انکے حلقہ درس سے ناراض ہو کر اٹھ آئے کہ وہ خود نہیں پڑھتے شاگردوں سے پڑھواتے ہیں۔ اسی طرح اور بہت سے اختلافات تھے جنکو فتح المغیث میں تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ امام ابوحنیفہ کی کثرت شیوخ اور ریزہ چینیوں کا ایک بڑا مقصد یہ تھا کہ ان مختلف اصولوں سے آگاہ ہوں تاکہ سب کے مقابلہ سے خود ایک مستقل اور صحیح اصول قائم کر سکیں۔ امام موصوف نے اصول میں جو اصلاحیں کی ہیں انکا بیان آگے آئیگا۔

طریقہ تعلیم کی ترقی

امام کی یہ بڑی خوش قسمتی تھی کہ انکی آغاز تحصیل ہی میں حدیث کی تعلیم کا طریقہ مرتب اور باقاعدہ ہو چلا تھا اس سے پہلے عموماً زبانی روایت کا رواج تھا بعض ائمہ حدیث کتابت کو قریباً ناجائز سمجھتے تھے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے تقریباً ۱۰۱ھ میں اہل مدینہ کو خط لکھا جسکے الفاظ یہ تھے انظروا ما کان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاکتبوہ فانی خشیت دروس العلم وذھاب العلماء یعنی رسول اللہ کی جسقدر حدیثیں ہیں قلمبند کر لی جائیں ورنہ ضائع ہونیکا ڈر ہے۔ اور شہروں میں بھی اسی مضمون کے فرامین بھیجے۔ چنانچہ مدینہ میں امام زہری نے ایک مجموعہ مرتب کیا جسکی نقلیں سلطنت کی طرف سے تمام ممالک اسلامی میں شائع کی گئیں[1] اسوقت سے تدوین کا عام رواج ہو گیا اور جہاں جہاں اہل حدیث تھے اسی طریقہ کو برتنے لگے شعبی (امام ابوحنیفہ کے استاد) کو اگرچہ زبانی روایت پر اصرار تھا تاہم کتاب ساتھ رکھتے تھے طریقہ تعلیم نے بھی نہایت ترقی کی۔ شیخ مجمع عام میں ایک بلند مقام پر بیٹھتا اور حدیث کا مجموعہ ہاتھ میں ہوتا۔ شاگرد قلم دوات لیکر بیٹھتے اور استاد جو کچھ روایت کرتا اسکے الفاظ لکھتے جاتے شائقین کی زیادہ کثرت ہوتی تو ایک مستملی کھڑا ہو کر وہ الفاظ دور کے بیٹھنے والوں تک پہنچاتا مگر یہ التزام تھا کہ مطلب بلکہ جہانتک ممکن ہو الفاظ میں فرق نہ آئے اس ضرورت سے مستملی ہمیشہ ایسا شخص مقرر ہوتا تھا جس کا حافظہ قوی اور معلومات وسیع ہوں۔ ساتھ ہی خوش لہجہ اور بلند آواز ہو چنانچہ امام شعبہ کی مجلس درس میں آدم بن ابی ایاس اور امام مالک کے حلقہ میں ابن علیہ اس خدمت پر مامور تھے۔

امام ابوحنیفہ کے شیوخ حدیث بہت تھے

امام ابوحنیفہ اس خصوصیت کے ساتھ مشہور ہیں کہ انکے شیوخ حدیث بیشمار ہیں۔ ابوحفص کبیر نے دعویٰ کیا ہے کہ امام نے کم از کم چار ہزار شخصوں سے حدیثیں روایت کیں اگرچہ تاریخ اسلام میں یہ کوئی عجیب بات نہیں مسلمانوں نے حدیثوں کے جمع کرنے میں جو محنتیں اور جانفشانیاں کی ہیں دنیا کی اور قومیں اسکا اندازہ بھی نہیں کر سکتیں ہم متعدد شخصوں کے نام بتا سکتے ہیں جنکے شیوخ حدیث چار ہزار سے کم نہ تھے اور ایسے تو بہت گزرے ہیں جنکے اساتذہ ہزار سے زیادہ تھے علامہ سخاوی نے فتح المغیث میں ان لوگوں کے نام گنائے ہیں

[1] فتح المغیث صفحہ ۲۳۹ و مقدمہ قسطلانی شرح بخاری مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۱۲-

لیکن انصاف یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کی نسبت یہ دعویٰ محدثانہ اصول پر ثابت نہیں ہو سکتا البتہ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ امام نے ایک گروہ کثیر سے روایت کی ہے اور اُسکا خود محدثین کو اعتراف ہے علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں جہاں اُنکے شیوخ حدیث کے نام گنوائے ہیں اخیر میں لکھدیا ہے وروی خلق کثیر۔ حافظ ابو المحاسن شافعی نے عقود الجمان میں تین سو انیس شخصوں کے نام بقید نسب لکھے ہیں اور اخیر میں لکھ دیا ہے کہ میں ایک دوسری کتاب میں جس کا نام تحصیل السبیل الی معرفۃ الثقات والمجاہیل ہے ان لوگوں کے حالات بھی تفصیل سے لکھے ہیں لیکن چونکہ اُنکی فہرست زیادہ تر فقہائے حنفیہ سے ماخوذ ہے ممکن ہے کہ محدثین کو کلیۃً اس سے اتفاق نہ ہو افسوس ہے کہ محدثین نے امام مالک کے حالات میں جو کتابیں لکھی ہیں اور جنمیں اُنکے شیوخ کا پورا پورا استقصا کیا ہے ہماری نظر سے نہیں گزریں رجال کی مستند کتابیں جن میں امام کا ذکر ہے ہمارے سامنے ہیں لیکن اُن میں سیکڑوں ہزاروں آدمیوں کے حالات ہیں اس وجہ سے کسی خاص شخص کے متعلق پوری تفصیل نہیں مل سکتی مختصر تاریخ بغداد۔ تہذیب الکمال۔ تہذیب الاسماء واللغات۔ تذکرۃ الحفاظ ملخص طبقات الحفاظ۔ تہذیب التہذیب انساب سمعانی۔ موطا امام محمد۔ کتاب الآثار امام محمد کے تتبع[1] سے جسقدر اُنکے شیوخ انتخاب ہو سکتے ہیں اُنکے

شیوخ حدیث کا شمار

نام حسب ذیل ہیں۔ انمیں سے اکثر کے اجمالی حالات ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ عطاء بن ابی رباح مکی۔ عاصم بن ابی النجود کوفی۔ علقمہ بن مرثد کوفی۔ حکم بن عتیبہ کوفی۔ سلمہ بن کہیل کوفی۔ حضرت امام باقر علیہ السلام مدنی۔ علی بن الاقمر الکوفی۔ زیاد بن علاقہ کوفی۔ سعید بن مسروق کوفی۔ عدی بن ثابت انصاری کوفی۔ عطیہ بن سعید کوفی۔ ابو حیان سعدی۔ عبد الکریم بن امیہ بصری۔ یحییٰ بن سعید مدنی۔ ہشام بن عروہ مدنی (از تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر عسقلانی)۔ ابو اسحٰق السبیعی کوفی۔ نافع بن عمر مدنی۔ عبد الرحمٰن بن ہرمز الاعرج المدنی۔ قتادہ بصری۔ عمرو بن دینار المکی۔ محارب بن دثار کوفی۔ ہیثم بن حبیب الصراف کوفی۔ قیس بن مسلم کوفی۔ محمد بن عمر المدنی۔ یزید الفقیر کوفی۔ سماک بن حرب کوفی۔ عبد العزیز بن رفیع المکی۔ مکحول شامی۔ عمرو بن مرۃ الکوفی۔ ابو الزبیر محمد بن مسلم مکی۔ عبد الملک بن عمیر کوفی۔ منصور بن زاذان۔ منصور المعتمر۔ عطاء بن السائب الثقفی۔ عطاء بن ابی مسلم الخراسانی۔ عاصم بن سلیمان الاحول بصری۔ اعمش کوفی۔ عبد اللہ بن عمر بن حفص المدنی۔ امام اوزاعی (طبقات الحفاظ ذہبی از مقامات مختلفہ) ابراہیم بن محمد الکوفی۔ اسمٰعیل بن عبد الملک المکی۔ حارث بن عبد الرحمٰن المکی۔ خالد بن علقمہ الوداعی۔ ربیعۃ الرائی۔ شداد بن عبد الرحمٰن بصری۔ شیبان بن عبد الرحمٰن بصری۔ طاؤس بن کیسان یمنی۔ عبد الرحمٰن بن دینار المدنی۔ عکرمہ مولیٰ ابن عباس مکی۔ عون بن عبد اللہ کوفی۔ قابوس بن ابی ظبیان کوفی

[1] ان کتابوں میں تہذیب الکمال میری نظر سے نہیں گزری مولوی عبد الحی صاحب مرحوم نے التعلیق الممجد میں امام ابو حنیفہ کے شیوخ تہذیب الکمال کے حوالے سے لکھے ہیں۔ میں نے اُسی کے حوالہ سے لکھے ہیں ۱۲۔

محمد بن السائب الکلبی کوفی - محمد بن مسلم بن شہاب الزہری - ابو سعید مولیٰ ابن عباس (تہذیب الکمال) موسیٰ بن ابی عائشہ کوفی - صلت بن بہرام - عثمان بن عبد اللہ بن حوشب - ہلال - ہشیم بن ابی التیم - حصین بن عبد الرحمٰن - معن - میمون بن سیاہ - جواب التیمی - سالم الافطس - یحییٰ بن عمرو بن سلمہ - عمرو بن جبیر - عبید اللہ بن عمر - محمد بن مالک الہمدانی - ابو السواد - خارجہ بن عبد اللہ - عبد اللہ بن ابی زیاد - حکم بن زیاد - کثیر الاصم - حمید الاعرج - ابو العطوف - عبد اللہ بن الحسن - سلیمان الشیبانی - سعید المرزبان - عثمان بن عبد اللہ - ابو محجیہ (کتاب الآثار امام محمد)

ہم نے اسقدر نام سرسری طور سے انتخاب کئے ہیں زیادہ چھان بین کرتے تو شاید عقود الجمان کی فہرست کی برابر اترتے لیکن سچ یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کے لیئے کثرت شیوخ اسقدر فخر کا باعث نہیں جتنا کہ آنکی احتیاط اور تحقیق ہے وہ اس نکتہ سے خوب واقف تھے کہ روایت میں جسقدر واسطے زیادہ ہوتے ہیں اسیقدر تغیر و تبدل کا احتمال بڑھتا جاتا ہے۔ یہی بات ہے کہ اُنکے اساتذہ اکثر تابعین ہیں جنکو رسول اللہ تک صرف ایک واسطہ ہے یا وہ لوگ ہیں جو مدت تک بڑے بڑے تابعین کی صحبت میں رہے تھے اور علم و فضل دیانت و پرہیزگاری کے نمونے خیال کئے جاتے تھے ان دو قسموں کے سوا اگر ہیں تو شاذ ہیں۔ انکی تعلیم کا طریقہ بھی عام طالب علموں سے الگ تھا۔ بحث و اجتہاد کی شروع سے عادت تھی اور اسباب میں وہ اُستادوں کی مخالفت کی بھی کچھ پروا نہ کرتے تھے ایک دفعہ حماد کیساتھ امام اعمش کی مشایعت کو نکلے چلتے چلتے مغرب کا وقت آ گیا۔ وضو کیلئے پانی کی تلاش ہوئی مگر کہیں نہ ملا اسلئے حماد نے تیمم کا فتوی دیا۔ امام نے مخالفت کی کہ اخیر وقت تک پانی کا انتظار کرنا چاہیئے۔ اتفاق یہ کہ کچھ دور چلکر پانی ملگیا اور سب نے وضو سے نماز ادا کی کہتے ہیں یہ پہلا موقع تھا کہ اُستاد سے مخالفت کی۔ اور غالباً یہ زمانہ تحصیل کا آغاز تھا۔ امام شعبی اُنکے اُستاد قائل تھے کہ معصیت میں کفارہ نہیں۔ ایک دفعہ اُستاد و شاگرد کشتی میں سوار جا رہے تھے۔ اس مسئلہ کا ذکر آیا۔ اُنہوں نے کہا ضرور معصیت میں کفارہ ہے۔ کیونکہ خدا نے ظہار میں کفارہ مقرر کیا ہے اور اس آیت میں وانہم لیقولون منکرا من القول وزورا تصریح کر دی ہے کہ ظہار معصیت ہے امام شعبی کچھ جواب نہ دے سکے خفا ہو کر فرمایا اقیاس انت عطا ابن ابی رباح سے کسی نے اس آیت کے معنے پوچھے وآتیناہ اهله ومثلهم معهم عطا نے کہا ہم خدا نے حضرت ایوب کی آل و اولاد جو مر گئی تھی زندہ کر دی اور اُنکے ساتھ اور نئی پیدا کر دی۔ امام ابو حنیفہ نے کہا جو شخص کسی کی صلب سے نہ پیدا ہوا ہو وہ اُسکی اولاد کیونکر ہو سکتا ہے۔

امام صاحب کی علمی ترقی کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ انکو بڑے بڑے اہل کمال کی صحبتیں میسر آئیں جن شہروں میں انکو رہنے کا اتفاق ہوا یعنی کوفہ۔ بصرہ۔ مکہ۔ مدینہ۔ یہ وہ مقامات تھے کہ مذہبی روایتیں یہاں کی ہوا میں گھر کر گئی تھیں علما سے ملنے اور علمی جلسوں میں شریک ہونیکا شوق امام کے خمیر میں داخل تھا ساتھ ہی آنکی شہرت

سلہ عقود الجمان باب ثامن ۱۲ سلہ مختصر تاریخ بغداد ترجمہ امام ابو حنیفہ ۲ -

اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ جہاں جاتے تھے استفادہ۔ ملاقات۔ مناظرہ کی غرض سے خود ان کے پاس ہزاروں آدمیوں کا مجمع رہتا تھا۔

درس و افتا و بقیہ زندگی

اگرچہ حماد کی زندگی ہی میں امام صاحب نے اجتہاد کا درجہ حاصل کر لیا تھا عمر بھی کچھ کم نہ تھی یعنی حماد کی وفات کے وقت کم و بیش چالیس برس کا سن تھا تاہم شاگردانہ خلوص نے یہ گوارا نہ کیا کہ استاد کے ہوتے ہوئے اپنا دربار الگ جمائیں اگلے زمانہ میں استاد کے ساتھ جو محبت اور ادب آمیز تعلق ہوتا تھا آج اس کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے خود امام سے منقول ہے کہ حماد جب تک زندہ رہے میں نے ان کے مکان کی طرف کبھی پاؤں نہیں پھیلایا۔ حماد نے ۱۲۰ھ میں قضا کی چونکہ ابراہیم نخعی کے بعد فقہ کا دارومدار انہیں پر رہ گیا تھا ان کی موت نے کوفہ کو بے چراغ کر دیا حماد نے ایک لائق بیٹا چھوڑا تھا لوگوں نے انہیں کو مسند درس پر بٹھایا لیکن وہ لغت اور عربیت کی طرف زیادہ مائل تھے۔ آخر موسیٰ بن کثیر نے کہ حماد کے شاگردوں میں تجربہ کار اور سن کے لحاظ سے سب سے ممتاز تھے ان کی جگہ لی۔ وہ اگرچہ فقہ کے پورے ماہر تھے لیکن اکثر بزرگوں کی صحبتیں اٹھائی تھیں اور اس وجہ سے لوگوں پر ان کا ایک خاص اثر تھا چند روز تک حلقہ درس انہی کے دم سے قائم رہا وہ حج کو چلے گئے تو تمام بزرگوں نے متفقاً امام ابو حنیفہ سے درخواست کی کہ مسند درس کو مشرف فرمائیں مختلف حالتوں کا اقتضا دیکھو ایک تو وہ زمانہ تھا کہ جوانی ہی میں استادی کی مسند پر بیٹھنے کی آرزو تھی یا اب لوگ خود خواہش کرتے ہیں اور ان کو اس کی ذمہ داریوں کے لحاظ سے انکار ہے تاہم لوگوں کا اصرار غالب آیا اور چار و ناچار قبول کرنا پڑا اب بھی دل مطمئن نہ تھا حافظ ابوالمحاسن نے لکھا ہے کہ انہیں دنوں میں خواب دیکھا کہ "پیغمبر خدا ﷺ کی قبر مبارک کھود رہے ہیں" ڈر کر چونک پڑے اور سمجھے کہ میری ناقابلیت کی طرف اشارہ ہے امام ابن سیرین علم تعبیر کے استاد مانے جاتے تھے انہوں نے تعبیر بتائی کہ اس سے ایک مردہ علم کو زندہ کرنا مقصود ہے امام صاحب کو تسکین ہو گئی اور اطمینان کے ساتھ درس میں مشغول ہوئے خواب کا ذکر تمام مورخوں اور محدثوں نے بھی کیا ہے اس لحاظ سے گمان غالب ہے کہ اصل واقعہ صحیح ہو لیکن یہ زمانہ۔ اور ابن سیرین کی تعبیر گوئی محض غلط ہے کیونکہ ابن سیرین اس سے بہت پہلے قضا کر چکے تھے بہرحال امام صاحب نے استقلال کے ساتھ تدریس شروع کی۔ اول اول حماد کے پرانے شاگرد درس میں شریک ہوتے تھے لیکن چند روز میں وہ شہرت ہوئی کہ کوفہ کی اکثر درسگاہیں ٹوٹ کر ان کے حلقہ میں آ ملیں نوبت یہاں تک پہنچی کہ خود ان کے اساتذہ مثلاً مسعر بن کدام اعمش وغیرہ ان سے استفادہ کرتے تھے اور دوسروں کو ترغیب دلاتے تھے اسپین کے سوا اسلامی دنیا کا کوئی حصہ نہ تھا جو ان کی شاگردی کے تعلق سے آزاد رہا ہو۔ جن جن مقامات کے رہنے والے ان کی خدمت میں پہنچے ان سب کا شمار نہیں ہو سکتا لیکن جن اضلاع یا ممالک کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا گیا ہے وہ یہ ہیں مکہ۔ مدینہ۔ دمشق۔ بصرہ۔ واسطہ۔ موصل۔ جزیرہ

رقہ۔ نصیبین۔ رملہ۔ مصر۔ یمن۔ یمامہ۔ بحرین۔ بغداد۔ اہواز۔ کرمان۔ اصفہان۔ حلوان۔ استرآباد۔ ہمدان۔ نہاوند۔ رے۔ قومس۔ دامغان۔ طبرستان۔ جرجان۔ نیشاپور۔ سرخس۔ نسا۔ بخارا۔ سمرقند۔ کس۔ صغانیان۔ ترمذ۔ ہرات ہستار۔ الزم۔ خوارزم۔ سیستان۔ مدائن۔ مصیصہ۔ حمص[1]۔ مختصر یہ کہ انکی اُستادی کے حدود خلیفہ وقت کی حدود کے برابر تھے۔ رفتہ رفتہ عراق میں اُنکا ملکی اثر قائم ہوگیا۔ یہانتک کہ ملک میں جو انقلابات ہوتے تھے لوگوں کو اُنکی شرکت کا عموماً گمان ہوتا تھا۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے تحفہ میں لکھا ہے کہ "زید بن علی نے بنو امیہ کے عہد میں جو بغاوت کی تھی امام صاحب بھی اُس میں شریک تھے" نامہ دانشوران کے مؤلفوں نے بھی ایسا ہی گمان کیا ہے لیکن ہم اسپر یقین نہیں کر سکتے جسقدر تاریخیں اور رجال کی کتابیں ہمارے سامنے ہیں ان میں کہیں اسکا ذکر نہیں حالانکہ اگر ایسا ہوتا تو ایک قابل ذکر واقعہ تھا۔ زید بن علی نے ۱۲۱ھ میں بغاوت کی تھی اُسوقت ہشام بن عبدالملک تخت خلافت پر متمکن تھا۔ ہشام اگرچہ کفایت شعار اور بعض امور میں نہایت حریص تھا لیکن اسکی سلطنت نہایت امن وامان کی سلطنت تھی ملک میں ہر طرف امن امان کا سکہ بیٹھا ہوا تھا رعایا عموماً رضامند تھی بیت المال میں ناجائز آمدنیاں داخل نہیں ہوسکتی تھیں اس حالت میں امام ابوحنیفہ کو مخالفت کی کوئی وجہ نہ تھی زید بن علی سادات میں ایک صاحب ادعا شخص تھے۔ بے شبہ انکو بغاوت کرنی ضروری تھی کیونکہ انکے خیال میں خلافت انکا خاص حق تھا غالباً اس غلط فہمی کا منشا یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کا خاندان اہلبیت کیساتھ ایک خاص ارادت رکھتا تھا امام صاحب نے ایک مدت تک امام باقر کے دامن فیض میں تربیت پائی تھی۔ کوفہ کی ہوا میں ایک مدت تک شیعیت کا اثر تھا ان اتفاقی واقعات نے امام ابوحنیفہ کی نسبت یہ گمان پیدا کر دیا ورنہ تاریخی شہادتیں بالکل اس کے خلاف ہیں ہشام نے ۱۲۵ھ میں وفات کی اُسکے بعد ولید بن یزید۔ یزید الناقص۔ ابراہیم بن الولید۔ مروان الحمار یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے۔ عباسی خلافت کی سلسلہ جنبانی جو ایک مدت سے ہو رہی تھی مروان کے عہد میں نہایت قوت پکڑ گئی۔ ابو مسلم خراسانی نے تمام ملک میں سازشوں کا جال پھیلا دیا اور مروانی حکومت کی جڑ ہلا دی چونکہ زیادہ تر فساد کا مرکز عراق اور عراق میں بھی خاص کوفہ تھا۔ مروان نے یزید بن عمرو بن ہبیرہ کو وہاں کا گورنر مقرر کیا جو نہایت مدبر۔ دلیر۔ فیاض خاندانی اور صاحب اثر شخص تھا۔ یزید نے حکومت مروانی کی ترکیب کو غور سے دیکھا تھا وہ سمجھ چکا تھا کہ اس کل میں اور سب کچھ ہے لیکن مذہبی پرزے نہیں ہیں اس بنا پر اُسنے چاہا کہ ایوان حکومت مذہبی ستونوں پر قائم کیا جائے عراق کے تمام فقہا کو جنمیں قاضی ابن ابی لیلیٰ۔ ابن شبرمہ۔ داؤد بن ہند بھی شامل تھے بلاکر بڑی بڑی ملکی خدمتیں دیں۔ امام صاحب کو میر منشی اور افسر خزانہ مقرر کرنا چاہا اُنہوں نے صاف انکار کیا یزید نے قسم کھاکر کہا کہ یہ عہدہ انکو منظور کرنا ہوگا۔ اُنکے ہم صحبت بزرگوں نے بھی سمجھایا مگر یہ اپنے انکار پر قائم رہے اور کہا کہ اگر

[1] عقود الجمان باب عاشر ۱۲۔

یزید کہے کہ مسجد کے دروازے گن دو تو بھی مجھکو گوارا نہیں نہ کہ وہ کسی مسلمان کے قتل کا فرمان لکھوں[1] اسپر جبر کرالیا
یزید نے غصہ میں آکر حکم دیا کہ ہر روز انکو دس درّے لگائے جائیں۔ اس ظالمانہ حکم کی تعمیل ہوئی تاہم وہ اپنی ضد سے
باز نہ آئے آخر مجبور ہوکر یزید نے چھوڑ دیا ایک روایت ہی کہ اُسی وقت مکۂ معظمہ روانہ ہوئے اور ۱۳۶ھ تک وہیں
رہے ابن قتیبہ وغیرہ نے لکھا ہی کہ یہ جھگڑا قضا کے قبول کرنے پر تھا ممکن ہی کہ یہ عہدہ بھی اُنکے لیے تجویز ہوا ہو
اور انھوں نے اس سے بھی انکار کیا ہو ۱۳۲ھ میں سلطنت اسلام نے دوسرا پہلو بدلا یعنی بنو امیہ کا خاتمہ ہوگیا اور آل
عباس تاج و تخت کے مالک ہوئے اس خاندان کا پہلا فرمانروا ابوالعباس سفاح تھا اُس نے چار برس کی حکومت کے
بعد ۱۳۶ھ میں قضا کی سفاح کے بعد اُسکا بھائی منصور تخت نشین ہوا عباسیوں نے گو اموی خاندان کو بالکل تباہ کر دیا
یہاں تک کہ خلفائے بنی اُمیہ کی قبریں اکھڑوا کر اُنکی ہڈیاں تک جلا دیں تاہم چونکہ نئی نئی سلطنت تھی اور انتظام کا
سکہ نہیں بیٹھا تھا جابجا بغاوتیں اُٹھیں۔ ان فتنوں کے فرو کرنے میں سفاح و منصور اعتدال کی حد سے بہت
دور نکل گئے اور وہ زیادتیاں کیں کہ مروانی حکومت کا نقشہ آنکھوں میں پھر گیا تمام ملک کی آنکھیں ان کی جانب اُٹھنے
لگی تھیں لیکن ان خونریزیوں نے سب کے دل افسردہ کر دیے چنانچہ ایک موقع پر منصور نے عبدالرحمن سے جو اسکا بچپن کا یار تھا
پوچھا کہ ہماری سلطنت کو مروان کی سلطنت سے کیا نسبت ہی؟ اُسنے کہا میرے نزدیک تو کچھ فرق نہیں منصور نے
کہا کیا کروں کام کے آدمی نہیں ملتے۔ عبدالرحمن نے کہا بازار میں جس جنس کی زیادہ مانگ ہوتی ہی کثرت بھی اسی کی ہوتی ہی
اور بے رحمیاں تو ہوتی ہی ہیں منصور نے یہ ستم کیا کہ سادات کی خانہ بربادی شروع کی اسمیں شبہ نہیں کہ سادات ایک
مدت سے خلافت کا خیال پکا رہی تھی اور ایک لحاظ سے اُنکا حق بھی تھا تاہم سفاح کی وفات تک اُن کی کوئی
سازش ظاہر نہ ہوئی تھی۔ صرف بدگمانی پر منصور نے سادات و علویین کی بیخ کنی شروع کی جو لوگ انمیں ممتاز
تھے اُنکے ساتھ بے رحمیاں کیں محمد بن ابراہیم کہ حسن و جمال میں یگانۂ روزگار تھے اور اس وجہ سے دیباج کہلاتے تھے
انکو زندہ دیوار میں چنوا دیا۔ ان بے رحمیوں کی ایک بڑی داستان ہی جسکے بیان کرنیکو بڑا سخت دل چاہیے آخر تنگ
آکر ۱۴۵ھ میں انہیں مظلوم سادات میں سے محمد نفس زکیہ نے تھوڑے سے آدمیوں کے ساتھ مدینہ منورہ میں خروج کیا
اور چند روز میں ایک بڑی جمعیت پیدا کر لی بڑے بڑے پیشوایان مذہب حتی کہ امام مالک نے فتویٰ دیدیا کہ منصور کی
جبراً بیعت لی خلافت نفس زکیہ کا حق ہی نفس زکیہ اگرچہ نہایت دلیر۔ قوی بازو۔ فن جنگ سے واقف
تھے لیکن تقدیر سے کس کا زور چل سکتا ہی نتیجہ یہ ہوا کہ رمضان ۱۴۵ھ میں نہایت بہادری سے لڑکر میدان
جنگ میں مارے گئے اُنکے بعد ابراہیم اُنکے بھائی نے علم خلافت بلند کیا اور اس سر و سامان سے مقابلہ کیا کہ اُسے
کہ منصور کے حواس جاتے رہے کہتے ہیں کہ اس اضطراب میں منصور نے دو مہینے تک کپڑے نہیں بدلے سرہانے

[1] عقود الجمان باب بست و یکم ۱۲

سے تکیہ اٹھا لیتا تھا اور کہتا تھا کہ میں نہیں جانتا کہ یہ تکیہ میرا ہے یا ابراہیم کا،" انہیں دنوں میں دو کنیزیں حرم میں آئیں اتنی بات تک نہ کی۔ ایک شخص نے سبب پوچھا تو کہا یہ فرصت کے کام ہیں اسوقت تو یہ دھن ہے کہ ابراہیم کا سر میرے آگے یا میرا سر ابراہیم کے آگے رکھا جائے"۔

ابراہیم چونکہ شجاعت اور دلیری کے ساتھ بہت بڑے عالم اور مقتدائے عام تھے انکے دعوی خلافت پر ہر طرف سے لبیک کی صدائیں بلند ہوئیں۔ خاص کوفہ میں کم و بیش لاکھ آدمی انکے ساتھ جان دینے کو تیار ہو گئے مذہبی گروہ خاص کر علماء و فقہا نے عموماً انکا ساتھ دیا۔ امام ابوحنیفہؒ شروع سے عباسیوں کی بے اعتدالیاں دیکھتے آتے تھے سفاح ہی کے زمانہ میں انکی رائے قائم ہو چکی تھی کہ یہ لوگ منصب خلافت کے شایاں نہیں ابراہیم بن میمون جو ایک نہایت دیندار عالم تھے امام صاحب کے خالص دوستوں میں سے تھے وہ اکثر کہتے کہ ان مظالم پر کیا ہمکو چپ رہنا چاہیئے۔ امام صاحب فرماتے تھے کہ امر بالمعروف بے شبہہ فرض ہے مگر اسکے لیئے سامان شرط ہے لیکن وہ مذہبی جوش میں صبر کی تاب نہ لا سکے ابومسلم خراسانی کہ ان ظلموں کا بانی تھا اسکے پاس گئے اور نہایت بیباکی کیساتھ اس امر کے متعلق گفتگو کی اس نے ان کی گستاخی یا فساد پیدا ہونیکے احتمال سے انکو قتل کر دیا امام ابوحنیفہ سنکر بہت روئے[1] لیکن کیا کر سکتے تھے یہ ۱۳۱ھ کا واقعہ ہے ۱۴۵ھ میں ابراہیم نے جب علم خلافت بلند کیا تو اور پیشوایان مذہب کے ساتھ امام صاحب نے بھی انکی تائید کی خود شریک جنگ ہونا چاہتے تھے لیکن بعض مجبوریوں کی وجہ سے نہ ہو سکے جسکا انکو ہمیشہ افسوس رہا۔ نامہ دانشوران میں امام صاحب کا ایک خط نقل کیا ہے جو انہوں نے ابراہیم کو لکھا تھا اسکے یہ الفاظ ہیں۔ اما بعد فانی قد جہزت الیک اربعۃ آلاف درہم ولم یکن عندی غیرہا ولولا امانات عندی الحقت بک فاذا لقیت القوم وظفرت بہم فافعل کما فعل ابوک فی اہل صفین فقتل مدبرہم واجہز علی جریحہم ولا تفعل کما فعل ابوک فی اہل الجمل فان القوم لہم فئۃ۔ یعنی میں آپکے پاس چار ہزار درہم بھیجتا ہوں کہ اسوقت اسی قدر موجود تھے اگر لوگوں کی امانتیں میرے پاس نہ رکھی ہوتیں تو میں ضرور آپ سے آملتا جب آپ دشمنوں پر فتح پائیں تو وہ برتاؤ کریں جو آپکے باپ (حضرت علی) نے صفین والوں کے ساتھ کیا تھا زخمی اور بھاگ جانے والے سب قتل کئے جائیں وہ طریقہ نہ اختیار کیجیئے گا جو آپکے والد نے حرب جمل میں جائز رکھا تھا کیونکہ مخالف بڑی جمعیت رکھتا ہے۔ نامہ دانشوران میں اس خط کی نسبت لکھا ہے کہ معتبر کتابوں میں منقول ہے لیکن کسی خاص کتاب کا نام نہیں بتایا اس لیئے ہم اسکی صحت پر یقین نہیں کر سکتے۔ یہ خط صحیح ہو یا غلط مگر اسمیں شبہہ نہیں کہ امام اعظم ابراہیم کے علانیہ طرفدار تھے اور بمجبوری اسکے کہ خود شریک جنگ نہ ہو سکے ہر طرح پر انکی مدد کی۔ ابراہیم نے اپنی بے تدبیری سے شکست کھائی اور بصرہ میں نہایت دلیری سے لڑکر مارے گئے اس مہم سے فارغ ہوکر منصور

---

[1] الجواہر المضیئۃ ترجمہ ابراہیم بن میمون ۱۲-

اُن لوگوں کی طرف متوجہ ہوا جنہوں نے ابراہیم کا ساتھ دیا تھا۔ ان میں امام صاحب بھی تھے اُس وقت تک منصور کا پایۂ تخت ہاشمیہ ایک مقام تھا جو کوفہ سے چند میل پر ہے لیکن چونکہ کوفہ والے سادات کے سوا اور کسی خاندان کو خلافت کا مستحق نہیں سمجھتے تھے منصور نے ایک دوسرے دار الخلافہ کی تجویز کی اور بغداد کو انتخاب کیا ۱۴۶ھ میں بغداد پہنچکر امام ابوحنیفہ کے نام فرمان بھیجا کہ فوراً پایۂ تخت میں حاضر ہوں سو بنو امیہ کی تباہی کے بعد مکہ معظمہ سے چلے آئے تھے اور کوفہ میں مقیم تھے منصور نے گو پہلے ہی اُنکے قتل کا ارادہ کر لیا تھا تاہم بہانہ ڈھونڈھتا تھا دربار میں حاضر ہوئے تو ربیع نے کہ حاجب کا عہدہ رکھتا تھا ان لفظوں سے انکو دربار میں پیش کیا "یہ دنیا میں آج سب سے بڑا عالم ہے" منصور نے پوچھا تمنے کس سے علم کی تحصیل کی امام نے اُستادوں کے نام بتائے جن کا سلسلۂ شاگردی بڑے صحابہ تک پہنچتا ہے منصور نے اُنکے لیئے قضا کا عہدہ تجویز کیا۔ امام صاحب نے صاف انکار کیا اور کہا کہ میں اسکی قابلیت نہیں رکھتا منصور نے غصہ میں آکر کہا "تم جھوٹے ہو" امام صاحب نے کہا "اگر میں جھوٹا ہوں تو یہ دعویٰ ضرور سچ ہے کہ میں عہدۂ قضا کے قابل نہیں کیونکہ جھوٹا شخص قاضی نہیں مقرر ہو سکتا یہ تو ایک منطقی لطیفہ تھا لیکن دراصل وہ قضا کی ذمہ واریاں نہیں اُٹھا سکتے تھے اُنہوں نے منصور کے سامنے اپنی ناقابلیت کی جو وجہیں بیان کیں وہ بالکل بجا تھیں یعنی یہ کہ مجکو اپنی طبیعت پر اطمینان نہیں میں عربی النسل نہیں ہوں اسلیئے اہل عرب کو میری حکومت ناگوار ہوگی درباریوں کی تعظیم کرنی پڑیگی اور یہ مجھسے ہو نہیں سکتا پھر بھی منصور نے نہ مانا اور قسم کھا کر کہا تمکو قبول کرنا ہوگا۔ امام صاحب نے بھی قسم کھائی کہ ہرگز قبول نہ کرونگا۔

اس جرأت اور بیباکی پر تمام دربار حیرت زدہ تھا۔ ربیع نے غصہ میں آکر کہا ابوحنیفہ! تم امیر المومنین کے مقابلہ میں قسم کھاتے ہو۔ امام صاحب نے فرمایا "ہاں کیونکہ امیر المومنین کو قسم کا کفارہ ادا کرنا میری نسبت زیادہ آسان ہے" خطیب کی ایک اور روایت ہے کہ منصور نے زیادہ جبر کیا تو مجبوراً دار القضا میں جا کر بیٹھے ایک مقدمہ پیش ہوا جسمیں قرض کا دعویٰ تھا لیکن ثبوت کے گواہ نہ تھے مدعا علیہ کو سرے سے انکار تھا۔ امام صاحب نے حسب قاعدہ مدعا علیہ سے کہا تم قسم کھاؤ کہ مدعی کا تم پر کچھ دینا نہیں آتا وہ تیار ہو گیا "واللہ" کا لفظ کہا تھا کہ امام صاحب نے گھبرا کر روک دیا اور آستین سے کچھ روپیہ نکالکر مدعی کے حوالے کئے کہ تم اپنا قرض لو ایک مسلمان کو قسم کیوں کھلواتے ہو عدالت سے آکر منصور سے کہدیا کہ مجھسے کسی طرح یہ کام نہیں چل سکتا اسپر حکم ہوا کہ قیدخانہ بھیجے جائیں جس وقت چھوٹے کہ قید حیات سے چھوٹے اس مدت میں منصور اکثر اُنکو قیدخانہ سے بلا لیتا اور علمی بحثیں کیا کرتا۔

وفات رجب ۱۵۰ہجری

منصور نے امام کو ۱۴۶ھ میں قید کیا لیکن اس حالت میں بھی اُسکو اُنکی طرف سے اطمینان نہ تھا بغداد دار الخلافہ

ہونیکی وجہ سے علوم وفنون کا مرکز بنگیا تھا۔ طالبان کمال ممالک اسلامی کے ہر گوشہ سے آآکر بغداد ہی کا رخ کرتے تھے امام صاحب کی شہرت دور دور پہنچ چکی تھی قید کی حالت نے انکا اثر اور قبول عام کو بجائے کم کرنیکے اور زیادہ کردیا تھا۔ بغداد کی علمی جماعت جسکا شہر میں بہت کچھ اثر تھا۔ انکے ساتھ نہایت خلوص رکھتی تھی ان باتوں کا یہ اثر تھا کہ منصور نے انکو گو نظربند کر رکھا تھا لیکن کوئی امر انکے ادب یا توقیر و تعظیم کے خلاف نکر سکتا تھا قید خانہ میں انکا سلسلہ تعلیم بھی برابر قائم رہا امام محمد نے کہ فقہ حنفی کے دست و بازو ہیں قید خانہ ہی میں انسے تعلیم پائی ان وجوہ سے منصور کو امام صاحب کیطرف سے جو اندیشہ تھا وہ قید خانہ کی حالت میں بھی باقی رہا جسکی آخری تدبیر یہ تھی کہ بیخبری میں انکو زہر دلوا دیا جب انکو زہر کا اثر محسوس ہوا تو سجدہ کیا اور اسی حالت میں قضا کی انکے مرنیکی خبر نہایت جلد تمام شہر میں پہیل گئی اور سارا بغداد امنڈ آیا حسن بن عمارہ نے کہ قاضی شہر تھے غسل دیا نہلاتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے "واللہ تم سب سے بڑے فقیہ بڑے عابد بڑے زاہد تھے۔ تم میں تمام خوبیاں جمع تھیں تم نے اپنے جانشینوں کو مایوس کردیا کہ وہ تمہارے مرتبہ کو پہنچ سکیں" غسل سے فارغ ہوتے ہوتے لوگونکی وہ کثرت ہوئی کہ پہلی بار نماز جنازہ میں کم و بیش پچاس ہزار کا مجمع تھا اسپر بھی آنیوالوں کا سلسلہ قائم تہا یہانتک کہ چھ بار نماز پڑھی گئی اور عصر کے قریب جاکر لاش دفن ہوسکی امام نے وصیت کی تھی کہ خیزران کے مقبرے میں دفن کئے جائیں کیونکہ یہ جگہ ان کے خیال میں مغصوبانہ تھی اس وصیت کے موافق خیزران کے مشرقی جانب انکا مقبرہ تیار ہوا۔ مورخ خطیب نے لکھا ہے کہ دفن کے بعد بھی بیس دن تک لوگ انکے جنازہ کی نماز پڑھا کئے"۔ قبول عام کی اس سے زیادہ کیا دلیل ہوگی؟ اسوقت ان ممالک میں بڑے بڑے ائمہ مذہب موجود تھے جنمیں بعض خود امام صاحب کے استاد تھے سب نے انکے مرنے کا رنج کیا اور نہایت تاسف آمیز کلمات کہے ابن جریج مکہ میں تھے سنکر کہا انا للہ بہت بڑا علم جاتا رہا شعبہ بن الحجاج نے کہ امام ابو حنیفہ کے شیخ اور بصرہ کے امام تھے نہایت افسوس کیا اور کہا "کوفہ میں اندھیرا ہوگیا" اس واقعہ کے چند روز بعد عبداللہ بن المبارک کو بغداد جانیکا اتفاق ہوا امام کی قبر پر گئے اور روکر کہا "ابو حنیفہ! خدا تم پر رحم کرے ابراہیم مرے تو اپنا جانشین چھوڑ گئے۔ حماد مرے تو اپنا جانشین چھوڑ گئے افسوس تمنے تمام دنیا میں کسی کو اپنا جانشین نہ چھوڑا۔

امام کا مزار ایک مدت تک بوسہ گاہ خلائق رہا اور آج بھی ہے سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے کہ بڑی عظمت و شان کا فرمانروا اور نہایت عادل و فیاض تہا ۴۵۹ھ میں انکی قبر پر ایک قبہ اور اسکے قریب ایک مدرسہ تیار کرایا غالبا بغداد میں یہ پہلا مدرسہ تہا کیونکہ نظامیہ جو تمام اسلامی مدرسوں کا آدم خیال کیا جاتا ہے۔ وہ اسی سنہ میں لیکن اسکے بعد تعمیر ہوا رفعت اور خوبی عمارت کے لحاظ سے لاجواب تہا۔ ابو سعید شرف الملک کہ الپ ارسلان کا مستوفی تہا اس کے اہتمام سے عمارت تیار ہوئی۔ افتتاح کی رسم میں بغداد کے تمام علما اور عمائد شریک تھے اتفاق سے اسی وقت ابو جعفر مسعود جو ایک مشہور شاعر تہا آنکلا اور برجستہ یہ اشعار پڑھے۔

امام صاحب کو زہر دیا گیا

---

[1] عقود الجمان میں یہ تمام تفصیل مذکور ہے ۱۲

الم تر ان العلم کان مبددا		فجمعه هذا المغیب فی اللحد	
کذلک کانت هذه الارض میتة		فانشرها فعل العمید ابی سعد	

یعنی تم نہیں دیکھتے ہیں علم کس طرح ابتر ہو رہا تہا پھر اس شخص نے اسکو ترتیب دی جو اس لحد میں مدفون ہے اسی طرح یہ زمین مردہ پڑی تہی ابو سعید کی کوشش نے اسکو دوبارہ زندہ کیا۔ یہ مدرسہ جو مشہد ابو حنیفہ کے نام سے مشہور ہے مدت تک قائم رہا اور بڑے بڑے نامور علما اسکے پروفیسر مقرر ہوتے جنکے نام اور اجمالی حالات الجواہر المضیۃ فی طبقات الحنفیہ میں کثرت پائے جاتے ہیں سنہ ۴۹۳ھ میں حکیم ابن جزلہ نے کہ خلیفہ مقتدی باللہ کے دربار کا ایک مشہور حکیم تہا اپنی تمام کتابیں اس مدرسہ پر وقف کیں اس مدرسہ کے متعلق ایک مسافر خانہ بہی تہا شائقان علم جو اطراف ملک سے آکر بغداد میں عارضی قیام کرتے تہے انکو وہاں سے کہانا ملتا تہا ایشیا کا مشہور سیاح ابن بطوطہ جس وقت بغداد میں پہنچا عباسی حکومت کا آخیر زمانہ تہا وہ اپنے سفرنامہ میں لکہتا ہے کہ اسوقت تمام بغداد میں مشہد ابی حنیفہ کے سوا کوئی ایسا موجود نہیں ہے جہاں سے مسافروں کو کہانا ملتا ہو۔ آج بہی ان کا مقبرہ بغداد کے مشہور اور متبرک مقامات میں سے ہے حال کے شاہ ایران سلطان ناصر الدین قاچار خلد اللہ سلطنتہ نے اپنے حالات سفر میں اس کا ذکر کیا ہے اور لکہا ہے کہ میں نے امام ابو حنیفہ کے مزار پر فاتحہ پڑہی اور نذر چڑہائی علم کی شان دیکہو جسکی بدولت کوفہ کے ایک بزاز نے یہ رتبہ حاصل کیا کہ بارہ سو برس کے بعد آج اسکے مزار پر بڑے بڑے شاہنشاہوں کے سر جہکتے ہیں۔

امام کی اولاد

امام صاحب کی اولاد کا مفصل حال معلوم نہیں مگر اس قدر یقینی ہے کہ وفات کے وقت حماد کے سوا کوئی اور اولاد موجود نہ تہی حماد بڑے رتبہ کے فاضل تہے بچپن میں انکی تعلیم نہایت اہتمام سے ہوئی تہی چنانچہ جب الحمد ختم کی تو انکے پدر بزرگوار نے اس تقریب میں معلم کو پانچسو درہم نذر کئے بڑے ہوئے تو خود امام صاحب سے مراتب علمی کی تکمیل کی۔ علم و فضل کیساتہ بے نیازی اور پرہیزگاری میں بہی باپ کے خلف الرشید تہے امام صاحب نے جب انتقال کیا تو انکے گہر میں لوگوں کا بہت سا مال و اسباب امانت رکہا تہا۔ انہوں نے قاضی شہر کے پاس حاضر کیا کہ جنکی امانتیں ہیں انکو پہنچا دی جائیں قاضی صاحب نے کہا کہ ابہی اپنے ہی پاس رہنے دو کہ زیادہ حفاظت سے رہیگا۔ انہوں نے کہا کہ آپ انکی جانچ کر لیں کہ میرے باپ کا ذمہ بری ہو جائے۔ بغرض تمام مال و اسباب قاضی صاحب کو سپرد کر کے خود روپوش ہو گئے اور اسوقت ظاہر ہوئے کہ وہ چیزیں کسی اور مہتمم کے اہتمام میں دیدی گئیں تمام عمر کسی کی ملازمت نہیں کی نہ شاہی دربار سے کچہ تعلق پیدا کیا۔ ذیقعدہ سنہ ۱۷۶ھ میں قضا کی چار بیٹے چہوڑے۔ عمر۔ اسمٰعیل ابو حیان۔ عثمان۔ اسمٰعیل نے علم و فضل میں نہایت شہرت حاصل کی چنانچہ مامون الرشید نے انکو عہدۂ قضا پر

لہ من حلہ ان ترجمۃ یحیی بن عیسیٰ بن جزلہ الطبیب ۲

مامور کیا۔ جسکو اُنہوں نے اس دیانت داری اور انصاف سے انجام دیا کہ جب بصرہ سے چلے تو سارا شہر ان کی مشایعت کو نکلا اور سب لوگ انکی جان و مال کو دعائیں دیتے تھے[1]۔ مساور نے انکی مدح میں کہا ہے[2]

اذا ما الناس یوما قایسونا	بآبدة من الفتیا طریفة
اتیناهم بمقیاس صحیح	تلاد من طراز ابی حنیفة
اذا سمع الفقیه بها وعاها	واثبتها بحبر فی صحیفة

امام صاحب کی معنوی اولاد تو آج تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اور شاید چھ سات کروڑ سے کم نہوگی لیکن انکی جسمانی اولاد بھی جابجا موجود ہے خود ہندوستان میں متعدد خاندان ہیں جنکا سلسلہ نسب امام تک پہنچتا ہے اور خدا کے فضل سے علم و فضل کا جوہر بھی نسلاً بعد نسل انکی میراث چلا آتا ہے۔

اخلاق و عادات

مبالغہ آمیز روایتیں

ہمارے تذکرہ نویسوں نے امام کے اخلاق و عادات کی جو تصویر کھینچی ہے اس میں خوش اعتقادی اور مبالغہ کا اسقدر رنگ بھرا ہے کہ امام صاحب کی اصلی صورت اچھی طرح پہچانی نہیں جاتی چالیس برس تک عشا کے وضو سے صبح کی نماز پڑھی" تین برس تک متصل روتے رہے" جہاں وفات کی اسجگہ سات ہزار بار قرآن ختم کیا" شہر کوفہ میں مشتبہ گوشت کا ٹکڑا پڑ گیا تو اس خیال سے کہ مچھلیوں نے کھایا ہوگا اور مچھلیاں بہت دنوں تک زندہ رہتی ہیں۔ ایک مدت تک مچھلی نہیں کھائی اسی طرح ایک شبہہ پر بکری کا گوشت کھانا چھوڑ دیا۔ ان کا ذاتی صرف۔ صرف دس آنہ ماہوار تھا یہ اور اس قسم کے بہت سے افسانے انکی نسبت مشہور ہیں اور لطف یہ کہ ہمارے مورخین انہی دور از کار قصوں کو امام کے کمالات کا جوہر سمجھتے ہیں حالانکہ یہ واقعات نہ تاریخی اصول سے ثابت ہیں نہ ان سے کسی کے شرف پر استدلال ہو سکتا ہے یہ سچ ہے کہ امام صاحب کے جن فضائل یا عام حالات کو ہم صحیح تسلیم کرتے ہیں وہ بھی ان ہی کتابوں سے ماخوذ ہیں جنمیں یہ فضول قصے مذکور ہیں لیکن ہر واقعہ کی حیثیت الگ ہوتی ہے اور اسی اعتبار سے شہادت کی حیثیت بھی بدلجاتی ہے معمولی واقعات میں عام شہادتیں کافی ہیں لیکن اس قسم کے واقعات کیلئے ایسی سند درکار ہے جسمیں ذرا بھی شبہہ کی گنجائش نہو یعنی حدیث صحیح مرفوع متصل کیلئے جو قیدیں ضروری ہیں انسے بھی کچھ بڑھکر ساتھ ہی درایت کے اصول پر منطبق ہو امام صاحب کی دانشمندی دقیقہ سنجی نکتہ شناسی پر جب نگاہ پڑتی ہے جنکا ثبوت سمعی نہیں عیانی موجود ہے تو ان واقعات پر مشکل سے یقین آسکتا ہے جو رہبانیت اور بے اعتدالی کی حد سے بھی متجاوز ہیں امام صاحب کے محاسن اخلاق کی صحیح (مگر اجمالی) تصویر دیکھنی ہو تو قاضی ابو یوسف کی تقریر سنو جو انہوں نے ہارون الرشید کے سامنے بیان کی تھی ہارون نے ایک موقع پر قاضی صاحب موصوف سے کہا کہ ابوحنیفہ کے اخلاقیات

---

[1] ابن خلکان ترجمہ حماد[2] ص ۵۴ معارف ابن قتیبہ ترجمہ امام ابوحنیفہ ر ۱۲۷

کیجئے انہوں نے کہا جہانتک میں جانتا ہوں ابو حنیفہ کے اخلاق و عادات یہ تھے کہ نہایت پرہیزگار تھے منہیات سے بچتے تھے اکثر چپ رہتے تھے اور سوچا کرتے تھے کوئی شخص مسئلہ پوچھتا اور ان کو معلوم ہوتا تو جواب دیتے ورنہ خاموش رہتے نہایت سخی اور فیاض تھے کسی کے آگے حاجت نہ لیجاتے اہل دنیا سے احتراز تھا۔ دنیوی جاہ و عزت کو حقیر سمجھتے تھے۔ غیبت سے بہت بچتے تھے۔ جب کسی کا ذکر کرتے تو بھلائی کے ساتھ کرتے بہت بڑے عالم تھے۔ اور مال کی طرح علم کے صرف کرنے میں بھی فیاض تھے ہارون الرشید نے یہ سنکر کہا "صالحین کے یہی اخلاق ہوتے ہیں" عام نگاہوں میں یہ باتیں چنداں وقعت نہیں رکھتیں لیکن روحانی اوصاف کے نکتہ شناس سمجھ سکتے ہیں کہ یہ طرز زندگی ظاہر میں جسقدر سادہ اور آسان ہے دراصل اسی قدر مشکل اور قدر کے قابل ہے۔

امام صاحب کو خدا نے حسن سیرت کے ساتھ جمال صورت بھی دیا تھا میانہ قد۔ خوشرو اور موزوں اندام تھے گفتگو نہایت شیریں اور آواز بلند اور صاف تھی۔ کیسا ہی پیچیدہ مضمون ہو نہایت صفائی اور فصاحت سے ادا کر سکتے تھے مزاج میں تکلف تھا اور اکثر خوش لباس رہتے تھے کبھی کبھی سنجاب قاقم کے جبے بھی استعمال کرتے تھے۔ ابو مطیع بلخی انکے شاگرد کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن انکو نہایت قیمتی چادر اور قمیض پہنے دیکھا جن کی قیمت کم از کم چار سو درہم ہوگی"۔ ایک دن نضر بن محمد ان سے ملنے گئے امام صاحب کہیں باہر جانیکی تیاری کر رہے تھے انسے کہا کہ ذرا دیر کے لئے اپنی چادر مجھے دیدو واپس آئے تو شکایت کی کہ ناحق تمہاری چادر لیکر مجھے شرمندہ ہونا پڑا۔ انہوں نے کہا کیوں؟ فرمایا بہت گندہ ہے نضر کہتے ہیں میں نے وہ چادر پانچ دینار کو خریدی تھی اور مجکو اسپر ناز تھا اس لئے امام صاحب کی شکایت سے تعجب ہوا لیکن دوسرے موقع پر جب میں نے انکو ایک چادر اوڑھے دیکھا جو تیس دینار سے کم قیمت کی نہ تھی تو وہ تعجب جاتا رہا۔ خلیفہ منصور نے درباریوں کیلئے خاص قسم کی ٹوپیاں ایجاد کی تھیں جو نرکل وغیرہ سے بنتی تھیں اور ان پر سیاہ کپڑا منڈھا ہوتا تھا چونکہ نہایت لمبی ہوتی تھیں ابو دلامہ شاعر نے ظرافۃً کہا۔

	وکنا نرجی من امام زیادۃ		فزاد الامام المرتضی فی القلانس	

یعنی ہمکو خلیفہ سے اضافہ کی امید تھی سو حضرت نے اضافہ کیا تو ٹوپیوں میں کیا" امام صاحب اگرچہ دربار سے کوسوں بھاگتے تھے لیکن اس قسم کی ٹوپی جو اہل دربار اور امراء کے ساتھ مخصوص تھی کبھی کبھی استعمال کرتے تھے دنیادار دولتمندوں کے لئے تو ایک معمولی بات ہے لیکن علماء کے دائرے میں یہ امر تعجب کی نگاہ سے دیکھا گیا کہ امام صاحب کے توشہ خانہ میں اکثر سات آٹھ ٹوپیاں موجود رہتی تھیں اور باتوں میں بھی امام صاحب کا طرز معاشرت ان حیثیتوں میں اور علماء سے بالکل جدا تھا انکے ہمعصر عموماً شاہی دربار یا وزرا اور امراء کے وظیفہ خوار تھے اور اسکو عیب نہیں سمجھتے تھے قاضی ابن عبد البر پر کسی نے اعتراض کیا تھا کہ آپ امراء کے وظیفہ خوار ہیں انہوں نے اسکے جواب میں بعض صحابہ اور بہت سے تابعین اور تبع تابعین کی نظیریں پیش کیں جو امراء کے روزینے اور نئے انعامات سے زندگی

لباس

درباری ٹوپی

بسر کرتے تھے اگرچہ ہم اسکو نئے خیال والوں کی طرح کاہلی و مفت خوری کا اثر نہیں سمجھتے کیونکہ اس زمانہ تک تعلیم کا سلسلہ معاوضہ کی بنیاد پر نہیں قائم ہوا تہا۔ علما بطور خود اپنے گھر و نپر یا مسجدوں میں لوگوں کو مفت تعلیم دیتے تھے اور یہ سلسلہ اس قدر وسیع اور مفید تہا کہ آج تک اس سے بڑھکر نہ ہو سکا۔ امرا کے ہاں سے ان لوگوں کے لئے جو وظیفے مقرر تھے یا کبھی کبھی صلہ و نذر کے طور مل جاتا تہا۔ اس کو ان آنریری پروفیسروں کی تنخواہ سمجھ لینا چاہیے لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ رفتہ رفتہ انہیں مثالوں سے پیرزادگی اور مفت خوری کی بنیاد قائم ہو گئی جس نے قوم کے ایک بڑے حصہ کو بالکل نکما اور اپاہج بنا دیا بے شبہ امام ابو حنیفہ اس اصول کے سخت سے مخالف تھے اور اس لحاظ سے انکی مخالفت بیجا بھی تھی۔ اس بے تعلقی سے ایک بڑا فائدہ یہ تہا کہ امر حق کے اظہار میں امام صاحب کو کسی سے باک نہیں ہوتا تہا۔ انسان کتنا ہی آزاد مزاج اور صاف گو ہو لیکن احسان وہ چہپا ہوا جادو ہے کہ اسکے اثر سے بچنا ناممکن نہیں تو قریبا ناممکن ہے امام صاحب تمام عمر کسی کے احسانمند نہوئے اور اس وجہ سے انکی آزادی کو کوئی چیز دبا نہ سکتی تھی اکثر موقعوں پر وہ اس خیال کا اظہار بھی کر دیا کرتے تھے ابن ہبیرہ نے کہ کوفہ کا گورنر اور نہایت نامور شخص تہا انسے بے محاجب کہا کہ "آپ کبھی کبھی قدم رنجہ فرماتے تو مجھپر احسان ہوتا فرمایا "میں تم سے ملکر کیا کرونگا۔ مہربانی سے پیش آؤ گے تو خوف ہے کہ تمہارے دام میں آجاؤں عتاب کروگے تو میری ذلت ہے تمہارے پاس جو زر و مال ہے مجھ کو اسکی حاجت نہیں میرے پاس جو دولت ہے اسکو کوئی چہین نہیں سکتا" عیسی بن موسی کیساتھ بھی ایسا ہی واقعہ گزرا

خلیفہ منصور اور حرہ خاتون (منصور کی بیوی) میں کچھ شکر رنجی ہو گئی تھی۔ خاتون کو شکایت تھی کہ خلیفہ عدل نہیں کرتا۔ منصور نے کہا کسی کو منصف قرار دو انہے امام صاحب کا نام لیا اسیوقت طلبی کا فرمان گیا خاتون پردہ کے قریب بیٹھی کہ امام صاحب جو فیصلہ کریں خود اپنے کانوں سے سنے منصور نے پوچھا شرع کی رو سے مرد کتنے نکاح کر سکتا ہے امام صاحب نے کہا چار منصور خاتون کی طرف مخاطب ہوا کہ سنتی ہو پردہ سے آواز آئی کہ ہاں سنا امام صاحب نے منصور کی طرف خطاب کر کے کہا مگر یہ اجازت اس شخص کیلئے خاص ہے جو عدل پر قادر ہو ورنہ ایک سے زیادہ نکاح کرنا اچھا نہیں خدا خود فرماتا ہے وَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً منصور چپ ہو گیا امام صاحب گھر آئے تو ایک خادم پچاس ہزار درہم کے توڑے لئے ہوئے حاضر ہوا کہ خاتون نے نذر بھیجی ہے اور کہا ہے کہ "آپکی کنیز آپکو سلام کہتی ہے اور آپکی حق گوئی کی نہایت شکر گزار ہے" امام صاحب نے روپیہ پھیر دیئے اور خادم سے فرمایا جاکر خاتون سے کہنا کہ "میں نے جو کچھ کہا کسی غرض سے نہیں کہا بلکہ میرا فرض منصبی تہا۔

امام صاحب کی تجارت نہایت وسیع تھی لاکھوں کا لین دین تہا اکثر شہروں میں گماشتے مقرر تھے بڑے بڑے سوداگروں سے معاملہ رہتا تہا ایسے بڑے کارخانہ کے ساتھ دیانت اور احتیاط کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ ناجائز طور پر ایک حبہ بھی انکے خزانہ میں نہیں داخل ہو سکتا تہا اس احتیاط میں کبھی کبھی نقصان اٹھانا پڑتا تہا مگر ان کو کچھ

پر دلو نہیں ہوتی تہی ایک دفعہ حفص بن عبد الرحمن کے پاس خز کو تہان بہیجے اور کہلا بہیجا کہ فلاں فلاں تہان میں عیب ہے خریدار کو جتا دینا حفص کو اس ہدایت کا خیال نہ رہا تہان بیچ ڈالے اور خریداروں کو اس عیب کے اطلاع نہ دی امام صاحب کو معلوم ہوا تو نہایت افسوس کیا تہانوں کی قیمت جو تیس ہزار درہم تہی سب خیرات کر دی۔

ایک دن ایک عورت خز کا تہان لیکر آئی کہ فروخت کرا دیجئے امام صاحب نے دام پوچھے اس نے سو روپیہ بتائے فرمایا کم ہیں اس نے کہا تو دو سو روپیہ فرمایا یہ تہان پانچسو سے کم قیمت کا نہیں اس نے متعجب ہو کر کہا کہ آپ شاید ہنسی کرتے ہیں امام صاحب نے پانچسو روپے اپنے پاس سے دیئے اور تہان رکہہ لیا اس احتیاط اور دیانت نے ان کے کارخانہ کو بجائے نقصان پہنچانے کے اور بہی چمکا دیا تجارت اور اکتساب دولت سے انکا مقصود زیادہ تر عام کو فائدہ پہنچانا تہا۔ جتنے احباب اور ملنے والے تہے سبکے روزینے مقرر کر رکہے تہے شیوخ اور محدثین کے لئے تجارت کا ایک حصہ مخصوص کر دیا تہا کہ اس سے جو نفع ہوتا تہا سال کے سال ان لوگوں کو پہنچا دیا جاتا تہا[1] عام معمول تہا کہ گہر والوں کے لئے کوئی چیز خریدتے تو اسی قدر محدثین اور علماء کے پاس بہیجتے اتفاقیہ کوئی شخص ملنے آتا تو اسکا حال پوچہتے اور حاجتمند ہوتا تو حاجت روائی کرتے شاگردوں میں جسکو تنگ حال دیکہتے اسکی ضروریات خانگی کی کفالت کرتے کہ اطمینان سے علم کی تکمیل کر سکے بہت سے لوگ جنکو مفلسی کی وجہ سے تحصیل علم کا موقع نہیں مل سکتا تہا امام صاحب ہی کی دستگیری کی بدولت بڑے بڑے رتبوں پر پہنچے انہیں میں قاضی ابو یوسف صاحب ہیں جنکا مفصل تذکرہ آگے آتا ہے

ایک دفعہ کچہہ لوگ ملنے آئے انمیں ایک شخص ظاہری صورت سے شکستہ حال معلوم ہوتا تہا لوگ رخصت ہو کر چلے تو امام صاحب نے اس سے فرمایا ذرا ٹہر جاؤ جانماز کی طرف اشارہ کیا کہ اسکو اٹہانا اسنے دیکہا تو ہزار درہم کی تہیلی تہی عرض کی کہ میں دولتمند ہوں مجکو اس کی ضرورت نہیں فرمایا تو صورت ایسی بنانی چاہیئے کہ دوسروں کو شبہہ نہو۔

ایک دفعہ کسی بیمار کی عیادت کو جا رہے تہے راہ میں ایک شخص ملا جو انکا مقروض تہا اسنے دور سے انکو دیکہ لیا اور کترا کر دوسری طرف چلا انہوں نے پکارا کہ کہاں جاتے ہو؟ وہ کہڑا ہو گیا قریب پہنچے تو پوچہا مجکو دیکہکر تم نے راستہ کیوں کاٹا اسنے کہا آپکے دس ہزار درہم مجہپر آتے ہیں جو مجہہ سے ابتک ادا نہو سکے۔ اس شرم سے آنکہہ برابر نہیں ہوتی امام صاحب اسکی غیرت سے متعجب ہوئے اور فرمایا جاؤ میں نے سب معاف کر دیا۔ ایک بار سفر حج میں عبد اللہ سہمی کا ساتہہ ہوا کسی منزل میں ایک بدوی نے انکو پکڑا اور امام صاحب کے سامنے لایا کہ اسپر میرے روپیہ آتے ہیں اور ادا نہیں کرتا امام صاحب نے عبد اللہ سے اسکی حقیقت پوچہی انہوں نے سرے سے انکار کیا امام صاحب نے بدوی سے پوچہا آخر کتنے درہموں پر جہگڑا ہے اس نے کہا چالیس درہم متعجب ہو کر فرمایا کہ زمانے سے حمیت اٹہ گئی اتنے سے معاملہ پر یہ فضیحتی!! پہر کل درہم اپنے پاس سے ادا کر دیئے۔ ابراہیم بن عتبہ چار ہزار درہم کے مقروض تہے اور

[1] علامہ نووی نے تہذیب الاسماء میں ان واقعات کو بسند بیان کیا ہے ۱۲

اور اس ندامت کی وجہ سے لوگوں سے ملنا جلنا چھوڑ دیا تھا انکے ایک دوست نے چندہ کرکے انکا قرض ادا کرنا چاہا لوگوں نے بقدر حیثیت اعانت کی امام صاحب کے پاس گئے تو فرمایا کہ کل کس قدر قرضہ ہے انہوں نے کہا چار ہزار فرمایا اتنی سی رقم کے لئے لوگوں کو کیوں تکلیف دیتے ہو یہ کہکر بیت چار ہزار درہم خود دیدیئے تاریخوں میں اس قسم کے اور بہت سے واقعات انکی نسبت منقول ہیں ہم نے اختصار کے لحاظ سے قلم انداز کئے اس دولت مندی اور عظمت و شان کیساتھ نہایت متواضع حلیم اور خلیق تھے ایک دفعہ مسجد خیف میں تشریف رکھتے تھے شاگردوں اور ارادتمندوں کا حلقہ تھا ایک اجنبی شخص نے مسئلہ پوچھا۔ امام صاحب نے جواب مناسب دیا اس نے کہا مگر حسن بصری نے اسکے خلاف بتایا ہے امام صاحب نے فرمایا حسن نے غلطی کی۔ حاضرین میں سے ایک شخص کہ حسن کا معتقد تھا طیش میں آگیا اور جھلا کر "او ابن الفاحشہ! تو حسن کو خاطی کہتا ہے" اس گستاخی اور بیہودہ گوئی نے تمام مجلس کو درہم و برہم کردیا اور لوگوں نے چاہا کہ اسکو پکڑ کر سزا دیں امام صاحب نے روکا انکے لحاظ سے لوگ مجبور ہوگئے مگر دیر تک مجلس میں سناٹا رہا۔ لوگوں کا جوش کم ہوا تو امام صاحب نے اس شخص کی طرف خطاب کیا اور فرمایا کہ "ہاں حسن نے غلطی کی عبد اللہ بن مسعود نے اس باب میں جو روایت کی ہے وہ صحیح ہے۔

یزید بن کمیت کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں امام ابو حنیفہ کی خدمت میں حاضر تھا ایک شخص نے انسے گستاخانہ گفتگو شروع کی امام صاحب تحمل سے جواب دیتے تھے وہ اور شوخ ہوتا جاتا تھا یہانتک کہ اس نے امام کو زندیق کہدیا۔ اسپر فرمایا کہ خدا تم کو بخشے وہ خوب جانتا ہے کہ میری نسبت جو تم نے لفظ کہا صحیح نہیں ہے امام صاحب خود فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کسی پر لعنت نہیں کی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ کسی مسلمان یا ذمی کو نہیں ستایا کسی سے فریب اور بدعہدی نہیں کی۔

امام سفیان ثوری میں امام صاحب میں کچھہ شکررنجی تھی ایک شخص نے امام صاحب سے آکر کہا کہ سفیان ثوری آپ کو برا کہہ رہے تھے امام نے فرمایا کہ "خدا میری اور سفیان دونوں کی مغفرت کرے سچ یہ ہے کہ ابراہیم نخعی کے موجود ہوتے بھی اگر سفیان دنیا سے اٹھ جاتے تو مسلمانوں کو سفیان کے مرنے کا ماتم کرنا پڑتا ایکدن مسجد میں درس دے رہے تھے ایک شخص نے جسکو انسے کچھہ عداوت تھی عام مجلس میں انکی نسبت ناسزا الفاظ کہے انہوں نے کچھہ التفات نہ کی اور اسیطرح درس میں مشغول رہے شاگردوں کو بھی منع کردیا کہ اسکی طرف متوجہ نہوں درس سے اٹھے تو وہ شخص ساتھ ہوا اور جو کچھہ منہ میں آتا تھا بکتا جاتا تھا۔ امام صاحب اپنے گھر کے دروازہ کے قریب پہنچے تو کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ بھائی یہ میرا گھر ہے کچھہ باقی رہ گیا ہو تو اٹھا نہ رکھو کہ اب میں اندر جاتا ہوں اور تمکو موقع نہ ملیگا ایک اور دن حلقہ درس قائم تھا ایک نوعمر نے مسئلہ پوچھا امام صاحب نے جواب دیا اس نے کہا ابو حنیفہ تم نے جواب میں غلطی کی ابو الخطاب جرجانی بھی حلقہ میں شریک تھے انکو نہایت غصہ آیا اور حاضرین کو ملامت کی کہ تم لوگ

بڑے بے حمیت ہو امام کی شان میں ایک لونڈا جو جی میں آتا ہے کہہ جاتا ہے تمکو ذرا جوش نہیں آتا امام صاحب نے ابوالخطاب کی طرف خطاب کیا اور فرمایا کہ ان لوگوں پر کچھ الزام نہیں میں اس جگہ بیٹھا ہوں تو اسی لئے بیٹھا ہوں کہ لوگ آزادانہ میری رائے کی غلطیاں ثابت کریں اور میں تحمل کے ساتھ سنوں۔

محلہ میں ایک موچی رہتا تھا جو نہایت رنگین طبع اور خوش مزاج تھا۔ اس کا معمول تھا کہ دن بھر مزدوری کرتا شام کو بازار جاکر گوشت اور شراب مول لاتا کچھ رات گئے دوست احباب جمع ہوتے خود سیخ پر کباب لگاتا اور یاروں کو کھلاتا ساتھ ہی شراب کا دور چلتا اور مزے میں آکر یہ شعر گاتا۔ اضاعونی وای فتی اضاعوا ٭ لیوم کریھۃ وسداد ثغر ٭ یعنی لوگوں نے مجھکو ہاتھ سے کھو دیا اور کیسے بڑے شخص کو کھویا جو لڑائی اور رخنہ بندی کے دن کام آتا۔ امام صاحب ذکر و شغل میں رات کو کم سوتے تھے اس کی نغمہ سنجیاں سنتے اور فرط اخلاق کی وجہ سے کچھ تعرض نکرتے ایک رات کوتوال شہر ادہر آنکلا اور اس غریب کو گرفتار کرکے قید خانہ میں بھیجدیا صبح کو امام صاحب نے دوستوں سے تذکرہ کیا رات ہمارے ہمسایہ کی آواز نہیں آئی لوگوں نے رات کا ماجرا بیان کیا اسی وقت سواری طلب کی دربار کے کپڑے پہنے اور دار الامارۃ کا قصد کیا۔ یہ عباسیہ کا عہد حکومت تھا اور عیسیٰ بن موسیٰ کہ خلیفہ منصور کا برادرزادہ اور تمام خاندان میں عقل و تدبیر دلیری اور شجاعت کے لحاظ سے ممتاز تھا کوفہ کا گورنر تھا لوگوں نے اطلاع کی کہ امام ابوحنیفہ آپ کے ملنے کو آتے ہیں۔ اس نے درباریوں کو استقبال کیلئے بھیجا اور حکم دیا کہ دار الامارۃ کے صحن تک امام صاحب کو سواری پر لائیں سواری قریب آئی تو تعظیم کو اٹھا اور نہایت ادب سے لاکر بٹھایا پھر عرض کی کہ "آپنے کیوں تکلیف فرمائی مجھکو بلا بھیجتے کہ میں خود حاضر ہوتا" امام صاحب نے فرمایا کہ ہمارے محلہ میں ایک موچی رہتا ہے کوتوال نے اسکو گرفتار کرلیا ہے میں چاہتا ہوں کہ وہ رہا کردیا جائے عیسیٰ نے اسی وقت داروغہ جیل کو حکم بھیجا اور وہ رہا کردیا گیا امام صاحب عیسیٰ سے رخصت ہوکر چلے تو موچی ہمرکاب ہوا امام اسکی طرف مخاطب ہوئے کہ "کیوں ہم نے تمکو ضائع تو نہیں کیا" یہ اس شعر کی طرف اشارہ تھا جس کو وہ ہمیشہ پڑھا کرتا تھا اضاعونی وای فتی اضاعوا اسنے عرض کی "نہیں آپنے ہمسائگی کا پورا حق ادا کیا" اس کے بعد اسنے عیش پرستی سے توبہ کی اور امام صاحب کے حلقہ درس میں بیٹھنے لگا۔ رفتہ رفتہ علم فقہ میں مہارت حاصل کی اور فقیہہ کے لقب سے ممتاز ہوا۔

امام صاحب کے والد نے امام کے سن رشد سے پہلے قضا کی لیکن والدہ مدت تک زندہ رہیں اور امام کو اُن کی خدمت گزاری کا کافی موقع ہاتھ آیا۔ وہ مزاج کی شکی تھیں اور جیسا کہ عورتوں کا قاعدہ ہے واعظوں اور قصہ گویوں کے ساتھ نہایت عقیدت رکھتی تھیں کوفہ میں عمرو بن ذر ایک مشہور واعظ تھے۔ ان کے ساتھ خاص عقیدت

ملہ یہ واقعہ بہت سی کتابوں میں مختلف طریقے سے مذکور ہے میں نے کتاب الاغانی و ابن خلکان و عقود الجمان کی روایت اختیار کی ہے ۱۲

[illegible] خود فقہ [illegible] حقیقت تھی
[illegible] نہیں اٹھانا [illegible] مسئلہ
[illegible] والدہ کا یہ حکم ہے تو اکثر ایسا ہوتا کہ
کوئی مسئلہ پوچھا تھا امام صاحب سے درخواست کرتیں کہ آپ مجھکو [illegible] کے پاس لے چلو [illegible]
[illegible] کہ میں خود پوچھونگی [illegible] سوار ہوتیں امام صاحب پیادہ ساتھ ہوتے خود مسئلہ کی
[illegible] ایک دفعہ [illegible] امام صاحب [illegible] یہ صورت پیش آئی کہ
[illegible] امام صاحب نے جواب بتایا [illegible] سند نہیں۔ زرعہ واعظ تصدیق کریں تو مجھکو اعتبار آئے
امام صاحب ان کو لیکر زرعہ کے پاس گئے اور مسئلہ کی صورت بیان کی۔ زرعہ نے کہا آپ مجھ سے زیادہ جانتے
ہیں آپ کیوں نہیں بتا دیتے امام صاحب نے فرمایا میں نے یہ فتویٰ دیا تھا۔ زرعہ نے کہا کہ بالکل صحیح ہے۔ یہ سنکر ان کو تسکین
ہوئی اور گھر واپس آئیں۔ ابن ہبیرہ نے جب امام صاحب کو بالجبر منشی مقرر کرنا چاہا اور انکار کے جرم پر دُرّے لگوائے
اس وقت امام کی والدہ زندہ تھیں۔ ان کو نہایت صدمہ ہوا۔ امام صاحب فرمایا کرتے تھے کہ مجھکو اپنی تکلیف کا چنداں
خیال نہ تھا البتہ یہ رنج ہوتا تھا کہ میری تکلیف کی وجہ سے والدہ کے دل کو صدمہ پہنچتا ہے۔

امام صاحب اگرچہ نہایت رقیق القلب تھے اور کسی کو تکلیف اور رنج کی حالت میں دیکھتے تو بیتاب ہو جاتے ایکدفعہ مسجد میں بیٹھے تھے کسی نے آکر کہا کہ فلاں شخص کوٹھے پر سے گر پڑا دفعتاً اس زور سے چیخ اُٹھے کہ مسجد میں تہلکہ پڑ گیا۔ حلقۂ درس چھوڑ کر برہنہ پا دوڑے اور اُس شخص کے گھر پہنچکر بہت کچھ غمخواری اور ہمدردی کی جبتک وہ اچھا ہوا روزانہ صبح کو جاتے اور اس کی تیمارداری کرتے تاہم اپنے اوپر کوئی مصیبت آن پڑتی تو اس استقلال سے برداشت کرتے کہ لوگوں کو تعجب ہوتا۔ عمال اور اہل دربار کے ہاتھ سے اکثر ان کو تکلیفیں پہنچیں مگر کبھی اُن کے پائے ثبات کو لغزش نہیں ہوئی۔ نہایت مضبوط دل رکھتے تھے اور ضبط و استقلال گویا ان کا خمیر تھا۔

ایک دن جامع مسجد میں درس دے رہے تھے مستفیدوں اور ارادتمندوں کا مجمع تھا۔ اتفاقاً چھت سے ایک سانپ گرا۔ امام کی گود میں آیا تمام لوگ گھبرا کر بھاگ گئے۔ مگر وہ اسی اطمینان سے بیٹھے رہے۔ امام مالک کو بھی ایک بار ایسا ہی اتفاق پیش آیا اور وہ ان کی تاریخ زندگی کا مشہور اور دلچسپ واقعہ ہے۔

بات نہایت کم کرتے تھے۔ اور غیر ضروری باتوں میں کبھی دخل نہ دیتے [illegible] شاگرد آپس میں نہایت آزادی سے بحثیں کرتے آپ چپ بیٹھے سنا کرتے جب بحث زیادہ بڑھ جاتی اور کسی بات کا تصفیہ نہ ہوتا تو قول فیصل بیان کر دیتے کہ سب کو تسکین ہو جاتی تھی۔

غیبت سے ہمیشہ پرہیز رکھتے اور اس بات کا شکر ادا کرتے کہ خدا نے میری زبان کو اس آلودگی سے پاک رکھا

ایک شخص نے کہا حضرت! لوگ آپ کی شان میں کیا کچھ نہیں کہتے۔ مگر آپ سے میں نے کسی کی بُرائی نہیں سنی فرمایا ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ۔ امام سفیان ثوری سے کسی نے کہا ابوحنیفہ کو میں نے کسی کی غیبت کرتے نہیں سنا انہوں نے کہا کہ ابوحنیفہ ایسے بیوقوف نہیں کہ اپنے اعمال صالحہ کو آپ برباد کریں" قسم کھانی بُرا جانتے تھے اور اس سے بہت پرہیز کرتے تھے عہد کر لیا تھا کہ اتفاقاً بھی اس خطا کا مرتکب ہونگا تو ایک درہم کفارہ دونگا اتفاق سے بھول کر کسی موقعہ پر قسم کھالی اس کے بعد عہد کیا کہ اب بجائے درہم کے دینار دونگا۔

نہایت مرتاض اور زاہد تھے ذکر عبادت میں ان کو مزہ آتا تھا اور بڑے ذوق و خلوص سے ادا کرتے تھے اس باب میں ان کی شہرت ضرب المثل ہو گئی تھی۔ علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ ان کی پرہیزگاری اور عبادت کے واقعات تواتر کی حد کو پہنچ گئے ہیں" اکثر نماز میں یا قرآن پڑھتے وقت رقت طاری ہوتی اور گھنٹوں رویا کرتے۔ ابراہیم بصری کا بیان ہے کہ ایک دفعہ نماز فجر میں میں امام ابوحنیفہ کے ساتھ شریک تھا۔ امام نماز نے یہ آیت پڑھی وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ یعنی خدا کو ظالموں کی کردار سے بے خبر نہ سمجھنا امام ابوحنیفہ پر ایسی حالت طاری ہوئی کہ سارا بدن کانپنے لگا۔ زائدہ کہتے ہیں کہ مجھکو ایک ضروری مسئلہ دریافت کرنا تھا امام ابوحنیفہ کے ساتھ نماز عشا میں شریک ہوا اور منتظر رہا کہ نوافل سے فارغ ہوں تو دریافت کروں وہ قرآن پڑھتے پڑھتے اس آیت پر پہنچے وَقٰنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ بار بار اس آیت کو پڑھتے تھے یہانتک کہ صبح ہو گئی اور یہی آیت پڑھتے رہے ایک بار نماز میں یہ آیت پڑھی بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ اَدْهٰى وَاَمَرُّ یعنی "قیامت گنہگاروں کا وعدہ گاہ ہے اور قیامت سخت مصیبت کی چیز اور ناگوار چیز ہے" اسی آیت میں رات ختم ہو گئی بار بار پڑھتے تھے اور روتے جاتے تھے یزید بن کمیت ایک مشہور عابد اور امام صاحب کے ہمعصر تھے ان کا بیان ہے کہ میں ایک دفعہ نماز عشا میں امام ابوحنیفہ کے ساتھ شریک تھا امام نماز نے اذا زلزلت پڑھی لوگ نماز پڑھکر چلے گئے میں ٹھہر رہا امام ابوحنیفہ کو دیکھا کہ بیٹھے ٹھنڈی سانسیں بھر رہے ہیں یہ دیکھکر میں اٹھ آیا کہ ان کے اوقات میں خلل نہو صبح کو مسجد میں گیا تو دیکھا کہ غمزدہ بیٹھے ہیں ڈاڑھی ہاتھ میں ہے اور بڑی رقت سے کہہ رہے ہیں کہ اے وہ! جو ذرہ بھر نیکی اور ذرہ بھر بدی دونوں کا بدلہ دیگا۔ نعمان اپنے غلام کو آگ سے بچانا" ایک دن بازار میں چلے جاتے تھے۔ ایک لڑکے کے پاؤں پر پاؤں پڑ گیا۔ وہ چیخ اٹھا اور کہا کہ تو خدا سے نہیں ڈرتا۔ امام کو غش آگیا مسعر بن کدام ساتھ تھے انہوں نے سنبھالا ہوش میں آئے تو پوچھا کہ ایک لڑکے کی بات پر اس قدر بیقرار ہو جانا کیا تھا؟ فرمایا کہ کیا عجب کہ اس کی آواز غیبی ہدایت ہو" عبرت پذیری ایک دفعہ حسب معمول دوکان پر گئے نوکر نے کپڑوں کے تھان نکال کر اور تفاؤل کے طور پر کہا خدا ہم کو جنت دے۔ امام صاحب پر رقت طاری ہوئی اور اس قدر روئے کہ شانے تر ہو گئے نوکر سے کہا کہ دوکان بند کردو۔ آپ چہرہ پر رومال ڈال کر کسی طرف نکل گئے دوسرے دن دوکان

ہو گئے تو ذکر سے کہا کہ بھائی! ہم اس قابل کہاں کہ جنت کی آرزو کریں یہی بہت ہے کہ عذاب الٰہی میں گرفتار نہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی اکثر فرمایا کرتے تھے کہ قیامت کے دن اگر مجھ سے مواخذہ نہو نہ انعام ملے تو میں بالکل راضی ہوں۔ ایک دفعہ کسی کو مسئلہ بتا رہے تھے۔ ایک شخص نے کہا کہ ابو حنیفہ! خدا سے ڈر کر فتویٰ دیا کرو امام صاحب پر اس کا اس قدر اثر ہوا کہ چہرہ کی رنگت زرد پڑ گئی اس شخص کی طرف مخاطب ہوئے اور کہا بھائی! خدا تم کو جزائے خیر دے اگر مجھ کو یہ یقین نہوتا کہ خدا مجھ سے مواخذہ کریگا کہ تو نے جان کر علم کو کیوں چھپایا تو میں ہرگز فتویٰ نہ دیتا۔ کوئی مسئلہ مشکل آ جاتا اور جواب نہ معلوم ہوتا تو متردد ہوتے کہ غالباً میں کسی گناہ کا مرتکب ہوا۔ یہ اسی کی شامت ہے۔ پھر وضو کر کے نماز پڑھتے اور استغفار کرتے۔ فضل بن عیاض کہ مشہور صوفی گذرے ہیں ان سے کسی نے یہ حکایت بیان کی بہت روئے اور کہا "ابو حنیفہ کے گناہ بہت کم تھے اس لیے ان کو یہ خیال ہوتا تھا۔ جو لوگ گناہوں میں غرق ہیں ان پر ہزاروں آفتیں آتی ہیں اور مطلق خبر نہیں ہوتی کہ یہی تنبیہ ہے۔"

تقسیم اوقات

معمول تھا کہ صبح کی نماز کے بعد مسجد میں درس دیتے۔ دور دور سے استفتے آئے ہوئے ہوتے جواب لکھتے پھر تدوین فقہ کی مجلس منعقد ہوتی بڑے بڑے نامور شاگردوں کا مجمع ہوتا جو مسائل اتفاق رائے سے طے ہوتے قلمبند کر لیے جاتے۔ نماز ظہر پڑھ کر گھر آتے۔ گرمیوں میں ہمیشہ ظہر کے بعد سو رہتے۔ نماز عصر کے بعد کچھ دیر تک درس و تعلیم کا مشغلہ رہتا باقی وقت دوستوں کے ملنے ملانے بیماروں کی عیادت۔ ماتم پرسی غریبوں کی خبر گیری میں صرف ہوتا۔ مغرب کے بعد پھر درس کا سلسلہ شروع ہوتا اور عشا تک رہتا۔ نماز عشا پڑھ کر عبادت میں مشغول ہوتے اور اکثر رات بھر نہ سوتے۔ جاڑوں میں مغرب کے بعد مسجد ہی میں سو رہتے اور قریباً دس بجے اٹھ کر نماز عشا پڑھتے پھر تمام رات تہجد اور درود و وظائف میں گزرتی کبھی کبھی دکان پر بیٹھتے اور وہیں یہ تمام مشاغل انجام پاتے۔

ذہانت اور طباعی۔ فتوے اور مناظرات۔ لطائف اور دلپذیر باتیں

جو چیز امام صاحب کی قوت ایجاد۔ جدت طبع۔ دقت نظر۔ وسعت معلومات۔ غرض ان کے تمام کمالات علمی کا آئینہ ہے وہ علم فقہ ہے جس کی ترتیب و تدوین میں ان کو وہ پایہ حاصل ہے جو ارسطو کو منطق اور اقلیدس کو ہندسہ میں۔ لیکن اس پر تفصیلی بحث کرنے کیلیے ایک مستقل کتاب درکار ہے اسی ضرورت سے ہم نے اپنی کتاب کا دوسرا حصہ اس بحث کیلیے خاص کر دیا ہے اس موقع پر صرف وہ واقعات لکھتے ہیں جو امام صاحب کی علمی تاریخ کے عام واقعات ہیں لیکن غور سے دیکھو تو وہ بھی بجائے خود اصول ہیں جن پر سینکڑوں مسائل کی بنیاد قائم ہے اس مقام پر یہ کہدینا ضرور ہے کہ امام ابو حنیفہ کے مناظرات اور نکتہ آفرینیوں کے متعلق بہت بے سروپا افسانے شہرت پکڑ گئے ہیں اور طرہ یہ کہ بعض مشہور مصنفوں نے بغیر تحقیق و تنقید کے انکو اپنی تالیفات میں

نقل کر دیا جس سے عوام کو اپنے غلط خیالات کی تصدیق کے لیے ایک دستاویز ہاتھ آگئی۔ یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ جو شخص کسی فن میں کمال کے ساتھ شہرت عام حاصل کرتا ہے اس کی نسبت بھی بڑی سینکڑوں روایتیں خود بخود مشہور ہو جاتی ہیں۔ اور بعض حالتوں میں اس قدر عام زبانوں پر قبضہ کر لیتی ہیں کہ خواص تک کو ان پر یقین کرنا ضروری ہوتا ہے۔ لطف یہ کہ معتقدین، جوش اعتقاد میں ایسی باتیں بیان کر جاتے ہیں جس کو وہ مدح سمجھتے ہیں اور دراصل ذم ہوتی ہے۔ اسی طرح مخالف عیب و منقصت کی مثالیں پیش کرتا ہے۔ حالانکہ غور سے دیکھئے تو ان واقعات سے بجائے اس کے کہ اس شخص کی برائی ثابت ہو مدح کا پہلو نکلتا ہے۔ امام ابوحنیفہ بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ بعض مصنفوں نے ان کی ذہانت اور طباعی کے ذیل میں بہت سے ایسے قصے لکھ دیئے ہیں جن کو خدا نخواستہ ہم سچ تسلیم کریں تو عیاذاً باللہ امام صاحب کو حیلہ جو، چالاک، متفنن، سخن ساز ماننا پڑے گا۔ لیکن وہ روایتیں تاریخی اصول سے ثابت نہیں اور اسماء رجال کی تحقیق خصوصاً محدثین نے ان کے لکھنے سے ہاتھ کھینچ لیا ہے۔ ہم بھی ان کو قلم انداز کرتے ہیں اور صرف انہیں روایتوں پر اکتفا کرتے ہیں جو بظن غالب ثابت اور صحیح ہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ امام صاحب کو اور ائمہ کی نسبت مناظرہ اور مباحثہ کے موقعے زیادہ پیش آئے۔ انہوں نے علوم شرعیہ کے متعلق بہت سے ایسے نکتے پیدا کئے تھے جو عام لوگوں کی دسترس سے باہر تھے۔ اس لئے ظاہر بینوں کا ایک بڑا گروہ جن میں بعض مقدس سادہ دل بھی شامل تھے ان کا مخالف ہو گیا تھا اور ہمیشہ ان سے بحث و مناظرہ کے لئے تیار رہتا تھا۔ امام صاحب کو بھی مجبوراً ان کے شبہات رفع کرنے پڑتے تھے۔ اس اتفاقی سبب نے مناظرہ اور مباحثہ کا ایک وسیع سلسلہ قائم کر دیا تھا۔ لیکن امام صاحب کے مناظرات اسی پر محدود نہیں۔ اس زمانہ میں وقت درس کا ایک خاص طریقہ تھا اور امام صاحب نے اکثر اساتذہ سے اسی طریقہ پر تعلیم پائی تھی۔ عیون و الحدائق کے مصنف نے ان کے تذکرے میں لکھا ہے کہ انہوں نے شعبی، طاؤس، عطاء سے مناظرات کئے۔ یہ لوگ امام صاحب کے اساتذہ خاص ہیں اور وہ ان لوگوں کا نہایت ادب کرتے تھے۔ اس مناظرہ سے مقصود وہی درس کا مخصوص طریقہ ہے جو اس عہد میں عموماً مروج تھا۔

امام اوزاعی کہ اقلیم شام کے امام اور فقہ میں مذہب مستقل کے بانی تھے مکہ معظمہ میں امام ابوحنیفہ سے ملے اور کہا کہ "عراق والوں پر نہایت تعجب ہے کہ رکوع میں، اور رکوع سے سر اٹھانے کے وقت رفع یدین نہیں کرتے۔ حالانکہ میں نے زہری سے انہوں نے سالم بن عبداللہ سے انہوں نے عبداللہ بن عمر سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان موقعوں پر رفع یدین کرتے تھے۔ امام ابوحنیفہ نے اس کے مقابلہ میں

۱؎ امام صاحب کے بعض مناظرات تاریخ خطیب [illegible] میں اور امام رازی نے اس آیت کی تفسیر میں [illegible] ہیں اور عقود الجمان میں زیادہ استقصا کیا ہے ان کے علاوہ اور کتابوں میں [illegible] ذکر ہے ۱۲

حماد ۔ ابراہیم نخعی ۔ علقمہ ۔ عبداللہ بن مسعود کے سلسلہ سے حدیث روایت کی کہ آنحضرت ان موقعوں پر رفع یدین نہیں فرماتے تھے۔" امام اوزاعی نے کہا "سبحان اللہ! میں تو زہری ۔ سالم ۔ عبداللہ کے ذریعہ سے حدیث بیان کرتا ہوں۔ آپ اس کے مقابلہ میں حماد ۔ نخعی ۔ علقمہ کا نام لیتے ہیں"۔ امام ابوحنیفہ نے کہا "میرے رواۃ آپ کی رواۃ سے زیادہ فقیہ ہیں۔ اور عبداللہ بن مسعود کا رتبہ تو معلوم ہی ہے۔ اس لئے ان کی روایت کو ترجیح ہے"۔ امام رازی نے اس مناظرہ کو مناقب الشافعی میں نقل کیا ہے۔ اور گو واقعہ کی صحت سے انکار نہیں کر سکے تاہم یہ نکتہ چینی کی ہے کہ حسی واقعات میں تفقہ کو کیا دخل ہے۔

اس اصول پر مفصل بحث کتاب کے دوسرے حصہ میں ہوگی۔ یہاں امام رازی کے حوالے سے یہ مقصود ہے کہ اصل واقعہ صحیح ہے جس سے شافعیوں کو بھی انکار نہیں۔ اس مسئلہ کے متعلق امام محمد نے کتاب الحج میں ایک لطیف بحث کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ہماری روایت عبداللہ بن مسعود تک منتہی ہوتی ہے اور فریق مخالف کی عبداللہ بن عمر تک۔ اس لئے بحث کا تمام تر مدار اس پر آجاتا ہے کہ ان دونوں میں کس کی روایت ترجیح کے قابل ہے۔ عبداللہ بن مسعود آنحضرت کے زمانے میں پوری عمر کو پہنچ چکے تھے اور جیسا کہ حدیثوں میں آیا ہے جماعت کی صف اول میں جگہ پاتے تھے۔ بخلاف اس کے عبداللہ بن عمر کا محض آغاز تھا اور ان کو دوسری تیسری صف میں کھڑا ہونا پڑتا تھا اس لئے آنحضرت کے حرکات و سکنات سے واقف ہونے کے جو موقعے عبداللہ بن مسعود کو مل سکے عبداللہ بن عمر کو کیونکر حاصل ہو سکتے تھے۔ امام محمد کا یہ طرز استدلال حقیقت میں اصول درایت پر مبنی ہے۔ امام ابوحنیفہ صاحب نے اپنی تقریر میں عبداللہ بن مسعود کی عظمت و شان کا جو ذکر کیا اس میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ ایک دن بہت سے لوگ جمع ہو کر آئے کہ قرأت خلف الامام کے مسئلہ میں امام صاحب سے گفتگو کریں۔ امام صاحب نے کہا "اتنے آدمیوں سے میں تنہا کیونکر بحث کر سکتا ہوں۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ آپ اس مجمع میں سے کسی کو انتخاب کر لیں جو سب کی طرف سے اس خدمت کا کفیل ہو۔ اور اس کی تقریر پورے مجمع کی تقریر سمجھی جائے"۔ لوگوں نے منظور کیا۔ امام صاحب نے کہا "آپ نے یہ تسلیم کیا تو بحث کا خاتمہ بھی ہو گیا۔ آپ نے جس طرح ایک شخص کو سب کی طرف سے بحث کا مختار کر دیا اسی طرح امام نماز بھی تمام مقتدیوں کی طرف سے قرأت کا کفیل ہے"۔

یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ امام نے ایک شرعی مسئلہ کو صرف عقلی طور پر طے کر دیا بلکہ حقیقت میں یہ اس حدیث کی تشریح ہے جس کو خود امام صاحب نے بسند صحیح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا ہے کہ من صلی خلف الامام فقراءۃ الامام قراءۃ له یعنی جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قراءت بھی اس کی قراءت ہے"۔ یہ امام صاحب کے مخصصات میں ہے کہ وہ مشکل سے مشکل مسئلہ کو ایسے عام فہم طریقہ سے سمجھا دیتے تھے کہ

لہ علامہ ابن الہمام نے اس مناظرہ کو فتح القدیر میں ذکر کیا ہے اور حجۃ اللہ البالغہ کے مختلف مقامات میں اس کا اشارے پائے جاتے ہیں ۱۲

مخالف کے ذہن نشین ہو جاتا تھا۔ اور بحث نہایت جلد اور آسانی سے طے ہو جاتی تھی۔ ایک دفعہ ضحاک خارجی جو خارجیوں کا ایک مشہور سردار تھا اور بنو امیہ کے زمانہ میں کوفہ پر قابض ہو گیا تھا امام صاحب کے پاس آیا اور تلوار دکھا کر کہا کہ "توبہ کرو" انہوں نے پوچھا کس بات سے۔ ضحاک نے کہا تمہارا عقیدہ ہے کہ علی علیہ السلام نے معاویہ کے جھگڑے میں ثالثی مان لی تھی۔ حالانکہ جب وہ حق پر تھے تو ثالث ماننے کے کیا معنی" امام صاحب نے فرمایا کہ "اگر میرا قتل مقصود ہے تو اور بات ہے۔ ورنہ اگر تحقیق حق منظور ہے تو مجکو تقریر کی اجازت دو" ضحاک نے کہا میں بھی مناظرہ ہی چاہتا ہوں۔ امام صاحب نے فرمایا اگر بحث آپس میں نہ طے ہو تو کیا علاج؟ ضحاک نے کہا ہم دونوں ایک شخص کو منصف قرار دیں چنانچہ ضحاک ہی کے ساتھیوں میں سے ایک شخص انتخاب کیا گیا کہ دونوں فریق کی صحت و غلطی کا تصفیہ کرے۔ امام صاحب نے فرمایا یہی تو حضرت علی علیہ السلام نے بھی کیا تھا پھر ان پر الزام کیا ہے؟ ضحاک دم بخود ہو گیا۔ اور چپکا اٹھ کر چلا گیا اسی ضحاک نے ایک بار کوفہ پہنچکر قتل عام کا حکم دیدیا۔ امام صاحب کو خبر ہوئی۔ دوڑے گئے اور پوچھا کہ آخر ان لوگوں نے کیا جرم کیا ہے؟" اس نے کہا یہ سب مرتد ہو گئے ہیں امام صاحب نے فرمایا "پہلے ان لوگوں کا کچھ اور مذہب تھا جسکو انہوں نے چھوڑ دیا۔ یا ہمیشہ سے یہی مذہب رکھتے تھے جو اب رکھتے ہیں؟ ضحاک نے کہا۔ کیا کہا پھر کہنا امام صاحب نے زیادہ وضاحت سے بیان کیا ضحاک نے کہا بے شبہ میری خطا تھی اسیوقت حکم دیا کہ "تلوار نیام میں کر لو"

قتادہ بصری جن کا مختصر حال امام صاحب کے اساتذہ کے ذکر میں ہم لکھ آئے ہیں کوفہ میں آئے اور اشتہار دیدیا کہ مسائل فقہ میں جسکو جو پوچھنا ہو تو پوچھے میں ہر مسئلہ کا جواب دونگا چونکہ وہ مشہور محدث اور امام تھے بڑا مجمع ہوا جوق جوق لوگ آتے تھے اور مسئلے دریافت کرتے تھے امام ابو حنیفہ بھی موجود تھے کھڑے ہو کر پوچھا کہ "ایک شخص سفر میں گیا۔ برس دو برس کے بعد اس کے مرنے کی خبر آئی اسکی بیوی نے دوسرا نکاح کر لیا اور اس سے اولاد ہوئی۔ چند روز کے بعد وہ شخص واپس آیا۔ اولاد کی نسبت اسکو انکار ہے کہ میری اولاد نہیں ہے زوج ثانی دعوی کرتا ہے کہ میری ہے تو آیا دونوں اس عورت پر زنا کا الزام لگاتے ہیں یا صرف وہ شخص جو ولدیت سے انکار کرتا ہے؟" قتادہ نے کہا "یہ صورت پیش آئی ہے؟" امام نے کہا نہیں لیکن علما کو پہلے تیار رہنا چاہیے کہ وقت پر تردد نہ ہو قتادہ کو فقہ سے زیادہ تفسیر میں دعوی تھا بولے کہ ان مسائل کو جانے دو تفسیر کے متعلق جو پوچھنا ہو پوچھو امام ابو حنیفہ نے کہا اس آیت کے کیا معنی ہیں قال الذی عندہ علم من الکتاب انا اتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک یہ وہ قصہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے درباریوں سے بلقیس کے تخت لانے کی فرمایش کی اور ایک شخص نے جو غالباً آصف بن برخیا حضرت سلیمان کے وزیر تھے دعوی کیا کہ میں چشم زدن میں لادونگا اہل کتاب کی روایت ہے کہ آصف بن برخیا اسم اعظم جانتے تھے جسکی تاثیر سے ایکدم میں شام سے یمن پہنچکر تخت اٹھا لائے

یہی روایت عام مسلمانوں میں پھیل گئی تھی۔ اور اسی کے مطابق اس آیت کا مطلب لگایا جاتا تھا قتادہ نے بھی یہی معنی بیان کئے امام ابوحنیفہ نے کہا حضرت حضرت سلیمان خود بھی اسم اعظم جانتے تھے یا نہیں" قتادہ نے کہا نہیں امام صاحب نے کہا "کیا آپ اس بات کو جائز رکھتے ہیں کہ نبی کے زمانے میں ایسا شخص موجود ہو جو خود نبی ہو اور نبی سے زیادہ علم رکھتا ہو"؟ قتادہ کچھ جواب دے سکے۔ اور کہا کہ عقائد کے متعلق پوچھو! امام صاحب نے کہا "آپ مومن ہیں" اکثر محدثین اپنے آپ کو مومن کہتے ہوئے ڈرتے تھے اور اسکو احتیاط میں داخل سمجھتے تھے حسن بصری سے ایک شخص نے یہی سوال کیا تھا جس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ "انشاء اللہ" پوچھنے والے نے کہا انشاء اللہ کا کیا محل ہے"؟ فرمایا کہ "میں اپنے تئیں مومن تو کہوں مگر ڈرتا ہوں کہ خدا یہ نہ کہدے کہ تو جھوٹ کہتا ہے"! قتادہ نے بھی امام ابوحنیفہ کے سوال کا یہی جواب دیا" لیکن حقیقت میں یہ ایک قسم کی وہمی حالت ہے۔ ایمان اعتقاد کا نام ہے جو شخص خدا اور رسول پر اعتقاد رکھتا ہے وہ قطعاً مومن ہے اور اس کو سمجھنا چاہیئے کہ میں مومن ہوں البتہ اگر اس میں شک ہے تو قطعی کافر ہے اور پھر انشاء اللہ کہنا بیکار ہے امام ابوحنیفہ نے اس عام غلطی کو مٹانا چاہا قتادہ سے پوچھا آپ نے یہ قید کیوں لگائی انہوں نے کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا کہ مجھکو امید ہے کہ خدا قیامت کے دن میرے گناہوں کو معاف کر دے۔ امام ابوحنیفہ نے کہا خدا نے حضرت ابراہیم سے جب یہ سوال کیا کہ اَوَلَم تُومِن تو انہوں نے جواب میں "بلیٰ" کہا تھا یعنی ہاں میں مومن ہوں آپ نے حضرت ابراہیم کے اس قول کی تقلید کیوں نہ کی۔ قتادہ ناراض ہو کر اٹھے اور گھر میں چلے گئے۔

یحییٰ بن سعید انصاری کوفہ کے قاضی تھے اور منصور عباسی کے دربار میں جاہ و اعتبار رکھتے تھے تاہم کوفہ میں ان کا وہ اثر قائم نہ ہو سکتا تھا جو امام ابوحنیفہ صاحب کا تھا اس پر ان کو تعجب ہوتا تھا اور لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ "اہل کوفہ والے بھی عجب سادہ دل ہیں تمام شہر ایک شخص کے اشاروں پر حرکت کرتا ہے"! امام ابوحنیفہ نے ابو یوسف و زفر اور چند شاگردوں کو بھیجا کہ قاضی یحییٰ سے مناظرہ کریں۔ امام ابو یوسف نے تقریر شروع کی مسئلہ یہ تھا کہ اگر ایک غلام دو شخصوں میں مشترک ہو اور صرف ایک شخص آزاد کرنا چاہے تو کر سکتا ہے یا نہیں قاضی یحییٰ نے کہا "نہیں کر سکتا کیونکہ حدیث میں آیا ہے لاضرر ولاضرار یعنی وہ کام جس سے کسی شخص کو ضرر پہنچے جائز نہیں۔ صورت زیر بحث میں چونکہ دوسرے شریک کا ضرر ہے اس لئے شریک اول ایسے فعل کا مجاز نہیں ہو سکتا"! امام ابو یوسف نے کہا۔ اگر دوسرا شریک آزاد کرے؟ قاضی یحییٰ بولے تب جائز ہے اور غلام آزاد ہو جائیگا امام ابو یوسف نے کہا "آپ نے خود اپنے قول کی مخالفت کی۔ کیونکہ آپ کے نزدیک ایک شریک کے آزاد کر دینے سے غلام آزاد نہیں ہوتا یعنی اسطرح غلام کا غلام رہتا ہے صورت مذکورہ میں جب ایک شریک نے آزاد کیا تو آپکے نزدیک اسکا یہ فعل بالکل بے اثر ہے یعنی وہ اسطرح غلام باقی رہا جیسا پہلے تھا اب صرف دوسرے

شریک کے آزاد کرنے سے کیونکر آزاد ہو سکتا ہے۔

محمد بن عبدالرحمٰن جو زیادہ تر ابن ابی لیلیٰ کے لقب سے مشہور ہیں بڑے مشہور فقیہ اور صاحب الرائے تھے ۳۳ برس کوفہ میں منصب قضا پر مامور رہے۔ امام ابوحنیفہ اور انمیں کسیقدر شکر رنجی تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ فیصلوں میں وہ غلطی کرتے تھے تو امام صاحب اُنکی اصلاح کر دیتے تھے۔ یہ انکو ناگوار معلوم ہوتا تھا لیکن امام صاحب اظہار حق سے مجبور تھے۔ قاضی صاحب مسجد میں بیٹھکر انفصال مقدمات کیا کرتے تھے۔ ایکدن کام سے فارغ ہو کر مجلس قضا سے اُٹھے تو راہ میں ایک عورت کو دیکھا کہ کسی سے جھگڑ رہی ہے۔ کھڑے ہو گئے۔ اثناء گفتگو میں عورت نے اُس شخص کو یا ابن الزانیین کہہ دیا۔ یعنی "اے زانی اور زانیہ کے بیٹے" قاضی صاحب نے حکم دیا کہ عورت گرفتار کر لی جائے۔ پھر مجلس قضا میں واپس آئے اور حکم دیا کہ عورت کو کھڑی کر کے درّے لگائیں اور دو حدیں ماریں۔ امام ابوحنیفہ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی۔ فرمایا کہ قاضی صاحب نے اس فیصلہ میں چند غلطیاں کیں۔ مجلس قضا سے اُٹھکر واپس آئے اور دوبارہ اجلاس کیا یہ آئین عدالت کے خلاف ہے۔ مسجد میں حد مارنے کا حکم دیا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا ہے۔ عورت کو بٹھا کر حد لگانی چاہیے قاضی صاحب نے اس کے خلاف کیا۔ ایک لفظ سے ایک ہی حد لازم آتی ہے اور دو حدیں لازم بھی آتیں تو ایک ساتھ دونوں کا نفاذ نہیں ہو سکتا۔ ایک حد کے بعد مجرم کو چھوڑ دینا چاہیے کہ زخم بالکل بھر جائیں پھر دوسری حد کی تعمیل ہو سکتی تھی۔ جسکو گالی دی گئی اُسنے جب دعویٰ نہیں کیا تو قاضی صاحب کو مقدمہ قائم کرنیکا کیا اختیار تھا۔ قاضی ابن ابی لیلیٰ نہایت برہم ہوئے اور گورنر کوفہ[۱] سے جا کر شکایت کی کہ ابوحنیفہ نے مجھکو تنگ کر رکھا ہے۔ گورنر نے حکم بھیجدیا کہ ابوحنیفہ فتوانہ دینے پائیں۔ امام صاحب اگرچہ حق کے خلاف کسی حاکم اور امیر کے حکم کی پروا نہیں کرتے تھے تاہم چونکہ فتویٰ دینا فرض کفایہ تھا اور کوفہ میں اور بہت سے علماء موجود تھے اسلئے حاکم وقت کی اطاعت کو مقدم رکھا اور بغیر کسی عذر کے حکم کی تعمیل کی۔ ایکدن گھر میں بیٹھے تھے اُن کی لڑکی نے مسئلہ پوچھا کہ میں آج روزے سے ہوں دانتوں سے خون نکلا اور تھوک کے ساتھ حلق سے اُتر گیا روزہ جاتا رہا یا باقی رہا؟ امام صاحب نے فرمایا کہ جان پدر اپنے بھائی حماد سے پوچھو میں فتویٰ دینے سے منع کر دیا گیا ہوں۔" مورخ ابن خلکان نے اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ "اطاعت حکم اور امانت کی اس سے بڑھکر کیا مثال ہو سکتی ہے[۱]" چند روز کے بعد گورنر کوفہ کو اتفاق سے فقہی مسائل میں مشکلات پیش آئیں اور امام ابوحنیفہ کی طرف رجوع کرنا پڑا جس کی وجہ سے امام صاحب کو پھر فتویٰ دینے کی عام اجازت ہو گئی۔

امام صاحب کے مناظرات میں کہیں کہیں ہم اس ادعا اور جوش مقابلہ کا اثر پاتے ہیں جو بظاہر ان کی تورع اور بے نفسی کے خلاف ہے لیکن یہ انسانی جذبات ہیں جن سے کوئی شخص بری نہیں ہو سکتا۔ ہم نے امام شافعی۔ امام مالک امام بخاری۔ امام مسلم اور بڑے بڑے ائمہ کے مناظرات کتابوں میں دیکھے ہیں۔ ان میں اس سے زیادہ ادعا کا

۱؎ ابن خلکان۔ ترجمہ محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ ۱۲ اس مناظرہ کو خطیب نے تاریخ بغداد میں اور علامہ [illegible] المحاسن نے عقود الجمان میں کسیقدر اختلاف عبارت کیساتھ نقل کیا ہے ۱۲

حوصلہ مندی کا زور پایا جاتا ہے اور سچ یہ ہے کہ اگر اس قسم کی باتیں بزرگوں کے حالات میں مذکور نہ ہوتیں تو سخت شبہ ہوتا کہ تذکرہ نویسوں نے ان بزرگوں کی جیسی تصویریں دکھائی ہیں وہ گو تقدس و تقویٰ کا خاکہ کھینچتا ہے ایک حکیم نہایت رنج کے ساتھ کہے گا کہ وہ امور جو مقتضائے بشریت ہیں ان کے خصائل میں ضرور دکھاؤ جن میں انسانی فطرت کی جھلک نظر آتی ہے ورنہ لوگوں کو ایسے کاموں میں ان کی تقلید کی خواہش پیدا ہوگی۔ بخلاف اس کے اگر بالکل فرشتہ بنا کر پیش کر دئے جائیں گے تو شاید ان کی پرستش کرنے پر آمادہ ہو جائیں لیکن ان کی ریس کرنے کا خیال ہرگز نہ پیدا ہوگا۔ وہ سمجھیں گے کہ یہ تو حد انسانی سے باہر تھا ہم انسان ہوکر کب اس کی تقلید کر سکتے ہیں۔

ایک دن حسن اتفاق سے امام سفیان ثوری۔ قاضی ابن ابی لیلیٰ۔ امام ابو حنیفہ ایک مجلس میں جمع تھے شائقین علم کو اس سے عمدہ کیا موقع مل سکتا تھا۔ ایک شخص نے آکر مسئلہ پوچھا کہ چند آدمی ایک جگہ مجتمع تھے دفعۃً ایک سانپ نکلا اور ایک شخص کے بدن پر چڑھنے لگا اس نے گھبرا کر پھینکا وہ دوسرے شخص پر جا گرا۔ اس نے بھی اضطراب میں ایسا ہی کیا۔ یوں ہی ایک دوسرے پر پھینکتے رہے یہاں تک کہ اخیر شخص کو اس نے کاٹا اور وہ مر گیا دیت کس پر لازم آئے گی۔ یہ فقہ کا ایک عجیب مسئلہ تھا سب کو تامل ہوا۔ کسی نے کہا سب کو دیت دینی ہوگی۔ بعضوں نے کہا صرف پہلا شخص ماخوذ ہوگا۔ سب کے سب مختلف الرائے تھے اور باوجود بحث کے کچھ تصفیہ نہیں ہوتا تھا۔ استفتا

امام ابو حنیفہ چپ تھے اور مسکراتے جاتے تھے۔ آخر سب نے ان کی طرف خطاب کیا کہ آپ بھی تو اپنا خیال ظاہر کیجئے۔ امام صاحب نے فرمایا جب پہلے شخص نے دوسرے پر پھینکا اور وہ محفوظ رہا تو پہلا شخص بری الذمہ ہو چکا اسی طرح دوسرا اور تیسرا بھی۔ بحث اگر ہے تو صرف اخیر شخص کی نسبت ہے اس کی دو حالتیں ہیں اگر اس کے پھینکنے کے ساتھ ہی سانپ نے اس شخص کو کاٹا تو اس پر دیت لازم آئے گی اور اگر کچھ وقفہ ہوا تو یہ شخص بھی بری الذمہ ہو چکا اب اگر سانپ نے اس کو کاٹا تو اسکی خود غفلت ہے کہ اس نے اپنی حفاظت میں جلدی اور تیز دستی کیوں نہ کی۔ اس رائے سے سب نے اتفاق کیا اور امام کی جودت طبع کی تعریف کی۔

رائے و تدبیر عقل و فراست۔ ذہانت و طباعی امام صاحب کے وہ مشہور اوصاف ہیں جن کو موافق و مخالف سب نے تسلیم کیا ہے۔ محمد انصاری کہا کرتے تھے کہ امام ابو حنیفہ کی ایک ایک حرکت یہاں تک کہ بات چیت۔ اٹھنے بیٹھنے۔ چلنے پھرنے میں دانشمندی کا اثر پایا جاتا تھا۔ علی بن عاصم کا قول تھا کہ اگر آدھی دنیا کی عقل ایک پلہ میں اور ابو حنیفہ کی عقل دوسرے پلے میں رکھی جاتی تو ابو حنیفہ کا پلہ بھاری رہتا۔ خارجہ بن مصعب کہا کرتے تھے کہ میں کم و بیش ایک ہزار عالموں سے ملا ہوں جن میں عاقل صرف تین چار شخص دیکھے ایک ان میں

ابوحنیفہ تھے ہمارے تذکروں اور رجال کی کتابوں میں علماء کے وہ اوصاف ہیں جن کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ تیزی ذہن قوت حافظہ بے نیازی تواضع قناعت زہد۔ اتقا غرض اس قسم کے اوصاف ہوتے ہیں لیکن عقل و رائے۔ فراست و تدبیر کا ذکر تک نہیں آتا۔ گویا یہ باتیں دنیاداروں کے ساتھ مخصوص ہیں اسی بات کو علامہ ابن خلدون نے اس پیرایہ میں لکھا ہے کہ "علماء کا گروہ انتظام اور ریاست سے بالکل مناسبت نہیں رکھتا اور یہ بالکل سچ ہے حالانکہ اگر سچ پوچھئے تو علماء میں ان اوصاف کی زیادہ ضرورت ہے اسلام بخلاف اور مذاہب کے دین کے ساتھ دنیاوی انتظامات کا متضمن ہے خلفائے اولین کے حالات پڑھو سیاست اور انتظام ملکی کے لحاظ سے تمام دنیا کے سلاطین اور فرمانرواؤں میں کون شخص ان کا ہمسر کہا جا سکتا ہے۔ بے شبہ اس خصوصیت کے اعتبار سے امام ابوحنیفہ تمام فرقہ علماء میں ممتاز ہیں کہ وہ مذہبی امور کے ساتھ دنیوی ضرورتوں کے بھی اندازہ دان تھے یہی بات ہے کہ ان کا مذہب سلطنت و حکومت کے ساتھ زیادہ مناسبت رکھتا ہے اسلام میں سلطنت و حکومت کے جو بڑے بڑے سلسلے قائم ہوئے۔ مذہباً اکثر حنفی تھے۔

امام ابوحنیفہ اگرچہ شاہی تعلقات سے آزاد رہے لیکن قوم اور ملک کے ساتھ ان کے جو تعلقات تھے وہ خود ایک ملکی حیثیت رکھتے تھے جس کے فرائض کو انہوں نے اس دانائی اور ہوشمندی کے ساتھ انجام دیا جو ایک مدبر سلطنت کے شایاں تھا۔ وہ اپنے ہمعصروں کی طرح اپنے تلامذہ کو یہ نہیں سکھاتے تھے کہ زندگی کی ضروریات میں امیروں اور رئیسوں کی فیاضیوں کا منہ تکتے رہیں۔ وہ خود کسی کے دست نگر نہیں ہوئے اور شاگردوں کو بھی اس کی تعلیم کی ہم نے ان کے شاگردوں کی مفصل فہرست دیکھی ہے ان میں اکثر ایسے لوگ ہیں جو حلقۂ درس سے اٹھ کر ملکی عہدوں پر پہنچے اور نہایت دیانت اور قابلیت سے اپنی خدمتوں کو انجام دیا قاضی ابویوسف صاحب جو ہارون الرشید کے عہد میں صیغہ قضا کے وزیر تھے اور جن کی حسن تدبیر و انتظام نے اس صیغہ کو اس قدر وسیع۔ باقاعدہ مرتب کر دیا کہ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ اور زمانہ مابعد میں بھی اس سے بڑھ کر نہ ہو سکا یہ امام ابوحنیفہ کی ہی صحبت کا فیض تھا۔ یہ ضرور ہے کہ ملکی تعلقات کے ساتھ مذہب و اخلاق کے فرائض کو سنبھالنا نہایت مشکل ہوتا ہے۔ لیکن امام صاحب اس سے بےخبر نہ تھے۔ وہ ہمیشہ شاگردوں کو ایسی ہدایتیں کرتے تھے جن کی پابندی سے دنیا و دین دونوں حاصل ہوں جو اس آیت کی تفسیر ہے آتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الآخرۃ حسنۃ قاضی ابویوسف کو امام صاحب کی تعلیم نے جو لیاقت ان میں پیدا کر دی تھی اس کے جو ہر صاف نظر آتے تھے اسی لحاظ سے امام صاحب نے ان کو کچھ ہدایتیں لکھ کر دیں۔ جو تمام جہات دینی و دنیوی کے لئے دستور العمل تھیں۔ یہ تحریر کتابوں میں منقول ہے افسوس ہے کہ تطویل کے لحاظ سے ہم اس کو بتمامہا نہیں نقل کر سکتے تاہم موقع اور مقام کی رعایت سے اس کا انتخاب دکھانا ضرور ہے۔

...یہ وصیت بتمامہا مذکور ہے اور میں نے اسی سے التقاط کیا ہے ۱۲

اس تحریر میں پہلے سلطان وقت کا ذکر کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ "بادشاہ کے پاس بہت کم آمد و رفت رکھنا۔ اس سے ہر وقت اس طرح پر خطر رہنا جیسا انسان آگ سے احتیاط رکھتا ہے جب تک کوئی خاص ضرورت نہ ہو دربار میں نہ جانا کہ اپنا اعزاز و وقار قائم رہے۔ اگر اتفاق سے دربار میں ایسے لوگ موجود ہوں جن سے تمکو واقفیت نہ ہو تو اور بھی پرہیز کرنا کیونکہ جب اُن کا رتبہ معلوم نہیں تو ممکن ہے کہ مخاطبت اور گفتگو میں اُن سے جو برتاؤ کیا جاوے اُن کی شان کے مناسب نہ ہو وہ اگر تم سے زیادہ بلند رتبہ ہیں اور تم نے اس کا لحاظ نہیں کیا تو بے تمیزی سمجھی جائیگی۔ اگر معمولی آدمی ہیں اور تم نے زیادہ تعظیم و تکریم کی تو بادشاہ کی آنکھ میں تمہاری ذلت ہوگی۔ بادشاہ اگر تم کو عہدۂ قضا پر مقرر کرنا چاہے تو پہلے دریافت کر لینا کہ وہ تمہارے طریقہ اجتہاد سے موافق ہے یا نہیں ایسا نہ ہو کہ سلطنت کے دباؤ سے تم کو اپنی رائے کے خلاف عمل کرنا پڑے۔ جس عہدے اور خدمت کی تم میں قابلیت نہ ہو اسکو ہرگز نہ قبول کرنا" ان ہدایتوں میں اگرچہ بادشاہ کی حرمت و توقیر کی بہت تائید کی ہے لیکن اظہار حق کے موقع پر پوری آزادی سے کام لیا ہے چنانچہ اخیر میں لکھتے ہیں کہ "اگر کوئی شخص شریعت میں کسی بدعت کا موجد ہو تو علانیہ اُس کی غلطی کا اظہار کرنا کہ اور لوگوں کو اس کی تقلید کی جرأت نہ ہو۔ اس بات کی کچھ پروا نہ کرنا کہ وہ شخص جاہ و حکومت رکھتا ہے کیونکہ اظہار حق میں خدا تمہارا مددگار ہوگا۔ اور وہ اپنے دین کا آپ محافظ و حامی ہے خود بادشاہ سے اگر کوئی نامناسب حرکت صادر ہو تو صاف کہہ دینا کہ گو میں عہدہ و خدمت کے لحاظ سے آپ کا مطیع ہوں تاہم آپ کو آپ کی غلطی پر مطلع کر دینا میرا فرض ہے۔ پھر بھی نہ مانے تو تنہائی میں سمجھانا کہ آپ کا یہ فعل قرآن مجید اور احادیث نبوی کے خلاف ہے اگر سمجھ گیا تو خیر ورنہ خدا سے دعا کرنا کہ اُس کے شر سے تمکو محفوظ رکھے"

زندگی کے معمولی کاروبار کے متعلق بھی نہایت عمدہ ہدایتیں کی ہیں چنانچہ تحریر فرماتے ہیں کہ "تحصیل علم کو سب پر مقدم رکھنا اس سے فراغت ہو چکے تو جائز ذریعوں سے دولت حاصل کرنا کیونکہ ایک وقت میں علم و دولت دونوں کی تحصیل نہیں ہو سکتی۔ پھر نکاح کرنا لیکن اُس وقت جب یہ یقین ہو کہ اہل و عیال کی تمام ذمہ داریاں اُٹھا سکو گے۔ ایسی عورت سے شادی نہ کرنا جو دوسرے شوہر سے اولاد رکھتی ہو عام آدمیوں اور خصوصاً دولت مندوں سے کم میل جول رکھنا ورنہ اُن کو گمان ہوگا کہ تم اُن سے کچھ توقع رکھتے ہو۔ اور اس خیال سے وہ رشوت دینے پر آمادہ ہونگے۔ بازار میں جانا، دوکانوں پر بیٹھنا، راستہ یا مسجد میں کوئی چیز کھا لینی سقایات یا سقاؤں کے ہاتھ سے پانی پی لینا ان باتوں سے نہایت احتراز رہے کوئی شخص مسئلہ پوچھے تو صرف سوال کا جواب دو اپنی طرف سے کچھ نہ بڑھاؤ عقائد کے متعلق عوام سے گفتگو نہیں کرنی چاہیئے شاگردوں کے ساتھ ایسے خلوص اور محبت سے پیش آؤ کہ کوئی غیر دیکھے تو سمجھے کہ تمہاری اولاد ہیں۔ عام اور معمولی رتبہ کے لوگ

مناظرہ کرنا چاہیں تو احتراز کرو۔ کسی شہر میں جانا ہو تو وہاں کے علماء و فضلا سے اس طرح ملو کہ ان کو رقابت کا خیال نہ ہو۔ علمی تذکرہ آئے تو جو بات کہو خوب سوچ سمجھکر کہو اور وہی کہو جس کا کافی ثبوت دے سکتے ہو مناظرہ کے وقت نہایت جرأت و استقلال سے کام لو۔ ورنہ دل میں ذرا بھی خوف ہوگا تو خیالات مجتمع نہ ہو سکیں گے اور زبان میں لغزش ہوگی جو لوگ آداب مناظرہ سے واقف نہیں یا مکابرہ کرنا چاہتے ہیں ان سے ہرگز گفتگو نہیں کرنی چاہیئے۔ مناظرہ کے وقت غصہ نہ کرنا چاہیئے ہنسنا کم چاہیئے۔ زیادہ ہنسی سے دل افسردہ ہوتا ہے۔ جو کام کرو اطمینان اور وقار کے ساتھ کرو۔ کوئی شخص جب تک سامنے سے نہ پکارے کبھی جواب نہ دو۔ کیونکہ پیچھے سے پکارنا جانوروں کیلئے مخصوص ہے۔ رستہ چلو تو دائیں بائیں نہ دیکھو۔ حمام میں جاؤ تو عام آدمیوں کی نسبت زیادہ اجرت دو۔ صبح اور دوپہر کے وقت حمام میں نہ جاؤ۔ گفتگو میں چیخ نہ ہو اور آواز بلند نہ ہونے پائے۔ کوئی چیز خریدنی ہو تو خود بازار نہ جاؤ بلکہ نوکر کو بھیجکر منگوالو۔ خانگی کاروبار دیانت دار نوکروں کے ہاتھ میں چھوڑ دینا چاہیئے کہ تم کو اپنے مشاغل کے لئے کافی وقت اور فرصت ہاتھ آئے۔ بادشاہ کے قریب سکونت نہ اختیار کرو۔ ہر بات سے بے پروائی اور بے نیازی ظاہر ہو اور فقر کی حالت میں بھی وہی استغنا قائم رہے۔ عام آدمیوں میں بیٹھکر وعظ نہ کہو۔ کیونکہ ایسے موقع پر واعظ اکثر جھوٹ بولنے پر مجبور ہوتا ہے۔ شاگردوں میں کسی کو فقہ کے درس کی اجازت دو تو خود بھی اسکی درسگاہ میں شریک ہو کر اس کے متعلق رائے قائم کر سکو وہ اگر کبھی غلطی کر جائے تو بتادو ورنہ تمہارے چپ رہنے سے لوگوں کو گمان ہوگا کہ اس نے جو کہا صحیح کہا۔ فقہ کے سوا اور عام کی مجلس ہو تو خود نہ جاؤ بلکہ اپنے معتمد دوستوں یا شاگردوں کو بھیجدو کہ وہ آکر تم سے پورے حالات بیان کریں ،، ہر بات میں تقویٰ اور امانت کو پیش نظر رکھو۔ خدا کے ساتھ دل سے وہی معاملہ رکھو جو لوگوں کے سامنے ظاہر کرتے ہو جس وقت اذان کی آواز آئے فوراً نماز کے لئے تیار ہو جاؤ۔ ہر مہینے دو چار دن روزہ کیلئے مقرر کر لو۔ نماز کے بعد ہر روز کسی قدر وظیفہ پڑھا کرو۔ قرآن کی تلاوت قضا نہ ہونے پائے۔ دنیا پر بہت نہ مائل ہو اکثر قبرستان میں نکل جایا کرو۔ لہو و لعب سے پرہیز رکھو۔ ہمسائے کی کوئی برائی دیکھو تو پردہ پوشی کرو۔ اہل بدعت سے بچتے رہو۔ نماز میں جب تک تم کو لوگ خود امام نہ بنائیں امام نہ بنو۔ جو لوگ تم سے ملنے آئیں انکے سامنے علمی تذکرہ کرو۔ اگر وہ اہل علم ہونگے تو فائدہ اٹھائیں گے۔ ورنہ کم از کم ان کو تم سے محبت پیدا ہوگی ،،

عبد العزیز بن رواد کو خلیفہ نے دربار میں بلایا۔ وہ امام صاحب کے شاگرد تھے۔ مشورہ کے لئے ان کے پاس آئے اور کہا کہ خلیفہ نے طلب کیا ہے میں چاہتا ہوں کہ اس کے سامنے وعظ کہوں۔ مگر کیا کہوں اور کس طریقہ سے کہوں۔ بس میں آپ کی ہدایت چاہتا ہوں۔

امام صاحب نے فرمایا یہ کہنا کہ "اے امیر المومنین دنیا کے طلب کرنے کی تین غرضیں ہو سکتی ہیں عزت، ملک، مال یہ سب آپکو حاصل ہیں۔ اب تقویٰ اور عمل صالح بھی اختیار کیجئے کہ دنیا و آخرت دونوں لذتیں حاصل ہوں۔"

اس موقع پر امام صاحب کے حکیمانہ مقولے بھی سننے اور یاد رکھنے کے قابل ہیں فرمایا کرتے تھے کہ "جس شخص کو علم نے بھی معاصی اور فواحش سے نہ باز رکھا اس سے زیادہ زیاں کار کون ہوگا" "جو شخص علم دین میں گفتگو کرے اور اس کو یہ خیال نہ ہو کہ ان باتوں کی باز پرس ہوگی وہ مذہب اور خود اپنے نفس کی قدر نہیں جانتا" "اگر علماء خدا کے دوست نہیں ہیں تو عالم میں خدا کا کوئی دوست نہیں" "جو شخص قبل از وقت ریاست کی تمنا کرتا ہے ذلیل ہوتا ہے" "جو شخص علم کو دنیا کے لئے سیکھتا ہے علم اس کے دل میں جگہ نہیں پکڑتا" "سب سے بڑا گناہ کفر ہے۔ پس جو شخص افضل ترین عبادت کا پابند اور بدترین معاصی سے محترز رہے اس کی مغفرت کی بہرحال امید کی جا سکتی ہے" "جو شخص حدیث سیکھتا ہے اور اس سے استنباط مسائل نہیں کرتا وہ ایک عطار ہے جس کے پاس دوائیں ہیں لیکن یہ نہیں جانتا کہ کون کس مرض کے لئے ہے" "جو شخص علم کا مذاق نہیں رکھتا اس کے آگے علمی گفتگو کرنی اس کو اذیت دینی ہے" "اپنے دوست (نفس) کے لئے گناہ جمع کرنے اور دشمن (ورثا) کے لئے مال فراہم کرنا کیسی غلطی ہے"

ایک شخص نے پوچھا فقہ کے حاصل ہونے میں کیا چیز معین ہو سکتی ہے۔ امام صاحب نے فرمایا "دلجمعی" اس نے عرض کی کہ دلجمعی کیونکر حاصل ہو، ارشاد ہوا کہ تعلقات کم کئے جائیں۔ پوچھا کہ تعلقات کیونکر کم ہوں، جواب دیا کہ "انسان ضروری چیزیں لیلے اور غیر ضروری چھوڑ دے"

ایک بار کسی نے سوال کیا کہ حضرت علی اور امیر معاویہ کی لڑائیوں کی نسبت آپ کیا کہتے ہیں فرمایا کہ "قیامت میں جن باتوں کی پرسش ہوگی مجھکو ان کا ڈر لگا رہتا ہے ان واقعات کو خدا مجھ سے نہ پوچھے گا۔ اس لئے اس پر توجہ کرنے کی چنداں ضرورت نہیں" اس سے یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ وہ اس بحث کے متعلق اپنی ذاتی رائے نہیں رکھتے تھے، خود ان کا قول ہے کہ حضرت علی کی نظیر اگر ہمارے سامنے موجود نہ ہوتی تو ہم نہ بتا سکتے کہ باغیوں کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیئے۔ امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔ البتہ ان باتوں کو اسلام کا ایک ضروری مسئلہ قرار دینا اور اس پر بحثوں کا دفتر تیار کرنا ایک فضول کام ہے۔ اور اسی کی طرف امام صاحب نے اشارہ کیا ہے۔

ایک دفعہ ایک شخص تحصیل علم کی غرض سے امام صاحب کے پاس حاضر ہوا اور سفارشی خط پیش کیا۔ امام صاحب نے فرمایا "علم میں سعی سفارش کا کام نہیں۔ علماء کا خود فرض ہے کہ ان کو جو کچھ آتا ہو تو دوسروں کو بھی بتائیں۔ علم کے دربار میں خاص وعام کی کوئی تفریق نہیں۔"

ایک دن گورنر کوفہ نے کہا آپ ہم سے الگ کیوں رہتے ہیں۔ فرمایا روٹی کا ایک ٹکڑا اور معمولی کپڑا امن و عافیت سے ملا جائے تو اُس عیش سے بہتر ہے جس کے بعد ندامت اُٹھانی پڑے۔ اسی مضمون کو ایک شاعر نے نہایت خوبی اور سادگی سے ادا کیا ہے۔ وہ کہتا ہے ؎

دو قرص نان اگر گندم است یا از جو		سہ تائے جامہ اگر کہنہ است یا خود نو	
بچار گوشۂ دیوار خود بخاطر جمع		کہ کس نگوید ازیں جا بخیز و آنجا رو	
ہزار بار فزوں تر نزد ابن یمین		ز فر مملکت کیقباد و کے خسرو	

امام صاحب کبھی شعر بھی کہتے تھے۔ لیکن تشبیب و غزل کی حیثیت سے نہیں بلکہ وعظ و پند کے طور پر چنانچہ فرماتے ہیں۔

و من المروۃ للفتے		ما عاش دار فاخرۃ	
فاشکر اذا اوتیتھا		واعمل لدار الآخرۃ	

یعنی انسان جب تک زندہ ہے عزت و آبرو کے لئے اس کو اچھا مکان چاہیئے! ایسا مکان نصیب ہو تو شکر کرنا چاہیئے اور عاقبت کے مکان کے لئے کوشش کرنی چاہیئے۔

امام صاحب کی ذہانت اور طباعی عموماً ضرب المثل ہے، یہاں تک کہ ان کا اجمالی ذکر بھی کہیں آجاتا ہے تو ساتھ ہی یہ صفت بھی ضرور بیان کی جاتی ہے۔ علامہ ذہبی نے عبر فی اخبار من غبر میں ان کا ترجمہ نہایت اختصار کے ساتھ لکھا ہے۔ تاہم اس فقرے کو نہ چھوڑ سکے۔ کہ کان من اذکیاء بنی آدم یعنی "اولاد آدم میں جو نہایت ذکی گذرے ہیں۔ امام ابو حنیفہ ان میں شمار کئے جاتے ہیں،، مشکل سے مشکل مسئلوں میں ان کا ذہن اس تیزی سے لڑتا تھا کہ لوگ حیران رہجاتے تھے، اکثر موقعوں پر ان کے ہمعصر جو معلومات کے لحاظ سے ان کے ہمسر تھے، موجود ہوتے تھے اُن کو اصل مسئلہ بھی معلوم ہوتا تھا۔ لیکن جو واقعہ در پیش ہوتا تھا اُس سے مطابق کر کے فوراً جواب دینا امام صاحب ہی کا کام تھا۔

ایک شخص کسی بات پر اپنی بیوی سے ناراض ہوا اور قسم کھا کر کہا کہ جب تک تو مجھ سے نہ بولیگی میں تجھ سے کبھی نہ بولونگا۔ عورت تند مزاج تھی، اُس نے بھی قسم کھائی اور وہی الفاظ دوہرائے جو شوہر نے کہے تھے۔ اُس وقت تو غصہ میں کچھ نہ سوجھا مگر پھر خیال آیا تو دونوں کو نہایت افسوس ہوا۔ شوہر امام سفیان ثوری کے پاس گیا اور صورت واقعہ بیان کی۔ سفیان نے کہا قسم کا کفارہ دینا ہوگا۔ اس سے چارہ نہیں۔ وہ مایوس ہو کر اُٹھا اور امام ابو حنیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا

کہ للّٰہ آپ کوئی تدبیر بتائیے۔ امام صاحب نے فرمایا جاؤ شوق سے باتیں کرو کسی پر کفارہ نہیں ہے امام سفیان ثوری کو معلوم ہوا تو نہایت برہم ہوئے، اور امام ابو حنیفہ سے جا کر کہا کہ آپ لوگوں کو غلط مسئلے بتا دیتے ہیں۔ امام صاحب نے اُس شخص کو بلا بھیجا اور کہا کہ تم دوبارہ صورت واقعہ بیان کر جاؤ اُس نے اعادہ کیا۔ امام صاحب سفیان کی طرف مخاطب ہوئے۔ اور کہا میں نے جو پہلے کہا تھا اب بھی کہتا ہوں۔ سفیان نے کہا کیوں؟ فرمایا جب عورت نے شوہر کو مخاطب کر کے وہ الفاظ کہے تو عورت کی طرف سے بولنے کی ابتدا ہو چکی پھر قسم کہاں باقی رہی؟ سفیان نے کہا حقیقت میں جو بات آپ کو وقت پر سوجھ جاتی ہے۔ ہم لوگوں کا وہاں تک خیال بھی نہیں پہنچتا۔

کوفہ میں ایک شخص نے بڑی دھوم دھام سے ایک ساتھ دو بیٹوں کی شادی کی۔ ولیمہ کی دعوت میں شہر کے تمام اعیان و اکابر کو مدعو کیا۔ مسعر بن کدام۔ حسن بن صالح۔ سفیان ثوری۔ امام ابو حنیفہ شریک دعوت تھے۔ لوگ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ کہ دفعتًہ صاحب خانہ بدحواس گھر سے نکلا۔ اور کہا غضب ہو گیا۔ لوگوں نے کہا خیر ہے؟ بولا کہ زفاف کی رات عورتوں کی غلطی سے شوہر اور بیبیاں بدل گئیں۔ جو لڑکی جس کے پاس رہی وہ اُس کا شوہر نہ تھا۔ اب کیا کیا جائے۔ سفیان نے کہا امیر معاویہ کے زمانہ میں بھی ایسا ہی اتفاق ہوا تھا۔ اس سے نکاح میں کچھ فرق نہیں آتا۔ البتہ دونوں کو مہر دینا لازم ہوگا۔ مسعر بن کدام امام ابو حنیفہ کی طرف مخاطب ہوئے کہ آپ کی کیا رائے ہے امام صاحب نے کہا شوہر خود میرے سامنے آئیں تو جواب دوں۔ لوگ جا کر بلا لائے۔ امام صاحب نے دونوں سے الگ الگ پوچھا کہ رات کو جو عورت تمہارے ساتھ رہی وہی تمہارے نکاح میں رہے تو تم کو پسند ہے۔ دونوں نے کہا ہاں،، امام صاحب نے کہا کہ تو اپنی بیبیوں کو جن سے تمہارا نکاح بندھا تھا طلاق دیدو اور ہر شخص اُس عورت سے نکاح پڑھا لے جو اُس کے ساتھ ہمبستر رہ چکی،، سفیان نے جو جواب دیا اگرچہ فقہ کی رو سے وہ بھی صحیح تھا۔ کیونکہ یہ صورت وطی بالشبہ کی ہے جس سے نکاح نہیں ٹوٹتا لیکن امام صاحب نے مصلحت کو پیش نظر رکھا۔ وہ جانتے تھے کہ موجودہ صورت میں نکاح کا قائم رہنا غیرت و حمیت کے خلاف ہوگا۔ کسی مجبوری سے زوجین نے تسلیم بھی کر لیا تو دونوں میں وہ خلوص و اتحاد پیدا نہ ہوگا۔ جو تزویج کا مقصود اصلی ہے۔ اس کے ساتھ مہر کی بھی تخفیف ہے کیونکہ خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق دیجائے تو صرف آدھا مہر لازم آتا ہے۔

لیث بن سعد جو مصر کے مشہور امام تھے ان کا بیان ہے کہ میں ابو حنیفہ کا ذکر اکثر سُنا کرتا تھا اور

لہ اس واقعہ کو امام رازی نے تفسیر کبیر میں نقل کیا ہے ۱۲-

انکے دیکھنے کا نہایت مشتاق تھا حج کی تقریب سے مکہ معظمہ جانا ہوا۔ اتفاق سے ایک مجلس میں پہنچا دیکھا تو بڑا ہجوم ہے ایک شخص صدر کی جانب بیٹھا ہے اور لوگ اس سے مسئلے پوچھ رہے ہیں۔ ایک شخص نے بڑھکر کہا "یا ابا حنیفہ" (یہ پہلا موقع تھا کہ میں نے انکو پہچانا) امام ابو حنیفہ اس کی طرف متوجہ ہوئے اس نے کہا "میرا ایک بدمزاج بیٹا ہے اس کی شادی کر دیتا ہوں تو بیوی کو طلاق دیدیتا ہے لونڈی خریدتا ہوں تو آزاد کر دیتا ہے فرمائیے کیا تدبیر کروں"۔ امام ابو حنیفہ نے برجستہ کہا کہ "تم اس کو ساتھ لیکر بازار میں جہاں لونڈیاں بکتی ہیں جاؤ اور جو لونڈی پسند آئے خرید کر اس کا نکاح پڑھا دو اب اگر وہ آزاد کر دیگا تو نہیں کر سکتا کیونکہ لونڈی اس کی ملک نہیں طلاق دیگا تو تمہارا کچھ نقصان نہیں تمہاری لونڈی کہیں نہیں گئی"۔ سعد کہتے ہیں کہ مجکو جواب پر تو کم لیکن حاضر جوابی پر بہت تعجب ہوا۔ ربیع جو خلیفہ منصور کا عرض بیگی تھا۔ امام ابو حنیفہ سے عداوت رکھتا تھا۔ ایک دن امام صاحب حسب الطلب دربار میں گئے۔ ربیع بھی حاضر تھا منصور سے کہا کہ حضور! یہ شخص امیر المومنین کے جد بزرگوار (عبد اللہ بن عباس) کی مخالفت کرتا ہے۔ اُن کا قول ہے کہ اگر کوئی شخص کسی بات پر قسم کھائے اور دو ایک روز کے بعد انشاء اللہ کہہ لے تو وہ قسم میں داخل سمجھا جاویگا اور قسم کا پورا کرنا کچھ ضرور نہ ہوگا ابو حنیفہ اس کے خلاف فتوی دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انشاء اللہ کا لفظ قسم کے ساتھ ہو تو البتہ جزو قسم سمجھا جائیگا ورنہ لغو اور بے اثر ہے" امام صاحب نے کہا امیر المومنین! ربیع کا خیال ہے کہ لوگوں پر آپکی بیعت کا کچھ اثر نہیں منصور نے کہا یہ کیونکر؟ امام صاحب نے کہا۔ ان کا گمان ہے کہ جو لوگ دربار میں آپ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کیا کرتے ہیں اور قسم کھاتے ہیں گھر پر جاکر انشاء اللہ کہہ لیا کرتے ہیں جس سے قسم بے اثر ہو جاتی ہے اور ان پر شرعاً کچھ مواخذہ نہیں رہتا منصور ہنس پڑا۔ اور ربیع سے کہا کہ تم ابو حنیفہ کو نہ چھیڑو۔ ان پر تمہارا داؤ نہیں چل سکتا" امام صاحب دربار سے نکلے تو ربیع نے کہا۔ آج تو آپ میری جان ہی لے چکے تھے۔ فرمایا "یہ تو تمہارا ارادہ تھا میں نے صرف مدافعت کی"

ایک دفعہ بہت سے خارجی امام صاحب کے گھر پر چڑھ آئے اور کہا کہ کفر سے توبہ کرو۔ امام صاحب نے کہا "ہاں میں تمہارے کفر سے توبہ کرتا ہوں" خارجیوں کا اعتقاد ہے کہ گناہ کرنے سے انسان کافر ہو جاتا ہے یعنی گناہ اور کفر ایک چیز ہے۔ امام صاحب کا مطلب یہ تھا کہ جس چیز کو تم کفر سمجھتے ہو میں اس سے توبہ کرتا ہوں کسی نے ان خارجیوں سے جا لگایا کہ ابو حنیفہ نے تم لوگوں کو دھوکا دیا انکا مطلب یہ تھا۔ خارجیوں نے امام صاحب سے کہا تم نے تاویل کیوں کی۔ امام صاحب نے کہا تم کو یقین ہے یا محض گمان کی بناء پر میری نسبت ایسا خیال کرتے ہو بولے کہ نہیں "گمان ہی گمان ہے" امام نے کہا تو تم کو خود توبہ کرنی چاہیئے کیونکہ خدا فرماتا ہے ان بعض الظن اثم

ایک دن مسجد میں تشریف رکھتے تھے شاگردوں کا مجمع تھا۔ دفعتہً خارجیوں کا ایک گروہ مسجد میں گھس آیا لوگ بھاگ چلے امام صاحب نے روکا اور تسلی دی کہ ڈرو نہیں اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔ ایک خارجی جو سب کا سردار تھا امام صاحب کے پاس آیا اور کہا تم کون لوگ ہو امام صاحب نے فرمایا مستجیر ہیں اور خدا نے فرمایا ہے کہ وان احد من المشرکین استجارك فاجرہ حتی یسمع کلام اللّٰہ ثم ابلغہ مامنہ یعنی مشرکین میں سے کوئی شخص اگر پناہ چاہے تو اُسے پناہ دو تاکہ وہ خدا کا کلام سنے پھر اُسکو اُسکے امن تک پہنچا دو۔ خارجی اپنے سوا مسلمانوں کے تمام فرقوں کو مشرک اور کافر سمجھتے ہیں اور واجب القتل جانتے ہیں۔ اس موقع پر وہ اسی نیت سے آئے تھے کہ امام ابوحنیفہ اپنا عقیدہ بیان کریں تو کفر کا الزام لگا کر انکو قتل کردیں۔ لیکن امام صاحب کے الزامی جواب نے انکو بالکل مجبور کردیا چنانچہ اُنکے سردار نے ساتھیوں سے کہا کہ ”انکو قرآن پڑھکر سناؤ اور انکے گھر انکو پہنچا آؤ“ ابوالعباس جو منصور کے دربار میں ایک معزز درجہ رکھتا تھا امام صاحب کا دشمن تھا اور ہمیشہ انکو ضرر پہنچانے کی فکر میں رہتا تھا ایکدن امام صاحب کسی ضرورت سے دربار میں گئے۔ اتفاق سے ابوالعباس بھی حاضر تھا لوگوں سے کہا آج ابوحنیفہ میرے ہاتھ سے بچکر نہیں جا سکتے۔ امام صاحب کی طرف مخاطب ہوا اور کہا کہ ابوحنیفہ امیرالمومنین کبھی کبھی ہم لوگوں کو بلا کر حکم دیتے ہیں کہ اس شخص کی گردن مارو ہمکو مطلق معلوم نہیں ہوتا کہ وہ شخص واقعی مجرم ہے یا نہیں ایسی حالت میں ہمکو اس حکم کی تعمیل کرنی چاہیئے یا انکار کرنا چاہیئے۔ امام صاحب نے کہا ”تمہارے نزدیک خلیفہ کے احکام حق ہوتے ہیں یا باطل“، منصور کے سامنے کس کی تاب تھی کہ احکام خلافت کی نسبت ناجائز ہونے کا احتمال ظاہر کرسکتا۔ ابوالعباس کو مجبوراً کہنا پڑا کہ حق ہوتے ہیں۔ امام صاحب نے فرمایا پھر حق کی تعمیل میں پوچھنا کیا۔

ایک شخص نے قسم کھائی کہ آج اگر میں غسل جنابت کروں تو میری بیوی کو تین طلاق ہے تھوڑی دیر بعد کہا کہ آج کی کوئی نماز قضا ہو تو میری زوجہ مطلقہ ہے پھر کہا کہ اگر آج میں اپنی بیوی کے ساتھ صحبت نہ کروں تو اُسکو طلاق ہے“ لوگوں نے امام صاحب سے آکر مسئلہ پوچھا امام صاحب نے فرمایا کہ نماز عصر کو پڑھکر بیوی سے ہم صحبت ہو اور غروب کے بعد غسل کرکے فوراً مغرب کی نماز پڑھ لے اس صورت میں سب شرطیں پوری ہوگئیں۔ بیوی سے ہم صحبت بھی ہوا۔ نماز بھی قضا نہیں کی غسل جنابت کیا تو اس وقت کیا کہ دن گذر چکا تھا۔

ایک دفعہ ایک شخص امام صاحب کے پاس آیا اور کہا کہ ”میں نے کچھ روپے ایک جگہ احتیاط سے رکھ دیئے تھے اب یاد نہیں آتا کہ کہاں رکھے تھے۔ مجکو سخت ضرورت درپیش ہے کوئی تدبیر بتایئے۔ امام نے فرمایا بھائی! یہ مسئلہ تو فقہ میں مذکور نہیں مجھسے کیا پوچھنے آئے ہو“ اُس نے زیادہ لجاجت کی تو کہا کہ ”آج ساری رات نماز پڑھو“ اُسنے جاکر نماز پڑھنی شروع کی۔ اتفاق یہ کہ تھوڑی ہی دیر بعد اُسکو یاد آگیا کہ روپے فلاں جگہ

رکھے تھے دوڑا ہوا امام صاحب کے پاس آیا اور عرض کی کہ آپکی تدبیر سے بات آئی۔ فرمایا کہ ہاں شیطان کب گوارا کرتا کہ تم رات بھر نماز پڑھتے رہو اس لئے اُس نے جلد یاد دلا دیا۔ تاہم تم کو مناسب تھا کہ اُسکے شکریہ میں شب بیداری کرتے اور نمازیں پڑھتے۔

ایک اور دن ایک شخص نے آکر کہا کہ "میں نے کچھ اسباب گھر کے کسی کونے میں گاڑ دیا تھا اب یاد نہیں آتا کہ کہاں گاڑا تھا۔ کیا کروں" امام صاحب نے کہا "تمکو یاد نہیں تو مجھکو بھی یاد نہونا چاہیئے" وہ رونے لگا امام صاحب کو رحم آیا چند شاگرد ساتھ لئے اور اُسکے گھر پر گئے شاگردوں سے کہا کہ یہ اگر تمہارا گھر ہوتا اور تم خفاظت کیلئے کوئی چیز چھپا کر رکھتے تو کہاں رکھتے" سب نے اپنے اپنے قیاس سے مختلف مو قعے بتلائے امام صاحب نے فرمایا کہ انھیں تین چار جگہوں میں سے کہیں نہ کہیں گاڑا ہوگا۔ اُنکے کھدوانے کا حکم دیا خدا کی شان تیسری جگہ کھودی تو اسباب بجنسہ مدفون ملا۔ امام صاحب اگرچہ نہایت ثقہ متین با وقار تھے تاہم ذہانت کی شوخیاں کبھی کبھی ظرافت کا رنگ دکھاتی تھیں۔ ایک دن اصلاح بنوا رہے تھے حجام سے کہا کہ "سفید بالوں کو چن لینا" اُس نے عرض کی کہ جو بال چنے جاتے ہیں اور زیادہ نکلتے ہیں۔ امام صاحب نے کہا "یہ قاعدہ ہے تو سیاہ بالونکو چن لو کہ اور زیادہ نکلیں!" قاضی شریک نے یہ حکایت سنی تو کہا کہ "ابو حنیفہ نے حجام کے ساتھ بھی قیاس کو نہ چھوڑا"

امام صاحب کے محلہ میں ایک سپنہلا رہتا تھا جو نہایت متعصب شیعہ تھا اُسکے پاس دو خچر تھے تعصب سے ایک کا ابوبکر اور دوسرے کا عمر نام رکھا تھا۔ اتفاق سے ایک خچر نے لات ماری کہ اُسکا سر پھٹ گیا اور اُسی صدمہ سے مر گیا۔ محلہ میں اسکا چرچا ہوا۔ امام صاحب نے سنا تو کہا دیکھنا اُسی خچر نے مارا ہوگا جس کا نام اُس نے عمر رکھا تھا لوگوں نے دریافت کیا تو واقعی ایسا ہی ہوا تھا۔

کوفہ میں ایک غالی شیعی تھا جو حضرت عثمان کی نسبت کہا کرتا تھا کہ "یہودی تھے" امام صاحب ایکدن اُسکے پاس گئے اور کہا کہ تم اپنی بیٹی کی نسبت ڈھونڈھتے تھے ایک شخص موجود ہے جو شریف بھی ہے دولتمند بھی ہے۔ اُسکے ساتھ پرہیزگار قائم اللیل حافظ قرآن ہے" شیعی نے کہا تو اس سے بڑھکر کون ملیگا آپ ضرور شادی ٹھہرا دیجئے۔ امام صاحب نے کہا "صرف اتنی بات ہے کہ مذہباً یہودی ہے" وہ نہایت برہم ہوا اور کہا کہ سبحان اللہ آپ یہودی سے رشتہ داری کرنیکی رائے دیتے ہیں! امام صاحب نے فرمایا "دو کیا ہوا پیغمبر خدا نے جب یہودی کو (تمہارے اعتقاد کے موافق) داماد بنایا تو تمکو کیا عذر ہے" خدا کی قدرت اتنی سی بات سے اُسکو تنبیہ ہو گئی اور اپنے عقیدے سے توبہ کی۔

تمت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حصّہ دوم

امام صاحب کی تصنیفات

امام صاحب کی طرف جو کتابیں منسوب ہیں اُنکے یہ نام ہیں - فقہ اکبر - العالم والمتعلم - مسند فقہ اکبر عقائد کا ایک مختصر سا رسالہ ہے - مسائل اور ترتیب قریب قریب وہی ہے جو عقائد نسفی وغیرہ کی ہے یہ رسالہ چھپ گیا ہے اور ہر جگہ مل سکتا ہے - لوگوں نے اُسپر شرحیں بھی لکھی ہیں مثلاً محی الدین محمد بہاؤ الدین المتوفی ۹۵۳ھ مولی الیاس بن ابراہیم السینوبی - مولیٰ احمد بن محمد بن المغنیساوی - حکیم اسحٰق شیخ اکمل الدین ملا علی القاری - ملا علی قاری کی شرح متداول ہے بعض اور شرحوں کے نسخے بھی جا بجا قلمی پائے جاتے ہیں حکیم اسحٰق کی شرح کو ابوالبقاء احمدی نے ۹۱۸ھ میں نظم کیا اور اصل کتاب کو ابراہیم بن حسام نے جو شریفی کے نام سے مشہور ہیں -
العالم والمتعلم - سوال وجواب کے طور پر ایک مختصر سا رسالہ ہے لیکن ہماری نظر سے نہیں گذرا -

مسند کے متعدد نسخے ہیں جنکو ابو المؤید محمد بن محمود الخوارزمی المتوفی ۶۶۵ھ نے یکجا جمع کر دیا ہے - دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ بلاد شام میں بعض جاہلوں کو میں نے یہ کہتے سُنا کہ امام ابوحنیفہ کو فن حدیث میں کچھ دخل نہ تھا اسی وجہ سے حدیث میں اُن کی کوئی کتاب نہیں ہے - اسپر مجھکو حمیت مذہبی کا جوش ہوا اور میں نے چاہا کہ اُن تمام مسندوں کو یکجا کر دوں جو علما نے امام ابوحنیفہ کی حدیثوں سے مرتب کئے ہیں اور جنکی تفصیل حسب ذیل ہے (۱) مسند حافظ ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن یعقوب الحارثی البخاری المعروف بعبد اللہ الاستاد (۲) مسند امام ابو القاسم طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہد (۳) مسند حافظ ابو الحسن محمد بن المظفر بن موسیٰ بن عیسےٰ (۴) مسند حافظ ابو نعیم الاصفہانی (۵) مسند شیخ ابو بکر محمد بن عبد الباقی محمد الانصاری (۶) مسند امام ابو احمد عبد اللہ بن عدی الجرجانی (۷) مسند امام حافظ عمر بن حسن الاشنانی (۸) مسند ابو بکر احمد بن محمد خالد الکلاعی (۹) مسند امام ابو یوسف قاضی (۱۰) مسند امام محمد (۱۱) مسند حماد بن امام ابو حنیفہ (۱۲) آثار امام محمد (۱۳) مسند امام ابو القاسم عبد اللہ بن العوام العدی - ابو المؤید الخوارزمی نے جن مسندوں کے نام لئے ہیں اُنکے سوا اور بھی

مسانید ہیں مثلاً مسند حافظ ابو عبد اللہ حسین بن محمد بن خسرو البلخی المتوفی ۵۲۳ھ مسند حصفکی جسکی شرح ملا علی قاری نے لکھی ۔ مسند ماوردی ۔ مسند ابن البزاری المتوفی ۷۲۱ھ ان مسندوں کی شرحیں بھی لکھی گئیں۔

جو لوگ امام صاحب کے سلسلہ کمالات میں تصنیف و تالیف کا وجود بھی ضروری سمجھتے ہیں وہ انہیں مفصلہ بالا کتابوں کو شہادت میں پیش کرتے ہیں ۔ لیکن انصاف یہ ہے کہ ان تصنیفات کو امام صاحب کی طرف منسوب کرنا نہایت مشکل ہے اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ امام صاحب کی زندگی میں ایک مجموعہ فقہ مرتب ہو گیا تھا جسکے حوالے عقود الجمان وغیرہ میں جا بجا ملتے ہیں ۔ لیکن قیاس غالب یہ ہے کہ وہ نسخہ معدوم ہو گیا اُس زمانہ کی ہزاروں تصنیفات کے نام ۔ تراجم کی کتابوں میں مذکور ہیں لیکن دو تین کے سوا ایک کا بھی دنیا کے کسی کتب خانہ میں پتہ نہیں چلتا ۔ خود امام صاحب کے ہمعصروں میں سے سفیان ثوری امام اوزاعی ۔ حماد بن سلمہ ۔ ہشیم ۔ معمر جریر بن عبد الحمید ۔ عبد اللہ بن المبارک نے حدیث و فقہ میں بڑی بڑی کتابیں لکھیں لیکن آج انکا نام ہی نام ہے ان میں سے ایک کا بھی وجود نہیں ۔ امام رازی نے مناقب الشافعی میں تصریح کی ہے کہ امام ابو حنیفہ کی کوئی تصنیف باقی نہیں ہے۔

مسند خوارزمی

مسند خوارزمی کو امام صاحب کا مسند کہنا مجازی اطلاق ہے ۔ خوارزمی خود ساتویں صدی میں تھے جن مسندوں کو جمع کیا ہے ۔ وہ بھی اکثر تیسری چوتھی صدی یا اس سے بھی بعد کی ہیں ۔ حماد ۔ قاضی ابو یوسف البتہ امام صاحب کے ہمعصر ہیں اور اُنکا مسند بے شبہہ امام ابو حنیفہ کا مسند کہا جا سکتا ہے لیکن خوارزمی کے سوا اور کسی نے اُن مسندوں کا نام نہیں لیا ہے ۔ حالانکہ حدیث کی کتاب جب تک مشہور اور مستند روایتوں سے نہ ثابت ہو اُسکا اعتبار نہیں کیا جا سکتا ۔ ہمارے نزدیک اس بحث میں شاہ ولی اللہ صاحب کا فیصلہ کافی ہے ۔ وہ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ طبقہ رابعہ کی وہ کتابیں ہیں جنکے مصنفوں نے ایک مدت دراز کے بعد اُن روایتوں کو جمع کرنا چاہا جو وہ پہلے طبقوں میں موجود نہ تھیں اور گمنام مسندوں اور مجموعوں میں پائی جاتی تھیں ۔ ان لوگوں نے انکو بلند نام کرنا چاہا حالانکہ وہ حدیثیں یا ان لوگوں کی زبانوں پر تھیں ۔ جنکا محدثین اعتبار نہیں کرتے مثلاً زیادہ گو واعظین اور اہل بدعت اور ضعیف الروایۃ یا وہ صحابہ اور تابعین کے آثار یا بنی اسرائیل کے قصے تھے یا حکما اور واعظین کے مقولے تھے جنکو راویوں نے رسول اللہ کے کلام سے مخلوط کر دیا تھا ۔ یا قرآن اور حدیث کے محتمل مضامین تھے جن کو اُن نیک آدمیوں نے بالمعنی روایت کیا جو فن روایت کی باریکیوں سے ناواقف تھے ۔ ان لوگوں نے ان باتوں کو رسول اللہ کی طرف منسوب کر دیا یا ایسے مضامین تھے جو قرآن اور حدیث سے مستنبط ہوتے تھے اُنکو قصداً احادیث نبوی بنا دیا ۔ یا مختلف حدیثوں کے ٹکڑے تھے جو ایک عبارت میں مرتب کر دیئے گئے اس قسم کی حدیثیں کتاب الضعفاء ابن حبان کامل ابن عدی ۔ تصنیفات خطیب ابو نعیم و جوزقانی و ابن عساکر و ابن نجار و دیلمی میں مل سکتی ہیں ۔ مسند خوارزمی بھی قریباً اسی طبقہ میں داخل ہے ۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے ذرا مخفی کی بات تنی کی ہے کہ جن مسندوں کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ امام صاحب کے شاگردوں نے لکھے اُنکا نہ تاریخوں سے ثبوت ملتا ہے نہ وہ خود کہیں پائے جاتے ہیں جو مسند امام صاحب کے زمانہ سے بہت پیچھے لکھے گئے وہ البتہ موجود ہیں لیکن اُن کی حدیثوں کا امام صاحب تک بسند صحیح متصل پہنچنا نہایت مشتبہ ہے اس سے بڑھکر یہ کہ بعض بعض مسانید میں بے اعتباری کی اندرونی شہادتیں موجود ہیں۔ مسند حصکفی میں کئی روایتیں امام صاحب کی طرف منسوب ہیں جنکو اُنھوں نے خود صحابہ سے سنا اور روایت کیا ہے حالانکہ امام صاحب کا صحابہ سے روایت کرنا محدثانہ تحقیقات کی رُو سے ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا۔ خوارزمی نے آثار امام محمد کو بھی امام کی مسانید میں داخل کیا ہے بے شبہہ اس کتاب میں اکثر روایتیں امام صاحب ہی سے ہیں۔ اسلئے ناظرین کو اختیار ہے کہ اُسکو امام صاحب کا مسند کہیں یا آثار امام محمد کے نام سے پکاریں لیکن یاد رہے کہ امام محمد نے اس کتاب میں بہت سے آثار اور حدیثیں دوسرے شیوخ سے بھی روایت کی ہیں اس لحاظ سے اس مجموعہ کا انتساب امام محمد کی طرف زیادہ موزوں ہے۔

(فقہ اکبر کو اگرچہ فخر الاسلام بزدوی، عبد العلی بحر العلوم، و شارحین فقہ اکبر نے امام صاحب کیطرف منسوب کیا ہے لیکن ہم مشکل سے اُسپر یقین کر سکتے ہیں۔ یہ کتاب جس زمانہ کی تصنیف بیان کیجاتی ہے اُسوقت تک یہ طرز تحریر پیدا نہیں ہوا تھا۔ وہ بطور ایک متن کے ہے اور اس اختصار و ترتیب کے ساتھ لکھی گئی ہے جو متاخرین کا خاص انداز ہے ایک جگہ اُس میں جوہر و عرض کا لفظ آیا ہے۔ حالانکہ یہ فلسفیانہ الفاظ اُس وقت تک زبان میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ بے شبہہ منصور عباسی کے زمانہ میں فلسفہ کی کتابیں یونانی زبان سے عربی میں ترجمہ کی گئیں تھیں۔ لیکن یہ زمانہ امام صاحب کی آخر زندگی کا زمانہ ہے کسی طرح قیاس نہیں کیا جا سکتا کہ ترجمہ ہوتے ہی یہ الفاظ اس قدر جلد شائع ہو جائیں کہ عام تصنیفات میں اُنکا رواج ہو جائے فلسفہ کے الفاظ نے مذہبی دائرہ میں اُسوقت بار پایا ہے جب کثرت استعمال کی وجہ سے وہ زبان کا جز بنگئے اور عام بول چال میں بھی اُنکے استعمال کے بغیر چارہ نہ رہا لیکن یہ دور امام صاحب کے زمانہ کے بعد شروع ہوا ہے۔

یہ بحث تو درایت کی حیثیت سے تھی۔ اصول روایت کے لحاظ سے بھی یہ امر ثابت نہیں ہوتا دوسری تیسری بلکہ چوتھی صدی کی تصنیفات میں اس کتاب کا پتہ نہیں چلتا۔ قدیم سے قدیم تصنیف جس میں اس رسالہ کا ذکر کیا گیا ہے (جہانتک ہمکو معلوم ہے) فخر الاسلام بزدوی کی کتاب الاصول ہے جو پانچویں صدی کی تصنیف ہے۔ امام ابوحنیفہ کے ہزاروں شاگرد تھے جنمیں سے اکثر بجائے خود اُستاد تھے اور بواسطہ در واسطہ اُنکے ہزاروں لاکھوں شاگرد ہوئے۔ نہایت خلاف قیاس ہے کہ امام صاحب کی کوئی تصنیف موجود ہوتی اور اتنے بڑے گروہ میں اُسکا نام تک نہ لیا جاتا۔ علم عقائد۔ اور اُسکے متعلقات پر جو بڑی بڑی کتابیں مثلاً

صحائف شرح مقاصد، شرح مواقف۔ ملل و نحل وغیرہ تصنیف ہوئیں انہیں کہیں انکا ذکر تک نہیں ہے
اس کتاب کی جس قدر شرحیں ہوئیں سب آٹھویں صدی میں یا اُسکے بعد ہوئیں اسکے علاوہ ابو مطیع بلخی
جو اس کتاب کے راوی ہیں حدیث و روایت میں چنداں مستند نہیں ہیں۔ کتب رجال میں انکی نسبت
محدثین نے نہایت سخت ریمارک کئے ہیں اگرچہ میں انکو کلیتہً تسلیم نہیں کرتا تاہم ایک ایسی مشتبہ کتاب جسکا
ثبوت صرف ابو مطیع بلخی کی روایت پر منحصر ہو۔ محدثانہ اصول پر قابل تسلیم نہیں ہو سکتی۔
میرا خیال ہے کہ ابو مطیع بلخی نے ایک رسالہ میں بطور خود عقائد کے مسائل قلمبند کئے تھے رفتہ رفتہ
وہ امام صاحب کی طرف منسوب ہو گیا۔ اس خیال کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ علامہ ذہبی نے عبر فی اخبار
من غبر میں ابو مطیع کا جہاں ذکر کیا ہے ان لفظوں سے کیا ہے کہ صاحب الفقہ الاکبر جسکے متبادر معنی یہی ہیں
کہ خود ابو مطیع اسکے مصنف ہیں۔ میرا خیال یہ بھی ہے کہ فقہ اکبر کی موجودہ ترتیب عبارت۔ ابو مطیع کے
زمانہ سے بھی بہت بعد کی ہے۔ اور یہ کچھ نئی بات نہیں جامع صغیر جو امام محمد کی تالیف ہے اُسکی موجودہ ترتیب
امام ابوالطاہر دباس نے کی ہے جو چوتھی صدی میں تھے۔ فرق یہ ہے کہ جامع صغیر کی عبارت وہی اصلی ہے صرف
ترتیب بدل دی گئی ہے برخلاف اسکے فقہ اکبر کا انداز عبارت بھی زمانہ بعد کا معلوم ہوتا ہے۔
ہمنے اس بحث میں اپنی رائے اور قیاسات کو بہت دخل دیا ہے لیکن تمام واقعات بھی لکھ دیئے ہیں
ناظرین کو ہم اپنی رائے کے قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتے اصلی واقعات اور ہماری رائیں دونوں اُنکے سامنے ہیں۔
وہ جو چاہیں خود فیصلہ کرلیں بے شبہ ہماری ذاتی رائے یہی ہے کہ آج امام صاحب کی کوئی تصنیف موجود نہیں ہے

عقائد و کلام

(امام صاحب ابتدائی تحصیل میں علم کلام کی طرف زیادہ مائل تھے صحابہ کے اخیر زمانہ میں نئے نئے فرقے
پیدا ہو چکے تھے۔ معبد جہنی نے جو صحابہ کا صحبت یافتہ تھا مسئلہ قدر کو چھیڑا واصل بن عطا نے جو علوم عربیہ
و علم کلام کا بہت بڑا عالم اور امام حسن بصری کا شاگرد تھا اعتزال کی بنیاد قائم کی۔
جہم بن صفوان فرقہ جہمیہ کا بانی ہوا۔ خوارج کے متعدد فرقے اس سے پہلے پیدا ہو چکے تھے امام ابوحنیفہ
کے زمانہ میں ان مسائل کے جا بجا چرچے تھے اور ہر جگہ بحث و مناظرہ کا بازار گرم تھا۔ امام صاحب کو بھی ان کی
رد و قدح کی طرف التفات ہوا۔ اس میں شک نہیں کہ انکی بے نظیر ذہانت سے ان مسائل میں نہایت دقیق
بحثیں پیدا ہوئیں۔ لیکن چونکہ یہ شغل تھوڑے زمانہ تک رہا اور بالآخر صرف فقہ کے مہمات میں مصروف تھے اس لئے
ان مباحث کا آج پتہ نہیں چلتا۔ تاہم چند مسائل جو تواتر انکی طرف منسوب ہیں اُنکی دقت نظر حدت ذہن وسعت
خیال کے شاہد عادل ہیں اُن میں سے ہم بعض مسائل کا ذکر کرتے ہیں جو محدثین کے نزدیک سخت معرکۃ الآرا مسئلے

اعمال
ایمان
ہیں

ہیں۔ یہ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ امام صاحب فرائض اور اعمال کو جزو ایمان نہیں سمجھتے۔ آج تو اسکی نسبت بحث کرنی گویا تحصیل حاصل ہے ایک معمولی سمجھ کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ ایمان اعتقاد کا نام ہے جو دل سے متعلق ہے اور فرائض اور اعمال جوارح کے کام ہیں اسلئے نہ ان دونوں سے کوئی حقیقت مرکب ہو سکتی ہے نہ انمیں سے ایک دوسرے کا جزو ہو سکتا ہے لیکن اس زمانہ میں یہ ایک بڑا بحث طلب مسئلہ تھا اور اکثر ارباب ظاہر بلکہ بعض مجتہدین بھی اسکے خلاف تھے

صحابہ کے زمانہ تک اسلامی عقائد کی سطح نہایت ہموار اور غیر متحرک رہی۔ اہل عرب کو ان موشگافیوں اور باریک بینیوں سے سروکار نہ تھا۔ بنو امیہ کے وسط زمانہ میں جب فوجی قوت کو زوال ہوا تو تمدن و معاشرت کی وسعت نے اور قسم کے اشغال پیدا کر دیئے۔ جبر و قدر، تشبیہ و تنزیہ، عدل و جور کی بحثیں چھڑ گئیں ان بحثوں کی ابتدا ان لوگوں نے کی جو عجم کی خاک سے تھے یا انپر عجم کا پرتو پڑا تھا چونکہ یہ نامانوس صدائیں تھیں ان باتوں پر مذہبی گروہ میں جو زیادہ تر عرب سے تعلق رکھتا تھا برہمی پیدا ہو گئی اور محدثین و فقہاء نہایت سختی سے بدعتیوں کے مقابلہ کو اٹھے اس مقابلہ کی بنا پر ان بزرگوں کو خود بھی ان مسائل میں نفی یا اثبات کا پہلو اختیار کرنا پڑا۔ لیکن جوش مخالفت نے اکثروں کو اعتدال کی حد پر نہ رہنے دیا۔ معتزلہ کا مذہب تھا کہ قرآن مجید خدا کا ایک جدید کلام ہے جو رسول اللہ کی نبوت کے ساتھ وجود میں آیا۔ لوگوں نے اسکی یہانتک مخالفت کی کہ بعض محدثین نے تلفظ بالقرآن کو بھی قدیم ٹھہرایا امام ذہلی جو امام بخاری کے اساتذہ میں سے تھے۔ اور صحیح بخاری میں ان کی سند سے اکثر روایتیں ہیں۔ اسی بات پر امام بخاری سے ایسے ناراض ہوئے کہ انکو حلقہ درس سے نکلوا دیا اور عام حکم دیدیا کہ جو شخص بخاری کے پاس آمد و رفت رکھے وہ ہمارے حلقہ میں آنے نہ پائے۔[1] امام بخاری خود قرآن کے قدم کے قائل تھے لیکن قرارت قرآن کو حادث کہتے تھے۔ ذہلی کو اصرار تھا کہ یہ بھی قدیم ہیں۔

اور مسائل میں بھی اس قسم کی بے اعتدالیاں ہوئیں جنکی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ امام ابوحنیفہ نے ان تمام بحثوں میں وہی پہلو اختیار کیا جو مغز سخن تھا اور جو عقل کے ساتھ نقل کے بھی مطابق تھا انہیں مسائل میں ایمان و عمل کا بھی مسئلہ تھا مرجیہ کا مذہب ہے کہ ایمان اور عمل دو مختلف چیزیں ہیں اسلئے ایمان اور تصدیق کامل ہو تو عمل کا نہ ہونا کچھ ضرر نہیں کرتا۔ ایک شخص اگر دل سے توحید و نبوت کا معترف ہے اور فرائض نہیں ادا کرتا تو وہ مواخذہ سے بری ہے اس رائے کا پہلا حصہ گو صحیح تھا مگر محدثین نے کچھ تفریق نہ کی اور کلیتہً اس مذہب کے مخالف ہو گئے چونکہ قرآن کی بعض آیتیں بھی بظاہر اسکے موید تھیں انکی رائے کو اور بھی قوت و شدت ہو گئی یہ ایک اجتہادی رائے تھا اور یہیں تک رہتا تو چنداں مضائقہ نہ تھا لیکن افسوس یہ ہے کہ ان بزرگوں نے یہانتک شدت کی کہ جو شخص ان کی رائے کے ساتھ متفق نہ ہوتا تھا اسکو فاسق یا کافر سمجھتے تھے قاضی ابو یوسف ایک بار شریک کی عدالت میں گواہ ہو کر گئے تو انہوں نے کہا میں اس شخص کی شہادت نہیں قبول کرتا جس کا یہ قول ہو کہ نماز جزو ایمان نہیں ہے

[1] ان واقعات کو حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے ۱۲

امام ابوحنیفہ کو اس سے کچھ بحث نہ تھی کہ یہ مسئلہ فلاں شخص یا فلاں فرقہ کا ہے وہ اصل حقیقت کو دیکھتے تھے اور مغز سخن کو پہنچتے تھے جب یہ بحث اُنکے سامنے پیش کی گئی تو اُنھوں نے علانیہ کہا کہ ایمان اور عمل دو جداگانہ چیزیں ہیں اور دونوں کا حکم مختلف ہے اسپر بہت سے لوگوں نے اُنھیں بھی مرجیہ کہا لیکن وہ ایسا مرجیہ ہونا پسند کرتے تھے۔ محدثین اور فقہا میں سے جو لوگ امام صاحب کے ہمزبان تھے اُنکو بھی یہی خطاب عنایت ہوا محدث ابن قتیبہ نے اپنی مشہور اور مستند کتاب المعارف میں مرجیہ کے عنوان سے بہت سے فقہاء اور محدثین کے نام گنائے ہیں جنمیں سے چند یہ ہیں ابراہیم تیمی۔ عمرو بن مرہ۔ طلق الحبیب۔ حماد بن سلیمان۔ عبد العزیز بن ابی داؤد۔ خارجہ بن مصعب۔ عمرو بن قیس الاصر۔ ابو معاویۃ الضریر۔ یحییٰ بن زکریا۔ مسعر بن کدام۔ حالانکہ ان میں سے اکثر حدیث و روایت کے امام ہیں اور صحیح بخاری و مسلم میں ان لوگوں کی سینکڑوں روایتیں موجود ہیں۔ ہمارے زمانہ کے بعض کوتاہ بین جو اسپر خوش ہیں کہ امام صاحب کو بعض محدثین نے مرجیہ کہا ہے ابن قتیبہ کی فہرست دیکھتے تو شاید انکو ندامت ہوتی محدث ذہبی نے میزان الاعتدال میں مسعر بن کدام کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ ارجاء (مرجیہ ہونا) بہت سے علماء کبار کا مذہب ہے اور اس مذہب کے قائل پر مواخذہ نکرنا چاہیئے یہ وہی ارجاء کی طرف اشارہ ہے جو امام ابوحنیفہ کا مذہب تھا۔

یہ مسئلہ اگرچہ بظاہر چنداں مہتم بالشان نہ تھا لیکن اُسکے نتائج بہت بڑا اثر رکھتے تھے اسی لحاظ سے امام صاحب نے نہایت آزادی سے اُسکا اظہار کیا۔ عمل کو جزو ایمان قرار دینا اس بات کو مستلزم ہے کہ جو شخص اعمال کا پابند نہ ہو وہ مومن بھی نہ ہو جیسا کہ خارجیوں کا مذہب ہے جو مرتکب کبائر کو کافر سمجھتے ہیں۔ اگرچہ اکثر محدثین ایسے شخص کو کافر نہیں سمجھتے تھے لیکن یہ نہ سمجھنا اس وجہ سے تھا کہ وہ لزوم سے ناواقف تھے حالانکہ لزوم قطعی اور یقینی ہے جس سے انکار نہیں ہو سکتا۔

امام رازی نے جو امام شافعی کے بہت بڑے حامی ہیں۔ کتاب مناقب الشافعی میں لکھا ہے کہ لوگوں نے امام شافعی پر یہ اعتراض کیا ہے کہ وہ متناقض باتوں کے قائل ہیں۔ کیونکہ ایک طرف تو وہ یہ کہتے ہیں کہ ایمان تصدیق و عمل کے مجموعہ کا نام ہے۔ ساتھ ہی اس بات کے بھی قائل ہیں کہ ترک عمل سے کوئی شخص کافر نہیں ہوتا حالانکہ مرکب چیز کا جب ایک جزو نہ رہا تو مرکب بھی من حیث المرکب نہ رہا۔ اسی لئے معتزلہ جو اس بات کے قائل ہیں کہ عمل جزو ایمان ہے اس بات کے بھی قائل ہیں کہ عمل نہ ہو تو ایمان بھی نہیں لیکن امام شافعی کی طرف سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اصل ایمان اقرار اور اعتقاد کا نام ہے۔ باقی اعمال تو وہ ایمان کے ثمرات اور توابع ہیں لیکن چونکہ توابع پر بھی کبھی کبھی مجازاً اصل شئے کا اطلاق ہوتا ہے اسلئے مجازاً اعمال پر بھی ایمان کا اطلاق ہوا اور یہ مسلم ہے کہ توابع کے فوت ہونے سے اصل شئے فوت نہیں ہوتی۔

لیکن یہ جواب توجیہ القول بما لا یرضی بہ قائلہ ہے اور خود امام رازی کو اسکا اعتراف کرنا پڑا چنانچہ جواب کے

بعد فرماتے ہیں فیہ ترک ھذا المذھب یعنی اس جواب سے یہ مذہب باطل ہوجاتا ہے امام رازی گو شافعی المذہب اور اپنے امام کے نہایت طرفدار ہیں لیکن چونکہ صاحب نظر اور نکتہ شناس ہیں انکو تسلیم کرنا پڑا کہ اعمال کو ایمان کے توابع سے شمار کرنا چاہئے یا مان لینا چاہیئے کہ جو شخص پابند عمل نہیں مومن بھی نہیں۔

اس بحث کے متعلق امام ابوحنیفہ کی ایک تحریر موجود ہے جس کی طرز استدلال و استنباط نتائج سے امام صاحب کی دقت نظر کا اندازہ ہو سکتا ہے اور اصل مسئلہ کی حقیقت کھلتی ہے اس لئے اس موقع پر ہم اس کا حوالہ دینا مناسب سمجھتے ہیں یہ تحریر عثمان بتی کے ایک خط کا جواب ہے جو انہوں نے امام صاحب کو لکھا تھا عثمان اس زمانہ کے ایک مشہور محدث تھے عام لوگوں میں جب امام ابوحنیفہ کے ان خیالات کے چرچے ہوئے تو انہوں نے امام صاحب کو ایک دوستانہ خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ "لوگ آپ کو مرجیہ کہتے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ آپ مومن کا ضال (گمراہ) ہونا جائز قرار دیتے ہیں مجھکو ان باتوں کے سننے سے نہایت رنج ہوتا ہے کیا یہ باتیں صحیح ہیں" اس خط کے جواب میں امام صاحب نے ایک طولانی خط لکھا ہے جس سے فقرے کہیں کہیں سے ہم انتخاب کرتے ہیں حمد و نعت کے بعد عثمان بتی کی دوستانہ نصیحت اور خیر خواہی کا شکریہ ادا کر کے اصل مضمون اس طرح شروع کیا ہے میں آپکو بتاتا ہوں کہ رسول اللہ کے مبعوث ہونے سے پہلے تمام لوگ مشرک تھے۔ رسول اللہ جب مبعوث ہوئے تو لوگوں کو اس بات کی طرف دعوت کی کہ خدا کو ایک مانیں اور رسول اللہ جو کچھ لائے اُس کو تسلیم کریں۔ پس جو شخص اسلام میں داخل ہوتا تھا اور شرک چھوڑ دیتا تھا اُس کی جان اور مال حرام ہو جاتا تھا پھر خاص اُن لوگوں کے لیئے جو ایمان لا چکے تھے فرائض کے احکام آئے پس اُسکا پابند ہونا عمل ٹھہرا اور خدا نے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے الذین امنوا وعملوا الصلحت ومن یؤمن باللہ ویعمل صالحا۔ اس قسم کی اور آیتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عمل کے نہونے سے ایمان جاتا نہیں رہتا۔ البتہ اگر تصدیق و اعتقاد نہ ہو تو مومن کا اطلاق نہیں ہو سکتا عمل و تصدیق کا دو جداگانہ چیز ہونا اس سے بھی ظاہر ہے کہ تصدیق کے لحاظ سے سب مسلمان برابر ہیں لیکن اعمال کے لحاظ سے مراتب میں فرق ہوتا ہے کیونکہ دین و مذہب سب کا ایک ہی ہے خدا نے خود کہا ہے شرع لکم ما وصی به نوحا والذی اوحینا الیك وما وصی به ابراھیم وموسی وعیسی ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیه یعنے تمہارے لئے اسی دین کو شروع کیا جس کی وصیت نوح کو کی تھی اور جو تجھ پر وحی بھیجی اور جس کی وصیت ابراہیم و موسیٰ و عیسےٰ کو کی وہ یہ ہے کہ دین کو قائم رکھو اور اس میں تفرقہ نہ ہو۔

آپ کو جاننا چاہیئے کہ تصدیق میں ہدایت اور اعمال میں ہدایت یہ دونوں دو چیزیں ہیں آپ ایک شخص کو جو فرائض سے ناواقف ہو مومن کہہ سکتے ہیں۔ پس ایسا شخص فرائض کے لحاظ سے جاہل اور تصدیق کے لحاظ سے مومن ہے خود خدا نے قرآن میں یہ اطلاق کئے ہیں کیا آپ اُس شخص کو جو خدا اور رسول خدا کے پہچاننے میں

گمراہ ہوا اس شخص کی برابر قرار دیں گے جو مومن ہو لیکن اعمال سے نا واقف ہو خدا نے جہاں فرائض بتائے ہیں
اس موقع پر ارشاد فرمایا ہے کہ یبین اللہ لکم ان تضلوا (یعنے خدا نے اس لئے بیان کیا کہ تم گمراہ نہ ہو)
دوسری آیت میں ہے ان تضل احدھما فتذکر احدھما الاخری (یعنی ایک گمراہ ہو تو دوسری یاد دلادے)
حضرت موسیٰ کی زبان سے فرمایا فعلتھا اذا وانا من الضالین (یعنی جب میں نے وہ کام کیا تب میں گمراہ تھا)
ان آیتوں کے علاوہ اور بہت سی آیتیں ہیں جو اس دعوی کے ثبوت کے لئے دلائل قاطعہ ہیں اور حدیثیں تو
اور بھی واضح اور صاف ہیں حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ امیر المومنین کے لقب سے پکارے جاتے تھے تو کیا اس کے
یہ معنی تھے کہ وہ صرف ان لوگوں کے امیر تھے جو فرائض اور اعمال کے پابند تھے حضرت علیؓ نے شام
والوں کو جو ان سے لڑتے تھے مومن کہا کیا قتل سے بڑھ کر کوئی گناہ ہے پھر جو لوگ قتل کے مرتکب ہوئے
کیا آپ قاتلین اور مقتولین دونوں کو برسر حق قرار دیتے ہیں اگر آپ صرف ایک کو (یعنی حضرت علیؓ اور
طرفداران علی کو) برسر حق تسلیم کریں گے تو دوسرے فریق کو کیا کہیں گے اس کو خوب سمجھ لیجئے اور غور کیجئے
میرا یہ قول ہے کہ اہل قبلہ سب مومن ہیں اور فرائض کے ترک سے کافر نہیں ہو سکتے جو شخص ایمان کے ساتھ
تمام فرائض بجالاتا ہے وہ مومن اور جنتی ہے جو ایمان اور اعمال دونوں کا تارک ہے وہ کافر اور دوزخی ہے
جو شخص ایمان رکھتا ہے اور فرائض اس سے ترک ہو جاتے ہیں وہ مسلمان ضرور ہے لیکن گنہگار مسلمان ہے
خدا کو اختیار ہے اس پر عذاب کرے یا معاف کر دے۔

امام صاحبؒ نے جس خوبی سے اس دعوی کو ثابت کیا ہے۔ انصاف یہ ہے کہ اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتا
فرائض اور ایمان کے باہمی امتیاز کی اس سے عمدہ تر کیا دلیل ہوگی کہ آغاز اسلام میں ایمان کی دعوت ہوتی تھی اور
فرائض کا وجود نہ تھا۔ امام صاحبؒ نے قرآن کی جو آیتیں استدلال میں پیش کی ہیں ان سے بداہتہً ثابت ہوتا ہے
کہ دونوں دو چیزیں ہیں کیونکہ ان تمام آیتوں میں عمل کو ایمان پر معطوف کیا ہے اور ظاہر ہے کہ جزو کل پر معطوف نہیں
ہو سکتا من یومن باللہ فیعمل صالحا میں حرف تعقیب آیا ہے جس سے اس بحث کا قطعی فیصلہ ہو جاتا ہے ان
دلائل قاطعہ کے مقابلہ میں دوسری طرف بعض آیتیں اور حدیثیں ہیں لیکن ان میں سے کوئی اثبات مدعا کے
لئے کافی نہیں بڑا استدلال اس پر ہے کہ مومن مومن ہو کر زنا اور چوری نہیں کرتا حالانکہ یہ کلام کے زور
دینے کا ایک پیرایہ ہے ہم اپنی زبان میں کہتے ہیں کہ بھلا آدمی ہو کر تو ایسا کام نہیں کر سکتا جس کا صرف
یہ مطلب ہوتا ہے کہ وہ کام شان شرافت کے خلاف ہے۔ بے شبہ زنا اور سرقہ بھی ایمان کی شان کے خلاف
ہیں اور حدیث کا مقصد اسی قدر ہے۔ ورنہ ابوذر کی حدیث میں صراحتہً یہ الفاظ موجود ہیں کہ جو شخص
لا الہ الا اللہ کا قائل ہے۔ جنت میں جائیگا گو زانی اور چور ہوگا

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ الایمان لا یزید ولا ینقص یعنی ایمان کم و بیش نہیں ہو سکتا ہے۔ بے شبہ یہ امام صاحب کا قول ہے لیکن اس کی تعبیر میں لوگوں نے غلطی کی ہے۔ نہ صرف محدثین اور شافعیہ نے بلکہ خود حنفیہ نے بھی۔ ایمان کی کمی و زیادتی دو لحاظ سے ہو سکتی ہے ایک اس اعتبار سے کہ وہ مقولہ کیف سے ہے جس میں شدت اور ضعف ممکن ہے یا دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ ایمان یقین کا نام ہے اور یقین کے مراتب متفاوت ہوتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب خدا سے کہا کہ اے خدا تو مردوں کو کیونکر جلاتا ہے تو ارشاد ہوا اولم تومن۔ یعنے کیا اب تک تجھ کو یقین نہیں آیا۔ عرض کیا کہ یقین ضرور ہے لیکن لیطمئن قلبی اور زیادہ اطمینان خاطر چاہتا ہوں۔ خدا نے متعدد آیتوں میں صاف تصریح کردی ہے کہ ایمان میں ترقی ہوتی ہے زادتہم ایمانا۔ اس مسئلہ میں نص صریح ہے لیکن امام ابو حنیفہؒ کو بلحاظ اس معنی کے نہ انکار ہے نہ یہ امر اس وقت زیر بحث تھا۔ امام صاحب کے دعوے کا اور منشا ہے اور وہ بالکل صحیح ہے۔ جن لوگوں نے عمل کو جزو ایمان قرار دیا۔ ان کا مذہب ہے کہ ایمان بلحاظ مقدار کے زیادہ کم ہوتا ہے جو شخص اعمال کا زیادہ پابند ہے وہ زیادہ مومن ہے جو گنہگار ہے وہ کم مومن ہے محدثین صراحۃً اس کے مدعی ہیں اور اس پر دلیلیں لاتے ہیں۔ علامہ قسطلانی صحیح بخاری کی شرح میں لکھتے ہیں فاعلم ان الایمان یزید بالطاعات وینقص بالمعصیۃ یعنی "ایمان ثواب کے کام کرنے سے زیادہ ہوتا ہے اور گناہ سے گھٹ جاتا ہے" اور محدثین نے بھی جا بجا اس کی تصریح کی ہے۔ امام ابو حنیفہ اس اعتبار سے ایمان کی زیادت و نقصان کے منکر تھے اُنکے نزدیک جب اعمال جزو ایمان نہیں تو اعمال کی کمی بیشی سے ایمان میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی اور یہ بالکل صحیح ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ ابو بکر کو تم لوگوں پر جو ترجیح ہے وہ کثرت صوم و صلوٰۃ کی وجہ سے نہیں بلکہ اس چیز کی وجہ سے ہے جو اُسکے دل میں ہے لا غرض امام صاحب کا یہ دعوےٰ نہیں ہے کہ ایمان بلحاظ کیفیت یعنی شدت و ضعف کے زیادہ و کم نہیں ہو سکتا بلکہ اُن کا یہ دعویٰ ہے کہ ایمان مقدار کے اعتبار سے کم و بیش نہیں ہوتا۔ یہ دعوے اس بات کی فرع ہے کہ اعمال جزو ایمان نہیں ہیں اور اسکو ہم ابھی ثابت کر چکے ہیں۔

امام صاحب اس بات کے بھی قائل تھے کہ متعلق ایمان میں کچھ تفاوت نہیں ہے یعنی معتقدات کے لحاظ سے سب مسلمان برابر ہیں۔ ایمان کے لئے جن مسائل پر اعتقاد رکھنا ضروری ہے وہ سب کے لئے یکساں ہیں صحابہ اور عام مسلمان اس لحاظ سے برابر ہیں کہ دونوں ایک ہی چیز یعنی توحید و نبوت کا اعتقاد رکھتے ہیں فرق ہے تو اعتقاد کی شدت و ضعف میں ہے اسی مطلب کو امام صاحب نے عثمان بتی کے جواب میں ان الفاظ سے بیان کیا ہے کہ دین اہل السماء والارض واحد یعنی آسمان اور زمین والوں کا ایک ہی دین ہے پھر اس دعوے پر آیت قرآنی سے استدلال کیا ہے شرع لکم من الدین ما وصینا بہ نوحا یعنی تمہارے لئے وہی دین

متعلق ایمان سب برابر ہیں

شروع کیا جس کی وصیت نوح کو کی تھی لا مخالفین نے بڑے زور شور سے امام صاحب پر یہ الزام لگایا ہے کہ وہ مساوات کے قائل تھے کہ میرا ایمان اور ابوبکر صدیقؓ کا ایمان برابر ہے لا اگرچہ امام صاحب کی طرف اس قول کی اسناد ثابت نہیں لیکن اگر ثابت ہو تو کیا نقصان ہے۔ جس اعتبار سے وہ مساوات کے مدعی ہیں اس سے کس کو انکار ہو سکتا ہے تعجب اور سخت تعجب ہے کہ ایسا صاف مسئلہ معترضوں کی سمجھ میں نہ آیا خطیب بغدادی نے صفحے کے صفحے سیاہ کر دیئے اور یہ نہ سمجھے کہ امام صاحب کا دعویٰ کیا ہے انکو یہ الفاظ نہایت گراں گذرتے ہیں کہ ہمارا اور صحابہ کا ایمان برابر ہے وہ یہ نہیں سمجھتے کہ بہت سی چیزوں میں ہم اور صحابہ برابر ہیں تاہم ہم میں اور صحابہ میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

اگرچہ اس قسم کے تمام مسائل میں امام صاحب اپنی خاص رائیں رکھتے تھے۔ لیکن وہ مخالف رایوں پر کفر و فسق کا الزام نہیں لگاتے تھے۔ یہ فیاض دلی امام صاحب کا خاصہ ہے۔ اور قرون اولیٰ کے بعد اسلام میں اس کی بہت کم نظیریں ملتی ہیں۔ اسلام کو ان مشاجرات نے زیادہ نقصان نہیں پہنچایا جو اختلاف آراکی بنا قائم ہو گئیں ان اختلافات کی بنیاد اگرچہ خود صحابہ کے زمانہ میں شروع ہو چکی تھی عبداللہ بن عباس اور بہت سے صحابہ کا اعتقاد تھا کہ رسول اللہ نے معراج میں خدا کو آنکھوں سے دیکھا حضرت عائشہؓ نہایت اصرار سے اس کے مخالف تھیں امیر معاویہ کو معراج جسمانی سے انکار تھا۔ حضرت عائشہ رضؓ سماع موتیٰ کی قائل نہ تھیں لیکن اس زمانہ تک ان اختلافات پر ہدایت و گمراہی کا مدار نہ تھا۔ جو لوگ مختلف رائیں رکھتے تھے ان میں بھی کسی نے کسی کی تکفیر یا تفسیق نہیں کی۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے ایک شخص نے پوچھا کہ کچھ لوگ پیدا ہوئے ہیں جو قرآن کی غلط تاویل کرتے ہیں اور ہم کو کافر قرار دیتے ہیں وہ خود کافر ہیں یا نہیں لا حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ اس وقت تک کوئی شخص کافر نہیں ہو سکتا جب تک خدا کو دو نہ کہے۔ صحابہ کے بعد یہ اختلافات زور پکڑتے گئے اور رفتہ رفتہ مستقل فرقے ہو گئے۔ اعتقادی اور فقہی مسائل اکثر ایسے ہیں جن میں نص قاطع موجود نہیں اور ہیں تو متعارض ہیں اس لئے استنباط اور رفع تعارض کی ضرورت نے اجتہاد کو بہت وسعت دی اور سیکڑوں رائیں قائم ہو گئیں بے شبہ ان میں بہت سی رائیں صحیح نہیں لیکن یہ ضرور نہیں کہ وہ سب کفر ہوں۔

افسوس ہے کہ سرگرم طبیعتیں جو مذہبی جوش اور تقدس کے نشہ میں سرشار تھیں۔ اختلاف رائے کے صدمہ کی تاب نہ لا سکیں اور نہایت بے صبری سے مخالفت پر آمادہ ہو گئیں۔ بات بات پر کفر کے فتوے ہونے لگے جو لوگ جس قدر زیادہ مذہبی حرارت رکھتے تھے اسی قدر کفر کے اطلاق میں کم احتیاط کرتے تھے رفتہ رفتہ یہاں تک نوبت پہنچی کہ ہر فریق نے دوسرے کی ضلالت و گمراہی ثابت کرنے کیلئے موضوع روایتوں سے اعانت لی اور اس قسم کی حدیثیں ایجاد ہونے لگیں کہ میری امت میں ۷۳ فرقے پیدا ہونگے جنمیں صرف ایک جنتی ہوگا باقی سب دوزخی اس فرضی تعداد کو بھی پورا کرنا ضرور تھا اس لئے کھینچ تان کر ۷۳ فرقے قرار دیئے اور سب کے الگ الگ نام رکھے اس

لہ آثار امام محمد صفحہ ۱۲۶

پر بھی تسکین نہ ہوئی تو ہر ہر فرقے کے لئے جدا جدا روایتیں گھڑیں مثلاً القدریۃ مجوس ھذہ الامۃ وغیرہ وغیرہ ان تعصبات اور جھگڑوں نے جماعت اسلامی کے تمام اجزا پراگندہ کر دیئے اور مذہب اخلاق حکومت تمدن معاشرت سب کا نقشہ بگڑ گیا۔ اس عالمگیر آشوب میں صرف ایک امام ابو حنیفہ تھے جن کی صدا سب سے الگ تھی اور جو پکار کر کہتے تھے لا نکفر احداً من اھل القبلۃ یعنی اہل قبلہ میں سے ہم کسی کو کافر نہیں سمجھتے۔ اُس وقت تو اس صدا پر چنداں توجہ نہیں ہوئی لیکن زمانہ جس قدر ترقی کرتا گیا اس جملہ کی قدر بڑھتی گئی یہاں تک کہ وہ علم کلام کا ایک بیش بہا اصول بن گیا اگرچہ افسوس ہے کہ اُس پر عمل کم کیا گیا اور تکفیر کے غلغلے اب بھی پست نہ ہوئے۔

امام صاحب کی یہ رائے نہایت غور و تحقیق و تجربہ کے بعد قائم ہوئی تھی بڑے بڑے مشہور بانیان مذہب اُنہیں کے زمانہ میں پیدا ہوئے تھے اور امام صاحب کو اُن سے ملنے کا موقع حاصل ہوا تھا جیسے کہ صدر مقام بصرہ تھا جو امام صاحب کے شہر سے نہایت قریب تھا واصل بن عطاء و عمرو بن عبید جو مذہب اعتزال کے بانی اور مروج تھے بصرہ ہی کے رہنے والے اور امام صاحب کے ہمعصر تھے۔ جہم بن صفوان جسکے نام پر فرقہ جہمیہ مشہور ہے اسی زمانہ میں تھا۔ امام صاحب ان میں سے اکثروں سے ملے اور ان کے خیالات سے مطلع ہوئے تھے ان فرقوں کی نسبت جو اقوال مشہور تھے کچھ تو سرے سے غلط اور افترا تھے بعض کی تعبیر غلط طور پر کیگئی تھی بعض فی الاصل لغو و باطل تھے لیکن کفر کی حد تک نہ پہنچے تھے اس لئے امام ابو حنیفہ نے یہ عام حکم دیا کہ اہل قبلہ سب مومن ہیں۔ وہ دیکھتے تھے کہ جن مسائل پر قیامتیں برپا ہیں جو کفر و اسلام کی معیار قرار دی گئی ہیں وہ صرف لفظی بحثیں اور فرضی اصطلاحیں ہیں سب سے بڑا مسئلہ قدم قرآن کا تھا جس کو لوگوں نے کلمۂ توحید کی برابر قرار دیا تھا بڑے بڑے علماء کا قول ہے کہ اسلام کو دو شخصوں نے نہایت نازک وقتوں میں محفوظ رکھا حضرت ابوبکر صدیق جنہوں نے رسول اللہ کی وفات کے بعد مرتدین عرب کا استیصال کیا اور امام احمد حنبل جو مامون رشید کے زمانہ میں حدوث قرآن کے منکر رہے بلکہ ایک اعتبار سے امام حنبل کو ترجیح ہے کیونکہ صحابہ حضرت ابوبکرؓ کے معاون و انصار تھے لیکن امام حنبل کا کوئی مددگار نہ تھا۔

رجال کی کتابوں میں جب کسی شخص کو ثقہ اور مستند ثابت کیا جاتا ہے سب سے بڑی دلیل یہ پیش کیجاتی ہے کہ وہ حدوث قرآن کو کفر سمجھتا تھا حالانکہ یہ صرف ایک لفظی بحث ہے جو لوگ قرآن کو حادث کہتے تھے اُن کی غرض ان الفاظ اور اصوات سے تھی جنکا ظہور رسول کی زبان سے ہوا یا جس پر عام طور سے قرآن کا اطلاق کیا جاتا ہے جو قدیم مانتے تھے وہ کلام سے کلام نفسی کو مراد لیتے تھے جو خدا کی صفات میں سے ہے امام ابو حنیفہ اس بارہ میں صحیح طور پر اسی تفصیل کی بنا پر ہیں ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ قرآن حادث ہے یا قدیم۔ فرمایا کہ حادث کیونکہ قرآن نہیں جو خدا نہیں وہ حادث ہے[1]

غرض اس قسم کے مسائل نفیاً یا اثباتاً نصی نہیں ہیں اور اس وجہ سے وہ کفر و اسلام کے معیار نہیں ہوسکتے

[1] کتاب الاوائل ابو ہلال عسکری ۱۲

امام ابو حنیفہ کی نکتہ شناسی کی بڑی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے اسلام کے دائرہ کو من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ کی وسعت رکھتا تھا اصلی وسعت پر قائم رکھا افسوس ہے کہ ان کی اس رائے پر بہت کم لحاظ کیا گیا ورنہ امام غزالی محی الدین عربی حضرت غوث الاعظم، ابن تیمیہ و ابو طالب مکی کو ہم فقہا کی زبان سے کافر نہ سنتے۔

حدیث اور اصول حدیث

یہ خیال اگرچہ غلط اور بالکل غلط ہے کہ امام ابو حنیفہ علم حدیث میں کم مایہ تھے تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ عام طور پر وہ محدث کے لقب سے مشہور نہیں۔ بزرگان سلف میں سینکڑوں ایسے گزرے ہیں جو اجتہاد و روایات دونوں کے جامع تھے لیکن شہرت اسی صفت کے ساتھ ہوئی جو ان کا کمال غالب تھا امام ابو حنیفہ کی کوئی حدیث میں کوئی تصنیف نہیں تعجب ہے کہ امام مالک و امام شافعی بھی اس لقب کے ساتھ مشہور نہ ہوئے نہ ان کی حدیثوں کو وہ قبول عام حاصل ہوا جو صحاح ستہ کو ہوا امام احمد حنبل ان لوگوں کی نسبت علم حدیث میں زیادہ نام آور ہیں ان کی مسند کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ صحیح حدیثوں کا اتنا بڑا مجموعہ اور کوئی نہیں ملسکتا لیکن جس قدر حدیث و روایت میں ان کا زیادہ اعتبار ہے اسیقدر استنباط اور اجتہاد میں ان کی نام آوری کم ہے۔ علامہ طبری نے جو خود بھی محدث اور مجتہد تھے مجتہدین میں ان کا شمار نہیں کیا[1] قاضی ابن عبد البر نے کتاب الانتقاء فی الثلاثۃ الفقہاء میں جو مجتہدین کے حالات میں ہے امام ابو حنیفہ و امام مالک و امام شافعی پر اکتفا کی امام رازی مناقب الشافعی میں لکھتے ہیں کہ امام شافعی کے بعد کوئی مجتہد مطلق پیدا نہیں ہوا اگرچہ امام احمد حنبل کی نسبت گروہ کثیر علما کی یہی رائے تھی کہ وہ اجتہاد کامل کا منصب رکھتے تھے تاہم ان کے اجتہاد پر اتفاق عام نہ ہوا۔

حقیقت یہ ہے کہ مجتہد و محدث کی حیثیتیں الگ الگ ہیں۔ محدث مواعظ قصص، فضائل، سیر ہر ایک قسم کی روایتوں کا استقصا کرتا ہے۔ بخلاف اس کے مجتہد کو زیادہ تر صرف ان احادیث سے غرض ہوتی ہے جن سے کوئی حکم شرعی مستنبط ہوتا ہے یہی سبب ہے کہ محدثین کی بہ نسبت مجتہدین ہمیشہ قلیل الروایت ہوئے موطا میں جو امام مالک کی تمام روایتوں کا مجموعہ ہے زیادہ سے زیادہ ہزار حدیثیں ہیں جن میں صحابہ اور تابعین کے اقوال بھی شامل ہیں امام شافعی نے امام احمد حنبل کے سامنے اکثر اعتراف کیا ہے کہ تم لوگ بہ نسبت ہمارے احادیث سے زیادہ واقف ہو۔ قاضی یحیٰی بن اکثم جو ترمذی کے شیخ ہیں حسرت سے کہا کرتے تھے کہ "اگر امام شافعی نے علم حدیث کی طرف پوری توجہ کی ہوتی تو ہم لوگوں کو سب سے بے نیاز کر دیا ہوتا"۔ حافظ ابن حجر نے توالی التاسیس میں جو امام شافعی کے حالات میں ایک مختصر اور مفید رسالہ ہے جہاں امام شافعی کے شیوخ نے حدیث سے بحث کی ہے خاتمہ پر لکھا ہے کہ ولم یکثر من الشیوخ کعادۃ اھل الحدیث لاقبالہ علی الاشتغال بالفقہ یعنی وہ بہت سے شیوخ سے نہیں ملے جیسا کہ اہل حدیث کی عادت ہے کیونکہ ان کو فقہ کا شغل رہتا تھا" حافظ ابن حجر نے امام شافعی کی نسبت قلت شیوخ

[1] طبقات المفسرین حافظ جلال الدین سیوطی ترجمہ علامہ طبری ۱۲ [2] توالی التاسیس لحافظ ابن حجر صفحہ ۵۰۱-۱۲

کا جو سبب بیان کیا امام ابوحنیفہ کی قلت روایت کا بھی وہی سبب ہے لیکن افسوس ہے کہ بعض لوگوں نے اس معاملہ کو زیادہ وسیع کیا۔ اور عموماً اُن کی قلت روایت کے قائل ہوئے یہ خیال کچھ نیا نہیں ہے اگلے زمانہ میں بھی بعض بعض لوگوں کی یہ رائے تھی اور وہی غلط فہمی آج تک چلی آتی ہے۔

اِس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ امام ابوحنیفہ کے وہ واقعات جو منظر عام پر نمایاں ہیں اُن سے ایک ظاہر بین شخص ایسی ہی رائے قائم کر سکتا ہے۔ حدیث میں اُن کی کوئی تصنیف موجود نہیں صحاح میں بجز ایک دو روایت کے اُن کا نام تک نہیں پایا جاتا سب سے زیادہ یہ کہ اُن کی شہرت اہل الرائے کے لقب سے ہے جس سے متبادر ہوتا ہے کہ حدیث سے ان کو کم تعلق تھا۔ اس قدر ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ مغازی قصص سیر وغیرہ میں اُن کی نظر چنداں وسیع نہ تھی امام مالک و امام شافعی کا بھی یہی حال تھا لیکن احکام و عقائد کے متعلق امام ابوحنیفہ کو جو واقفیت اور تحقیق حاصل تھی اس سے انکار کرنا صرف کم نظری اور ظاہر بینی کا نتیجہ ہے ان کی تصنیف یا روایتوں کا مدون نہ ہونا قلت نظر کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ حضرت ابوبکرؓ صدیق سے زیادہ کسی صحابی کو رسول اللہ کے ساتھ جلوت و خلوت میں رہنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ رسول اللہ کے اقوال و افعال سے جس قدر وہ واقف تھے اور کون ہو سکتا تھا۔ لیکن حدیث کی تمام کتابوں میں اُن کی روایت سے جس قدر صحیح حدیثیں ہیں اُن کی تعداد سترہ سے زیادہ نہیں[1]۔ کون شخص کہہ سکتا ہے کہ اُن کو صرف اسی قدر حدیثیں معلوم تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ کے بعد حضرت فاروقؓ کا درجہ ہے۔ اُن سے بھی صرف پچاس حدیثیں مروی ہیں جن میں سے بعض کا کافی ثبوت نہیں۔ حضرت عثمانؓ اور جناب امیرؓ کا بھی یہی حال ہے بخلاف اُن کے حضرت ابوہریرہ سے ۵۳۷۴۔ انس سے ۲۲۸۶۔ عبدالرحمن بن عباس سے ۱۶۶۰۔ جابر سے ۱۵۴۰ عبداللہ بن عمر سے جو رسول اللہ کے زمانہ میں نوجوان تھے ۲۶۳۰ حدیثیں مروی ہیں۔ اگر روایتوں کا موجود ہونا ہی معیار ہے تو خلفائے اربعہ کی نسبت تسلیم کرنا پڑیگا کہ یا اُن کا حافظہ ضعیف اور نہایت ضعیف تھا یا دانستہ اُن کو رسول اللہ کے اقوال و افعال کی طرف التفات اور توجہ نہ تھی۔ وحاشا عن ذلک۔ یہ سچ ہے کہ صحاح ستہ کے مصنفین نے امام صاحب سے روایت نہیں کی (دو ایک روایتیں مستثنے ہیں) لیکن اس الزام میں اور ائمہ بھی شریک ہیں۔ امام شافعی جن کو بڑے بڑے محدثین مثلاً امام احمد حنبل۔ اسحٰق بن راہویہ۔ ابوثور حمیدی۔ ابوزرعہ الرازی ابوحاتم نے حدیث اور روایت کا مخزن تسلیم کیا ہے اُن کی سند سے صحیحین میں ایک بھی موجود نہیں بلکہ بخاری و مسلم نے کسی اور تصنیف میں بھی امام شافعی کی سند سے کوئی روایت نہیں کی مسلم راوی نے بخاری و مسلم کی (اس

خلفاء اربعہ کی قلت روایت

بخاری و مسلم نے امام شافعی سے کوئی حدیث روایت نہیں کی

---

[1] مناقب الشافعی للامام الرازی خلفائے اربعہ کی نسبت یہ تعداد میں نے امام شافعی کے قول کے موافق لکھی ہے اور محدثین کے نزدیک اس سے زیادہ حدیثیں ان لوگوں سے مروی ہیں تاہم اس قدر تعداد نہیں پہنچتی جس پر کثرت روایت کا اطلاق کیا جاوے ۱۲

ہے اعتنائی کی بہت سی تاویلیں کی ہیں مگر کوئی معقول بات نہیں بتا سکے صحیحین پر موقوف نہیں ترمذی۔ ابوداؤد۔ ابن ماجہ۔ نسائی میں بھی بہت کم ایسی حدیثیں ہیں جن کے سلسلہ رواۃ میں امام شافعی کا نام آیا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ بعض محدثین نے اجتہاد اور استنباط کا جو معیار قرار دیا تھا اُس میں اہل نظر بلکہ اکثر لوگوں کے لئے کم گنجائش تھی علامہ قسطلانی نے شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ امام بخاری فرمایا کرتے تھے کہ میں نے کسی ایسے شخص سے حدیث نہیں لکھی جس کا یہ قول نہ تھا کہ الایمان۔ قول و عمل [۵۱] اگر یہ صحیح ہے تو امام ابوحنیفہ کو اُن کے دربار میں پہنچنے کی کیونکر امید ہو سکتی ہے۔ امام بخاری نے تاریخ کبیر میں امام شافعی کا ذکر کیا ہے لیکن جس بے پروائی سے کیا ہے اُس کے لحاظ سے امام رازی نے یہی غنیمت سمجھا کہ تضعیف نہیں کی۔ چنانچہ امام شافعی کے فضائل میں فرماتے ہیں۔ "اما الامام محمد بن اسمعیل البخاری فقد ذکر الشافعی فی تاریخه الکبیر فقال باب محمد بن ادریس بن عبد اللہ محمد الشافعی القرشی مات سنة اربع ومائتین ثم انه ما ذکره فی باب الضعفاء مع علمه بانه کان قد روی شیئا کثیرا من الحدیث ولو کان من الضعفاء فی هذا الباب لذکره" یعنی امام بخاری نے شافعی کا ذکر تاریخ کبیر میں کیا ہے چنانچہ فلاں باب میں لکھا ہے کہ محمد بن ادریس بن عبد اللہ محمد الشافعی القرشی نے ۲۰۴ھ میں وفات پائی لیکن اُن کو ضعفاء کے باب میں ذکر نہیں کیا حالانکہ امام بخاری جانتے تھے کہ شافعی نے بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں اور اگر وہ اس باب میں ضعیف ہوتے تو امام بخاری ضرور اُن کو ضعیف لکھتے۔ امام اوزاعی جو محدث اور مجتہد مستقل تھے اور بلاد شام میں اُن کا وہی عزاز و اعتبار تھا جو عرب و عراق میں امام مالک و شافعی کا، اُن کی نسبت کسی نے امام احمد حنبل سے رائے پوچھی۔ فرمایا کہ "حدیث ضعیف و رائے ضعیف [۵۲]" لطف یہ ہے کہ مجتہدین جس چیز پر فخر کر سکتے ہیں وہ دقت نظر قوت استنباط، استخراج مسائل۔ تفریع احکام ہے لیکن محدثین کے ایک گروہ کے نزدیک یہی باتیں عجب و نقص میں داخل ہیں علامہ ابوجعفر محمد بن جریر طبری۔ قاضی ابویوسف کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ "اہل حدیث میں سے ایک گروہ نے اُن کی روایت سے اس بنا پر احتراز کیا ہے کہ ان پر رائے غالب تھی اور فروع احکام کی تفریع کرتے تھے ان باتوں کے ساتھ بادشاہ کی صحبت میں رہتے تھے اور منصب قضا پر مامور تھے"۔ اگر فروع اور احکام کا استنباط بھی جرم ہے تو بے شبہ امام ابوحنیفہ قاضی ابویوسف [۵۳] سے زیادہ مجرم ہیں۔

البتہ یہ بات غور کے قابل ہے کہ امام ابوحنیفہ اور اُن کے اتباع کو کیوں اہل الرائے کہا جاتا تھا اس باب میں اکثر لوگوں نے غلطی کی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے شہرت عام کے مقابلہ میں تحقیق کی پروا نہ کی۔ اس بحث کے تصفیہ کیلئے سب سے پہلے یہ پتہ لگانا چاہیئے کہ یہ لقب کب ایجاد ہوا۔ اور کن لوگوں پر اطلاق کیا

۵۱ حافظ ابن حجر نے فتح الباری کے مقدمہ میں امام بخاری کا یہ قول نقل کیا ہے ۱۲

۵۲ مناقب الشافعی امام الرازی باب سابع ۱۲ ۵۳ تاریخ ابن خلکان ترجمہ فارسی ابویوسف ۱۲

گیا۔ جہانتک ہمکو علم ہے اس لقب کے ساتھ اول جسکو یہ امتیاز حاصل ہے وہ ربیعۃ الرائے ہیں جو امام مالک کے استاد اور شیخ الحدیث تھے۔ رائے کا لفظ اُنکے نام کا جزو بن گیا ہے اور تاریخ اور اسماء الرجال میں ہمیشہ اُن کا نام ربیعۃ الرائے لکھا جاتا ہے۔ یہ مشہور محدث اور فقیہ تھے اور بہت سے صحابہ سے ملے تھے علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اُنکا ذکر ان لفظوں سے کیا ہے "تمام اصحاب کتب (یعنی صحاح ستہ) نے اُن سے احتجاج کیا ہے عبدالعزیز ماجشون کا قول ہے کہ واللہ میں نے ربیع سے زیادہ کسی کو حافظ الحدیث نہیں دیکھا۔

اسی زمانہ میں اور اُسکے بعد اور لوگ بھی اس لقب سے پکارے گئے۔ محدث ابن قتیبہ نے کتاب المعارف میں اہل الرائے کی سرخی سے ایک باب باندھا ہے اور عنوان کے نیچے یہ نام لکھے ہیں "ابن ابی لیلی۔ ابوحنیفہ ربیعۃ الرائے۔ زفر۔ اوزاعی۔ سفیان ثوری۔ مالک بن انس۔ ابویوسف قاضی۔ محمد بن حسن" ابن قتیبہ نے ۲۷۶ھ میں وفات پائی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کم از کم تیسری صدی تک مذکورہ بالا لوگ اہل الرائے کے لقب سے مشہور تھے اگرچہ یہ سب لوگ درحقیقت (زفر کے سوا) محدث ہیں لیکن امام مالک سفیان ثوری امام اوزاعی کی شہرت تو محتاج بیان نہیں۔ اصل یہ ہے کہ جو لوگ علم حدیث کی درس تدریس میں مشغول تھے انمیں دو فرقے قائم ہو گئے تھے ایک وہ جنکا کام صرف حدیثوں و روایتوں کا جمع کرنا تھا وہ حدیث سے صرف من حیث الروایۃ بحث کرتے تھے یہانتک کہ اُنکو ناسخ و منسوخ سے بھی کچھ سروکار نہ تھا۔ دوسرا فرقہ حدیثوں کو استنباط احکام اور استخراج مسائل کے لحاظ سے دیکھتا تھا اور اگر کوئی نص صریح نہیں ملتی تھی تو قیاس سے کام لیتا تھا اگرچہ یہ دونوں حیثیتیں دونوں فریق میں کسی قدر مشترک تھیں لیکن وصف غالب کے لحاظ سے ایک دوسرے سے ممتاز تھا پہلا فرقہ اہل الروایۃ اور اہل حدیث اور دوسرا فرقہ مجتہد اور اہل الرائے کے نام سے پکارا جاتا تھا امام مالک سفیان ثوری۔ اوزاعی اسلئے اہل الرائے کہلائے کہ وہ محدث ہونے کے ساتھ مجتہد مستقل اور بانی مذہب تھے لیکن چونکہ ان لوگوں میں بھی معلومات حدیث اور قوت اجتہاد کے لحاظ سے اختلاف مراتب تھا۔ اسلیے اضافی طور پر کبھی کبھی اس فرقے میں سے ایک کو اہل الرائے اور دوسرے کو اہل حدیث کہتے تھے مثلاً امام مالک کی بہ نسبت امام ابوحنیفہ پر مجتہد اور اہل الرائے کا لقب زیادہ موزوں تھا امام احمد حنبل سے ایکبار نضر بن یحیی نے پوچھا کہ آپ لوگوں کو ابوحنیفہ پر کیا اعتراض ہے" انہوں نے جواب دیا کہ "رائے" نضر نے کہا کہ کیا امام مالک رائے پر نہیں عمل کرتے۔ امام احمد حنبل بولے کہ "ہاں لیکن ابوحنیفہ رائے کو زیادہ دخل دیتے ہیں نضر نے کہا تو حصہ رسدی کے موافق دونوں پر الزام آنا چاہیئے نہ صرف ایک پر امام احمد حنبل کچھ جواب نہ دے سکے اور چپ ہو گئے[۱]۔

امام ابوحنیفہ سے پہلے فقہ کوئی مستقل اور مرتب فن نہ تھا۔ امام صاحب نے اُسکی تدوین کی طرف توجہ

اہل الرائے کی تحقیق

جو لوگ اہل الرائے کے لقب سے مشہور تھے محدثین میں داخل تھے

امام صاحب کے زمانہ تک فقہ کی کوئی کتاب مشہور نہ تھی

[۱] عقود الجمان۔ خاتمہ فصل اول ۱۲

کی تو ہزاروں مسئلے ایسے پیش آئے جنمیں کوئی حدیث صحیح بلکہ صحابہ کا قول بھی موجود نہ تھا اسلئے انکو قیاس سے کام لینا پڑا قیاس ہرچند پہلے بھی شامل تھا خود صحابہ قیاس کرتے تھے اور اسکے مطابق فتوے دیتے تھے جس کا مفصل بیان ہم آگے کرینگے لیکن اس وقت تک تمدن کو چنداں وسعت حاصل نہ تھی اس لیئے نہ کثرت سے واقعات پیش آتے تھے نہ چنداں قیاس کی ضرورت پڑتی تھی امام صاحب نے فقہ کو مستقل فن بنانا چاہا قیاس کی کثرت استعمال کے ساتھ اسکے اصول و قواعد بھی مرتب کرنے پڑے اسباب سے انکو رائے اور قیاس کے انتساب سے زیادہ شہرت ہوئی چنانچہ تاریخوں میں جہاں انکا نام لکھا جاتا ہے امام اہل الرائے لکھا جاتا ہے۔

ایک اور وجہ

اس شہرت کی ایک اور وجہ ہوئی۔ عام محدثین۔ حدیث و روایت میں درایت سے بالکل کام نہیں لیتے تھے۔ امام ابو حنیفہ نے اس کی ابتدا کی اور اسکے اصول و قواعد منضبط کئے انہوں نے بہت سی حدیثیں اس بنا پر قبول نہ کیں کہ اصول درایت کے موافق ثابت نہ تھیں اسلئے اس لقب کو زیادہ شہرت ہوئی۔ کیونکہ درایت اور رائے مترادف سے الفاظ ہیں۔ اور کم از کم یہ کہ عام لوگ ان دونوں میں فرق کر سکتے تھے۔

امام ابو حنیفہ کا محدث و حافظ حدیث ہونا

ان عارضی بحثوں کے بعد ہم اصل مسئلہ پر متوجہ ہوتے ہیں۔ یعنی یہ کہ امام ابو حنیفہ کو فن حدیث میں کیا رتبہ حاصل تھا۔ اس بحث کے فیصلے کیلئے انکی علمی زندگی کے واقعات پر نظر ڈالنی چاہتے تو نہایت صحیح اور مستند روایتوں سے ثابت ہیں اس کتاب کے پہلے حصہ میں ہم امام ابو حنیفہ کی تحصیل حدیث کے حالات ان کتابوں کی سند سے لکھ آئے ہیں جن پر فن رجال کا دار و مدار ہے اب غور کرو کہ جس شخص نے بیس برس کی عمر سے جو فہم کی درستی اور پختگی کا زمانہ ہے علم حدیث پر توجہ کی ہو اور ایک مدت تک اس شغل میں مصروف رہا ہو جسنے کوفہ کے مشہور شیوخ حدیث سے حدیثیں سیکھی ہوں جو حرم محترم کی درسگاہوں میں برسوں تحصیل حدیث کرتا رہا ہو جسکو مدینہ منورہ کے شیوخ نے سند فضیلت دی ہو جسکے اساتذہ حدیث عطا بن ابی رباح۔ نافع بن عمر۔ عمرو بن دینار۔ محارب بن دثار۔ اعمش۔ سبیعی کوفی۔ امام باقر۔ علقمہ بن مرثد۔ مکحول شامی۔ امام اوزاعی۔ محمد بن مسلم الزہری۔ ابو اسحٰق السبیعی۔ سلیمان بن یسار۔ ربیعہ بن ہرمز الاعرج۔ منصور المعتمر۔ ہشام بن عروہ وغیرہ ہوں۔ جو فن روایت کے ارکان ہیں اور جنکی روایت سے بخاری و مسلم مالا مال ہیں وہ حدیث میں کس رتبہ کا شخص ہوگا۔

اسکے ساتھ امام صاحب کے شاگردوں پر لحاظ کرو۔ یحییٰ بن سعید القطان جو فن جرح و تعدیل کے امام ہیں عبد الرزاق بن ہمام جنکے جامع کبیر سے امام بخاری نے فائدہ اٹھایا ہے یزید بن ہارون جو امام احمد حنبل کے استاد تھے وکیع بن الجراح جنکی نسبت امام احمد حنبل کہا کرتے تھے کہ حفظ اسناد و روایت میں میں نے انکا ہمسر کسی کو نہیں دیکھا عبد اللہ بن مبارک جو فن حدیث میں امیر المومنین تسلیم کئے گئے ہیں یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ جنکو علی بن المدینی (استاد بخاری) منتہائے علم کہا کرتے تھے یہ لوگ بلا تامل امام صاحب کے شاگرد نہ تھے بلکہ برسوں ان کے

ان لوگوں کا تذکرہ اس کتاب کے خاتمہ میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ مذکور ہوگا

دامن فیض میں تعلیم پائی تھی اور اس انتساب پر انکو فخر و ناز تھا۔ عبداللہ بن المبارک کہا کرتے تھے کہ اگر خدا نے
بوحنیفہ و سفیان ثوری سے میری مدد نہ کی ہوتی تو میں ایک معمولی آدمی ہوتا۔ وکیع اور یحییٰ ابن ابی زائدہ
امام صاحب کی صحبت میں اتنی مدت تک رہے تھے کہ صاحب ابی حنیفہ کہلاتے تھے کیا اس رتبہ کے
لوگ جو خود حدیث و روایت کے پیشوا اور مقتدا تھے کسی معمولی شخص کے سامنے سر جھکا سکتے تھے۔

اجتہاد کی شرائط اور ابوحنیفہ کا مجتہد مطلق ہونا

ان باتوں کے علاوہ امام ابوحنیفہ کا مجتہد مطلق ہونا ایک ایسا مسلم مسئلہ ہے جس سے بارہ سو برس کی مدت
میں شاید ایک آدھ ہی شخص نے انکار کیا ہو۔ اجتہاد کی تعریف علمائے حدیث مثلاً بغوی رافعی علامہ نووی
وغیرہ نے ان لفظوں میں کی ہے۔ "مجتہد وہ شخص ہے جو قرآن۔ حدیث۔ مذاہب سلف۔ لغت۔ قیاس
ان پانچ چیزوں میں کافی دستگاہ رکھتا ہو۔ یعنی مسائل شرعیہ کے متعلق جس قدر قرآن میں آیتیں ہیں جو
حدیثیں رسول اللہ سے ثابت ہیں جس قدر علم لغت درکار ہے سلف کے جو اقوال ہیں۔ قیاس کے جو طریق ہیں
سب کل کے جانتا ہو۔ اگر ان میں سے کسی میں کمی ہے تو وہ مجتہد نہیں ہے اور اسکو تقلید کرنی چاہیئے[۱]"
اسی بنا پر علامہ ابن خلدون نے مفصل علوم الحدیث میں مجتہدین کا ذکر کر کے لکہا ہے کہ "بعض ناانصاف
متعصبین کا قول ہے کہ ان مجتہدوں میں سے بعض فن حدیث میں کم مایہ تھے اسلیئے ان کی روایتیں کم ہیں لیکن
یہ خیال غلط ہے۔ ائمہ کبار کی نسبت یہ گمان نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ شریعت قرآن و حدیث سے ماخوذ ہے جس
شخص حدیث میں کم مایہ ہے اسکو تلاش اور کوشش کرنی چاہیئے تاکہ دین کو اصول صحیحہ سے اخذ کر سکے" اسکے بعد
علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ فن حدیث میں امام ابوحنیفہ کا کبار مجتہدین میں ہونا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان
کا مذہب محدثین میں معتبر خیال کیا جاتا ہے اور رداً و قبولاً اس سے بحث کی جاتی ہے[۲] علامہ موصوف نے
کا سبب بھی بتایا ہے کہ امام ابوحنیفہ کی روایتیں کم کیوں ہیں ہم خود اسکو مفصل لکھیں گے۔

محدثین میں بھی اکثروں نے اسکا اعتراف کیا ہے۔ علامہ ذہبی نے جو زمانہ مابعد کے تمام محدثین کے
پیشوا اور امام ہیں۔ حفاظ حدیث کے حالات میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ "یہ ان لوگوں کا
تذکرہ ہے جو علم نبوی کے حامل ہیں اور جنکے اجتہاد پر توثیق اور تضعیف و تصحیح میں رجوع کیا جاتا ہے" علامہ
تمام کتاب میں اس اصول کو ملحوظ رکھا ہے اور کسی ایسے شخص کا حال نہیں لکھا جو علم حدیث کا بڑا ماہر نہ ہو چنانچہ
خارجہ بن زید بن ثابت کا ضمناً ایک موقع پر ذکر آگیا ہے تو لکھتے ہیں کہ میں نے انکو حفاظ حدیث میں

[۱] تہذیب التہذیب ترجمہ امام ابوحنیفہ ۱۲ [۲] عقد الجید شاہ ولی اللہ صاحب بحث حقیقت اجتہاد ۱۲ [۳] تعجب ہے کہ اس تقریر کے ہوتے ہوئے
بعض کوتاہ بینوں نے امام صاحب کی ناواقفیت حدیث پر ابن خلدون کے ایک ضمنی قول سے استدلال کیا ہے جسکو خود ابن خلدون نے
ان لفظوں سے بیان کیا ہے جو ضعف اور عدم وثوق پر دلالت کرتا ہے ۱۲

اسلیئے ذکر نہیں کیا کہ وہ قلیل الحدیث تھے امام ابو حنیفہ کے محدث ہونیکا اس سے زیادہ کیا ثبوت درکار ہے کہ علامہ ذہبی نے اس کتاب میں انکا ترجمہ لکھا ہے اور اُن کو حفاظ حدیث شمار کیا ہے۔

حافظ ابو المحاسن دمشقی شافعی نے عقود الجمان میں ایک خاص باب باندھا ہے جسکے یہ الفاظ ہیں الباب

یعنی تیئسواں باب اسکا

بیان ہیں کہ وہ (امام ابو حنیفہ) کثیر الحدیث اور اعیان الحفاظ سے تھے قاضی ابو یوسف صاحب جنکو یحیی بن معین صاحب الحدیث کہتے تھے۔ اور علامہ ذہبی نے انکو حفاظ حدیث میں محسوب کیا ہے انکا بیان ہے کہ ہم لوگ امام ابو حنیفہ سے مسائل میں بحث کرتے ہوتے تھے جب انکی رائے قائم ہوجاتی تھی تو میں حلقہ درس سے اُٹھکر کوفہ کے محدثین کے پاس جاتا تھا اور اُنسے مسئلہ کے متعلق حدیثیں دریافت کرکے امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ امام صاحب ان حدیثوں میں سے بعض کو قبول کرتے تھے بعض کو نہ مانتے تھے کہ صحیح نہیں میں پوچھتا ہوں کہ آپکو کیونکر معلوم ہوا۔ فرماتے کہ کوفہ میں جو علم ہے میں اسکا عالم ہوں۔

یہ تمام باتیں اس بات کی شاہد ہیں کہ علم حدیث میں امام ابو حنیفہ کا کیا پایہ تھا لیکن حقیقت یہ ہو کہ ان لوگوں نے امام ابو حنیفہ کو امام ابو حنیفہ نہیں بنایا۔ اگر وہ حافظ الحدیث تھے تو اور لوگ بھی تھے اگر انکے شیوخ حدیث کئی سو تھے تو ائمہ سلف کے شیوخ کئی کئی ہزار تھے اگر انھوں نے کوفہ و حرمین کی درسگاہوں میں تعلیم پائی تھی تو اوروں نے بھی یہ شرف حاصل کیا تھا امام ابو حنیفہ کو جس بات نے تمام معصروں میں امتیاز دیا وہ اور چیز ہے جو ان سب باتوں سے بالاتر ہے یعنی احادیث کی تنقید اور بلحاظ ثبوت احکام انکے مراتب کی تفریق۔ امام ابو حنیفہ کے بعد علم کو بہت ترقی ہوئی غیر مرتب اور پریشان حدیثیں یکجا کی گئیں صحاح کا التزام کیا گیا اصول حدیث کا مستقل فن قائم ہو گیا جسکے متعلق سیکڑوں بیش بہا کتابیں تصنیف ہوئیں بلہ اسقدر ترقی کر گیا ہے کہ باریک بینی اور موشگافی کی کوئی حد نہیں رہی تجربہ اور وقت نظر نے سیکڑوں نئے نکتے ایجاد کئے لیکن تنقید احادیث اصول درایت اور امتیاز مراتب میں امام ابو حنیفہ کی تحقیق کی جو حد ہے آج بھی ترقی کا قدم اس سے آگے نہیں بڑھتا اس اجمال کی تفصیل اُسوقت سمجھ میں آسکتی ہے کہ فن حدیث کی آغاز اور طرز ترقی کا اجمالی نقشہ کھینچا جائے جس سے ظاہر ہو کہ روایتوں کا سلسلہ کیونکر پیدا ہوا اور کس کس دور میں اسکی کیا کیا حالتیں بدلیں اسی سے اس بات کا اندازہ ہو سکے گا کہ احادیث کی تنقید میں اجتہاد و رائے کا کس قدر کام ہے اور امام ابو حنیفہ کو اس لحاظ سے اپنے تمام ہمعصروں میں کیا خاص امتیاز حاصل ہے۔

اسناد و روایت کا سلسلہ اگرچہ رسول اللہ کے عہد مبارک ہی میں شروع ہو چکا تھا لیکن اُسوقت تک جس قدر تھا نہایت سادہ اور قدرتی صورت میں تھا۔ آغاز نبوت سے تیرہ برس کا زمانہ تو ایسا پُر آشوب

زمانہ تھا کہ صحابہ کو اپنی جان کی پڑی تھی اسناد و روایت کا کہاں موقع تھا اسی ضرورت سے احکام و فرائض بھی کم تھے یعنی نماز کے سوا اور کچھ فرض نہ ہوا تھا۔ کیونکہ اس زحمت میں اور فرائض کی تکلیف تکلیف مالایطاق ہو تی۔ نمازیں بھی مختصر تھیں یعنی ظہر عشا سب میں صرف دو دو رکعتیں فرض تھیں۔ جمعہ و عیدین سے ت مامور بہ نہ تھے ۲ھ میں یعنی نبوت سے تیرہویں برس روزے فرض ہوئے زکوٰۃ کی نسبت اختلاف ہے علامہ ابن اثیر نے لکھا ہے کہ ۹ھ میں فرض ہوئی حج کا حکم بھی اسی سنہ میں ہوا غرض آغاز نبوت سے ایک مدت تک نماز کے سوا اور احکام صادر ہوئے تھے نہ اُنکے متعلق حدیثیں اور روایتیں پیدا ہوئی تھیں صحابہ مسائل و احکام کے متعلق زیادہ پرسش و جستجو نہیں کرتے تھے خود قرآن میں حکم آچکا تھا

عبداللہ بن عباس فرمایا کرتے تھے کہ میں نے رسول اللہ کے اصحاب سے کسی قوم کو بہتر نہیں دیکھا تمام زمانہ نبوت میں صرف تیرہ مسئلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھے جو سب قرآن میں مذکور ہیں[۱] اور صحابہ سے بھی اسی قسم کے اقوال منقول ہیں جو احکام اور واقعات پیش آتے تھے انہیں بھی روایت کا سلسلہ کم جاری ہوا تھا صحابہ خود رسول اللہ سے پوچھ لیا کرتے تھے اور واسطہ و روایت کی کم ضرورت پڑتی تھی حدیثوں کے قلم بند کرنے کی اجازت نہ تھی صحیح مسلم میں روایت ہے کہ رسول

بعد حضرت ابوبکر کی خلافت شروع ہوئی ابتدا ہی میں عرب کی بغاوت عام کا مقابلہ کرنا پڑا اس سے فارغ ہو کر روم و ایران کی مہمیں شروع ہو گئیں اور اُنکی مختصر خلافت میں حدیثوں کی چنداں اشاعت نہ ہو سکی۔ حضرت عمر نے سات برس خلافت کی اور ملک میں نہایت امن و امان رہا لیکن وہ دانستہ حدیثوں کی کثرت کو روکتے رہے علامہ ذہبی نے طبقات الحفاظ میں لکھا ہے کہ حضرت عمر اس خوف سے کہ حدیث بیان کرنے والا رسول اللہ کی طرف غلط روایت منسوب نہ کر دے۔ صحابہ کو ہمیشہ حکم دیتے تھے کہ حدیثیں کم بیان کیا کریں[۲] ایک بار انصار کے ایک گروہ کو کوفہ بھیجا چلتے وقت اُنسے فرمایا کہ تم لوگ کوفہ جا رہے ہو۔ وہاں ایک قوم سے ملو گے جو بڑی رقت سے قرآن تلاوت کرتے ہیں۔ وہ تمہاری آمد سنکر مشتاق ہونگے کہ رسول اللہ کے اصحاب آئے ہیں لیکن جب وہ تمہارے پاس آئیں اور حدیثیں سننی چاہیں تو زیادہ حدیثیں بیان نہ کرنا[۳] اسی طرح عراق کو صحابہ جانے لگے تو حضرت عمر نے خود اُنکی مشایعت کی اور اُن سے پوچھا کہ جانتے ہو میں کیوں تمہارے ساتھ آیا ہوں لوگوں نے کہا تکرمۃ علینا یعنی ہماری عزت افزائی کیلئے فرمایا کہ ہاں لیکن ایک اور مقصد ہے وہ یہ کہ جہاں جا رہے ہو وہاں لوگ اکثر قرآن کی تلاوت کیا کرتے ہیں اُنکو حدیثوں میں نہ پھنسا لینا اور رسول اللہ سے کم روایت کرنا چنانچہ جب لوگ قرظہ پہنچے تو لوگ یہ سنکر کہ صحابہ تشریف لائے ہیں زیارت کو آئے اور حدیثوں کی خواہش ظاہر کی ان لوگوں نے

[۱] مسند دارمی ۱۲ [۲] طبقات الحفاظ ترجمہ حضرت عمر ۱۲ [۳] مسند دارمی ۱۲

اس بنا پر انکار کیا کہ حضرت عمرؓ نے منع کیا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے ابو سلمہ نے پوچھا کہ آپ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بھی اسی طرح حدیثیں روایت کیا کرتے تھے، بولے کہ نہیں ورنہ عمرؓ درّے مارتے۔[۱]

حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ کی مجموعی خلافت بیس اکیس برس . . . رہی اس میں احادیث کی زیادہ اشاعت ہوئی صحابہ دور دور پھیل گئے تھے ضرورتیں بڑھتی جاتی تھیں نئے نئے مسئلے پیش آتے تھے ان سب نے حدیث اور روایت کے سلسلے کو بہت وسعت دی۔ حضرت عثمانؓ کے اخیر زمانہ میں بغاوت ہوئی جس کا خاتمہ خلیفۂ وقت کی شہادت پر ہوا اور یہ پہلا موقع تھا کہ جماعت اسلام میں فرقہ بندیاں قائم ہوئیں۔ حضرت علیؓ کی خلافت شروع ہی سے پُر آشوب رہی ان اختلافات اور فتن کے ساتھ وضع احادیث کی ابتدا ہوئی اور اگرچہ کثرت اور انتشار زیادہ تر زمانۂ مابعد میں ہوا لیکن خود صحابہ کے عہد میں اہل بدعت نے سیکڑوں ہزاروں حدیثیں ایجاد کر لی تھیں۔ مقدمہ صحیح مسلم میں ہے کہ ایک بار بشیر عدوی حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے پاس آیا اور حدیث بیان کرنی شروع کی انہوں نے کچھ خیال نہ کیا۔ بشیر نے کہا ابن عباس! میں رسول اللہ سے روایت کر رہا ہوں اور تم متوجہ نہیں ہوتے۔ بولے کہ ایک زمانہ میں ہمارا یہ حال تھا کہ کسی کو قال رسول اللہ کہتے سنتے تھے تو فوراً ہماری نگاہیں اٹھ جاتی تھیں اور کان لگا کر سنتے تھے لیکن جب سے لوگوں نے نیک و بد میں تمیز نہیں رکھی ہم صرف ان حدیثوں کو سنتے ہیں جن کو ہم خود بھی جانتے ہیں۔

زبانی روایت سے گزر کر تحریروں میں بھی جعل شروع ہو گیا تھا۔ مسلم نے روایت کی ہے کہ ایک صحیفہ عبد اللہ بن عباسؓ حضرت علیؓ کے ایک فیصلہ کی نقل لے رہے تھے بیچ بیچ تمام الفاظ چھوڑتے جاتے تھے اور کہتے تھے کہ واللہ علیؓ نے ہرگز یہ فیصلہ نہیں کیا ہوگا۔ اسی طرح ایک نسخہ عبد اللہ بن عباسؓ نے حضرت علیؓ کی ایک تحریر دیکھی تو تھوڑے سے الفاظ کے سوا باقی سب عبارت مٹا دی۔

لوگوں کو وضع حدیث کی زیادہ جرأت اس وجہ سے ہوتی تھی کہ اس وقت تک اسناد و روایت کا طریقہ جاری نہیں ہوا تھا جو شخص چاہتا تھا قال رسول اللہ کہہ دیتا تھا اور اثبات سند کے مواخذہ سے بری رہتا تھا۔ ترمذی کتاب العلل میں امام ابن سیرین سے روایت کی ہے کہ پہلے زمانہ میں لوگ اسناد نہیں پوچھا کرتے تھے جب فتنہ پیدا ہوا تو اسناد کی پوچھ گچھ ہونے لگی تاکہ اہل سنت کی حدیثیں لی جائیں اور اہل بدعت کی ترک کی جائیں لیکن حدیث کی بے اعتباری اہل بدعت پر موقوف نہ تھی اس لئے یہ احتیاط چنداں مفید نہ ہوئی اور غلطیوں کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

بنو امیہ کا دور شروع ہوا اور پہلے سے زور شور سے حدیث نے ترویج پائی۔ صحابہ کی تعداد جس قدر کم ہوتی جاتی تھی اسی قدر اس کی قدر اور اس کی طرف التفات بڑھتا جاتا تھا۔ تمدن میں بہت کچھ ترقی ہو گئی تھی نئی نئی قومیں مسلمان ہوتی جاتی تھیں۔ ان نومسلموں کو اِدھر تو اسلام کا نیا نیا جوش تھا اُدھر قوم فاتح کے مجمع میں عزت و اثر پیدا

۱؎ طبقات الحفاظ ترجمہ عمر فاروقؓ ۔ ۲؎ طبقات الحفاظ ترجمہ عمر فاروقؓ ۔

کرنیکی اس سے بڑھکر کوئی تدبیر نہ تھی ان باتوں نے انکو معلومات مذہبی کا اسقدر شائق بنا دیا تھا کہ خود عرب انکی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتے تھے غرض تمام ممالک اسلامیہ میں گھر گھر حدیث و روایت کے چرچے پھیل گئے اور سیکڑوں ہزاروں درسگاہیں قائم ہوگئیں لیکن جسقدر اشاعت کو وسعت حاصل ہوتی جاتی تھی اعتماد اور صحت کا معیار کم ہوتا جاتا تھا ارباب روایت کا دائرہ اس قدر وسیع تھا کہ اُس میں مختلف خیال مختلف عادات مختلف عقائد مختلف قوم کے لوگ شامل تھے۔ اہل بدعت جا بجا پھیل گئے تھے اور اپنے مسائل کی ترویج میں مصروف تھے سب سے زیادہ یہ کہ پوری ایک صدی گزر جانے پر بھی کتاب کا طریقہ مروج نہیں ہوا تھا ان اسباب سے روایتوں میں اسقدر بے احتیاطیاں ہوئیں کہ موضوعات اور اغالیط کا ایک دفتر بے پایاں تیار ہو گیا یہانتک کہ امام بخاری نے اپنے زمانہ میں صحیح حدیثوں کو جدا کرنا چاہا تو کئی لاکھ میں سے انتخاب کر کے جامع صحیح لکھی جس میں کل ۷۳۹۷ حدیثیں ہیں اسمیں بھی اگر مکررات نکال ڈالی جائیں تو صرف ۲۷۶۱ حدیثیں باقی رہتی ہیں۔ سیکڑوں ہزاروں بلکہ لاکھوں حدیثیں دانستہ لوگوں نے وضع کرلیں حماد بن زید کا بیان ہے کہ چودہ ہزار حدیثیں صرف ایک فرقہ زنادقہ نے وضع کرلیں عبدالکریم وضاع نے خود تسلیم کیا تھا کہ چار ہزار حدیثیں اسکی موضوعات سے ہیں بہت سے ثقات اور پارسا تھے جو نیک نیتی سے فضائل اور ترغیب میں حدیثیں وضع کرتے تھے حافظ زین الدین عراقی لکھتے ہیں کہ ان حدیثوں سے بہت ضرر پہنچا کیونکہ ان واضعین کی ثقہ اور تورع و زہد کی وجہ سے یہ حدیثیں اکثر مقبول ہوگئیں اور رواج پاگئیں۔

زنادقہ نے چودہ ہزار حدیثیں وضع کیں ایک شخص نے چار ہزار حدیثیں وضع کیں

وضع کے بعد مساہلات غلط فہمیاں بے احتیاطیاں کا درجہ تھا جنکی وجہ سے ہزاروں اقوال رسول اللہ کی طرف بے قصد منسوب ہوگئے۔ بعض محدثین کا قاعدہ تھا کہ حدیث کے ساتھ حدیث کی تفسیر بھی بیان کرتے جاتے تھے اور اکثر حروف تفسیر حذف کر دیتے تھے جس سے سامعین کو دھوکا ہوتا تھا اور وہ انکے تفسیری جملوں کو بھی حدیث مرفوع سمجھ لیتے تھے تعجب یہ ہے کہ اس قسم کے مسامحات بڑے بڑے ائمہ فن سے صادر ہوئے امام زہری جو امام مالک کے استاد اور حدیث کے ایک بڑے رکن تھے انکی نسبت علامہ سخاوی لکھتے ہیں

یعنی اسی طرح زہری اکثر حدیث کی تفسیر کرتے تھے اور وہ حروف جنسے اس عبارت کا تفسیر ہونا ظاہر ہو چھوڑ دیا کرتے تھے، وکیع کا بھی یہی حال تھا۔ وہ اکثر حدیث کے بیچ بیچ میں "یعنی" بولکر مطلب بیان کرتے جاتے تھے۔ اور اکثر "یعنی" کا لفظ چھوڑ دیتے تھے جس سے سامعین کو اشتباہ ہوتا تھا کتب رجال و اصول حدیث میں اس قسم کی اور بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔

بڑی آفت تدلیس کی تھی جسکا ارتکاب بڑے بڑے ائمہ فن کرتے تھے اس تدلیس نے اسناد کے اتصال کو بالکل مشتبہ کر دیا تھا انکے سوا اور بہت سی بے احتیاطیاں تھیں جنکی تفصیل حدیث کی کتابوں میں مل سکتی ہے غرض امام ابو حنیفہ کے زمانہ میں احادیث کا جو دفتر تیار ہو چکا تھا ہزاروں موضوعات اغالیط ضعاف

بدعات سے بھرا ہوا تھا۔ اُسوقت امام بخاری و مسلم نہ تھے۔ جو صحیح حدیثوں کے انتخاب کی کوشش کرتے امام ابو حنیفہ۔ گو مہمات فقہ کی وجہ سے اسطرف متوجہ نہو سکے تاہم اُنہوں نے روایتوں کی تنقید کی بنیا وڈالی اور اسکے ضوابط قرار دیئے۔ اُنکے اصول تنقید نہایت سخت خیال کئے گئے ہیں یہانتک کہ محدثین نے اُنکو متشدد فی الروایۃ کا لقب دیا ہے تمام اور محدثین کی بہ نسبت امام صاحب کے قلیل الروایۃ ہونیکی ایک یہ بھی وجہ ہے بلکہ تمام اور وجوہ کی بہ نسبت بہ زیادہ قوی سبب ہے علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں

یعنی امام ابو حنیفہ کی روایتیں اسلئے کم ہیں کہ آنہوں نے روایت اور تحمل کی شروط میں سختی کی۔ حدیث کے متعلق پہلا اجمالی خیال جو امام صاحب کے دل میں پیدا ہوا تھا کہ بہت کم حدیثیں ہیں جو صحیح ہیں یا یہ کہ بہت کم حدیثیں ہیں جنکی صحت کا کافی ثبوت موجود ہے یہ عمدا اگرچہ جدت کیوجہ سے کسی قدر نامانوس صدا تھی اور اسی وجہ سے بعض بعض ارباب حدیث نے نہایت سخت مخالفت کی لیکن امام صاحب اس خیال پر مجبور بلکہ معذور تھے۔ اُنہوں نے یہ رائے مقلدانہ نہیں قائم کی تھی وہ اپنے زمانہ کے اکثر شیوخ سے ملے تھے اور اُن کے سرمایہ حدیث سے متمتع ہوئے تھے حرمین کی بڑی بڑی درسگاہوں میں تعلیم پائی تھی کوفہ بصرہ حرمین میں ارباب روایت کا جو گروہ موجود تھا بر سوں کے تجربے سے اُنکے ذاتی اوصاف اخلاق و عادات پر اطلاع حاصل کی تھی غرض اس مسئلہ کے متعلق اثباتاً یا نفیاً مجتہدانہ رائے قائم کرنیکے لئے جو شرطیں درکار تھیں سب اُن میں موجود تھیں اس خیال کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ یہ مسئلہ کسی نہ کسی پیرایہ میں اُنکے خاندان تعلیم میں وراثتاً چلا آتا تھا حدیث و فقہ میں اُنکے خاندان تعلیم کے مورث اول عبداللہ بن مسعود ہیں اور مذہب حنفی کی بنیاد زیادہ تر اُنہیں کی روایات و استنباطات پر ہے عبداللہ بن مسعود اگرچہ بہت ہی بڑے محدث تھے لیکن اور محدثین صحابہ کی نسبت قلیل الروایۃ تھے جسکی وجہ یہ تھی کہ وہ متشدد اور محتاط تھے۔ علامہ ذہبی اُنکے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ

یعنے عبداللہ ابن مسعود ادا میں تحری اور روایت میں تشدد کرتے تھے۔ اور حدیث کی کم روایت کرتے تھے ابراہیم نخعی جو عبداللہ بن مسعود کے بہ یک واسطہ شاگرد اور امام ابو حنیفہ کے بہ یک واسطہ استاد تھے اُنکا بھی یہی مذہب تھا اور اسی وجہ سے وہ صیرفی الحدیث کہلاتے تھے۔ امام ابو حنیفہ نے گو اور بہت سی درسگاہوں میں تعلیم پائی تھی لیکن اُنکی معلومات اور خیالات کا اصلی مرکز یہی خاندان تھا یہی خاندانی اثر تھا جسنے اُنکے دل میں یہ خیال پیدا کیا اور اسکو اُنکے ذاتی تجربہ اور دقت نظر نے اور بھی قوت دی۔

امام صاحب کے اس خیال نے اگرچہ قبول عام کی سند حاصل نہیں کی تاہم وہ بالکل بے اثر نہیں رہا امام مالک و امام شافعی جو اجتہاد میں امام ابو حنیفہ سے متاخر ہیں اُنکے اصول اجتہاد میں اس خیال کا صاف

صاحب ... بہ ... تھا ... ہیں ... ہیں

اس خیال کا ایک بڑا سبب

امام مالک و ابو حنیفہ شروط ... باہم ...

پھر تو پایا جاتا ہے۔ امام مالک نے روایت کے متعلق جو قیداور شرطیں لگائی ہیں امام ابوحنیفہ کے شرائط کے قریب قریب ہیں اور یہی وجہ ہے کہ مشددین فی الروایۃ میں امام ابوحنیفہ و امام مالک کا نام ساتھ ساتھ لیا جاتا ہے ابن الصلاح۔ مقدمہ میں لکھتے ہیں۔ ومن مذاہب التشدید مذہب من قال لا حجۃ الا فیما رواہ الراوی من حفظہ وتذکرہ وذالک مروی عن مالک وابی حنیفہ۔ یعنی مشددین کا یہ مذہب ہے کہ صرف وہ حدیث قابل حجت ہے جس کو راوی نے اپنی حفظ سے یاد رکھا ہو اور یہ قول مالک و ابوحنیفہ سے منقول ہے" محدثین نے یہ لکھا ہے کہ امام مالک نے اول جب موطا لکھی تو اس میں دس ہزار حدیثیں تھیں پھر امام مالک زیادہ تحقیق کرتے گئے تو یہ تعداد کم ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ چھ سات سو رہ گئیں

امام شافعی نے صاف لفظوں میں امام ابوحنیفہ کے خیالات ظاہر کئے ہیں۔ امام بیہقی نے روایت کی ہے کہ ایک دن ہرم قرشی نے امام شافعی سے کہا کہ آپ وہ حدیثیں لکھوائیے جو رسول اللہ سے ثابت ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ وہ ارباب معرفت کے نزدیک صحیح حدیثیں کم ہیں۔ کیونکہ ابوبکر صدیق نے جو حدیثیں رسول اللہ سے روایت کیں اُنکی تعداد سترہ سے زیادہ نہیں ہے۔ عمر بن الخطابؓ باوجود اس کے کہ رسول اللہؐ کے بعد مدت تک زندہ رہے اُن کی روایت سے پچاس حدیثیں بھی ثابت نہیں۔ حضرت عثمانؓ کا بھی یہی حال ہے۔ حضرت علیؓ اگرچہ لوگوں کو حدیث سیکھنے کی ترغیب دلاتے تھے لیکن ان سے بھی کم حدیثیں مروی ہیں کیونکہ وہ مطمئن نہیں ہوتے تھے جو حدیثیں مروی ہیں اکثر حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت کی ہیں۔ ان لوگوں کے سوا اور صحابہ سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں لیکن اہل معرفت کے نزدیک تمام روایتیں صحیح سند سے ثابت نہیں[1]" ان باتوں سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ امام ابوحنیفہ معتزلیوں کی طرح احادیث کے منکر تھے یا صرف دس بیس حدیثوں کو تسلیم کرتے تھے اُنکے شاگردوں نے خود اُن سے سیکڑوں حدیثیں روایت کی ہیں موطا امام محمد۔ کتاب الآثار کتاب الحجج جو عام طور پر متداول ہیں انہیں میں امام صاحب کی سیکڑوں حدیثیں مروی ہیں۔ البتہ اوروں کی نسبت اُنکی احادیث مسلسل کی تعداد کم ہے اور اسکی وجہ یہی شروط روایت کی سختی ہے۔ امام صاحب نے روایت کے متعلق جو شرطیں اختیار کیں کچھ تو وہی ہیں جو اور محدثین کے نزدیک مسلم ہیں کچھ ایسی ہیں جنمیں وہ منفرد ہیں یا صرف امام مالک اور بعض اور مجتہدین اسکے ہمزبان ہیں انمیں سے ایک یہ مسئلہ ہے کہ صرف وہ حدیث حدیث حجت ہے جسکو راوی نے اپنے کانوں سے سنا ہو اور روایت کے وقت تک یاد رکھا ہو" یہ قاعدہ بظاہر نہایت صاف ہے جس سے کسی کو انکار نہیں ہوسکتا لیکن اسکی تفریعیں نہایت وسیع اثر رکھتی ہیں اور عام محدثین کو اُن سے تعلق نہیں ہے محدثین کے نزدیک ان پابندیوں سے روایت کا دائرہ تنگ ہوجاتا ہے اور اس کے ہم کو بھی انکار نہیں لیکن ان کا فیصلہ ناظرین خود کرسکتے ہیں کہ احتیاط مقدم ہے۔ یا روایت کی وسعت ہم بعض تفریعات کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ ذکر کرتے ہیں جس سے

امام شافعیؒ کے قول کے مطابق صحیح حدیثیں بہت کم

امام صاحب نے روایت کیلئے کیا شرطیں مقرر کیں

[1] مناقب الشافعی امام رازی فصل ثامن شرح مذہب شافعی ۱۲

ظاہر ہوگا کہ امام ابوحنیفہ کو کس خیال نے اس قسم کی سختیوں پر مجبور کیا تھا۔

اکثر شیوخ کا حلقۂ درس نہایت وسیع ہوتا تھا یہاں تک کہ ایک ایک مجلس میں دس دس ہزار سامعین جمع ہوتے تھے۔ اس وقت متعدد مستملی یعنے نائب جابجا بٹھائے جاتے تھے کہ شیخ کے الفاظ کو دور والوں تک پہنچائیں۔ بہت سے ایسے لوگ ہوتے تھے جن کے کانوں میں شیخ کا ایک لفظ بھی نہیں پہنچتا تھا وہ صرف مستملی کے الفاظ سنکر حدیث روایت کرتے تھے۔ اب بحث یہ پیدا ہوتی ہے کہ جس شخص نے صرف مستملی سے سنا وہ اصل شیخ کی نسبت حدثنا کہہ سکتا ہے یا نہیں۔ اکثر ارباب روایت کا مذہب یہ ہے کہ کہہ سکتا ہے۔ امام ابوحنیفہ اس کے خلاف ہیں ائمہ محدثین میں سے حافظ ابونعیم فضل بن وکیع۔ زائدہ بن قدامہ۔ امام صاحب کے ہمزبان ہیں حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ مقتضائے عقل یہی (امام ابوحنیفہ کا) مذہب ہے لیکن عام مذہب میں آسانی ہے۔[1]

امام ابوحنیفہ کو اس احتیاط پر جس چیز نے مجبور کیا تھا وہ یہ تھی کہ ان کے زمانہ تک روایت بالمعنی کا طریقہ نہایت عام تھا اور بہت کم لوگ تھے جو الفاظ حدیث کی پابندی کرتے تھے اسلئے روایات میں تغیر و تبدل کا احتمال ہر واسطہ میں بڑھتا جاتا تھا کما لم ہے کہ ہر روایت پہلے واسطے میں جس قدر قوی ہوتی تھی دوسرے واسطے میں آ سکا وہ پایہ مشکل قائم رہ سکتا تھا۔ بے شبہ مستملی کے مقرر کرنیکا طریقہ قائم رکھنا ضرور تھا کیونکہ اکثر موقعوں پر بغیر مستملی کے کام نہیں چلسکتا تھا لیکن نا انصافی تھی کہ جس شخص نے بلا واسطہ شیخ سے سنا ہو اور جس نے مستملی سے روایت کی ہو دونوں کا ایک ہی درجہ قرار دیا جاتا۔ مستملی کبھی کبھی نہایت غافل اور بے سمجھ ہوتے تھے اس لئے غلطیوں کا احتمال اور بھی قوی ہو جاتا تھا۔ اسیطرح بلکہ اس سے زیادہ غیر محتاط طریقہ یہ تھا کہ اخبرنا و حدثنا کو بعض بعض محدثین نہایت عام معنوں میں استعمال کرتے تھے امام حسن بصری نے متعدد روایتوں میں کہا ہے حدثنا ابوہریرہ حالانکہ وہ ابوہریرہ سے کبھی نہیں ملے تھے انہوں نے اسکی یہ تاویل کی تھی کہ ابوہریرہ نے جب وہ حدیث بیان کی تھی تو اس شہر میں ہم موجود تھے۔ اسی طرح اور شیوخ صحابہ کی نسبت حدثنا کا لفظ استعمال کرتے تھے اور معنی یہ لیتے تھے کہ ان کے شہر والوں نے ان شیوخ سے سنا تھا۔ محدث بزار نے لکھا ہے کہ حسن بصری نے ان لوگوں سے روایت کی ہے جن سے وہ کبھی نہیں ملے۔ اور تاویل یہ کرتے تھے کہ ان کی قوم نے وہ حدیث ان لوگوں سے سنی تھی۔ یہ امر علاوہ اس کے کہ ایک قسم کی غلط بیانی تھی۔ حدیث کی اسناد کو مشتبہ کر دیتا تھا کیونکہ راوی نے جب خود شیخ سے حدیث نہیں سنی تو بیچ میں کوئی واسطہ ہوگا۔ اور چونکہ راوی نے اس کا نام نہیں بتلایا اس لئے اس کے ثقہ و غیر ثقہ ہونیکا حال نہیں معلوم ہو سکتا۔ صرف حسن ظن پر مدار رہ گیا کہ ایسے شخص نے جس سے سنا ہوگا وہ ضرور قابل استناد ہوگا۔ امام ابوحنیفہ نے اس طریقہ کو ناجائز قرار دیا۔ اور پیچھے بعد ائمہ حدیث نے بھی انکی متابعت کی۔ ارباب روایت کا ایک یہ طریقہ تھا کہ جب کسی شخص سے کچھ حدیثیں سنیں اور قلمبند کرلیں تو ان اجزا

[1] فتح المغیث صـ۱۶۱ ۱۲۔

سے روایت کرتی ہمیشہ جائز سمجھتے تھے۔ اس کو اسقدر وسعت دی گئی کہ گو راوی کو اُن حدیثوں کے الفاظ و معانی کچھ یاد نہ رہے ہوں تاہم اس بناء پر کہ اجزاء اُس کے پاس موجود ہیں اُن کی روایت کر سکتا ہے۔ امام ابو حنیفہ نے اس طریقہ کو قائم رکھا لیکن یہ قید لگائی کہ حدیث کے مطالب محفوظ ہونے چاہئیں ورنہ روایت جائز نہیں یہ مسئلہ بھی اگرچہ عام طور پر نہیں تسلیم کیا گیا تاہم جیسا کہ محدث سخاوی نے تصریح کی ہے امام مالک اور بہت سے ائمہ فن نے اُس کی موافقت کی۔ امام بخاری و مسلم وغیرہ کے زمانہ میں اس قید کی چنداں ضرورت نہیں رہی تھی کیونکہ اُس وقت روایت باللفظ کا عام رواج ہو چکا تھا لیکن امام ابوحنیفہ کے عہد تک حدیثیں زیادہ تر بالمعنی روایت کی جاتی تھیں۔ اسلئے اگر راوی کو الفاظ حدیث موقع حدیث۔ شان نزول وغیرہ یاد نہیں ہوتے تھے تو روایت کا بعینہٖ ادا کرنا قریباً ناممکن ہوتا تھا۔ اسی ضرورت سے امام ابوحنیفہ نے اس طریقہ کو محدود کر دیا اور انصاف یہ ہے کہ ایسا کرنا ضروری تھا۔

اجزاء سے روایت

سب سے زیادہ مہتم بالشان اور قابل بحث مسئلہ یہ ہے کہ روایت بالمعنی جائز ہے یا نہیں۔ یا یہ کہ ایسی روایت قطعاً قابل حجت ہے یا نہیں۔ یہ مسئلہ ہمیشہ مختلف فیہ رہا ہے اور اب بھی ہے امام شافعی نے روایت کی ہے کہ بعض تابعین نے ایک حدیث متعدد صحابہ سے سنی جبکہ سب نے مختلف لفظوں میں بیان کیا لیکن مطلب ایک تھا۔ انہوں نے کسی صحابہ سے یہ حقیقت بیان کی صحابی نے جواب دیا کہ جب معنی مختلف نہیں تو کچھ مضائقہ نہیں۔" اگر امام شافعی نے تابعی کا نام نہ بتایا جس سے روایت کی قوت اور ضعف کا اندازہ ہو سکتا تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ بعض صحابہ روایت بالمعنی جائز سمجھتے تھے اور اُس پر عمل کرتے بخلاف اس کے بعض صحابہ مثلاً عبداللہ بن مسعود کو روایت باللفظ پر اصرار تھا علامہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں اُن کے حالات کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ وہ روایت میں سختی کرتے تھے اور اپنے شاگردوں کو زجر کرتے تھے کہ الفاظ کے ضبط میں بے پروائی کریں"

روایت بالمعنیٰ

عبداللہ بن مسعود جب کبھی بالمعنی روایت کرتے تھے تو ساتھ ہی یہ الفاظ استعمال کرتے تھے اومثلہ او نحوہ او شبیہ اما فوق ذالک واما دون ذالک واما قریبا من ذالک یعنے رسول اللہ نے اس طرح فرمایا تھا یا اس کے مثل یا اس کے مشابہ یا اس سے کچھ زیادہ یا کم یا اس کے قریب فرمایا تھا۔ ابو درداء کا بھی یہی حال تھا وہ حدیث بیان کر کے کہا کرتے تھے ہذا ونحو ہذا وشکلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو لوگوں کو روایت سے منع کیا کرتے تھے اُنکا بھی غالباً یہی منشاء تھا وہ جانتے تھے کہ الفاظ کم یاد رہ سکتے ہیں اور معنی کی عام اجازت میں تغیر و تبدل کا احتمال بڑھتا جاتا ہے صحابہ کے دور کے بعد بھی یہ مسئلہ یکسو نہ ہوا تابعین کے دو گروہ تھے اور خود امام ابوحنیفہ کے استاد الاستاد روایت بالمعنی کے قائل تھے۔ آگے چلکر تو گویا اس پر اتفاق عام ہو گیا کہ روایت بالمعنی جائز ہے چنانچہ

اصول حدیث کی کتابوں میں جمہور کا یہی مذہب بیان کیا جاتا ہے مجتہدین میں صرف امام مالک اسکے خلاف ہیں۔ محدثین کا ایک گروہ جنمیں امام مسلم قاسم بن محمد محمد بن سیرین۔ رجاء بن حیوۃ۔ ابو زرعہ سالم بن ابی الجعد عبد الملک بن عمر داخل ہیں۔ روایت باللفظ پر عمل کرتا تھا لیکن عام محدثین جواز ہی کے قائل ہیں اور درحقیقت ایک ایسا فرقہ جس کا عام میلان ہر حالت میں کثرت روایت کی طرف ہو جواز ہی کا قائل ہو سکتا تھا۔

اس میں شبہ نہیں کہ اکثر تابعین اور صحابہ نے بالمعنی حدیثیں روایت کیں اور اگر شروع سے یہ قید لگائی جاتی تو روایت کا دائرہ اس قدر تنگ ہو جاتا ہے کہ مسائل و احکام کے لئے کچھ باقی نہیں رہتا لیکن اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ روایت بالمعنی میں اصل روایت کا اصلی حالت پر قائم رکھنا اس قدر مشکل ہے کہ قریباً ناممکن ہے زبان کے نکتہ شناس جانتے ہیں کہ مرادف الفاظ بھی یکساں اثر نہیں رکھتے اور معنی کی حیثیت میں کچھ نہ کچھ فرق ضرور پیدا ہو جاتا ہے۔ حالانکہ مجوزین نے مرادف وغیرہ کی قید بھی نہیں رکھی۔

اور ادائے مطلب کو نہایت عام وسعت دی ہے صحابہ سے زیادہ کوئی شخص رسول اللہ کے الفاظ و مطالب کا اندازداں نہیں ہو سکتا تھا اول تو وہ زباندان اور زبان کے حاکم تھے اس کے ساتھ شرف صحبت کی وجہ سے رسول اللہ کی طرز ادا طریقہ گفتگو۔ انداز کلام۔ نحوائے سخن سے خوب واقف تھے تاہم کتب حدیث میں اسکی متعدد نظیریں ملتی ہیں کہ خود صحابہ سے ادائے مطلب میں کمی یا زیادتی ہوگئی۔

ابن ماجہ میں روایت ہے کہ ابو موسیٰ اشعری نے آنحضرت سے روایت کی ان المیت لیعذب ببکاء الحی اذا قالوا واعضداہ واکاسباہ واناصراہ واجبلاہ یعنی جب مردہ پر یہ الفاظ کہکر رویا جاتا ہے تو اس کو عذاب دیا جاتا ہے" کسی نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ ابن عمر یہ حدیث بیان کرتے تھے حضرت عائشہؓ نے کہا میں یہ نہیں کہتی کہ ابن عمر جھوٹ کہتے ہیں لیکن ان کو سہو ہوا۔ واقعہ یہ ہے کہ ایک یہودی عورت مرگئی تھی گھر والے اس پر روتے تھے۔ آنحضرت نے سنا تو فرمایا کہ اس کے گھر والے رو رہے ہیں اور اس پر قبر میں عذاب ہو رہا ہے" ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رض نے قرآن کی یہ آیت پڑھی لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ جس سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ ایک شخص کے فعل کا دوسرا شخص ذمہ دار نہیں ہو سکتا۔ گھر والے روتے ہیں تو ان کا قصور ہے مردہ نے کیا گناہ کیا ہے کہ اس پر عذاب کیا جاوے۔ دیکھو اس حدیث میں رسول اللہ نے یہودیہ عورت کا معذب ہونا بطور ایک واقعہ بیان کیا تھا۔ راوی نے روایت کو اس کا سبب قرار دیا اور حدیث کے یہ الفاظ بیان کئے کہ ان المیت یعذب ببکاء الحی یعنی مردہ کو زندوں کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے

اسی طرح غزوہ بدر کے واقعہ میں عام روایت یہ ہے کہ رسول اللہ نے قلیب پر کھڑے ہو کر فرمایا ہل وجدتم ما وعد ربکم حقا۔ لوگوں نے عرض کی کہ آپ مردوں سے خطاب فرماتے ہیں۔ ارشاد ہوا کہ جو میں نے کہا ان لوگوں نے

لیا[1]۔ لیکن یہ واقعہ حضرت عائشہؓ کے سامنے بیان کیا گیا تو اُنہوں نے فرمایا کہ رسول اللہؐ نے یہ نہیں فرمایا تھا بلکہ یہ الفاظ کہے تھے لقد علموا ان ما دعوتھم حق یعنے اُن لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ جس چیز کی میں نے دعوت کی تھی۔ وہ حق ہے۔ دیکھو ان دونوں جملوں کے مفہوم میں کس قدر فرق ہے اور اس سے سماع موتیٰ کے مسئلہ پر کیسا مختلف اثر پڑتا ہے۔ غرض جب صحابہ سے اس قسم کے مسامحات واقع ہوتے تھے تو دوسرے اور خیر دور کا کیا ذکر ہے۔ لطف یہ ہے کہ جو لوگ روایت بالمعنی کے قائل ہیں انہوں نے چند الفاظ مثالاً بتلائے ہیں کہ انکو دوسرے لفظوں میں اسی طرح ادا کرسکتے ہیں اور معنی میں مطلق فرق نہیں پیدا ہوگا[2]۔ حالانکہ غور سے دیکھیے تو ان لفظوں کے اثر میں صاف تفاوت نظر آتا ہے۔ محدث سخاوی لکھتے ہیں کہ حدیث میں آیا ہے اقتلوا الاسودین الحیۃ والعقرب اب بجائے اسکے یہ کہہ سکتے ہیں کہ امر بقتلہما محدث سخاوی کے نزدیک اس مثال میں الفاظ کے اختلاف سے معنی میں کچھ فرق نہیں پیدا کیا حالانکہ اقتلوا اور امر بالقتل میں صریح تفاوت ہے اقتلوا اگرچہ امر کا صیغہ ہے لیکن اسمیں وہ تحتم اور تاکید نہیں ہے جو امر میں ہے

امام ابوحنیفہ نے ان مشکلات کا اندازہ کرکے نہایت معتدل طریقہ اختیار کیا جو حدیثیں اُن کے زمانہ سے پہلے بالمعنی روایت ہو چکی تھیں اور محدثین میں شائع تھیں اُن کے قبول سے تو چارہ نہ تھا ورنہ روایت کا تمام دفتر بیکار ہو جاتا۔ اس لیئے امام صاحب نے اُن حدیثوں کو قبول کیا لیکن یہ قید لگائی کہ رواۃ حدیث فقیہ ہوں یعنے الفاظ کے اثر اور مطالب کی تعبیر سے واقف ہوں تو تغیر مطالب کا احتمال اب بھی باقی رہتا ہے لیکن احادیث کا مدار جیسا کہ محدثین نے تصریح کردی ہے ظن غالب پر ہے اس لیئے جب تک کوئی مخالف دلیل موجود نہ ہو روایت بالمعنی قابل عمل ہوگی۔ امام صاحب نے اُن احادیث کو بھی قبول کیا جن کے رواۃ ثقہ ہوں اور فقیہ نہ ہوں۔ لیکن ان کا درجہ پہلے کی بہ نسبت کم قرار دیا اور اُس میں اصول درایت کی زیادہ ضرورت سمجھی امام صاحب کے ان اُصول سے اور ائمہ نے بھی اتفاق کیا۔ الفیۃ الحدیث میں ہے کہ جو شخص مدلول الفاظ کو اچھی طرح نہیں سمجھتا اسکو روایت باللفظ ضروری ہے۔ البتہ جو شخص مطالب کا اندازہ داں ہے اُس کی نسبت اختلاف ہے۔ کثرت رائے اس طرف ہے کہ وہ الفاظ کا پابند نہیں[1]۔ لیکن امام ابوحنیفہ نے اس اجازت کو صحابہ اور تابعین تک محدود کردیا اور لوگوں کے لیئے روایت بالالفاظ کی قید لگائی اور امام طحاوی نے سلسلہ متصل اُن سے روایت کی ہے کہ صرف وہ حدیث روایت کرنی چاہیئے جو روایت کرنے کے وقت اُسی طرح یاد ہو جس طرح سننے کے وقت یاد تھی[2]۔ ملا علی قاری اس روایت کو نقل کرکے لکھتے ہیں۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ بہ نسبت

---

[1] تاریخ کبیر علامہ ابو جعفر جریر طبری صفحہ ۱۳۳۲-۱۲

[2] یعنی کہا گیا کہ روایت بالمعنی مطلقاً جائز نہیں۔ محدثین و فقہاء و اصولین شافعیہ کا ایک گروہ اسی قول کا قائل ہے اور قرطبی نے کہا ہے کہ امام مالک کا صحیح مذہب یہی ہے ۱۲

کو جائز نہیں رکھتے تھے۔" اس پابندی میں اگرچہ امام مالک و بعض محدثین نے امام ابوحنیفہ سے اتفاق کیا۔ فتح المغیث میں ہے وقیل لا تجوز له الروایة بالمعنی مطلقاً قالہ طائفة من المحدثین والفقہاء والاصولیین من الشافعیہ وغیرہم قال القرطبی وہو الصحیح من مذہب مالک لیکن عام ارباب روایت اس سختی کے کیونکر پابند ہو سکتے تھے چنانچہ ایک بڑے فرقہ نے مخالفت کی اور امام صاحب کو متشدد فی الروایة ٹھہرایا۔ تاہم انصاف یہ ہے کہ جو اصول امام صاحب نے اختیار کیا وہ ضروری اور نہایت ضروری تھا خود حدیث میں آیا ہے کہ نضر اللہ امرأ سمع منا شیئا فبلغه کما سمعه یعنی رسول اللہ نے فرمایا کہ خدا اس شخص کو شاداب کرے جس نے ہم سے سنا اور اس کو اسی طرح پہنچایا جیسا کہ ہم سے سنا تھا۔" اس سے زیادہ اس باب میں کسی دلیل کی کیا ضرورت ہے بلکہ صحابہ میں سے جو لوگ روایت باللفظ کو غیر ضروری سمجھتے تھے ممکن ہے کہ یہ حدیث ان کو نہ پہنچی ہو چنانچہ جن صحابہ کی نسبت ثابت ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو سنا تھا۔ مثلاً عبد اللہ بن مسعود جو اس حدیث کے راوی ہیں وہ الفاظ کے پابند تھے۔ امام ابوحنیفہ کے زمانہ میں یہ حدیث عام ہو چکی تھی اسلئے انکو اسکی تعمیل میں کیا عذر ہو سکتا تھا

فن حدیث میں سب سے بڑا کام امام ابوحنیفہ نے یہ کیا کہ درایت کے اصول قائم کئے اور انکو احادیث کی تحقیق و تنقید میں برتا فن حدیث کی ایک شاخ یعنی روایت پر ہمارے علماء نے جسقدر توجہ کی اسکی کوئی نظیر دنیا کی گذشتہ اور موجودہ تاریخ میں نہیں ملسکتی لیکن یہ افسوس ہے کہ اصول درایت کے ساتھ چنداں اعتنا نہیں کیا گیا حافظ ابن حجر کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فن میں بعض تصنیفیں لکھی گئیں لیکن وہ اس قدر کم اور غیر متعارف ہیں کہ گویا نہیں ہیں اصول حدیث ایک مستقل فن بن گیا ہے اور بڑی بڑی کتابیں جو اس فن میں لکھی گئیں عموماً متداول ہیں لیکن ان سے اصول درایت کے متعلق بہت کم واقفیت حاصل ہوتی ہے حالانکہ یہی اصول فن حدیث کے نہایت ضروری اجزا ہیں یہ عزت صرف امام ابوحنیفہ کو حاصل ہے کہ جب اس فن کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ اس وقت انکی نگاہ ان باریکیوں تک پہنچی۔ بے شبہ صحابہ کی تاریخ میں جستہ جستہ اصول درایت کے آثار نظر آتے ہیں اور درحقیقت وہی امام ابوحنیفہ کے لئے دلیل راہ بنے لیکن وہ باتیں عام مسائل کے ہجوم میں ایسی کم اور ناپدید تھیں کہ ہر عام لوگوں کی نگاہ نہیں پڑ سکتی تھی

روایت کی صحت و عدم صحت کا مدار ہمیشہ راویوں کے اعتبار و عدم اعتبار پر نہیں ہوتا اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک واقعہ کی روایت جس سند سے بیان کی جاتی ہے اس کے تمام راوی ثقہ اور قابل اعتبار ہوتے ہیں لیکن واقعہ صحیح نہیں ہوتا۔ حدیث میں بھی اس کی سینکڑوں مثالیں ملتی ہیں۔ اس لئے ضرور ہے کہ صرف رواۃ کی بنا پر احادیث کا فیصلہ نہ کیا جائے۔ بلکہ یہ بھی دیکھا جائے کہ وہ اصول درایت کے مطابق ہیں یا نہیں۔

درایت سے یہ مطلب ہے کہ جب کوئی واقعہ بیان کیا جائے تو اس پر غور کی جائے کہ وہ طبیعت انسانی

؎ شرح امام اعظم از ملا علی قاری صہ ۱۲۔

کے اقتضا۔ زمانہ کی خصوصیتیں منسوب الیہ کے حالات اور دیگر قرائن عقلی کے ساتھ کیا نسبت رکھتا ہے اگر اس معیار پر پورا نہیں اترتا تو اس کی صحت بھی مشتبہ ہوگی یعنی یہ احتمال ہوگا کہ روایت نے تعبیرات نے واقعہ کی صورت بدل دی ہے اس قسم کے قواعد حدیث کی تحقیق و تنقید میں بھی استعمال کیے جاتے ہیں[1] اور انہیں کا نام اصول درایت ہے۔ علامہ ابن جوزی جو فن حدیث میں بڑا پایہ رکھتے تھے لکھتے ہیں۔ کہ جس حدیث کو تم دیکھو کہ عقل کے مخالف یا اصول کے مناقض ہے تو یہ سمجھ لو کہ وہ موضوع ہے۔ اس میں راویوں کے تحقیق حال کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح وہ حدیث بھی موضوع ہے جو حس و مشاہدہ سے باطل ثابت ہو یا قرآن حدیث متواتر اجماع قطعی کے خلاف ہو اور قابل تاویل نہ ہو یا جس میں ایک معمولی سی بات پر سخت عذاب کی دھمکی ہو یا ذرا سے کام پر بڑے انعام کا وعدہ ہو۔ اس طرح کی حدیثیں واعظوں اور صوفیوں کی روایتوں میں بہت پائی جاتی ہیں۔

امام ابوحنیفہ نے درایت کے جو اصول قائم کئے اُن میں سے بعض ہم اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

(۱) جو حدیث عقل قطعی کے مخالف ہو وہ اعتبار کے قابل نہیں[2]۔ یہ وہی قاعدہ ہے جس کو ابن جوزی نے تمام اصول درایت پر مقدم رکھا ہے۔ ابن جوزی چھٹی صدی میں تھے۔ اس وقت اسلامی علوم اوج کمال تک پہنچ گئے تھے اور فلسفیانہ خیالات کا اثر زیادہ عام ہو گیا تھا لیکن امام ابوحنیفہ کے زمانہ تک مذہب میں عقل کا نام لینا ایک جرم عظیم تھا امام صاحب نے اول اول یہ قاعدہ قرار دیا اور روایات میں برتا تو سخت مخالفت ہوئی۔ اس قسم کی حدیثیں جن میں ناممکن اور محال واقعات بیان کئے جاتے ہیں امام صاحب کے سامنے پیش کی جاتی تھیں تو وہ اُن سے انکار کرتے تھے۔ یہ امر عام لوگوں پر گراں گزرتا تھا۔ کیونکہ ان لوگوں کے خیال میں روایات کی تحقیق و تنقید کا مدار صرف رواۃ کی حالت پر تھا۔ اصول درایت سے غرض نہ تھی۔ خدا نہ مابعد میں اگرچہ یہ قاعدہ اصول حدیث میں داخل کر لیا گیا لیکن ارباب روایت نے اسکو بہت کم برتا اور اسی کا نتیجہ ہے کہ آج بیسیوں مزخرف اور دور از کار حدیثیں قبول عام کے شرف سے ممتاز ہیں۔

جرح و نقد ۲

تلک الغرانیق العلیٰ کی حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ کی زبان سے (سورۂ نجم کی تلاوت

---

[1] ابن جوزی کے الفاظ جیسا کہ فتح المغیث میں منقول ہے یہ ہیں کل حدیث رایتہ یخالف المعقول او ینافض الاصول فاعلم انہ موضوع فلا یتکلف اعتبارہ ای لاتعتبر رواتہ ولا تنظر فی جرحہم او یکون مما یدفعہ الحس والمشاھدۃ او مباینا لنص الکتاب او السنۃ المتواترۃ او الاجماع القطعی حیث لا یقبل شئ من ذلک التاویل او یتضمن الافراط بالوعید الشدید علی الامر الیسیر او بالوعد العظیم علی الفعل الیسیر وھذا الاخیر کثیر موجود فی حدیث القصاص والطرقیۃ۔

[2] اس اصول کو علامہ ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ میں امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب کیا ہے ۱۲۔

کے وقت) قبول کی تعریف میں یہ الفاظ ادا ہوئے تلک الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترتجی۔ یعنی یہ بت یہ بت بہت معزز ہیں اور ان کی شفاعت کی امید کی جاسکتی ہے۔" یہ الفاظ شیطان نے آنحضرت کی بات میں ڈال دیئے تھے چنانچہ تلاوت کے بعد جبرئیل آئے اور انہوں نے شکایت کی کہ میں نے تو یہ الفاظ آپ کو نہیں سکھائے تھے۔ آپ نے کہاں سے پڑھ دیئے۔ اس حدیث کو امام صاحب کے موافق بعض محدثین مثلاً قاضی عیاض، ابوبکر بیہقی وغیرہ نے غلط کہا لیکن محدثین کا ایک بڑا گروہ اس کو اب بھی صحیح تسلیم کرتا ہے۔ متاخرین میں حافظ ابن حجر سے زیادہ نامور کوئی محدث نہیں گزرا۔ وہ نہایت زور شور سے اس حدیث کی تائید کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ چونکہ اس کے رواۃ ثقہ ہیں اسلئے اسکی صحت سے انکار نہیں کیا جاسکتا!!! اسی طرح رد الشمس کی حدیث کہ جس میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت علی کی نماز عصر قضا ہوگئی تھی اس لئے آنحضرت کی دعا سے آفتاب غروب ہونے کے بعد پھر طلوع ہوا۔ محدث ابن جوزی تو [illegible] کرکے موضوع کہا لیکن حافظ ابن حجر و جلال الدین سیوطی وغیرہ نے نہایت شدت سے مخالفت کی۔ امام صاحب کو میں اس سے زیادہ مخالفتیں ہوئیں لیکن وہ ان باتوں کی کچھ پروا نہیں کرتے تھے لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ لفظ عقل سے امام صاحب کی مراد وہ وسیع معنی نہیں ہیں جو آجکل کے تعلیم یافتہ لوگوں نے قرار دیئے ہیں جنکی روسے شریعت کے بہت سے اصلی مسائل برباد ہوئے جاتے ہیں۔

(۲) جو واقعات تمام لوگوں کو رات دن پیش آیا کرتے ہیں انکے متعلق اگر رسول اللہ سے کوئی ایسی روایت منقول ہو جو اخبار احاد کے درجہ سے زیادہ نہ ہو تو وہ روایت مشتبہ ہوگی۔ یہ اصول اس بنا پر ہے کہ جو واقعات تمام لوگوں سے متعلق تھے اسلئے صرف ایک دو شخص تک اس روایت کا محدود رہنا درایت کے خلاف ہے اکثر مصنفین نے تصریح کی ہے کہ امام ابوحنیفہ اس روایت کو قبول نہیں کرتے جو قیاس کے مخالف ہو اگرچہ یہ قول محض بے اصل نہیں ہے لیکن اس کی تعبیر میں لوگوں نے اکثر غلطی کی ہے اور انہیں غلط تعبیرات کا اثر ہے کہ امام ابوحنیفہ کی نسبت ارباب ظاہر میں بہت سی بدگمانیاں قائم ہوگئیں۔ ان لوگوں نے امام صاحب کے مقصود و منشا پر کافی غور نہیں کی۔ اور عام رائے قائم کرلی کہ وہ قیاس کو حدیث پر مقدم سمجھتے ہیں امام صاحب سے اس مسئلہ کے متعلق جو اقوال منقول ہیں وہ صریح اس دعوی کے خلاف ہیں۔ مسائل فقہ میں متعدد مثالیں موجود ہیں جن میں امام ابوحنیفہ نے حدیث کی وجہ سے قیاس کو مطلقاً ترک کردیا ہے امام محمد اس مسئلہ میں کہ قہقہہ نماز ناقض وضو ہے امام ابوحنیفہ کی طرف استدلال کرتے ہیں اور لکھتے ہیں۔ لولا ماجاء من الآثار کان القیاس علی ما قال اہل المدینۃ ولکن لا قیاس مع اثر ولا ینبغی الا ان ینقاد الآثار۔ یعنی قیاس وہی ہے جو اہل مدینہ کہتے ہیں لیکن حدیث کے ہوتے قیاس کوئی

چیز نہیں اور صرف حدیث ہی کی پیروی کرنی چاہیئے" اس سے زیادہ اسباب میں کیا تصریح ہو سکتی ہے عقود الجمان کے مصنف نے مختلف روایتوں سے امام ابوحنیفہ کے خاص اقوال نقل کئے ہیں کہ میں حدیث کے مقابلہ میں قیاس کو دخل نہیں دیتا امام جعفر صادق سے امام صاحب نے جو گفتگو کی تھی اس میں بھی اس خیال کا اظہار کیا ہے۔

ان تصریحات کو دیکھکر بعضوں نے اس قسم میں تخصیص کی اور دعوی کیا کہ "جو حدیث قیاس جلی کے مخالف ہو اس کو امام صاحب قبول نہیں کرتے" عبد الکریم شہرستانی نے اصحاب الرائے کے بیان میں جہاں امام ابوحنیفہ اور ان کے تلامذہ کا ذکر آیا ہے لکھا ہے کہ وربما یقدمون القیاس الجلی علی احاد الاخبار یعنی یہ لوگ اکثر قیاس جلی کو اخبار احاد پر ترجیح دیتے ہیں۔ امام رازی نے بھی مناقب الشافعی میں اس کی بجا بجا تصریح کی ہے اور اس بنا پر امام ابوحنیفہ کے مقابلہ میں امام شافعی کی ترجیح کے وجوہ قائم کئے ہیں۔

میں نے بہت کچھ جد وجہد کی کہ اس مسئلہ کے متعلق امام صاحب کا کوئی صریح قول مل سکے لیکن نہ مل سکا۔ جن لوگوں نے امام صاحب کیطرف اس قول کو منسوب کیا ہے غالباً صرف استنباط سے کام لیتے ہیں صریح قول نہیں پیش کر سکتے بے شبہہ حنفیوں کے اصول فقہ میں یہ مسئلہ مذکور ہے کہ "وہ حدیث جس کے راوی فقیہ نہ ہوں اور ہر طرح قیاس کے مخالف ہو قابل حجت نہیں" لیکن یہ حنفیوں کا مسئلہ اصول نہیں ہے بلکہ صرف عیسی ابن ابان اور ان کے پیروں کی رائے ہے۔ ابو الحسن کرخی وغیرہ صریح اس کے مخالف ہیں اور صاحب مسلم الثبوت نے اس قول کو ترجیح دی ہے تعجب اور سخت تعجب ہے کہ بغیر کسی ثبوت کے امام ابوحنیفہ کی طرف یہ دعوی صرف اس اعتماد پر منسوب کر دیا گیا کہ فقہائے حنفیہ میں سے چند علماء اس کے قائل ہیں بہت بڑی مثال بیع مصراۃ کی پیش کی جاتی ہے جس سے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اس مسئلہ میں صریح حدیث کے ہوتے ہوئے قیاس کو مقدم رکھا ہے۔[1] لیکن ان مدعیوں کو معلوم نہیں کہ اس مثال میں قیاس کی تقدیم بعض علمائے حنفیہ کی ذاتی رائے ہے امام صاحب سے اسکو کچھ واسطہ نہیں امام رازی نے مناقب الشافعی میں اتنی احتیاط کی کہ اس موقع پر امام ابوحنیفہ کا نام نہیں لیا بلکہ اصحاب ابی حنیفہ لکھا لیکن ہم اس احتیاط میں بھی انکو معذور نہیں کہتے کیونکہ یہ رائے بعض حنفیوں کی ہے نہ سب کی امام رازی نے اصحاب کے لفظ سے جو تعمیم ظاہر کی وہ صحیح نہیں۔

بیع مصراۃ کی حدیث کو امام ابوحنیفہ نے قیاس کی بنا پر رد نہیں کیا بلکہ اس کے نسخ کا دعوی کیا ہے امام طحاوی نے معانی الآثار میں اس بحث کو نہایت تفصیل سے لکھا ہے وہ امام ابوحنیفہ اور امام محمد کا مذہب لکھ کر لکھتے ہیں۔ وذهبوا الی ان ماروی عن رسول الله فی ذلک مما تقدم ذکرنا له فی هذا الباب منسوخ یعنی یہ لوگ اس بات کے قائل ہوئے ہیں۔ کہ اس بارہ میں جو کچھ رسول اللہ سے روایت کیا گیا ہے وہ منسوخ ہے۔

---

[1] عجب ہے کہ بڑے بڑے علماء یہاں تک کہ امام غزالی۔ امام رازی نے بھی امام ابوحنیفہ کی نسبت یہ الزام لگایا اور یہی بیع مصراۃ کی مثال پیش کی ۱۲

اس موقع پر ہم اس بحث کی تفصیل نہیں کر سکتے صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس مسئلہ میں امام صاحب نے قیاس کو ترجیح نہیں دی بلکہ نسخ کا دعویٰ کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے موقعوں پر نہایت دقیقہ بینی سے دیکھنا چاہئیے کہ جو اقوال امام صاحب کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں وہ انسے ثابت بھی ہیں یا نہیں۔ متاخرین نے ان باتوں میں کم احتیاط کی ہے اسلئے ہمکو نہایت غور و تحقیق سے کام لینا ہے یہی بیع مصراۃ کی حدیث ہمیشہ اصول موضوعہ کے طور پر پیش کیجاتی ہے اور اسی سے ثابت کیا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہ قیاس کو حدیث پر مقدم رکھتے تھے لیکن ذرا تحقیق سے کام لو تو معلوم ہوتا ہے کہ اس تمام شور و غل کی کچھ اصل نہیں بخلاف اسکے نہایت قوی ذریعہ سے امام ابوحنیفہ کی تصریحات ثابت ہیں کہ وہ حدیث صحیح کے مقابلہ میں قیاس کا مطلق اعتبار نہیں کرتے تھے امام محمد اس بحث کے ذیل میں کہ جو شخص روزہ میں بھول کر کچھ کھا پی لے تو روزہ نہیں ٹوٹتا اور قضا نہیں لازم آتی حدیث پر استدلال کر کے لکھتے ہیں کہ آثار کے ہوتے ہوئے کچھ چارہ نہیں [۵۱] ابوحنیفہ کا خاص قول نقل کرتے ہیں کہ لولا ماجاء فی ھذا من الآثار لامرت بالقضاء یعنی اگر اس بارہ میں آثار موجود نہ ہوتے تو میں قضا کا حکم دیتا۔

امام صاحب حدیث کی موجودگی میں قیاس کا اعتبار نہیں کرتے تھے

ہاں یہ ضرور ہے کہ احادیث کے ثبوت کے متعلق امام ابوحنیفہ کی شرطیں نہایت سخت ہیں جبتک وہ شرطیں پائی نہ جائیں وہ حدیث کو قابل استدلال نہیں سمجھتے لیکن ان شرطوں کے ساتھ حدیث ثابت ہو تو انکے نزدیک پھر قیاس کوئی

جس حد تک ہم تحقیق کر سکے امام ابوحنیفہ نے قیاس شرعی کو حدیث پر ہرگز مقدم نہیں کیا لیکن انکے زمانہ تک قیاس کا لفظ نہایت وسیع معنوں میں مستعمل تھا اور ان معنوں کے لحاظ سے امام صاحب نے قیاس کو حدیثوں میں دخل دیا ہے۔ مسائل اور احکام شرعیہ کے متعلق اسلام میں شروع ہی سے دو فرقے قائم ہو گئے تھے ایک کا خیال تھا کہ شرعی احکام مصلحت اور اقتضائے عقل پر مبنی نہیں ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ حسن و قبح اشیاء عقلی نہیں ہے۔ دوسرے فریق کی رائے تھی کہ تمام احکام مصالح پر مبنی ہیں جن میں سے بعض کی مصلحتیں صاف نمایاں ہیں اور خود شارع کے کلام سے اسکے اشارے پائے جاتے ہیں بعض ایسے ہیں جن کی مصلحت ہمکو معلوم نہیں لیکن فی الواقع وہ مصالح سے خالی نہیں اس اختلاف رائے نے حدیثوں کی روایت پر مختلف اثر پیدا کئے بعض لوگ جب کسی حدیث کو سنتے تھے تو صرف یہ دیکھتے تھے کہ اسکے راوی ثقہ ہیں یا نہیں اگر ان کے خیال کے موافق قابل حجت ہیں تو پھر انکو کوئی بحث نہیں ہوتی تھی۔ بے تکلف اس حدیث کو قبول کر لیتے تھے دوسرا فریق جو حسن و قبح عقلی کا قائل تھا یہ بھی دیکھتا تھا کہ جو مسئلہ حدیث سے مستنبط ہوتا ہے وہ عقل و مصلحت کے موافق ہے یا نہیں۔ اگر نہیں ہوتا تو وہ حدیث کی زیادہ تحقیق و تنقید کی طرف مائل ہوتے تھے وہ دیکھتے تھے کہ راوی فہم و درایت کے

دو فریق

[۵۱] کتاب الحجج امام محمد۔

لحاظ سے کیا پایہ رکھتے ہیں روایت باللفظ ہے یا بالمعنی، موقع حدیث کیا تھا، کون لوگ مخاطب تھے، کیا حالت تھی، غرض اس قسم کے اسباب اور وجوہ پر غور کرتے تھے، ان باتوں سے اکثر اصل حقیقت کا پتہ لگ جاتا تھا۔

یہ طرز تحقیق خود صحابہ کے زمانہ میں قائم ہو چکا تھا۔ صحیح ابن ماجہ و ترمذی میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ نے رسول اللہ سے حدیث روایت کی کہ توضؤوا مما غیرت النار یعنی جس چیز کو آگ نے متغیر کر دیا ہو اس کے استعمال سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اسی بنا پر بعض مجتہدین قائل ہیں کہ گوشت کھانے سے وضو لازم آتا ہے۔ ابوہریرہ نے جب یہ حدیث بیان کی تو عبداللہ بن عباس موجود تھے، بولے کہ انتوضأ من الحمیم یعنی اس بنا پر تو گرم پانی کے استعمال سے بھی وضو لازم آتا ہے۔ ابوہریرہ نے کہا اے برادرزادہ جب رسول اللہ سے کوئی روایت سنو تو اس پر مثالیں نہ کہو۔ لیکن عبداللہ بن عباس اپنی رائے پر قائم رہے۔ حضرت عائشہ نے ابن عمر کی اس حدیث پر ان المیت لیعذب ببکاء اھلہ جو اعتراض کیا تھا اسی طرز تحقیق پر مبنی تھا۔ صحابہ کے حالات میں اس قسم کی متعدد مثالیں ملتی ہیں جن کا استقصا اس موقع پر ضروری نہیں۔

امام ابوحنیفہ کا بھی یہی مسلک تھا اور اسی کو لوگوں نے قیاس کے لفظ سے شہرت دی۔ اس مسئلہ پر کہ احکام شریعت مصالح پر مبنی ہیں، اس موقع پر ہم تفصیلی گفتگو نہیں کر سکتے۔ شاہ ولی اللہ صاحب کی بے نظیر کتاب حجۃ اللہ البالغہ اس بحث کے لئے کافی و وافی ہے۔ یہاں صرف اس قدر کہنا ضرور ہے کہ علمائے اسلام میں جو لوگ عقل و نقل دونوں کے جامع تھے، مثلاً امام غزالی، عز الدین بن عبدالسلام، شاہ ولی اللہ وغیرہ، ان لوگوں کا یہی مسلک تھا۔ امام ابوحنیفہ احادیث کی تنقید میں اس اصول کو ضروری طور پر ملحوظ رکھتے تھے۔ دو متعارض حدیثیں جو روایت کی حیثیت سے یکساں نسبت رکھتی تھیں ان میں وہ اس حدیث کو ترجیح دیتے تھے جو اصول مذکور کے موافق ہو۔

امام صاحب نے بعض موقعوں پر محض اس اصول کی مخالفت کی وجہ سے بعض حدیثوں کے تسلیم میں تامل کیا ہے۔ ان کی اصطلاح میں یہ ایک علت خفیہ ہے۔ محدثین نے اقسام حدیث میں ایک قسم معلل قرار دی ہے جس کی یہ تعریف کی ہے کہ حدیث میں بظاہر صحت کی تمام شرطیں پائی جاتی ہیں اور وہ قابل استدلال نہیں ہوتی۔ اس قسم کی حدیثوں کی تمیز پر محدثین کو نہایت فخر ہے اور وہ اس کو ایک قسم کا الہام سمجھتے ہیں۔ علی بن المدینی جو امام بخاری کے استاد اور بہت بڑے مشہور محدث تھے ان کا قول ہے کہ ھی الہام ولو قلت للقیم بالعلل من این لک ھذا لم تکن لہ حجۃ؎ یعنی یہ الہام ہے، اور اگر تم ماہر علل سے پوچھو کہ تم نے کیونکر اس کو معلل کہا تو وہ کوئی دلیل نہیں پیش کر سکتا۔ محدث ابوحاتم سے ایک شخص نے چند حدیثیں پوچھیں، انہوں نے بعض کو مدرج، بعض کو باطل، بعض کو منکر، بعض کو صحیح بتایا۔ پوچھنے والے نے کہا کہ آپ کو یہ کیونکر معلوم ہوا، کیا راوی نے آپ کو ان باتوں

؎ فتح المغیث ۹۸ ۔ ۲

کی اطلاع دی؟ ابوحاتم نے کہا نہیں۔ بلکہ مجھکو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے سائل نے کہا تو کیا آپ علم غیب کے مدعی ہیں ابوحاتم نے جواب دیا کہ تم اور ماہرین فن سے پوچھو اگر وہ بھی ہمزبان ہوں تو سمجھنا کہ بیٹھے بیٹھے نہیں کہا سائل نے ابوزرعہ سے وہ حدیثیں جاکر دریافت کیں انہوں نے ابوحاتم کی موافقت کی تب سائل کو تسکین ہوئی[۱]

بعض محدثین کا قول ہے۔ اثر يهجم على قلوبهم لا يمكنهم رده وهيئة نفسانية لا معدل لهم عنه یعنی وہ ایک امر ہے جو ائمہ حدیث کے دل پر وارد ہوتا ہے اور وہ اُسکو رد نہیں کرسکتے اور نفسانی اثر ہے جس سے گریز نہیں ہوسکتا۔ محدثین کا یہ دعویٰ بالکل صحیح ہے بلاشبہ فن روایت کی ممارست سے ایک ملکہ یا ذوق پیدا ہوجاتا ہے جس سے خود تمیز ہوجاتی ہے کہ یہ قول رسول اللہ کا ہوسکتا ہے یا نہیں اسیطرح شریعت کے احکام اور مسائل اور ان کے اسرار و مصالح کے تتبع اور استقرار سے ایسا ذوق حاصل ہوسکتا ہے جس سے یہ تمیز ہوسکتی ہے کہ رسول اللہ نے یہ حکم دیا ہوگا یا نہیں لیکن ان اسرار و مصالح کا تتبع محدث کا فرض نہیں ہے وہ مجتہد کے ساتھ مخصوص ہے اور یہی وجہ ہے کہ جب ان دقیق وجوہ کے لحاظ سے امام ابوحنیفہ نے بعض حدیثوں کو معلل قرار دیا تو اربابِ ظاہر نے مخالفت کی اور بعضوں کو بدگمانی ہوئی کہ امام صاحب حدیث کو عقل و رائے کی بنا پر رد کرتے ہیں لیکن انصاف پسند انصاف کرسکتا ہے۔ کہ جب روایات اور ظاہر الفاظ کے استقرار سے محدثین کو ایسا مذاق پیدا ہوجاتا ہے جس سے وہ ایک حدیث کو جس میں بظاہر صحت کی تمام شرطیں پائی جاتی ہیں رد کرسکتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ جس شخص نے دقت نظر اور نکتہ شناسی کیساتھ احکام شریعت کے اسرار اور مصالح کا تتبع کیا ہو وہ ایسے وجدان اور ذوق سے محروم ہے البتہ یہ نہایت نازک اور ذمہ داری کا کام ہے جس کا صرف وہ شخص متکفل ہوسکتا ہے جو بہت ہی بڑا عالم، مجتہد، محدث دقیقہ بین، مؤید بتائید الٰہی ہو لیکن ان شرطوں کا جامع امام ابوحنیفہ سے زیادہ کون ہوسکتا ہے۔

مراتب احادیث کا تفاوت

نہایت مہتم بالشان اور دقیق چیز جو امام ابوحنیفہ نے اس فن میں اضافہ کی وہ احادیث کے مراتب کا تفاوت اور ان تفاوتوں کے لحاظ سے احکام شرعیہ کی تقسیم ہے احکام اور مسائل کا پہلا ماخذ قرآن ہے جس میں کسی کو گفتگو نہیں ہوسکتی قرآن کے بعد حدیث کا رتبہ ہے حدیث اور قرآن میں اصل امر کے لحاظ سے تو چنداں فرق نہیں وہ وحی متلو ہے اور یہ غیر متلو جو کچھ تفاوت اور اختلاف ہے وہ ثبوت کی حیثیت سے ہے۔ اگر کوئی حدیث اسی تواتر اور قطعیت سے ثابت ہو جسطرح قرآن ثابت ہے تو اثبات احکام میں وہ قرآن کے ہم پلہ ہے لیکن حدیثوں کے ثبوت کے مراتب متفاوت ہیں اور احکام کے ثبوت میں انہیں تفاوتوں کے لحاظ کی ضرورت ہے محدثین نے حدیث کی جو قسمیں کی ہیں یعنی صحیح، حسن، ضعیف، مشہور، عزیز، غریب وغیرہ انکے اختلاف مراتب سے احکام پر چنداں

[۱] فتح المغیث صفحہ ۹۸-۱۲

نہیں پڑتا چنانچہ ان قسموں میں سے محدثین صرف ضعیف کا اعتبار نہیں کرتے باقی اقسام کو قریباً یکساں قابل حجت
قرار دیتے ہیں محدثین کو اس سے زیادہ تدقیق اور امتیاز مراتب کی ضرورت بھی نہ تھی کیونکہ استنباط احکام اور تفریع
مسائل انکا فرض نہ تھا۔ لیکن امام ابوحنیفہ کو تدوین فقہ کیوجہ سے جسکے وہ بانی اول ہیں زیادہ تدقیق اور فرق
مراتب کی ضرورت پڑی انہوں نے نوعیت ثبوت کے لحاظ سے حدیث کی تین قسمیں قرار دیں (۱) متواتر یعنی وہ
حدیث جس کے رواۃ پہلے طبقہ روایت میں اس کثرت سے ہوں جن کے تواتر علی الکذب کا گمان نہیں
ہوسکتا یعنی رسول اللہ سے بیشمار لوگوں نے روایت کی ہو اسی طرح ان لوگوں سے لیکر آخیر زمانہ تک بیشمار رواۃ
کرتے ہوں (۲) مشہور یعنی وہ حدیث جسکے رواۃ پہلے طبقہ روایت میں تو بہت نہوں لیکن دوسرے طبقہ سے آخیر
تک اسی کثرت سے ہوں جو متواتر کے شرط ہے (۳) احاد جو متواتر اور مشہور نہو اس تقسیم کا اثر انکی رائے کیموافق احکام
شرعیہ پر جو پڑتا ہے وہ یہ ہے کہ متواتر سے فرضیت اور رکنیت ثابت ہوسکتی ہے مشہور کا درجہ چونکہ متواتر سے کم ہے
اس لیے اس فرضیت کا اثبات تو نہیں ہوسکتا لیکن قرآن میں جو حکم مطلق ہو حدیث مشہور سے مقید ہوسکتا ہے اسی
طرح اس سے زیادہ علی الکتاب ہوسکتی ہے احاد کا ثبوت چونکہ بالکل ظنی ہے اس لئے وہ قرآن کے احکام منصوصہ
پر کچھ اثر نہیں پیدا کرسکتی یہ مسئلہ اگرچہ نہایت واضح اور صاف ہے لیکن تعجب ہے کہ امام شافعی اور بعض اور
محدثین اسکے مخالف ہیں۔ امام بیہقی وغیرہ نے بعض مناظرات نقل کئے ہیں جو امام شافعی اور امام محمد میں
واقع ہوئے اور جنمیں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس مسئلہ میں امام شافعی نے امام محمد کو بند کردیا اگرچہ ہمارے
نزدیک یہ مناظرے فرضی مناظرے ہیں جنکا ثبوت اصول روایت کے مطابق ہرگز نہیں ہوسکتا لیکن اس قدر
ضرور ثابت ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کا انتساب امام ابوحنیفہ کی طرف ضرور صحیح ہے۔
قوی سے قوی اعتراض جو اس مسئلہ پر کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ خود امام ابوحنیفہ اور انکے تلامذہ اسکے پابند نہ رہ سکے
شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ امام شافعی نے امام محمد سے کہا کہ کیا آپکے نزدیک خبر واحد سے
قرآن پر زیادتی نہیں ہوسکتی امام محمد نے کہا ہاں امام شافعی نے کہا کہ قرآن مجید میں وارثوں کے حق میں
وصیت کا حکم ہے آپ اس حدیث کی بناپر لا وصیۃ للوارث وصیت کو ناجائز کیوں قرار دیتے ہیں غالباً شاہ
صاحب نے یہ روایت بیہقی کی کتاب المشافعی سے لی ہے جس میں اور بھی بے سروپا روایتیں مذکور ہیں لیکن
ہم شاہ صاحب کی خدمت میں عرض کرتے ہیں۔ کہ حنفیوں کے نزدیک وارثوں کے حق میں وراثت کا حکم
کسی حدیث سے نہیں منسوخ ہوا بلکہ خود قرآن مجید کی اس آیت سے جس میں توریت کے احکام ہیں یہ صرف
حنفیوں ہی کی رائے نہیں بلکہ تمام مفسرین کا یہی قول ہے (الا الستاذ الناذر منہم)
ان مسائل پر اور بھی بہت سی بحثیں پیدا ہوگئی ہیں جنکی تفصیل ہم نہیں کرسکتے لیکن اخبار احاد کی

صحت اور اس سے عقائد اسلام پر جو اثر پڑتا ہے اس کو ہم اس موقعہ پر تفصیل سے لکھتے ہیں کیونکہ بعض مخالفین کو زیادہ تر اسی مسئلہ میں ان سے اختلاف ہے۔

اخبار احاد کی نسبت اگرچہ محققین اور اکثر ائمہ حدیث کا یہی مذہب ہے کہ وہ ظنی الثبوت ہیں لیکن ایک فرقہ اسکے خلاف بھی ہے جس کے سرگروہ علامہ ابن الصلاح ہیں اگرچہ علامہ ابن الصلاح نے بھی اخبار احاد کی تمام حدیثوں کو قطعی نہیں تسلیم کیا ہے انہوں نے صحیح حدیث کی سات قسمیں کی ہیں (۱) جس پر بخاری و مسلم دونوں متفق ہوں (۲) بخاری متفرد ہوں (۳) مسلم متفرد ہوں (۴) بخاری و مسلم نے اس کو روایت نہ کیا ہو لیکن ان کی شرطوں کے موافق ہو (۵) صرف بخاری کی شرط پر ہو (۶) صرف مسلم کی شرط پر ہو (۷) بخاری و مسلم کی شرط کے موافق نہ ہو لیکن اور محدثین نے اسکو صحیح تسلیم کیا ہو۔ ان سات قسموں میں سے علامہ ابن الصلاح پہلی قسم کو قطعی الصحۃ قرار دیتے ہیں اور لکھتے ہیں۔ ھذا القسم جمیعه مقطوع بصحته والعلم الیقینی النظری واقع به۔ متفردات بخاری و مسلم کی نسبت انکی رائے ہے کہ اسی قبیل میں داخل ہیں بجز ان چند حدیثوں کے جن پر دار قطنی وغیرہ نے جرح کی ہے ابن الصلاح کا قول اگرچہ ظاہر بینوں میں اور بالخصوص آجکل زیادہ رواج پا گیا ہے لیکن کچھ شبہ نہیں کہ وہ باطل غلط اور بے دلیل خیال ہے اور خود ائمہ حدیث اس کے مخالف ہیں علامہ نووی شرح صحیح مسلم میں ابن الصلاح کا قول تفصیلاً نقل کرکے لکھتے ہیں۔ ھذا الذی ذکرہ الشیخ فی ھذہ المواضع خلاف ما قاله المحققون والاکثرون فانهم قالوا احادیث الصحیحین التی لیست بمتواترة انما تفید الظن فانها آحاد والآحاد انما تفید الظن علی ما تقرر ولا فرق بین البخاری ومسلم وغیرهما فی ذلک یعنی شیخ ابن الصلاح نے ان موقعوں پر جو کچھ کہا وہ محققین اور اکثروں کا قول ہے۔ کہ صحیحین کی حدیثیں جو تواتر کے رتبہ کو نہیں پہنچی ہیں۔ صرف ظن کی مفید ہیں کیونکہ وہ اخبار احاد ہیں اور اخبار احاد کی نسبت ثابت ہو چکا ہے کہ ان سے صرف ظن پیدا ہو سکتا ہے اور اس باب میں بخاری و مسلم اور اور لوگ سب برابر ہیں۔ ابن الصلاح کے قول کو اور ائمہ فن نے بھی رد کیا ہے لیکن ہم اس بحث کو نقلی طور سے طے کرنا نہیں چاہتے ہم کو خود غور کرنا چاہیئے کہ اخبار احاد سے یقین پیدا ہو سکتا ہے یا نہیں۔

کسی حدیث کو جب ایک محدث گو وہ کسی رتبہ کا ہو صحیح کہتا ہے تو اسکا یہ دعویٰ درحقیقت چند ضمنی دعووں پر مشتمل ہوتا ہے یعنی یہ کہ یہ روایت متصل ہے اسکے رواۃ ثقہ ہیں ضابط الحفظ ہیں روایت میں شذوذ نہیں ہے کوئی علت قادحہ نہیں ہے یہ تمام امور قیاسی اور اجتہادی ہیں جنپر یقین کی بنا قائم ہو سکتی ہے جسطرح ایک فقیہ کسی مسئلہ کو قرآن یا حدیث سے استنباط کرتا ہے یعنی اپنی دانست میں صحیح سمجھتا ہے اور اسکی صحت یقینی نہیں ہوتی کیونکہ استنباط میں

جن مقدمات سے اس نے کام لیا ہے اکثر اسکے ظنیات ہیں اسی طرح حدیث کا حال ہے کسی حدیث کو صحیح کہنا محدث کے ظنیات و اجتہادات پر مبنی ہے ایک یا چند محدثین نے کسی حدیث کو اگر صحیح کہا ہے اور دوسرا شخص اسکی صحت نہیں تسلیم کرتا تو وہ صرف اس گناہ کا مجرم ہے کہ اس محدث یا محدثین کے اصول تحقیق قواعد استنباط طریق روایت غرض انکے اجتہادات اور مزعومات کا مخالف ہے حدیث کی تحقیق و تنقید کے لئے محدثین نے جو اصول مقرر کئے ہیں اور جن پر احادیث کی صحت کا مدار ہے سب عقلی اور اجتہادی مسائل ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان میں خود محدثین باہم اختلاف عظیم رکھتے ہیں ظاہر بینوں کا خیال ہے کہ حدیث کا فن نقلی ہے نہ عقلی لیکن جس شخص نے اصول حدیث پر غور کی ہے وہ اس خیال کی غلطی کو نہایت آسانی سے سمجھ سکتا ہے اسی نکتہ کی طرف امام ابوحنیفہ نے اشارہ کیا ہے کہ ھذا الذی نحن فیہ رائی لا نجبر علیہ احدا و لا نقول یجب علی احد قبولہ بعضوں نے غلطی سے امام صاحب کے اس وسیع قول کو فقہ پر محدود سمجھا لیکن ان کو معلوم نہیں کہ مجتہد کو مسائل سے زیادہ مسائل کے ماخذ سے بحث ہوتی ہے۔

احادیث ظنی الثبوت ہونگی

اصول حدیث کے ظنی اور اجتہادی ہونیکا ہی اثر ہے کہ محدثین کو احادیث کی صحت و عدم صحت میں اختلاف ہوتا ہے ایک محدث ایک حدیث کو نہایت صحیح مستند واجب العمل قرار دیتا ہے دوسرا اسی کو ضعیف بلکہ موضوع کہتا ہے محدث ابن جوزی نے بہت سی حدیثوں کو موضوعات میں داخل کیا ہے جنکو دوسرے محدثین صحیح اور حسن کہتے ہیں ابن جوزی نے تو یہ قیامت کی کہ صحیحین کی بعض حدیثوں کو موضوع کہدیا علامہ سخاوی لکھتے ہیں بل ربما ادرج فیھا الحسن والصحیح مما فی احدی الصحیحین فضلا عن غیرھا یعنی ابن جوزی نے حسن اور صحیح تک کو جو بخاری یا مسلم میں موجود ہیں موضوعات میں درج کر دیا ہے دوسری کتابوں کا کیا ذکر ہے بے شبہہ ابن جوزی نے اس افراط میں غلطی کی لیکن یہ غلطی ایک اجتہادی غلطی ہے جس کا حاصل اسی قدر ہے کہ انہوں نے بخاری یا مسلم کے صحیح اجتہاد کو غلط کیا ان اصولی اختلافات کی وجہ سے احادیث کی صحت اور عدم صحت میں جو اختلافات پیدا ہو گئے ہیں انکا استقصا کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

حدیث مرفوع کی پہلی ضروری شرط یہ ہے کہ رسول اللہ تک متصل ثابت ہو لیکن اتصال کی ثبوت کے جو طریقے تسلیم کئے گئے ہیں ان میں اکثر ظنی اور اجتہادی ہیں صحابہ کے ان الفاظ کو جیسے امرنا سنت ہے ہمکو یہ حکم دیا گیا تھا ہم اس بات سے روکے گئے تھے رسول اللہ کے زمانہ میں ہم فلاں کام کرتے تھے یا ہم اسکو برا نہیں سمجھتے تھے اکثروں نے مرفوع قرار دیا ہے اور بعضوں نے یہانتک وسعت دی کہ جن حدیثوں میں یہ الفاظ تھے انکو ان لفظوں سے روایت کر دیا کہ رسول نے یہ فرمایا ۔

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ حالانکہ یہ الفاظ اس معنی میں قطعی الدلالۃ نہیں ہیں بلکہ صحابہ کے ظن اور اجتہاد پر

مبنی ہیں جنکی نسبت عموماً تسلیم کیا گیا ہے۔ فهم الصحابی لیس بحجة یعنی صحابی کی سمجھ کوئی دلیل نہیں
اسی بنا پر بعض علماء نے اختلاف کیا اور کہا کہ یہ الفاظ رفع واتصال کیلئے کافی نہیں ہیں امام شافعی ابن
حزم ظاہری ابوبکر رازی اور دیگر محققین نے صحابہ کے اس قول کو کہ "یہ فعل سنت ہے" حدیث مرفوع
نہیں قرار دیا کتب سیر واحادیث میں بیسیوں مثالیں ملتی ہیں جنمیں صحابی نے یہ الفاظ استعمال کئے اور
وہ حدیث نبوی نہ تھی بلکہ خود انکا قیاس و اجتہاد تھا لیکن اکثر محدثین نے ان حدیثوں کو مرفوع کہا اس
خیال نے یہ آفت پیدا کی کہ اس کی بنا پر بعض رواۃ نے صریح مرفوع الفاظ میں حدیث کی روایت کردی
جس کی وجہ سے ایک عام شبہہ پیدا ہوگیا۔

معنعن روایتوں میں اتصال کا ثابت ہونا نہایت مشکل ہے حالانکہ اس قسم کی روایتیں کثرت سے ہیں
امام بخاری کا مذہب ہے کہ معنعن حدیثوں میں اگر یہ ثابت ہو کہ راوی اور مروی عنہ دونوں ہمزمان اور کبھی
ملے بھی تھے تو وہ حدیث متصل سمجھی جائیگی امام مسلم حالانکہ امام بخاری کے شاگرد اور زیادہ نہیں کے
طریقے کے پیرو تھے تاہم انہوں نے نہایت سختی سے اس شرط کی مخالفت کی اور صرف ہمزمان ہونا کافی سمجھا[1]
اس اختلاف کا یہ نتیجہ ہے کہ امام بخاری کے اصول کے موافق امام مسلم کی وہ تمام معنعن روایتیں جن
میں لقا نہیں ثابت ہے منقطع ہیں حالانکہ امام مسلم ان کو متصل سمجھتے ہیں اور اس پر ان کو یہاں
تک اصرار ہے کہ اپنے مخالف کو سخت الفاظ سے یاد کرتے ہیں امام مسلم نے تو زیادہ توسیع کی لیکن امام بخاری
کی شرط کے موافق بھی معنعن روایت میں اتصال کا ثبوت محض ظنی ہے یہ کچھ ضرور نہیں کہ دو شخص ہمزمان
اور ہم لقا ہوں تو انکی روایتیں ہمیشہ بالذات ہوں جہاں حدثنا اور اخبرنا ہوگا وہاں ایسا ہونا البتہ
ضرور ہے لیکن اگر یہ الفاظ نہیں ہیں اور راوی نے عن کے لفظ سے روایت کی ہے تو اتصال کا خیال قیاس
غالب ہوگا لیکن یقینی نہ ہوگا حدیث وسیر میں بیسیوں مثالیں مل سکتی ہیں کہ دو راوی ایک زمانہ میں تھے اور آپس میں
ملاقات بھی تھی تاہم ایک نے دوسرے سے بعض روایتیں بواسطہ کیں روزمرہ کے تجربہ سے اسکی سینکڑوں شہادتیں ملتی ہیں

سب سے بڑا ضروری اور اہم مسئلہ رجال کی تنقید ہے اخبار آحاد کا تمام تر مدار رجال پر ہے لیکن رجال کی تنقید
و توثیق ایسا ظنی مسئلہ ہے جس کا قطعی فیصلہ نہایت مشکل اور قلیل الوجود ہے ایک شخص کو بہت سے لوگ نہایت
ثقہ نہایت متدین نہایت راستباز سمجھتے ہیں اسی شخص کو دوسرے اشخاص ضعیف الروایۃ غیر ثقہ
ناقابل اعتبار خیال کرتے ہیں لطف یہ ہے کہ دونوں فریق اس رتبہ کے ہوتے ہیں جنکی عظمت وشان سے
انکار نہیں کیا جاسکتا امام بخاری ومسلم میں گو ایسا سخت اختلاف نہیں تاہم بہت سی رواۃ ہیں جن کو

[1] دیکھو مقدمہ صحیح مسلم ۱۲

ان دونوں اماموں سے ایک قابل حجت سمجھتا ہے تو دوسرا نہیں سمجھتا۔ علامہ نووی نے مقدمۂ شرح صحیح مسلم میں بعض لوگوں کے نام بھی لکھے ہیں اور محدث حاکم کی کتاب المدخل سے نقل کیا ہے کہ ان لوگوں کی تعداد جن سے امام مسلم نے مسند صحیح میں احتجاج کیا ہے اور امام بخاری نے جامع صحیح میں ان سے حجت نہیں لی ۶۲۵ ہے۔

میزان الاعتدال کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سینکڑوں بلکہ ہزاروں رواۃ ہیں جن کی جرح وتعدیل مختلف فیہ ہے اور ایسا ہونا ضرور تھا کسی شخص کے ان تمام اوصاف وعادات پر مطلع ہونا جن کا اثر روایت کی قوت وضعف پر پڑ سکتا ہے۔ مدتوں کی ملاقات اور تجربہ پر موقوف ہے جو لوگ جرح وتعدیل کے کام میں مصروف تھے وہ سینکڑوں بلکہ ہزاروں راویوں سے ایسی عمیق واقفیت کیونکر حاصل کر سکتے تھے اسی لئے مختلف قرائن ظاہری آثار عام شہرت سماعی روایتوں سے کام لینا پڑتا تھا اور بہت کم قطعی فیصلہ ہو سکتا تھا۔ اگرچہ محدثین نے ان تعارضات کے رفع کرنے کے لئے اصول قرار دئیے ہیں لیکن وہ اصول خود اجتہادی اور مختلف فیہ ہیں اسکے علاوہ متعدد موقعوں پر محدثین کو خود اپنے اصول سے انحراف کرنا پڑتا ہے جرح کو عموماً تعدیل پر مقدم مانا گیا ہے لیکن بہت سی رواۃ ہیں جن کی نسبت اس قاعدہ کی پابندی نہیں کی جاتی محمد بن بشار المصری احمد بن صالح مصری۔ عکرمہ مولیٰ ابن عباس کی نسبت مفصل جرحیں موجود ہیں تاہم ان جرحوں کا اعتبار نہیں کیا جاتا تعجب یہ ہے کہ جارحین ومعدلین دونوں ائمہ فن ہوتے ہیں اور ان کی رایوں میں اس قدر اختلاف ہوتا ہے جس سے سخت تعجب پیدا ہوتا ہے جابر جعفی کوفی ایک مشہور راوی ہے جس کو دعویٰ تھا کہ مجکو پچاس ہزار حدیثیں یاد ہیں اسکی نسبت ائمہ جرح وتعدیل کی یہ رائیں ہیں سفیان کا قول ہے کہ میں نے جابر سے زیادہ محتاط حدیث میں نہیں دیکھا شعبہ کہتے ہیں کہ جابر جب اخبرنا حدثنا کہیں تو وہ اوثق الناس ہیں۔ امام سفیان ثوری نے شعبہ سے کہا کہ اگر تم جابر جعفی میں گفتگو کروگے تو میں تم میں گفتگو کرونگا۔ وکیع کا قول ہے کہ تم لوگ اور کسی بات میں شک کرو تو کرو لیکن اس بات میں کچھ شک نہ کرو کہ جابر جعفی ثقہ ہیں اسکے مقابلہ میں اور ائمہ فن کی رائیں ہیں جن کے یہ الفاظ ہیں کہ وہ متروک ہے کذاب ہے ضعیف ہے چنانچہ آخیر فیصلہ جو پچھلے محدثوں نے کیا وہ یہی ہے کہ جابر کی روایت قابل اعتبار نہیں۔

اس سے یہ غرض نہیں کہ جرح وتعدیل کا فن ناقابل اعتبار ہے بلکہ یہ مقصود ہے کہ جن وسائل اور طریقوں سے رجال کے حالات قلمبند کئے گئے اور کئے جا سکتے تھے ان کا مرتبہ ظن غالب یا محض ظن سے فائق نہیں ہو سکتا اس لئے اس پر یقینیات اور قطعیات کی بنیاد نہیں قائم ہو سکتی۔

ان امور کے بعد تادیہ معنی کی بحث باقی رہتی ہے مثلاً ایک حدیث تمام محدثین اور مجتہدین کے اصول کے موافق متصل بھی ہے رواۃ بھی ثقہ ہیں شذوذ بھی نہیں ہے لیکن یہ بحث اب بھی باقی ہے کہ راوی نے ادائے مطلب کیونکر کیا؟ موقع اور محل روایت کی تمام خصوصیتیں ملحوظ رکھیں یا نہیں؟ فہم مطلب یا طریقہ ادا میں تو کوئی غلطی نہیں کی

چونکہ یہ مسلم ہے کہ حدیثیں اکثر بالمعنی روایت کیگئی ہیں اسسے ان احتمالات کو زیادہ قوت ہوجاتی ہے۔ صحابہ کے زمانہ میں کسی روایت کی صحت سے انکار کیا جاتا تھا تو اسی بنا پر کیا جاتا تھا ورنہ یہ ظاہر ہے کہ صحابہ عموماً ثقہ تھے اور ان کی روایت میں انقطاع کا کوئی احتمال تھا۔ صحیح مسلم باب التیمم میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمرؓ سے مسئلہ دریافت کیا کہ مجکو غسل کی حاجت ہوئی اور پانی نہیں ملا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ نماز نہ پڑھو۔ عمار موجود تھے انہوں نے اس مسئلہ کے متعلق رسول اللہ سے ایک روایت بیان کی اور کہا کہ اس موقع پر آپ بھی موجود تھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا اتق اللہ یا عمار یعنی اے عمار خدا سے ڈرو۔ یہ ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ عمار کو کاذب الروایۃ نہیں سمجھتے تھے لیکن اس احتمال پر کہ شاید ادائے مطلب میں غلطی ہوئی یہ الفاظ فرمائے۔ چنانچہ عمار نے کہا کہ اگر آپکی مرضی نہو تو میں یہ حدیث نہ روایت کیا کروں۔ اخبار احاد کی بحث کو ہمنے قصداً اسلئے طول دیا کہ محدثین زیادہ تر اسی مسئلہ کی وجہ سے امام ابوحنیفہ پر قدح کرتے ہیں حالانکہ امام صاحب کا مذہب نہایت تحقیق اور دقت پر مبنی ہے۔

یہ تمام احتمالات اور اشتباہات اخبار احاد کے ساتھ مخصوص ہیں متواتر اور مشہور میں ان شکوک کا مساغ نہیں انہیں وجوہ و اسباب سے اخبار احاد کے متعلق مختلف رائیں پیدا ہوگئیں۔ معتزلہ نے تو سرے سے انکار کیا انکے مقابلہ میں بعض محدثین نے یہ شدت کی کہ خبر واحد کو قطعی قرار دیا صرف یہ شرط لگائی کہ راوی ثقہ ہوں اور انقطاع و شذوذ و علت نہو۔ بعض محدثین اگرچہ اصول کے طور پر اخبار احاد کو ظنی کہتے ہیں لیکن جزئیات احکام اور مسائل اعتقادی میں اس کا خیال نہیں کرتے۔ امام ابوحنیفہ نے اس بحث میں جو مسلک اختیار کیا وہ نہایت اعتدال اور نکتہ دقت نظر کی بہت بڑی دلیل ہے انہوں نے نہ معتزلہ کی طرح سرے سے انکار کیا نہ ظاہریوں کیطرح مسائل اعتقادی سے اسکی قطعیت تسلیم کی۔ امام صاحب کی یہ رائے بڑے بڑے صحابہ کی رائے کے موافق ہے حضرت عمرؓ حضرت عائشہؓ عبداللہ مسعودؓ نے متعدد موقعوں پر خبر واحد کی تسلیم میں تردد کیا ہے جس کی وجہ یہی تھی کہ وہ اخبار احاد کو قطعی نہیں سمجھتے تھے۔ فاطمہ بنت قیس نے جب حضرت عمرؓ کے سامنے رسول اللہ سے روایت کی کہ لا سکنی و لا نفقۃ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا لا نترک کتاب اللہ بقول امرأۃ لا ندری صدقت ام کذبت یعنی ہم ایک عورت کی روایت کی بنا پر جسکی نسبت معلوم نہیں کہ اسنے غلط کہا یا صحیح ہم کتاب اللہ کو چھوڑ نہیں سکتے۔ فقہی احکام میں اس قاعدہ سے متعدد تفریعیں ہیں۔ مثلاً یہ کہ اخبار احاد سے کسی حکم کا فرض ہونا نہیں ثابت ہو سکتا کیونکہ فرضیت ثبوت قطعی کی محتاج ہے۔ البتہ اس سے ظن غالب پیدا ہوتا ہے اسلئے وجوب سنت استحباب ثابت ہو سکتا ہے۔ اسی بنا پر نماز میں قراۃ فاتحہ کو امام شافعی فرض سمجھتے ہیں اور امام ابوحنیفہ واجب۔ اس اصول پر بہت سے احکام متفرع ہیں۔

فقہ سے زیادہ اس قاعدہ کا اثر علم کلام پر پڑتا ہے اور یہی چیز ہے جسنے ایک زمانہ کو امام ابوحنیفہ کا مخالف بنا دیا تھا۔ امام صاحب نے مذکورہ بالا قاعدہ کی بنا پر یہ اصول قرار دیا تھا کہ جو مسائل اور عقائد اسلام میں متفق علیہ ہیں انکے خلاف خبر احاد قابل

اعتبار نہیں مثلاً انبیا کی عصمت اہل حق کا ایک مسلمہ مسئلہ ہے اسکے برخلاف جن روایتوں سے انبیا کا مرتکب کبیرہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ امام ابو حنیفہ کے اصول کے موافق وہ روایتیں قابل اعتبار نہیں اس اصول کی بنا پر بہت سے اشکالات سے جو ملاحدہ پیش کرتے ہیں نجات ملتی ہے لیکن افسوس ہے کہ اکثر ارباب روایت نے اس عمدہ اصول کی قدر نہ کی بلکہ الٹی بد مخالفت کی۔ علامہ ابن عبد البر نے جو مشہور محدث ہیں کتاب العلم میں لکھا ہے کہ ان

یعنی اخبار احاد میں امام ابو حنیفہ کا یہ مذہب تھا کہ اصول متفق علیہ کے خلاف ہو تو قابل قبول نہیں پس اصحاب حدیث نے اُن کی مخالفت کی اور افراط کو پہنچا دیا۔

محدثین اور امام ابو حنیفہ کے اصول میں حملاً یہ فرق ہے کہ جو حدیث اصول متفق علیہ کے خلاف ہوتی تھی محدثین اسکی صحت کو تسلیم کر کے تاویل سے کام لیتے تھے حالانکہ اکثر جگہ محض بارد تاویل ہوتی تھی بخلاف اسکے امام صاحب اس طرف مائل ہوتے تھے کہ چونکہ وہ حدیث متواتر اور مشہور نہیں ہے اسلئے ممکن ہے کہ رواۃ نے غلطی یا تسامح کی ہو۔ امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں ایک بحث لکھی ہے جو اس موقع کی ایک عمدہ مثال ہے وہ لکھتے ہیں کہ ایک شخص سے میں نے کہا کہ یہ حدیث جس میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم تین بار جھوٹ بولے مالکذب ابراہیم الا ثلث کذبات صحیح نہیں۔ کیونکہ اس سے حضرت ابراہیم کا (نعوذ باللہ) کاذب ہونا لازم آتا ہے۔ اس شخص نے کہا کہ اس حدیث کے رواۃ ثقہ ہیں انکو کاذب کیونکر کہا جائے میں نے جواب دیا کہ حدیث کو صحیح مانیں تو حضرت ابراہیم کذب لازم آتا ہے اور غلط تسلیم کریں تو راوی کو کاذب ماننا پڑتا ہے لیکن یہ بدیہی بات ہے کہ حضرت ابراہیم کو راوی پر ترجیح ہے۔" امام رازی کا استدلال امام ابو حنیفہ کے اسی خیال پر مبنی ہے یعنی چونکہ انبیا کا معصوم اور صادق ہونا متفق علیہ اصل ہے خبر واحد اسکے متعارض نہیں ہو سکتی افسوس ہے کہ محدث قسطلانی صحیح بخاری کی شرح میں استدلال کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ جب رواۃ ثقہ ہیں تو حدیث کو بہرحال صحیح ماننا چاہیے۔ اسی اصول پر امام صاحب اس بات کے قائل ہیں کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ہر سورہ کا شروع میں جزو قرآن نہیں" امام شافعی و بعض محدثین کے خلاف میں مسند میں جو حدیثیں پیش کرتے ہیں امام ابو حنیفہ کی طرف سے یہ جواب ہے کہ قرآن تواتر سے ثابت ہے اور جو تواتر سے ثابت ہے وہی قرآن ہے اخبار احاد سے قرآن نہیں ثابت ہو سکتا اسی طرح امام صاحب کے اصول کے مطابق وہ روایتیں قابل اعتبار نہیں جن میں عبد اللہ بن مسعود کی طرف معوذتین کا انکار منسوب کیا گیا ہے حافظ ابن حجر نے ان روایتوں کو صحیح تسلیم کیا ہے اور کہا ہے کہ روایت سے انکار نہیں کرنا چاہیے کہ معوذتین متواتر نہیں ہیں یا تو انکار رتبہ گھٹانا ہو گا کہ رسول اللہ کے اصحاب کو بھی اس سے واقف ہونا ضرور نہ ہوا امام صاحب کے اصول کے مطابق اسلام کا دائرہ اس قدر وسیع تنا ہے جسقدر کہ اسکو رہنا چاہیے بخلاف اسکے اور لوگوں کی رائے کے مطابق اسکی وسعت نقطہ سے

یہی کم رہ جاتی ہے۔ مثلاً یہ مسلم اور یقینی ہے کہ جو شخص توحید اور نبوت کا قائل ہے اور دل سے اس پر اعتقاد رکھتا ہے وہ قرآن مجید کی نص کے مطابق مسلمان ہے۔ اب اس کے مقابلے میں وہ حدیثیں جو قطعی الثبوت نہیں ہیں اور جنمیں بہت سے خارجی امور پر کفر کا حکم دیا گیا ہے کچھ اثر نہیں پیدا کر سکتیں۔ اسی بنا پر امام صاحب معتزلہ قدریہ جہمیہ وغیرہ کو کافر نہیں کہتے تھے اور اس قسم کی حدیثوں کا بہتر فرقوں میں سے صرف ایک فرقہ بہشتی ہے اور باقی دوزخی اعتبار نہیں کرتے تھے لیکن بہت سے ظاہر بینوں نے ان حدیثوں کا یہ رتبہ قائم کیا کہ ان کی بنا پر بات بات پر کفر کے فتوے دیے یہاں تک کہ جو شخص وضع قطع میں ذرا بھی کسی دوسری قوم کے مشابہ ہو جائے وہ کافر ہے۔ خود متاخرین حنفیہ نے امام صاحب کے اس عمدہ اصول کو نظرانداز کر دیا اور سینکڑوں ہزاروں مسائل کفر کے ایجاد کر دیے جن کی تفصیل سے فقہ کی کتابیں مالامال ہیں۔

فقہ

اسلامی علوم مثلاً تفسیر، حدیث، مغازی کی ابتدا اگرچہ اسلام کے ساتھ ساتھ ہوئی لیکن جب تک ان کو فن کی حیثیت نہیں حاصل ہوئی وہ کسی خاص شخص کی طرف منسوب نہیں ہیں۔ جو دوسری صدی کے اوائل میں تدوین و ترتیب شروع ہوئی ہے اور جن لوگوں نے تدوین و ترتیب کی وہ ان علوم کے بانی کہلائے چنانچہ بانی فقہ کا لقب امام ابوحنیفہ کو ملا جو درحقیقت اس لقب کے سزاوار ہیں۔ اگر ارسطو علم منطق کا موجد ہے تو بے شبہ امام ابوحنیفہ بھی علم فقہ کے موجد ہیں۔ امام صاحب کی علمی زندگی کا بڑا کارنامہ فقہ ہی ہے اس لئے ہم اس پر تفصیلی بحث کرنی چاہتے ہیں لیکن اصل مقصد سے پہلے ضرور ہے کہ مختصر طور پر ہم علم فقہ کی تاریخ لکھیں جس سے ظاہر ہو گا کہ یہ علم کب شروع ہوا اور کیونکر شروع ہوا؟ اور خاص کر یہ کہ امام ابوحنیفہ نے جب اس کو پایا تو اس کی کیا حالت تھی۔

فقہ کی تاریخ پر شاہ ولی اللہ صاحب نے ایک نہایت عمدہ مضمون لکھا ہے جس کا اقتباس ہمارے لئے کافی ہے وہ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ کے زمانہ میں احکام کی تقسیم نہیں پیدا ہوئی تھی۔ آنحضرت صحابہ کے سامنے وضو فرماتے تھے اور کچھ نہ بتاتے تھے کہ یہ رکن ہے یہ واجب ہے یہ مستحب ہے۔ صحابہ آپ کو دیکھ کر اسی طرح وضو کرتے تھے نماز کا بھی یہی حال تھا یعنی صحابہ فرض، واجب وغیرہ کی تفصیل و تدقیق نہیں کیا کرتے تھے جس طرح رسول اللہ کو نماز پڑھتے دیکھا خود بھی پڑھ لی۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں نے کسی قوم کو رسول اللہ کے اصحاب سے بہتر نہیں دیکھا لیکن انہوں نے رسول اللہ کی تمام زندگی میں تیرہ مسئلوں سے زیادہ نہیں پوچھے جو سب کے سب قرآن میں موجود ہیں البتہ جو واقعات غیر معمولی طور سے پیش آتے تھے انہیں لوگ آنحضرت سے استفتا کرتے اور آنحضرت جواب دیتے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا کہ لوگ کوئی کام کرتے اور آپ اس پر تحسین کی یا اس پر رضامندی ظاہر کی۔ اس قسم کی باتیں اکثر عام مجمعوں میں ہوتی تھیں۔ اور لوگ آنحضرت کے قول کو محفوظ رکھتے تھے۔

آنحضرت کی وفات کے بعد فتوحات کو نہایت وسعت ہوئی اور تمدن کا دائرہ وسیع ہوتا گیا واقعات اس کثرت سے پیش آئے کہ اجتہاد و استنباط کی ضرورت پڑی اور اجمالی احکام کی تفصیل پر متوجہ ہونا پڑا مثلاً کسی شخص نے غلطی سے نماز میں کوئی عمل ترک کر دیا۔ اب بحث یہ پیش آئی کہ نماز ہوئی یا نہیں؟ اس بحث کی پیدا ہونے کے ساتھ یہ تو ممکن تہا کہ نماز میں جسقدر اعمال ہیں سب کو فرض کہدیا جاتا صحابہ کو تفریق کرنی پڑی کہ نماز میں کتنے ارکان فرض و واجب ہیں کتنے مسنون اور مستحب اس تفریق کیلئے جو اصول قرار دیے جا سکتے تھے ان پر تمام صحابہ کی رایوں کا متفق ہونا ممکن نہ تہا اس لئے مسائل میں اختلاف آ گیا اور اکثر مسئلوں میں صحابہ کی مختلف رائیں قائم ہوئیں بہت سے ایسے واقعات پیش آئے کہ رسول اللہ کے زمانہ میں انکا عین و اثر بھی پایا گیا تہا صحابہ کو ان صورتوں میں استنباط تفریع حمل النظیر علی النظیر قیاس سے کام لینا پڑا ان اصول کے طریقے یکساں نہ تھے اس لئے ضروری اختلاف پیدا ہوئے غرض صحابہ ہی کے زمانہ میں احکام اور مسائل کا ایک دفتر بن گیا اور جدا جدا طریقے قائم ہو گئے صحابہ میں سے جن لوگوں نے استنباط و اجتہاد سے کام لیا اور مجتہد یا فقیہ کہلائے انہیں سے چار بزرگ نہایت ممتاز تھے عمرؓ۔ علیؓ۔ عبداللہ بن مسعودؓ عبداللہ بن عباس حضرت علی و عبداللہ بن مسعود زیادہ تر کوفہ میں رہے اور وہیں انکے احکام کی زیادہ ترویج ہوئی۔ اس تعلق سے کوفہ فقہ کا دار العلوم بنگیا جسطرح کہ حضرت عمر و عبداللہ بن عباس کے تعلق سے حرمین کو دار العلوم کا لقب حاصل ہوا تہا۔

حضرت علی بچپن سے رسول اللہ کی آغوش تربیت میں پلے تھے اور جس قدر انکو آنحضرتؐ کے اقوال و افعال سے مطلع ہونیکا موقع ملا تہا کسی کو نہیں ملا تہا ایک شخص نے انسے پوچھا کہ آپ اور صحابہ کی نسبت کثیر الروایہ کیوں ہیں؟ فرمایا کہ میں آنحضرت سے کچھ دریافت کرتا تہا تو بتاتے تھے اور جب چپ رہتا تھا تو خود ابتدا کرتے تھے اسکے ساتھ ذہانت قوت استنباط ملکہ استخراج ایسا بڑھا ہوا تہا کہ عموماً صحابہ اعتراف کرتے تھے حضرت عمرؓ کا عام قول تہا کہ خدا نکرے کہ مشکل مسئلہ آن پڑے اور علیؓ موجود نہوں۔ عبداللہ بن عباس خود مجتہد تھے مگر کہا کرتے تھے کہ جب ہمکو علیؓ کا فتویٰ ملجائے تو کسی اور چیز کی ضرورت نہیں۔

عبداللہ بن مسعود بھی حدیث و فقہ دونوں میں کامل تھے رسول اللہ کے ساتھ جسقدر جلوت و خلوت میں ہمدم و ہمراز رہتے تھے بہت کم لوگ رہے ہونگے۔ صحیح مسلم میں ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ ہم یمن سے آئے اور کچھ دنوں تک مدینہ میں رہے۔ ہم نے عبداللہ بن مسعود کو رسول اللہ کے پاس اس کثرت سے آتے جاتے دیکھا کہ قرآن مجید کی کوئی آیت ایسی نہیں ہے جسکی نسبت وہ یہ نہ جانتے ہوں کہ کس باب میں اتری ہے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص قرآن مجید کا مجھ سے زیادہ عالم ہوتا تو میں اسکے پاس سفر کر کے جاتا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ انہوں نے ایک مجمع میں دعویٰ کیا کہ تمام صحابہ جانتے ہیں کہ میں قرآن کا سب سے زیادہ عالم ہوں شقیق اس جلسہ میں موجود تھے وہ کہتے ہیں کہ

مجتہد صحابہ

حضرت

عبداللہ بن مس

اس واقعہ کے بعد میں اکثر صحابہ کے حلقوں میں شریک ہوا مگر میں نے عبد اللہ بن مسعودؓ کے دعوی کا منکر نہیں پایا۔

عبد اللہ بن مسعودؓ باقاعدہ طور پر حدیث و فقہ کی تعلیم دیتے تھے اور انکی درس گاہ میں بہت سے تلامذہ کا مجمع رہتا تھا جنمیں سے چند شخص یعنی اسود عبیدہ حارث علقمہ نہایت نامور ہیں علقمہ رسول اللہ کی زندگی میں پیدا ہوئے تھے اور حضرت عمرؓ عثمانؓ علیؓ عائشہؓ سعدؓ حذیفہؓ خالد بن ولیدؓ خبابؓ اور بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کیں تاہم زیادہ تر عبد اللہ بن مسعودؓ کی صحبت میں التزام سے رہے تھے اور انکے طور و طریقہ کے اسقدر قدم بقدم چلتے تھے کہ لوگونکا قول تہا کہ جس نے علقمہ کو دیکھ لیا اس نے عبد اللہ بن مسعود کو دیکھ لیا خود عبد اللہ بن مسعود کا قول تہا کہ جس قدر علقمہ کی معلومات ہیں میری معلومات اس سے زیادہ نہیں ہیں اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ صحابہ ان سے مسائل دریافت کرنے آتے تھے عبد اللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں میں اگر کوئی شخص علقمہ کا ہمسر تہا تو اسود تھے

علقمہ و اسود کے انتقال کے بعد ابراہیم نخعی مسند نشین ہوئے اور فقہ کو بہت کچھ وسعت دی یہانتک کہ انکو فقیہہ العرق کا لقب ملا علم حدیث میں انکا یہ پایہ تہا کہ صیرفی الحدیث کہلاتے تھے امام شعبی نے جو علامۃ التابعین کے لقب سے ممتاز ہیں انکی وفات کے وقت کہا کہ ابراہیم نے کسی کو نہیں چھوڑا جو ان سے زیادہ عالم اور فقیہہ ہو اس پر ایک شخص نے تعجب سے پوچھا کہ کیا حسن بصری اور ابن سیرین بہی شعبی نے کہا حسن بصری اور ابن سیرین کیا تم تو بصرہ کوفہ شام حجاز میں کوئی شخص ان سے زیادہ عالم نہیں تہا ابراہیم نخعی کے عہد میں مسائل فقہ کا ایک مختصر مجموعہ تیار ہو گیا تہا جسکا ماخذ حدیث نبوی و حضرت علی و عبد اللہ بن مسعودؓ کے فتوے تھے یہ مجموعہ گو مرتب طور پر قلمبند نہیں کیا گیا لیکن انکے شاگردوں کو اسکے مسائل زبانی یاد تھے سب سے زیادہ یہ مجموعہ حماد کے پاس جمع تہا جو ابراہیم کے تلامذہ میں نہایت ممتاز تھے چنانچہ انکے مرنے کے بعد فقہ کی مسند خلافت بہی انہیں کو ملی حماد نے گو فقہ کو چنداں ترقی نہیں دی لیکن وہ ابراہیم کے مجموعہ فقہ کے بہت بڑے حافظ تھے۔ حماد نے سنہ ۱۲۰ ہجری میں قضا کی اور لوگوں نے انکی جگہ امام ابوحنیفہ کو فقہ کی مسند پر بٹھایا۔

امام صاحب کے زمانہ تک اگرچہ فقہ کے معتد بہ مسائل مدون ہو چکے تھے لیکن اولاً تو یہ تدوین صرف زبانی روایت تھی دوسرے جو کچھ تہا فن کی حیثیت سے نتہا نہ استنباط و استدلال کے قواعد قرار پائے تھے نہ احکام کی تفریع کے اصول منضبط تھے نہ حدیثوں میں امتیاز مراتب تہا نہ قیاس و رشتہ نظیر علی النظیر کی قاعدے مقرر تھے مختصر یہ کہ فقہ جزئیات مسائل کا نام تہا اور اسکو قانون کے رتبہ تک پہنچانے کیلئے بہت سے زینے باقی تھے تاریخ سے اس بات کا پتہ لگانا مشکل ہے کہ امام ابوحنیفہ کو خاص کس وجہ سے فقہ کی تدوین کا خیال پیدا ہوا قلائد عقود العقیان کے مصنف نے کتاب الموفق الفقہاء سے ایک قصہ نقل کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ دو شخص حمام میں نہانے گئے اور حمامی کے پاس کچھ امانت رکھ گئے ایک ان میں سے نہا کر نکلا اور حمامی سے امانت طلب کی اسنے دیدی یہ سلے کر

چلتا بنا دوسرا حمام سے باہر آیا اور امانت مانگی تو اسنے عذر کیا کہ میں نے تمہارے شریک کو حوالہ کر دی اسنے عدالت میں استغاثہ کیا قاضی صاحب نے حمامی کو ملزم ٹھہرایا کہ جب دونوں نے ملکر تیرے پاس امانت رکھی تھی تو تجھکو ضرور تھا کہ دونوں کی موجودگی میں واپس کرتا حمامی گھبرایا ہوا امام ابوحنیفہ کے پاس آیا امام صاحب نے کہا کہ تم جاکر اس شخص سے کہو کہ میں تمہاری امانت ادا کرنیکے لئے تیار ہوں لیکن قاعدے کے موافق تنہا تمکو نہیں دے سکتا شریک کو لاؤ تو لیجاؤ اس واقعہ کے بعد امام صاحب کو فقہ کی تدوین کا خیال پیدا ہوا اور اسکی ترتیب شروع کی

ممکن ہے کہ یہ واقعہ صحیح ہو لیکن اس خیال کے پیدا ہونے کے اصلی اسباب اور تھے یہ امر تاریخوں سے ثابت ہے کہ امام صاحب کو تدوین فقہ کا خیال قریباً ۱۲۰ھ میں پیدا ہوا یعنی جب انکے استاد حماد نے وفات پائی یہ وہ زمانہ ہے کہ اسلام کا تمدن نہایت وسعت پکڑ گیا تھا عبادات اور معاملات کے متعلق اس کثرت سے واقعات پیدا ہو گئے تھے اور ہوتے جاتے تھے کہ ایک مرتب مجموعہ قانون کے بغیر کسی طرح کام نہیں چل سکتا تھا نیز سلطنت کی وسعت اور دوسری قوموں کے میل جول سے تعلیم و تعلم نے اس قدر وسعت حاصل کر لی تھی کہ زبانی سند و روایت اسکا تحمل نہیں کر سکتی تھی اسیوقت پر قدرتی طور پر لوگوں کے دل میں خیال آیا ہو گا کہ ان جزئیات کو اصول کیساتھ ترتیب دیکر ایک فن بنا دیا جاوے امام ابوحنیفہ کی طبیعت مجتہدانہ اور غیر معمولی طور پر مشتاقانہ واقع ہوئی تھی اسکے ساتھ تجارت کی وسعت اور ملکی تعلقات نے انکو معاملات کی ضرورتوں سے خبردار کر دیا تھا اطراف بلاد سے ہر روز جو سینکڑوں ضروری استفتا آتے تھے انسے انکو اندازہ ہوتا تھا کہ ملک کو اس فن کی کس قدر حاجت ہے قضاۃ اور حکام فصل قضایا میں جو غلطیاں کرتے تھے وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے۔

غرض یہ اسباب اور وجوہ تھے جنہوں نے انکو اس فن کی تدوین و ترتیب پر آمادہ کیا۔ ممکن ہے کہ کسی خاص واقعہ سے جیسا کہ اوپر مذکور ہوا اس آمادگی کو اور تحریک ہوئی جسکے ساتھ عملی کوشش کا ظہور ہوا۔

امام صاحب نے جس طریقہ سے فقہ کی تدوین کا ارادہ کیا وہ نہایت وسیع اور پر خطر کام تھا اس لئے انہوں نے اتنے بڑے کام کو اپنی ذاتی رائے اور معلومات پر منحصر کرنا نہیں چاہا اس غرض سے انہوں نے اپنے شاگردوں میں سے چند نامور

تلامذہ تدوین

شخص انتخاب کئے جنمیں سے اکثر خاص خاص فنون میں جو تکمیل فقہ کے لئے ضروری تھے استاد زمانہ تسلیم کئے جاتے تھے مثلاً یحیی ابی زائدہ حفص بن غیاث قاضی ابو یوسف داؤد الطائی حبان مندل حدیث و آثار میں نہایت کمال رکھتے تھے امام زفر قوت استنباط میں مشہور تھے قاسم بن معن اور امام محمد کو ادب اور عربیت میں کمال تھا امام صاحب نے ان لوگوں کی شرکت سے ایک مجلس مرتب کی اور باقاعدہ طور سے فقہ کی تدوین شروع ہوئی امام طحاوی نے بسند متصل اسد بن فرات سے روایت کی ہے کہ ابوحنیفہ کے تلامذہ جنہوں نے فقہ کی تدوین کی چالیس تھے جنمیں یہ لوگ زیادہ ممتاز تھے ابو یوسف زفر داؤد الطائی اسد بن عمرو یوسف

بن خالد التمیمی یحییٰ بن ابی زائدہ" امام طحاوی نے یہ بھی روایت کی ہے کہ لکھنے کی خدمت یحییٰ سے متعلق تھی اور وہ تیس برس تک اس خدمت کو انجام دیتے رہے اگرچہ یہ صحیح ہے کہ اس کام میں کم و بیش تیس برس کا زمانہ صرف ہوا یعنی ۱۲۰ھ ہجری سے ۱۵۰ھ تک جو امام ابوحنیفہ کی وفات کا سال ہے لیکن یہ غلط ہے کہ یحییٰ شروع کی اس کام میں شریک تھے یحییٰ ۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے تھے اسلئے وہ شروع سے کیونکر شریک ہو سکتے تھے طحاوی نے جن لوگوں کے نام بتائے ہیں ان کے سوا عافیہ ازدی ابو علی عروی حبان قاسم بن معن حبان مندل بھی اس مجلس کے ممبر رہے تھے

طریقہ تدوین

تدوین کا طریقہ یہ تھا کہ کسی خاص باب کا کوئی مسئلہ پیش کیا جاتا تھا اگر اسکے جواب میں سب لوگ متفق الرائے ہوتے تو اسی وقت قلمبند کر لیا جاتا ورنہ نہایت آزادی سے بحثیں شروع ہوتیں کبھی کبھی بہت دیر تک بحث قائم رہتی امام صاحب بہت غور و تحمل سے سب کی تقریریں سنتے اور بالآخر ایسا جچا تلا فیصلہ کرتے کہ سب کو تسلیم کرنا پڑتا کبھی ایسا بھی ہوتا کہ امام صاحب کے فیصلے کے بعد بھی لوگ اپنی اپنی رایوں پر قائم رہتے اسوقت وہ سب مختلف اقوال قلمبند کر لئے جاتے اسکا التزام تھا کہ جبتک تمام شرکائے جلسہ جمع نہو لیں کسی مسئلہ کو طے نکیا جائے جواہر مضیئہ کے مصنف نے عافیہ بن یزید کے تذکرہ میں اسحٰق سے روایت کی ہے کہ امام ابوحنیفہ کے اصحاب کسی مسئلہ میں بحث کرتے ہوتے اور عافیہ موجود نہوتے تو امام صاحب فرماتے کہ عافیہ کو آلینے دو جب وہ آلیتے اور اتفاق کرتے تب وہ مسئلہ درج تحریر کیا جاتا اس طرح تیس برس کی مدت میں یہ عظیم الشان کام انجام کو پہنچا امام صاحب کی اخیر عمر قید خانہ میں گذری وہاں بھی یہ کام برابر جاری رہا۔

اس مجموعہ کی ترتیب جیسا کہ حافظ ابوالمحاسن نے بیان کی ہے یہ تھی اول باب الطہارۃ باب الصلوٰۃ باب الصوم پھر عبادات کے اور ابواب اسکے بعد معاملات سب سے اخیر میں باب المیراث

مجموعہ کا رواج

امام صاحب کی زندگی ہی میں اس مجموعہ نے وہ حسن قبول حاصل کیا کہ اسوقت کے حالات کے لحاظ سے مشکل سے قیاس میں آ سکتا ہے جسقدر اسکے اجزا تیار ہوتے جاتے تھے ساتھ ہی ساتھ تمام ملک میں اسکی اشاعت ہوتی جاتی تھی امام صاحب کا درسگاہ ایک قانونی مدرسہ تھا جسکے طلبا نہایت کثرت سے ملکی عہدوں پر مامور ہوتے تھے اور انکی آئین حکومت کا یہی مجموعہ تھا تعجب یہ ہے کہ جن لوگوں کو امام صاحب سے ہمسری کا دعویٰ تھا وہ بھی اس کتاب سے بے نیاز نہ تھے۔ امام سفیان ثوری نے بڑے لطائف الحیل سے کتاب الرہن کی نقل حاصل کی اور اس کو اکثر پیش نظر رکھتے تھے زائدہ کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن سفیان کے سرہانے ایک کتاب دیکھی جس کا وہ مطالعہ کر رہے تھے انسے اجازت مانگ کر میں اسکو دیکھنے لگا تو ابوحنیفہ کی کتاب الرہن نکلی میں نے تعجب سے پوچھا کہ آپ ابوحنیفہ کی کتابیں دیکھتے ہیں" بولے "کاش انکی سب کتابیں میرے پاس ہوتیں۔

یہ بھی کچھ کم تعجب کی بات نہیں کہ باوجودیکہ اسوقت بڑے بڑے مدعیان فن موجود تھے اور ان میں بعض

امام ابوحنیفہ سے مخالفت بھی رکھتے تھے تاہم کسی کو اس کتاب کی رد و قدح کی جرأت نہیں ہوئی۔ امام رازی مناقب الشافعی میں لکھتے ہیں ان اصحاب الرای اظہروا مذہبہم وکانت الدنیا مملوۃ من المحدثین ورواۃ الاخبار والآثار وما قدر احد منہم الطعن فی اقاویل اصحاب الرای یعنی اصحاب الرائے (ابوحنیفہ اور انکے تلامذہ) نے اپنے مسائل جس زمانہ میں ظاہر کئے دنیا محدثین اور راویان اخبار سے بھری ہوئی تھی تاہم کسی کو یہ قدرت نہ ہوئی کہ ان کے قول پر اعتراض کرتا۔ امام رازی نے تو عام نفی کی ہے لیکن ہم کو زیادہ استقصا سے معلوم ہوا کہ اس عموم میں ایک استثنا ہے کیونکہ بیہقی نے تصریح کی ہے کہ امام اوزاعی نے ابوحنیفہ کی کتاب السیر کا رد لکھا تھا جس کا جواب قاضی ابو یوسف نے لکھا۔

غرض یہ مجموعہ بہت بڑا مجموعہ تھا اور ہزاروں مسائل پر مشتمل تھا۔ قلائد عقود العقیان کے مصنف نے کتاب الصیانۃ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے جس قدر مسائل مدون کئے انکی تعداد بارہ لاکھ نوے ہزار کچھ زیادہ ہے۔ شمس الائمہ کردری نے لکھا ہے کہ "یہ مسائل چھ لاکھ تھے" یہ خاص تعداد شاید صحیح نہ ہو لیکن کچھ شبہ نہیں کہ ان کی تعداد لاکھوں سے کم نہ تھی۔ امام محمد کی جو کتابیں آج موجود ہیں ان سے اسکی تصدیق ہو سکتی ہے۔

اگرچہ اس میں کسی طرح شبہ نہیں ہو سکتا کہ امام ابوحنیفہ کی زندگی ہی میں فقہ کے تمام ابواب مرتب ہو گئے تھے۔ رجال و تاریخ کی کتابوں میں اس کا ثبوت ملتا ہے جسکا انکار گویا تواتر کا انکار ہے لیکن افسوس ہے کہ وہ مجموعہ ایک مدت سے ضائع ہو گیا ہے اور دنیا کے کسی کتب خانہ میں اسکا پتہ نہیں چلتا۔ امام رازی مناقب الشافعی میں لکھتے ہیں کہ "ابوحنیفہ کی کوئی تصنیف باقی نہیں رہی" امام رازی نے ۶۰۶ھ میں انتقال کیا اس لحاظ سے کم از کم چھ سو برس ہوئے کہ امام صاحب کی تصنیفات ناپید ہو چکیں۔ امام صاحب کی تصنیفات کا ضائع ہو جانا اگرچہ کچھ محل تعجب نہیں۔ اس عہد کی ہزاروں کتابوں میں سے آج ایک کا بھی وجود نہیں۔ امام اوزاعی، ابن جریج، ابن عروبہ، حماد بن ابی عمر۔ ان کی تالیفات عین اسی زمانہ میں شائع ہوئیں جب امام ابوحنیفہ کا دفتر فقہ مرتب ہو رہا تھا تاہم ان کتابوں کا نام بھی کوئی نہیں جانتا لیکن امام ابوحنیفہ کی تصنیفات کی گمشدگی کی ایک خاص وجہ ہے۔ امام صاحب کا مجموعہ فقہ اگرچہ بجائے خود مرتب اور خوش اسلوب تھا لیکن قاضی ابو یوسف و امام محمد نے انہیں مسائل کو زیادہ وضاحت و تفصیل سے لکھا اور ہر مسئلہ پر استدلال و براہین کے ایسے حاشیے اضافہ کئے کہ انہیں کو رواج عام ہو گیا اور اصل ماخذ سے لوگ بے پروا ہو گئے۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ متاخرین نحویوں کی تصنیفات کے بعد فراء، کسائی، خلیل، اخفش، ابو عبیدہ کی کتابیں دنیا سے بالکل ناپید ہو گئیں حالانکہ یہ لوگ فن نحو کے بانی اور مدون اول تھے۔ امام صاحب کے مسائل کا آج جو ذخیرہ دنیا میں موجود ہے وہ امام محمد اور قاضی ابو یوسف کی تالیفات ہیں جنکے نام اور مختصر حالات ان بزرگوں کے ترجمہ میں ہم لکھیں گے۔

یہ فقہ اگرچہ عام طور سے فقہ حنفی کہلاتا ہے لیکن درحقیقت وہ چار شخصوں یعنی امام ابوحنیفہ۔ زفر۔ قاضی ابو یوسف۔ امام محمد کی رایوں کا مجموعہ ہے۔ قاضی ابو یوسف و امام محمد نے بہت سے مسائل میں امام ابوحنیفہ کی رائے سے اختلاف کیا ہے۔ فقہائے حنفیہ نے روایتیں نقل کی ہیں کہ ان صاحبوں کو اعتراف تھا کہ ہم نے جو اقوال امام ابوحنیفہ کے مخالف کہے وہ بھی امام ابوحنیفہ ہی کے اقوال تھے کیونکہ بعض مسئلوں میں امام ابوحنیفہ نے متعدد اور مختلف رائیں ظاہر کی تھیں۔ یہ روایتیں شامی وغیرہ میں مذکور ہیں لیکن ان کا ثابت ہونا مشکل ہے ہمارے نزدیک ان مقلدوں کا حسن ظن ہے قاضی ابو یوسف و امام محمد اجتہاد مطلق کا منصب رکھتے تھے اور ان کو اختلاف کا پورا حق حاصل تھا اسلام کی ترقی کا وقت تھا یہی کہ لوگ باوجود حسن عقیدت کے بزرگوں اور استادوں کی رائے سے علانیہ مخالفت کرتے تھے اور خیالات کی ترقی محدود نہ تھی۔

مسائل جو فقہ حنفی کے نام سے موسوم ہیں نہایت تیزی سے تمام ملک میں پھیل گئے۔ عرب میں تو چنداں ان مسائل کو رواج نہ ہوا کیونکہ مدینہ میں امام مالک اور مکہ میں ائمہ ان کے حریف مقابل موجود تھے۔ لیکن عرب کے سوا تمام ممالک اسلامی میں جن کی وسعت سندھ سے ایشیائے کوچک تک تھی عموماً انہیں کا طریقہ جاری ہو گیا۔ ہندوستان سندھ کابل بخارا۔ وغیرہ میں تو انکے اجتہاد کے سوا کسی کا اجتہاد تسلیم ہی نہیں کیا جاتا۔ دوسرے ممالک میں گو شافعی و حنبلی فقہ کا بھی رواج ہوا لیکن فقہ حنفی کو دبا نہیں سکا البتہ بعض ملکوں میں وہ بالکل معدوم ہو گیا اور اسکے خاص اسباب تھے مثلاً افریقہ میں ۴۰۰ھ تک امام ابوحنیفہ کا طریقہ تمام طریقوں پر غالب تھا لیکن معز بن بادیس نے[1] ۴۰۷ھ میں جب وہاں کی مستقل حکومت حاصل کی تو حکومت کے زور سے تمام ملک میں مالکی فقہ کو رواج دیدیا کہ آجتک قائم ہے۔

سلاطین حنفی تھے

ایک خاص بات یہ ہے کہ عنان حکومت جن لوگوں کے ہاتھ میں رہی وہ اکثر حنفی ہی فقہ کے پابند تھے خلفائے عباسیہ تو اس بحث سے خارج ہیں۔ کیونکہ یہ خاندان جب تک اوج پر رہا یہ لوگ تلوار کے ساتھ قلم کے بھی مالک رہے یعنی ان کو خود دعویٰ اجتہاد تھا اور کبھی کسی کی تقلید نہیں کی۔ تنزل کے بعد وہ اس قابل ہی نہیں رہے کہ ان کے حالات سے کسی ملکی اثر کا اندازہ کیا جائے تاہم ان میں اگر کسی نے تقلید گوارا کی تو ابوحنیفہ ہی کی کی۔ عبداللہ بن المعتز جو فن بدیع کا موجد تھا اور خلفائے عباسیہ میں سب سے بڑا شاعر اور ادیب تھا حنفی المذہب[2] تھا۔

عباسیہ کے تنزل کے ساتھ جن خاندانوں کو عروج ہوا۔ اکثر حنفی تھے۔ خاندان سلجوق جس نے ایک وسیع مدت تک حکومت کی اور جن کے دائرہ حکومت کی وسعت طول میں کاشغر سے بیت المقدس تک اور عرض میں قسطنطنیہ سے بلاد خزر تک پہنچی تھی حنفی تھا۔ محمود غزنوی جسکے نام سے ہندوستان کا بچہ بچہ واقف ہے فقہ حنفی کا بہت بڑا عالم تھا فن فقہ میں اس کی ایک نہایت عمدہ تصنیف موجود ہے جسکا نام التفرید ہے اور جس میں کم و بیش ساٹھ ہزار مسئلے ہیں۔ نور الدین زنگی کا نام چھپا ہوا نہیں ہے وہ ہمارے ہیروز میں داخل ہے۔

[1] تاریخ ابن خلکان ترجمہ معز بن بادیس ۱۲ [2] تاریخ ابن خلکان ترجمہ عبداللہ بن المعتز ۱۲

بیت المقدس کی لڑائیوں میں اول انہی نے نام حاصل کیا صلاح الدین فاتح بیت المقدس انہی کے دربار
ملازم تھا۔ دنیا میں پہلا دار الحدیث انہی نے قائم کیا اگرچہ وہ شافعی و مالکی فقہ کی بھی عزت کرتا تھا۔ لیکن وہ خود اور
اسکا تمام خاندان مذہباً حنفی تھا صلاح الدین خود شافعی تھا لیکن اس کے خاندان میں بھی حنفی المذہب موجود تھے
الملک المعظم جیسے بن الملک العادل جو ایک وسیع ملک کا بادشاہ تھا علامہ ابن خلکان اُسکے حالات میں لکھتے ہیں
کہ وہ نہایت عالی ہمت فاضل ہوشمند و دلیر پر رعب تھا اور حنفی مذہب میں غلو رکھتا تھا چراکسہ مصر جو نویں
صدی کے آغاز میں مصر کی حکومت پر پہنچے اور ۱۴۰ برس تک فرمانروا رہے اور بہت سی فتوحات حاصل کیں
خود حنفی تھے اور اُن کے دربار میں اسی مذہب کو زیادہ فروغ تھا۔ سلاطین ترک جو کم و بیش چھ سو برس سے روم
کے فرمانروا ہیں اور آج اُنہیں کی سلطنت اسلام کی عزت و وقار کی یادگار ہے عموماً حنفی ہیں خود ہمارے ہندوستان
کے فرمانروا خوانین اور آل تیمور اسی مذہب کے پابند رہے اور اُن کی وسیع سلطنت میں اس طریقہ کے سوا اور کسی طریقہ
رواج نہ ہو سکا۔ بعضوں کا خیال ہے کہ حنفی مذہب کو جو قبول عام حاصل ہوا وہ حکومت کے صدقہ سے ہوا۔ ابن حزم جو
ارباب ظاہر کے مشہور امام ہیں انکا قول ہے کہ دو مذہبوں نے سلطنت کے زور سے ابتدا ہی میں رواج عام حاصل کیا ایک ابوحنیفہ
کا مذہب کیونکہ جب قاضی ابویوسف کو قاضی القضاۃ کا منصب ملا تو انہوں نے حنفی لوگوں کو عہدہ قضا پر مقرر کیا دوسرا
امام مالک کا مذہب اُندلس میں۔ کیونکہ امام مالک کے شاگرد یحییٰ مصمودی خلیفہ اندلس کے نہایت مقرب تھے اور کوئی
شخص بے اُنکے مشورے کے عہدہ قضا پر مقرر نہ ہو سکتا تھا وہ صرف اپنے ہم مذہبوں کو مقرر کراتے تھے۔[1]

حنفی مذہب کے حسن قبول کا سبب

لیکن یہ ابن حزم کی ظاہر بینی ہے۔ امام ابوحنیفہ ۱۲۰ھ میں مسند اجتہاد پر بیٹھے قاضی ابویوسف نے ۱۷۰ھ کے
بعد قاضی القضاۃ کا منصب حاصل کیا۔ کیونکہ اُن کے تقرر اور عروج کا زمانہ ہارون الرشید کے عہد سے شروع ہوتا ہے
جو ۱۷۰ھ میں تخت نشین ہوا تھا۔ قاضی ابویوسف کے فروغ سے پہلے پچاس برس کا زمانہ گزر چکا تھا جس میں امام ابوحنیفہ کے
مذہب نے قبول عام حاصل کر لیا تھا اور اُنکے بیسیوں شاگرد قضا کے عہدہ پر مامور ہو چکے تھے اس کامیابی کو کس کی
طرف منسوب کیا جائے؟ یہ ضرور ہے کہ قاضی ابویوسف کی وجہ سے امام صاحب کے مسائل کو اور زیادہ عروج ہوا لیکن
مذہب حنفی کا اصلی عروج قاضی صاحب کی کوششوں کا محتاج نہ تھا امام رازی نے باوجود مخالفت کے تسلیم کیا ہے کہ
فانہ ما قوی مذہب اصحاب الرای و اشتہر و عظم وقعتہ فی البلاد ثم اتفق اتصال ابی یوسف و محمد بخدمۃ
ہارون الرشید فعظمت تلک القوۃ جدا لان العلم والسلطنۃ حصلا معا یعنی "اصحاب الرائے کا مذہب قوی
ہوا اور شہرت پکڑ گیا اور اُس کی وقعت دلوں میں بہت ہو گئی پھر اس کے بعد ابویوسف و محمد کو ہارون الرشید کے دربار میں
رسائی حاصل ہوئی تو یہ قوت بہت ہی زیادہ بڑھ گئی۔ کیونکہ علم اور حکومت دونوں مجتمع ہو گئے۔

[1] ابوالمظفر الصوفی مجید الدین ذیلی ہو سکہ ابن حزم کے اس قول کو علامہ ابن خلکان نے یحییٰ مصمودی کے ترجمہ میں نقل کیا ہے ۱۲

اسکے علاوہ قاضی ابو یوسف کا اثر ہارون الرشید کے زمانہ تک محدود تھا۔ دیلمیا اور غیر منتظم کا مسلک اگرچہ پہلے
پھیلی۔ اسپین تو بعض علمائے نے بھی اپنے عہد میں نہایت رسوخ حاصل کیا تھا۔ امام اوزاعی اپنی زندگی میں
اور مابعد تک بھی تمام شام کے امام مطلق تسلیم کئے گئے اور ان ممالک میں لوگ عموماً انہیں کی تقلید کرتے تھے
لیکن وہ ایک محدود اثر تھا جو بہت جلد جاتا رہا۔ ان واقعات سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کی فقہ
میں ایسی خاص خوبیاں ہیں جو اور مذہبوں میں نہیں۔

تمام ممالک اسلامی میں جن ائمہ کی فقہ نے رواج پایا وہ صرف چار ہیں۔ ابوحنیفہ، مالک، شافعی، احمد
حنبل۔ مسائل فقہ کی ترویج و اشاعت کا سبب اگرچہ خود ان مسائل کی خوبی و عمدگی ہے لیکن کچھ شبہ نہیں
کہ اس امر میں واضع فقہ کی ذاتی رسوخ اور عظمت کو بھی بہت کچھ دخل ہے۔ ہمارے نزدیک امام ابوحنیفہ کے سوا
اور مجتہدین فقہ کی ترویج و اشاعت کا باعث زیادہ تر انکی ذاتی خصوصیتیں تھیں۔ مثلاً امام مالک مدینہ کے رہنے
والے تھے جو نبوت کا مرکز اور خلفائے راشدین کا دار الخلافہ رہ چکا تھا۔ اس تعلق سے لوگوں کو عموماً مدینہ اور ارباب
مدینہ کے ساتھ خلوص و عقیدت تھی۔ اُن کا خاندان ایک علمی خاندان تھا۔ اُن کے دادا مالک بن ابی عامر نے بڑے
بڑے صحابہ سے حدیثیں سیکھی تھیں۔ اُن کے چچا نافع محدث تھے۔ امام مالک نے جب حدیث و فقہ میں کمال پیدا
کیا تو یہ عارضی اوصاف اُن کی ذاتی قابلیت کے ساتھ مل کر نمایاں ہوئے اور تمام اطراف و دیار میں اُنکی شہرت کا سکہ
جم گیا۔ امام شافعی کو اور بھی خصوصیتیں حاصل تھیں۔ مکہ معظمہ وطن تھا۔ باپ کی طرف سے قرشی اور مطلبی اور
ماں کی طرف سے ہاشمی تھے۔ انکا تمام خاندان ہمیشہ سے معزز و ممتاز چلا آتا تھا۔ اُن کے پردادا سائب جنگ بدر
میں ہاشمیوں کے علم بردار تھے اور گرفتار ہو کر اسلام لائے تھے۔ مکہ معظمہ کی ولادت، خاندان کا اعزاز، رسول اللہ
کی ہم نسبی، ایسی چیزیں تھیں جن سے بڑھ کر حسن قبول اور مرجعیت کیلئے کوئی کارگر آلہ نہیں ہو سکتا تھا۔
امام ابوحنیفہ میں اس قسم کی کوئی خصوصیت نہ تھی۔ قرشی اور ہاشمی ہونا تو ایک طرف وہ عربی النسل بھی نہ تھے
خاندان میں کوئی شخص ایسا نہیں گزرا تھا جو اسلامی گروہ کا مرجع اور مقتدا ہوتا۔ آبائی پیشہ تجارت تھا اور خود
تمام عمر اسی ذریعہ سے زندگی بسر کی۔ کوفہ جو انکا مقام ولادت تھا گو دار العلم تھا لیکن مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کا ہمسر
کیونکر ہو سکتا تھا۔ بعض اتفاقی اور ناگزیر اسباب سے ارباب روایت کا ایک گروہ اُن کی مخالفت پر کمربستہ تھا۔
غرض حسن قبول اور عام اثر کے لئے جو اسباب درکار ہیں وہ بالکل نہ تھے۔ باوجود اسکے انکی فقہ کا تمام ممالک اسلامیہ
میں اس وسعت اور ترقی کیساتھ رواج پانا یقیناً اس بات کی دلیل ہے کہ انکا طریقہ فقہ انسانی ضرورتوں کے
نہایت مناسب اور موزوں واقع ہوا تھا اور بالخصوص تمدن کیساتھ جسقدر اُن کی فقہ کو مناسبت تھی کسی
فقہ کو نہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اور ائمہ کے مذہب کو زیادہ تر انہیں ملکوں میں رواج ہوا جہاں تمدن نے

فقہ نے زیادہ ترقی نہیں کی تھی۔ علامہ ابن خلدون اس بات کی وجہ بتاتے ہیں کہ مغرب اندلس میں بدویت غالب تھی اور وہاں کے لوگوں نے وہ ترقی نہیں حاصل کی تھی جو اہل عراق نے حاصل کی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ان ممالک میں امام مالکؒ کی فقہ کے سوا اور کسی فقہ کو فروغ نہ ہوسکا،،

حنفی فقہ جس میں امام ابوحنیفہؒ کے علاوہ اُن کے نامور شاگردوں کے مسائل بھی شامل ہیں اُس زمانہ کا بڑا قانون بلکہ بہت بڑا مجموعہ قوانین تھا۔ زمانہ مابعد میں گو علمائے حنفیہ نے اُس پر بہت کچھ اضافہ کیا اور کائنات کی تفریع کی ساتھ اصول فن کو نہایت ترقی دی لیکن ایجاد کے زمانہ میں جس قدر کسی فن کی حالت ہوسکتی ہے وہ اس سے زیادہ بہتر تھی جو امام ابوحنیفہ کے عہد میں فقہ کو حاصل ہو چکی۔ اس مجموعہ میں عبادات کے علاوہ دیوانی فوجداری تعزیرات۔ لگان۔ مالگزاری۔ شہادت۔ معاہدہ۔ وراثت۔ وصیت۔ اور بہت سے قوانین شامل تھے اُس کی وسعت اور خوبی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ہارون الرشید اعظم کی وسیع سلطنت جو سندھ سے ایشیائے کوچک تک پھیلی ہوئی تھی۔ اُنہیں اصول پر قایم تھی اور اس عہد کے تمام واقعات اور معاملات انہیں قواعد کی بنا پر فیصل ہوتے تھے یہ قانون جس کو فقہ کہتے ہیں دو قسم کے مسائل پر مشتمل ہے اور اس لحاظ سے اُس کے واضع کی دو مختلف حیثیتیں ہیں (۱) وہ مسائل جو شریعت سے ماخوذ ہیں۔ اور تشریعی احکام کہے جاسکتے ہیں (۲) وہ احکام جن سے شریعت نے سکوت کیا ہے اور جو تمدن اور معاشرت کی ضرورتوں سے پیدا ہوتے ہیں یا جنکا ذکر شریعت میں ہے لیکن تشریعی طور پر نہیں۔

سیاسی ل...

پہلی قسم کے مسائل کے لحاظ سے فقیہ کی حیثیت شارح اور مفسر کی حیثیت ہے اور اس اعتبار سے اُس کے لیے جس قسم کی قابلیت درکار ہے وہ مہارت زبان۔ واقفیت نصوص۔ قوت استنباط۔ توفیق متعارضات ترجیح دلائل ہے۔ دوسری قسم کے احکام کے لحاظ سے واضع فقہ ایک مقنن کی حیثیت رکھتا ہے اور اس لحاظ سے اُسکی قابلیت اُس رتبہ کی ہونی چاہئیے جیسی کہ دنیا کے اور مشہور مقننوں کی تھی۔ یہ دونوں حیثیتیں ایک دوسرے سے ممتاز ہیں۔ اسلام میں بہت سے نامور گزرے ہیں جو مقنن اور واضع قانون تھے لیکن نصوص شرعی کے مفسر نہیں کہے جاسکتے تھے۔ جہانتک ہماری واقفیت ہے اسلام کے اس وسیع دور میں قدرت نے یہ دونوں قابلیتیں جس اعلیٰ درجہ پر امام ابوحنیفہ میں جمع کردی تھیں کسی مجتہد یا امام میں جمع نہیں ہوئیں۔ علم فقہ کے متعلق سب سے بڑا کام جو امام صاحب نے کیا وہ تشریعی اور غیر تشریعی احکام میں امتیاز قایم کرنا تھا۔

تشریعیہ غیر ... احکام

شارع علیہ السلام کے اقوال و افعال جو سلسلہ روایت سے منضبط کئے گئے اُن میں بہت سے ایسے امور تھے جنکو منصب رسالت سے کچھ تعلق نہ تھا۔ لیکن بطور ایک اصلاح کے اُن سب پر حدیث کا لفظ اطلاق کیا جاتا تھا۔ فقہ کی توضیح میں ایک عام اور سخت غلطی یہ ہوئی کہ لوگوں نے ان تمام امور کو شرعی حیثیت پر

عمل کیا اور اس خیال سے اُنپر مسائل اور احکام کی بنیاد قائم کی۔ حالانکہ وہ حدیثیں منصب شریعت سے علاقہ نہیں رکھتی تہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ آنحضرت سے جو کچھہ روایت کیا گیا ہے اور کتب حدیث میں اُس کی تدوین ہوئی اُس کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) جو تبلیغ رسالت سے تعلق رکھتا ہے اور اسی بارہ میں یہ آیت اُتری ہے مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا یعنی پیغمبر جو چیز تمکو دے اُسکو اختیار کرو اور جس چیز سے روکے اُس سے باز آؤ۔

(۲) جو تبلیغ رسالت سے متعلق نہیں چنانچہ اُن کی نسبت آنحضرت نے ارشاد فرمایا ہے انما انا بشر اذا امرتکم بشیء من دینکم فخذوا به واذا امرتکم بشیء من رای فانما انا بشر یعنی میں ایک آدمی ہوں جب میں کوئی مذہبی حکم دوں تو تم لوگ اُس کے پابند ہو اور جب میں اپنی رائے سے کسی بات کا حکم دوں تو میں صرف ایک آدمی ہوں۔ اس دوسری قسم میں وہ حدیثیں ہیں جو آنحضرت نے طب کے متعلق ارشاد کیں۔ اور اسی قسم میں وہ افعال داخل ہیں جو آنحضرت سے عادتاً صادر ہوئے نہ عبادةً اور اتفاقاً واقع ہوئے نہ قصداً۔ اور اسی قسم میں وہ حدیثیں داخل ہیں جو آنحضرت نے اپنی قوم کے گمان کے موافق بیان کیں مثلاً ام زرع کی حدیث اور خرافہ کی حدیث اور اسی قسم میں وہ امور داخل ہیں جو آنحضرت نے اُسوقت مصلحت جزئی کے موافق اختیار فرمائے اور وہ سب لوگوں پر واجب العمل نہیں ہیں مثلاً فوج کی تیاری اور شعار کی تعین اسی بنا پر حضرت عمر نے فرمایا تھا کہ اب رمل کرنیکی کیا ضرورت ہے جس قوم کے دکھانیکے لئے ہم رمل کرتے تھے اُنکو خدا نے ہلاک کر دیا اور آنحضرت کے بہت سے احکام اسی قسم میں داخل ہیں۔ مثلاً یہ حکم کہ جہاد میں جو شخص کسی کافر کو قتل کرے تو اُسکے ہتیار کا مالک بھی وہی ہوگا۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے حدیث کی قسموں میں جو دقیق فرق بیان کیا۔ یہ وہی نکتہ ہے جسکی طرف سب سے پہلے امام ابوحنیفہ کا ذہن منتقل ہوا اسی بنا پر بہت سے مسائل مثلاً غسل جمعہ، خروج النساء الی العیدین، انفاذ طلاق ثلثہ، تعیین جزیہ، تشخیص خراج، تقسیم غنائم وغیرہ میں جو حدیثیں وارد ہیں اُنکو امام ابوحنیفہ نے دوسری قسم میں داخل کیا ہے لیکن امام شافعی وغیرہ ان حدیثوں کو بھی تشریعی حدیثیں سمجھتے ہیں۔

حنفی فقہ کو مابعد فقہوں کے مقابلہ میں بڑی خصوصیت جو حاصل ہے وہ یہی ہے کہ اُسکے مسائل عموماً اسی قاعدہ پر مبنی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اُسمیں وہ وسعت اور آزادی پائی جاتی ہے جو اور ائمہ کے مسائل میں نہیں پائی جاتی یہ قاعدہ اگرچہ نہایت صاف اور صریح ہے لیکن افسوس ہے کہ اور ائمہ نے اسپر لحاظ نہیں کیا اور اگر خلفائے راشدین کی نظیریں موجود نہوتیں تو شاید امام ابوحنیفہ کو بھی اُسکے اختیار کرنیکی جرأت نہوتی اگرچہ امام صاحب کے بعد بھی بعض ائمہ نے جن کو اُن کے مقابلہ میں اجتہاد کا دعویٰ تھا اس عمدہ اصول کی پیروی نکی اور اُسی غلط خیال پر قائم رہے لیکن اسمیں کون شبہہ کر سکتا ہے کہ امام صاحب کی رائے نہایت صحیح اور دقیقہ سنجی پر مبنی تھی۔

سلہ حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ بریلی صفحہ ۱۲۳ و ۱۲۴

خلفائے راشدین سے بڑھکر کون احکام شریعت کا نکتہ شناس ہوسکتا ہے؟ انہوں نے کیا کیا؟ حضرت عمرؓ کے آغاز خلافت تک امہات اولاد یعنی وہ لونڈیاں جن سے اولاد ہوچکی ہو عموماً خریدی اور بیچی جاتی تھیں حضرت عمرؓ نے اس رواج کو بالکل روک دیا۔ آنحضرت نے تبوک کے سفر میں۔ غیر مذہب والوں پر جو جزیہ مقرر کیا وہ فی کس ایک دینار تھا حضرت عمرؓ نے ایران میں ۴۸ و ۲۴ و ۱۲ کے حساب سے شرحیں مقرر کیں۔ آنحضرت مال غنیمت جب تقسیم کرتے تھے تو اپنے عزیز و اقارب کا بھی حصہ لگا دیتے تھے خلفائے راشدین میں کسی نے حتیٰ کہ حضرت علیؓ نے بھی ہاشمیوں کو حصہ نہیں دیا آنحضرت کے زمانہ میں بلکہ حضرت ابوبکرؓ کے عہد تک تین طلاقیں ایک سمجھی جاتی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں منادی کرادی کہ تین طلاق طلاق بائن سمجھی جائینگی آنحضرت کے عہد میں شراب پینے کی سزا میں کوئی خاص حد نہیں مقرر رہی تھی۔ حضرت ابوبکرؓ نے اسکی حد چالیس دُرے قرار دیے اور حضرت عمرؓ نے بسبب اس کے کہ اُن کے زمانہ میں مے نوشی کا زیادہ رواج ہو چلا تھا چالیس سے اسی دُرے کر دیئے یہ وہ واقعات ہیں جو حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ اور جنکی ثبوت سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا لیکن کیا اسکا یہ مطلب ہے کہ خلفائے راشدین کسی حکم کو آنحضرت کا تشریعی حکم سمجھکر اسکی مخالفت کرتے تھے!! اگر نعوذ باللہ ایسا کرتے تھے تو وہ خلفائے راشدین نہ تھے بلکہ (معاذ اللہ) رسول اللہ کے حریف اور غاصب تھے!!!

حقیقت یہ ہے کہ صحابہ جو رات دن آنحضرت کی خدمت میں حاضر رہتے تھے اور فیض صحبت کی وجہ سے شریعت کے ادا شناس ہو گئے تھے ان کو یہ تمیز کرنا نہایت آسان کام تھا کہ کون سے احکام تشریعی حیثیت رکھتے ہیں اور کون سے اس حد میں داخل ہیں جنکی نسبت آنحضرت نے فرمایا کہ انتم اعلم بامور دنیاکم حضرت عائشہؓ نے آنحضرت کی وفات کے بعد ایک موقع پر کہا کہ "آج اگر رسول اللہ موجود ہوتے تو عورتوں کو مسجد میں جانیکی اجازت نہ دیتے" یہ صریح اس بات کی شہادت ہے کہ حضرت عائشہؓ نے رسول اللہ کی اُس اجازت کو تشریعی اور لازمی حکم نہیں قرار دیا ورنہ اور حالات کے اختلاف سے اُس پر کیا اثر پڑ سکتا تھا۔

امام ابوحنیفہ نے اس مرحلہ میں صحابہ ہی کو دلیل راہ بنایا۔ اور اس قسم کے مسائل میں اُنکی رائے عموماً خلفائے راشدین کے طرز عمل کے موافق ہے۔ لیکن جن لوگوں کی نگاہ اُس نکتہ تک نہیں پہنچی وہ امام ابوحنیفہ بلکہ صحابہ کو بھی مورد الزام ٹھہراتے ہیں طلاق کے مسئلہ میں قاضی شوکانی نے حضرت عمرؓ کا قول نقل کرکے لکھا ہے کہ رسول اللہ کے مقابلہ میں بیچارے عمر کی کیا حقیقت ہے۔ لیکن قاضی شوکانی یہ نہ سمجھے کہ حضرت عمر قاضی صاحب سے زیادہ اس بات کو سمجھتے تھے کہ رسول اللہ کے مقابلہ میں اُن کی کوئی حقیقت نہیں۔

فقہ کی پہلی قسم کے متعلق۔ امام ابوحنیفہ نے جو بڑا کام کیا وہ قواعد استنباط کا انضباط تھا جسکی وجہ سے (جو ابتک جزئیات مسائل کا نام تھا) ایک مستقل فن بنگیا۔ امام ابوحنیفہ کی علمی تاریخ میں جو چیز سب سے زیادہ قابل لحاظ اور تعجب انگیز ہے وہ ان قواعد کی تحدید اور انضباط ہے ایسے زمانہ میں جبکہ علوم نہایت ابتدائی حالت

[illegible] تھا ایسے دقیق فن کی بنیاد ڈالی درحقیقت امام ابوحنیفہ ہی کا کام تھا مثلاً یہ خیال ہوگا کہ قواعد جنکو اب اصول فقہ سے تعبیر کیا جاتا ہے سب سے پہلے امام شافعی نے مرتب کئے ہیں یہ صحیح ہے کہ امام شافعی سے پہلے یہ مسائل مستقل طور پر تحریر میں نہیں آئے تھے لیکن اس فن کی بنیاد امام شافعی سے بہت پہلے پڑ چکی تھی اور اگر تحریر کی قید اٹھا دی جائے تو امام ابوحنیفہ اس کے موجد کہے جا سکتے ہیں۔

اصل یہ ہے کہ مسائل کا استنباط اور احکام کی تفریع تابعین بلکہ صحابہ ہی کے زمانہ میں شروع ہو چکی تھی لیکن استنباط و تخریج کا جو طریقہ تھا وہ کوئی علمی صورت نہیں رکھتا تھا جس طرح عام لوگ کسی عبارت سے کسی نتیجہ کا استنباط یا اور کسی حکم کی تفریع صرف وجدانی مذاق کی رو سے کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ انکا استنباط یا تفریع کس قاعدہ کلیہ کے تحت میں داخل ہے اور اس کے کیا شرائط اور قیود ہیں اسی طرح فقہی مسائل بھی استنباط کئے جاتے تھے نہ علمی اصطلاحیں قائم ہوئی تھیں نہ کچھ اصول منضبط ہوئے تھے۔

بنو امیہ کے اخیر دور میں کچھ کچھ علمی اصطلاحیں پیدا ہوئیں۔ چنانچہ واصل بن عطاء نے جو علم کلام کا موجد تھا احکام شرعیہ کی تقسیم کی اور کہا کہ حق کے ثبوت کے چار طریقے ہیں قرآن ناطق۔ حدیث متفق علیہ اجماع امت عقل حجت (یعنی قیاس) واصل نے اور بھی چند مسائل اور اصطلاحیں قائم کیں مثلاً یہ کہ عموم و خصوص دو جداگانہ مفہوم ہیں" نسخ صرف اوامر و نواہی میں ہو سکتا ہے۔ اخبار و واقعات میں نسخ کا احتمال نہیں[1]"

ان مسائل کے لحاظ سے اصول فقہ میں اولیت کا فخر واصل کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے لیکن یہ اسی قسم کی اولیت ہوگی جس طرح نحو کے دو تین قاعدوں کے بیان کر لینے سے کہا جاتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام فن نحو کے موجد ہیں بہرحال امام ابوحنیفہ کے زمانہ تک جو کچھ ہوا تھا اس سے زیادہ نہیں ہوا تھا لیکن چونکہ امام صاحب نے فقہ کو جداگانہ اور مستقل فن کی حیثیت سے ترتیب دینا چاہا تھا اسلیے استنباط اور تخریج مسائل کے اصول قرار دینے پڑے۔ اگرچہ زمانہ مابعد میں اصول فقہ ایک نہایت وسیع فن بن گیا اور سینکڑوں مسائل ایسے ایجاد ہو گئے جنکا امام ابوحنیفہ کے زمانہ میں اثر بھی نہ تھا لیکن کچھ شبہ نہیں کہ اس فن کے مہمات مسائل جن پر فن کی بنیاد قائم ہے امام صاحب ہی کے زمانہ میں منضبط ہو چکے تھے۔ اصول اربعہ کی توضیح حدیث کے مراتب اور انکے احکام جرح و تعدیل کے اصول اجماع کے حدود و ضوابط۔ قیاس کے احکام و شرائط احکام کی انواع عموم و خصوص کی تحدید۔ رفع تعارض [illegible] فہم مراد کے طرق۔ یہ مسائل ہیں جو اصول فقہ کے ارکان ہیں ان تمام مسائل کے متعلق امام صاحب نے ضروری اصول و قواعد منضبط کر دیئے تھے۔

حدیث کے متعلق امام صاحب نے جو اصول قرار دیئے انکو ہم حدیث کی بحث میں لکھ آئے ہیں ان کے علاوہ اور

[1] ان مسائل کو ابو ہلال عسکری نے کتاب الاوائل میں واصل بن عطاء کی طرف منسوب کیا ہے ۱۲

ابواب کے متعلق امام صاحب نے تمام ضروری اصول منضبط کر دیے تھے مثلاً مالم یثبت بالتواتر لیس بقرآن الزیادۃ نسخ لا یجوز الزیادۃ علی الکتاب بخبر الواحد حمل المطلق علی المقید زیادۃ علی النص عموم القرآن

اصول فقہ کی کلیات

لا یخصص بالآحاد۔ العام قطعی کالخاص۔ الخاص ان کان متاخرا خصص العام وان کان متقدما فلا بل کان العام ناسخا للخاص وان جہل التاریخ تساقطا ویطلب دلیل آخر مفہوم الصفۃ لا یحتج بہ النہی لا تدل علی البطلان امام صاحب کے یہ اقوال انکے شاگردوں کی تصنیفات یا اصول کی کتابوں میں جو شافعیہ و حنفیہ وغیرہ نے لکھے ہیں جستہ جستہ مذکور ہیں جن کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے تو ایک مختصر رسالہ تیار ہو سکتا ہے[1] یہی اصول ہیں جن کی بناپر کہا جاتا ہے کہ امام حنیفہ ایک خاص طریقہ اجتہاد کے بانی ہیں۔ انہیں اصول کے اتحاد کی بناپر امام محمد و قاضی ابو یوسف کا طریقہ امام صاحب کے طریقہ سے الگ نہیں سمجھا جاتا حالانکہ جزئیات مسائل میں ان لوگوں نے سیکڑوں ہزاروں جگہ ان سے اختلاف کیا ہے۔

ان اصولی مسائل پر بوجہ اسکے کہ امام شافعی وغیرہ نے ان سے اختلاف کیا ہے نہایت وسیع اور دقیق بحثیں قائم ہو گئی ہیں۔ افسوس ہے کہ ہماری مختصر تالیف میں ان کی گنجایش نہیں اصول کی کتابوں میں یہ مباحث نہایت تفصیل سے مذکور ہیں جس شخص کا جی چاہے ان کتابوں کی طرف رجوع کر سکتا ہے۔

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں فقہ کے اس حصہ میں امام صاحب کی حیثیت ایک مقنن اور واضع کی حیثیت ہے اور کچھ شبہ نہیں کہ اس باب میں امام صاحب نے جو کام کیا وہ نہ صرف تاریخ اسلام میں بلکہ کل دنیا کی تاریخ میں بے نظیر ہے دنیا میں اور بھی قومیں ہیں جنکے پاس آسمانی کتابیں ہیں اور وہ لوگ ان کتابوں سے اخذ احکام کرتے ہیں لیکن کوئی قوم یہ دعوی نہیں کر سکتی کہ اس نے استنباط مسائل کے اصول اور قواعد منضبط کئے اور اسکو ایک مستقل فن کے رتبہ تک پہنچا دیا۔

فقہ کا دوسرا حصہ

فقہ کا دوسرا حصہ جو صرف قانون کی حیثیت رکھتا ہے پہلے حصہ کی نسبت بہت زیادہ وسیع ہے اور یہ وہ خاص حصہ ہے جس میں امام ابو حنیفہ علانیہ تمام مجتہدین سے ممتاز ہیں بلکہ سچ یہ ہے کہ اگر اسلام میں کوئی واضع قانون گزرا ہے تو وہ صرف امام ابو حنیفہ ہیں مسلمانوں میں توضیع قانون کا کام ہمیشہ ان لوگوں کے ہاتھ میں رہا جو مذہبی پیشوا تھے اور زہد و اتقا میں نہایت مغلو رکھتے تھے۔ مذہبی لوگوں میں جو اوصاف نہایت قابل قدر سمجھے جاتے ہیں وہ یہ ہیں۔ دنیاوی امور سے علیحدگی کم آمیزی۔ معاملات میں سختی۔ عام واقعات سے بیخبری۔ غیر مذہب والوں سے تنفر یہ تمام اوصاف وہ ہیں

[1] لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اصول فقہ کی کتابوں میں جو بہت سے اصول مذکور ہیں اُن کی نسبت یہ دعوے نہیں کیا جا سکتا کہ وہ امام ابو حنیفہ کے اقوال ہیں شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس پر ایک نہایت عمدہ تقریر لکھی ہے لیکن شاہ صاحب نے بعض ان اقوال سے بھی انکار کیا ہے جو بروایت صحیحہ امام صاحب سے ثابت ہیں ۱۲

جو تمدن کے مخالف ہیں اور جس شخص میں یہ اوصاف اعتدال سے بڑھکر اور فطرتی ہوں مشکل سے تمدن کی ضرورتوں کا اندازہ داں ہو سکتا ہے تقدس پاکیزہ نفسی کے لحاظ سے اُن لوگوں کی جس قدر عظمت کی جائے کم ہے لیکن دنیا اور دنیا والوں کا کام اُن سے نہیں چل سکتا حضرت جنید بغدادی معروف کرخی۔ شیخ شبلی۔ داؤد طائی کی عظمت و شان سے کس کو انکار ہو سکتا ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ لوگ واضع قانون نہیں ہو سکتے تھے۔

مجتہدین جنہوں نے فقہ کے نام سے ملکی اور شخصی قانون بنائے۔ اگرچہ رہبانیت کی حد سے دور رہتے تھے تاہم یہ کہنا مشکل ہے کہ تمدن کے وسیع تعلقات پر اُن کی نگاہ پڑ سکتی تھی۔ جن اُن کو عمر بھر کبھی سروکار نہیں ہا یہی وجہ ہے کہ اُنکے قوانین میں بعض جگہ ایسی سختی اور تنگی پائی جاتی ہے جس پر مشکل سے عملدرآمد ہو سکتا ہے امام شافعی وغیرہ کا مذہب ہے کہ نکاح بجز ثقات کے کوئی شخص گواہ نہیں ہو سکتا ہمسایہ کو حق شفعہ نہیں پہنچتا۔ بیع بالمعاطات جائز نہیں۔ ذمیوں کی شہادت کسی حال میں مقبول نہیں۔ ایک مسلمان سیکڑوں ذمیوں کو بے قصور قتل کر دے تاہم وہ قصاص میں پکڑا نہیں جاسکتا۔ ان مسائل سے دنیا کا کام کیونکر چل سکتا ہے۔

امام ابوحنیفہ اس وصف میں اپنے تمام ہمعصروں سے ممتاز تھے کہ وہ مذہبی تقدس کے ساتھ دنیاوی اغراض کے اندازہ شناس تھے۔ اور تمدن کی ضرورتوں کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ مرجعیت اور فصل قضایا کی وجہ سے ہزاروں پیچیدہ معاملات اُن کی نگاہ سے گذر چکے تھے۔ اُن کی مجلس افتا بہت بڑی عدالت عالیہ تھی جس نے لاکھوں مقدمات کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ ملکی حیثیت رکھتی تھی اور ارکان سلطنت مہمات امور میں اُن سے مشورہ لیتے تھے اُنکے شاگرد اور ہمنشین جن کی تعداد سیکڑوں سے زیادہ تھی عموماً وہ لوگ تھے جو منصب قضا پر مامور رہتے ان باتوں کے ساتھ خود اُنکی طبیعت مقننانہ اور معاملہ سنج واقع ہوئی تھی وہ ہر بات کو قانونی حیثیت سے دیکھتے تھے اور اُسکے دقیق نکتوں تک پہنچتے تھے۔ اس بات کا اندازہ واقعہ ذیل سے ہو سکتا ہے جسکا ذکر اکثر مورخین نے کیا ہے

ایک دن امام صاحب قاضی ابن ابی لیلیٰ سے ملنے گئے۔ اُس وقت اُنکے سامنے ایک مقدمہ پیش تھا مدعی کا بیان تھا کہ فلاں شخص نے میری ماں کو زانیہ کہا ہے اسلئے میں ازالہ حیثیت کا دعویدار ہوں قاضی صاحب نے مدعا علیہ کی طرف جو اُس موقع پر موجود تھا خطاب کیا کہ تم کیا جواب دیتے ہو۔ امام ابوحنیفہؒ قاضی صاحب سے کہا کہ ابھی مقدمہ قائم نہیں ہوا مدعی کا اظہار لینا چاہیئے کہ اُسکی ماں زندہ ہے یا نہیں کیونکہ اُسکو بھی شریک مقدمہ ہونا چاہیئے یا اگر اُس نے اسکی معرفت مقدمہ دائر کیا ہے تو اُس کو مختارنامہ پیش کرنا چاہیئے۔ قاضی صاحب نے مدعی کا اظہار لیا معلوم ہوا کہ اسکی ماں مر چکی ہے اپر قاضی صاحب نے مقدمہ آگے چلانا چاہا۔ امام صاحب نے کہا مدعی سے پوچھنا چاہیئے کہ اس کے بھائی بہن ہیں یا نہیں کیونکہ اگر دعویدار موجود ہیں تو اُن کو بھی شریک مقدمہ ہونا چاہیئے اسیطرح امام صاحب نے اور چند سوالات کئے۔ جب وہ مراتب طے ہو چکے تو فرمایا کہ اب مقدمہ قائم ہوا اور آپ مدعا علیہ کا اظہار لیجئے

اس واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ قاضی صاحب نے جس طریقہ سے مقدمہ کی کارروائی شروع کی تھی اس حیثیت سے بڑھکر نہ تھا جس طرح عوام آپس میں فصل خصومات کیا کرتے ہیں لیکن امام صاحب باقاعدہ فیصلہ چاہتے جس کا ضروری اصول یہ ہے کہ ایک حق سے جتنے لوگ دعویدار ہو سکتے ہیں اُن سب کو مقدمہ میں شریک ہونا چاہیئے۔ تاکہ عدالت کو ایک ہی حق کو فیصلہ کرنے میں بار بار زحمت نہ اُٹھانی پڑے۔

کیا فقہ حنفی رومن لا سے ماخوذ ہے

امام صاحب نے فقہ کے اس دوسرے حصہ کی جسطرح تدوین کی اور جس ضبط و ربط سے اُسکی جزئیات کا استقصا کیا وہ اُس زمانہ کا نہایت وسیع قانون تھا اگرچہ اُسکی تعبیر ایک عام لفظ (فقہ) سے کیجاتی ہے لیکن درحقیقت اسمیں بہت سے قوانین شامل تھے چنانچہ آج تعلیم یافتہ دنیا میں ان ہی ابواب کے مسائل جو ترتیب دیے گئے وہ جداجدا قانون کے نام سے موسوم ہیں مثلاً قانون معاہدہ۔ قانون بیع۔ قانون لگان مالگذاری۔ تعزیرات ضابطہ فوجداری وغیرہ وغیرہ اسی بنا پر بعض یورپین مصنفوں کا خیال[۱] ہے کہ امام ابوحنیفہ نے فقہ کی تدوین میں رومن لا یعنی رومیوں کے

[۱] ہم نے اس خیال کو شہرت عام کی بنا پر لکھا تھا۔ لیکن کتاب چھپنے کے بعد ہم کو معلوم ہوا کہ مسٹر شیلڈون ایموز نے جو آج کل لندن یونیورسٹی کے لا پروفیسر ہیں۔ اپنی کتاب رومن سول لا میں اس دعوی کو بڑے شد و مد سے ثابت کرنا چاہا ہے اور اس پر ایک مفصل بحث کی ہے۔ یورپ کو جو برتری آج تمام قوموں بالخصوص مسلمانوں پر حاصل ہے اسنے یورپین مصنفوں کے دل میں بالطبع یہ بات پیدا کر دی ہے کہ وہ مسلمانوں کے تمام گذشتہ کارناموں کو تحقیر کی نگاہ سے دیکھیں اور اگر کوئی کمال ایسا بدیہی اور نمایاں ہو جس سے کسی طرح انکار نہ ہو سکے تو یہ دعوی کریں کہ وہ مسلمانوں کی ایجاد نہیں ہے بلکہ روم و یونان و مصر وغیرہ سے ماخوذ ہے [illegible] جس نے مسٹر شیلڈون ایموز کو اس بحث پر مجبور کیا انہوں نے اپنے دعوی کو فقہ حنفی تک محدود نہیں رکھا بلکہ عام قانون اسلام کی نسبت انکا یہ دعوی ہے ہم انکے مضمون کو قریباً انکے الفاظ میں نقل کرتے ہیں۔ اور دیکھنا چاہتے ہیں کہ وہ اپنے دعوی میں کہانتک کامیاب ہوئے ہیں وہ اپنے مضمون کو اس تمہید سے شروع کرتے ہیں مشرق میں دفعۃً ایک بالکل جدید طبع زاد و قائم بالذات سلسلہ قانون کا پیدا ہو جانا جسکی نسبت دعوی کیا گیا ہے کہ وہ قرآن و حدیث پر مبنی ہے ایک ایسی عجیب بات ہے کہ خواہ مخواہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو حیثیت اسلامی کی نسبت [illegible] کیا جاتا ہے اسکی تاریخی بنیاد کیا ہے علاوہ دوسری شہادتوں کے مورخانہ قیاس اس دعوی کے سخت مخالف ہے اسکے بعد پروفیسر موصوف اس کلیہ پر بحث کر کے کہ ہمیشہ سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ ہر سلسلہ قانونی کو کسی واقعی یا فرضی واضع قانون کے نام سے موسوم کرتے ہیں فرماتے ہیں کہ اس لحاظ سے ابتداہی میں ایک قوی قیاس پیدا ہوتا ہے کہ وہ مرتب و منضبط سلسلہ قانون مسلمان فاتحوں نے تمام ممالک مفتوحہ میں جاری کیا وہ بہ تبدیل ہیئت کوئی [illegible] کا مکمل رواج یافتہ سلسلہ قانون تھا پروفیسر موصوف نے [illegible] ثابت کیا ہے کہ جب مسلمانوں نے شام پر قبضہ کیا تو وہاں وہی قوانین کے مقدمے موجود تھے [illegible] ایک مدرسہ قانون تھا [illegible] اسکندریہ میں وہاں کی تعلیم جاری تھی ان واقعات کی تفصیل کے بعد پروفیسر موصوف فرماتے ہیں کہ [illegible] کی نسبت کہ اسلامی قوانین پر رومن قانون کا اثر پڑا ہے اس قدر کہنا کافی ہوگا لیکن جس طریقہ سے کہ اسلامی فتوحات ہوئیں اور جسطرح پر مسلمان ممالک مفتوحہ میں آباد ہوئے اُن امور پر غور کیا جائے تو یہ قیاس یقین سے بدل جاتا ہے۔ اسلامی فتوحات کے طریقہ سے پروفیسر موصوف نے اسطرح استدلال کیا ہے کہ شروع میں مسلمانوں نے ہر قوم سے بجز جزیہ وصول کرنے کے اور کسی قسم کا اثر ڈالنا نہیں چاہا۔ لیکن

[illegible]

قانون سے بہت کچھ مدد لی اور اُسکے بہت سے مسائل اپنی فقہ میں داخل کرلیے اس خیال کی تائید میں حسب ذیل
پیش کئے جاتے ہیں: (۱) حنفی فقہ کے بہت سے مسائل رومن لا کے مطابق ہیں۔

(۲) رومن لا تمام ممالک شام میں جاری تھا اور چونکہ مسلمانوں پر شام کی معاشرت و تمدن کا بہت کچھ اثر پڑا تھا۔ اس لیئے قیاس غالب یہ ہے کہ علمائے اسلام نے قانونی مسائل میں بھی اُس سے استفادہ حاصل کیا ہوگا

(۳) اس قدر متعدد اور وسیع قوانین جو فقہ میں شامل ہیں انکی توجیہ بغیر اسکے نہیں ہو سکتی کہ دنیا کی اور قوموں سے مدد لی گئی ہو۔

اس بحث کا اصلی تصفیہ تو جب ہو سکتا ہے کہ رومن لا اور حنفی فقہ کا نہایت دقت نظر اور استقصا کیساتھ مقابلہ کیا جائے جس سے یہ اندازہ ہو سکے کہ جس قدر دونوں قانون میں تطابق ہے وہ توارد کی حد تک محدود ہے یا اسی قدر ہے جتنا کہ عموماً تمام قوموں کے قوانین بہت سی باتوں میں موافق ہوا کرتے ہیں لیکن اولاً تو رومن لا سے واقف نہیں اور ہوتا بھی تو اتنی فرصت کہاں نصیب کہ تمام مسائل کا مقابلہ کر سکتا اس لیئے مجھ کو اعتراف کرنا چاہیئے کہ اس موقع پر جو کچھ میں لکھونگا اُس کا رتبہ قیاس اور ظن سے زیادہ نہیں لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جن لوگوں نے اس بحث کو چھیڑا ہے وہ بھی قیاس اور ظن ہی سے کام لیتے ہیں کیونکہ باوجود تحقیق کے ہمکو کوئی ایسا منصف نہیں ملا جسکا یہ دعویٰ ہو کہ وہ رومن لا اور حنفی فقہ کے تمام یا اکثر مسائل کا مقابلہ کر چکا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۹) لیکن جب علمی ترقی کا زمانہ آیا تو انہوں نے غیر قوموں کیلئے قانون وضع کئے جو خود انہیں قوموں سے ماخوذ تھے۔ پروفیسر موصوف کے اعلامیہ ہیں کہ قرآن اور نہ ابتدائی خلافت کے زمانہ میں اسبات کی کچھ کوشش ہوئی کہ جو اگلی قومیں عرب کے ماتحت ہو گئی تھیں۔ ان کی دنیوی زندگی کے پیچیدہ معاملات میں دستگاری کی جائے۔ اسکے لیئے فرصت تھی نہ دماغ اور نہ ایسے آدمی موجود تھے جو اس خدمت کو انجام دے سکتے جب بغداد اور اندلس کے شہروں اور قاہرہ میں امن و امان کا زمانہ آیا اور مطالعہ و غور کا موقع ملا تو طب و ریاضت و منطق اور علوم نفیسہ میں ترقی ہوئی جس طرح کہ ارسطو سے عربوں نے منطق سیکھی اسی طرح جبیل ( ) طیوار ( ) اور انکے یونانی شارحوں سے علم قانون اخذ کیا اسکے بعد پروفیسر صاحب موصوف اس خیال کی تقویت پر دلیل قائم کرتے ہیں کہ قرآن میں اس قدر احکام ہیں کہ ان پر ایک قانون کی بنیاد نہیں قائم ہو سکتی پروفیسر صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن میں صرف یہ احکام ہیں خدا کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ تم اپنی بیبیوں کو دو دفعہ طلاق دے سکتے ہو پھر ان کو رحم دلی یا مہربانی سے علیحدہ کر دو سود خوار قیامت میں آسیب زدوں کی طرح اٹھینگے میعادی قرض کو قلمبند کر لیا کرو اگر بیبیوں کے ساتھ انصاف کر سکو تو کئی نکاح کر سکتے ہو لیکن چار سے زیادہ نہیں مرد کو دو حصے ملے گا۔ اور عورتوں کو ایک لیکن صرف عورتیں ہوں تو دو ثلث شوہر کو نصف حصہ ملیگا مرض الموت میں وصیت کے وقت گواہوں کا ہونا ضرور ہے۔ سال بارہ مہینے کا ہوتا ہے۔ مکاتب کو آزادی کا معاہدہ لکھ دو۔ اگر بیماری مرضی ہو۔ سزائے زنا و غیبت ۔۔ پروفیسر صاحب کے نزدیک قرآن میں صرف اسی قدر قانونی احکام مذکور ہیں اس لئے انکے نزدیک قرآن مجید ایک وسیع قانون کی بنیاد نہیں قرار پا سکتا چنانچہ فرماتے ہیں کہ جو کچھ بے قواعد اور بے ربط ہوئے اس میں خلل ہے اُن کے

اس امر سے تو انکار نہیں ہو سکتا کہ فقہ حنفی میں ایسے مسائل موجود ہیں جو عرب اور عراق میں اسلام سے پہلے معمول بہ تھے لیکن اس میں فقہ حنفی کی خصوصیت نہیں۔ یہ سلسلہ اور آگے چلتا ہے جو مسائل آج خاص اسلام کے مسائل خیال کئے جاتے ہیں اور خود قرآن مجید میں اُن کا ذکر ہے اُن میں متعدد ایسے ہیں جو زمانۂ جاہلیت میں معمول و متداول تھے علامہ ابو ہلال عسکری نے کتاب الاوائل میں اُن کی تفصیل بھی کی ہے حضرت عمرؓ نے خراج وٹکس کے متعلق جو قاعدے مقرر کئے وہ عموماً وہی ہیں جو نوشیروان عادل نے اپنے زمانۂ حکومت میں وضع کئے تھے اور یہ کچھ توارد نہ تھا بلکہ حضرت عمرؓ نے دانستہ نوشیروان کی اقتدا کی تھی۔ چنانچہ علامہ طبری و ابن الاثیر نے صاف انہیں الفاظ میں تصریح کی ہے۔ ایک مقنن جب کسی ملک کے لئے قانون بناتا ہے تو اُن تمام احکام اور رسم و رواج کو سامنے رکھ لیتا ہے جو اُس ملک میں اُس کے پہلے جاری تھے اُن میں سے بعض کو وہ بعینہ اختیار کرتا ہے بعض میں ترمیم و اصلاح کرتا ہے بعض کی بالکل مخالفت کرتا ہے بے شبہہ امام ابوحنیفہ نے بھی ایسا ہی کیا ہوگا لیکن اس حیثیت سے وہ رومن لا کی بہ نسبت ایران کے قانون سے زیادہ مستفید ہوئے ہونگے کیونکہ اولاً تو وہ خود فارسی النسل تھے اور اُنکی زبان مادری فارسی تھی دوسرے اُن کا وطن کوفہ تھا اور وہ فارس کے اعمال میں داخل تھا۔

غرض یہ امر بہرحال قابل تسلیم ہے کہ امام صاحب کو فقہ کی توضیح میں اِن قواعد اور رسم و رواج سے ضرور مدد ملی ہوگی جو اُن ممالک میں جاری تھے لیکن سوال یہ ہے کہ ایسی استعانت سے امام صاحب کے واضع قانون ہونے کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۰) بنیاد کا پتہ لگ سکتا ہے اس لحاظ سے یہ امر اور بھی حیرت انگیز ہے کہ جو عمارت مسلمان فقیہوں نے ایسے بعد العہد سے تیار کی وہ قریب قریب ہر ایک موڑ پر رومی قانونی کلیوں اور جزئیوں کو یاد دلاتی ہے اسکے بعد پروفیسر صاحب نے دعویٰ کیا ہے کہ مسائل مندرجہ ذیل میں فقہ اسلام اور رومی قانون بالکل یکساں ہیں اور بالآخر اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ سلسلہ قانون یعنی علم فقہ دراصل رومی قانون ہے لیکن بہ تبدیل ہیئت پروفیسر موصوف نے دو صفحوں میں یہ بحث لکھی ہے ہم نے اس کا خلاصہ لکھ دیا ہے لیکن کوئی ضروری بات ترک نہیں کی بلکہ اکثر اُن کے خاص فقرے لکھ دیے ہیں پروفیسر موصوف نے جن مقدمات کی ترتیب سے استدلال کیا ہے وہ مختصراً یوں بیان کئے جا سکتے ہیں "قرآن مجید میں بہت احکام اور اوامر نہیں اس سے قانون نہیں بن سکتا ممالک مفتوحہ اسلام میں رومی قانون پہلے سے جاری تھا مسلمانوں نے یونان و روم وغیرہ کی تصنیفات کے ترجمے کئے "فلاں فلاں مسائل میں اسلامی فقہ اور رومی قانون متحد ہیں" یہ بحث حقیقت میں نہایت مفید اور امپارٹنٹ بحث ہے لیکن جیسا کہ ہم نے اصل کتاب میں بیان کیا ہے اس معرکہ میں اس شخص کو قدم رکھنا چاہیئے جو فقہ اسلام اور رومن لا دونوں سے پوری واقفیت رکھتا ہو پروفیسر موصوف بے شبہہ رومن لا کی نسبت ہر قسم کی واقفیت کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ لیکن مسائل اسلام کے متعلق انکی وسعت معلومات کا اعتراف کرنا مشکل ہے انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ قرآن مجید میں قانونی احکام صرف معدودے چند ہیں جن کی انہوں نے تفصیل کر دی ہے حالانکہ قرآن مجید کی آیات احکام کم و بیش پانسو ہیں اور اگرچہ ان میں بہت سے احکام عبادات وغیرہ کے متعلق ہیں تاہم خاص وہ آیتیں جن میں قانونی احکام ہیں سو سے کم نہیں یہ آیتیں جداگانہ جمع کی گئی ہیں اور علماء فن نے متعدد تفسیریں لکھی ہیں ان تمام احکام سے واقف ہوتا تو

حیثیت پر کیا اثر پڑتا ہے؟ یعنی وہ ایک مستقل واضع قانون کہے جا سکتے ہیں یا صرف ناقل اور جامع۔ جہاں تک ہماری تحقیق ہے مسلمانوں نے غیر قوموں کی قانونی تصنیفات سے بہت کم واقفیت حاصل کی۔ ترجموں کی فہرست میں ہم سینکڑوں ہزاروں کتابوں کے نام پاتے ہیں لیکن وہ فلسفہ طب وغیرہ کی تصنیفات ہیں۔ قانون کی ایک کتاب کا بھی پتہ نہیں چلتا جو عربی زبان میں ترجمہ کی گئی ہو اور اس قدر قطعاً ثابت ہے کہ امام صاحب نے جس زمانہ میں فقہ کی تدوین کی کسی ایسی کتاب کا ترجمہ نہیں ہوا تھا۔ اس لئے یہ احتمال کہ امام ابوحنیفہ نے غیر قوموں کی تصنیفات سے فائدہ اٹھایا ہو بالکل بے اصل ہے۔ ملک میں رسم و رواج کی بنیاد پر جو احکام نافذ تھے۔ اس قابل نہ تھے کہ بغیر تحریر میں آ کر قانون کا لقب حاصل کر سکتے۔

مختصر یہ کہ جس قدر تاریخی قرائن موجود ہیں ان سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ امام صاحب کو روم یا فارس کی کوئی قانونی تصنیف ہاتھ آئی تھی جس کی مدد سے انہوں نے فقہ کی بنیاد رکھی۔ اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ امام ابوحنیفہ سے پہلے فقہ کے مسائل جس قدر اور جس صورت میں مدون ہو چکے تھے وہ فن کی حیثیت نہیں رکھتے تھے۔ ان باتوں کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ اگر فقہ کو ایک قانون مانا جائے تو ضرور ماننا پڑیگا کہ امام صاحب ہی اس کے مقنن اور واضع تھے۔ البتہ ان کو ملک کے رسم و رواج، مسائل معمولہ، پہلے علماء کے فتاوی سے مدد ملی لیکن اس قسم کی مدد سے دنیا کے اور واضعان قانون بھی بے نیاز نہ تھے اس لئے یہ امر امام صاحب کی مقننیت کے رتبہ کو گھٹا نہیں سکتا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۱) ایسا ہی پروفیسر صاحب کی وسعت معلومات کا یہ حال ہے کہ نکاح و طلاق کے مسائل میں سے انکو صرف دو مسئلے معلوم ہیں تعداد طلاق و تعداد نکاح حالانکہ قرآن میں محرمات نکاح، [illegible] بین الاختین، نکاح [illegible] مشرکات، طلاق قبل خلوت صحیحہ و بعد خلوت اور دونوں کے احکام، عدت اور ایلاء کے مسائل تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔ وراثت کے متعلق پروفیسر صاحب کو صرف شوہر کا حصہ اور یہ کہ مرد کو عورت کے دو حصہ کے برابر ملتا ہے معلوم ہے۔ اسوقت ان کو یہ معلوم نہیں کہ وراثت کا پورا باب اجمالاً قرآن مجید میں مذکور ہے اور خصوصاً والدین کا حصہ اور کلالہ کے احکام بوضاحت صاف صاف مذکور ہیں۔ قصاص اور دیت کے مسائل نہایت تفصیل سے قرآن میں مذکور ہیں اور بین قتل عمد اور قتل خطا اور انکے احکام کی پوری تفصیل ہے پروفیسر صاحب کو [illegible] معلوم نہیں۔ حیرت ہے کہ اس عدم واقفیت کے ساتھ پروفیسر صاحب نے اس بحث کے طے کرنے کی کیونکر جرات کی؟

یہ تو ضمنی بحث تھی [illegible] پروفیسر صاحب کا استدلال کیا ہے [illegible] اور واقع میں بھی صحیح ہے کہ شریعت اسلام ہی صداقت رشد کے [illegible] مسلمان غیر قوموں سے بالکل الگ رہے اور انکے قانون [illegible] سے کسی قسم کی واقفیت نہیں حاصل کی اسلئے دمشق، بیروت [illegible] کے جو مدارس جاری تھے خود بقول پروفیسر صاحب کے اسلامی فقہ پر اس کا کچھ اثر نہیں پڑ سکتا [illegible] بلحاظ [illegible] پروفیسر صاحب اسلام کے جو مسائل اس کی تائید میں [illegible] رومن لا کے موافق ہیں [illegible] مسائل میں مسئلہ وراثت کے متعلق پروفیسر صاحب نے لکھا ہے کہ مسائل ذوی الفروض [illegible] سلسلہ صعود [illegible] رشتہ داران طرفین

ان عام مباحث کے بعد اب ہم اُن خاصیتوں کا ذکر کرتے ہیں جن کی وجہ سے حنفی فقہ کو اور فقہوں کے مقابلہ میں ترجیح حاصل ہے۔

(۱) سب سے مقدم اور قابل قدر خصوصیت جو فقہ حنفی کو حاصل ہے وہ مسائل کا اسرار اور مصالح پر مبنی ہونا ہے۔ احکام شرعیہ کے متعلق اسلام میں شروع ہی سے دو فرقے قائم ہو گئے ایک گروہ کی یہ رائے ہے کہ یہ احکام تعبدی احکام ہیں یعنی ان میں کوئی سر اور مصلحت نہیں ہے مثلاً شراب خواری یا فسق و فجور صرف اس لیے ناپسندیدہ ہیں کہ شریعت نے اُن سے منع کیا ہے اور خیرات و زکوٰۃ صرف اس لیے مستحسن ہیں کہ شارع نے اُن کی تاکید کی ہے ورنہ فی نفسہ یہ افعال بُرے یا بھلے نہیں ہیں۔ امام شافعی کا اسی طرف میلان پایا جاتا ہے اور شاید اسی کا اثر تھا کہ ابوالحسن اشعری نے جو شافعیوں میں علم کلام کے بانی ہیں علم کلام کی بنیاد اسی مسئلہ پر رکھی۔

دوسرے فرقہ کا یہ مذہب ہے کہ شریعت کے تمام احکام مصالح پر مبنی ہیں۔ البتہ بعض مسائل ایسے بھی ہیں جن کی مصلحت عام لوگ نہیں سمجھ سکتے لیکن درحقیقت وہ مصلحت سے خالی نہیں یہ مسئلہ اگرچہ بوجہ اس کے کہ اس کے دونوں پہلو بڑے بڑے علما نے اختیار کیے ہیں ایک معرکۃ الآرا مسئلہ بن گیا ہے لیکن انصاف یہ ہے کہ وہ اس قدر بحث و اختلاف کے قابل نہ تھا تمام مہمات مسائل کی مصلحت خدا نے خود کلام الٰہی میں مذکور کی ہے کفار کے مقابلہ میں قرآن کا طرز استدلال عموماً اسی اصول کے مطابق ہے نماز کی مصلحت خدا نے خود بتائی کہ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ روزہ کی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۲) آدھا خون ملا ہو یا کل اور اُن کی اولاد۔ بی بی بانفاد مولانا غلام آزاد یہ سب رومن لا کے موافق ہیں اس کے بعد وہ تحریر فرماتے ہیں کہ مسلمانوں میں ترکہ اس طرح تقسیم کیا جاتا تھا جو رومن لا کا طریقہ تھا یعنی کل حصے یہ تھے نصف ربع ثمن دو ثلث ایک ثلث سدس یہی حصے رومن لا میں تھے لیکن پروفیسر صاحب کو یہ معلوم نہیں کہ یہ حصے خود قرآن مجید میں مذکور ہیں اور قرآن مجید کی نسبت خود پروفیسر صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ اس میں رومی بنیاد کا پتہ نہیں لگتا البتہ ورثا کی بعض افراد قرآن مجید میں مذکور نہیں لیکن وہ زمانہ رسالت و خلافت تک پوری طرح سے معین و مقرر ہو چکے تھے حدیث و آثار کی نہایت قدیم کتابیں آج موجود ہیں۔ انکو دیکھ کر متعصب سے متعصب شخص بھی اس سے انکار نہیں کر سکتا وصیت کے متعلق پروفیسر صاحب فقہ کے جن مسائل کو رومن لا سے ماخوذ سمجھا ہے انکی یہ تفصیل کی ہے وصیت تقریری یا تحریری دو گواہ ہونے سے [illegible] یہ مسائل بھی زمانہ نبوت و خلافت کے مسائل ہیں اور اس امر سے ایک عالم عربی ان میں انکار نہیں کر سکتا پروفیسر صاحب اور بھی مسائل لکھتے ہیں جو انکی رائے میں رومن لا سے ماخوذ ہیں ہم ان سب کی تفصیل نہیں کر سکتے مختصراً اس قدر کہنا کافی ہے کہ اکثر مسائل ایسے ہیں جن کی نسبت پروفیسر صاحب نے تسلیم کیا ہے کہ مسلمانوں نے غیر قوموں کے قوانین و احکام سے کچھ واقفیت حاصل کی تھی پروفیسر صاحب کو احساسات پر بڑی حیرت ہے کہ قرآن مجید یا حدیث میں قانونی مسائل بہت کم ہیں تو انکی بنیاد پر فقہ کا اتنا بڑا ذخیرہ کہاں سے پیدا ہو گیا اسی حیرت نے انکو مجبور کیا کہ وہ فقہ اسلام کو رومن لا کا خوشہ چین بنائیں لیکن پروفیسر صاحب کس بات پر حیرت کریں گے قانونی مسائل تو خیر رومن لا سے ماخوذ ہیں نماز روزہ حج زکوٰۃ کے متعلق قرآن مجید و احادیث میں کونسی بڑی تفصیلیں ہیں پھر فقہ میں انہی مسائل کا ایک عظیم الشان سلسلہ کیونکر قائم ہو گیا؟ کیا

خصوصیت کے ساتھ ارشاد ہوا لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ جہاد کی نسبت فرمایا حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ - اسی طرح اور احکام کے متعلق قرآن و حدیث میں جابجا تصریحیں اور اشارے موجود ہیں کہ اُن کی غرض و غایت کیا ہے۔

امام ابوحنیفہ کا یہی مذہب تھا اور یہ اصول اُن کے مسائل فقہ میں عموماً مرعی ہے اسی کا اثر ہے کہ حنفی فقہ جس قدر اصول عقلی کے مطابق ہے اور کوئی فقہ نہیں۔ امام طحاوی نے جو محدث اور مجتہد دونوں ہیں اس بحث میں ایک کتاب لکھی ہے جو شرح معانی الآثار کے نام سے مشہور ہے اور جس کا موضوع یہ ہے کہ مسائل فقہ کو نصوص و طریق نظر سے ثابت کیا جائے محدث مذکور نے فقہ کے ہر باب کو لیا ہے اور اگرچہ انصاف پرستی کے ساتھ بعض مسئلوں میں امام ابوحنیفہ سے مخالفت کی ہے لیکن اکثر مسائل کی نسبت مجتہدانہ طرز استدلال سے ثابت کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب احادیث اور طریق نظر دونوں کے موافق ہے امام محمد نے بھی کتاب الحجج میں اکثر مسائل میں عقلی وجوہ سے استدلال کیا ہے۔ یہ دونوں کتابیں چھپ گئی ہیں اور ہر جگہ ملتی ہیں جس کو تفصیل مقصود ہو ان کتابوں کی طرف رجوع کرے اس موقع سے کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب عقل کے موافق ہے شافعیہ وغیرہ کو بھی انکار نہیں اور وہ انکار کیوں کرتے اُن کے نزدیک احکام شرعیہ خصوصاً عبادات جس قدر عقل سے بعید ہوں اسی قدر اُن کی خوبی ہے۔

امام رازی نے زکوٰۃ کی بحث میں لکھا ہے[1] کہ امام شافعی کا مذہب امام ابوحنیفہ سے زیادہ صحیح ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ امام شافعی کا مذہب عقل و قیاس سے بعید ہے اور یہی اُس کی صحت کی دلیل ہے کیونکہ زکوٰۃ کے مسائل زیادہ تر تعبدی احکام ہیں جن میں عقل و رائے کو دخل نہیں۔"

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۳) یہ مسائل بھی رومن لا سے ماخوذ ہیں تو اسکو بھی جانے دو تمام اسلامی علوم کیونکر پیدا ہوئے؟ اور اس وسعت کو کیونکر پہنچے؟ آنحضرت کے زمانہ میں تفسیر حدیث اصول حدیث اصول فقہ اسماء الرجال کے کتنے مسائل پیدا ہوئے تھے اور آج ان کی کیا حالت ہے کیا آج یہ سب علوم جا کر فن نہیں ہیں کیا اس سے مسلمانوں کی قوت نظری تیزی طبع وسعت خیال کا اندازہ نہیں ہوتا کیا یہ علوم و فنون بھی مسلمانوں نے روم و یونان سے سیکھے؟ فقہ کے جن مسائل کو پروفیسر صاحب نے رومن لا سے ماخوذ بتایا ہے وہ اُس زمانہ کے مسائل ہیں جب خود بقول پروفیسر صاحب کے مسلمانوں نے غیر قوموں سے کچھ نہیں سیکھا تھا اس زمانہ بعد میں بھی فقہ نے رومن لا کا کبھی احسان نہیں اٹھایا۔ پروفیسر صاحب کا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ دولت عباسیہ کے عہد ترقی میں مسلمانوں نے یونان و مصر سے علوم و فنون لئے لیکن ان کو جاننا چاہیے کہ یونان و مصر کے شاگردوں کا گروہ ایک خاص گروہ تھا بے شبہ مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی تھے جو غیر قوموں سے مستفید ہوتے تھے اور اسکو عیب نہیں سمجھتے تھے لیکن مسلمانوں ہی میں وہ گروہ بھی تھا اور وہی بہت بڑا گروہ تھا جو اپنے فضل و کمال کے زعم میں غیر قوموں کی طرف کبھی رخ نہیں کرتا تھا مجتہدین اور فقہاء اسی گروہ میں داخل ہیں یونان اور روم وغیرہ کی کتابیں جو عربی زبان میں ترجمہ ہوئیں ان کی نہایت مفصل فہرست ہم کو معلوم ہے ان میں فلسفہ طب ہندسہ نجوم کیمیا صنعت تاریخ۔ الف ناول کی کتابیں ہیں لیکن قانون کی ایک تصنیف بھی نہیں جس کی وجہ غالباً یہی ہے کہ فقہاء و مجتہدین جو اسلام میں واضع قانون تھے غیر قوموں کی خوشہ چینی

[1] مناقب الشافعی مصنفہ امام فخر الدین رازی ۱۲

بخلاف اور ہمعصروں کے امام ابوحنیفہ کا اس اصول کی طرف مائل ہونا ایک خاص سبب سے تھا۔ دیگر ائمہ مجتہدین نے فقہ کی تدوین و ترتیب کی۔ انکی علمی ابتدا فقہی مسائل سے ہوئی تھی۔ بخلاف اس کے امام ابوحنیفہ کی تحصیل علم کلام سے شروع ہوئی جس کی ممارست نے انکی قوت فکر اور جدت نظر کو نہایت قوی کر دیا تھا۔ معتزلہ وغیرہ جن سے انکو معرکہ رہتے تھے عقلی اصول کے پابند تھے اس لیے امام صاحب کو انکے مقابلہ میں انہیں اصول سے کام لینا پڑتا تھا۔ امور متنازع فیہ مسئلوں میں مصالح و اسرار کی خصوصیتیں دکھانی پڑتی تھیں اس غور اور تدقیق مشق و مہارت سے انکو ثابت ہو گیا تھا کہ شریعت کا ہر مسئلہ اصول عقل کے مطابق ہے۔ علم کلام کے بعد وہ فقہ کی طرف متوجہ ہوئے تو ان مسائل میں بھی وہی تجویز رہی۔ حنفی فقہ کے مسائل کا دوسری فقہوں کے مسائل سے مقابلہ کیا جائے تو یہ تفاوت صاف نظر آتا ہے۔ معاملات تو معاملات۔ عبادات میں بھی جس کی نسبت ظاہر بینوں کا خیال ہے کہ اس میں عقل کو دخل نہیں امام صاحب کے مسائل عموماً عقل کے موافق معلوم ہوتے ہیں۔

اگر اس بات پر غور کیا جائے کہ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ شریعت میں کن مصلحتوں سے فرض کئے گئے ہیں اور ان مصالح کے لحاظ سے ان احکام کی بجا آوری کا کیا طریقہ ہونا چاہیئے تو وہی طریقہ موزوں ثابت ہوگا جو حنفی فقہ سے ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً نماز چند افعال کے مجموعہ کا نام ہے لیکن اس لحاظ سے کہ نماز کی اصل غرض کیا ہے؟ (یعنی خضوع۔ اظہار تعبد۔ اقرار عظمت الٰہی۔ دعا) اور اس کے حاصل ہونے میں ان افعال کو کس نسبت سے دخل ہے ان افعال کے مراتب مختلف ہیں بعض لازمی اور ضروری ہیں کیونکہ ان کے نہ ہونے سے نماز کی اصل غرض فوت ہوتی ہے ان افعال کو شریعت کی زبان میں فرض سے تعبیر کیا جاتا ہے بعض افعال ایسے ہیں جو طریقہ ادا میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۴) کو اپنی اصطلاح میں حرام کہتے تھے کیا امام ابوحنیفہ۔ امام مالک۔ امام شافعی۔ امام احمد حنبل سے یہ امید ہو سکتی ہے کہ وہ مسائل فقہ کو جو ان کے نزدیک مذہب کا ایک حصہ تھا روم و یونان سے سیکھتے تھے اگرچہ پروفیسر صاحب کو ان ائمہ کے حالات معلوم ہوتے اور یہ بھی معلوم ہوتا کہ فقہ کے تمام ابواب ان ہی بزرگوں کے عہد میں مرتب ہو گئے تھے تو وہ ہرگز ایسا دعویٰ نہ کرتے۔

البتہ یہ بات قابل لحاظ ہے کہ بعض مسائل میں رومن لا اور فقہ اسلام متحد ہیں لیکن اس سے اسلامی فقہ کی تصنیف میں رومن قانونوں کا گروہ کتنے ہی بے تعلق ہوں آپس میں مقابلہ کیا جاوے بہت سے مسائل مشترک ثابت ہوں گے اور قدرتاً ایسا ہونا ضرور ہے تمام دنیا کے آدمیوں کی ذاتی۔ تمدنی ملکی ضرورتیں اکثر متحد و یکساں ہیں تو ان ضرورتوں کے لحاظ سے ہر جگہ جو قوانین وضع کئے جاویں گے انکے مسائل کا مشترک ہونا کونسے تعجب کی بات ہے۔ شعر: دو راہرو کہ بیک رہ روند در یک سمت، عجب نباشد اگر با وفق دو پے بر پے

(حاشیہ متعلق صفحہ ۱۲۳) ۱۲ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جن خصوصیتوں کا ہم نے ذکر کیا ہے وہ بلحاظ اکثر مسائل کے [illegible] جزئیات کے لحاظ سے یہ خصوصیات امام صاحب کے مذہب میں بھی پائی جاتی ہیں اور دوسرے اماموں کی فقہ میں پائی جاتی ہیں لیکن ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ امام صاحب کے اکثر مسائل میں یہ خصوصیتیں پائی جاتی ہیں اور امام شافعی وغیرہ کے اکثر مسائل میں نہیں پائی جاتیں ۱۲۔

ایک حسن وخوبی پیدا کرتے ہیں لیکن اُن کے فوت ہونے سے اصل غرض فوت نہیں ہوتی۔ان افعال کا رتبہ پہلی قسم سے کم ہے،اور ان کو سنت ومستحب سے تعبیر کرتے ہیں۔

او پر ہم لکھ آئے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرض وواجب وسنت کی تصریح نہیں فرمائی لیکن اس میں کچھ شبہ نہیں ہوسکتا تھا کہ نماز کے تمام افعال یکساں درجہ نہیں رکھتے تھے اس لئے تمام مجتہدین نے ان کے امتیاز مراتب پر توجہ کی اور استنباط واجتہاد کی رو سے اُن افعال کے مختلف مدارج قائم کئے اور ان کے جدا جدا نام رکھے۔امام ابوحنیفہ نے بھی ایسا ہی کیا لیکن اس باب میں ان کو اور ائمہ پر جو ترجیح ہے وہ یہ ہے کہ اُنہوں نے جن افعال کو جس رتبہ پر رکھا درحقیقت اُنکا وہی رتبہ تھا۔مثلاً سب سے ضروری امر یہ ہے کہ نماز کے ارکان یعنی وہ افعال جن کے بغیر نماز ہو ہی نہیں سکتی۔کیا ہیں؟ چونکہ نماز اصل میں اقرار عبودیت اور اظہار خشوع کا نام ہے اس لیئے اس قدر تو سب مجتہدوں کے نزدیک مسلم رہا کہ نیت تکبیر۔قرارت۔رکوع سجود وغیرہ جن سے بڑھ کر اقرار عبودیت اور اظہار خشوع کا کوئی طریقہ نہیں ہوسکتا فرض اور لازمی ہیں اور خود شارع نے اُن کے لازمی اور ضروری ہونے کی طرف اشارے کئے۔بلکہ بعض جگہ تصریح بھی کی لیکن اور ائمہ نے یہ زیادتی کی کہ اُن ارکان کی خصوصیتوں کو بھی فرض قرار دیدیا حالانکہ وہ خصوصیتیں لازمی نہ تھیں اس لئے امام ابوحنیفہ اُن کے فرضیت کے قائل نہیں۔مثلاً امام ابوحنیفہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ اللہ اکبر کے سوا اور الفاظ سے بھی ادا ہوسکتی ہے جو اس کے ہم معنی ہیں (مثلاً اللہ اعظم۔اللہ اجل) امام شافعی کے نزدیک نہیں ہوسکتی۔امام ابوحنیفہ کے نزدیک تکبیر اگر فارسی زبان میں کہی جائے تب بھی جائز ہے۔امام شافعی کے نزدیک اس سے نماز باطل ہوجاتی ہے،امام ابوحنیفہ کے نزدیک قرآن مجید کی کسی آیت کے پڑھنے سے قرارت کا فرض ادا ہوجاتا ہے امام شافعی کے نزدیک بغیر سورہ فاتحہ کے نماز ہو ہی نہیں سکتی۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک جو شخص عربی میں قرآن پڑھنے سے معذور ہے وہ مجبوراً ترجمہ پڑھ سکتا ہے[1] امام شافعی کے نزدیک ترجمہ سے کسی حالت میں نماز نہیں ہوسکتی۔

اس سے یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ امام ابوحنیفہ یا کسی مجتہد نے صرف عقل وقیاس سے نماز کے ارکان متعین کئے ہیں۔ائمہ نے ان ارکان کے ثبوت کے لیئے عموماً احادیث کی تصریحات واشارات

---

[1] امام محمد نے جامع صغیر میں جو روایت کی ہے اس میں مجبوری کی قید نہیں ہے اور اسی بنا پر مخالفین نے امام صاحب پر سخت اعتراض کیا ہے کہ وہ قرآن کی حقیقت ومفہوم میں الفاظ کو داخل نہیں سمجھتے یعنے ان کے نزدیک صرف قرآن کے معانی پر قرآن کا اطلاق ہوسکتا ہے بے شبہہ امام صاحب کی اس غلطی کو ہم تسلیم کرتے ہیں لیکن فقہائے حنفیہ نے دعوے کیا ہے کہ امام صاحب نے بالآخر اس قول سے رجوع کیا ہے ۱۲۔

سے استدلال کیا ہے۔ چنانچہ ہر مجتہد کے نقلی دلائل کتب فقہ میں بتفصیل مذکور ہیں۔ ہمارا مطلب یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے دعووں پر جس طرح نقلی دلائل یعنی احادیث کی تعبیر عبارت اور اشارے سے موجود ہیں۔ اسی طرح عقلی وجوہ بھی اُن کی صحت کے شاہد ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام صاحب شریعت کے اسرار اور مصالح کو نہایت دقیق نگاہ سے دیکھتے تھے۔

زکوٰۃ کے مسائل کا بھی یہی حال ہے زکوٰۃ کا اصلی مقصد بنی نوع کی ہمدردی اور اعانت ہے اسی لئے زکوٰۃ کے مصرف میں وہ لوگ خاص کر دیئے گئے ہیں جو سب سے زیادہ ہمدردی اور اعانت کا استحقاق رکھتے ہیں یعنی فقراء۔ مساکین۔ عمال۔ زکوٰۃ۔ مولفۃ القلوب۔ مقروض۔ مسافر۔ غازی مکاتب۔ چونکہ ان لوگوں کی تصریح خود قرآن مجید میں مذکور ہے اسی لیئے اس امر پر سب مجتہدین کا اتفاق رہا کہ یہ لوگ مصرف زکوٰۃ ہیں لیکن بعض نے ایک اختلاف پیدا کر دیا۔ امام شافعی نے ان اقسام ذکر سے یہ خیال کیا کہ یہ سب اشخاص زکوٰۃ کے ادا میں لازمی ہیں یعنی جب تک ان آٹھوں اقسام کے لوگوں کو زکوٰۃ ادا نہ کی جائے فرض ادا نہیں ہو سکتا۔ بخلاف اس کے امام ابوحنیفہ کا یہ مذہب ہے کہ زکوٰۃ اُن اقسام سے باہر نہ جانے پائے باقی یہ امر کہ اُن لوگوں میں سے سب کو دی جائے یا بعض کو یہ امر مقتضائے وقت اور ضرورت پر موقوف ہے امام اور حاکم وقت ضرورت کے لحاظ سے جس کو چاہے انتخاب کر سکتا ہے۔

ایک اور مسئلہ جس میں امام ابوحنیفہ اور دوسرے ائمہ مختلف ہیں یہ ہے کہ چار پایوں کی زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ کیا ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک زکوٰۃ میں جانور یا اُس کی قیمت ادا کی جا سکتی ہے۔ امام شافعی کے نزدیک قیمت ادا کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ حالانکہ زکوٰۃ کی غرض حاصل ہونے میں جانور اور اس کی قیمت دونوں برابر ہیں اس لیئے شارع نے بھی کوئی تخصیص نہیں فرمائی۔

ان مسائل کے سوا عبادات کے سیکڑوں مسائل ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حنفی مسائل میں ہر جگہ مصالح اور اسرار کی خصوصیت ملحوظ ہے لیکن ہم تطویل کے لحاظ سے اُن سب کی تفصیل نہیں کر سکتے معاملات کے مسائل میں یہ عقدہ زیادہ حل ہو جاتا ہے اور صاف نظر آتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب کس قدر مصالح اور اسرار کے موافق ہے۔

دوسری خصوصیت فقہ حنفی کا آسان اور سہل ہونا

(۲) دوسری خصوصیت یہ ہے کہ حنفی فقہ بہ نسبت تمام اور فقہوں کے نہایت آسان اور سہل التعمیل ہے قرآن مجید میں متعدد جگہ آیا ہے کہ خدا تم لوگوں کے ساتھ آسانی چاہتا ہے سختی نہیں چاہتا۔ رسول اللہ کا قول ہے کہ میں نرم اور آسان شریعت لے کر آیا ہوں۔ بے شبہ اسلام کو تمام اور مذہبوں کے مقابلہ میں یہ فخر حاصل ہے کہ وہ رہبانیت سے نہایت بعید ہے۔ اُس میں عبادات شاقہ نہیں ہیں اُس کے مسائل

آسان اور بسیار التعمیل ہیں حنفی فقہ کو بھی اور فقہوں پر یہی ترجیح حاصل ہے۔"

حنفی فقہ کا آسان اور وسیع ہونا ایسا متعارف ہے کہ شعراء اور مصنفین اس کو ضرب المثل کے طور پر ذکر کرتے ہیں۔ انوری نے جو ایک فحاش اور بدزبان شاعر تھا اگرچہ برے موقع پر اس کا استعمال کیا اور کہا۔ [illegible] رخصتہا [illegible] نے بوحنیفہ جو تاہم اس دعا کا ثبوت اس کے کلام سے بھی ہوتا ہے عبادات اور معاملات کا کوئی باب کوئی فصل لیلو۔ یہ تفرقہ صاف نظر آتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے مسائل ایسے آسان اور نرم ہیں جو شریعت سہلہ کی شان ہے بخلاف اس کے اور ائمہ کے بہت سے احکام نہایت سخت اور عسیر التعمیل ہیں مثلاً کتاب الجنایات و کتاب الحدود کے مسائل۔ انہی میں سے سرقہ کے احکام ہیں۔ چنانچہ ہم اس کے چند جزئیات نمونہ کے طور پر یہاں لکھتے ہیں۔

اس قدر تو سب کے نزدیک مسلم ہے کہ سرقہ کی سزا قطع ید یعنی ہاتھ کاٹنا ہے لیکن مجتہدین نے سرقہ کی تعریف میں چند شرطیں [illegible] لگائی ہیں جن کے بغیر قطع ید کی سزا نہیں ہو سکتی۔ ان شروط کے لحاظ سے احکام پر جو اثر پڑتا ہے وہ ذیل کی جزئیات سے معلوم ہوگا جس سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب کس قدر [illegible] اور تمدن و شائستگی کے کس قدر موافق ہے۔

امام ابوحنیفہ کے مسائل	اور ائمہ کے مسائل
نصاب سرقہ کم از کم ایک اشرفی	ایک اشرفی کا ربع
اگر ایک نصاب میں متعدد چوروں کا ساجھا ہو تو کسی کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔	امام احمد کے نزدیک ہر ایک کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔
نادان بچہ پر قطع ید نہیں	امام مالک کے نزدیک ہے۔
کفن چور پر قطع ید نہیں	اور ائمہ کے نزدیک ہے۔
زوجین میں سے کوئی ایک دوسرے کا مال چرائے تو قطع ید نہیں۔	امام مالک کے نزدیک ہے
بیٹا باپ کا مال چرائے تو قطع ید نہیں۔	امام مالک کے نزدیک ہے۔
قرابت قریبہ والے مثلاً بھائی ہمشیرہ پر قطع ید نہیں	اور ائمہ کے نزدیک ہے۔
ایک شخص کسی سے کوئی چیز مستعار لے کر انکار کر گیا تو قطع ید نہیں۔	اور ائمہ کے نزدیک ہے۔

ایک شخص نے ایک چیز چرائی پھر بذریعہ ہبہ یا بیع اُس کا مالک ہوگیا تو قطع ید نہیں۔	اور ائمہ کے نزدیک ہے۔
غیر مذہب والے جو مستامن ہو کر اسلام کی عملداری میں رہتے ہیں ان پر قطع ید نہیں۔	اور ائمہ کے نزدیک ہے۔
قرآن مجید کے سرقہ پر قطع ید نہیں	امام شافعی و مالک کے نزدیک ہے۔
لکڑی یا جو چیزیں جلد خراب ہو جاتی ہیں اُن کے سرقہ سے قطع ید لازم نہیں آتا۔	اور ائمہ کے نزدیک لازم آتا ہے۔

فقہ کا ایک بڑا حصہ کتاب الحظر والاباحۃ ہے یعنی حرام و حلال۔ جائز و ناجائز کی تفصیل اس باب میں بہ دعوے اور زیادہ واضح ہو جاتا ہے۔ اور ائمہ کے بہت سے ایسے مسئلے ہیں جنکی پابندی کی جائے تو زندگی دشوار ہو جائے بخلاف اسکے امام ابو حنیفہ کے احکام نہایت آسان اور سہل ہیں۔ مثلاً امام شافعی کے نزدیک جو پانی آپلوں کی آگ سے گرم کیا گیا ہو اس سے غسل اور وضو ناجائز ہے۔ رانگ۔ کانچ۔ بلور۔ عقیق کے برتنوں کا استعمال ناجائز ہے۔ مثلاً پشمینہ۔ سمور۔ پوستین وغیرہ کا استعمال ناجائز ہے اور اسکو پہنکر نماز نہیں ہوتی جن برتن یا کرسیاں اور زین وغیرہ چیز پر چاندی کا کام ہو انکا استعمال ناجائز ہے بیع بالمعاطاۃ یعنی خرید و فروخت کا عام طریقہ جس میں بیع و اشتریت کی تصریح نہیں کی جاتی ناجائز ہے۔ ان تمام مسائل میں امام ابو حنیفہ کا مذہب امام شافعی سے مخالف ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حنفی فقہ۔ دوسرے فقہوں کی طرح تنگ اور سخت گیر نہیں ہے

(۳) فقہ کا بہت بڑا حصہ جس سے دنیوی ضرورتیں متعلق ہیں معاملات کا حصہ ہے اور یہی وہ موقع ہے جہاں ہر مجتہد کی دقت نظر اور نکتہ شناسی کا پورا اندازہ ہو سکتا ہے۔ امام ابو حنیفہ کے زمانہ تک معاملات کے احکام ایسے ابتدائی حالت میں تھے کہ متمدن اور تہذیب یافتہ ملک کے لیئے بالکل ناکافی تھے۔ نہ معاہدات کے استحکام کے قاعدے منضبط تھے نہ دستاویزات وغیرہ کی تحریر کا اصول قائم ہوا تھا۔ نہ فصل قضایا اور ادائے شہادت کا کوئی باقاعدہ طریقہ تھا۔ امام ابو حنیفہ پہلے شخص ہیں جو ان چیزوں کو قانون کی صورت میں لائے۔ لیکن افسوس ہے کہ جو مجتہدین اُن کے بعد ہوئے اُنہوں نے بجائے اسکے کہ اس کو اور وسعت دیتے اسی غیر تمدنی حالت کو قائم رکھنا چاہا جس کا منشاء وہ زاہدانہ خیالات تھے جو علمائے مذہب کے دماغوں میں جاگزیں تھے۔ ایک مشہور محدث نے فقہا پر طعن کیا ہے کہ ان لوگوں کے نزدیک جب کسی زمین کا دعویٰ کسی عدالت میں پیش کیا جائے تو ضرور ہے کہ عرضی دعوے میں زمین کا موقع بتایا جائے اس کی حدود اربعہ دکھائی جائیں حیثیت اور صورت کی تفصیل ہو حالانکہ رسول اللہ یا صحابہ کے زمانہ میں ان جزئیات اور قیدوں کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ محدث مذکور کے

نزدیک یہ بڑے الزام کی بات ہے لیکن اگر ان کو کسی ترقی یافتہ ملک میں رہنے کا اتفاق ہوتا اور معاملات
بھی کام پڑتا تو معلوم ہوتا کہ جن چیزوں کو وہ الزام کی بات سمجھے ہیں اُن کے بغیر زندگی بسر کرنی مشکل ہے
امام شافعی ہبہ کے لیے قبضہ کو ضروری نہیں سمجھتے شفعہ ہمسایہ کو جائز نہیں رکھتے تمام معاملات
مستور الحال کی شہادت کو ناجائز قرار دیتے ہیں گواہان نکاح کے لیے ثقہ اور عادل ہونے کی قید ضروری
سمجھتے ہیں۔ دیوں کے باہمی معاملات میں بھی اُن کی شہادت جائز نہیں قرار دیتے بے شبہ یہ باتیں ان ممالک
میں آسانی سے چل سکتی ہیں جہاں تمدن نے وسعت نہیں حاصل کی ہے اور معاملات کی صورتیں بالکل سادہ
اور بے پہلو حالت میں ہیں۔ لیکن جن ملکوں میں تمدن نے ترقی حاصل کی ہو معاملات کی مختلف اور پیچ دار
صورتیں پیدا ہو جاتی ہوں۔ حقوق کی تجدید اور انضباط کے بغیر چارہ نہ ہو وہاں ایسے احکام کا قائم رہنا
آسان نہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان تمام مسائل میں امام ابوحنیفہ امام شافعی سے مخالف ہیں۔ مورخ ابن خلدون
نے لکھا ہے کہ امام مالک کا مذہب انہی ممالک میں رواج پا سکا جہاں تمدن نے وسعت نہیں حاصل کی تھی یعنی
اس کی وجہ یہی ہے کہ امام مالک کے مسائل میں اصول تمدن کی رعایت نہ تھی امام ابوحنیفہ نے جس دقت نظر
نکتہ شناسی کے ساتھ معاملات کے احکام منضبط کئے اس کا صحیح اندازہ تو اس وقت ہو سکتا ہے کہ معاملات
کے چند ابواب پر ایک مفصل ریویو لکھا جائے لیکن ایسی تفصیل کے لئے نہ وقت مساعد ہے نہ اس مختصر کتاب
میں اس کی گنجائش ہے تاہم اس لئے نمونہ کے طور پر ہم صرف مسائل نکاح کا ذکر
کرتے ہیں جو عبادات اور معاملات دونوں کا جامع ہے۔

نکاح کو اگرچہ فقہا نے عبادات میں شامل کیا ہے لیکن یہ صرف ایک اصطلاح ہے ورنہ نکاح بوجہ اسکے کہ
اور معاشرت کے وسیع و بڑے نتائج اس پر متفرع ہوتے ہیں۔ معاملات کا نہایت ضروری حصہ قرار دیا جا سکتا
مسائل نکاح کے انتخاب کی ایک یہ بھی وجہ ہے کہ بعض بعض یورپین مصنفوں نے یہ دعوے کیا
کہ حنفی فقہ کے مسائل نکاح نہایت وحشیانہ اور ظالمانہ ہیں لیکن تم اس بحث میں کہا دیکھیے کہ آج مہذب
مہذب ملکوں میں بھی نکاح کے قواعد حنفی فقہ سے عمدہ تر نہیں ہیں۔ ہنٹر نے اپنی کتاب ٹوٹلٹی میں
کہ رومن کے لا بموجب قواعد نکاح ایک مجموعہ ظلم ہیں۔
لیکن ہم ثابت کر دیں گے کہ حنفی فقہ کے بموجب قواعد نکاح مجموعہ انصاف ہیں غالباً اس سے
اُن لوگوں کے خیالات کی بھی کسیقدر اصلاح ہوگی جو غلطی سے یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ حنفی فقہ رومن لا کا خلاصہ
نکاح و ازدواج۔ تمدن اور معاشرت کا نہایت وسیع حصہ ہے۔ نکاح بقول ایک حکیم کے جماعت کا
تہذیب کی اصل۔ تمدن کی بنیاد ہے۔ اس لحاظ سے یہ کہنا صحیح ہے کہ مقنن نے اس کے اصول و ضوابط

[illegible]

عمدہ توضیح یا تشریح کی وہ قانون تمدن کا بہت بڑا نکتہ شناس ہے اگرچہ امام ابوحنیفہ ان اصول و ضوابط کے موجد نہیں ہیں۔ شارع نے خود اُس کے اہمات مسائل بتا دیئے تھے۔ تاہم جس نکتہ سنجی کے ساتھ انہوں نے ان اصول کی تشریح کی اور اس پر احکام متفرع کئے وہ خود ایک بڑے مقنن کا کام تھا۔ شارع کا کلام کہیں مجمل واقع ہوا تھا کہیں محتمل لمعنیین بعض جگہ صرف اشارے تھے۔ خاصکر جزئیات بہت کم مذکور تھیں یہی وجہ ہے کہ نکاح کے اکثر مسائل میں مجتہدین کی مختلف رائیں قائم ہوگئیں یہی مختلف فیہ مسائل ہیں جن میں امام صاحب کے اجتہاد جوہر کھلتے ہیں اور صاف نظر آتا ہے کہ جس طرح انہوں نے ان موقعوں پر شارع کے اجمال کی تفصیل کی احتمالات سے محمل معین کئے۔ اشاروں کی تصریحیں بتائیں جزئیات کی تفریع کی وہ انہیں کا کام تھا جن میں اور مجتہدین کسی طرح اُن کی ہمسری نہیں کرسکتے۔

نکاح کے مسائل جن اصول پر متفرع ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) کن لوگوں کے ساتھ نکاح ہونا چاہیئے۔

(۲) معاملہ نکاح کس کے اختیار سے ہونا چاہیئے۔

(۳) اس کی بقا و ثبات کا استحکام کس حد تک ضروری ہے۔

(۴) فریقین کے حقوق کیا قرار دیئے جائیں۔

(۵) نکاح کن دستورات اور رسوم کے ساتھ عمل میں آئے۔

یہ امر کہ نکاح کی وسعت کو کس حد تک محدود کیا جائے۔ تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ تمام مذاہب میں یکساں طور پر پایا جاتا ہے۔ ہر قوم نے چند محرمات قرار دیئے ہیں جنکے ساتھ ازدواج کو ناجائز قرار دیا ہے اور یہ | محرمات نکاح
محرمات تمام مذہبوں میں مشترک ہیں جس کی وجہ یہی ہے کہ یہ امر نہایت صریح اصول عقلی پر مبنی ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ اور فلاسفر بنتھم نے کتاب یوٹلٹی میں محرمات کی حرمت کے جو دلائل قائم کئے بالکل مشترک ہیں چونکہ یہ امر بالکل اصول فطرت کے مطابق ہے اور قرآن مجید میں محرمات کے نام تصریحاً مذکور ہیں اس لئے اصل مسئلہ میں تمام مجتہدین کا اتفاق رہا لیکن جزئیات ظاہر نص کے ذیل میں نہیں آتیں۔ اُن میں اختلاف پیدا ہوگیا انہیں میں حرمت بالزنا کا مسئلہ ہے جو امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے اختلاف کا ایک معرکۃ الآرا مسئلہ ہے امام شافعی کا مذہب ہے کہ زنا سے حرمت کے احکام نہیں پیدا ہوتے مثلاً باپ نے کسی عورت سے زنا کیا تو بیٹے کا نکاح اُس عورت سے ناجائز نہیں ہے۔ امام شافعی نے اس مسئلہ کو یہاں تک وسعت دی ہے کہ ایک شخص نے اگر کسی عورت کے ساتھ زنا کیا اور اس سے لڑکی پیدا ہوئی تو خود وہ شخص اُس لڑکی سے نکاح کرسکتا ہے انکی دلیل ہے کہ زنا ایک حرام فعل ہے اس لئے وہ حلال کو حرام نہیں کرسکتا۔

اس کے بالکل مخالف ہیں اُن کے نزدیک مقاربت کے ذریعہ سے مرد اور عورت کے تعلقات پر جو فطری اثر پڑتا ہے وہ نکاح پر محدود نہیں ہے اور یہ بالکل صحیح ہے محرمات کی حرمت جس اصول پر مبنی ہے اسکو نکاح کے ساتھ خصوصیت نہیں اپنے نطفہ سے جو اولاد ہو گو زنا ہی سے ہو اُس کے ساتھ نکاح و مقاربت کا جائز رکھنا بالکل اصول فطرت کے خلاف ہے۔ باپ کی موطوءہ کا بھی یہی حال ہے وعلی القیاس خود قرآن مجید میں اسکے اشارے موجود ہیں لیکن چونکہ یہاں نقلی بحث نہیں ہم اس کا ذکر نہیں کرتے۔

ولایت اختیار

دوسری بحث یہ ہے کہ معاملہ نکاح کا مختار کون ہے؟ یہ ایک نہایت مہتم بالشان سوال ہے اور نکاح کی خوبی یا برائی بہت کچھ اسی امر پر منحصر ہے۔ امام شافعی و امام احمد حنبل کے نزدیک عورت گو عاقلہ بالغہ ہو نکاح کے بارے میں خود مختار نہیں ہے یعنی کسی حال میں وہ اپنا نکاح آپ نہیں کر سکتی۔ بلکہ ولی کی محتاج ہے۔ ان بزرگوں نے ایک طرف تو عورت کو اس قدر مجبور کیا۔ دوسری طرف ولی کو ایسے وسیع اختیارات دیے کہ وہ زبردستی جس شخص کے ساتھ چاہے نکاح باندھ دے عورت کسی حال میں انکار نہیں کر سکتی۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک بالغہ عورت اپنے نکاح کی آپ مختار ہے بلکہ اگر نابالغی کی حالت میں ولی نے نکاح کر دیا ہو تو بالغ ہو کر وہ نکاح فسخ کر سکتی ہے۔

اس اختلاف کی اصل بنیاد عورتوں کے حقوق کے مسئلہ پر مبنی ہے۔ تمام مذہبوں میں عورتوں کی حالت نہایت پست قرار دی گئی ہے اور اُن کے حقوق نہایت تنگدلی سے قائم کیے گئے ہیں۔ ہندوؤں اور عیسائیوں کے ہاں عورت کو میراث نہیں ملتی خود عرب میں اسلام سے پہلے یہی دستور تھا۔ اسی طرح اور بہت سے امور ہیں جن سے عورتوں کا کم رتبہ ہونا ثابت ہوتا ہے لیکن اسلام نے مردوں اور عورتوں کے حقوق یکساں درجہ پر قائم کیے ہیں اور فرمایا للرجال نصیب مما اکتسبوا وللنساء نصیب مما اکتسبن امام ابوحنیفہ نے تمام مسائل میں اس اصول مساوات کو مرعی رکھا ہے اور یہی خصوصیت ہے جو اس باب میں اُن کی فقہ کو اور ائمہ کی فقہ سے ممتاز کرتی ہے۔ مثلاً امام ابوحنیفہ کے نزدیک نکاح۔ طلاق۔ عتق وغیرہ معاملات میں عورتوں کی شہادت اسی طرح معتبر ہے جس طرح مردوں کی۔ بخلاف اس کے اور ائمہ مجتہدین کے نزدیک عورتوں کی شہادت کا اعتبار نہیں۔ بعض معاملات میں اُن بزرگوں نے عورتوں کی شہادت جائز بھی رکھی ہے تو یہ قید لگائی ہے کہ دو سے کم نہ ہوں اور امام شافعی کے نزدیک تو چار سے کم کسی حالت میں قابل اعتبار نہیں۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک جس طرح ایک مرد کی گواہی معتبر ہے عورت کی بھی ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک عورت منصب قضا پر مامور کی جا سکتی ہے لیکن اور ائمہ مخالف ہیں۔ اسی بنا پر اُنکے نزدیک جب مرد نکاح کے معاملہ میں خود مختار قرار دیا گیا ہے تو عورت کو بھی ایسا ہی اختیار دینا چاہیے۔

اس عام اصول مساوات کے قطع نظر صورت متنازعہ میں خصوصیت کیوجہ یہ بھی ہے کہ نکاح کا معاملہ عام معاملات پر قیاس نہیں کیا جاسکتا نکاح ایک ایسا تعلق ہے جس کا اثر نہایت وسیع ہے اور زندگی کے اخیر وقت تک قائم رہتا ہے اس لئے ایسے معاملہ میں ایک فریق کو بالکل بے اختیار رکھنا نہایت نا انصافی ہے۔

اس بحث میں امام شافعی کا مدار محض نقلی دلیلوں پر ہے لیکن اس میدان میں بھی امام ابوحنیفہ ان سے پیچھے نہیں۔ اگر امام شافعی کو لا نکاح الا بولی پر استدلال ہے تو امام صاحب کی طرف الثیب احق بنفسہا من ولیہا والبکر تستاذن فی نفسہا موجود ہے لیکن اس بحث کا یہ موقع نہیں۔

تیسری بحث یہ ہے کہ معاملہ نکاح کا استحکام و بقا کس حد تک ضروری ہے عقد نکاح کی خوبی کی نسبت جو کچھ کہا گیا ہے یعنی یہ کہ وہ تمدن کی بنیاد اور جماعتوں کا شیرازہ ہے یہ اُسی حالت میں ہے جب وہ ایک مضبوط اور دیرپا معاملہ قرار دیا جائے ورنہ وہ صرف قضائے شہوت کا ایک ذریعہ ہے امام ابوحنیفہ نے اس اصول کو نہایت قوت کے ساتھ ملحوظ رکھا ہے انہوں نے طریقہ انعقاد تعیین مہر ایقاع طلاق۔ نفاذ خلع کے جو قاعدے قرار دئے ہیں ان سب میں اس اصول سے کام لیا ہے۔

اسباب میں سب سے مقدم انکا مسئلہ ہے کہ الطلاق مع استقامۃ حال الزوجین حرام یعنی جبتک زوجین کی حالت استقامت پر ہے طلاق دینا حرام ہے ضرورت اور مجبوری کی حالت میں طلاق کو جائز قرار دیا ہے اُسکا طریقہ ایسا رکھا ہے جس سے اصلاح اور رجعت کی امید منقطع نہو یعنی یہ کہ تین بار کر کے طلاق دے اور ہر طلاق میں ایک مہینہ کا فاصلہ ہو تاکہ اس اثنا میں شوہر کو اپنے ارادے کے تعمیل کرنیکے لئے کافی وقت ملے اگر وہ اس ارادے سے باز آنا چاہے تو باز آسکے۔ اور مستحب یہی ہے کہ باز آئے اس وسیع مدت میں بھی اگر اصلاح و آشتی کی توقع نہو اور تجربہ سے ثابت ہو جائے کہ فریقین کی برہمی کسیطرح اصلاح پذیر نہیں ہے تو مجبوراً طلاق دے طلاق کے بعد اُس کو مہر ادا کرنا۔ اور تین مہینہ تک زوجہ کی خورد و نوش کی کفالت کرنی ہوگی اس سے یہ مقصد ہے کہ جب تک وہ دوسرا شوہر نہ پیدا کرسکے گذر اور بسر اوقات کے لئے اُسکو تکلیف نہ اٹھانی پڑے اور مہر کی رقم عام مصارف میں کام آئے اسباب میں امام صاحب کے مسائل جو اور ائمہ سے مختلف ہیں ہم اُنکو ذیل میں یکجائی طور پر لکھتے ہیں جس سے اندازہ ہو سکیگا کہ امام صاحب نے معاملہ نکاح کو کیسا مہتم بالشان اور مضبوط معاملہ سمجھا ہے اور ہر حالت میں اُس کے قائم رکھنے کی کوشش کی ہے۔

(۱) جبتک فریقین کیحالت میں استقامت ہو طلاق حرام ہے	امام شافعی کے نزدیک حرام نہیں
(۲) ایک بار تین طلاق دینا حرام ہے اور اس کا مرتکب عاصی ہے۔	امام شافعی اور امام احمد حنبل کے نزدیک مضائقہ نہیں۔

(۳) مہر کی تعداد کسی حالت میں دس درہم سے کم نہیں ہو سکتی۔ اس سے یہ مقصد ہے کہ مرد کو فسخ طلاق پر آسانی سے جرأت نہ ہو کیونکہ یہ تعداد غریب اور مفلس کے لئے ہے جسکو اس رقم کا ادا کرنا ایسا ہی مشکل ہے جیسے امیروں کو دو چار ہزار کا ادا کرنا	امام شافعی و امام احمد حنبل کے نزدیک ایک حبہ بھی مہر ہو سکتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مرد بیدریغ بے سوچے سمجھے طلاق دینے پر جرأت کر سکتا ہے اور عورت کو بوجہ اس کے کہ تفریق کے بعد محض مفلس اور نادار رہ گئی تکلیف کا احتمال ہے۔
(۴) خلوت صحیحہ سے پورا مہر واجب ہو جاتا ہے۔	امام شافعی کے نزدیک نصف واجب ہوتا ہے۔
(۵) جسمانی بیماریاں مثل برص وغیرہ فسخ نکاح کا سبب نہیں ہو سکتیں۔	امام شافعی و مالک کے نزدیک ان کی وجہ سے فسخ نکاح ہو سکتا ہے۔
(۶) اگر کوئی شخص مرض الموت میں طلاق دے اور عدت کے زمانہ میں اُس کا انتقال ہو جائے تو عورت کو میراث ملیگی۔	امام شافعی کے نزدیک نہیں ملے گی۔
(۷) طلاق رجعی کی حالت میں وطی حرام نہیں ہے یعنی زوجیت کا تعلق ایسی معمولی بیزاری سے منقطع نہیں ہوتا۔	امام شافعی کے نزدیک حرام ہے گویا وہ بائنہ ہو چکی
رجعت کیلئے اظہار زبانی کی ضرورت نہیں ہر فعل جس سے رضامندی ظاہر ہو رجعت کیلئے کافی ہے مطلب یہ ہے کہ آسانی دیجائے تاکہ رجعت بادنیٰ مسامحت ہو سکے۔	امام شافعی کے نزدیک بغیر اقرار و اظہار رجعت ہو ہی نہیں سکتی۔
(۸) رجعت پر گواہ مقرر کرنے کی کچھ ضرورت نہیں ممکن ہے بعض حالتوں میں گواہ نہ مل سکے اور رجعت کی مدت قریب الانقضا ہو تو طلاق بائن ہو جائیگی۔	امام مالک کے نزدیک بغیر استشہاد کے رجعت صحیح نہیں ہے۔

نکاح کے قواعد مرتب ہونے کیلئے یہ ایک نہایت ضروری امر ہے کہ فریقین کے حقوق نہایت فیاضی اور اعتدال کے ساتھ قائم کئے جائیں۔ عورتوں کو مردوں کیساتھ جن باتوں میں مساوات حاصل ہے وہ باطل ہونے پائے کیونکہ نکاح سے عورت کو اپنے امن و راحت کی توقع ہونی چاہئیے نہ یہ کہ اُسکے اصلی حقوق میں زوال آ جائے یہ اسلام کی خاص فیاضی ہے جسکی نظیر اور کسی مذہب میں نہیں ملسکتی کہ اس نے معاملہ نکاح میں عورتوں کے حقوق بجائے

کے ساتھ قائم کئے ہیں۔ امام ابوحنیفہ نے اس اصول کو تمام مسائل میں ملحوظ رکھا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان مسائل میں جہاں اور ائمہ نے ان سے اختلاف کیا ہے صریح غلطی کی مثلاً خلع کا معاملہ جو طلاق سے مشابہ ہے۔

اس باب میں تو سب ائمہ متفق ہیں کہ جس طرح مرد کو طلاق کا حق دیا گیا ہے اسی طرح عورت کو کچھ معاوضہ دیکر خلع کا اختیار ہے۔ لیکن اس امر میں اختلاف ہے کہ اس معاوضہ کی کیا صورت ہے۔ امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ اگر عورت کا قصور ہے اور خود اسکی بدسلوکی تفریق کا سبب ہوئی ہے تو اس مہر کی مقدار کے برابر شوہر کو معاوضہ دینا چاہیے۔ مرد اگر اس مقدار سے زیادہ معاوضہ کا خواہاں ہو تو مکروہ ہے لیکن اگر مرد کی شرارت ہے تو عورت بغیر کسی جرمانہ ادا کرنے کے خلع کی مستحق ہے اور مرد کو خلع کا معاوضہ لینا مکروہ ہے۔ امام شافعی و امام مالک کے نزدیک اولاً مرد جسقدر چاہے معاوضہ لے سکتا ہے۔ اور اسی طرح عورت کو مجبور کر سکتا ہے اس سے بڑھکر یہ کہ گو شرارت و زیادتی مرد کی ہو تاہم وہ عورت سے معاوضہ لے سکتا ہے۔ اور جسقدر چاہے لے سکتا ہے حالانکہ یہ صریح ناانصافی ہے کہ عورت بے گناہ بھی ہو اور معاوضہ بھی ادا کرے۔

اخیر بحث یہ ہے کہ نکاح کن دستورات کے ساتھ عمل میں آئے۔ ان رسوم میں صرف دو مقصود پیش نظر ہیں اول یہ کہ فریقین کی رضامندی محقق ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ واقعہ عقد کا اشتہار ہو جائے۔ ان اغراض کے لحاظ سے امام ابوحنیفہ نے نہایت مناسب قاعدے قرار دئے ہیں یعنی یہ کہ فریقین ایسے الفاظ استعمال کریں جن سے ظاہر ہو کہ انہوں نے معاملہ نکاح کو قبول کر لیا ہے اور یہ کہ عقد نکاح دو گواہوں کے سامنے عمل میں آئے یہ دونوں سادہ اور آسان شرطیں ہیں جو ہر موقع پر استعمال کیجا سکتی ہیں لیکن بعض ائمہ نے بخلاف اسکے ان شرطوں میں ایسی سخت قیدیں لگائی ہیں جنکی پابندی نہایت مشکل ہے امام شافعی کا مذہب ہے کہ گواہان نکاح عادل ہونے چاہئیں ورنہ نکاح صحیح نہیں۔ عدالت کے جو معنی مجتہدین اور خاصکر امام شافعی نے بیان کئے ہیں اس کے لحاظ سے ہزاروں میں ایک آدھ عادل ہو سکتا ہے اسی لئے اگر یہ قید ضروری سمجھی جائے تو صحیح نکاح کا وجود ڈھونڈھے نہ مل سکے امام شافعی و امام احمد حنبل کے نزدیک ضرور ہے کہ گواہ مرد ہوں لیکن امام ابوحنیفہ کے نزدیک عورتیں بھی گواہ ہو سکتی ہیں اور یہی قرین عقل بھی ہے۔ امام شافعی نے یہ بھی قید لگائی ہے کہ خاص تزویج کے الفاظ استعمال کئے جائیں حالانکہ خاص الفاظ کی پابندی کا کچھ حاصل نہیں جو الفاظ اس مفہوم پر دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً ہبہ۔ تملیک وغیرہ سب عقد نکاح کے لئے کافی ہیں۔

(۴) ایک بڑی خصوصیت جو حنفی فقہ کو حاصل ہے وہ یہ ہے کہ اس نے ذمیوں یعنی ان لوگوں کو جو مسلمان نہیں ہیں لیکن مسلمانوں کی حکومت میں مطیعانہ رہتے ہیں نہایت فیاضی اور آزادی سے حقوق بخشے ہیں اور یہ وہ خصوصیت ہے جسکی نظیر کسی امام اور مجتہد کے مسائل میں نہیں ملتی۔ اگرچہ ذمیوں کے حقوق کی حفاظت خود شارع کی ہدایتوں میں

جابجا موجود ہی لیکن چونکہ وہ عام کلیات ہیں اسکے علاوہ شارع کے بعض اقوال بظاہر اسکے خلاف معلوم ہوتے ہیں اسلئے اُن کی تعبیر مطالب میں اختلافات پیدا ہوئے ہیں تاہم کچھ شبہ نہیں کہ جو تعبیر امام ابو حنیفہ نے کی وہی صحیح تحقیق ہے۔ اسلام نہایت وسیع دنیا پر حکمران رہا ہی اور اُسکی حدود حکومت میں سینکڑوں غیر قومیں آباد تھیں اور ہیں اس لئے اگر اُنکے حقوق کی واجبی حفاظت نہ کیجائے تو ایک دن بھی امن قائم نہیں رہ سکتا۔ امام ابو حنیفہ نے ذمیوں کو جو حقوق دئے ہیں دنیا میں کسی گورنمنٹ نے کبھی کسی غیر قوم کو نہیں دئے۔ یورپ جسکو اپنے قانون انصاف پر بڑا ناز ہے بیشک ان بانی دعوی کر سکتا ہے لیکن عملی مثالیں نہیں پیش کر سکتا۔ حالانکہ امام ابو حنیفہ کے یہ احکام اسلامی گورنمنٹوں میں عموماً نافذ تھے اور خاصکر ہارون رشید اعظم کی وسیع حکومت انہیں احکام پر قائم تھی سب سے بڑا مسئلہ قتل و قصاص کا ہی۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ذمیوں کا خون مسلمانوں کے خون کے برابر ہے یعنی اگر مسلمان ذمی کو عمداً قتل کر ڈالے تو مسلمان بھی اُس کے بدلے قتل کیا جاویگا اور اگر غلطی سے قتل کیا ہی تو جو خون بہا مسلمان کے قتل بالخطا سے لازم آتا ہی وہی ذمی کے قتل سے بھی لازم آئیگا۔

تذکرہ امام رازی نے اپنی کتاب مناقب الشافعی میں حنفیوں کو طعنہ دیا ہی کہ اُنکے نزدیک ابوبکر صدیق کا خون اور ایک ذلیل ذمی کا خون برابر ہی۔ یعنی اگر ابوبکر صدیق بے جرم کسی ذمی کو قتل کر ڈالتے تو حنفیوں کے نزدیک وہ بھی قتل کئے جانیکے مستحق تھے۔ حنفیوں نے اس مسئلہ کی تعمیم میں کہیں یہ مثال نہیں دی ہی۔ امام رازی نے اس غرض سے کہ وہ اس مسئلہ کو بدنما کر کے دکھائیں خود یہ مثال فرض کی ہی۔ لیکن ہم فخر کیساتھ اس طعنہ کو قبول کرتے ہیں بے شبہ انصاف اور حق کی حکومت میں شاہ و گدا مقبول و مردود کا ایک رتبہ ہے بے شبہ یہ اسلام کی بڑی فیاضی ہی کہ اس نے اپنی رعایا کو اپنے برابر سمجھا اسلام کو اس انصاف پر ناز ہو سکتا ہی اور اگر امام رازی کو عار آتی ہی تو آئے خود صحابہ کا کیا قول اور کیا عمل تھا ؟ حضرت علی کا قول ہی من کانت لہ ذمتنا فدمہ کدمنا و دیتہ کدیتنا یعنی ذمی کا خون ہمارا خون ہی اور اُسکی دیت ہماری دیت ہی۔ حضرت علی پر موقوف نہیں تمام مہاجرین و انصار کا یہی قول تھا اور اسی پر عمل تھا عبید اللہ جو حضرت عمر فاروق کے فرزند تھے انہوں نے حضرت عمر کے زخمی ہونیکے وقت دو شخصوں کو جو کافر تھے اور جن پر اُنکا شبہہ تھا قتل کر ڈالا۔ جب حضرت عثمان مسند خلافت پر بیٹھے تو انہوں نے مہاجرین و انصار کو بلایا اور اس بارہ میں رائے پوچھی۔ تمام مہاجرین نے بالاتفاق کہا کہ عبید اللہ کو قتل کرنا چاہیئے۔

امام ابو حنیفہ نے ذمیوں کیلئے اور جو قواعد مقرر کئے وہ نہایت فیاضانہ قواعد ہیں وہ تجارت میں مسلمانوں کیطرح آزاد ہیں۔ ہر قسم کی تجارت کر سکتے ہیں۔ اور اُن سے اُسی شرح سے ٹکس لیا جائیگا جسطرح مسلمانوں سے لیا جاتا ہی جزیہ جو اُن کی محافظت کا ٹکس ہی اُس کی شرح حسب حیثیت قائم کیجائیگی مفلس شخص جزیہ سے بالکل معاف ہی اگر کوئی شخص جزیہ کا باقی دار ہو کر مرجائے تو جزیہ ساقط ہو جائیگا ذمیوں کے معاملات انہی کی

نفیصل کئے جائیں گے یہاں تک کہ مثلاً اگر کسی مجوسی نے اپنی بیٹی سے نکاح کیا تو اسلامی
اح کو اُس کی شریعت کے موافق صحیح تسلیم کریگی ذمیوں کی شہادت لئے باہمی مقدمات
میوں کی اعزازی حالت یہ ہے کہ وہ حرم محترم میں جا سکتے ہیں بلکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں آباد ہو سکتے
بغیر اجازت کے حاصل ہو سکتے ہیں بجز اُن خاص شہروں کے جو مسلمانوں نے آباد کئے ہیں ہر
گاہ بنا سکتے ہیں۔ وہ اگر حربی کافروں کے مقابلہ میں مسلمانوں کا ساتھ دینا چاہیں تو
کر سکتا ہے اور اُن سے ہر طرح اعانت لے سکتا ہے۔
حکام ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے عموماً تمام معاملات میں ذمیوں کے حقوق
برقرار رکھے ہیں۔ بلکہ سچ یہ ہے کہ بعض امور میں تو انہوں نے اعتدال سے زیادہ فیاضی کی
ذمی کس حالت میں عہد سے باہر ہو جاتا ہے اُن کا مذہب ہے کہ بجز اُس حالت کے کہ اُن کے
ردہ گورنمنٹ سے مقابلہ پیش آئیں۔ اور کسی صورت میں اُن کے حقوق باطل نہیں ہوتے مثلاً
ا کرے۔ یا مسلمان عورت کیساتھ زنا کا مرتکب ہو۔ یا کافروں کی جاسوسی کرے۔ یا کسی مسلمان
ے۔ یا خدا اور رسول کی شان میں بے ادبی کرے تو اِن تمام حالتوں میں وہ سزا کا مستحق
سمجھا جائیگا اور اُس کے حقوق باطل نہوں گے۔
ابلہ میں اور ائمہ کے مسائل دیکھو امام شافعی کے نزدیک کسی مسلمان نے گو بجرم اور عمداً کسی ذمی کو
قصاص سے بری رہیگا صرف دیت دینی ہوگی یعنی مالی معاوضہ ادا کرنا ہوگا۔ وہ بھی مسلمان
لث اور امام مالک کے نزدیک نصف تجارت میں یہ سختی ہے کہ ذمی اگر تجارت کا مال ایک شہر سے
ئے تو سال میں جتنی بار لیجائے ہر بار اُس سے نیا ٹیکس لیا جاویگا جزیہ کے متعلق امام شافعی کا
یں ایک اشرفی سے کم نہیں ہو سکتا اور بوڑھے اندھے اپاہج مفلس تارک الدنیا تک اُس سے معاف
ی سے ایک اور روایت ہے کہ جو شخص مفلس ہونے کی وجہ سے جزیہ ادا نہیں کر سکتا وہ اسلام کی عملداری
جو اُنہوں نے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مقرر کیا گیا تھا اُس پر اضافہ ہو سکتا ہے مگر کسی صورت میں کمی نہیں ہو سکتی
گو فریقین معتد ذمی ہوں کسی حال میں مقبول نہیں اس مسئلہ میں امام مالکؒ و امام شافعی دونوں متفق ہیں
ل نہیں ہو سکتا اور نہ وہ مکہ اور مدینہ منورہ میں آباد ہو سکتا ہے امام شافعی کے نزدیک عام مسجد میں
داخل ہو سکتا ہے لیکن امام مالک اور امام حنبل کے نزدیک اُس کو بالکل اجازت نہیں مل سکتی
حکومت میں کہیں اپنی عبادتگاہ نہیں بنا سکتا ذمیوں پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا
ج میں نہیں شریک ہو سکتے۔ ذمی اگر کسی مسلمان کو قصداً قتل کر ڈالے یا کسی مسلمان عورت

ساتھ زنا کا مرتکب ہو تو اسیوقت اُس کے تمام حقوق باطل ہو جاوینگے اور وہ کافر حربی سمجھا جاویگا یہ احکام بھی یہود اور یہودیوں کیساتھ مخصوص ہیں امام شافعی کے نزدیک بُت پرستوں کو جزیہ ادا کرنے پر بھی اسلامی حدود میں رہنے کی اجازت نہیں۔

یہ تمام احکام ایسے سخت ہیں جنکا تحمل بلکہ ضعیف سے ضعیف محکوم قوم بھی نہیں کر سکتی اور یہی وجہ ہے کہ امام شافعی وغیرہ کا مذہب سلطنت کیساتھ نہ نبھ سکا مصر میں بے شبہ ایک مدت تک گورنمنٹ کا مذہب شافعی تھا لیکن اس کا نتیجہ تھا کہ عیسائی اور یہودی قومیں اکثر بغاوت کرتی رہیں۔

اس موقع پر یہ بتا دینا بھی ضرور ہے کہ فقہ حنفی کی کتابوں میں ذمیوں کے متعلق چند ایسے احکام بھی مذکور ہیں جو نہایت سختی اور تنگدلی پر مبنی ہیں اور چونکہ وہ اس طریقہ سے ظاہر کئے گئے ہیں کہ گویا وہ خاص امام ابوحنیفہ کے مسائل ہیں اسلئے غیر قوموں کو مذہب حنفی بلکہ عموماً مذہب اسلام پر حملہ کرنیکا موقع ملا ہے ہدایہ میں ہے کہ ذمیوں کو مجبور کیا جاوے کہ وہ ہتیار نہ لگائیں۔ زنار پہنیں۔ اُن کے گھروں پر علامت بنا دی جاوے جس سے ظاہر ہو کہ وہ دائرہ اسلام کے خارج ہیں۔ وغیرہ وغیرہ صاحب ہدایہ نے ان احکام کی وجہ یہ بتائی ہے کہ ذمیوں کی تحقیر ضروری ہے۔

فتاوی عالمگیری میں اس سے بھی زیادہ سخت و بیرحمانہ احکام ہیں لیکن یہ جو کچھ ہے متاخرین فقہا کی ایجاد ہے ورنہ امام ابوحنیفہ کا دامن اس داغ سے پاک ہے۔

امام ابوحنیفہ سے جو کچھ اس باب میں مروی ہے وہ صرف اسقدر ہے[1] کہ ذمی زنار باندھیں اور ایسے زین پر سوار ہوں جنکی شکل ہتیلی کی سی ہوتی ہے۔ البتہ قاضی ابویوسف صاحب نے[2] بعض اور احکام اسپر بڑھائے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ ذمی مسلمانوں کے ساتھ وضع قطع لباس سواری میں مشابہت نہ اختیار کریں۔ اور لمبی ٹوپیاں اوڑھیں اور اُنکی زین کے آگے گول لکڑی ہو اور اُن کی جوتیوں کے تسمے دوہرے ہوں اور اُن کی عورتیں کجاوں پر نہ سوار ہوں قاضی صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عمر نے ذمیوں کے بارے میں یہی احکام صادر کئے تھے اور اُس کی وجہ حضرت عمر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ذمیوں کی وضع سے مسلمانوں کی وضع سے الگ رہے۔

بلاشبہ یہ حضرت عمر کے احکام ہیں لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ یہ احکام ذمیوں کی تحقیر کی وجہ سے صادر ہوئے تھے سخت غلطی ہے افسوس ہے کہ اس غلطی کا ارتکاب اکثر متاخرین فقہا نے کیا ہے بے شبہ حضرت عمر کا ایک خاص مذاق تھا کہ وہ قومی امتیاز کو پسند کرتے تھے۔ انہوں نے اہل فوج کو اکثر فرمانوں میں لکھا ہے کہ وہ جاڑوں میں بھی دھوپ کھانا نہ چھوڑیں گھوڑوں پر رکاب کے سہارے سے سوار نہ ہوں موٹے کپڑے استعمال کریں جس سے مقصود یہ تھا کہ اہل عرب اپنے ملک وطن کی خصوصیت کو محفوظ رکھیں اسی بنا پر انہوں نے اہل عجم کو جنہوں نے اسلام نہیں قبول

[1] دیکھو جامع صغیر امام محمد ۱۲ [2] قاضی ابو یوسف صاحب کے یہ احکام کتاب الخراج میں لکھے ہیں ۱۲

یہی کہ وہ اپنی قومی خصوصیتوں کو ضائع نہ ہونے دیں ۔ اہل عجم زمانہ اسلام سے پہلے زنار باندھتے
ہی ٹوپیاں اوڑھتے تھے ۔ اُن کے زین آجکل کے انگریزی زین کے مشابہ ہوتے تھے اُن کی عورتیں اونٹوں
پر سوار ہوتی تھیں چنانچہ انہیں رسوم و عادات کی نسبت حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اہل ذمہ اُنکی پابندی کریں
حکام ابو حنیفہ اور قاضی ابو یوسف نے قائم رکھے جن کا مقصد صرف اسقدر ہے کہ دونوں قومیں اپنی اور
حیثیت پر قائم رہیں ۔ البتہ امام ابو حنیفہ نے یہ حکم دیا ہے کہ اہل ذمہ اسلامی شہروں میں اپنی عبادت گاہیں نہ بنائیں لیکن
مقصد صرف اسقدر تھا کہ اس و امان میں خلل نہ ہو اور مسلمان سپاہی جو اکثر عرب کی نسل سے تھے اور ناقوس
صداؤں سے اُن کے کان آشنا نہ تھے فساد پر نہ آمادہ ہوں اس حکم نے ذمیوں کے حق میں چنداں وقت بھی
پیدا کی مسلمانوں نے جو شہر آباد کئے وہ دو چار شہر سے زیادہ نہ تھے باقی تمام ملک انہیں کے شہروں سے
تھا جو غیر قوموں کے آباد کئے ہوئے تھے اور جہاں ذمیوں کو عموماً عبادت گاہوں کے بنانے کی اجازت
اسلامی شہروں میں بھی یہ قید اسوقت تک قائم رہی جبتک فتنہ کا احتمال رہا جب یہ خوف جاتا رہا تو ذمیوں کو
اجازت ملگئی چنانچہ بغداد میں جو خاص اسلامی شہر تھا سینکڑوں ہزاروں چرچ اور گرجے تعمیر ہوئے ۔
ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ جو احکام نصوص سے ماخوذ ہیں اور جن آئمہ کا اختلاف ہے ان میں امام ابو حنیفہ جو
اختیار کرتے ہیں وہ عموماً نہایت قوی اور مدلل ہوتا ہے نص کا لفظ قرآن حدیث دونوں پر اطلاق کیا جاتا ہے
اس لحاظ سے وہ احکام بھی نصی کہے جاتے ہیں جو قرآن سے نہیں بلکہ صرف حدیث سے ثابت ہیں لیکن اس
پر ہم اُنسے بحث نہیں کرسکتے اور اسکے مختلف وجوہ ہیں اول تو یہ کہ اس قسم کے مسائل نہایت کثرت
سے ہیں جن کا مختصر سے مختصر حصہ بھی اس کتاب میں نہیں آسکتا اگرچہ چند مسائل نمونہ کے طور پر بیان کئے جائیں
مخالفوں کو اس سوء ظن کا موقع باقی رہتا ہے کہ چند قوی مسائل لے لیئے اور ضعیف چھوڑ دیئے دوسری بڑی
وجہ یہ ہے کہ آج ان مسائل کا فیصلہ مجتہدانہ نہیں ہوسکتا ۔ حدیث کے متعلق بہت بڑی بحث صحت و عدم
صحت کی پیدا ہوتی ہے اور یہی وہ چیز ہے جس نے مسائل فقہ میں ائمہ کو مختلف الآرا کردیا ہے ایک امام کے نزدیک ایک
حدیث قابل حجت ہے دوسرے کے نزدیک نہیں اس بحث کے تصفیہ کیلئے جو سامان ہمارے ملک میں موجود ہے وہ
نہایت ناکافی ہے اور اس سے کسی حدیث کی نسبت مجتہدانہ فیصلہ نہیں کیا جاسکتا بڑا مرحلہ اسماء الرجال کا ہے اس فن کی جو
کتابیں ہمارے ملک میں موجود ہیں مثلاً تہذیب الکمال مزی تہذیب التہذیب میزان الاعتدال طبقات الحفاظ تہذیب
الاسماء و اللغات وغیرہ ان میں جرح و تعدیل کے متعلق ائمہ کے جو اقوال مذکور ہیں اکثر انکا سلسلہ سند مذکور نہیں
جسکے سبب سے ثبوت و عدم ثبوت کا تصفیہ نہیں ہوسکتا اسکے علاوہ اکثر جروح مبہم ہیں اور جن جرحوں

لفظ نص کا
اطلاق قرآن
اور حدیث
دونوں
پر کیا جاتا
ہے

نفیسہ منصور نے اپنے سپاہیوں کو اسی قسم کی قومی پوشاک اوڑھنے پر مجبور کیا تھا جسکی نسبت مورخین لکھتے ہیں کہ منصور نے عجم کی تقلید کی ۱۲

کو مفسر قرار دیا ہے وہ بھی ابہام سے خالی نہیں۔ قدما نے اس فن میں جو تصنیفات لکھیں اُن سے بلاشبہ مباحث طے ہو سکتے ہیں لیکن وہ یہاں میسر نہیں آتیں علمائے حنفیہ نے خاص اس بحث پر کہ حنفی فقہ کے مسائل احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں بہت سی کتابیں لکھی ہیں جسکو زیادہ شوق ہو ان تصنیفات کیطرف رجوع کر سکتا ہے۔ لیکن قرآن مجید میں اس بحث کا بڑا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے کیونکہ قرآن کے ثبوت میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا اسلئے تنازع کا مدار صرف اسپر رہجاتا ہے کہ جو مسئلہ اُس سے مستنبط کیا گیا صحیح طور پر کیا گیا یا نہیں اس حالت میں بحث مختصر رہجاتی ہے اور نہایت آسانی سے اسکا تصفیہ ہو جاتا ہے قرآن مجید سے جو احکام ثابت ہیں اُن کی تعداد بھی کچھ کم نہیں ہے اور فقہ کے مہمات مسائل ہیں اس لئے اگر یہ ثابت ہو کہ حنفی فقہ کے مسائل نصوص قرآن سے زیادہ مطابق ہیں تو مہمات مسائل میں فقہ حنفی کی ترجیح بآسانی ثابت ہو جائے گی اس کے ساتھ یہ بھی ثابت ہو جائیگا کہ امام ابو حنیفہ کو حیثیت اجتہاد میں تمام ائمہ پر ترجیح ہے کیونکہ اجتہاد کا مدار زیادہ تر استنباط اور استخراج ہی پر ہے۔

ان لوگوں کی تردید جو حنفی مسائل کو حدیث کے مخالف کہتے ہیں

ان وجوہ کی بنا پر اگرچہ ہم صرف اُن مسائل پر اکتفا کرتے ہیں جو قرآن سے ثابت ہیں تاہم حدیث کے متعلق ایک اجمالی بحث ضروری ہے جس سے بدگمانوں کو سوء ظن کا موقع نہ ہو بعض لوگوں کا خیال ہے کہ امام صاحب کے بہت سے مسائل احادیث صحیحہ کے مخالف ہیں ان لوگوں میں سے بعض نے الزام دیا ہے کہ امام صاحب نے دانستہ حدیث کی مخالفت کی بعض انصاف پسند وجہ یہ بتاتے ہیں کہ امام صاحب کے زمانہ تک احادیث کا استقصا نہیں کیا گیا تھا اسلئے بہت سی حدیثیں اُنکو نہیں پہنچیں لیکن یہ خیال محض لغو اور بے سروپا ہے امام صاحب کے زمانہ تک تو حدیثیں جمع نہیں ہوئی تھیں لیکن جب جمع ہو چکیں اُس وقت بڑے بڑے محدثین اُنکے مسائل کو کیوں تسلیم کرتے رہے وکیع بن جراح جنکی روایتیں صحیح بخاری میں بکثرت موجود ہیں اور جنکی نسبت امام ابن احمد حنبل کہا کرتے تھے کہ میں نے اُن سے بڑھ کر کسی کو حافظ العلم نہیں دیکھا وہ امام ابو حنیفہ کے مسائل کی تقلید کرتے تھے[۱] خطیب بغدادی نے اُنکے حال میں لکھا کان یفتی بقول ابی حنیفۃ[۲] یحییٰ بن سعید بن القطان جو فن جرح و تعدیل کے موجد ہیں اکثر مسائل میں امام ابو حنیفہ کے پیرو تھے خود اُنکا قول ہے قد اخذنا باکثر اقوالہ۔ امام طحاوی جو حافظ الحدیث تھے اور مجتہد فی المذہب کا درجہ رکھتے تھے پہلے شافعی تھے، پھر امام ابو حنیفہ کے مسائل اختیار کئے اور کہا کرتے تھے کہ میں ابو حنیفہ کا مقلد نہیں ہوں بلکہ مجھکو اُن سے توارد ہے طحاوی امام بخاری اور مسلم کے ہمزبان ہیں اور وہ زمانہ تھا جب حدیث کا دفتر کامل طور سے مرتب ہو گیا تھا۔ متاخرین میں علامہ ماردینی، حافظ زیلعی، ابن الہمام، قاسم بن قطلوبغا وغیرہم کی نسبت قلت نظر کا کون گمان کر سکتا ہے؟ یہ لوگ عموماً حنفی مسائل کے حامی ہیں۔

اس کے علاوہ جو لوگ عموماً حافظ الحدیث تسلیم کئے گئے ہیں اُن کے مسائل امام ابو حنیفہ سے کیوں موافق ہیں جنتیج

[۱] مختصر تاریخ بغداد لابن جزلہ ترجمہ وکیع بن الجراح ۱۲ [۲] تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر ترجمہ امام ابو حنیفہ ۱۲

اسی میں سب سے بڑے محدث امام احمد حنبل ہیں جنکی شاگردی پر بخاری و مسلم کو ناز تھا اور جنکی نسبت محدثین کا عام قول ہے کہ جس حدیث کو احمد حنبل نہیں جانتے وہ حدیث ہی نہیں۔ امام احمد حنبل بہت سے مسائل میں امام شافعی کے مخالف اور امام ابوحنیفہ کے موافق ہیں۔ خوارزمی نے لکھا ہے کہ فروع و جزئیات چھوڑ کر امہات فقہ کے متعلق ایک سو چھپن مسئلوں میں انکو امام ابوحنیفہ کیساتھ اتفاق ہے اور امام شافعی سے اختلاف ہمنے خود بہت سے مسائل میں تطبیق کی ہے جس سے خوارزمی کے دعویٰ کی تردید ہوتی ہے۔ سفیان ثوری با امام احمد حنبل کو محدثین نے امام الحدیث تسلیم کیا ہے اُن کے مسائل امام ابوحنیفہ کے مسائل کے موافق ہیں۔ قاضی ابو یوسف کہا کرتے تھے کہ واللہ سفیان الثوری اتبع منی لابی حنیفۃ یعنی خدا کی قسم سفیان مجھ سے زیادہ ابوحنیفہ کی پیروی کرتے ہیں" صحیح ترمذی میں سفیان ثوری کے مسائل مذکور ہیں، جو زیادہ تر شافعی کے مخالف اور ابوحنیفہ کے موافق ہیں۔

اس خیال کے پیدا ہونے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ بعض محدثین مثلاً امام بخاری ابن ابی شیبہ نے امام ابوحنیفہ کے متعدد مسائل کی نسبت تصریح کی ہے کہ حدیث کے خلاف ہیں ابن ابی شیبہ نے امام ابوحنیفہ کے رد میں ایک مستقل باب لکھا ہے لیکن یہ خیال کرنیوالوں کی کوتاہ نظری ہے بلکہ ائمہ نے ایک دیگر پر یہی اعتراض کیا ہے امام شافعی امام مالک کے باخلاص شاگرد تھے اور کہا کرتے تھے کہ آسمان کے نیچے موطائے امام مالک سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں۔ باوجود اس کے انہوں نے امام مالک کے رد میں ایک مستقل رسالہ لکھا جس میں دعویٰ کیا ہے کہ امام مالک کے بہت سے مسائل احادیث صحیحہ کے خلاف ہیں امام رازی نے مناقب الشافعی میں اس رسالہ کا دیباچہ نقل کیا ہے اور خود ہماری نظر سے گذرا ہے لیث بن سعد جو مشہور محدث ہیں کہا کرتے تھے کہ امام مالک نے ستر مسئلوں میں حدیث کی مخالفت کی ہے چنانچہ میرا ارادہ ہے کہ میں اُن کو اس امر کی نسبت خط لکھوں" امام شافعی بھی اس اعتراض سے نہیں بچے اور کیونکر بچ سکتے تھے۔ جہر بسم اللہ و قنوت فی الفجر و ترک تحدیث ذوی الارحام وغیرہ مسائل میں اُن کا مذہب صریح حدیثوں کے مخالف معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اجتہادی امور ہیں اور اُن کی بنا پر ہم کسیکو مخالف حدیث نہیں کہہ سکتے جس حدیث کو ایک مجتہد صحیح سمجھتا ہے ضرور نہیں کہ دوسرے مجتہد کے نزدیک بھی صحیح ہو پھر اس مرحلے کے طے ہونیکے بعد استنباط و استدلال کی بحث باقی رہتی ہے جسمیں مجتہدین بہت کم متفق الرائے ہو سکتے ہیں کیونکہ استنباط و استدلال کے اصول جداگانہ ہیں امام بخاری کا جزء القراءۃ ہمنے دیکھا ہے جامع صحیح میں جہاں جہاں امام ابوحنیفہ پر اشارہ کرتے ہیں اُس سے بھی ہم واقف ہیں بے شبہ ان مسئلوں میں امام بخاری کا دعویٰ ہے کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب حدیث کے مخالف ہے لیکن امام بخاری کی تحریر اور امام ابوحنیفہ کا فتویٰ دونوں ہمارے سامنے ہیں اور ہم خود دیکھ سکتے ہیں کہ اُن مسائل میں امام صاحب کا مذہب حدیث کے مخالف ہے یا امام بخاری کے فہم و اجتہاد کی مخالفت ہے قراءت فاتحہ کے مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کا استدلال اس آیت سے ہے واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا امام بخاری جزء

القراءت میں فرماتے ہیں کہ یہ آیت خطبہ کے بارہ میں اُتری ہے یعنی نماز سے اسکو تعلق نہیں۔ امام بخاری کا یہ جواب کس قدر حیرت انگیز ہے اگر رسالہ جزء القراءۃ خود ہماری نظر سے نہ گذرا ہوتا تو ہم کو مشکل سے یقین آتا کہ واقعی یہ امام بخاری کا قول ہے اول تو بیسیوں روایتوں سے ثابت ہے کہ یہ آیت نماز میں اُتری ہے لیکن اگر ہم انہی کے قول کو تسلیم کریں تو یہ کون نہیں جانتا کہ موقع ورود کے خاص ہونے سے آیت کا حکم جو صریحی عام ہے خاص نہیں ہو سکتا۔

امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے کہ امام و مقتدی کو آمین آہستہ کہنی چاہیئے۔ امام بخاری برخلاف اسکے جہر کے قائل ہیں اور دلیل یہ لاتے ہیں کہ آنحضرت نے فرمایا ہے کہ جب امام ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو" لیکن اس حدیث میں جہر کا کہاں ذکر ہے اور مطلق آمین کہنے سے تو امام ابو حنیفہ کو بھی انکار نہیں۔ امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے نبیذ تمر سے بشرطیکہ مسکر نہو وضو جائز ہے امام بخاری اسکے خلاف ترجمۃ الباب باندھتے ہیں اور حدیث نقل کرتے ہیں کہ کل ما اسکر حرام۔

امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے کہ مقتدی کیلئے قراءۃ فاتحہ ضروری نہیں۔ امام بخاری وجوب کے مدعی ہیں اور جامع صحیح میں باب باندھا ہے کہ امام و مقتدی پر ہر نماز میں خواہ سفر میں ہو یا حضر میں۔ نماز خواہ جہری ہو یا سری قراءت واجب ہے اس دعوی پر دو حدیثیں پیش کی ہیں ایک یہ کہ "کوفہ والوں نے حضرت عمر کے پاس سعد بن ابی وقاص کی شکایت کی حضرت عمر نے انکو معزول کر دیا۔ اور بجائے انکے عمار کو مقرر کیا۔ کوفہ والے عمار کے بھی شاکی ہوئے کہ انکو تو نماز پڑھنی بھی نہیں آتی حضرت عمر نے عمار کو بلا بھیجا اور اُنسے کہا کہ ان لوگونکا یہ گمان ہے۔ عمار نے کہا واللہ میں اُن کے ساتھ رسول اللہ کی سی نماز پڑھتا تھا تو پہلی دو رکعتوں میں دیر تک قیام کرتا تھا اور دو اخیر کی رکعتوں میں تخفیف کرتا تھا۔

اس حدیث سے قراءت فاتحہ کا وجوب کیونکر ثابت ہوا حافظ ابن حجر وغیرہ نے جو تاویلیں کی ہیں اُنسے اگر بہزار وقت وجوب پر استدلال بھی ہو تو کیا اُس کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے امام ابو حنیفہ نے حدیث کی مخالفت کی۔!!

حقیقت یہ ہے کہ کسی مجتہد کی نسبت یہ خیال کرنا کہ اُسکو احکام کے متعلق حدیثیں نہیں پہنچیں۔ سخت غلطی ہے لیکن چونکہ حدیثوں کا معیار صحت وجوہ استنباط طرق استدلال تمام مجتہدین کے نزدیک متحد نہیں۔ اس لیئے مسائل میں اختلاف کا پیدا ہونا ضرور تھا۔

اب ہم اس ضمنی بحث کو چھوڑ کر اصل مقصد کیطرف رجوع کرتے ہیں۔ ہمارا دعوی ہے کہ قرآن مجید کی تمام آیتیں جنسے کوئی مسئلہ فقہی مستنبط کیا گیا ہے۔ اُن کو وہی معنی صحیح اور واجب العمل ہیں جو امام ابو حنیفہ نے قرار دیے ہیں۔ قرآن مجید میں احکام کی آیتیں سو سے متجاوز ہیں۔ اسلئے ہم اُنکا استقصا تو نہیں کر سکتے البتہ مثال کے طور پر متعدد مسائل کا ذکر کرتے ہیں جنسے ایک اجمالی خیال قائم ہو سکتا ہے۔!

فرائض وضو

امام صاحب کا مذہب ہے کہ وضو میں چار فرض ہیں۔ امام شافعی دو فرض اور اضافہ کرتے ہیں یعنی نیت اور ترتیب امام مالک بجائے انکے موالات کو فرض کہتے ہیں۔ امام احمد حنبل کا مذہب ہے کہ وضو کیوقت بسم اللہ کہنا ضرور ہے

اور اگر قصداً نہ کہا تو وضو باطل ہے۔ امام صاحب کا استدلال ہے کہ آیت میں صرف چار حکم مذکور ہیں اسلیے جو چیز ان احکام کے علاوہ ہے وہ فرض نہیں ہو سکتی۔ نیت و موالات و تسمیہ کا تو آیۃ میں کہیں وجود نہیں، ترتیب کا گمان البتہ واؤ کے حرف سے پیدا ہوتا ہے لیکن علمائے عربیت نے متفقاً طے کر دیا کہ واؤ کے مفہوم میں ترتیب داخل نہیں۔

امام رازی نے تفسیر کبیر میں ترتیب کی فرضیت کیلئے متعدد دلیلیں پیش کی ہیں لیکن انصاف یہ ہے کہ انکا رتبہ اولیات سے بڑھکر نہیں۔ بڑا استدلال یہ ہے کہ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ میں حرف فا تعقیب کیلئے ہے جس سے اس قدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ منہ کا پہلے دھونا فرض ہے اور جب ایک رکن میں ترتیب ثابت ہوئی تو باقی ارکان میں بھی ہونی چاہیے۔ دوسری دلیل یہ بھی ہے کہ وضو کا حکم خلاف عقل حکم ہے اس لئے اُس کی تعمیل بھی اسی ترتیب سے فرض ہونا چاہیے جس طرح آیت میں مذکور ہے کیونکہ وضو کا حکم جسطرح خلاف عقل ہے۔ ترتیب بھی خلاف عقل ہے۔ امام رازی کی یہ دلیلیں جس رتبہ کی ہیں خود ظاہر ہیں اُس پر رد و قدح کی ضرورت نہیں۔

امام ابو حنیفہ کا قول ہے کہ عورت کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ امام شافعی اس کے مخالف ہیں اور استدلال میں یہ آیت پیش کرتے ہیں وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا یعنی اگر تم بیمار ہو۔ یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی شخص غائط[1] سے آئے یا تم نے عورت کو چھوا ہو۔ اور تم کو پانی نہ ملے تو تم تیمم کرو۔

عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا

امام صاحب فرماتے ہیں کہ عورت کے چھونے سے جماع و مقاربت مراد ہے اور یہ قرآن مجید کا عام طرز ہے کہ ایسے امور کو صریحاً تعبیر نہیں کرتا، لطف یہ ہے کہ اسی لفظ کا ہم معنی لفظ "مس" جسکے معنی چھونے کے ہیں خدا نے اس آیت میں مَالَمْ تَمَسُّوْهُنَّ جماع کے معنی میں استعمال کیا ہے اور خود امام شافعی تسلیم کرتے ہیں کہ وہاں جماع ہی مقصود ہے حقیقت یہ ہے کہ اس آیت میں ملامستہ کے ظاہری معنے لینے ایسی غلطی ہے جو ہرگز اہل زبان سے نہیں ہو سکتی اس آیت میں غائط کا لفظ بھی تو ہے اسکو تمام مجتہدین کنایہ قرار دیتے ہیں۔ ورنہ ظاہری معنی لیے جائیں تو لازم آئے کہ جو شخص ہموار زمین میں سے ہو کر آئے اُس پر وضو کرنا واجب ہو"۔

میری رائے میں اگرچہ امام شافعی کا یہ مذہب ہے کہ عورت کے چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے لیکن اُن کا استدلال اس آیت پر نہیں ہے وہ حدیث سے استدلال کرتے ہونگے غالباً اُن کے بعد انکے مقلدوں نے حنفیہ کے مقابلہ کے لیئے آیت سے استدلال کیا اور اُس کو امام شافعی کیطرف منسوب کر دیا۔

امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے کہ ایک تیمم سے کئی فرض ادا ہو سکتے ہیں۔ امام مالک و شافعی کی رائے ہے کہ ہر فرض کے لیئے نیا تیمم کرنا چاہیئے۔ امام صاحب کا استدلال ہے جو حیثیت وضو کے حکم کی ہے وہی تیمم کی ہے اور جب ہر نماز کے

---

[1] غائط کے معنی ہموار زمین کے ہیں لیکن اس سے جائے ضرور یعنی پاخانہ مراد ہے ۱۲

لئے نئے وضو کی ضرورت نہیں تو تیمم کی بھی ضرورت نہیں البتہ جن لوگوں کا مذہب ہے کہ ایک وضو سے کئی نمازیں نہیں ادا ہوسکتیں وہ تیمم کی نسبت بھی یہ حکم لگا سکتے ہیں لیکن وضو و تیمم میں تفریق کرنی جیسا کہ امام شافعی وغیرہ نے کی محض بے وجہ ہے۔

امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے کہ اثنائے نماز میں تیمم ہو اگر پانی ملجائے تو تیمم جاتا رہیگا۔ امام مالک و احمد حنبل اس کے مخالف ہیں۔ امام صاحب کا استدلال یہ ہے کہ قرآن میں تیمم کا جواز اس قید کے ساتھ مشروط ہے کہ لَمْ تَجِدُوْا مَاءً یعنے جب پانی نہ ملے صورت میں جب شرط باقی نہیں رہی تو مشروط بھی باقی نہیں رہا۔

امام صاحب کا قول ہے کہ تکبیر تحریمہ جزو نماز نہیں اور فارسی زبان میں تکبیر کہنا درست ہے امام شافعی وغیرہ مخالف ہیں امام صاحب کا استدلال ہے کہ جس آیت سے تکبیر کی فرضیت ثابت کیگئی ہے یعنی وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى اسمیں زبان کی کوئی خصوصیت نہیں اور چونکہ اس پر فاء تعقیب داخل ہے اسلئے نماز کا وجود تکبیر سے موخر ہونا مفہوم ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ تکبیر گو فرض ہے لیکن نماز میں داخل نہیں۔ اور جزو نماز نہیں۔

امام صاحب کا مذہب ہے کہ مقتدی کو قرارت فاتحہ ضروری نہیں۔ امام شافعی و امام بخاری وجوب کے قائل ہیں امام صاحب اس آیت سے استدلال کرتے ہیں وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا جب قرآن پڑہا جائے تو سُنو اور چپکے رہو۔ اگرچہ اس آیت سے سری نمازوں میں بھی ترک قراءۃ کا حکم ثابت ہوتا ہے لیکن خاصکر جہری نماز کیلئے تو یہ نص قاطع ہے جسکی کوئی تاویل نہیں ہوسکتی تعجب ہے کہ شافعیہ نے ایسے صاف اور صریح آیت کے مقابلہ میں حدیثوں سے استدلال کیا ہے حالانکہ حدیثیں جو اس باب میں وارد ہیں خود متعارض ہیں جس درجہ کی وجوب قرارت کی حدیثیں موجود ہیں اُسی درجہ کی ترک قرارت کی بھی ہیں۔

امام بخاری نے اس بحث میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اور کوشش کی ہے کہ آیت کے استدلال کا جواب دیں لیکن جواب ایسا دیا ہے جسکو دیکھکر تعجب ہوتا ہے اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ترجمہ یعنی سوائے اسکے نہیں ہے کہ حرام کیا خدا نے تمپر مردہ کو اور خون کو اور سور کے گوشت کو اور اُس چیز کو جسپر خدا کے سوا اور کسی کا نام لیا جاوے لیکن جو شخص مجبور ہو بشرطیکہ نافرمان اور حد سے گذر جانے والا نہو تو اُسپر گناہ نہیں اس آیت سے بہت سے مسائل مستنبط ہوتے ہیں جنمیں مجتہدین کو باہم اختلاف ہے ان تمام مختلف فیہ مسائل میں امام ابوحنیفہ نے آیت کا جو مطلب قرار دیا ہے وہی صحیح ہے پہلی بحث یہ ہے کہ مردہ کے کیا معنی ہیں امام ابوحنیفہ وہی عام معنی لیتے ہیں جو عام اطلاق میں شائع ہے امام شافعی نے اس کو بہت وسعت دی ہے یہانتک کہ وہ مردہ جانوروں کے بالوں اور ہڈیوں کو بھی مردہ کہتے ہیں اس بناپر انکی رائے ہے کہ ان چیزوں سے ان کی قسم کا تمتع مثلاً پوستین وغیرہ کا استعمال جائز نہیں امام مالک بال اور کھال کا کام میں لانا جائز قرار دیتے ہیں

لیکن ہڈی کا استعمال اُن کے نزدیک بھی حرام ہے۔

امام شافعی نے اور امام مالک نے مردہ کے جو معنی لئے ہیں چونکہ صاف غلط معلوم ہوتے ہیں اسلئے انکے مقلدوں نے تاویلیں کیں۔ امام رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ ہڈی کو مردہ کہہ سکتے ہیں کیونکہ خدا نے قرآن میں فرمایا ہے من یحی العظام یعنی ہڈی کو کون زندہ کریگا۔ اور زندہ وہی چیز ہوسکتی ہے جو پہلے مرچکی ہو اسیطرح خدا نے زمین کو مردہ کہا ہے" امام رازی کی یہ تاویل نہایت تعجب خیز ہے اس قسم کے اطلاقات مجازی اطلاق ہیں جن پر احکام کی تفریع نہیں ہوسکتی۔ امام رازی نے زمین کا مردہ ہونا قرآن مجید سے ثابت کیا ہے تو زمین اور خاک کے استعمال کو بھی ناجائز قرار دینا چاہیے۔

دوسری بحث یہ ہے کہ خون جسکو اس آیت میں حرام کہا ہے اس سے کیا مراد ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک دم مسفوح ہے یعنی جس خون میں روانی ہو اس بنا پر مچھلی کے خون کو حرام نہیں کہتے۔ امام شافعی کے نزدیک اس میں کوئی تخصیص نہیں ہے اور ہر قسم کا خون حرام ہے امام صاحب کا استدلال یہ ہے کہ یہ تخصیص خود خدا نے کی ہے چنانچہ دوسرے موقع پر فرمایا قل لااجد فی ما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمہ الا ان یکون میتۃ او دما مسفوحا اس آیت میں خون کی تحریم کو مسفوح کے ساتھ مقید کردیا ہے۔

تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ باغ ولا عاد سے کیا مراد ہے امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ کھانے میں بغاوت و عدوان نہ ہو یعنی جو شخص مجبور ہو اور جاں بلب ہو اسکو مردہ و سور کا گوشت کھانا جائز ہے لیکن اس شرط پر کہ سد رمق سے زیادہ نہ کھائے اور کسی دوسرے مضطر سے چھین کر نہ کھائے۔ امام شافعی بغاوت اور عدوان کے یہ معنی لیتے ہیں کہ اس شخص نے سلطان وقت سے بغاوت نہ کی ہو اور گنہگار نہ ہو اس اختلاف کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک مسلمان شخص جو سلطان وقت سے باغی ہو کسی موقع پر فاقہ سے جاں بلب ہوجائے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اُس کو مُردہ یا سور کا گوشت بقدر سد رمق کھانا جائز ہے بخلاف اس کے امام شافعی کا قول ہے کہ وہ اگر باغی نہوتا تو کھانا جائز تھا لیکن بغاوت کی حالت میں اُس کو یہ اجازت نہیں ملسکتی۔

امام شافعی نے ان الفاظ کے جو معنی لیئے اولاً تو سیاق عبارت سے بالکل بیگانہ ہیں دوسرے اصول شرع انکی مساعدت نہیں کرتے۔ شریعت نے ضرورت کیوقت جن چیزوں کی رخصت یا اجازت دی ہے وہ کسی جرم و عصیان سے باطل نہیں ہوتی جھوٹ بولنا گناہ ہے اور بعض حالتوں میں مثلاً جب جان کا خوف ہو اسکی اجازت دی گئی ہے کیا ایک گنہگار شخص اس اجازت سے متمتع نہیں ہوسکتا بصورت متنازعہ میں اگر اُس شخص کو اسلئے کھانے کی اجازت نہیں دیجاتی کہ اسکا ہلاک ہونا ہی بہتر ہے تو حرام کی کیا تخصیص ہے اُس کے لیئے تو حلال غذا کی بھی اجازت نہ ہونی چاہیئے۔

یہ مسائل توفیقی تھے امام ابوحنیفہ نے اس آیت سے لیکر قیاسی مسئلہ قائم کیا ہے اور امام شافعی نے اس سے مخالفت کی ہے یعنی ایک شخص پیاس سے جاں بلب ہو اور بجز شراب کے اور کوئی چیز مل نہ سکے تو اس کو شراب پینے کی اجازت ہے یا نہیں۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے اور امام شافعی اگر ظاہریوں کی طرح شراب کے منکر ہوتے تو اس جواب سے کچھ تعجب نہ ہوتا لیکن قیاس کے قائل ہو کر یہ مخالفت محل تعجب ہے کیونکہ یہ حالت اور جس حالت کا ذکر قرآن میں صریحاً ہے دونوں کی علت مشترک ہے یعنی حفاظت نفس پھر حکم کے نہ مشترک ہونیکی کوئی وجہ نہیں۔

جنایات کے بارے میں جو احکام قرآن مجید میں وارد ہیں اُن کی تعبیر جس صحت کے ساتھ امام ابوحنیفہ نے کی کسی دوسرے مجتہد نے نہیں کی زمانہ جاہلیت میں قصاص کے جو قاعدے رائج تھے نہایت ناانصافی اور جہالت پر مبنی تھے اسلام نے نہایت خوبی سے اُس کی اصلاح کی اور ایسے احکام مقرر کئے جن سے بڑھکر نہ کبھی ہوئے نہ ہوسکتے جاہلیت میں قصاص کا اعتبار مقتول قاتل کی حیثیت سے کیا جاتا تھا جو معزز قبیلے تھے وہ دوسرے قبیلوں سے اس طرح قصاص لیتے تھے کہ اپنے غلام کے بدلے دوسرے قبیلہ کے آزاد کو اپنی عورت کے بدلے انکے مرد کو اور اپنے مرد کے بدلے دوسرے قبیلہ کو دو مردوں کو قتل کرتے تھے خدا نے قصاص کا عام حکم صادر فرمایا جسکا یہ مطلب ہے کہ قصاص کا حکم کسی قید کے ساتھ مقید نہیں ہے قاتل ہر حالت میں مقتول کے بدلے مارا جائیگا خواہ شریف ہو یا رذیل۔ مرد ہو۔ یا عورت غلام ہو یا آزاد مسلم یا ذمی۔ زیادہ توضیح کیلئے اُن صورتوں کی خاص طور پر نفی کی جو عرب میں اسلام سے پہلے جاری تھیں چنانچہ ارشاد فرمایا کہ کتب علیکم القصاص فی القتلی الحر بالحر والعبد بالعبد والانثی بالانثی ترجمہ یعنی تم پر مقتول کے بارے میں قصاص فرض کیا گیا۔ آزاد آزاد کے بدلے غلام غلام کے بدلے عورت عورت کے بدلے۔

زمانہ جاہلیت میں یہ بھی دستور تھا کہ قتل عمد کے بارے میں مالی معاوضہ دیدینا کافی سمجھا جاتا تھا اور اُس کو دیت کہتے تھے اسلام نے اُس کو باطل کیا اور دیت کو جو ایک قسم کا جرمانہ ہے صرف شبہ عمد اور قتل خطاء کی حالت میں جائز رکھا اور اُس کی مقدار مسلمان و ذمی کیلئے یکساں مقرر کی چنانچہ خدا نے ارشاد فرمایا کہ وماکان لمومن ان یقتل مومنا الا خطاء ومن قتل مومنا خطاء فتحریر رقبة مومنة ودیة مسلمة الی اهله الا ان یصدقوا فان کان من قوم عدو لکم وهو مومن فتحریر رقبة مومنة وان کان من قوم بینکم وبینهم میثاق فدیة یعنی مسلمان کی شان نہیں کہ کسی مسلمان کو قتل کرے۔ مگر غلطی سے اور جو شخص کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کرے تو اُس کو ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہوگا اور مقتول کے اہل کو دیت دینی ہوگی۔ اور اگر مقتول اُس قوم سے ہو کہ تمہارے اور انکے درمیان میثاق ہے تو دیت دینی ہوگی۔ اور ایک مسلمان غلام آزاد کرنا ہوگا۔

یہ احکام نہایت صاف اور صریح طور پر قرآن سے ثابت ہوتے ہیں اور امام ابوحنیفہ انہیں احکام کے قائل ہیں لیکن امام شافعی وغیرہ نے بعض مسائل میں اختلاف کیا ہے جسکی نسبت ہم افسوس کے ساتھ کہتے ہیں کہ یقیناً انکی غلطی ہے۔

پہلا اختلاف یہ ہے کہ امام شافعی و امام مالک و امام احمد حنبل قائل ہیں کہ غلام کے بدلے آزاد قتل نہیں کیا جا سکتا" غلام اور آزاد میں ایسا بیرحمانہ تفرقہ کرنا ہرگز قرآن سے ثابت نہیں ہوتا۔ اگر الحر بالحر کی تخصیص سے استدلال ہے تو الانثیٰ بالانثیٰ کی تخصیص سے لازم آتا ہے کہ عورت کے بدلے مرد قتل کیا جائے حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں۔

دوسرا اختلاف یہ ہے کہ امام شافعی ذمی کی دیت مسلمان کی دیت سے کم قرار دیتے ہیں حالانکہ دیت کے جو الفاظ خدا نے مومن کے حق میں استعمال کئے وہی اُن لوگوں کے حق میں بھی ارشاد کئے جو مسلمانوں سے میثاق و معاہدہ رکھتے ہیں بے شبہہ یہ اسلام کی نہایت فیاض دلی ہے کہ اُس نے مسلمان و ذمی کا حق برابر رکھا لیکن افسوس ہے کہ ایسے فیاضانہ حکم کی لوگوں نے غلط تاویل کی۔

تیسرا اختلاف ہے کہ امام شافعی قتل عمد کی حالت میں بھی مالی معاوضہ ادا کرنا کافی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید میں قتل عمد کی حالت میں قصاص کا حکم ہے دیت کی کہیں اجازت نہیں اور یہی اقتضائے عقل ہے جاہلیت میں قتل مقدمات دیوانی کی حیثیت رکھتا تھا اور اسوجہ سے ملی معاوضہ اسکا بدل ہو سکتا تھا۔ لیکن اسلامی ایسی غلطی کا مرتکب نہیں ہو سکتا تھا۔

چوتھا اختلاف یہ ہے کہ امام شافعی کیفیت قتل میں مساوات کو لازمی قرار دیتے ہیں یعنے اگر قاتل نے پتھر سے سر پھوڑ کر کسی کو مارا ہو تو وہ بھی پتھر سے سر توڑ کر مارا جائے یا کسی نے آگ سے جلا کر مارا ہو تو وہ آگ سے جلا کر مارا جائے لیکن اس قسم کی مساوات پر قرآن کا کوئی لفظ دلالت نہیں کرتا۔

پانچواں اختلاف یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک قتل عمد کی حالت میں کفارہ لازم نہیں آتا۔ امام شافعی قصاص کے علاوہ کفارہ کو بھی لازمی قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید میں کفارہ کا حکم قتل خطا کیساتھ مخصوص ہے قتل عمد میں کفارہ کا کچھ ذکر نہیں ہے وراثت کے بعض احکام میں جو نہایت مہتم بالشان ہیں امام ابوحنیفہ نے جو پہلو اختیار کیا وہ نہایت صریح طور پر

وراثت قرآن سے ثابت ہے وراثت کے قاعدے جو اسلام نے مقرر کئے ہیں وہ تمام دنیا کے قواعد وراثت سے الگ ہیں اور ایسے دقیق اور نازک اصول پر مبنی ہیں جو علانیہ اس بات کی دلیل ہیں کہ خدا کے سوا اور کوئی اُن احکام کا واضع نہیں ہو سکتا۔ وراثت کا اصلی اصول یہ ہے کہ متوفی اگر اپنی جائداد کسی خاص شخص کو دیجاتا تو اُسی کو ملتی لیکن جب اُس نے کوئی ہدایت نہیں کی تو اُسپر لحاظ ہوگا کہ اُسکے فطری تعلقات کن کن لوگوں کیساتھ کس کس تفاوت کیساتھ تھے جو لوگ یہ تعلقات رکھتے ہیں وہ اسی تفاوت درجات کیساتھ اُس کی جائداد کے مالک ہونگے گویا متوفی کی یہ معنوی ہدایت ہے کہ لوگوں کو اسی مناسبت سے دیا جائے جس نسبت سے میرے تعلقات اُن کے ساتھ تھے دوسرا اصول جو پولیٹیکل اکانمی کا عام اصول ہے یہ ہے کہ دولت کا بہت سے اشخاص میں تقسیم ہونا اس سے اچھا ہے کہ وہ ایک شخص تک محدود رہے۔ یہ عمدہ اصول تمام اور قوموں کی نگاہ سے رہ گئے۔ اور اس وجہ سے انکا قانون وراثت بھی

تمام اور محدود رکھیا عیسائیوں کے قانون میں بڑے بیٹے کو جائداد پہنچتی ہے۔ دوسرے بھائیوں کو
ملتا ہے۔ ہندوؤں کے ہاں صرف اولاد ذکور جائداد کی مالک ہے۔ باپ بھائی وغیرہ محروم مطلق ہیں لیکن
وقت نظر سے ان نازک تعلقات پر نگاہ کی جو ورثہ کے حقوق کیساتھ ہیں اور انکی نسبت سے تین
ذوی الفروض عصبات۔ ذوی الارحام ان تینوں درجوں کی تصریح قرآن مجید میں موجود ہے۔
کا ذکر ان آیتوں میں لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا
وَالْأَقْرَبُونَ وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ امام ابوحنیفہ نے توریث کے احکام
قائم رکھے۔ لیکن امام شافعی و امام مالک نے ذوی الارحام کو سرے سے خارج کر دیا چنانچہ ان
بھتیجا بھانجے وغیرہ کسی حال میں ورثہ نہیں پا سکتے اُن بزرگوں نے ذوی الارحام کو عام
عصبات اُسکے افراد قرار دیئے ہیں جیسا کہ امام رازی نے تفسیر کبیر میں ذکر کیا ہے لیکن یہ ایک

نکاح و طلاق کے متعلق قرآن میں بہت سے احکام مذکور ہیں جنمیں سے بعض بعض میں مجتہدین
ان اختلافی مسائل میں دو مسئلے نہایت مہتم بالشان ہیں اور ہم اس موقع پر انہیں کا ذکر کرتے ہیں
پہلا مسئلہ یہ ہے کہ امام شافعی کے نزدیک گو عورت بالغہ اور عاقلہ ہو تاہم کسی حالت میں بغیر ولی کے
نہیں کر سکتی امام ابوحنیفہ کے نزدیک بالغہ عاقلہ اپنے نکاح کی آپ مختار ہے اس دعوی پر دونوں
آیتیں اور حدیثیں پیش کی گئیں ہیں احادیث کی بحث کا تو یہ محل نہیں۔ قرآن مجید سے امام
ہے اور جسکو خود انہوں نے کتاب الام میں بڑے شد و مد سے لکھا ہے وہ اس آیت پر مبنی ہے و اذا
فبلغن اجلهن فلا تعضلوهن ان ينكحن ازواجهن۔ ترجمہ اور جب تم طلاق دو عورتوں
عدت کو پہنچیں تو اُن کو اس بات سے نہ روکو کہ وہ اپنے شوہروں سے نکاح کریں" امام شافعی کہتے
اولیائے نکاح سے خطاب ہے اور اُن کو حکم دیا گیا ہے کہ عورتوں کو نکاح سے نہ روکیں اس سے ثابت
نکاح کو روکنے کا حق حاصل ہے ورنہ نہی کی کیا ضرورت ہے" امام شافعی نے اس مطلب کی تائید میں آیت کو
کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ معقل بن یسار نے اپنی بہن کی شادی اپنے چچیرے بھائی سے کر دی تھی
بعد طلاق دیدی لیکن عدت گذر جانیکے بعد اسکو ندامت ہوئی اور اُس نے دوبارہ نکاح کرنا چاہا
ہوگئی معقل نے کہا تو بہن کے پاس گئی اور کہا کہ میں نے نکاح کر دیا تھا اُس نے طلاق دیدی۔ لیکن تمہیں
اسپر یہ آیت اتری" امام شافعی نے آیت کے جو معنی لیے اگر ہم نے خود اُن کی کتاب میں اسکو تصریحاً
مشکل سے یقین آتا کہ یہ انہیں کا قول ہے۔
اوّل ہم کو اس پر غور کرنا چاہیئے کہ آیت کے یہ معنی ہو بھی سکتے ہیں یا نہیں اسقدر تو سب کے نزدیک

میں شوہروں کی طرف خطاب ہے اور جبکہ مسلم ہے کہ ضرور ہے کہ لا تعضلوھن میں بھی انہیں کیطرف خطاب ہو ورنہ
عبارت بالکل بے ربط ہوجائیگی کیونکہ اس تقدیر پر آیت کا ترجمہ یہ ہوگا کہ اے شوہرو جب تم عورتوں کو طلاق دو اور
وہ اپنی مدت کو پہونچ جائیں تو ان کو نکاح کرنے دو بیاہ کر تم ان عورتوں کو نکاح سے مت روکو اس عبارت کی بے
ربطی میں کون شبہہ کر سکتا ہے کہ شروع میں تو شوہروں سے خطاب ہے اور درمیان آیت کے بے واسطہ ضرورت اور اولیا
نکاح سے خطاب کیا جائے یہ کوئی بلیغ کلام ہے امام رازی باوجودیکہ شافعی ہیں تاہم انہوں نے تفسیر کبیر میں
صاف تصریح کی ہے کہ یہ معنے بالکل غلط ہیں اور اس قول پر عبارت کا ربط نہیں رہتا۔ اگر ہم یہ معنے تسلیم
بھی کرلیں تو امام شافعی کا استدلال تمام نہیں ہوتا کیونکہ یہ ضرور نہیں کہ جو شخص کسی کام سے روکا جائے وہ اس
کام کا حق بھی رکھتا ہو۔

اب ہم اس آیت کا صحیح مطلب بیان کرتے ہیں جاہلیت میں اکثر دستور تھا کہ لوگ اپنی بیبیوں کو طلاق دیتے تھے
اور اس غیرت سے کہ عورتیں ان کی ہمیشہ دوسرے کے آغوش میں نہ رہیں انکو دوسرا
نکاح بھی نہیں کرنے دیتے تھے اس بیرحمی کے روکنے کے لئے خدا نے یہ آیت نازل کی جسکا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ اے شوہرو
جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ چکیں تو ان کو اس بات سے نہ روکو کہ وہ اپنے شوہروں سے
(یعنی جنکو اب وہ شوہر بنانا چاہتی ہیں) نکاح کریں امام ابوحنیفہ نے اس آیت کے یہی معنی لئے ہیں اور انکے استدلال
کی زیادہ تائید اس سے ہوتی ہے کہ لفظ ینکحن سے ہوتی ہے کیونکہ اس لفظ میں نکاح کے فعل کو عورتوں کی طرف منسوب
کیا ہے نہ اولیائے نکاح کیطرف۔

دوسرا مسئلہ تین طلاق کا ہے اس قدر تو چاروں مجتہدین کے نزدیک مسلم ہے کہ اگر کوئی شخص ایکبار
تین طلاق دے تو طلاق واقع ہوجائیگی اور پھر رجعت نہ ہوسکیگی لیکن اسمیں اختلاف ہے کہ اسطرح طلاق دینا جائز
اور مشروع ہے یا نہیں امام شافعی کے نزدیک مشروع ہے اور خدا نے انکی اجازت دی ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک
حرام اور ممنوع ہے اور طلاق دینے والا گنہگار ہے امام ابوحنیفہ کا استدلال یہ ہے کہ خدا نے جو طلاق کا یہ طریقہ بتلایا ہے
اور وہ اس آیت پر مبنی ہے الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان یعنی طلاق دوبار کرو پھر
یا تو بھلائی کے ساتھ روک لینا یعنی رجعت کر لینا یا احسان کیساتھ چھوڑ دینا ہے پس اس آیت میں طلاق کا
جو طریقہ بتایا گیا ہے صرف وہی شرعی طلاق ہوسکتا ہے بعض لوگ امام ابوحنیفہ کے قول پر یہ اعتراض کیا ہے
کہ اگر ایکبار تین طلاق دینا شرعاً جائز نہیں تو اسکے نفاذ کے کیا معنی حالانکہ نفاذ سے امام ابوحنیفہ کو بھی انکار نہیں
اس کا جواب ایک بڑی نازک بحث پر مبنی ہے جسکا یہ موقع نہیں بلکہ اجمالاً یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ کسی کام کا ممنوع ہونا
دوسری چیز ہے اور نافذ ہونا دوسری چیز ہے مثلاً غیر کی زمین کو غصب کرنا شرعاً ممنوع ہے لیکن

کوئی ناانصاف حاکم ایسا کرے تو اُسکا نفاذ ضرور ہوگا۔

اب ہم اس بحث کو ختم کرتے ہیں لیکن یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ ہم امام ابوحنیفہ کی نسبت یہ عام دعویٰ کرتے ہیں کہ اُن کے مسائل صحیح اور یقینی ہیں۔ امام ابوحنیفہ مجتہد تھے پیغمبر نہ تھے اسی لئے اُنکے مسائل میں غلطی کا ہونا ممکن ہے نہ صرف امکان بلکہ ہم وقوع کا دعویٰ کرسکتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ خود اُنکے خاص شاگردوں نے بہت سے مسائل میں اُنسے مخالفت کی۔ مدت رضاعت۔ قضاء قاضی کا ظاہراً و باطناً نافذ ہونا قتل بالمثقل۔ نکاح محرمات میں حد کا نہ لازم آنا ان تمام مسائل میں ہمارے نزدیک امام ابوحنیفہ کے مذہب کی کوئی صحیح تاویل نہیں ہوسکتی ایسے اور بھی مسائل ہیں لیکن ہمارا مقصد اس موقع پر صرف یہ ہے کہ ایک مجتہد کا جس حد تک صاحب الرائے ہونا ممکن ہے امام صاحب اس حد تک صاحب الرائے تھے

خاتمہ

امام صاحب کے تلامذہ

ایشیائی ملکوں میں اگرچہ شاگردی اور اُستادی کا تعلق عموماً نہایت قوی تعلق ہوتا ہے لیکن بعض شاگردوں کو مختلف وجوہ سے کچھ ایسی خصوصیت ہوجاتی ہے کہ جہاں اُستاد کا نام آتا ہے ممکن نہیں کہ انکا نام نہ آئے جیسا کہ ہم اس کتاب کے پہلے حصے میں لکھ آئے ہیں امام ابوحنیفہ کی درس تدریس کا دائرہ اس قدر وسیع تھا کہ خلیفہ وقت کی حدود حکومت اس سے زیادہ وسیع نہ تھیں حافظ ابوالمحاسن شافعی نے نوسو اٹھارہ شخصوں کے نام بقید نام و نسب لکھے ہیں جو امام صاحب کے حلقہ درس سے مستفید ہوئے تھے۔ اس گروہ میں سے چند بزرگ ایسے ہیں جنکی ہوگرفی کے بغیر امام صاحب کی علمی تاریخ ناتمام رہتی ہے چالیس شخص جو امام صاحب کے ساتھ فقہ کی ترتیب و تدوین میں شریک تھے اُنکے شاگرد اور ارادت مند خاص تھے۔ امام صاحب کی زندگی کا بڑا کارنامہ فقہ ہے۔ اس لئے یہ کیونکر ممکن ہے کہ امام صاحب کی تاریخ میں اُن لوگوں کا ذکر چھوڑ دیا جائے جو ایسے بڑے کام میں اُنکے شریک اور مددگار تھے۔ اُن لوگوں کے حالات صرف امام ابوحنیفہ کی تاریخ سے وابستہ نہیں ہیں۔ بلکہ اُس سے عام طور پر حنفی فقہ کے متعلق ایک اجمالی خیال قائم ہوتا ہے یعنے اُن لوگوں کی عظمت شان سے فقہ حنفی کی خوبی اور عمدگی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ ساتھ ہی امام صاحب کا بلند رتبہ ہونا ثابت ہوتا ہے کہ جس شخص کے شاگرد اس رتبہ کے ہونگے وہ خود کس پایہ کا ہوگا خطیب بغدادی نے وکیع بن الجراح کے حال میں جو ایک مشہور محدث تھے لکھا ہے کہ ایک موقع پر وکیع کے پاس چند اہل علم جمع تھے کسی نے کہا کہ اس مسئلہ میں ابوحنیفہ نے غلطی کی۔ وکیع بولے ابوحنیفہ کیونکر غلطی کرسکتے ہیں۔ ابویوسف و زفر قیاس میں یحییٰ بن ابی زائدہ حفص بن غیاث حبان مندل۔ حدیث میں قاسم بن معن لغت و عربیت میں۔ داؤد الطائی و فضیل بن عیاض زہد و تقویٰ میں اس رتبہ کے لوگ جس شخص کے ساتھ ہوں وہ غلطی کرسکتا ہے اور کرتا بھی تو یہ لوگ اُس کو کب غلطی پر رہنے دیتے

شاگرد کا رتبہ و اعزاز اُستاد کیلئے باعث فخر خیال کیا جاتا ہے۔ اگر یہ فخر صحیح ہے تو اسلام کی تمام تاریخ میں کوئی شخص امام ابوحنیفہ سے بڑھکر اس فخر کا مستحق نہیں ہے۔ امام صاحب اگر یہ دعویٰ کرتے تو بالکل بجا تھا کہ جو لوگ امام صاحب کے شاگرد تھے وہ بڑے بڑے ائمہ مجتہدین کے شیخ اور اُستاد تھے۔ امام شافعی ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ میں نے امام محمد سے ایک بار شتر علم حاصل کیا ہے یہ وہی امام محمد ہیں جو امام ابوحنیفہ کے مشہور شاگرد ہیں اور جنکی تمام عمر امام صاحب کی حمایت میں صرف ہوئی۔ انصاف یہ ہے کہ امام صاحب کے بعض شاگرد خصوصاً قاضی ابویوسف و امام محمد اس رتبہ کے حالت تھے کہ اگر امام ابوحنیفہ کی تبعیت سے الگ ہو کر مستقل اجتہاد کا دعویٰ کرتے تو اُنکا جدا طریقہ قائم ہو جاتا اور امام مالک و شافعی کیطرح اُن کے بھی ہزاروں لاکھوں مقلدین بن جاتے۔

امام صاحب کے زمانہ میں جو مذہبی علوم نہایت اوج و ترقی پر تھے وہ فقہ حدیث اسماء الرجال تھے یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ جو لوگ ان علوم کے ارکان تھے اکثر امام صاحب ہی کے شاگرد تھے اور شاگرد بھی برائے نام شاگرد نہ تھے بلکہ مدتوں امام صاحب کی صحبت میں رہے اور اُن کی فیض صحبت کا ہمیشہ اعتراف کرتے رہے فقہ کے متعلق تو غالباً کسی کو انکار نہیں ہو سکتا لیکن حدیث کی نسبت اس دعویٰ پر لوگوں کو تعجب ہوگا اور تعجب بجا ہے کیونکہ امام صاحب کی شاگردی کے تعلق سے جو لوگ مشہور ہوئے وہ اکثر فقیہی تھے۔ محدثین میں سے جو امام کے شاگرد ہیں اگرچہ بجائے خود شہرت عام رکھتے ہیں لیکن اُن کی شاگردی کا تعلق چنداں مشہور نہیں ہے اس موقع پر جن لوگوں کے نام لکھونگا اس تعلق کا ذکر بھی خصوصیت کیساتھ کرونگا اور رجال کی نہایت معتبر کتاب کا حوالہ دونگا۔ امام صاحب کے بیشمار شاگردوں میں سے ہم اُن چالیس شخصوں کا مختصر تذکرہ لکھنا چاہتے تھے جو امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ میں شریک تھے لیکن افسوس ہے کہ ہم ایسے صرف چند شخصوں کا نام معلوم کر سکتے ہیں یعنی قاضی ابویوسف۔ زفر۔ اسد بن عمر۔ عافیۃ الازدی۔ داؤد الطائی۔ قاسم بن معن۔ علی بن مسہر۔ یحییٰ بن زکریا۔ حبان۔ مندل۔ چنانچہ ان لوگوں کے مختصر حالات ہم ذیل میں لکھتے ہیں اور علاوہ بعض ان شاگردوں کا ذکر بھی ضرور ہے جو حدیث و رجال کے فن میں امام وقت تھے چنانچہ پہلے ہم اُن ہی سے شروع کرتے ہیں۔

یحییٰ بن سعید القطان

فن رجال کا سلسلہ ان ہی سے شروع ہوا۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ فن رجال میں اول جس شخص نے لکھا وہ یحییٰ بن سعید القطان ہیں پھر اُنکے بعد اُنکے شاگردوں میں یحییٰ بن معین۔ علی بن المدینی۔ امام احمد بن حنبل۔ عمرو بن علی الفلاس۔ ابوخیثمہ نے اس فن میں گفتگو کی اور انکے بعد اُنکے شاگردوں یعنی امام بخاری و مسلم وغیرہ نے۔ حدیث میں انکا یہ پایہ تھا کہ جب حلقہ درس میں بیٹھتے تو امام احمد حنبل علی بن المدینی وغیرہ مودب کھڑے ہو کر اُن سے حدیث کی تحقیق کرتے اور نماز عصر جو اُن کے درس کا وقت تھا مغرب تک برابر کھڑے رہتے[1]۔ راویوں کی تحقیق و تنقید میں ایسا کمال پیدا کیا تھا کہ ائمہ حدیث عموماً کہا کرتے تھے کہ یحییٰ جسکو چھوڑ دینگے ہم بھی اُسکو چھوڑ دینگے امام احمد حنبل کا مشہور قول ہے کہ

[1] فتح المغیث در الدرر المضیئۃ ۱۲ [2] تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر ترجمہ یحییٰ القطان ۱۲۔

امام یحییٰ بن سعید القطان[۵۸] ... ... انہوں نے یحییٰ کا مثل نہیں دیکھا اس فضل و کمال کے ساتھ امام ابو حنیفہ کے حلقہ درس میں اکثر شریک ہوتے اور ان کی شاگردی پر فخر کرتے اس وقت تک تقلید معین کا رواج نہیں ہوا تھا ... اکثر مسائل میں امام صاحب ہی کی تقلید کرتے تھے خود انکا قول ہے قد اخذنا باکثر اقواله[۵۹] یعنی ہم نے امام ابو حنیفہ کے اکثر اقوال اخذ کئے ہیں علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں جہاں وکیع بن جراح کا ذکر کیا ہے لکھا ہے[۶۰] یفتی بقول ابی حنیفۃ وکان یحیی القطان یفتی بقوله ایضا یعنی وکیع امام ابو حنیفہ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے اور یحییٰ قطان بھی انہیں کے قول پر فتویٰ دیتے تھے سنہ ... میں پیدا ہوئے اور سنہ ۱۹۸ھ میں مقام بصرہ وفات پائی

عبداللہ بن مبارک

محدث نووی نے تہذیب الاسماء واللغات میں ان کا ... ... کیا ہے وہ امام ہیں کی امامت و جلالت پر ہر باب میں عموماً اجماع کیا گیا ہے ... ... جن کی محبت سے مغفرت کی امید کی جا سکتی ہے محدثین ... ... ان کو امیر المومنین فی الحدیث کے لقب سے پکارتے تھے ایک موقع پر ان کے شاگردوں میں سے ایک شخص نے ... عالم المشرق امام سفیان ثوری جو مشہور محدث ہیں اس ... ... عالم مشرق تھے وہ عالم الشرق والغرب ہیں" امام احمد حنبل کا قول ہے کہ عبداللہ بن المبارک کے زمانہ میں ... حدیث کی تحصیل میں کوشش نہیں کی خود عبداللہ بن المبارک کا بیان ہے کہ میں نے چار ہزار شیوخ سے حدیث سیکھی جن میں سے ہزار سے روایت کی صحیح بخاری و مسلم میں ان کی روایت سے سیکڑوں حدیثیں مروی ہیں اور ... ... فن روایت کے بڑے ارکان سمجھے جاتے ہیں حدیث و فقہ میں ان کی بہت سی تصنیفات ... ... ان کا پتہ نہیں انکے فضل و کمال زہد و تقویٰ نے اسقدر لوگوں کو مسخر کر لیا تھا کہ بڑے بڑے امراء و سلاطین کو وہ رتبہ حاصل نہ تھا۔ ایک دفعہ خلیفہ ہارون رشید رقہ گیا۔ اسی زمانہ میں عبداللہ بن المبارک بھی رقہ پہنچے ان کی آنے کی خبر مشہور ہوئی تو ہر طرف سے لوگ دوڑے اور اسقدر کشمکش ہوئی کہ لوگوں کی جوتیاں ٹوٹ گئیں ہزاروں آدمی ساتھ ہو گئے اور ہر طرف گرد چھا گئی ہارون الرشید کی ایک حرم نے جو برج کے غرفہ سے یہ تماشا دیکھ رہی تھی حیرت زدہ ہوکر پوچھا کہ یہ کیا حال ہے۔ لوگوں نے کہا خراسان کا عالم آیا ہے جس کا نام عبداللہ بن المبارک ہے بولی کہ حقیقت میں سلطنت اس کا نام ہے ہارون الرشید کی حکومت بھی کوئی حکومت ہے کہ پولیس اور سپاہیوں کے بغیر ایک آدمی بھی حاضر نہیں ہو سکتا یہ امام ابو حنیفہ کے مشہور شاگردوں میں ہیں اور امام صاحب کے ساتھ انکو خاص خصوصیت تھی ان کو اعتراف تھا کہ جو کچھ مجھکو حاصل ہوا امام ابو حنیفہ اور سفیان ثوری کے فیض سے حاصل ہوا۔ ان کا مشہور قول ہے کہ لولا ان اللہ تعالی

---

۵۸ میزان الاعتدال علامہ ذہبی بیان ... ۵۹ تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر ترجمہ ابو حنیفہ ۱۲ ۶۰ تہذیب الاسماء واللغات علامہ نووی ۱۲ خلاصہ تہذیب الکمال ترجمہ عبداللہ بن مبارک ۱۲ ... تاریخ ابن خلکان ترجمہ عبداللہ بن المبارک ۱۲

اغاثنی بابی حنیفۃ وسفیان کنت کسائر الناس[1] یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے ابوحنیفہ وسفیان کے ذریعے میری دستگیری نہ کی ہوتی تو میں ایک عام آدمی سے بڑھ کر نہ ہوتا۔ امام ابوحنیفہ کی شان میں ان کے اشعار اکثر منقول ہیں خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں اشعار نقل کئے ہیں جن میں سے ایک شعر یہ ہے۔

رأیت اباحنیفۃ حین تولی ۔۔۔ ویطلب علمہ بحرا غزیرا

مرو کے رہنے والے تھے ۱۱۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۱ھ میں مقام ہیت وفات پائی۔

یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ محدث

مشہور محدث تھے علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں صرف ان لوگوں کا تذکرہ لکھا ہے جو حافظ الحدیث کہلاتے تھے چنانچہ یحییٰ کو بھی انہیں لوگوں میں داخل کیا ہے۔ اور ان کے طبقہ میں سب سے پہلے انہیں کا نام لکھا ہے علی بن المدینی جو امام بخاری کے مشہور استاذ ہیں کہا کرتے تھے کہ یحییٰ کے زمانہ میں یحییٰ پر علم کا خاتمہ ہو گیا صحاح ستہ میں انکی روایت سے بہت سی حدیثیں ہیں یہ محدث اور فقیہ دونوں تھے اور ان دونوں فنون میں بہت بڑا کمال رکھتے تھے چنانچہ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں ان کا ترجمہ ان لفظوں سے شروع کیا ہے احد الفقہاء والحفاظ الکبار والمحدثین الاثبات

یہ امام ابوحنیفہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور مدت تک ان کے ساتھ رہے تھے یہاں تک کہ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کو صاحب ابی حنیفہ کا لقب دیا ہے یہ تدوین فقہ میں امام صاحب کے شریک اعظم تھے امام طحاوی نے لکھا ہے کہ وہ تیس برس تک شریک رہے[2] اگرچہ یہ مدت صحیح نہیں ہے لیکن کچھ شبہ نہیں ہے کہ وہ بہت دن تک امام صاحب کے ساتھ تدوین فقہ کا کام کرتے رہے اور خاصکر تصنیف و تحریر کی خدمت انہیں سے متعلق تھی میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ بعض لوگوں کا قول ہے کہ کوفہ میں اول جس شخص نے تصنیف کی وہ یحییٰ ہیں معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ تحریر کا کام یحییٰ سے متعلق تھا اس لئے بعض لوگوں نے انہیں کو مستقل مصنف سمجھ لیا۔

مدائن میں منصب قضا پر ممتاز تھے اور وہیں ۱۸۲ھ میں ۶۳ برس کی عمر میں وفات پائی۔

وکیع بن الجراح

فن حدیث کے ارکان میں شمار کئے جاتے ہیں۔ امام احمد حنبل کو ان کی شاگردی کا فخر تھا چنانچہ جب وہ ان کی روایت سے کوئی حدیث بیان کرتے تھے تو ان لفظوں سے شروع کرتے تھے۔ یہ حدیث مجھ سے اس شخص نے روایت کی کہ تیری آنکھوں نے اسکے مثل نہ دیکھا ہو گا یحییٰ بن معین جو فن رجال کے ایک رکن خیال کئے جاتے ہیں انکا قول تھا کہ میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جسکو وکیع پر ترجیح دوں اکثر ائمہ حدیث نے ان کی شان میں اس قسم کے الفاظ لکھے ہیں بخاری و مسلم میں ان کی روایت سے حدیثیں مذکور ہیں۔ فن حدیث و رجال کے متعلق ان کی رائیں اور تنقیدیں نہایت مستند خیال کی جاتی ہیں

[1] تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر ترجمہ امام ابوحنیفہ ۱۲ [2] میزان الاعتدال علامہ ذہبی ترجمہ یحییٰ ۱۲ [3] الجواہر المضیئۃ ترجمہ یحییٰ ۱۲ [4] تہذیب الاسماء واللغات علامہ نووی ترجمہ وکیع بن جراح [5] تہذیب الاسماء واللغات ۱۲

یہ امام ابوحنیفہ کے شاگرد خاص تھے اور اُن سے بہت سی حدیثیں سُنی تھیں اکثر مسائل میں امام صاحب کی تقلید کرتے تھے اور اُنہیں کے قول کے موافق فتوی دیتے تھے خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کان یفتی بقول ابی حنیفۃ وکان قد سمع منہ شیئاً کثیرا[1] علامہ ذہبی نے بھی تذکرۃ الحفاظ میں اسکی تصدیق کی ہے ۱۹۵ھ میں وفات پائی

یزید بن ہارون

فن حدیث کے مشہور امام ہیں۔ بڑے بڑے ائمہ حدیث اُن کے شاگرد تھے امام حنبل علی بن المدینی یحیٰی بن معین ابن ابی شیبہ وغیرہ نے اُن کے سامنے زانوئے شاگردی طے کیا ہے۔ علامہ نووی نے انکے تلامذہ کی نسبت لکھا ہے کہ انکا شمار نہیں ہو سکتا یحیٰی بن ابی طالب کا بیان کیا ہے کہ ایکبار میں اُن کے حلقہ درس میں شریک تھا۔ لوگ تخمینہ کرتے تھے کہ حاضرین کی تعداد کم و بیش ستر ہزار تھی۔ کثرت حدیث میں لوگ انکی مثال دیتے تھے خود انکا بیان ہے کہ مجکو بیس ہزار حدیثیں یاد ہیں علی بن المدینی (امام بخاری کے استاد) کہا کرتے تھے کہ میں نے ان سے زیادہ کسی کو حافظ حدیث نہیں دیکھا۔

فن حدیث میں ان کو امام ابوحنیفہ سے تلمذ تھا علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں جہاں اُن لوگوں کے نام لکھے ہیں جنہوں نے امام صاحب سے حدیثیں روایت کیں انکا نام بھی لکھا ہے۔ یہ ایک مدت تک امام صاحب کی صحبت میں رہے اور اسوجہ سے ان کو امام صاحب کے اخلاق و عادات پر رائے قائم کرنیکا کافی موقع ملا تھا انکا قول ہے کہ میں نے بہت سے لوگوں کی صحبت اٹھائی لیکن ابوحنیفہ سے کسی کو بڑھکر نہیں پایا[5] ۱۱۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۰۶ھ میں وفات پائی

حفص بن غیاث

بہت بڑے محدث تھے خطیب بغدادی نے انکو کثیر الحدیث لکھا ہے اور علامہ ذہبی نے اُن کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے امام احمد حنبل علی بن المدینی وغیرہ نے اُنسے حدیثیں روایت کیں۔ یہ اس خصوصیت میں ممتاز تھے کہ جو کچھ روایت کرتے تھے زبانی کرتے تھے کاغذ یا کتاب پاس نہیں رکھتے تھے چنانچہ اسطرح جو حدیثیں روایت کیں اس کی تعداد تین یا چار ہزار ہے[3] یہ امام صاحب کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں امام صاحب کے شاگردوں میں چند بزرگ نہایت مقرب اور با اخلاص تھے جنکی نسبت وہ فرمایا کرتے تھے کہ تم میرے دل کی تسکین اور میرے غم کے مٹانیوالے ہو حفص کی نسبت بھی امام صاحب نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے ہیں مختصر تاریخ بغداد میں انکی نسبت لکھا ہے کہ امام حنیفہ کے مشہور شاگردوں میں سے تھے۔ مدت تک دنیاوی تعلقات سے آزاد رہے لیکن اخیر میں ضرورتوں نے بہت تنگ کیا اتفاق یہ کہ انہی دنوں یعنی ۱۷۷ھ میں ہارون الرشید نے شہر سکران کو طلب کیا اور قضا کی خدمت سپرد کی چونکہ قرض سے زیر بار تھے مجبوراً قبول کرنا پڑا۔ قاضی ابو یوسف قاضی القضاۃ تھے اور قضاۃ کا تمام سررشتہ اُنکے اہتمام میں تعلق تھا چونکہ ہارون الرشید نے قاضی صاحب کے بغیر اطلاع حفص کو مقرر کر دیا اسلئے اُن کو فی الجملہ خیال ہوا اور حسن

[1] حافظ عبد القادر کے قول میں شیئاً کی بجائے "حدثنا" کا لفظ ہے جو سماعت اور صحیح اس کی تلمذ پر دلالت کرتا ہے دیکھو عقود الجمان خاتمہ فصل اول [2] میزان الاعتدال ترجمہ حفص [3] تہذیب الاسماء واللغات نووی ترجمہ یزید بن ہارون [4] تہذیب الاسماء واللغات [5] تہذیب الکمال حافظ مزی ترجمہ امام ابوحنیفہ [6] میزان الاعتدال ترجمہ حفص

بن زیاد سے کہا کہ حفص کے فیصلے ہمارے مرافعہ میں آئیں تو ان کو نکتہ چینی کی نگاہ سے دیکھنا چاہیئے لیکن جب ان کے فیصلے دیکھے تو اعتراف کیا کہ حفص کے ساتھ تائید آلہی ہے[۱]۔

۱۱۷ھ میں پیدا ہوئے۔ تیرہ برس کوفہ میں اور دو برس بغداد میں قاضی رہے ۱۹۶ھ میں وفات پائی

ابو عاصم النبیل

انکا نام ضحاک بن مخلد ہے مشہور محدث ہیں صحیح بخاری و مسلم وغیرہ میں ان کی روایت سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں۔ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ انکی توثیق پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے نہایت پارسا اور متورع تھے۔ امام بخاری نے روایت کی ہے کہ ابو عاصم نے خود کہا کہ جب سے مجھکو معلوم ہوا کہ غیبت حرام ہے میں نے آجتک کسی کی غیبت نہیں کی۔

انکا لقب نبیل تھا جسکے معنے معززکے ہیں اس امر میں اختلاف ہے کہ یہ لقب کیوں ہوا؟ ایک روایت ہے کہ ایک دفعہ شعبہ نے کسی وجہ سے قسم کھالی کہ میں حدیث نہیں روایت کرونگا چونکہ وہ بہت بڑے محدث تھے اور انکے درس سے ہزاروں طلبا مستفید ہوتے تھے لوگوں کو بہت تشویش ہوئی ابو عاصم نے یہ حال سُنا تو اسیوقت شعبہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ میں اپنے غلام کو آپ کی قسم کے کفارہ میں آزاد کرتا ہوں آپ قسم توڑ ڈالیئے اور حدیث کا درس دیجیئے۔ شعبہ کو اُن کے شوق اور ہمت پر تعجب ہوا اور فرمایا کہ انت نبیل اسوقت سے یہ لقب مشہور ہو گیا[۲]۔ یہ بھی امام صاحب کے مخصوص شاگردوں میں تھے[۳] خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ کسی نے اُنسے پوچھا کہ سفیان ثوری زیادہ فقیہ ہیں یا ابوحنیفہ بولے کہ "موازنہ تو اُن چیزوں میں ہوتا ہے جو ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہوں۔ ابوحنیفہ نے فقہ کی بنیاد ڈالی اور سفیان صرف فقیہ ہیں۔"

۲۱۲ھ میں نوے برس کی عمر میں وفات پائی۔

عبد الرزاق بن ہمام

علامہ ذہبی نے انکا ترجمہ اُن لفظوں سے شروع کیا ہے احد الا علام الثقات بہت بڑے نامور محدث تھے صحیح بخاری و مسلم وغیرہ اُن کی روایتوں سے مالا مال ہیں۔ امام احمد حنبل سے کسی نے پوچھا کہ حدیث کی روایت میں آپنے عبد الرزاق سے بڑھکر کسی کو دیکھا ہے یا کہ نہیں؟ بڑے بڑے ائمہ حدیث مثلاً سفیان بن عینیہ یحیٰی بن معین۔ علی بن المدینی امام احمد حنبل فن حدیث میں اُن کے شاگرد تھے طالبان حدیث بہت دور دور سے قطع منازل کرکے انکی خدمت میں سیکھنے جاتے تھے یہانتک کے بعضوں کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی شخص کے پاس اس قدر دور دراز سے مسافتیں طے کرکے لوگ نہیں گئے۔

۱؎ الجواہر المضیۃ ترجمہ حفص بن غیاث ۱۲ ۲؎ الجواہر المضیۃ ترجمہ ابو عاصم ۱۲ ۳؎ الجواہر المضیۃ ۱۲ ۴؎ انساب سمعانی و تاریخ یافعی ترجمہ عبد الرزاق بن ہمام ۱۲

حدیث میں ان کی ایک ضخیم تصنیف موجود ہے جو جامع عبدالرزاق کے نام سے مشہور ہے امام بخاری نے اعتراف کیا ہے کہ میں اس کتاب سے مستفید ہوا ہوں علامہ ذہبی نے اس کتاب کی نسبت میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ علم کا خزانہ ہے
ان کو ابو حنیفہ سے فن حدیث میں تلمذ تھا عقود الجمان کے مختلف مقامات سے ثابت ہوتا ہے کہ امام صاحب کی صحبت میں زیادہ رہے چنانچہ ان کے اخلاق و عادات کے متعلق انہی کے اکثر اقوال کتابوں میں مذکور ہیں ان کا قول تھا کہ میں نے امام ابو حنیفہ سے بڑھکر کسی کو حلیم نہیں دیکھا۔
۱۲۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۱۱ھ میں انتقال کیا۔

داؤد الطائی[1]

خدا نے جس قبول دیا تھا صوفیہ ان کو بہت بڑا مرشد کامل مانتے ہیں تذکرۃ الاولیا میں ان کے مقامات سالکیہ مذکور ہیں فقہا بلا نزاع اور حقیقت یہ ہے کہ وہ ان تمام القاب کے مستحق تھے۔ محارب بن دثار جو مشہور محدث تھے کہا کرتے تھے کہ داؤد اگر اگلے زمانہ میں ہوتے تو خدا قرآن مجید میں انکا قصہ بیان کرتا
ابتدا میں فقہ و حدیث کی تحصیل کی پھر علم کلام میں کمال پیدا کیا اور بحث و مناظرہ میں مشغول ہوئے ایک دن کسی موقع پر ایک شخص سے گفتگو کرتے کرتے اس پر کنکری پھینک ماری اُسنے کہا داؤد تمہاری زبان اور ہاتھ دونوں دراز ہو چلے!! ان پر عجیب اثر ہوا۔ بحث و مناظرہ بالکل چھوڑ دیا۔ تاہم تحصیل کا مشغلہ جاری تھا برس دن کے بعد کل کتابیں دریا میں ڈبو دیں اور کل چیزوں سے قطع تعلق کر لیا امام محمد کا بیان ہے کہ میں داؤد سے اکثر مسئلے پوچھا کرتا تھا۔ اگر کوئی ضروری اور عملی مسئلہ ہوتا تو بتا دیتے ورنہ کہتے کہ بھائی مجھے اور ضروری کام ہیں۔ یہ امام ابو حنیفہ کے مشہور شاگرد ہیں خطیب بغدادی ابن خلکان علامہ ذہبی اور دیگر مورخین نے جہاں ان کے حالات لکھے ہیں امام صاحب کی شاگردی کا ذکر خصوصیت کیساتھ کیا ہے۔ تدوین فقہ میں امام صاحب کے شریک تھے اور اس مجلس کے معزز ممبر تھے ۱۶۰ھ میں وفات پائی ان بزرگوں کے سوا اور بھی مشہور محدثین مثلاً فضل بن دکین حمزہ بن حبیب الزیات۔ ابراہیم بن طہمان سعید بن اوس۔ عمر بن میمون فضل بن موسیٰ وغیرہ امام صاحب کے تلامذہ میں داخل ہیں لیکن ہمنے صرف اُن لوگوں کا ذکر کیا ہے جو تلامذہ خاص کہے جا سکتے ہیں اور جو مدتوں امام صاحب کی صحبت سے مستفید ہوئے ہیں۔

فقہا جو تدوین فقہ میں شریک تھے

قاضی ابو یوسف

اُن کی منزلت اور عظمت شان اس قابل تھی کہ انکا مستقل تذکرہ لکھا جاتا اور جب ہی انکے علمی کمالات

[1] تاریخ ابن خلکان ۱۲۔

کا اندازہ بھی ہو سکتا لیکن یہ فرصت کے کام ہیں خدا کسی کو توفیق دے تو یہ کام پورا ہو سکتا ہے۔ اس کتاب کے موضوع کے لحاظ سے میرا اسی قدر فرض ہے کہ اُن کی مختصر تاریخ لکھدوں جس سے اُن کی لائف اور علمی کمالات پر ایک اجمالی رائے قائم ہو سکے۔ انکا نسب [illegible] ملتا ہے ان کے مورث اعلیٰ سعد بن حبتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے تھے اُن کے باپ ایک غریب آدمی تھے اور مزدوری محنت کر کے زندگی بسر کرتے تھے سنہ ۱۱۳ھ یا ۱۱۷ھ میں بمقام کوفہ پیدا ہوئے انکو اگرچہ لکھنے پڑھنے سے ذوق تھا لیکن باپ کی مرضی نہ تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ کوئی پیشہ سیکھیں اور گھر میں چار پیسے کما کر لائیں تاہم جب قاضی صاحب موقع اور فرصت پاتے علما کی صحبت میں جا بیٹھتے۔ ایک دن امام ابو حنیفہ کے حلقۂ درس میں حاضر تھے کہ انکے باپ پہنچے اور وہاں سے زبردستی اُٹھا لائے۔ گھر پر آکر سمجھایا کہ بیٹا ابو حنیفہ کو خدا نے رزق کی طرف سے اطمینان دیا ہے تم انکی ریس کیوں کرتے ہو؟ قاضی صاحب نے مجبوراً لکھنا پڑھنا چھوڑ دیا اور باپ کے ساتھ رہنے لگے۔ امام ابو حنیفہ نے دو چار دن کے بعد لوگوں سے پوچھا کہ یعقوب اب نہیں آتے۔ اُن کو امام صاحب کی جستجو کا حال معلوم ہوا تو حاضر ہوئے اور ساری کیفیت بیان کی۔ امام صاحب نے چپکے سے ایک تھیلی حوالہ کی گھر پر آکر دیکھا تو اُس میں سو درہم تھے امام صاحب نے اُنسے یہ بھی کہدیا کہ جب خرچ ہو چکے تو مجھ سے کہنا۔ اسی طرح برابر اُن کو مدد دیتے رہے۔ یہانتک کہ قاضی صاحب نے تمام علوم میں کمال حاصل کیا اور اُستاد وقت بن گئے۔

اسا

قاضی صاحب نے امام ابو حنیفہ کے علاوہ اور بہت سے ائمہ وقت کی خدمت میں علم کی تحصیل کی۔ اعمش، ہشام بن عروہ، سلیمان تیمی، ابو اسحق شیبانی، یحییٰ بن سعید الانصاری وغیرہ سے حدیثیں روایت کیں محمد بن اسحق سے مغازی و سیر پڑھی۔ محمد بن ابی لیلیٰ سے فقہ کے مسائل سیکھے خدا نے ذہن و حافظہ ایسا قوی دیا تھا کہ ایک ہی زمانہ میں ان تمام علوم کی تحصیل کرتے تھے حافظ ابن عبد البر نے جو ایک مشہور محدث ہیں لکھا ہے کہ ابو یوسف محدثین کے پاس حاضر ہوتے ایک جلسہ میں پچاس ساٹھ حدیثیں سنکر یاد کر لیتے۔

عہدۂ قضا

امام ابو حنیفہ جب تک زندہ رہے قاضی صاحب اُنکے حلقۂ درس میں ہمیشہ حاضر ہوتے رہے اُن کی وفات کے بعد دربار سے تعلق پیدا کرنا چاہا چنانچہ خلیفہ مہدی عباسی نے ۱۶۶ھ میں اُن کو قاضی کی خدمت دی۔ مہدی کے بعد اُسکے جانشین ہادی نے بھی اُن کو اُسی عہدہ پر بحال رکھا لیکن ہارون الرشید نے ان کی لیاقتوں سے واقف ہو کر تمام ممالک اسلامیہ کا قاضی القضاۃ مقرر کیا اور یہ وہ عہدہ تھا جو اُس وقت تک اسلام کی تاریخ میں کسی کو نصیب نہیں ہوا تھا بلکہ زمانہ مابعد میں بھی بجز قاضی احمد بن داؤد کے اور کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ قاضی صاحب نے سررشتہ قضا میں جو ترقیاں کیں اُن کی تفصیل خود اُن کی لائف میں لکھی جائے تو لکھی جا سکتی ہے۔

وفا

جمعرات کے دن ظہر کے وقت ربیع الاول کی پانچویں تاریخ ۱۸۲ھ میں وفات پائی محمد بن سماعہ کا بیان ہے کہ مرتے وقت یہ الفاظ اُن کی زبان پر تھے "الٰہی تو جانتا ہے کہ میں نے کوئی فیصلہ عمداً خلاف واقع نہیں کیا میری

ہمیشہ کوشش رہی کہ جو فیصلہ تیری کتاب اور تیرے پیغمبر کے طریقہ کے موافق ہو جب کوئی مشکل مسئلہ آتا تھا تو میں امام ابو حنیفہ کو واسطہ بناتا تھا اور جہانتک مجھکو معلوم ہے ابو حنیفہ تیرے احکام کو خوب سمجھتے تھے اور عمداً حق کے راستہ سے باہر نہیں جاتے تھے قاضی صاحب بہت بڑے دولتمند تھے لیکن دولت کا استعمال اچھی طرح کیا مرتے وقت وصیت کی کہ چار لاکھ روپیہ مکہ معظمہ۔ مدینہ منورہ۔ کوفہ۔ بغداد کے محتاجوں کو دئے جائیں۔

کثرت حدیث

قاضی صاحب متعدد علوم میں کمال رکھتے تھے مورخ ابن خلکان نے ہلال بن یحیی کا قول نقل کیا ہے کہ ابو یوسف تفسیر مغازی ایام العرب کے حافظ تھے اور فقہ انکا ادنے سا علم تھا حدیث میں انکا یہ پایہ تھا کہ حفاظ حدیث میں شمار کئے جاتے تھے چنانچہ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں انکا ترجمہ لکھا ہے یحیی بن معین کہا کرتے تھے کہ اہل الرائے میں ابو یوسف سے بڑھکر کوئی شخص کثیر الحدیث نہیں" امام احمد حنبل کا قول ہے کہ "کان منصفاً فی الحدیث" مزنی جو امام شافعی کے مشہور شاگرد ہیں کہا کرتے تھے ابو یوسف اتبع القوم للحدیث[1] خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں امام احمد حنبل کا قول نقل کیا ہے کہ اول جب مجھکو علم حدیث کا شوق پیدا ہوا تو ابو یوسف کی خدمت میں حاضر ہوا" یحیی بن معین امام احمد حنبل اور بہت سے ائمہ حدیث نے قاضی صاحب سے حدیثیں روایت کیں۔ اس سے زیادہ اُن کی عظمت وشان کی کیا دلیل ہوگی۔

فقہ میں جو اُنکا پایہ ہے اسکو کون بتا سکتا ہے امام ابو حنیفہ کو خود اُنکے کمال کا اعتراف تھا۔ ایکدفعہ وہ بیمار ہوئے امام صاحب عیادت کو گئے واپس آئے تو ساتھیوں سے کہا کہ خدا نخواستہ اگر یہ شخص ہلاک ہوا تو دنیا کا علم ہلاک ہوا" اور ائمہ بھی اُن کے حدت ذہن اور قوت فہم کے معترف تھے۔ امام اعمش اُس زمانہ کے ایک مشہور محدث تھے انہوں نے قاضی صاحب سے ایک مسئلہ پوچھا انہوں نے جواب بتلایا امام اعمش نے کہا اس پر کوئی سند بھی ہے قاضی صاحب نے فرمایا ہاں وہ حدیث جو فلاں موقع پر آپ نے مجھ سے بیان کی تھی۔ امام اعمش نے کہا کہ یعقوب! یہ حدیث مجھ کو اسوقت سے یاد ہے جب تمہارے والدین کا عقد بھی نہیں ہوا تھا لیکن اسکا صحیح مطلب آج ہی سمجھ میں آیا[2]

قاضی صاحب پہلے شخص ہیں جس نے فقہ حنفی میں تصنیفیں کیں مختلف علوم میں اُن کی تصنیفات ہیں ابن الندیم نے کتاب الفہرست میں اُنکی مفصل فہرست بھی نقل کی ہے لیکن ہماری نگاہ سے صرف کتاب الخراج گزری ہے اسلئے ہم اُسکے متعلق کچھہ لکھنا چاہتے ہیں۔ ہارون الرشید نے خراج و جزیہ وغیرہ کے متعلق قاضی صاحب کو یادداشتیں طلب کی تھیں۔ قاضی صاحب[3] نے اُس کے جواب میں چند تحریریں بھیجیں۔ یہ کتاب انہیں تحریروں کا مجموعہ ہے اگرچہ اسمیں بہت سے مضامین ہیں لیکن زیادہ تر خراج کے مسائل ہیں اور اسی لئے اُسکو زمانہ کا قانون مالگذاری

[1] یہ اقوال علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں نقل کئے ہیں ۱۲ [2] قاضی صاحب کی نسبت کتب رجال میں جرحیں بھی منقول ہیں مگر وہ عموماً ناقابل اعتبار ہیں کیونکہ جو وجہ جرح کی ہیں یعنی اُنکا شاہانہ اجتہادی مسائل کا اختلاف ہے ۱۲ ابن خلکان ۱۲ [3] قاضی ابو یوسف کی یہ کتاب مصر کے مطبع میں سنہ ۱۳۰۲ھ میں چھاپی گئی ۱۲

کہہ سکتے ہیں اس کتاب میں زمین کے اقسام بلحاظ حیثیت اور بلحاظ تنوع لگان کی مختلف شرحیں کاشت کاروں کی حیثیتوں کا اختلاف۔ پیداوار کی قسمیں اس قسم کے اور مراتب کو اس خوبی اور دقت نظر کے ساتھ منضبط کیا ہے اور اُن کے متعلق قواعد قرار دیئے ہیں کہ اس زمانہ کے لحاظ سے تعجب ہوتا ہے طرز تحریر میں ایک یہ بڑی خوبی ہے کہ نہایت آزادانہ ہے قواعد اور ہدایتوں کے ساتھ خلیفہ وقت کو متوجہ کیا ہے۔

آزادی کے ساتھ اپنے فرائض کا انجام دینا

قاضی صاحب کی تاریخ زندگی میں جو چیز سب سے زیادہ قابل قدر ہے وہ یہ ہے کہ ہارون الرشید جیسے جبار اور خود پرست بادشاہ کے دربار میں وہ اپنے فرائض اس جرأت اور آزادی سے ادا کرتے تھے جسکی مثال ایشیائی سلطنتوں میں بہت کم مل سکتی ہے کتاب الخراج میں ایک جگہ وہ ہارون الرشید کو لکھتے ہیں کہ اے امیر المؤمنین! اگر تو اپنی رعایا کے انصاف کے لیئے مہینہ میں ایک بار بھی دربار کرتا اور مظلوموں کی فریاد سنتا تو میں امید کرتا ہوں کہ تیرا شمار اُن لوگوں میں نہ ہوتا جو رعیت سے پردہ کرتے ہیں اور اگر تو دو ایک دربار بھی کرتا تو یہ خبر تمام اطراف میں پھیل جاتی اور ظالم اپنے ظلم سے باز آتے بلکہ اگر عمال و صوبہ داروں کو یہ خبر پہنچے کہ تو برس دن میں ایک دفعہ انصاف کے لیئے بیٹھتا ہے تو ظالموں کو کبھی ظلم پر جرأت نہ ہونے پائے۔

قاضی صاحب کے سوا کس کو جرأت تھی کہ ہارون الرشید کو یہ الفاظ لکھتا۔

مخالفین کی تہمت آمیز روایتیں

تعجب یہ ہے کہ ایسا اور پاکیزہ نفس بھی دشمنوں کے حملہ سے نہیں بچا قاضی صاحب کے مخالفین نے انکو خوشامدی اور زمانہ ساز کہا ہے اور اس مضمون کی چند اور روایتیں بھی گھڑ لی ہیں بعض مورخین جنکو رطب و یابس سے کچھ بحث نہیں ان بیہودہ روایتوں کو نقل بھی کر دیتے ہیں جو کوتاہ بینوں کیلئے ہوئے بس است کا کام دیتی ہے اس قسم کی بعض حکایتیں تاریخ الخلفا میں منقول ہیں۔

لیکن یہ ظاہر ہے کہ کتاب الخراج کے فقرے جو ہمنے نقل کئے ہیں جس قطعیت کیساتھ ثابت ہیں اُن کے مقابلہ میں ان روایتوں کا کس حد تک اعتبار ہو سکتا ہے۔

حاطب اللیل مورخین ایک طرف بعض محدثین سے بھی مخالفت کے جوش میں حقیقت حق کی پروا نہ کی۔ بیہقی نے امام شافعی کے حالات میں ایک ضخیم کتاب لکھی ہے اس میں لکھا ہے کہ امام شافعی جب ہارون الرشید کے دربار میں گرفتار ہو کر آئے تو قاضی ابو یوسف اور امام محمد نے ہارون الرشید کو امام شافعی کے قتل کی رائے دی اور کہا کہ اگر جلد تدارک نہیں کیا جائیگا تو یہ شخص سلطنت کو صدمہ پہنچائیگا۔

افسوس امام بیہقی کو باایں ہمہ محدثیت یہ بھی خیال نہ آیا کہ قاضی ابو یوسف اس زمانے سے بہت پہلے انتقال کر چکے تھے لیکن خدا کا شکر ہے کہ خود محدثین ہی نے اس روایت کی تکذیب کی حافظ ابن حجر نے جنسے بڑھکر اُن سے [illegible] نہیں ہوا امام شافعی کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے جو [illegible] مصر میں چھاپی گئی ہے وہ اس روایت

[illegible] امام [illegible] ابجانی [illegible] سنہ ۱۳۰ [illegible] مصر میں چھپ [illegible] ہے

کو نقل کر کے لکھتے ہیں۔ فہی مکذوبۃ وغالبہا فیہا موضوع وبعضہا الملفق من روایات لمفقۃ وافحش مافیہا من الکذب
قولہ فیہا ان ابا یوسف ومحمد بن الحسن حرضا الرشید علی قتل الشافعی۔ یعنی روایت جھوٹی ہے اور اسکا اکثر حصہ موضوع
ہے اور بعض حصے دوسری مختلط روایتوں سے ماخوذ ہیں اور جو صریح جھوٹ اسمیں ہے وہ یہ ہے کہ ابو یوسف
و محمد بن الحسن نے ہارون الرشید کو امام شافعی کے قتل کی ترغیب دی ہے۔

قاضی صاحب کی طرف بعض اولیات بھی منسوب ہیں مورخ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ قاضی ابو یوسف پہلے
شخص ہیں جسنے علمار کے لئے ایک خاص لباس تجویز کیا جو آجتک برتا جاتا ہے ورنہ انسے پہلے تمام لوگوں کا ایک لباس تھا۔

امام محمد بن الحسن الشیبانی

یہ فقہ حنفی کو دوسری بار رو ہیں ان کا اصلی وطن دمشق کو متصل ایک گاؤں تھا جس کو حرستا کہتے ہیں ان کے والد
وطن چھوڑ کر واسط چلے آئے اور وہیں سکونت اختیار کی امام محمد ۱۳۵ھ میں یہیں پیدا ہوئے سن رشد کا
آغاز تھا کہ کوفہ جانا ہوا یہاں علوم کی تحصیل شروع کی اور بڑے بڑے محدثین و فقہا کی صحبت اٹھائی مسعر بن
کدام۔ امام سفیان ثوری۔ مالک بن دینار۔ امام اوزاعی۔ وغیرہ سے حدیثیں روایت کیں۔ کم و بیش دو برس تک
امام ابو حنیفہ کی صحبت میں رہے۔ امام صاحب کی وفات کے بعد قاضی ابو یوسف سے بقیہ تحصیل کی پھر مدینہ منورہ گئے
اور تین برس تک امام مالک سے حدیث پڑھتے رہے۔ آغاز شباب ہی میں ان کی فضل و کمال کے چرچے پھیل گئے تھے
بیس برس کے سن میں مسند درس پر بیٹھے اور لوگوں نے ان سے استفادہ شروع کیا ہارون رشید نے ان کے فضل و کمال
سے واقف ہو کر قضا کی خدمت دی اور اکثر اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ ۱۸۹ھ میں رے گیا تو ان کو بھی ساتھ لے گیا
رے کے قریب رنبویہ ایک گاؤں ہے وہاں پہنچکر قضا کی۔ اتفاق یہ کہ کسائی جو مشہور نحوی گزرا ہے وہ بھی اس
سفر میں ساتھ تھا اور اس نے بھی یہیں انتقال کیا۔ ہارون الرشید کو نہایت صدمہ ہوا اور کہا آج فقہ اور نحو
دونوں کو ہم دفن کر آئے "۔ علامہ یزیدی نے جو ایک مشہور ادیب اور ہارون الرشید کے درباریوں میں تھے
جانگداز مرثیہ لکھا جسکا ایک شعر یہ ہے۔

فقلت اذا ما اشکل المخطئ لنا بایضاحہ یوما وانت فقید

ترجمہ یعنے ہم نے کہا کہ جب تو نہ رہا تو ہمارے لئے مشکلات کا حل کرنیوالا کہاں سے آئے گا۔ امام محمد نے اگرچہ
زندگی کا بڑا حصہ دربار کے تعلق سے بسر کیا لیکن آزادی اور حق گوئی کا سر رشتہ کبھی ہاتھ سے نہ چھوٹا ۱۷۶ھ
میں یحییٰ علوی نے جب علم بغاوت بلند کیا تو ہارون الرشید انکا سر و سامان دیکھکر حواس باختہ ہو گیا۔ اور دیکر صلح اختیار
کی معاہدہ صلح قلمبند ہوا اور یحییٰ کے اطمینان کے لئے بڑے بڑے علمار فضلار فقہاء اور محدثین نے اس پر دستخط کئے
یحییٰ صلح پر راضی ہو کر بغداد میں آئے تو چند روز کے بعد ہارون الرشید نے نقض عہد کرنا چاہا تمام علما نے ہارون الرشید

کے خوف سے فتویٰ دیدیا کہ صورت موجودہ میں نقض عہد جائز ہے لیکن امام محمد نے علانیہ مخالفت کی اور اخیر تک اپنے اصرار پر قائم رہے۔

امام محمد جس رتبہ کے شخص تھے اُسکا اندازہ ائمہ مجتہدین کے قول سے ہو سکتا ہے۔ امام شافعی کا قول ہے کہ امام محمد جب کوئی مسئلہ بیان کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ وحی اُتر رہی ہے۔ انہیں کا قول ہے کہ میں نے امام محمد سے ایک بار شتر کے برابر علم حاصل کیا۔

امام احمد حنبل سے کسی نے پوچھا کہ یہ دقیق مسائل کہاں سے حاصل ہوئے فرمایا محمد بن الحسن کی کتابوں سے[۱]

امام محمد کے حلقہ درس سے اگرچہ اور بہت سے علما تعلیم پاکر نکلے لیکن اُن سب میں امام شافعی کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا جا سکتا ہے۔ ہمارے زمانے کے کم نظروں کو اس سے تعجب ہوگا اگلے زمانہ میں بھی ابن تیمیہ نے امام شافعی کی شاگردی سے انکار کیا تھا لیکن حق کو کون دبا سکتا ہے؟ تاریخ و رجال کی آج سیکڑوں کتابیں موجود ہیں وہ کیا شہادت دے رہی ہیں؟ بے شبہ امام شافعی کو امام محمد کی فیض صحبت نے بڑے بڑے کمالات کے رستے دکھائے اور اُس کا خود اُنکو اعتراف تھا۔ حافظ ابن حجر امام شافعی کا قول نقل کرتے ہیں کان محمد ابن الحسن جلیل المنزلۃ عند الخلیفۃ فاختلفت الیہ وقلت ھو اولی من جھۃ الفقہ فلزمتہ کتبت عنہ[۲] یعنی محمد بن الحسن خلیفہ کے ہاں بہت معزز تھے اسلیئے میں ان کے پاس آتا جاتا تھا میں نے اپنے جی میں کہا کہ وہ فقہ کے لحاظ سے بھی عالی رتبہ ہیں اسلیئے میں نے ان کی صحبت لازم پکڑی اور اُن کا درس قلم بند کرتا رہا۔"

امام محمد خود بھی امام شافعی کی نہایت عزت کرتے تھے اور تمام شاگردوں کی نسبت اُن کے ساتھ خاص مراعات کیساتھ پیش آتے تھے۔ ایک دن ہارون الرشید کے دربار میں جا رہے تھے راہ میں امام شافعی ملے جو اُنکی ملاقات کو آ رہے تھے اُسیوقت گھوڑے سے اُتر پڑے اور نوکر سے کہا کہ خلیفہ کے پاس جا اور عذر بیان کر کہ میں اسوقت حاضر نہیں ہو سکتا امام شافعی نے کہا کہ میں اور کسی وقت حاضر ہونگا امام محمد نے کہا نہیں وہاں جانا کچھ ضرور نہیں[۳]"۔ امام محمد و امام شافعی میں اکثر مناظرات بھی رہتے تھے اسی بنا پر بعضوں کو اُن کی شاگردی سے انکار ہے لیکن اس زمانہ کی اُستادی و شاگردی میں یہ امور معیوب نہ تھے اور در اصل آج بھی معیوب نہیں۔

امام محمد کی شہرت زیادہ تر فقہ میں ہے اور اُنکی تصنیفات عموماً اسی فن کے متعلق پائی جاتی ہیں۔ لیکن وہ تفسیر حدیث ادب میں بھی اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے۔

امام شافعی کا قول ہے کہ میں نے قرآن مجید کا عالم امام محمد سے بڑھکر نہیں دیکھا[۴]"۔ ادب و عربیت میں اگرچہ اُن کی کوئی تصنیف موجود نہیں لیکن فقہ کے مسائل نحوی تدقیقات پر مبنی ہیں۔ اکثر جامع کبیر میں مذکور ہیں اور اسنے

[۱] یہ تمام اقوال محدث نووی نے تہذیب الاسماء واللغات میں نقل کئے ہیں ۱۲ [۲] دیکھو توالی التاسیس مطبوعہ مصر صفحہ ۱۲۱۹ [۳] توالی التاسیس صفحہ ۲۴۹ [۴] الجواہر المضیئہ ترجمہ امام محمد ۱۲

ثابت ہوتا ہے کہ اس فن میں اُن کا کیا پایہ تھا چنانچہ ابن خلکان وغیرہ نے خصوصیت کے ساتھ اسکا ذکر کیا ہے۔
حدیث میں اُن کی کتاب مؤطا مشہور ہے۔ اس کے علاوہ کتاب الحجج جو امام مالک کے رد میں لکھی ہے اُس میں اکثر حدیثیں روایت کی ہیں اور متعدد مسائل میں جوش کے ساتھ لکھا ہے کہ مدینہ والوں کو دعویٰ ہے کہ وہ حدیث کے پیرو ہیں حالانکہ ان مسائل میں صریح اُن کے خلاف حدیث موجود ہے"

امام محمد کی تصنیفات تعداد میں بہت زیادہ ہیں اور آج فقہ حنفی کا مدار انہی کتابوں پر ہے ہم ذیل میں اُن کتابوں کا فہرست لکھتے ہیں جن میں امام ابوحنیفہ کے مسائل روایتاً مذکور ہیں اور اس لئے وہ فقہ حنفی کی اصل اصول خیال کی جاتی ہیں

مبسوط اصل میں یہ کتاب قاضی ابو یوسف کی تصنیف ہے۔ انہیں مسائل کو امام محمد نے زیادہ توضیح اور وسعت سے لکھا۔ یہ امام محمد کی پہلی تصنیف ہے۔

جامع صغیر مبسوط کے بعد تصنیف ہوئی اس کتاب میں امام محمد نے قاضی ابو یوسف کی روایت سے امام ابوحنیفہ کے تمام اقوال لکھے ہیں کل ۵۳۲ مسئلے ہیں جنمیں ۱۷۰ مسئلہ کے متعلق اختلاف رائے بھی لکھا ہے اس کی کتاب تین قسم کے مسائل (۱) جنکا ذکر بجز اس کتاب کے اور کہیں نہیں پایا جاتا (۲) اور کتابوں میں بھی مذکور ہیں لیکن اُن کتابوں میں امام محمد نے تصریح نہیں کی تھی کہ یہ خاص ابوحنیفہ کے مسائل ہیں اس کتاب میں تصریح کر دی ہے۔
(۳) اور کتابوں میں مذکور تھے لیکن اس کتاب میں جن الفاظ سے لکھا ہے اُس سے بعض نئے فائدے مستنبط ہوتے ہیں اس کتاب کی تیس چالیس شرحیں لکھی گئیں جن کے نام اور مختصر حالات کشف الظنون وغیرہ میں ملتے ہیں۔

جامع کبیر جامع صغیر کے بعد لکھی گئی ضخیم کتاب ہے۔ اس میں امام ابوحنیفہ کے اقوال کے ساتھ قاضی ابو یوسف اور امام زفر کے اقوال بھی لکھے ہیں۔ ہر مسئلہ کے ساتھ دلیل بھی لکھی ہے متاخرین حنفیہ نے اصول فقہ کے جو مسائل قائم کئے ہیں زیادہ تر اسی کتاب کی طرز استدلال و طریق استنباط سے کئے ہیں بڑے بڑے نامور فقہا نے اس کی شرحیں لکھی ہیں جن میں سے ۴۲ شرحوں کا ذکر کشف الظنون میں ہے۔

زیادات جامع کبیر کی تصنیف کے بعد جو فروع یاد آئے وہ اس میں درج کئے ہیں اسی لئے زیادات نام رکھا

کتاب الحجج۔ امام محمد امام ابوحنیفہ کی وفات کے بعد مدینہ منورہ گئے اور تین برس وہاں رہکر امام مالک سے موطا پڑھی اہل مدینہ کا طرز فقہ جدا تھا۔ بہت سے مسائل میں وہ لوگ امام ابوحنیفہ سے اختلاف رکھتے تھے امام محمد نے مدینہ سے آکر یہ کتاب لکھی اس میں اول وہ ابوحنیفہ کا قول نقل کرتے ہیں پھر مدینہ والوں کا اختلاف بیان کرکے حدیث و اثر و قیاس سے ثابت کرتے ہیں کہ ابوحنیفہ کا مذہب صحیح ہے اور دوسروں کا غلط امام رازی نے مناقب الشافعی میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے یہ کتاب چھپ گئی ہے اور ہر جگہ ملتی ہے میں نے اس کا ایک قلمی نسخہ بھی دیکھا ہے۔

سیر صغیر و کبیر۔ یہ آخر تصنیف ہے اول سیر صغیر لکھی اُسکا ایک نسخہ امام اوزاعی کی نظر سے گذرا انہوں نے

طعن سے کہا کہ اہل عراق کو فن سیر سے کیا نسبت۔ امام محمد نے سنا تو سیر کبیر لکھنی شروع کی تیار ہوئی تو ساٹھ جزوں میں آئی۔ امام محمد اس ضخیم کتاب کو ایک خچر پر رکھوا کر ہارون الرشید کے پاس لے گئے۔ ہارون الرشید کو پہلے سے خبر ہو چکی تھی اُس نے قدردانی کے خیال سے شہزادوں کو بھیجا کہ خود جا کر امام محمد سے اُس کی سند لیں۔

ان کتابوں کے علاوہ امام محمد کی اور تصنیفات بھی فقہ میں موجود ہیں۔ مثلاً کیسانیات، جرجانیات، رقیات، ستلافہ لیکن یہ کتابیں فقہا کی اصطلاح میں ظاہر الروایۃ میں داخل نہیں بلکہ نادر کہلاتی ہیں۔ بلکہ اوپر ہو چکا تو وہ بھی اس سلسلہ سے خارج ہو

امام زفر

فقہ میں اگرچہ ان کا رتبہ امام محمد سے زیادہ مانا جاتا ہے لیکن چونکہ ان کی کوئی تصنیف موجود نہیں ہے اور ان کے حالات بھی بہت کم معلوم ہیں اس لئے صاحبین سے اُن کو موخر رکھنا پڑا۔

یہ عربی النسل تھے۔ شروع زمانہ میں انکو حدیث کا شوق تھا اور اسی وجہ سے جیسا کہ علامہ نووی نے تہذیب اللغات[۱] میں تصریح کی ہے صاحب الحدیث کہلاتے تھے۔ پھر فقہ کی طرف توجہ کی اور اخیر عمر تک یہی مشغلہ رہا۔

یحییٰ بن معین جو فن رجال کے امام ہیں اُنکا قول ہے کہ زفر صاحب الرائے ثقہ مامون ہیں۔ بعض لوگوں نے ان کی تضعیف بھی کی ہے لیکن وہ مبہم ہے اور قابل التفات نہیں۔

اُن کو قیاس میں نہایت کمال تھا امام ابوحنیفہ ان کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ اقیس اصحابی وکیع بن الجراح جیسا نامور و برگزیدہ محدث ان سے استفادہ کیا کرتا تھا۔ ۱۱۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۸ھ میں وفات کی۔

قاسم بن معن

بہت بڑے نامور شخص تھے۔ صحاح ستہ کے مصنفین نے ان سے روایت کی ہے۔ ان کو حدیث و فقہ میں بھی کمال تھا لیکن ادب و عربیت میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ امام محمد اُن کی خدمت میں استفادہ کی غرض سے حاضر ہوتے تھے۔ خلیفہ نے ان کو کوفہ کا قاضی مقرر کیا مجبوراً قبول کیا لیکن تنخواہ کبھی نہیں لی۔

ابوحنیفہ سے خاص نسبت تھی۔ ایک مجلس میں لوگوں کے جمع ہونے کی نسبت امام صاحب نے فرمایا کہ تم لوگ میرے دل کی تسلی اور میرے غم کے مٹانے والے ہو۔ ان کو امام صاحب کے ساتھ نہایت خلوص تھا۔ ایک شخص نے پوچھا کہ آپ فقہ و عربیت دونوں کے امام ہیں۔ دونوں میں سے کون سا علم بہتر ہے؟ فرمایا کہ واللہ امام ابوحنیفہ کی ایک تحریر تمام عربیت پر بھاری ہے۔ ۱۷۵ھ میں وفات پائی۔

اسد بن عمرو

یہ پہلے شخص ہیں جن کو امام ابوحنیفہ کی تصنیفات کے لکھنے کا کام سپرد ہوا تھا۔ بہت بڑے رتبہ کے شخص تھے۔ امام احمد بن حنبل نے ان سے روایت کی ہے اور یحییٰ بن معین نے لکھا ہے کہ انہی کا ... ان کے ...

[۱] تہذیب اللغات والاسماء علامہ نووی ۱۲

ہارون الرشید مکہ معظمہ گیا طواف سے فارغ ہو کر کعبہ میں داخل ہوا اور ایک جگہ بیٹھ گیا تمام اہل دربار اور اعیان ہاشم کھڑے تھے مگر ایک شخص ہارون الرشید کے برابر بیٹھا تھا مجھکو نہایت تعجب ہوا لوگوں سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اسد بن عمرو ہیں۔

علی بن المسہر

فن حدیث امام اعمش و ہشام بن عروہ سے حاصل کیا تھا۔ امام بخاری و مسلم نے انکی روایت سے حدیثیں نقل کی ہیں۔ امام احمد حنبل ان کے فضل و کمال کا اعتراف کرتے تھے امام سفیان ثوری نے امام ابوحنیفہ کی تصنیفات پر جو اطلاع حاصل کی انہیں کے ذریعہ سے کی۔ موصل کے قاضی تھے ۱۸۹ھ میں انتقال کیا [2]

عافیہ بن یزید

یہ وہی بزرگ ہیں جنکی نسبت امام ابوحنیفہ مجلس تصنیف میں فرمایا کرتے تھے کہ "جبتک عافیہ نہ آجائیں کسی مسئلہ کو قلمبند نہ کرو" علامہ ذہبی نے ان کی نسبت لکھا ہے کہ کان من خیار القضاۃ۔

حبان

کثیر الروایۃ تھے۔ ابن ماجہ میں اُن کی روایت سے متعدد حدیثیں موجود ہیں۔ امام ابوحنیفہ انکی قوت حفظ کے بہت مداح تھے۔ ۱۷۲ھ میں وفات کی۔

مندل

حبان کے بھائی تھے امام اعمش و ہشام بن عروہ و عبدالملک بن عمیر و عاصم احول و امام ابوحنیفہ سے حدیثیں روایت کیں۔ نہایت متورع اور پرہیزگار تھے۔ ۱۶۸ھ میں انتقال کیا ان کے بھائی حبان نے نہایت باثر مرثیہ لکھا ہے علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اُسکے چند اشعار نقل کئے ہیں۔ دو شعر یہ ہیں۔

فاذا ذکرت فقد ان اخی ... انقلبت فی فراشی ارقا

واخ ای اخ مثل اخی ... قد جری فی کل خیر سبقا

افسانۂ یاران کہن خواندم و رفتم ... دریاب کہ لعل و گہر افشاندم و رفتم

۱۵ دسمبر ۱۸۹۳ء بمقام علی گڈھ

شبلی نعمانی

---

[1] الجواہر المضیہ ۱۲ [2] یہ حالات مجھکو صرف الجواہر المضیہ سے معلوم ہوئے ۱۲

مختصر فہرست قومی پریس دہلی

تجی جناب سیدہ کائنات کے ازواج مطہرات کے
حالات وسوانح درج ہیں حضرت خدیجہؓ حضرت سودہؓ حضرت
حضرت حفصہ حضرت زینبؓ حضرت ام سلمہ حضرت زینب
جویریہ حضرت ام حبیبہ حضرت جویریہ حضرت میمونہ حضرت صفیہ
مخالفین اسلام کے اعتراضوں کا پورا جواب دیا ہے قیمت ۱۲ر

نکاح جعفر اور عباسیہ - ایک عرصہ سے لوگ اس شبہ میں پڑے
ہوئے ہیں کہ آیا یہ واقعہ صحیح ہے یا غلط ہمنے نہایت تحقیق اور مدلل
طریق سے ثابت کیا ہے کہ یہ واقعہ افسانہ سے زیادہ نہیں ہے
فضل جان کی سرگزشت - ساری کتاب تلازموں سے
پُر لکھنؤ و دہلی کی بیگمات زنانی کا پورا فوٹو جواب نایاب ہیدی ہر ۶ ر

کتب مولانا عبد الحلیم صاحب شرر

حالات اقوام کرد - کردوں کی معاشرت و رسومات شادی
غمی و مذہبی عقائد اور انکا ترکوں کے ساتھ تعلق سلطان کے محل کے
اندرونی حالات اور زنانہ دربار کا پورا نقشہ اور والدہ سلطان و
خاتون آفندی کے اختیارات بڑی دلچسپ کتاب ہے قیمت ۸ر
خلافت عمرو بن سعید بانی خلافت بنو امیہ و ابو مسلم خراسانی
بانی خلافت عباسیہ کے پورے حالات قیمت - ۳ ر
تذکرہ مشاہیر عالم - ہر دو جلد کامل مع فوٹو مولینا شرر
جس حسب ذیل سوانح درج ہیں خلیفہ امیر المومنین منصور عباسی
عبداللہ ابن زبیر ابن بطوطہ تیمور جالینوس - مانی ساسانی
دابی - علاؤالدین حسین - حاتم طائی حجاج بن ایم محمد بن
تورت المہدی المنصور ابو شادان سعید بن مسیح - سبا ثانی سکندر
حج کا [illegible] ابو الاسود دوئلی - احمد بن طولون - ابو

الملک عمرو بن معدیکرب - زبیدی - نابغہ زبیانی اسکندر اعظم
شمسون ابن قراقر شکمغانی الحکم المستنصر محمد عبداللہ النرقی
مسندر بن مغیرہ حجاج - دمشقی مہدی مسیح ابا صوفیہ محمد علی
پاشا ابو جعفر منصور ابو العلاء شاعر سید آصفی چلپی جہاد قیمت ۸ر

مخدرات مشاہیر عالم ہر سہ جلد کامل

جسمیں حسب ذیل سوانح درج ہیں سمی رامس ملکہ بابل
ہند بنت نعمان لیلا اخیلیہ شہدہ کاتبہ - زلیخا - ملکہ سجاح ام سلمہ
زوجہ سفاح قطر الندی بلقیس - اولغا علیہ بنت مہدی - خدیجہ
بنت القیم ملکہ لستیر کیتھرائن سذ سیدہ خاتون لعہانی قلوپطرہ سید
فتحی اشتائل - رابعہ بصریہ - فاطمہ فقیہہ - ملکہ نبلہ ام ابان بنت ابجعفر
فاطمہ نیشاپوریہ ملکہ نوبیہ نور نعمت فرزوق مصنفہ محمد زبدہ -
بلینا قسطنطین اعظم کی ماں قیمت ۸ر جلد دوم عورت ہی کشش
دنیامیں انسان کو لائی - دہیا نئے کاہنہ قیصر تیموڈورا - آل
عثمان میں پہلی سلطانہ تیموتیہ ابو اور تیا - قالطس نندو اعلم
زوجہ عبداللہ بن ابی بکر صدیق عتبہ عمارہ - مرتد بطیفہ حارثہ ہشام ام
جعفر حرقہ بنت نعمان بنت ملکہ مصر جلینت الانور قیمت ۸ر
جلد سوم جسمیں حسب ذیل سوانح درج ہیں ہند بیان ملکہ
سوریتھال - امثالین - رخیل - ماریہ رولان ظہیرین - عاتکہ
بنت معاویہ - تنکا طلق خاتون ارشدا سیہ غیرہ عمرا و علیشہ
بنت طلحہ بانی ہے شیا خوشا سیا بنت الحزیق السلمی حنیفیات
قلزبہ بنت مصطفیٰ ام حکیم بنت تعارف قیمت ۸ر جو صاحب تینوں ۸ر
جلدیں یکساتھ کامل لینگے انکو محصول تین روپیہ میں مع فوٹو
مولینا شرر دی جاوے گی - کامل قیمت ۸ر

[illegible] دہلی [illegible] نام سید ظہیر [illegible] جلال میاں سے آنا چاہئیں

تصانیف شمس العلما مولینا شبلی نعمانی مرحوم

سیرۃ النعمان۔ یعنی امام اعظم ابو حنیفہؒ کوفی کی مفصل سوانح عمری آپکے ولادت سے آخر تک کے پورے تفصیلی حالات لکھے ہیں یہ ایک معرکۃ الآرا کتاب ہے قیمت عہ

الفاروق۔ سوانحعمری حضرت فاروق اعظمؓ اس سے بہتر سوانح آپکی کوئی نہیں چھپی قیمت سکے مع نقشہ فتوحات اسلام سفرنامہ۔ روم و مصر و شام۔ اس کتاب میں وہاں کے چشم دید حالات کے ترکوں اور عربوں کے اخلاق و عادات کو نہایت تفصیل سے لکھا ہے صوبہ بہار کے کورس میں داخل ہے قیمت عہ

الغزالی۔ یعنی امام محمد بن محمد الغزالیؒ کی پوری سوانحعمری اور انکے کلام پر تبصرہ اور ریویو۔ قیمت عہ

سوانحعمری مولینا رومؒ۔ یعنی مولینا جلال الدین رومی کی مفصل سوانحعمری مثنوی شریف اور دیگر تصانیف پر تبصرہ قیمت ۱۲

المامون۔ یعنی سوانحعمری خلیفہ مامون الرشید اعظم اسمیں ان تمام کارنامونکی تفصیل ہے جنکی وجہ سے مامون رشید کا عہد عموماً شاہان اسلام سے علمی حیثیت میں ممتاز تسلیم کیا گیا ہے عہ

الہارون۔ یعنی سوانحعمری خلیفہ ہارون رشید اعظم مع نقشہ سلطنت عباسیہ۔ قیمت عا

مقالات شبلی۔ یعنی مولینا شبلیؒ کے وہ علمی اور تاریخی مضامین جو ابتک مرتب ہوکر شائع نہیں ہوئے تھے قیمت عہ

اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر۔ عالمگیر پر جو الزامات دیگر معاندین عالم کرتے ہیں۔ مولینا نے کس خوبی سے انکار رد کیا ہے یہ انہیں کا حصہ تھا۔ ۸ر

حیات سعدیؒ۔ یعنی سوانحعمری شیخ سعدی شیرازیؒ اُن کے کلام پر تبصرہ اور ریویو قیمت ۸ر

حیات حافظ۔ یعنی سوانحعمری خواجہ حافظ شیرازیؒ ۸ر

حیات خسرو۔ یعنی سوانحعمری حضرت امیر خسرو دہلویؒ تینوں سوانح قابل دید ہیں۔ ۸ر

آغاز اسلام۔ مصنفہ شبلی نعمانیؒ یہ کتاب مسلمان بچوں اور لڑکیوں کیلئے نہایت مفید اور کارآمد ہے قیمت ۸ر

مولینا شرر کی بے بہا تصنیف مع فوٹو مولینا شرر

مقالات شرر و جذبات شرر

یہ مضامین نہیں بلکہ منشیانہ معجزات و معجز نگاری کی کرامتیں ہیں جنہیں انشا پردازی کا شوق ہو وہ اس کتاب کو ضرور منگائیں انہی مضامین کی بدولت ہندوستان میں بیسیوں جادو نگار بنگئے مولینا سے پہلے نیچرل مضامین کا لکھنے والا ہندوستان میں کوئی نہ تھا بہت بڑی تلاش سے جمع کرکے طبع کئے ہیں قیمت عہ فہرست مضامین۔ دنیا۔ عمر دو روزہ۔ ہستی آدمی رات۔ ہم ورہمارے کمالات۔ شمع سحر۔ خود پسندی۔ سہ تنہا۔ بیکسی۔ رنج و الم۔ اندھیری رات۔ باد سحر۔ ہوا۔ گم شدگان سلف۔ ازماست کہ برماست۔ شادی و غم۔ ہم آنیوالی گھڑی۔ سیر کمارت خلوص۔ ٹوٹا ہوا مندر۔ موسم خریف۔ اچھوتاپن۔ ادیکی رت۔ غم جدائی۔ یاس۔ سراپائے حسن۔ زمانہ۔ چھیماں کی شام۔ عالم خیال۔ شمع حرم۔ خاموش آسمان۔ گرمیونکی رت۔ باغ آرزو۔ فصل بہار۔ لالہ خودرو۔ بیخودی۔ پھول۔ غریبکا جھونپڑا۔ گوخریبان قیمت معمولی کاغذ عہ قیمت ولایتی کاغذ جلد دستیاب محصول ذمہ خریدار۔ اسلامی سوانحعمری مولفہ مولینا شرر قیمت عہ ملفوظات ملت بلخ شاہی سفید کاغذ ولایتی قیمت دو روپیہ عا

تمام درخواستیں بنام سید ابو الحسن۔ قومی پریس۔ چیتہ لال میاں۔ پٹنہ آنا چاہئیں۔

سلسلۂ آصفیہ

الغزالی

بعہد میمنت مہد

حضرت خاقان ابن خاقان سکندر شوکت دارا دربان اعلیٰ حضرت قدر قدرت نواب میر محبوب علیخان
بہادر فتح جنگ نظام الدولہ نظام الملک مظفر الممالک آصفجاہ سادس جی سی ایس - آئی جی سی بی
فرمانروائے دکن خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ

و نگرانی

جناب مولوی میر کاظم علی صاحب منصرم معتمد تعمیرات عامہ آبپاشی و صفائی و نگران کار سررشتہ علوم و فنون

جسکو

شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی مرحوم فیلو آف یونیورسٹی الہ آباد - سابق پروفیسر مدرسۃ العلوم علیگڈھ
و ناظم سررشتۂ علوم و فنون نے بحکم نظام تصنیف کیا

حسب اجازت مصنف

سید ظہور الحسن موسوی یادگار خاندان حضرت سید امیر کلال رحمۃ اللہ علیہ نقشبندی
مالک قومی پریس - دہلی - چھتہ لال میاں ۱۹۲۲ء

رنگین پریس دہلی میں چھپواکے شائع کی

مختصر فہرست کتب قومی پریس دہلی چھتہ لال میاں

سفرنامہ روم و مصر و شام

مصنفہ مولانا شبلی نعمانی رحمۃ

جسمین علاوہ ان جزئی دلچسپ واقعات کے جو سلسلہ بیان مین آگئے ہین قسطنطنیہ بیروت بیت المقدس قاہرہ وغیرہ کے متعلق واقعات ذیل یعنی شہر کی عام اجمالی حالت قابل دید مقامات مشہور عمارات سررشتہ تعلیم دارالعلوم اور مدارس لڑکون اور طلبا کی تربیت تعلیم نسوان مصنفین اور تصنیفات کتب خانے اخبارات اور رسالے مشہور پاشاؤن اور ارباب کمال کی ملاقات ترکون اور عربون کے اخلاق و عادات کو تفصیل کے ساتھ لکھا ہے قیمت ۱۲؍

المامون

یعنی نامور فرمان روایان اسلام کا پہلا اور دوسرا حصہ اس کتاب کے دو حصے ہین پہلے حصہ مین تمہید ترتیب خلافت مامون رشید کی ولادت تعلیم و تربیت ولیعہدی تخت نشینی خانہ جنگیان فتوحات ملکی اور وفات کے حالات درج ہین دوسرے حصہ مین ان مراتب کی تفصیل ہے جنسے اس عہد کے علمی حالات اور مامون رشید کے تمام اخلاق و عادات کا اندازہ ہو سکتا ہے اُن تمام کارنامون کی تفصیل ہے قیمت فی جلد ۱۲؍ علاوہ محصول ڈاک

اورنگ زیب عالمگیر

شمس العلما مولانا شبلی نعمانی کی یہ جدید تالیف ہے تاریخ اور واقعات کی تحقیق و تنقید مین مولانا کا پایا اظہر من الشمس ہے شہنشاہ عالمگیر پر جو الزامات وارد ہوتے ہین بھائیون کا قتل باپ کی گرفتاری تعصب مذہبی ہندون کے ساتھ مخاصمت بت شکنی وغیرہ کے متعلق جو الزامات بیان کئے جاتے ہین اس کتاب مین ثابت کیا گیا ہے کہ ان اعتراضون کو واقعات سے کوئی تعلق نہین یہ باتین پست نظر اور تنگ خیال افسانہ نویسون کی پیدا کی ہوئی ہین مولانا نے خود اُس عہد کی مستند تاریخون سے تمام امور کی تحقیق کی ہے اور اہل یورپ کی غلط فہمیون پر بھی روایت کی نظر ڈالی ہے قیمت ۸؍

الفاروق

یعنی سوانح عمری حضرت فاروق اعظم رضہ مؤلفہ شمس العلما مولوی شبلی نعمانی رحمۃ

قیمت ۳؍

الغزالی

یعنی امام محمد بن محمد الغزالی رحمۃ کی مفصل سوانح عمری مؤلفہ مولانا شبلی رحمۃ قیمت ۱۲؍

مقالات شبلی

جسمین مولانا شبلی رحمۃ کے وہ علمی اور تاریخی مضامین ہین جو آجتک طبع نہین ہوئے تھے قیمت ۱۲؍

تمام درخواستین بنام سید ظہور الحسن - قومی پریس - دہلی - چھتہ لال میان آناچاہئیں -

فہرست مضامین الغزالی

تمہید

از جناب نواب میر کاظم علی صاحب معتمد تعمیرات عامہ وغیرہ و نگراں کار سررشتہ علوم و فنون

جس وقت پیروان دین اسلام نے عرب کے ریگستان سے قدم باہر نکالا اور اعلائے کلمۃ اللہ سے فارغ ہوئے تو انکی ترقی تمدن کا پہلا کام یہ ہوا کہ مشرق و مغرب کے علوم و فنون کو انھوں نے زبان عربی کی فصاحت و بلاغت کا زیور پہنایا اور جو بے بہا قدیم تصنیفات یونان و روم کی اجڑی ہوئی خانقاہوں اور ہندوستان و ایران کے افسانہ آمیز کتابوں میں چھپی ہوئی تھیں انکو نہ فقط تلف ہونے سے بچایا بلکہ ترجموں کے ذریعہ سے انکو ایسی زبانوں میں زندہ و سلامت رکھا جب یورپ جہالت و تاریکی میں گھرا ہوا تھا اور ان ہی تراجم کی بدولت یورپ نے وہ جدید نشو و نما پائی جس کا نام تاریخ میں نشاۃ الثانیہ رکھا گیا۔

دوسری صدی ہجری کا آغاز تھا کہ ۱۲۰ھ میں ہشام عبد الملک کے حکم سے فارس کی سب سے مفصل تاریخ کا عربی میں ترجمہ کیا گیا پھر رفتہ رفتہ اس صیغۂ ترجمہ نے وہ وسعت حاصل کی کہ دنیا کی تمام قوموں کا علمی ذخیرہ زبان عربی میں آ گیا۔

اسلام کی حکومت اندلس میں بھی پہلے یہی طریقہ جاری رہا اور اسکے بعد وہ علمی اور عملی تحقیقات ہوئیں جن سے آجکل مسلمانوں کا نام روشن ہے۔

تمدن اسلامی کی وہ فطرت جسکا بہت بڑا جزو ترقی علوم و فنون ہے ہندوستان کے سلاطین مغلیہ میں بھی اعلیٰ درجہ پر رہی۔ ابیرونی اور ابو الفضل و فیضی کے سے نامور علما و محققین نے ہندوستان کے سلاطین اسلامیہ کے باریاب ہو کر عزت حاصل کی۔ دکن کے سلاطین بہمنیہ بھی علم ادب کے کم قدردان نہ تھے انہیں کے سایہ عاطفت میں ابو القاسم فرشتہ نے وہ بے نظیر تاریخ ہندوستان و دکن کی لکھی جو اس وقت تک بھی ایک بہت معتبر ذخیرہ تاریخ ہے۔

دولت آصفیہ خلد اللہ تعالیٰ نے بھی جو وقتاً فوقتاً ترقی علوم میں کوشش کی ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے لیکن اس دولت ابد قرار میں کوئی ایسا مستقل سررشتہ تراجم و تصنیفات کا جسکے ذریعہ سے علوم مغربیہ کی اشاعت زبان اردو میں ہو سکے نہ تھا۔ ناظرین کو حضرت خاقان ابن خاقان سکندر شوکت دارا دربان اعلیٰ حضرت قدر قدرت **میر محبوب علیخان بہادر** فتح جنگ نظام الدولہ نظام الملک مظفر الممالک آصف جاہ سادس جی۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ جی۔ سی۔ بی۔ والی دکن کا ممنون و مشکور ہونا چاہیے کہ جنہوں نے ایک صیغۂ علوم و فنون قائم فرمایا ہے جسکی غرض یہ ہے کہ مفید اور کار آمد کتابیں مختلف السنہ یورپ کے اردو زبان میں ترجمہ ہوں اور نیز جدید تصنیفات تحقیقات علمیہ ایسی زبان میں شائع کرائی جائیں جس سے اردو زبان میں نہ فقط معانی مختلفہ کے بیان کی وسعت امید ہو بلکہ علوم و فنون و تاریخ کے زبان ملکی میں ہو جانے سے تعلیم کو بھی ترقی ہو یہ امر خاص طور پر ذکر کرنے کے قابل ہے کہ سال رواں میں جب ہندوستان کی گورنمنٹ نے اپنی انتظامی رپورٹ کے صفحہ ۶ میں جہاں تصنیفات و تالیفات کا ذکر کیا ہے اعلیحضرت والی کو تمام کتابوں پر ترجیح دی ہے اور نہایت عجیب الفاظ میں (جو اس سررشتہ کے لئے تمغا امتیازی ہیں) اسکا تذکرہ کیا ہے +

تمہید

از مصنف

ما طفل کم سوادِ وسبق قصّہا دراست | صد بار خواندہ ودگر از سر گرفتہ ایم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔

علم کلام جو مسلمانوں کی خاص ایجادات میں سے ایک عظیم الشان علم اور ان کا سرمایہ ناز ہے میں نے اس کی نہایت مبسوط تاریخ لکھنی چاہی اور اس کے چار حصے قرار دئے ہیں۔ (۱) علم کلام کی ابتدا، اس کی مختلف شاخیں عہد بعہد کی تبدیلیاں اور ترقیاں (۲) علم کلام نے مہمات عقائد اور مباحث فلسفہ کے متعلق کیا کیا؟ اور کس حد تک کامیابی حاصل کی۔ (۳) ائمہ کلام کی سوانح عمریاں۔ (۴) جدید علم کلام۔

پہلا حصہ بعد مدت لکھا جا چکا تھا کہ بوجوہ چند رک گیا اور تیسرا حصہ شروع ہو گیا اس حصے میں امام غزالی کی سوانح عمری شروع ہوئی تو بڑھتے بڑھتے ایک مستقل کتاب بن گئی چونکہ پوری کتاب کی تیاری کو عرصہ درکار تھا مناسب معلوم ہوا کہ بلا انتظار سابق چھپوا کر شائع کر دیا جائے۔ امام صاحب کے حالات میں ان کے اصول عقائد اور طرز استدلال کی تفصیل بھی ہے اسی طرح علم کلام کے اکثر مہتم بالشان مسائل بھی اس کتاب میں آ گئے ہیں۔

امام غزالی کی سوانح عمری میں کوئی مستقل کتاب تو غالباً نہیں لکھی گئی لیکن رجال و تراجم کی کتابوں میں ان کے حالات کسی قدر تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں ان میں سے تبیین کذب المفتری فیما نسب الی ابی الحسن الاشعری اور طبقات الشافعیہ خاص طور پر ذکر کے قابل ہیں۔

پہلی کتاب علامہ ابن عساکر دمشقی مشہور محدث کی تصنیف ہے یہ کتاب اصل میں امام اشعری کے حالات میں ہے لیکن اشاعرہ میں جو لوگ مشاہیر تھے ان کا بھی تذکرہ ہے اس تقریب سے امام غزالی کے حالات بھی لکھے ہیں اور چونکہ عبدالغافر فارسی کے حوالے سے لکھے ہیں جو خود امام غزالی کے معاصر تھے اس لئے بیش قدر رکھتا ہے حرف حرف سند کے قابل ہے یہ کتاب یورپ میں چھپ گئی ہے۔

دوسری کتاب علامہ ابن السبکی کی تصنیف ہے جو مشہور محدث تھے یہ کتاب جس حیثیت سے لکھی گئی ہے کہ مجموعی حیثیت سے رجال کی کوئی کتاب اس کی برابری نہیں کر سکتی امام غزالی کا حال جس قدر اس کتاب میں ہے کسی کتاب میں اس کا نام بھی نہیں اس کے برابر بھی نہیں مل سکتا اس لئے میں نے سوانح عمری کے متعلق زیادہ تر انہی دونوں کتابوں پر مدار رکھا۔ باقی امام صاحب کے اصول و مسائل تو ان کے لئے خود امام صاحب کی تصانیف کافی تھیں جن کا بہت بڑا ذخیرہ میرے پاس موجود تھا امام صاحب ابن تیمیہ کے مثل تھے کہ ان کی مستقل تصانیف کا یورپ میں بھی بہت چرچا ہے اور بہت سے مصنفوں نے ان کی تصانیف پر شروح و حواشی لکھے فلسفہ کی جو تاریخیں لکھی گئی ہیں ان میں امام صاحب کا ذکر خاص طور پر کیا گیا اور بعض مستقل رسالے امام صاحب کی تصنیفات کے متعلق لکھے گئے ہیں ان میں سے دو تصنیفیں میرے پاس موجود تھیں پروفیسر گوشی کی کتاب غزالی، اور پروفیسر مونکس کی کتاب مدخل فلسفہ عرب و الاسلام، پہلی کتاب جرمن زبان میں تھی اس لئے میں اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکا، دوسری کتاب سے بھی فائدہ نہ اٹھا سکا ...

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امام غزالی

امام صاحب کی ولادت

محمد نام، حجۃ الاسلام لقب، غزالی عرف، سلسلۂ نسب یہ ہے محمد بن محمد بن احمد۔ خراسان کے اضلاع میں ایک ضلع کا نام طوس ہے اس میں دو شہر ہیں طابران اور نوقان، امام صاحب ۴۵۰ھ میں طابران میں پیدا ہوئے۔ انکے باپ رشتہ فروش تھے اور اس مناسبت سے انکا خاندان غزالی کہلاتا تھا کیونکہ غزل کے معنی کاتنے کے ہیں۔ عربی زبان میں جو نسبت کا قاعدہ ہے اسکی رو سے غزال کا لفظ تھا لیکن خوارزم اور جرجان وغیرہ میں نسبت کا یہی طریقہ ہے چنانچہ عطار کو عطاری اور قصار کو قصاری کہتے ہیں۔

غزالی کی وجہ تسمیہ

علامہ سمعانی نے کتاب الانساب میں لکھا ہے کہ غزالہ طوس کے ایک گاؤں کا نام ہے امام صاحب یہیں کے رہنے والے تھے، چنانچہ علامہ موصوف کے نزدیک غزالی تشدید نہیں بلکہ تخفیف ہے۔ ابن خلکان نے امام صاحب کے چھوٹے بھائی امام احمد غزالی کے حال میں علامہ سمعانی کا یہ قول نقل کر کے لکھا ہے کہ یہ تحقیق تمام اور مورخین کے خلاف ہے، گو بعض اور مورخین نے بھی علامہ سمعانی کی تائید کی ہے چنانچہ فیومی نے مصباح میں شیخ محی الدین سے جو کہ ساتویں پشت میں امام غزالی کے نواسے تھے یہ روایت کی ہے کہ ہمارے نانا کا نام بتشدید نہیں بلکہ تخفیف ہے، لیکن اسمیں شبہ نہیں کہ پہلی ہی روایت مشہور ہے اور بڑی دلیل اسکی یہ ہے کہ طوس کے ضلع میں غزالہ کوئی گاؤں نہیں۔

امام صاحب کے خاندانی پیشہ کے ذکر میں یہ بیان کرنا ناموزوں نہ ہوگا کہ اس زمانہ میں اور اس سے پہلے مسلمانوں میں تعلیم اس قدر عام ہو گئی تھی کہ ادنیٰ سے ادنیٰ پیشہ ور بھی تعلیم سے محروم نہیں رہتے تھے یہاں تک کہ انہی پیشہ وروں میں ایسے ایسے صاحب کمال پیدا ہوئے جنکو آج ہم امام اور علامہ کے لقب سے پکارتے ہیں مثلاً امام ابوحنیفہ بزاز تھے شمس الائمہ حلوائی تھے امام ابوجعفر کفن دوز تھے علامہ قفال مروزی قفل ساز تھے وغیرہ وغیرہ۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ تعلیم کی بدولت خود یہ پیشے ذلیل نہ رہے بڑے بڑے علما یہ پیشے اختیار کرتے تھے اور انہی پیشوں کے انتساب سے انکا نام لیا جاتا تھا۔

امام صاحب کی تعلیم و ابتدا

امام صاحب کے والد اتفاق سے تعلیم سے محروم رہ گئے تھے جب مرنے لگے تو انہوں نے امام صاحب اور ان کے چھوٹے بھائی امام احمد غزالی کو اپنے ایک دوست کے سپرد کیا اور کہا کہ مجھکو نہایت افسوس ہے کہ میں لکھنے پڑھنے سے محروم رہ گیا اس لئے میں چاہتا ہوں کہ ان دونوں لڑکوں کو تعلیم دلائی جائے تاکہ میری جہالت کا کفارہ ہو جائے۔ انکے مرنے پر اس بزرگ نے امام صاحب کو تعلیم دلانی شروع کی چنانچہ ابتدائی مراحل طے کرا لئے لیکن چند روز کے بعد تعلیم کا کوئی سامان نہ رہا۔ امام صاحب کے والد جو رقم مصارف تعلیم کیلئے دے گئے تھے وہ ختم ہو چکی۔ اس بزرگ نے امام صاحب سے کہا کہ تمہارے والد کا سرمایہ ہو چکا اور میرے پاس کچھ مال و متاع نہیں اس لئے تم دونوں بھائی کسی مدرسے میں داخل ہو جاؤ چنانچہ امام صاحب نے انکے حکم کی تعمیل کی۔ اس زمانے تک اگرچہ باقاعدہ مدارس بہت کم تھے لیکن خانگی درسگاہیں نہایت کثرت سے تھیں بڑے بڑے نامور ائمہ فن اپنے گھروں یا مساجد میں تعلیم دیتے تھے اور جس قدر طلبا انکے حلقۂ درس میں تعلیم پاتے تھے اکثر انکے مصارف کا بندوبست شہر کے امراء اور رؤسا کی طرف سے کیا جاتا تھا اس بنا پر ہر شخص گو کیسا ہی کم مقدور ہو اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکتا تھا آج ہمارے ملک میں بھی تعلیم عام ہے لیکن بہ

[illegible]

محض ابتدائی تعلیم ہے اعلیٰ تعلیم صرف کالجوں میں ہوتی ہے اور وہ اس قدر گراں ہے کہ کم لوگ اس سے بہت کم فائدہ اٹھا سکتے ہیں

امام صاحب نے فقہ کی ابتدائی کتابیں احمد بن محمد راذکانی سے پڑھیں جو بزرگ امام صاحب کے شہر ہی میں رہتے تھے اور وہیں درس دیتے

ابتدائی تعلیم

تھے اس کے بعد جرجان کا قصد کیا اور امام ابونصر اسمٰعیلی کی خدمت میں تحصیل شروع کی۔ اس زمانہ میں درس کا یہ طریقہ تھا کہ استاد مطالب علمیہ جو تقریر کرتا تھا شاگرد اس کو قلمبند کرتے جاتے تھے اور نہایت احتیاط سے محفوظ رکھتے تھے۔ ان یادداشتوں کو تعلیقات کہتے تھے چنانچہ امام صاحب نے بھی تعلیقات کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا چند روز کے بعد وطن کو واپس آئے۔ اتفاق سے

عجیب واقعہ

راہ میں ڈاکہ پڑا اور امام صاحب کے پاس جو کچھ سامان تھا سب لٹ گیا انہیں میں وہ تعلیقات بھی تھیں جو امام ابونصر نے لکھوائی تھیں۔ امام صاحب کو ان کے لٹنے کا نہایت صدمہ تھا چنانچہ ڈاکوؤں کے سردار کے پاس پہنچے اور کہا کہ میں اپنے اسباب اور سامان میں سے صرف اس مجموعہ کو مانگتا ہوں کیونکہ میں انہی کے سننے اور یاد کرنے کیلئے یہ سفر کیا تھا۔ وہ ہنس پڑا اور کہا کہ تم نے خاک سیکھا جبکہ تمہاری یہ حالت ہے کہ ایک کاغذ نہ رہا تو تم کورے رہ گئے۔ یہ کہکر اس نے وہ کاغذ واپس دیدئیے۔ امام صاحب کہتے ہیں کہ یہ طعنہ تقدیر نے تنبیہ غیبی کی۔ ان کاغذات کو چنانچہ وطن پہنچکر وہ یادداشتیں زبانی یاد کرنی شروع کیں۔ یہانتک کہ تین برس صرف کرکے اور ان مسائل کے حافظ بن گئے۔

اب امام صاحب کی تحصیل علمی اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ معمولی علماء ان کی تشفی نہیں کر سکتے تھے اسلئے تکمیل علوم کیلئے وطن سے نکلنا چاہا۔ اس زمانہ میں اگرچہ تمام ممالک اسلامیہ میں علوم و فنون کے دریا بہ رہے تھے۔ ایک ایک شہر بلکہ ایک ایک قصبہ مدرسوں سے معمور تھا بڑے بڑے شہروں میں سینکڑوں علما موجود تھے اور ہر عالم کی مسند درس گاہ بجائے خود ایک مدرسہ تھا لیکن ان سب میں دو شہر علم و فن کے مرکز تھے نیشاپور و بغداد۔ کیونکہ خراسان فارس اور عراق کے تمام ممالک میں دو بزرگ استاد الکل تسلیم کئے جاتے تھے یعنی امام الحرمین اور علامہ ابو اسحٰق شیرازی اور یہ دونوں بزرگ انہی دونوں شہروں میں درس دیتے تھے نیشاپور چونکہ قریب تھا اسلئے امام صاحب نے وہیں کا قصد کیا اور امام الحرمین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

نیشاپور کی علمی حالت، یعنی یہ اسلام میں سب سے پہلا مدرسہ جو تعمیر ہوا یہیں ہوا جسکا نام مدرسہ بیہقیہ تھا۔ امام الحرمین امام غزالی کے استاد نے اسی مدرسے میں تعلیم پائی تھی عام شہرت ہے کہ دنیائے اسلام میں سب سے پہلا مدرسہ بغداد کا نظامیہ تھا چنانچہ ابن خلکان نے بھی یہی دعویٰ کیا ہے لیکن واقعہ یہ کہ بغداد سے پہلے نیشاپور کو حاصل ہے بغداد کا نظامیہ بھی وجود میں نہیں آیا تھا کہ نیشاپور میں بڑے بڑے دارالعلوم قائم ہو چکے تھے ایک وہی بیہقیہ جسکا ذکر ابھی گذر چکا ہے۔ دوسرا اسعدیہ۔ تیسرا نصریہ جسکو سلطان محمود کے بھائی نصر بن سبکتگین نے قائم کیا تھا۔ ان کے سوا اور بھی تھے جنکا سرتاج نظامیہ نیشاپور تھا۔ امام الحرمین اسی مدرسہ کے مسند نشین تھے۔

نیشاپور کی علمی حالت

امام الحرمین کا اصلی نام عبدالملک اور لقب ضیاءالدین تھا ابتدائی کتابیں والد سے پڑھیں ان کے انتقال کے بعد ابو القاسم اسکافی کے شاگرد ہوئے جو مدرسہ بیہقیہ کے مدرس اعظم تھے فراغ تحصیل کے بعد بغداد گئے اور وہاں بڑے بڑے نامور علما کے فیض صحبت سے مستفید ہوئے بغداد سے واپس آکر نیشاپور کی مسند درس پر بیٹھے لیکن اسی زمانہ میں عمید کندری کی تحریک سے الپ ارسلان سلجوقی نے حکم دیا تھا کہ اسلامی منابر پر اشعریہ

امام الحرمین کے حالات

طبقات الشافعیہ جلد دوم صفحہ ۲۷۳

اشعریوں پر لعنت بھیجی جائے۔ امام الحرمین سلسلۂ اشعریہ میں داخل تھے ان کو نہایت ناگوار ہوا اور ناراض ہو کر حرمین چلے گئے وہاں ان کی بڑی قدر و منزلت ہوئی اور ان کا علم و فضل یہاں تک عام ہو گیا کہ مکۂ معظمہ اور مدینہ منورہ کے فتوی انہیں کے پاس آتے تھے اسی بنا پر امام الحرمین کے لقب سے پکارے جانے لگے۔ عمید الملک کندری کے بعد الپ ارسلان نے نظام الملک کو وزیر مقرر کیا نظام الملک کی بے تعصبی عدل و انصاف اور قدردانی کی شہرت بہت جلد پھیل گئی۔ امام الحرمین یہ حالات سن کر حرمین سے واپس آ گئے اور نظام نے خاص ان کے لئے ایک بہت بڑا مدرسہ نیشاپور میں تعمیر کیا جس کا نام نظامیہ رکھا

سلاطین وقت کا امام الحرمین کی عزت کرنا

امام الحرمین درس و تدریس کے علاوہ تمام مذہبی صیغوں کے افسر تھے۔ خطبہ، امامت، خطابت اور تمام ممالک اسلامیہ کے اوقاف انہی کے سپرد تھے۔ سلاطین وقت ان کا یہ احترام کرتے تھے کہ ایک دفعہ انہوں نے ملک شاہ سلجوقی کے ایک حکم کے مقابلہ میں اعلان کرا دیا کہ ملک شاہ کا حکم غلط ہے اور اس کو اس قسم کے حکم دینے کا کوئی اختیار نہیں۔ ملک شاہ نے بجائے اس کے کہ مخالفت کرتا خود بھی اعلان کرا دیا کہ میرا حکم درحقیقت غلط تھا امام الحرمین کا حکم صحیح ہے۔[1]

امام الحرمین بہت بڑے مصنف تھے ان کی مشہور تصنیفات یہ ہیں۔ نہایۃ المطلب، شامل، برہان، ارشاد، مغیث الخلق، [illegible]

امام الحرمین کے حلقۂ درس میں امام غزالی کا ممتاز ہونا

غرض امام غزالی نے ان کی خدمت میں پہنچ کر نہایت جد و جہد سے علم کی تحصیل شروع کی یہاں تک کہ تھوڑی مدت میں تحصیل سے فارغ ہو کر تمام اقران میں ممتاز ہو گئے۔ امام الحرمین کے حلقۂ درس میں چار سو طلبا تعلیم پاتے تھے۔ ان میں تین شخص سب میں ممتاز تھے کیا ہراسی، احمد بن محمد خوافی، اور امام غزالی۔ چنانچہ امام الحرمین کہا کرتے تھے کہ غزالی دریائے زخار ہے اور کیا شیر درندہ، اور خوافی آتش سوزان۔ لیکن کیا اور خوافی کی ہمسری طالب علمی ہی کے زمانہ تک تسلیم کی جا سکتی ہے۔ ورنہ بالآخر امام غزالی نے جو مرتبہ حاصل کیا وہ امام الحرمین کو بھی نصیب نہیں ہوا تھا۔

امام غزالی کا منصب معید پر مقرر ہونا

اس زمانہ میں نامور علما کے یہاں معمول تھا کہ جب وہ درس دے چکتے تھے تو شاگردوں میں جو سب سے زیادہ لائق ہوتا تھا وہ باقی طالب علموں کو دوبارہ درس دیتا تھا اور استاد کے بتائے ہوئے مضامین کو اچھی طرح ذہن نشین کراتا تھا۔ یہ منصب جس کو حاصل ہوتا تھا اس کو معید کہتے تھے۔ چنانچہ امام غزالی کو بھی یہ منصب حاصل ہوا اور معید کہلائے۔

امام الحرمین کی وفات اور ان کا ماتم

امام الحرمین نے ۴۷۸ھ میں وفات پائی ان کی وفات سے کل نیشاپور کے تمام بازار بند ہو گئے اور جامع مسجد کا منبر توڑ دیا گیا۔ ان کے شاگرد جن کی تعداد چار سو کے قریب تھی سب نے دوات اور قلم توڑ ڈالے اور سال بھر تک ان کے ماتم میں مصروف رہے۔

امام غزالی کا نیشاپور سے نکلنا

امام غزالی نے جیسا کہ ابن خلکان نے لکھا ہے امام الحرمین کی زندگی ہی میں شہرت عام حاصل کر لی تھی اور صاحب تصنیف ہو گئے تھے یہاں تک کہ امام الحرمین ان پر ناز کرتے تھے تاہم جب تک امام الحرمین زندہ رہے ان کی صحبت سے الگ نہ ہوئے ان کے انتقال کے بعد نیشاپور سے نکلے اور اس شان سے نکلے کہ تمام ممالک اسلامیہ میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا۔ اس وقت ان کی عمر ۲۸ برس کی تھی

ملکی حالت

امام غزالی کے آئندہ واقعات چونکہ سلطنت کے واقعات سے وابستہ ہیں اس لئے مختصر طور پر اس وقت کی ملکی حالت کا لکھنا ضرور ہے۔

سلطنت عباسیہ کے کمزور ہونے پر ملک میں ہر طرف خودمختاری کی ہوا چل گئی۔ متعدد سلطنتیں [illegible]

[1] طبقات الشافعیہ [illegible] ابن خلکان تذکرۂ امام الحرمین

ان سے بھی بڑھ کر ناکام رہے تاہم آگے بڑھے اور دیکھتے دیکھتے تمام دنیا پر چھا گئے چنانچہ اس وقت سے دنیائے اسلام کا بڑا حصہ انہی کے قبضہ اقتدار میں رہا اور آج بھی یہ سلطان حال ترک ہیں خدیو مصر ترک ہیں، کابل و ایران ترک ہیں۔ امام صاحب کے زمانے میں انہی ترکوں کا ایک سلجوقی خاندان فرمانروا تھا۔ اس خاندان کا سب سے پہلا تاجدار طغرل بیگ تھا جس نے ۴۲۹ھ میں اول اول طوس پر قبضہ کیا اور رفتہ رفتہ ۴۴۷ھ میں عراق پر قابض ہو گیا۔ طغرل بیگ نے ۴۵۵ھ میں انتقال کیا۔ اس کے بعد اس کا بھتیجا الپ ارسلان، اور الپ ارسلان کے بعد اس کا بیٹا ملک شاہ تخت نشین ہوا جس کے زمانے میں ان ترکوں کی حکومت انتہائے شباب پر پہونچ گئی۔ اس کی نسبت ابن خلکان کے یہ الفاظ ہیں کہ ملک شاہ کی سلطنت نے وہ وسعت حاصل کی کہ کوئی سلطنت اس حد تک نہیں پہونچی، اس کی سلطنت طول میں کاشغر سے لیکر جو ترکستان کا سب سے اخیر شہر ہے اور جس کی سرحد چین سے ملتی ہے، بیت المقدس تک، اور عرض میں قسطنطنیہ سے لیکر بحر خزر تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے تمام ملک میں سرائیں اور پل تیار کرائے، اور ہر قسم کے ٹیکس موقوف کر دیئے۔ اس کے زمانے میں امن و امان کی یہ حالت تھی کہ ترکستان سے لیکر شام کے اخیر حدود تک قافلے بغیر کسی حفاظت اور بدرقہ کے سفر کرتے تھے اور ایک آدمی تنہا ہزاروں کوس جدھر چاہتا تھا چلا جاتا تھا۔ لیکن اس کی حکومت کی عظمت و شان جو کچھ تھی اس کے وزیر نظام الملک کی بدولت تھی، اور چونکہ امام غزالی کے حالات کو اس کے ساتھ ایک خاص تعلق ہے اس لیے ہم اس کے حالات کو ذرا تفصیل سے لکھتے ہیں۔

سلجوقیہ

ملک شاہ کی وسعت سلطنت و ملک کا امن و امان

نظام الملک

نظام الملک کا نام حسن بن علی ہے وہ امام غزالی کے ہم وطن یعنی طوس کے ایک گاؤں راذکان کا رہنے والا تھا اس کے باپ دادا دہقان تھے اس نے حدیث اور فقہ کی تحصیل کی اور فراغ کے بعد دنیوی اشغال میں مصروف ہوا یہاں تک کہ حاکم بلخ کا میر منشی مقرر ہوا اور رفتہ رفتہ اس قدر ترقی کی کہ الپ ارسلان کا وزیر ہو گیا۔ الپ ارسلان نے ۴۶۵ھ میں وفات پائی اس کے مرنے کے بعد الپ ارسلان کے بیٹوں نے سلطنت کے لیے معرکہ آرائی کے سامان کیے لیکن نظام الملک کی حسن تدبیر سے ملک شاہ کو تاج و تخت نصیب ہوا اور وہی سب بھائیوں میں ترجیح کا مستحق بھی تھا۔ ملک شاہ نے تخت نشین ہو کر سلطنت کے تمام کاروبار نظام الملک کے ہاتھ میں دے دیئے۔ ملک شاہ نے ۴۸۵ھ میں وفات پائی۔ نظام الملک نے ایک طرف تو سلطنت کو وہ رونق دی اور وسعت کہ خلفا کے بعد کبھی نہیں ہوئی تھی۔ امن و امان، نظم و نسق کی بدولت تمام ملک ایک گھر بن گیا، علاوہ اس کے جب بادشاہی لشکر نہر جیحون سے اترا تو کشتیوں کے کرایہ کا پروانہ انطاکیہ کے عامل کے نام لکھا گیا۔ دوسری طرف تعلیم و تدریس کو وہ ترقی دی کہ تمام ممالک اسلامیہ میں چپہ چپہ پر مکاتب اور مدارس قائم کر دیئے۔ محققین نے لکھا ہے کہ کوئی شہر ایسا نہ تھا جہاں اس نے کوئی مدرسہ موجود نہ کیا ہو یہاں تک کہ جزیرہ ابن عمر میں بھی جو بالکل ایک گوشہ میں واقع ہے اور کسی کا وہاں گذر نہیں ہوتا ایک بڑا مدرسہ موجود ہے۔ علامہ قزوینی نے آثار البلاد میں تصریح کی ہے کہ ان مدارس کا سالانہ خرچ ۶ لاکھ اشرفیاں تھیں۔ اس کے سوا اپنی کل جاگیرات کا دسواں حصہ تعلیم کے مصارف پر وقف کر دیا تھا۔ سلطنت سلجوقیہ کی اشرفیاں ہماری نظر سے گذری ہیں کم سے کم ۵ روپیہ کے برابر ہوتی ہیں۔ پس نظام الملک

نظام الملک کا ممالک میں مدارس قائم کرنا

جنکے خاص طلبہ کو چھوڑ کر ایک کروڑ پچاس لاکھ سالانہ کی رقم شاہی خزانے سے تعلیمات کے لئے مقرر تھی اور اس زمانے کے لحاظ سے یہ رقم ایسی بے نظیر رقم ہے جسکی نظیر دوسری قوم کی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔

نظام الملک خود صاحب علم و فضل اور اہل فضل و کمال کا بہت بڑا قدردان تھا، ابو علی فارمدی جب اس کے دربار میں آتے تھے تو ہمیشہ انکے لئے مسند خالی کردیا کرتا تھا[1] امام الحرمین اور ابو اسحٰق شیرازی کا نہایت ادب کرتا تھا اور جب وہ دربار میں آتے تھے تو سروقد کھڑا ہوجاتا تھا اس قدردانی اور پایہ شناسی نے اسکے دربار کو اہل کمال کا مرکز بنادیا تھا سیکڑوں علما و فضلا ہمیشہ اسکے دربار میں حاضر رہتے تھے اور وہ انکے علمی مناظرات میں شریک ہوکر خود بھی دخل دیتا تھا اور مستفید ہوتا تھا

امام غزالی کا مزاج ابتدا میں جاہ[2] پسند تھا۔ امام الحرمین کی صحبت میں انہوں نے علما کی قدر و منزلت کا جو سماں دیکھا تھا اسنے انکی طبیعت میں اس شوق کو اور زیادہ بڑھا دیا تھا انکے سامنے یہ واقعہ گذر چکا تھا کہ جب علامہ ابو اسحٰق شیرازی، عباسیوں کی طرف سے سفیر ہوکر بغداد سے نیشاپور کو چلے تو جس جس شہر میں انکا گذر ہوتا تھا شہر کا شہر مشایعت کو نکلتا تھا اور تمام دوکاندار اپنی اپنی دوکانوں کا اسباب و سامان انکے قدموں پر نثار کرتے جاتے تھے یہانتک کہ صراف روپے اور اشرفیاں لٹاتے جاتے تھے۔ نیشاپور پہونچے تو خود امام الحرمین انکا غاشیہ اپنے کاندھے پر رکھکر انکی رکاب میں[3] چلے غرض جاہ و منصب کی امید میں امام غزالی نے درسگاہ سے نکل کر نظام الملک دربار کا رخ کیا چونکہ انکی علمی شہرت دور دور پہنچ چکی تھی نظام الملک نے نہایت تعظیم و تکریم سے انکا استقبال کیا، اسوقت فضیلت اور کمال کے اظہار کا جو طریقہ تھا اصلی مناظرات تھے رؤسا و امرا کے دربار میں علما و فضلا کا مجمع ہوتا تھا اور مسائل علمی پر مناظرانہ گفتگوئیں ہوتی تھیں جو شخص زور تقریر سے حریفوں کو بند کردیتا تھا وہی سب سے ممتاز سمجھا جاتا تھا، اس طریقہ کو اسقدر وسعت ہوئی کہ بڑے بڑے شہروں میں بطور خود مناظرہ کی مجلسیں قائم ہوگئی تھیں، اور لوگ اپنے شوق سے ان جلسوں میں شریک ہوتے تھے یہانتک کہ رفتہ رفتہ مناظرہ خود ایک فن بنگیا اور آج اس فن پر سیکڑوں کتابیں موجود ہیں۔

امام غزالی، نظام الملک کے دربار میں پہونچے تو سیکڑوں اہل کمال کا مجمع تھا۔ نظام الملک نے مناظرہ کی مجلسیں منعقد کیں، متعدد جلسے ہوئے اور مختلف علمی مضامین پر بحثیں رہیں، ہر معرکہ میں امام صاحب ہی غالب رہے۔ اس کامیابی نے امام صاحب کی شہرت کو چمکا دیا اور تمام اطراف و دیار میں اسکے چرچے پھیل گئے۔ نظام الملک نے انکو نظامیہ کے مسند درس کے لئے انتخاب کیا۔ امام صاحب کی عمر اسوقت ۳۴ برس سے زیادہ نہ تھی، اس عمر میں نظامیہ کی افسری کا حاصل کرنا ایک ایسا فخر تھا جو امام صاحب کے سوا کسی کو کبھی حاصل نہیں ہوا۔

نظامیہ، کے مقام کی تاریخ اور اسکے حالات میں نے اپنے مجموعہ رسائل میں جو چھپکر شائع ہوچکا ہے تفصیل سے لکھے ہیں اس

---

۱ ابن الاثیر ذکر وفات ابو علی فارمدی ۲ طبقات الشافعیہ [illegible] ۳ ابن الاثیر ذکر سفارت ابو اسحاق شیرازی [illegible] ابن خلکان تذکرہ امام غزالی [illegible] ۱۲

ہوچکا تھا کہ انکی مدرسی کا منصب ایسا عظیم الشان رتبہ تھا کہ بڑے بڑے اہل کمال نے اس کی تمنا میں عمریں صرف کر دیں اور حسرت دل کی دل ہی میں لے گئے۔ امام ابو منصور محمد بروی جو مدرسہ نظامیہ کے مدرس مقرر تھے نظامیہ میں وعظ کہا کرتے تھے، ایک دفعہ وعظ میں نظامیہ کی مسند درس کی طرف اشارہ کرتے تھے اور یہ اشعار پڑھتے تھے ؎

یکیت یا دست حتی کدت ابکیکا — وجل حسنک ... فی مغانیکا

نعم جاعاً لقد بحت لی شجنا — وارود تحیتنا ... کا

ابن خلکان نے اس واقعہ کو نقل کرکے لکھا ہے کہ امام موصوف اس رتبہ کے اہل بھی تھے اور انسے وعدہ بھی کیا گیا تھا لیکن موت نے جلدی کی اور انکی یہ آرزو پوری نہ ہوسکی۔

فخر الاسلام شاشی (محمد بن احمد) جو بہت بڑے پایہ کے فاضل تھے، جب ۵۰۴ھ میں نظامیہ کے مدرس مقرر ہوئے اور مسند درس پر جاکر بیٹھے تو بے اختیار انپر رقت طاری ہوئی بار بار یہ شعر پڑھتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے ؎

خلت الدیار فسدت غیر مسود — ومن الشقاء تفردی بالسودد

ملک خالی ہوگیا تو میں ہی سردار بنا — اور میرا سردار بننا درحقیقت ملک کی بدقسمتی ہے

غرض امام صاحب جمادی الاولی ۴۸۴ھ میں بڑی عظمت و شان و جاہ و حشم کے ساتھ بغداد میں داخل ہوئے اور نظامیہ کی مسند درس کو زینت دی۔ تھوڑے ہی دنوں میں انکے علم و فضل کا یہ اثر ہوا کہ ارکان سلطنت کے ہمسر بن گئے بلکہ جیسا کہ سبکی نے طبقات میں لکھا ہے انکے جاہ و جلال نے وزراء اور امراء کو بھی دبا لیا۔ یہانتک کہ سلطنت کے اہم و عظیم الشان معاملات انکی شرکت کے بغیر انجام نہیں پاسکتے تھے۔ اس زمانے میں اسلام کے جاہ و جلال کے دو مرکز تھے خاندان سلجوقی، اور آل عباس، امام صاحب دونوں درباروں میں نہایت محترم تھے۔ چنانچہ ایک خط میں خود اس بات کا ذکر کیا ہے انکے الفاظ یہ ہیں: بیست سال در ایام سلطان شہید یعنی ملک شاہ سلجوقی روزگار گذاشت و از وی باصفہان و بغداد اقبالہا دید و چند بار میان سلطان و امیر المومنین رسول بود در کارہائے بزرگ۔

ملک شاہ سلجوقی نے ۴۸۵ھ میں جب وفات پائی تو شاہ محل ترکان خاتون نے امراء اور اہل دربار کو اس بات پر راضی کیا کہ اس کا چار سالہ بیٹا محمود تاج و تخت کا مالک ہو۔ اس کے ساتھ خلیفہ مقتدی باللہ سے جو اس وقت تک اسکے تخت خلافت پر متمکن تھا درخواست کی کہ خطبہ بھی اسی کے نام کا پڑھا جائے۔ خلیفہ نے اپنی کمزوری کے لحاظ سے یہ قبول کیا کہ سلطنت کے تمام کاروبار ترکان خاتون ہی کے زیر حکومت انجام پائیں لیکن خطبہ عباسی ہی خاندان میں قائم رہے۔ ترکان خاتون کو خطبہ کے مسئلہ پر اصرار تھا اور وہ کسی طرح اسکے خلاف راضی نہیں ہوتی تھی۔ جب یہ مشکل کسی طرح حل نہ ہوسکی تو امام غزالی سفیر بنا کر بھیجے گئے اور انکے حسن تقریر و القدس کے اثر سے خاتون راضی ہوگئی اور یہ جھگڑا فرو ہوگیا۔

۴۸۷ھ میں جب خلیفہ مقتدی باللہ نے وفات پائی اور خلیفہ مستظہر باللہ مسند خلافت کے لئے پیش کیا گیا تو اس کی

ابن خلکان تذکرہ فخر الاسلام شاشی ... طبقات امام غزالی ... [illegible]

جس میں سے ایک بڑی جماعت کے ساتھ امام غزالی بھی شریک تھے مستظہر نہایت علم دوست اور قدر دان تھا اس نے امام صاحب سے خاص قسم کا ربط رکھتا تھا فرقہ باطنیہ نے جب بہت زور پکڑا تو خلیفہ مذکور نے امام صاحب کو حکم بھیجا کہ ان کی رد میں کتاب لکھیں چنانچہ امام صاحب نے خلیفہ ہی کے نام سے اس کتاب کو منسوب کیا اور مستظہری نام رکھا چنانچہ خود امام صاحب نے المنقذ من الضلال میں اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔

خلیفہ مستظہر باللہ کے نام سے ایک کتاب کی تصنیف

یہ تو حکومت و خلافت کے تعلقات کی حالت تھی علمی پایہ تھا کہ انکے درس میں تین تین سو مدرسین اور سو امراء اور رؤسا حاضر ہوتے تھے، درس کے علاوہ وعظ بھی فرمایا کرتے تھے اور چونکہ وعظ میں ہمیشہ علمی مطالب بیان کرتے تھے یہ وعظ بھی درحقیقت علمی لکچر ہوتے تھے چنانچہ ان وعظوں کو شیخ حامد بن الغارسی المعروف بابن اللبان قلمبند کرتے جاتے تھے اسطرح ایک سو تراسی وعظ قلمبند کئے گئے جنکا مجموعہ دو ضخیم جلدوں میں تیار ہوا امام صاحب نے اس مجموعہ پر نظر ثانی کی اور اسکے مجالس الغزالیہ نام رکھا۔

امام صاحب کے وعظوں کا مجموعہ

تعلقات کا ترک اور عزلت و سیاحت

ترک تعلقات

امام صاحب کے ترک تعلقات کا واقعہ دنیا کے عجیب و غریب واقعات کی فہرست میں درج کیا جا سکتا ہے دنیاوی تعلقات اور دولت سے بزرگوں نے بھی ترک کئے ہیں لیکن امام صاحب کی بے تعلقی کے اسباب بالکل نئی قسم کے تھے، امام صاحب نے منقذ من الضلال میں خود اس واقعہ کو نہایت تفصیل سے لکھا ہے ہم اسکو مزید تفصیل کیساتھ جو اور تاریخی کتابوں سے حاصل کی گئی ہے اس موقع پر نقل کرتے ہیں۔ امام صاحب نے جس قسم کی تعلیم و تربیت پائی تھی اسکا مقتضا یہ تھا کہ وہ اپنے اہل مذہب کے طریقہ کے سوا، کسی طرف التفات نکرتے چنانچہ انکے تمام ہمعصروں کی یہی حالت رہی۔ لیکن امام صاحب ابتدا ہی سے ایک خاص قسم کی طبیعت رکھتے تھے اتفاق یہ تھا کہ انکے سامنے جسقدر مذہبی فرقے موجود تھے اور انکے عقائد و خیالات تھے سب پر وہ غور کی نگاہ ڈالتے تھے نیشاپور وغیرہ میں سلجوقیہ کے اثر کی بدولت دوسرے مذاہب کا بہت کم چرچا تھا۔ لیکن بغداد دنیا بھر کے عقائد اور خیالات کا دنگل تھا۔ اس زمین پر قدم رکھکر ہر شخص پورا آزاد ہو جاتا تھا اور جو کچھ چاہتا تھا کہہ سکتا تھا۔ شیعی۔ سنی معتزلی۔ زندیق۔ ملحد۔ مجوسی۔ عیسائی۔ یہودی سب کے دنگل میں باہم علمی لڑائیاں رہتے تھے۔ اور کوئی شخص کسی سے معترض نہیں ہو سکتا تھا۔ اس آزادی کی بدولت یہاں ہر قسم کے مختلف عقائد و خیالات پھیلے ہوئے تھے امام غزالی بغداد پہنچے تو ایک ایک فرقہ و اہل مذہب سے ملے اور انکے خیالات وہ خود لکھتے ہیں کہ میں ایک ایک باطنی۔ ظاہری۔ فلسفی۔ متکلم۔ زندیق سے ملتا اور انکے خیالات دریافت کرتا تھا۔ ان مختلف فرقوں کیساتھ ملنے جلنے سے امام صاحب پر جو اثر ہوا اس نے انکی زندگی کا قالب بالکل بدل دیا اسکو ہم امام صاحب ہی کے الفاظ میں نہایت اختصار کیساتھ لکھتے ہیں۔

اختلاف فرق و مذاہب سے امام صاحب کے خیالات کا انقلاب

چونکہ میری طبیعت ابتدا سے تحقیقات کی طرف مائل تھی اس لئے رفتہ رفتہ یہ اثر ہوا کہ تقلید کی بندش ٹوٹ گئی اور جو عقائد بچپن سے سنتے سنتے ذہن میں جم گئے تھے انکی وقعت جاتی رہی میں نے خیال کیا کہ اس قسم کے تقلیدی عقائد تو عیسائی یہودی

امام صاحب کے خیالات کا بدل جانا

¹ امام صاحب نے خود منقذ من الضلال کے صفحہ ۲ میں تین سو کی تعداد بیان کی ہے لیکن اکثر طالب علموں کے تلمذ سے تعبیر کیا ہے علامہ سبکی نے لکھا ہے کہ یہ تعداد علما کے بجائے درس کی ہے وہ فرماتے ہیں روایتیں یہ تعبیر یہ ہے کہ امام غزالی سے جو طلبا تعلیم پاتے تھے وہ قریباً فارغ التحصیل ہوتے تھے اسی لئے اکثر علماء میں سے جو چاہتا ہے وہ مطلب سمجھ لیتا ہے لیکن اور ڈکشنری کی تعداد کا ذکر صرف علامہ مرتضیٰ نے کیا ہے ۱۲

نہیں ہوتے ہیں۔ تعجب اس امر سے ہوتا ہے کہ کسی امر کے شبہ کا احتمال تک نہ رہا۔ اور یقینی ہے کہ دس کا عدد تین
سے زیادہ ہے۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ نہیں تین زیادہ ہے اور اس کے ثبوت میں وہ شخص یہ کہے کہ لکڑی کو میں سانپ بنا
دکھا سکتا ہوں اور وہ بنا کر دکھا بھی دے، تو میں کہوں گا کہ بے شبہ عصا کا سانپ بنانا سخت حیرت انگیز ہے لیکن
اس سے اس یقین میں خلل نہیں آ سکتا کہ دس تین سے زیادہ ہے۔

اب میں نے غور کرنا شروع کیا کہ اس قسم کا یقینی علم کس چیز سے حاصل ہو سکتا ہے۔ بجز علوم بدیہہ کے، اور بدیہیات لیکن جب
غور کیا تو محسوسات اور بدیہیات میں بھی شک ہونے لگا۔ یہاں تک کہ کسی امر کی نسبت یقین نہیں رہا۔ تقریباً دو مہینے تک یہی
حالت رہی پھر خدا کے فضل سے یہ حالت جاتی رہی لیکن مختلف مذاہب کی نسبت
تحقیقات باقی رہی۔ متلاشیوں کے چار فرقے تھے: متکلمین، باطنیہ، فلاسفہ، صوفیہ۔ میں نے ایک ایک فرقہ کے علوم و عقائد کی
تحقیقات شروع کی۔ علم کلام کے متعلق جس قدر تصانیف تھیں سب پڑھیں لیکن وہ میری تسلی کیلئے کافی نہ تھیں
کیونکہ ان میں جن مقدمات سے استدلال ہوتا ہے ان کی بنا یا تقلید ہے یا اجماع یا قرآن و حدیث کی نصوص، یہ چیزیں اس
شخص کے مقابلہ میں بطور حجت کے پیش نہیں کی جا سکتیں جو بدیہیات کے سوا اور کسی چیز کا قائل نہ ہو۔

فلسفہ فلسفہ کا بڑا حصہ یقینی ہے یعنی ریاضیات وغیرہ اس کو مذہب سے تعلق نہیں اور جو حصہ مذہب سے تعلق رکھتا ہے یعنی الٰہیات وہ خود یقینی نہیں

باطنیہ فرقۂ باطنیہ کے عقائد کا تمام تر مدار امام وقت کی تعلیم پر ہے لیکن امام وقت کی حقیقت کی نسبت کیونکر یقین کیا جا سکتا ہے۔ اب صرف تصوف باقی رہ گیا

تصوف سب سے اخیر میں نے تصوف کی طرف توجہ کی۔ اس فن میں ... بایزید بسطامی کے جو ملفوظات ہیں ان کو دیکھا۔ ابو طالب
مکی کی قوت القلوب اور حارث محاسبی کی تصنیفات پڑھیں لیکن چونکہ یہ فن حال کا فن ہے اس لئے صرف علم سے کچھ نتیجہ نہیں
حاصل ہو سکتا تھا اور عمل کیلئے ضرور تھا کہ زہد و ریاضت اختیار کی جائے۔ اور اپنے اشغال کو دیکھا تو کوئی خلوص پر مبنی نہ تھا درس
و تدریس کی طرف طبیعت کا میلان اس لئے تھا کہ وہ جاہ پرستی اور شہرت عامہ کا ذریعہ تھی۔ ان واقعات سے دل میں تحریک پیدا ہوئی
کہ بغداد سے نکل کھڑا ہوں اور تمام تعلقات کو چھوڑ دوں۔ یہ خیال رجب ۴۸۸ھ میں پیدا ہوا لیکن چھ مہینے
میں گزرے نفس کسی طرح گوارا نہیں کرتا تھا کہ ایسی بڑی عظمت و جاہ سے دست بردار ہو جائے ان ترددات میں نوبت یہاں تک
پہنچی کہ زبان رک چلی درس دینا بند ہو گیا رفتہ رفتہ ہاضمہ کی قوت جاتی رہی۔ اطبا نے علاج سے ہاتھ اٹھا لیا اور کہہ دیا کہ ایسی
حالت میں علاج کچھ سودمند نہیں ہو سکتا۔ بالآخر میں نے سفر کا قطعی ارادہ کر لیا۔ علما اور ارکان سلطنت کو جب یہ خبر ہوئی تو
سب نے نہایت الحاح کے ساتھ روکا اور حسرت سے کہا کہ یہ اسلام کی بدقسمتی ہو گی۔ ایسی نفع رسانی سے آپ کا دست بردار ہو جانا شرعاً
کیونکر جائز ہو سکتا ہے تمام علما رفقہ ہو گئے تھے لیکن میں اصل حقیقت کو سمجھتا تھا اس لئے آخر سب چھوڑ چھاڑ دفعۃً کھڑا
ہوا اور شام کی راہ لی۔ سچ ہے۔ شعر

پیچ کا نے گرچہ مارا بسیار تا مل خوب نیست
بے تامل تہمت نشاندن از دو نما خوش است

ابن خلکان کی روایت کے موافق ذو قعدہ ۴۸۸ھ میں بغداد سے نکلے۔

امام صاحب بغداد سے کس حالت میں نکلے

امام صاحب جس حالت میں بغداد سے نکلے عجیب زہد اور وارفتگی کی حالت تھی بڑے تکلف و قیمتی لباس پہنے تھے بدن پر کمل تھا اور بجائے غذا کے بدلے ساگ پات پر گذران تھی۔

بعض روایتوں میں ہے کہ امام صاحب مدت سے ترک دنیا کا ارادہ کر رہے تھے لیکن تعلقات کی بندشیں چھوٹ نہیں سکتی تھیں۔ ایک دن وعظ کہہ رہے تھے اتفاق سے انکے چھوٹے بھائی امام احمد غزالی جو صوفی اور صاحب حال تھے آنکلے اور یہ شعار پڑھے

وابحت تهدي ولا تهتدي — وتسمع وعظا ولا تسمع

تم دوسروں کو ہدایت کرتے ہو لیکن خود ہدایت نہیں پکڑتے — اور وعظ سناتے ہو لیکن خود نہیں سنتے

فيا حجر الشحذ حتى متى — تسن الحديد ولا تقطع

اے سنگ فسان! کب تک — تو لوہے کو تیز کرتا رہے گا لیکن خود نہ کاٹے گا

غرض بغداد سے نکلکر شام کا رخ کیا۔ اور دمشق پہونچکر مجاہدہ و ریاضت میں مشغول ہوئے روزانہ یہ شغل تھا کہ جامع اموی کے غربی منارہ پر چڑھکر دروازہ بند کر لیتے اور تمام تمام دن مراقبہ اور ذکر و شغل کیا کرتے متصل دو برس تک دمشق میں قیام رہا اگرچہ زیادہ اوقات مجاہدہ و مراقبہ میں گذرتی تاہم علمی اشغال بھی ترک نہیں ہوئے جامع اموی جو دمشق کی گویا یونیورسٹی تھی اس میں غربی جانب جو زاویہ تھا وہاں بیٹھکر ہمیشہ درس دیا کرتے تھے۔

امام صاحب کے پیر طریقت

امام صاحب نے تصریح کی ہے کہ خلوت اور ریاضت کا طریقہ میں نے تصوف کی کتابوں سے سیکھا تھا لیکن چونکہ یہ علم کتابوں سے نہیں آتا۔ اس لئے ضرور کسی شیخ کے ہاتھ پر بیعت کی ہوگی تمام مورخین بالاتفاق لکھتے ہیں کہ امام صاحب کو شیخ ابو علی فارمدی الفضل بن محمد بن علی سے بیعت تھی۔ شیخ موصوف بہت عالی رتبہ صوفی تھے نظام الملک انکا اس قدر احترام کرتا تھا کہ جب وہ دربار میں تشریف لیجاتے تو تعظیم کے واسطے کھڑا ہو جاتا اور انکو اپنی مسند پر بٹھا کر خود مؤدب سامنے بیٹھتا حالانکہ امام الحرمین اور ابو القاسم قشیری کیلئے صرف قیام پر اکتفا کرتا اور اپنی جگہ سے الگ نہ ہوتا لوگوں نے اسکی وجہ پوچھی تو کہا کہ امام الحرمین وغیرہ

شیخ ابو علی کا انکسار

آتے ہیں تو میرے منہ پر میری تعریفیں کرتے ہیں جس سے میرا نفس اور زیادہ نخوت پرست بنجاتا ہے بخلاف اسکے شیخ ابو علی فارمدی میرے عیوب مجکو مطلع کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ دنیا پر میرے ہاتھ سے کیا ظلم ہو رہا ہے چونکہ شیخ موصوف نے ۴۷۷ھ میں بمقام طوس وفات پائی ہے۔ ضرور ہے کہ امام غزالی نے طالب العلمی ہی کے زمانہ میں جبکہ انکی عمر ۲۰ برس سے زیادہ نہ تھی پیری کی بیعت حاصل کی۔

دو برس کے بعد دمشق سے بیت المقدس کا رخ کیا علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ جب امام صاحب دمشق میں تھے تو ایکدن مدرسہ امینیہ میں تشریف لے گئے۔ مدرس نے جو امام صاحب کو پہچانتا نہ تھا سلسلہ تقریر میں کہا کہ غزالی نے یہ لکھا ہے۔ امام صاحب اس خیال سے کہ یہ امر عجب اور غرور کا سبب ہوگا اسی وقت دمشق سے نکل کھڑے

بیت المقدس

ہوئے۔ بہرحال دمشق سے نکل کر بیت المقدس پہونچے۔ یہاں بھی یہ شغل رہا کہ صخرہ کے حجرے میں داخل ہوکر

لہ منقذ من الضلال صفحہ ۲۰۔ لہ ابن خلکان ۔ لہ ابن الاثیر وفات نظام الملک کے حالات میں

بیت المقدس کی زیارت سے فارغ ہو کر مقام خلیل گئے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر ہے ۴۹۹ھ میں حج کی نیت سے مکہ اور مدینہ منورہ کا قصد کیا۔ مکہ میں مدت تک قیام رہا۔ اسی سفر میں مصر و اسکندریہ بھی پہونچے اور اسکندریہ میں مدت تک قیام رہا۔ ابن خلکان کا بیان ہے کہ یہاں سے یوسف بن تاشفین کے ملنے کیلئے مراکش جانا چاہتے تھے لیکن اسی اثنا میں یوسف کا انتقال ہو گیا۔ اور اس ارادے سے باز آنا پڑا۔

بعض لوگوں نے اس روایت کی صحت میں اس لحاظ سے شک کیا ہے کہ امام صاحب جب ترک دنیا ہو چکے تھے تو کسی امیر اور بادشاہ سے کیوں ملنے جاتے لیکن یہ اعتراض صحیح نہیں حقیقت یہ ہے کہ امام صاحب جس امن و اطمینان سے تعلقی سے زندگی بسر کرنا چاہتے تھے وہ ان ممالک میں نصیب نہیں ہو سکتی تھی اس لئے مراکش کا قصد کیا ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ غرض دس برس تک مسلسل مقامات متبرکہ میں پھرتے رہے اکثر ویرانوں میں نکل جاتے اور جنگل کھینچتے تھے اس عجیب سفر کے دلچسپ واقعات بہت کم معلوم ہو سکے جستہ جستہ کچھ پتہ چلتا ہے وہ ذیل میں درج ہے۔

ایک شخص نے انکو بیابان میں دیکھا اس وقت ایک خرقہ بدن پر تھا اور ہاتھ میں پانی کی چھاگل تھی وہ انکو چار سو شاگردوں کے حلقہ میں دیکھ چکا تھا حیرت زدہ ہو کر پوچھا کہ درس دینے سے یہ حالت بہتر ہے امام صاحب نے حقارت کی نظر اس کی طرف دیکھا اور یہ اشعار پڑھے۔

ترکت ھوی لیلی و سعدی بمنزل	وعدت الی مصحوب اول منزل
فنادت بی الاشواق مھلا فھذہ	منازل من تھوی رویدک فانزل

۴۹۹ھ میں جب مقام خلیل میں پہونچے تو حضرت ابراہیم کے مزار مبارک پر حاضر ہو کر تین باتوں کا عہد کیا۔ (۱) کسی بادشاہ کے دربار میں نہ جاؤنگا (۲) کسی بادشاہ کا عطیہ نہ لونگا (۳) کسی سے مناظرہ و مباحثہ نہ کرونگا چنانچہ مرتے دم تک ان باتوں کے پابند رہے۔

بیت المقدس میں ایک دن مہد عیسیٰ میں یعنی جہاں حضرت عیسیٰ کا گہوارہ تھا حاضر ہوئے چند مقدس بزرگ یعنی اسمٰعیل حاکمی، ابراہیم شبامی، ابو الحسن بصری وغیرہ بھی ساتھ تھے۔ دیر تک صحبت رہی امام صاحب نے ذوق کی حالت میں یہ شعر پڑھے

فدیتک لو لا الحب کنت فدیتنی	ولکن بسحر المقلتین سبیتنی
اتیتک لما ضاق صدری من الھوی	ولو کنت تدری کیف شوقی اتیتنی

ابو الحسن بصری پر وجد کی حالت طاری ہوئی جس سے تمام حاضرین پر اثر ہوا یہاں تک کہ اکثر وجد کرتے کرتے جان ہلاک کر ڈالے۔ ابن الاثیر نے لکھا کہ امام صاحب نے احیاء العلوم اسی سفر میں تصنیف کی اور دمشق میں کتاب مذکور کا درس دیتے تھے۔

۱ سفرنامہ امام صاحب کے سفر کے حالات طبقات الشافعیہ میں بیان کیے گئے ہیں [illegible] امام صاحب کی [illegible] بیت المقدس [illegible] شرح احیاء العلوم [illegible] شرح احیاء العلوم [illegible] ۱۰۔

خود انہی سے پڑھتا بعض نامور مورخوں نے اس واقعہ کی صحت سے اس بنا پر انکار کیا ہے کہ اس قسم کے سفر میں اس طرز کی کتاب کیونکر تصنیف کی جا سکتی ہے جیسا کہ امام صاحب جس جذبۂ بیخودی کی حالت میں سفر کیلئے اٹھے اسکے لحاظ سے تصنیف و تالیف کا سلسلہ قیاس میں نہیں آسکتا لیکن زیادہ تحقیق اور کاوش سے معلوم ہوتا ہے کہ دس برس کی مدت سفر میں انکی حالت یکساں نہیں رہی مدتوں اگرچہ جذب و محویت طاری رہی تو برسوں وہ سلوک کے عالم میں بھی رہے اور اس زمانے میں وہ ہر قسم کے علمی اشغال میں مصروف رہتے تھے۔ رسالہ قواعد العقائد جو مسلم عقائد میں ہے انہوں نے اسی سفر میں بیت المقدس والوں کی فرمائش سے لکھا۔ ابو الحسن علی بن مسلم جو امام صاحب کے شاگردوں میں بہت بڑے فاضل گذرے ہیں اور جنکو قوم کی زبان سے جمال الاسلام کا لقب ملا انہوں نے سفر ہی کے زمانے میں بمقام دمشق امام صاحب سے علوم کی تحصیل کی تھی۔ امام صاحب نے خود منقذ من الضلال میں لکھا ہے کہ حج کرنیکے بعد اہل و عیال کی کشش نے وطن پہونچایا حالانکہ میں وطن کے نام سے کوسوں بھاگتا تھا۔ وطن پہونچکر میں نے عزلت و خلوت اختیار کی لیکن زمانے کی ضرورتیں اور معاش کی تلاش میری صفائی قلب کو مکدر کر دیتی تھیں اور دلجمعی و اطمینان کا وقت بہت کم ہاتھ آتا تھا غرض اس تعلق کے زمانے میں بھی انکا حال یہی تھا کہ

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم ❊ گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

تم اوپر پڑھ آئے ہو کہ امام صاحب کو جس چیز نے بیابان نوردی پر آمادہ کیا تھا وہ تحقیق حق اور انکشاف حقیقت کا شوق تھا امام صاحب کے بیان پر کہ مجاہدات اور ریاضیات نے قلب میں ایسی صفائی پیدا کر دی کہ تمام حجاب اٹھ گئے، اور جس قدر شک و شبہے تھے آپ سے آپ جاتے رہے۔ انکشاف حق کے بعد امام صاحب نے دیکھا کہ زمانہ کا زمانہ مذہب کی طرف سے متزلزل ہو رہا ہے اور فلسفہ اور عقلیات کے مقابلے میں مذہبی عقائد کی ہوا اکھڑتی جاتی ہے یہ دیکھکر ارادہ کیا کہ عزلت کے دائرے سے نکلیں حسن اتفاق یہ کہ اسی زمانے میں سلطان وقت کا حکم پہنچا کہ وہ درس و افادہ کی خدمت قبول کیجئے، یہ حکم اسقدر تاکیدی تھا کہ امام صاحب انکار کرتے تو ناراضی تک نوبت پہنچتی۔ امام صاحب خود بھی مائل تھے اور اس نے صوفی احباب سے مشورہ کیا سب نے عزلت کے چھوڑنے کی رائے دی، بہت سے مقدس لوگوں کو خواب میں القا ہوا کہ یہی امر خدا کی خوشنودی کا باعث ہے سب سے بڑھکر یہ خیال پیدا ہوا کہ حدیث وارد ہے کہ خدا ہر نئی صدی کے آغاز پر ایک مجدد پیدا کرتا ہے۔ اتفاق سے پانچویں صدی کے آغاز کو ایک ہی مہینہ باقی تھا۔ غرض ذی قعدہ ۴۹۹ھ میں امام صاحب نے نیشاپور کے مدرسۂ نظامیہ میں مسند درس کو زینت دی اور بدستور پڑھنے پڑھانے میں مشغول ہوئے۔[1]

امام صاحب نے سلطان وقت کے لفظ سے جسکو تعبیر کیا ہے وہ فخر الملک تھا جو نظام الملک کا سب سے بڑا بیٹا اور اس زمانہ میں سنجر سلجوقی (پسر ملک شاہ) کا وزیر اعظم تھا وہ نہایت علم دوست اور اہل فن شناس تھا۔ امام غزالی کے قدر مراتب سے نہایت یہ خبر سنکر خود انکی خدمت میں حاضر ہوا اور نہایت اخلاص و عقیدت ظاہر کی، اسکے ساتھ نہایت عاجزی سے عرض کیا کہ نظامیہ نیشاپور کی مدرسی قبول فرمائیے۔[2]

[1] [illegible] منقذ من الضلال صفحہ ۲۔ [2] شرح احیاء العلوم بحوالہ تاریخ عبد الغافر ۱۲

اسی سفر میں تصنیف کی

دوبارہ درس و تدریس

نظامیہ نیشاپور میں تعلیم

فخر الملک محرم سنہ ۵۰۰ھ میں ایک باطنی کے ہاتھ سے شہید ہوا، اور نظام الملک کی وفات کے تھوڑے ہی دن بعد امام صاحب نے صدرِ تدریس سے کنارہ کشی کر کے طوس میں خانہ نشینی اختیار کی۔ گھر کے پاس ہی ایک مدرسہ اور خانقاہ کی بنیاد ڈالی جہاں ہمہ تن دم ظاہری و باطنی دونوں علوم کی تلقین کرتے رہے۔

امام صاحب کی مقبولیتِ عام جس قدر روز بروز ترقی کرتی جاتی تھی، ان کے حاسدوں کا گروہ بھی بڑھتا جاتا تھا، خصوصاً امام صاحب نے احیاء العلوم میں جس طرح تمام علماء و مشائخ کی ریاکاریوں کی قلعی کھولی تھی اس نے ایک زمانہ کو ان کا دشمن بنا دیا تھا۔ نوبت یہاں تک پہونچی کہ ایک گروہ کثیر نے مخالفت پر کمر باندھی اور علانیہ ان کی آبروریزی کی فکر میں ہوئے۔ اس زمانہ میں خراسان کا فرمانروا سنجر بن ملک شاہ سلجوقی تھا، اس خاندان کو امام صاحب کے ساتھ نہایت حسنِ عقیدت تھی، امام ابو حنیفہ کے مزار پر اول اسی خاندان نے گنبد اور روضہ تعمیر کرایا تھا۔

امام صاحب نے آغازِ شباب میں ایک کتاب منخول نام اصولِ فقہ میں تصنیف کی تھی جس میں ایک موقع پر امام ابو حنیفہ صاحب پر نہایت سختی کے ساتھ نکتہ چینی کی تھی، اور نہایت نہایت گستاخانہ الفاظ ان کی شان میں استعمال کئے تھے، امام صاحب کے مخالفین کیلئے یہ ایک عمدہ دستاویز تھی، یہ لوگ سنجر کے دربار میں یہ کتاب لیکر پہنچے اور زیادہ آب رنگ چڑھا کر شکایت کی اسکے ساتھ امام صاحب کی اور تصنیفات کے مطالب بھی الٹ پلٹ کر بیان کئے اور دعویٰ کیا کہ غزالی کے عقائد زندقہ اور الحاد آمیز ہیں۔ سنجر خود صاحبِ علم نہ تھا کہ بدگویوں کی شکایتوں کا خود فیصلہ کر سکتا، جبہ و دستار والوں نے جو کچھ کہا اسکو یقین آ گیا اور امام غزالی کی حاضری کا حکم دیا۔ امام صاحب الحمد کہہ چکے تھے کہ کسی بادشاہ کے دربار میں نہ جائیں گے اور پھر فرمانِ شاہی کا بھی لحاظ تھا، اس...

ملہ شرح احیاء صفحہ ۹ و ابن خلکان تذکرۃ اسپاہ سالار سلطان سنجر امام صاحب پر مخالفین کی یورش اور حکومت کے دربار تک پہونچنے کی بنا ابو حنیفہ کی تحریر ایک مسلم الثبوت واقعہ ہے لیکن واقعہ کے بعض خصوصیات نہایت بحث طلب ہیں۔ (۱) قطعی طور سے معلوم نہیں ہوتا کہ سنجر کا نام لیا ہے جس کے چند وجوہ ہیں۔ اولاً تو شمس الائمہ کردری منخول کی ردمیں جو کتاب لکھی ہے اس میں سنجر کے نام کی تصریح کی ہے دوسرے یہ کہ مکاتبات امام غزالی میں لکھا ہے کہ سلطان معین الملک کو غزالی کے حاضر ہونے کا حکم دیا اور یقینی ہے کہ معین الملک سنجر کا وزیر تھا، علامہ ابن اثیر نے واقعات سنہ ۵۰۳ھ میں تصریح کی ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ مکاتبات غزالی میں یہ بھی لکھا ہے کہ امام صاحب نے اس واقعہ کے بعد ۲ نصیحۃ الملوک نامی ایک کتاب لکھکر بادشاہِ اسلام کو بھیجی صاحب کشف الظنون نے تبر المسبوک نام کے ذیل میں جو نصیحۃ الملوک کا ترجمہ ہے لکھا ہے کہ یہ کتاب امام غزالی نے محمد بن ملک شاہ سلجوقی کیلئے لکھی ہے کے مؤید ہے کہ جیسا کہ محمد بن ملک شاہ سنہ ۵۱۱ھ تک اولاً تاج و تخت کا اصل مالک وہی تھا اور سلطان سنجر نیابتاً حکمرانی کرتا تھا۔ (۲) منخول کی نسبت فیصلہ نہیں ہوتا کہ کس زمانہ کی تصنیف ہے، مکاتبات امام غزالی اور طبقات الشافعیہ تاج الدین سبکی میں لکھا ہے کہ شباب کی تصنیف ہے جب امام الحرمین زندہ تھے لیکن امام غزالی نے خود اپنی کتاب مستصفیٰ فی اصول الفقہ میں لکھا ہے کہ منخول احیاء العلوم کیمیائے سعادت اور جواہر القرآن کی تصنیف ہے۔ منخول اس وقت ہمارے پیش نظر نہیں جو کچھ اسکے خلاف یہ شہادت دیتا ہے کہ وہ ابتدائی زمانہ کی تصنیف ہے خصوصاً امام ابو حنیفہ کی شان میں جو گستاخیاں ہیں وہ ہرگز اس زمانہ کی نہیں ہو سکتیں جب تارک الدنیا صوفی ہو چکے تھے اور اس قسم کی طرزِ تحریر سے قطعی توبہ کر چکے تھے مکاتبات میں یہ بھی لکھا ہے کہ امام صاحب نے انکار کیا کہ میں نے امام ابو حنیفہ کی شان میں کبھی گستاخانہ الفاظ نہیں استعمال کئے۔ پس یا تو یہ تسلیم کرنا چاہیئے کہ یہی وہ عبارت جو امام ابو حنیفہ کی تنقیص میں ہے الحاقی ہے یا یہ قرار دینا چاہیئے کہ جو کتاب امام غزالی سے منسوب ہو کر تصنیف کی تھی، وہ منخول نہیں بلکہ اور کوئی کتاب تھی، اور امام صاحب نے بعد کو اسکو اپنی تصنیفات سے خارج کر دیا تھا۔

مشہد سفارش گئے اور یہاں سے سلطان کو زبان فارسی میں ایک مفصل خط لکھا اس کے بعض فقرے جو مطلب سے تعلق رکھتے ہیں یہ ہیں۔ اپنی نسبت لکھتے ہیں "بست سال در ایام سلطان شہید (یعنی ملک شاہ) روزگار گذاشت و از وے باصفہان و بغداد اقبالہا دید، و چند بار میان سلطان و امیر المؤمنین رسول بود در کارہائے بزرگ، و در علوم دین نزدیک ہفتاد کتاب تصنیف کرد، پس دنیا را چنانکہ بود بدید و بجملگی بینداخت، و مدتے در بیت المقدس و مکہ قیام کرد و بر سر مشہد ابراہیم خلیل عہد کرد کہ ہرگز پیش ہیچ سلطان نرود و مال ہیچ سلطان نگیرد و مناظرہ و تعصب نکند، دوازدہ سال بدین وفا کرد و امیر المؤمنین و ہمہ سلطانان وے را معذور داشتند، اکنون شنیدم کہ از مجلس عالی اشارتے رفتہ است بحاضر آمدن، فرمان را بمشہد رضا آمدم و نگاہ داشت عہد خلیل را بلشکرگاہ نیامدم[1]"

اس خط کو پڑھ کر سلطان امام صاحب کی زیارت کا مشتاق ہوا، اور اصرار کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ رودررو باتیں کرکے انکے عقائد و خیالات سے واقف ہوں، مخالفین کو یہ حال معلوم ہوا تو ڈرے کہ کہیں بادشاہ پر امام صاحب کا جادو نہ چل جائے، اس لئے یہ کوشش شروع کی کہ امام صاحب لشکرگاہ تک آئیں لیکن دربار میں نہ جانے پائیں بلکہ باہر ہی مناظرہ کی مجلس قائم ہو اور امام صاحب کو مناظرہ و مباحثہ میں زچ کیا جائے۔ طوس کے علما و فضلا نے یہ خبر سنی تو لشکرگاہ میں پہونچے اور مخالفین سے کہا کہ "ہم لوگ امام صاحب کے شاگرد ہیں مسائل بحث طلب ہمارے سامنے پیش کئے جائیں، جب ہم عہدہ برآ نہ ہوسکیں تو امام صاحب کو تکلیف دیجائے تمہارا یہ رتبہ نہیں کہ امام صاحب تمکو مخاطب بنائیں" ان جھگڑوں کی وجہ سے سنجر نے یہی مصلحت سمجھی کہ امام کو سامنے بلاکر فیصلہ کر لیا جائے۔ معین الملک کو جو وزیر اعظم تھا امام صاحب کی طلبی کا حکم دیا، امام صاحب ناچار لشکرگاہ میں آئے اور معین الملک بڑے عزت و احترام کے ساتھ پیش آیا اور ان کے ساتھ سنجر کے دربار تک گیا۔ سنجر تعظیم کیلئے اٹھا اور معانقہ کے بعد سریر شاہی پر جگہ دی، امام صاحب ہر چند بڑے بڑے دربار دیکھے ہوئے تھے تاہم سنجر کے جاہ و جلال سے مرعوب ہوگئے اور جسم پر رعشہ پڑگیا، ایک طالب علم ساتھ تھا اس سے کہا کہ قرآن مجید کی کوئی آیت پڑھو، اس نے یہ آیت پڑھی الیس اللہ بکاف عبدہ یعنی کیا خدا اپنے بندہ کیلئے کافی نہیں ہے، اس آیت کے سننے سے دل قوی ہوگیا،

امام صاحب کا سنجر کے دربار میں جانا

سنجر کی طرف خطاب کیا اور ایک طول طویل تقریر کی جو بعینہ انکے مکاتبات میں مندرج ہے، گفتگو کا خاتمہ یہ کہا کہ مجکو دو باتیں عرض کرنی ہیں، ایک یہ کہ طوس کے لوگ پہلے ہی بدانتظامی اور ظلم کی وجہ سے تباہ تھے، اب سردی اور قحط کی وجہ سے بالکل برباد ہوگئے، انپر رحم کر خدا تجھپر بھی رحم کریگا، افسوس مسلمانوں کی گردنیں مصیبت اور تکلیف سے ٹوٹی جاتی ہیں اور تیرے گھوڑوں کی گردنیں طوقہائے زریں کے بار سے۔ دوسرے یہ کہ میں بارہ برس گوشہ نشین رہا، فخر الملک نے یہاں آنے کیلئے اصرار کیا، میں نے کہا یہ وہ وقت ہے کہ کوئی شخص ایک بات بھی سچ کہنی چاہے تو زمانہ اسکا دشمن بنجاتا ہے، لیکن فخر الملک نے نہ مانا اور کہا کہ بادشاہ وقت عادل ہے اگر کوئی خلاف بات ہوگی تو میں سینہ سپر ہونگا۔

"میری نسبت جو یہ مشہور کیا جاتا ہے کہ میں نے امام ابوحنیفہ پر طعن کئے ہیں محض غلط ہے۔ امام ابوحنیفہ کی نسبت میرا وہی

[1] مکاتبات [illegible]

انکا سب جو میں نے منقلب رہا العلوم میں لکھا ہے میں مکرر فن فقہ میں انتخاب رد نگا خیال کرتا ہوں

امام صاحب کی تقریر سنکر بعض نے کہا کہ آج عراق و خراسان کے تمام علما کا مجمع ہوتا تو سب لوگ آپ کے کلام سے مستفید ہوتے تاہم یہ مقالات آپ اپنے ہاتھ سے قلمبند کیجئے تاکہ تمام ممالک میں مشتہر کئے جائیں جس سے لوگوں کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ میرا اعتقاد علما کی نسبت کیا ہے آپکو درس کی خدمت ضرور قبول کرنی ہوگی فخر الملک جسنے آپکو نیشاپور کے قیام پر مجبور کیا تھا بغداد نے خلوت میں حکم دیا تھا کہ تمام علما سال میں ایکبار آپکی خدمت میں حاضر ہوں اور اپنی مشکلات آپ سے حل کریں۔

دربار شاہی سے اُٹھکر امام صاحب شہر طوس پہنچے تمام شہر استقبال کو نکلا اور لوگوں کو بجز عام دیکھا امام صاحب کے ظاہر نشان مخالفین اب بھی اپنی شرارت سے باز نہ آئے۔ امام صاحب کے پاس حاضر ہو کر پوچھا کہ آپ مذہب کس کے مقلد ہیں امام صاحب نے کہا عقلیات میں عقل کا اور منقولات میں قرآن کا۔ ائمہ میں کسی کا مقلد نہیں مخالفین یہ سنکر اُٹھ کھڑے ہوئے امام صاحب کی بعض تصنیفات مشکوٰۃ الانوار کیمیائے سعادت پر اعتراضات لکھ کر بھیجے امام صاحب نے تحقیق اور تفصیل کیساتھ ان اعتراضوں کا جواب لکھا چنانچہ مکاتبات میں یہ جواب بعینہ منقول ہیں۔

یہ فتنہ تو فرو ہوگیا لیکن امام صاحب کی شہرت و مقبولیت انکو چین سے بیٹھنے نہیں دیتی تھی سنہ ۵۰۴ھ میں سلطان محمد بن ملک شاہ نے جب نظام الملک کے بیٹے احمد کو وزیر اعظم مقرر کیا قوام الدین نظام الملک صدر الاسلام کا لقب دیا تو اُسنے امام صاحب کو پھر بغداد میں بلانا چاہا۔ بغداد کا نظامیہ تمام دنیا میں مسلمانوں کا علمی مرکز تسلیم ہو چکا تھا، اور نہایت دور و دراز ملکوں سے لوگ تکمیل تعلیم کیلئے وہاں جاتے تھے اس بنا پر ارکان سلطنت ہمیشہ یہ کوشش کرتے رہتے تھے کہ اسکی علمی حیثیت میں فرق نہ آنے پائے امام غزالی نے جب نظامیہ کو چھوڑا تھا تو اپنے چھوٹے بھائی کو اپنا نائب مقرر کر گئے لیکن یہ ایک عارضی انتظام تھا امام صاحب کی طرف سے مایوسی ہوئی تو مستقل انتظام کیا گیا۔ لیکن امام صاحب کے رتبہ کا شخص کہاں مل سکتا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ نظامیہ کا وہ اثر نہ رہا۔ احمد جب مسند وزارت پر متمکن ہوا تو سب سے پہلے اس امر پر توجہ کی خلیفہ بغداد کو خود بھی اسکی بابت خیال تھا خراسان جہاں طوس واقع ہے سلطان سنجر کے زیر حکومت تھا اور صدر الدین محمد بن فخر الملک بن نظام الملک سنجر کا وزیر تھا احمد نے صدر الدین کو ایک خط لکھا کہ امام غزالی کو نظامیہ بغداد کی مدرسی کیلئے آمادہ کیا جائے۔ اسکے ساتھ امام صاحب کے نام کا بھی خط تھا کہ دونوں خط انکی خدمت میں ساتھ بھیجے جائیں۔ خط کے جستہ جستہ فقرے درج ذیل ہیں۔

چون ضرورت است کہ مدرسہ نظامیہ قدس اللہ بانیہا بوجود بزرگ است کہ خداوند شہید قدس اللہ روحہ نظام الملک آنرا بنا فرمودہ است در مقر خلافت معظم، وجوہ زعامت معدوم چنان حاجت کہ منسل علم دین و منبع فضل و موضع تدریس و ماوائے علما و مقصد مستفیدان و طلبہ علم ست۔ و اگرچہ آثار خداوند شہید در جہان منتشر ست۔ اما ہیچ اثرے بموضع تر ازان نیست بحکم مجاورت

ملک شاہ سلجوقی نے جب انتقال کیا تو تین بیٹے چھوڑے برکیارق، محمد، سنجر، سنجر سب میں چھوٹا تھا برکیارق اور محمد دونوں کو سلطنت کا دعویٰ تھا اسلئے ہمیشہ خانہ جنگیاں رہیں آخر سنہ ۴۹۸ھ میں برکیارق نے وفات پائی اس وقت محمد مستقل بادشاہ ہوا اور سنجر اسکا ولیعہد بنا محمد کے مرنے پر سنجر نے استقلال حکومت کا دعویٰ نہیں کیا۔

سرائے عزیز مقدس نبوی (یعنی آستانۂ خلافت) تاجہاں باشد ایں ضمیر خالد خواہد بود و ایں منقبت موید برادحیدہ اہل البیت فریضہ است در تاسیس مبانی ایں مجد امبالغہ منودن "

اس خط سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تمام لوگوں نے خلیفہ بغداد مستظہر باللہ سے التجا کی تھی کہ جسطرح ہو امام غزالی کو نظامیہ کے درس کیلئے بلایا جائے چنانچہ وہ فقرے یہ ہیں۔

درس نظامیہ کیلئے امام صاحب کا طلب کیا جانا

"ونیز از سہ سرائے عزیز مقدس نبوی (یعنی ایوان خلافت) بذریعت منودند وتدبیر آنرا مبالغہ بافر مودند تا این خطا صادر شد تا صدر الدین بحفظ ایں ضمیر اجزیخواجہ اجل زین الدین حجۃ الاسلام فرید الزماں ابو حامد محمد بن محمد بن محمد الغزالی ادام اللہ تمکنہ اہتمام انگیز داز انچہ ادیگا دجہاں، وقدوہ عالم وانگشت نمائے روزگار ست "

اس فرمان پر دربار خلافت کے تمام ارکان کے دستخط تھے اور یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ وہ حاشیہ نشینان خلافت اور ارکان سلطنت سب امام صاحب کے قدوم پر چشم براہ ہیں "

احمد بن نظام الملک نے خود امام صاحب کو جو خط لکھا اسکا ماحصل یہ تھا کہ "اگرچہ آپ جہاں تشریف رکھیں گے وہی جگہ درس گاہ عام بنجائیگی لیکن جسطرح آپ مقتدائے روزگار ہیں آپکا قیامگاہ بھی ایسی شہر ہونا چاہیئے جو تمام اسلام کا مرکز اور قبلہ گاہ ہو تاکہ تمام دنیا کے ہر حصے کے لوگ بآسانی وہاں پہنچ سکیں اور ایسا مقام صرف دارالاسلام بغداد ہے۔

امام صاحب کا انکار اور عذر

امام صاحب نے ان خطوط و فرامین کے جواب میں ایک طول طویل خط لکھا اور بغداد نہ آنیکے متعدد عذر لکھے " ایک یہ کہ یہاں یعنی طوس میں اسوقت ڈیڑھ سو منتہی طلبا مصروف تحصیل ہیں جنکو بغداد جانے میں زحمت ہوگی دوسرے یہ کہ جب میں بغداد میں تھا تو میرے اہل وعیال نہ تھے اب بال بچوں کا جھگڑا ہے اور یہ لوگ ترک وطن کی زحمت نہیں اٹھا سکتے، تیسرے یہ کہ میں نے مقام خلیل میں عہد کیا ہے کہ کبھی مناظرہ و مباحثہ نکرونگا اور بغداد میں مباحثہ کے بغیر چارہ نہیں ہے اسکے سوا دربار خلافت میں سلام کرنیکے لئے حاضر ہونا ہوگا اور میں اسکو گوارا نہیں کر سکتا۔ سب سے بڑھکر یہ کہ میں مشاہرہ اور وظیفہ قبول نہیں کر سکتا اور بغداد میں میری کوئی جائداد نہیں "

غرض خلافت اور سلطنت کیطرف سے گو بہت کچھ کد ہوئی امام صاحب نے صاف انکار کیا ' اور گوشہ عافیت سے باہر نہ نکلے

امام صاحب کا فن حدیث کی تکمیل کرنا

امام صاحب نے حدیث کا فن اثنائے تحصیل میں نہیں سیکھا تھا۔ اب اسکی تکمیل کا خیال آیا۔ حافظ عمر بن ابی الحسن الرواسی ایک مشہور محدث تھے وہ اتفاقیہ طوس میں آئے امام صاحب نے انکو اپنے ہاں مہمان رکھا اور ان سے صحیح بخاری و مسلم کی سند لی[1]

حافظ ابن عساکر نے لکھا ہے کہ "امام صاحب نے صحیح بخاری ابو سہل حفصی سے پڑھی "

امام صاحب اخیر عمر میں اگرچہ بالکل عابد مرتاض بنگئے تھے۔ اور شب و روز مجاہدات و ریاضیات میں بسر کرتے تھے، تاہم تصنیف و تالیف کا مشغلہ بالکل ترک نہ ہوا۔ اصول فقہ میں مستصفی جو انکی نہایت اعلیٰ درجہ کی تصنیف ہے سنہ ۵۰۴ھ کی تصنیف ہے جس سے ایک برس بعد امام صاحب نے انتقال کیا۔

[1] طبقات ... و تذکرۃ الحفاظ تذکرہ رواسی

وفات

امام صاحب نے ۱۴ جمادی الثانی سنہ ۵۰۵ھ میں بمقام طابران انتقال کیا، اور وہیں مدفون ہوئے۔ ابن جوزی نے انکے مرنے کا قصہ انکے بھائی احمد غزالی کی روایت سے حسب ذیل لکھا ہے۔

پیر کے دن امام صاحب صبح کے وقت بستر خواب سے اٹھے، وضو کر کے نماز پڑھی، پھر کفن منگوایا اور آنکھوں سے لگا کر کہا کہ حکم سر آنکھوں پر، یہ کہکر پاؤں پھیلا دیئے، لوگوں نے دیکھا تو دم نہ تھا۔

امام صاحب کے مرنیکا تمام اسلامی دنیا کو صدمہ ہوا، اکثر شعراء نے مرثیے لکھے چند اشعار یہ ہیں۔

بکی علی حجة الاسلام حین ثوی — من کل حی عظیم القدر اشرفه
تلک الرزیة تستوهی قوی جلدی — والطرف تسهره والدمع تنزفه
مضی واعظم مفقود فجعت به — من لا نظیر له فی الناس یخلفه

اولاد

امام صاحب نے اولاد ذکور نہیں چھوڑی، چند لڑکیاں تھیں جنمیں سے ایک کا نام ست المنی تھا، انکی اولاد کے سلسلہ کا پتہ دور تک چلتا ہے، فیومی نے کتاب المصباح میں شیخ مجد الدین سے امام صاحب کے لقب کی نسبت ایک روایت نقل کی ہے، شیخ مجد الدین چھٹی پشت میں ست المنی کی اولاد میں سے تھے اور سنہ ۷۱۰ھ میں موجود تھے۔

تلامذہ

امام صاحب کے شاگرد نہایت کثرت سے تھے، خود امام صاحب نے ایک خط میں ایک ہزار تعداد بیان کی ہے، انمیں سے بعض بڑے نامور گذرے ہیں۔ محمد بن تومرت جس نے اسپین میں خاندان تاشفین کو مٹا کر ایک نہایت عظیم الشان سلطنت کی بنیاد ڈالی، امام صاحب ہی کا شاگرد تھا۔ علامہ ابوبکر عربی جو علماء اندلس میں شہرت عام رکھتے ہیں، امام صاحب ہی کے شاگرد تھے۔ اس موقع پر ہم انکے چند ممتاز شاگردوں کی ایک فہرست درج کرتے ہیں۔

نام	مختصر حال
قاضی ابو نصر محمد بن عبد اللہ	سنہ ۴۷۲ھ میں پیدا ہوئے اور سنہ ۵۵۲ھ میں وفات پائی، طوس میں امام صاحب سے فقہ کی تکمیل کی
ابو الفتح احمد بن علی	مدرسہ نظامیہ میں متعدد علوم کا درس دیتے تھے سنہ ۵۱۸ھ میں وفات پائی
ابو منصور محمد بن اسمعیل	مشہور واعظ تھے، حدیث سمعانی و بغوی سے پڑھی تھی۔
ابو سعید محمد بن اسعد	فقہ میں امام صاحب کے شاگرد تھے۔
ابو [illegible] محمد بن عبد الملک	فقہ امام صاحب سے پڑھی، حدیث میں حافظ حمیدی کے شاگرد تھے۔
ابو سعید محمد بن علی کردی	امام صاحب کی کتاب الجام العوام کے راوی بھی ہیں، ادب میں مقامات حریری کے مصنف کے شاگرد تھے

[illegible] یہ فہرست شرح احیاء سے لی گئی ہے

مختصر حال	نام
مشہور عالم ہیں۔ امام صاحب کی کتاب بسیط کی شرح اول انہی نے لکھی۔	امام ابو سعید محمد بن یحیی نیشاپوری
امام صاحب نے ایک خط میں لکھا ہے کہ میرے شاگردوں میں سب سے ممتاز ہیں شام وغیرہ کے سفر میں یہ امام صاحب کے ہمرکاب تھے امام الحرمین سے پڑھا تھا ۵۱۳ھ میں شہید ہوئے	ابوطاہر امام ابراہیم
فن تصوف امام صاحب سے سیکھا تھا۔	ابوالفتح نصر بن محمد آذربیجانی
مشہور محدث اور سیاح تھے سمعانی اور ابن جوزی نے حدیث میں انکی شاگردی کی ۵۴۱ھ میں وفات پائی۔ امام صاحب سے فقہ پڑھی تھی۔	ابوالحسن سعد الخیر بن محمد البلنسی
انکو احیاء العلوم بر زبان یاد تھی ۵۲۲ھ میں وفات پائی۔	ابوطالب عبدالکریم رازی
یہ اس رتبہ کے شخص تھے کہ نظامیہ کے مدرس مقرر ہوئے۔	ابومنصور سعید بن محمد
طوس میں امام صاحب سے فقہ پڑھی۔	ابوالحسن علی بن محمد جوینی صوفی
امام صاحب کے نامور شاگردوں میں تھے۔ حافظ ابن عساکر محدث نے انکی شاگردی کی ۵۳۳ھ میں	ابوالحسن علی بن المطہر دینوری
بڑے نامور شخص ہیں دمشق میں امام صاحب سے تحصیل کی حافظ ابن عساکر وغیرہ انکے شاگرد ہیں	ابوالحسن علی بن مسلم جمال الاسلام

ان بزرگوں کے سوا اور بہت سے شاگرد تھے جن کے نام کی فہرست کی ضرورت نہیں

حصہ دوم

تصنیفات

تصنیفات کے لحاظ سے امام صاحب کی حالت نہایت حیرت انگیز ہے، انہوں نے کل ۵۴-۵۵ برس کی عمر پائی تقریباً بیس برس کی عمر سے تصنیف کا مشغلہ شروع ہوا اور دس گیارہ برس صحرانوردی اور بادیہ پیمائی میں گذرے درس وتدریس کا شغل ہمیشہ قائم رہا اور کبھی کسی زمانے میں اُن کے شاگردوں کی تعداد ڈیڑھ سو سے کم نہیں رہی فقرو تصوف کے مشغلے جدا۔ دور دور سے جو فتاوی آتے تھے انکا جواب لکھنا الگ باینہمہ سیکڑوں کتابیں تصنیف کیں جنمیں سے بعض بعض کئی کئی جلدوں میں ہیں اور گو ناگوں مضامین سے پر ہیں، اور جو تصنیف ہے اپنے آپ ہی نظیر آپ ہی ہے ع

این سعادت بزور بازو نیست۔

میں سب سے پہلے اُن کی تصنیفات کی ایک اجمالی فہرست بترتیب حروف تہجی لکھتا ہوں جو طبقات سبکی اور شرح احیاء اور کشف الظنون سے ماخوذ ہے۔ پھر خاص خاص کتابوں کے کسی قدر مفصل حالات لکھوں گا۔

حرف الف - احیاء العلوم - املاء علی مشکل الاحیاء - اربعین - الاسماء الحسنی - الاقتصاد فی الاعتقاد - الجام العوام - اسرار معاملات الدین - اسرار الانوار الالٰہیۃ بالآیات المتلوۃ - اخلاق الابرار والنجاۃ من الاشرار - اسرار اتباع السنۃ - اسرار الحروف والکلمات - ایہا الولد۔

حرف ب - بدایۃ الہدایۃ در موعظت - بسیط در فقہ - بیان القولین للشافعی - بیان فضائح الاباحیۃ - بدائع الصنع۔

حرف ت - تنبیہ الغافلین - تلبیس ابلیس - تہافۃ الفلاسفۃ - تعلیقہ فی فروع المذہب - تحصین الماخذ - تحصین الادلۃ - التفرقۃ بین الاسلام والزندقہ۔

حرف ج - جواہر القرآن۔

حرف ح - حجۃ الحق - حقیقۃ الروح۔

حرف خ - خلاصۃ الرسائل الی علم المسائل فی المذہب اختصار المختصر للمزنی وہو احد الکتب المشہورۃ

حرف ر - الرسالۃ القدسیۃ۔

حرف س - السر المصون - ترتیب آیات القرآن علی اسلوب غریب۔

حرف ش - شرح دائرۃ علی بن ابی طالب المسماۃ بنخبۃ الاسماء - شفاء العلیل فی مسئلہ تعلیل۔

حرف ع - عقیدۃ المصباح - عجائب صنع اللہ - عنقود المختصر وہو تلخیص المختصر للجوینی۔

حرف غ - غایۃ الغور فی مسائل الدور فی مسئلۃ الطلاق - غور الدور - الفہ ببغداد [illegible]

حرف ف - فتاوی مشتمل علی مائۃ وتسعین مسئلۃ - الفکرۃ والعبرۃ - فواتح السور - الفرق بین الصالح وغیر الصالح۔

حرف ق - القانون الکلی - قانون الرسول - القربۃ الی اللہ - القسطاس المستقیم - قواعد العقائد - القول الجمیل فی الرد علی من غیر الانجیل۔

حرف ک - کیمیائے سعادت - کیمیائے سعادت مختصر - کشف علوم الآخرۃ - کنز العدۃ۔

حرف ل - اللباب المنتحل فی علم الجدل۔

حرف میم - المستصفی فی اصول الفقہ - المنخول - ماخذ فی الخلافیات بین الحنفیۃ والشافعیۃ - المبادی والغایات - المجالس الغزالیۃ - مقاصد الفلاسفۃ - المنقذ من الضلال - معیار النظر - معیار العلم فی المنطق - محک النظر - مشکوٰۃ الانوار - مستظہری فی الرد علی الباطنیۃ - میزان العمل - مواہم الباطنیۃ - المنہج الاعلی - معراج السالکین - المکنون فی الاصول - مسلم السلاطین - مفصل الخلاف فی اصول القیاس - منہاج العابدین یہ ان کی آخر تالیف ہے - المعارف العقلیۃ۔

حرف ن - نصیحۃ الملوک فارسی۔

حرف واو - وجیز - وسیط

حرف ی - یاقوت التاویل فی التفسیر ۴۰ جلد۔

۱؎ کشف الظنون میں لکھا ہے کہ یہ مختصر سی کتاب ہے اور پانچ بابوں میں ہے یعنی منطق۔ کلام۔ قول۔ کتابت۔ نفس۔

مضامین کے لحاظ سے تصنیفات کی تقسیم

(مشہور تصنیفات مراد ہیں)

فقہ۔ وسیط۔ بسیط۔ وجیز۔ بیان القولین للشافعی۔ تعلیقہ فی فروع المذہب۔ خلاصۃ الرسول۔ اختصار المختصر۔ غایۃ الغور۔ مجموعۂ فتاویٰ

اصول فقہ۔ تحصیل المآخذ۔ شفاء العلیل۔ منتحل فی علم الجدل۔ منخول۔ مستصفیٰ۔ مآخذ فی الخلافیات۔ مفصل الخلاف فی اصول القیاس

منطق۔ معیار العلم۔ محک النظر۔ میزان العمل (یہ کتابیں یورپ میں موجود ہیں)۔

فلسفہ۔ مقاصد الفلاسفہ (یورپ میں اس کا نسخہ موجود ہے)۔

کلام۔ تہافۃ الفلاسفہ۔ منقذ۔ الجام العوام۔ اقتصاد۔ مستظہری۔ فضائح الاباحیہ۔ حقیقۃ الروح و الزندقۃ۔ رسالۃ القدسیہ

تصوف۔ احیاء العلوم۔ کیمیائے سعادت۔ المقصد الاقصیٰ۔ اخلاق الابرار۔ جواہر القرآن۔ جواہر القدس فی حقیقۃ النفس۔ مشکوٰۃ الانوار۔ منہاج العابدین۔ معراج السالکین۔ نصیحۃ الملوک۔ ایہا الولد۔ بدایۃ الہدایۃ۔ مشکوٰۃ الانوار فی لطائف الاخبار۔

مبحوث فیہ تصنیفات

امام صاحب کے نام سے جو تصنیفات مشہور ہیں ان میں بعض ایسی بھی ہیں جن کی نسبت بعض بزرگوں کا بیان ہے کہ درحقیقت وہ امام صاحب کی تصنیف نہیں۔ اس قسم کی چار کتابیں ہیں۔ منخول۔ مضنون بہ علی غیر اہلہ۔ کتاب النفخ والتسویہ۔ سر العالمین۔ چنانچہ ہم ہر ایک کے متعلق تفصیل کے ساتھ بحث کرتے ہیں۔

منخول۔ یہ کتاب اصول فقہ میں ہے۔ کشف الظنون میں اس کو رد ابی حنیفہ کے نام سے لکھا ہے۔ اور قلائد العقیان کے مصنف کا قول نقل کیا ہے کہ "وہ امام غزالی کی نہیں بلکہ محمود معتزلی کی تصنیف ہے" شمس الائمہ کردری نے اس کتاب کا رد بھی لکھا ہے اس کتاب میں امام ابوحنیفہؒ پر نہایت سختی سے خردہ گیری کی ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے مسائل یقینی غلط ہیں چونکہ امام صاحب نے احیاء العلوم میں امام ابوحنیفہ کی نہایت مدح کی ہے اس کے علاوہ ائمہ دین کو برا کہنا امام صاحب کی شان سے یوں بھی بعید ہے اسلئے یہ خیال کیا گیا کہ وہ امام غزالی کی تصنیف نہیں ہو سکتی لیکن حقیقت یہ ہے کہ صرف ان دلیل کی بنا پر یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔ اولاً تو رجال و تاریخ کی تمام کتابوں میں وہ امام صاحب ہی کی طرف منسوب کی گئی ہے ثانیاً امام صاحب کے ابتدائی حالات جنہوں نے غور سے پڑھے ہیں وہ سمجھ سکتا ہے کہ ابتدا میں امام صاحب کا مزاج کس قدر جدال پسند اور نکتہ چین واقع ہوا تھا۔ محدث عبد الغافر فارسی نے امام صاحب کو دونوں زمانوں میں دیکھا تھا۔ انکا بیان ہے کہ امام صاحب ابتدا میں نہایت جاہ پسند، خود پرست اور مغرور تھے لیکن اخیر میں انکی حالت بالکل بدل گئی اور وہ کچھ سے کچھ ہو گئے منخول اسی ابتدائی زمانہ کی تصنیف ہوگی جنہے اس کتاب کو دیکھا ہے خود اس کی طرز عبارت بتاتی ہے کہ وہ نشۂ شباب کے زمانہ کی تصنیف ہے۔

مضنون بہ علی غیر اہلہ۔ اس کتاب کی نسبت محدث ابن الصلاح اور علامہ ابن السبکی کا دعویٰ ہے کہ امام صاحب

لہ تبیین کذب المفتری مصنفہ ابن عساکر۔

کی تصنیف نہیں ہو سکتی۔ دلیل یہ ہے کہ اس کتاب کا مصنف قدم عالم انکار علم جزئیات اور نفی صفات کا قائل ہے اور اسی لئے ہر عقیدہ کفر کا مستوجب ہے۔ اس بحث کے تصفیہ کیلئے پہلو اثبات و نفی دونوں جانب کی شہادتوں کا موازنہ کرنا چاہئے رجال کی جو مستند کتابیں ہیں سب میں اس کتاب کو امام صاحب کی تصنیفات میں شمار کیا ہے اس سے بڑھکر یہ کہ خود امام صاحب نے جواہر القرآن میں جو انکی مسلم تصنیف ہے اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔

نفی کی جانب۔ صرف یہ قیاس ہے کہ اس میں بعض مسائل ایسے مذکور ہیں جو علامہ ابن الصلاح و ابن السبکی کے نزدیک موجب کفر ہیں۔ اگر انکار کیلئے صرف اس قدر قرینہ کافی ہو سکتا ہے تو احیاء العلوم میں بہت سی باتیں مذکور ہیں جو بعضوں کے نزدیک کفر کی مستوجب ہیں۔ مثلاً یہ مسئلہ کہ "موجودہ عالم سے بہتر پیدا کرنا ممکن نہیں ہے" بہت سے ایسے لوگوں کے نزدیک صاف کفر ہے اور اسی بنا پر بہت سے لوگوں نے امام کی تکفیر کی لیکن احیاء العلوم میں یہ مسئلہ نہایت تصریح سے مذکور ہے چنانچہ علامہ شعرانی نے خاص اس مسئلے پر ایک کتاب لکھی جسکا نام الاجوبۃ المرضیۃ عن ائمۃ الفقہاء والصوفیۃ[1] ہے

اسکے علاوہ جن مسائل کو موجب کفر قرار دیا ہے وہ جس حیثیت سے موجب کفر ہیں اس کا کوئی قائل نہیں۔ اور جس حیثیت سے لوگ قائل ہیں وہ موجب کفر نہیں مثلاً صفات کا جو لوگ انکار کرتے ہیں اسکے یہ معنی نہیں قرار دیتے کہ خدا بصیر و علیم و سمیع نہیں ہے بلکہ یہ معنی مراد لیتے ہیں کہ خدا کی ذات ہی بصر و علم و سمع کیلئے کافی ہے یہ صفات ذات سے علیحدہ نہیں ہیں جیسا کہ انسان اور حیوانات میں ہیں۔ اسطرح کے انکار صفات کو کون کفر کہسکتا ہے اسیطرح قدم عالم اور نفی علم جزئیات کا مسئلہ لطف یہ ہے کہ یہ مسائل مضمون بہ علی غیر اہلہ میں تصریح سے مذکور ہی نہیں۔ علامہ ابن الصلاح و ابن السبکی نے معلوم نہیں کن الفاظ سے یہ مسائل مستنبط کئے۔ یہ کتاب عام طور پر شائع ہو چکی ہے اور ہر شخص خود دیکھکر اس کا فیصلہ کر سکتا ہے۔

کتاب النفخ والتسویۃ شرح احیاء العلوم میں علامہ مرتضیٰ حسینی نے اس کتاب کو جعلی قرار دیا ہے لیکن کسی قسم کی کوئی دلیل نہیں پیش کی نہ کسی اور شخص کا قول اسکی تائید میں نقل کیا ہے۔

سر العالمین ہمارے نزدیک یہ کتاب بے شبہ جعلی ہے اسکی طرز عبارت اور انداز تحریر امام صاحب کے طریقۂ تحریر سے بالکل الگ ہے جعلی بنانے والے نے ایک چالاکی یہ کی ہے کہ جا بجا امام الحرمین کی استادی کا ذکر کیا ہے اور نہی دانست میں اس کتاب کے اصلی ثابت کرنیکی بڑی تدبیر خیال کی۔ لیکن صرف یہی امر کتاب کے جعلی ہونیکی کافی دلیل ہے امام صاحب کی یہ خاص عادت ہے کہ وہ اپنے اساتذہ اور شیوخ کا ذکر مطلق نہیں کرتے انکی تصنیفات میں بہت سے ایسے موقع ہیں جہاں کسی استاد یا شیخ کا ذکر کرنا ضروری تھا لیکن وہ بالکل پہلو بچا جاتے ہیں۔ اور تصریح کیا کنایہ تک نہیں کرتے منقذ من الضلال میں نہایت ضروری موقع پر صرف اسقدر کہکر رہ گئے کہ شیوخ سے جسطرح میں نے تعلیم پائی تھی اسکے مطابق قرآن مجید شغول

تصنیفات پر مختلف حیثیتوں سے بحث۔

(۱) علامہ نووی نے بستان میں ایک مستند شخص سے نقل کیا ہے کہ میں نے امام غزالی کی تصنیفات اور انکی

[1] شرح احیاء العلوم مطبوعہ مصر جلد اول صفحہ ۲۷

عمر کا حساب لگایا تو روزانہ اوسط چار کراسہ پڑا، اگر اسکا مضمون کا ہوتا ہی اس حساب سے ۱۶ صفحے روزانہ ہوا۔ اور یہ مقدار امام صاحب کے اور مشاغل کے ساتھ درحقیقت حیرت انگیز ہے۔ علامہ طبری ابن جوزی سیوطی کی تصنیفات کا روزانہ اوسط اس سے بھی زیادہ ہے لیکن ان بزرگوں کی تصنیفات میں منقولات کا حصہ بہت ہے جسمیں صرف قلم کے جنبش و سرعت کی عبارات کے نقل کرتے چلے جاتے ہیں۔

(۲) جن علوم میں امام صاحب کی تصنیفات ہیں وہ فقہ۔ کلام۔ اخلاق اور تصوف ہیں ایک کتاب توریت و انجیل کی تحریف کے ثبوت میں ہے۔ اسمیں استدلال کا وہی طریقہ ہے جو آجکل مسلمان مصنفین کا طرز ہے میں نے یہ کتاب قسطنطنیہ کے کتب خانہ ایا صوفیہ میں دیکھی تھی۔ اس کتاب سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام صاحب توریت و انجیل سے بھی کافی واقفیت رکھتے تھے فقہ و کلام و تصوف میں انکی تصنیفات اسلام کی علمی ترقی کے بیش بہا نمونے ہیں اسلئے ان پر ہم الگ مفصل ریویو لکھیں گے فن تفسیر کو امام صاحب نے غالباً ہاتھ نہیں لگایا۔ یاقوت التاویل جو انکی تصنیفات میں شمار کی جاتی ہے اور جس کی ضخامت ۴۰ جلدوں کی بیان کی جاتی ہے ہماری تحقیقات کی رو سے ایک فرضی نام ہے۔

(۳) ان تصنیفات کو خود امام صاحب کے زمانے میں اور انکے بعد جو مقبولیت عام حاصل ہوئی وہ نہایت تعجب انگیز ہے محدث زین عراقی کا قول ہے کہ "امام غزالی کی احیاء العلوم اسلام کی اعلیٰ ترین تصنیفات سے ہے"۔ عبد الغافر فارسی جو امام صاحب کے ہمعصر اور امام الحرمین کے شاگرد تھے انکا بیان ہے کہ "احیاء العلوم کی مثل کوئی کتاب اس سے پہلے نہیں لکھی گئی"، امام نووی شارح صحیح مسلم لکھتے ہیں کہ "احیاء العلوم قرآن مجید کے لگ بھگ ہے" شیخ ابو محمد گازرونی کا دعویٰ تھا کہ "اگر دنیا کے تمام علوم مٹا دیئے جائیں تو احیاء العلوم سے میں سبکو دوبارہ زندہ کردونگا" شیخ عبد اللہ عیدروس کو جو بہت مشہور صوفی گذرے ہیں احیاء العلوم قریب قریب پوری حفظ تھی۔ شیخ علی نے ۲۵ دفعہ اول سے آخر تک احیاء العلوم کو پڑھا اور ہر دفعہ ختم کرنے کے بعد فقراء اور طلباء کی عام دعوت کی۔ تعجب یہ ہے کہ تصوف و سلوک میں جو لوگ خود امام غزالی کے ہمسر تھے وہ انکی تصنیفات کو الہامی تصنیف سمجھتے تھے۔ قطب شاذلی مشہور صوفی گذرے ہیں ایکدن وہ احیاء العلوم ہاتھ میں لئے ہوئے نکلے اور لوگوں سے کہا جانتے ہو یہ کیا کتاب ہے یہ کہکر اپنے اعضاء پر کوڑوں کے نشان دکھلائے اور کہا کہ پہلے میں اس کتاب کا منکر تھا۔ آج شب کو امام غزالی نے مجھکو خواب میں آنحضرت کے دربار میں پیش کیا اور اس جرم کی سزا میں مجھکو کوڑے لگائے گئے شیخ محی الدین اکبر کو زمانہ جانتا ہے احیاء کو کعبہ کے سامنے بیٹھکر پڑھا کرتے تھے۔

تصنیفات کی مقبولیت عام

امام صاحب کی تصنیفات کی مقبولیت کی بڑی دلیل یہ ہے کہ علماء اور مصنفین نے جس قدر انکے ساتھ اعتنا کی بہت کم تصنیفات کیساتھ کی ہوگی۔ فقہ میں انکی چاروں تصنیفات یعنی بسیط۔ وسیط وجیز و سائل فقہ شافعی کے چاروں ارکان ہیں۔ وجیز آجکل مصر میں نہایت اہتمام سے چھاپی گئی ہے۔ اس کتاب کی سب سے پہلے امام فخر الدین رازی نے شرح لکھی پھر قاضی سراج الدین محمود ارموی المتوفی سنہ ۶۸۲ عماد الدین ابو حامد محمد بن یونس اربلی ابو الفتوح اسعد بن محمود عجلی امام

؎ یہ تمام روایتیں تعریف الاحیاء بفضائل الاحیاء میں نقل کی ہیں ؎ شرح احیاء صفحہ

ابو القاسم عبد الکریم بن محمد قزوینی رافعی وغیرہ نے مبسوط شرحیں لکھی شرح احیا میں ان شرحوں کی تعداد سترہ کے قریب بیان کی ہے امام ابو الملقن ان احادیث کی تخریج میں جو وجیز میں مذکور ہیں ایک ضخیم کتاب سات جلدوں میں لکھی جسکا نام البدر المنیر ہے۔ اس کتاب کے خلاصے حافظ ابن حجر بدر بن جماعۃ بدر زرکشی۔ شہاب بوصیری سیوطی وغیرہ نے لکھے ان کے سوا بہت سے علماء و فضلاء نے اسپر شروح و حواشی لکھے جنکے نام کشف الظنون میں تفصیل[۱] مذکور ہیں۔

اسی طرح الوسیط پر جیسا کشف الظنون میں الرسائل کے نام سے لکھا ہے نہایت کثرت سے شروح اور حواشی لکھے گئے سب سے پہلے محی الدین جو شانی نے ۱۶ جلدوں میں شرح لکھی۔ پھر شیخ نجم الدین احمد بن علی المعروف بابن الرفعۃ المتوفی سنہ ۷۱۰ھ نے ۴۰ جلدوں میں شرح لکھی جسکا نام المطلب تھا۔ ابو العباس احمد قمولی المتوفی سنہ ۷۲۷ھ نے بھی کئی جلدوں میں ایک شرح لکھی جسکا نام البحر المحیط ہے انکے علاوہ ظہیر الدین جعفر بن یحیی المتوفی سنہ ۶۸۲ھ و ابن ابی الدم المتوفی سنہ ۶۴۲ھ و ابن الصلاح المتوفی سنہ ۶۴۳ھ و ابو الفضل محمد بن محمد القزوینی و ابن الاستاد کمال الدین احمد بن عبد اللہ الحلبی المتوفی سنہ ۶۶۲ھ و یحیی بن ابی الخیر الیمنی المتوفی سنہ ۵۵۸ھ و عماد الدین عبد الرحمن ابن علی القاضی المتوفی سنہ ۶۲۴ھ وغیرہ نے اس کتاب پر حاشیے اور شرحیں لکھیں ابن ملقن شافعی نے اسکی حدیثوں کی تخریج کی جسکا نام تذکرۃ الاحیار بما فی الوسیط من الاخبار ہے۔

امام صاحب کی تصنیفات اور یورپ

یہ عجیب بات ہے کہ امام صاحب کی تصنیفات کیساتھ جو اعتنا یورپ نے کی خود مسلمانوں نے نہیں کی بیشبہ مسلمانوں نے امام صاحب کی اکثر تصنیفات محفوظ رکھیں اور ان پر شروح و حواشی لکھے لیکن یہ تصنیفات اور قدماء کی نظر میں تصنیف کی یا تھیں وہ وہی جو فقہ اصول فقہ اور تصوف و اخلاق کے متعلق تھیں عقائد میں جو انکی معرکہ آرا تصنیفات ہیں اور جن پر انکا اصلی جوہر کھلتا ہے انکو کسی نے آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا بلکہ اس قسم کی کتابیں جنکو ہمارے علماء انکی طرف منسوب بھی نہیں ہونے دیتے اور یہی وجہ ہے کہ اسلامی کتب خانوں میں ان تصنیفات کا بہت کم پتہ چلتا ہے اس قسم کی ایک تصنیف مضنون بہ علی غیر اہلہ ہے جسپر آگے چلکر ہم ریویو لکھینگے اسکی نسبت علامہ ابن السبکی لکھتے ہیں معاذ اللہ ان یکون لہ۔ یعنی خدا نکرے کہ یہ کتاب امام صاحب کی ہو عقلیات پر منحصر نہیں جس تصنیف میں اجتہاد اور آزادی رائے سے کام لیا گیا وہ مقبول عام نہو سکی منخول جو اصول فقہ میں امام صاحب کی پہلی تصنیف ہے ہماری نظر سے گذری ہے بڑے معرکہ کی تصنیف ہے اور چونکہ آغاز شباب کی ہے امام صاحب اس میں کسی امام یا مجتہد کے پابند نہیں۔ بلکہ جو کچھ کہتے ہیں نہایت بیباکی اور آزادی سے کہتے ہیں صرف اس عیب کی وجہ سے یہ کتاب علماء کی نظر سے گر گئی یہانتک کہ شمس الائمہ کردری اسکو محمود معتزلی کی تصنیف بتاتے ہیں ابن حجر مکی الخیرات الحسان میں اسی خیال کی تائید کرتے ہیں، احیاء العلوم میں بھی یہ چنگاریاں بہت پڑی تھیں اسلئے اکثر علماء نے اسکے جلانے کا حکم دیا اور اسکی تعمیل بھی کی گئی۔

[۱] یہ تفصیل الظنون ذکرو سائل فی الفروع سے ماخوذ ہے۔

برخلاف اسکے یورپ نے ان کتابوں کو بڑے اہتمام سے محفوظ رکھا جنمیں امام صاحب نے فلسفہ اور شریعت کی اصول باہم تطبیق دی تھی جنمیں عقلیات کے مسائل کو اپنے خاص پیرایہ میں ادا کیا تھا۔ امام صاحب نے یونانی فلسفہ کے مسائل

مقاصد الفلاسفہ — نہایت ترتیب اور عمدگی کیساتھ ایک کتاب میں لکھے ہیں جسکا نام مقاصد الفلاسفہ رکھا تھا۔ اس کتاب کا اسلامی ممالک میں آج پتہ نہیں چلتا لیکن اسپین کے شاہی کتب خانہ میں اسکا نسخہ موجود ہے مسلمانوں نے تو اس کتاب کو نظر انداز کر دیا لیکن یورپ میں اسکا عبرانی زبان میں ترجمہ بھی ہوا چنانچہ یہ ترجمہ فرانس کے کتب خانہ میں آج بھی موجود ہے بارہویں صدی میں اس کتاب کا ترجمہ لاطینی زبان میں ڈومنگ گونڈی سالیو ... Dominic gonsi نے کیا اور وہ ۱۵۰۶ء میں بمقام وینس چھاپا گیا اصل عربی کتاب کے چند صفحے یورپ میں آجکل چھاپے گئے ہیں اور میری نظر سے گذرے ہیں اس میں صرف منطق کے ابتدائی مسائل ہیں لیکن جس وضاحت اور اختصار کیساتھ ان مسائل کو لکھا ہے کسی مصنف نے آجتک نہیں لکھا

المنقذ — ایک دوسری کتاب ہے جسکا نام المنقذ من الضلال ہے، امام صاحب نے اپنے خیالات مذہبی کے تغیرات اور نبوت کی حقیقت لکھی ہے۔ یہ کتاب بھی مسلمانوں میں قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھی گئی لیکن یورپ نے اسکی بڑی قدر کی فرانس میں اسکا ترجمہ اصل عربی کے چھاپا گیا اور مالیسو پالیا M. Pallia اور مالیسو شمولڈر M. Chmolders نے اپنے اس مضمون میں جو فلسفہ عرب پر ہے اسکے مشکل مقامات کی تشریح کی۔

تہافۃ الفلاسفہ — تہافۃ الفلاسفہ میں امام صاحب نے یونانی فلسفہ کے مسائل باطل کئے ہیں اس کتاب کا عبرانی زبان میں ترجمہ ہوا جسکا اسکا نسخہ شاہی کتب خانہ فرانس میں موجود ہے، مالیسو شمولڈر M. Chmolders اور مالیسو مونک M. Munk نے اس کتاب کے مضامین پر تفصیل کیساتھ بحث کی ہے۔

منطق میں ایک اور کتاب امام صاحب کی ہے جسکا نام میزان العمل ہے، اسلامی ممالک میں یہ کتاب بالکل نایاب ہے لیکن یورپ میں اسکے ساتھ یہ اعتنا کی گئی کہ اسکا عبرانی ترجمہ ایک یہودی مسمی بہ ابراہیم حسدانی نے کیا تھا مالیسو گولڈنتال M. Goldenthal نے لیپزگ میں ۱۸۳۹ء میں چھاپا۔

احیاء العلوم کے مشکل مقامات پر مالیسو ہیتزیگ M. Hitzig نے حاشیے لکھے اصل احیاء العلوم کا عمدہ نسخہ کتب خانہ برلن Berlin میں موجود ہے[۱]

امام صاحب کے اشعار

امام صاحب کے زمانہ میں سلجوقیوں کی بدولت فارسی اوج شباب پر پہنچ گئی تھی اور شاعری کا مذاق قوم کی رگ وپے میں سرایت کر گیا تھا امام صاحب اگرچہ شاعر نہ تھے لیکن چونکہ زمانے کا اقتضا اور لطف طبیعت دونوں باتیں

[۱] دیکھو فرنچ مونک کی کتاب۔ Melanges de philosophie juive et Arabe

از صفحہ ۲۲ تا صفحہ ۲۴ تذکرہ امام غزالی P. S. Munk

کی تصنیف ہو ہی نہیں سکتے تھے اس زمانے میں شاعری کے انواع میں سے وہ صنف نہایت ترقی کر گئی تھی یعنی رباعی لیکن قصیدہ مدح اور خوشامد کیلئے مخصوص ہو گیا تھا اور اس وجہ سے امام صاحب کے شایان شان نہ تھا البتہ رباعی انکے مذاق کے بالکل موافق تھی، حضرت سلطان ابو سعید ابو الخیر اور عمر خیام نے رباعی ہی کو حقائق و معارف کے اظہار کا ذریعہ قرار دیا تھا عمر خیام خود امام صاحب کا معاصر تھا اور اسی دربار سے تعلق رکھتا تھا جس سے امام صاحب وابستہ تھے۔ ان اسباب سے امام صاحب کبھی کبھی کچھ کہتے تھے تو رباعی ہی کہتے تھے چنانچہ انکی چند رباعیاں ہم تذکرہ مجمع الفصحا اور روضات الجنات[۱] سے نقل کرتے ہیں۔

اے کان بقا درچہ لقائے کہ نہ   درجائے نہ اکہ ہم جائے کہ نہ
اے ذات تو از ذات و جہت مستغنی   آخر تو کجائی و کجائے کہ نہ +

دیگر

کس را پس پردہ قضا راہ نشد   وز سر قدر ہیچ کس آگاہ نشد
ہر کس ز سر قیاس چیزے گفتند   معلوم نگشت و قصہ کوتاہ نشد

اس رباعی میں امام صاحب نے جو خیال ادا کیا ہے اگرچہ سقراط کے اس قول سے ماخوذ ہے معلوم شد کہ ہیچ معلوم نشد لیکن یہ خیال کچھ ایسا حکیمانہ خیال ہے کہ تمام حکماء کی زبان سے بے ساختہ نکل پڑا ہے۔ فارابی کہتا ہے

اسرار وجود خام و ناپختہ بماند   واں گوہر بس شریف ناسفتہ بماند
ہر گز ز سر قیاس چیزے گفتند   واں نکتہ کہ اصل بود ناگفتہ بماند

بو علی سینا نے اسکو یوں ادا کیا ہے۔

دل گرچہ دریں بادیہ بسیار شتافت   یکموئے ندانست و بسے موی شکافت
اندر دل او ہزار خورشید بتافت   آخر بکمال ذرہ راہ نیافت +

امام صاحب کی رباعی فارابی سے گو کم درجہ پر ہے لیکن بو علی سینا کی رباعی سے زیادہ لطیف اور صاف ہے۔
امام صاحب کی ایک اور رباعی ہے جس میں یہ خیال ادا کیا گیا ہے کہ ارباب ظاہر کے ان حقائق کا پتہ نہیں لگ سکتا فرماتے ہیں

با جامہ نمازے بسر خستم کردیم   وز نام سبو خرابات نیستہ کردیم +
شاید کہ دریں میکدہ باد ما بیم   آں یار کہ در صومعہ ہا گم کردیم

منطق عشق کو ایک قطعہ میں یوں ادا کیا ہے۔

قطعہ

گفتم دلا تو چند ہیں بر خویشتن پیچے   بایک طبیب محرم ایں راز در میان نہ
گفتا کہ ہم طبیب فرمودہ است با من   گر مہر یار داری صد مہر بر زبان نہ

[۱] یہ رجال کی ایک نئی تصنیف ہے جو ابن خلکان کی طرز پر لکھی گئی ہے ۱۲

یہ عجیب حیرت انگیز بات ہے کہ امام صاحب کا فارسی زبان میں جس قدر کلام ہے حقائق و معارف سے لبریز اور اُن کی عظمت و شان کے مناسب ہے لیکن عربی اشعار جو تذکروں میں منقول ہیں نہایت معمولی ہیں اور برخلاف اُن کے اہلِ مذاق کے موافق ہیں

حتی صبوت کانوت بزعمکم | وحظیت منہ بلثم خد ازہرا
انی اعتزلت فلا تلوموا انہ | اضحی یقابلنی بخد اشعری

اخیر شعر میں مذہب اعتزال اور امام اشعری کی تلمیح ہے۔

علوم و فنون

امام صاحب نے یوں تو بہت سے علوم و فنون میں کتابیں لکھیں لیکن خصوصیت کے ساتھ جن علوم کو ترقی دی وہ فقہ، اصول فقہ، کلام اور اخلاق ہیں۔ فقہ میں اُن کی کتابیں تین ہیں۔ وسیط، وجیز، بسیط۔ شافعی فقہ کے تین ارکان ہیں۔

وجیز میں جس طرح فقہ کے پیچیدہ مسائل کو سلجھا کر لکھا ہے اور اُن میں جو اختصار اور ترتیب پیدا کی ہے وہ امام صاحب کا حصہ ہے جس کی نظیر کسی قدیم تصنیف میں نہیں ملتی۔

اصول فقہ میں امام صاحب نے بہت سے مسائل خود ایجاد کیے ہیں، چنانچہ اُن کی کتاب منخول (جو ہمارے پیش نظر ہے) اس دعوے کی بیّن دلیل ہے۔

اس لحاظ سے اگرچہ ہمارا فرض تھا کہ ہم امام صاحب کی اُن ایجادات اور اجتہادات کو تفصیل سے لکھتے جو اُن علوم میں اُن سے یادگار ہیں لیکن ہمارے ناظرین کو شافعی فقہ اور اصول فقہ سے دلچسپی نہیں ہو سکتی اس لیے ہم امام صاحب کے اُن علمی کارناموں کے بیان کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جو علم کلام اور علم اخلاق کے متعلق اُن سے ظہور میں آئے۔ ملک کا مذاق اور ملک کی حالت بھی اسی کی مقتضی ہے کہ فلسفہ آمیز علوم کے مسائل قوم کے سامنے پیش کیے جائیں۔

فلسفہ اخلاق و احیاء العلوم

اسلام میں اخلاق کا فن پند و موعظت کی حیثیت سے تو خود اسلام کے ساتھ آیا لیکن فلسفیانہ طرز پر اس کی ابتدا اس زمانہ سے ہوئی جب یونانی علوم و فنون کی کتابیں عربی زبان میں ترجمہ کی گئیں۔ ارسطو نے علم اخلاق میں دو کتابیں لکھی تھیں جو بارہ مقالوں میں تھیں۔ فرفریوس نے جس کو اہل عرب فرفوریوس کہتے ہیں اُن کی تفسیر کی تھی جس کو حنین بن اسحاق نے عربی زبان میں اس کا ترجمہ[1] کیا۔ ارسطو کی ایک اور کتاب اسی فن میں فضائل نفس کے عنوان سے لکھی تھی جس کو ابو عثمان دمشقی نے عربی زبان میں منتقل کیا۔ علامہ ابن[2] مسکویہ نے لکھا ہے کہ ابو عثمان نے جو یونانی و عربی دونوں زبانوں میں نہایت کمال رکھتا تھا اس کتاب کا ترجمہ اس خوبی سے کیا کہ ایک لفظ بھی ترجمہ سے رہ نہیں گیا اور جو لفظ جس لفظ کے مقابلہ میں رکھا بعینہٖ اسی خیال کو ادا کرتا تھا جو یونانی لفظ سے پیدا ہوتا تھا۔

[1] کشف الظنون ذکر کتاب الاخلاق۔ [2] تہذیب الاخلاق ابن مسکویہ مطبوعہ مصر

جالینوس نے بھی بعض مسائل اخلاق پر ایک کتاب لکھی تھی جسکا موضوع یہ تھا کہ انسان اپنے عیب کیونکر دریافت کر سکتا ہے۔ اس کتاب کا بھی عربی زبان میں ترجمہ ہوا چنانچہ اسکے حوالے تہذیب الاخلاق ابن مسکویہ میں اکثر آتے ہیں ان ترجموں کی مدد سے حکمائے اسلام نے اس فن پر مستقل کتابیں لکھیں جن میں سے زیادہ تر قابل ذکر یہ ہیں۔

آراء اہل المدینۃ الفاضلۃ حکیم ابو نصر فارابی کی تصنیف ہے۔ یورپ میں چھپ گئی ہے اسمیں اخلاق کی بہ نسبت سیاست کے اصول زیادہ لکھے ہیں۔

کتاب البر والاثم بو علی سینا کی تصنیف ہے، ہماری نظر سے نہیں گذری لیکن بقدر معلوم ہوا ایک مختصر سی کتاب ہے۔

تہذیب الاخلاق مصنفہ حکیم ابن مسکویہ۔ ابن مسکویہ بو علی سینا کا معاصر اور بہت سے فنون میں اس کا ہم پلہ تھا۔ یہ کتاب درحقیقت یونانی فلسفہ اخلاق کا خلاصہ ہے، اکثر جگہ ارسطو و جالینوس و بروسن کے عربی ترجموں کی اکثر عبارتیں نقل کر دی ہیں۔

یہ تمام تصنیفات فلسفیانہ انداز پر تھیں، مذہب سے انکا لگاؤ نہ تھا۔

اخلاق کی مذہبی تصنیفات

مذہبی طریقہ پر جو کتابیں لکھی گئیں انمیں سے قوت القلوب ابو طالب مکی اور ذریعہ الی مکارم الشریعۃ للراغب الاصفہانی زیادہ مشہور ہوئیں۔ قوت القلوب میں اگرچہ اخلاق کے تمام ابواب کی سرخیاں قائم کی ہیں تاہم وہ ایک غیر مفید تصنیف ہے، ذریعہ میں فلسفہ کی کچھ کچھ جھلک پائی جاتی ہے لیکن وہ اس قدر کم ہے اور کمی کے ساتھ اسپر مذہبی روایات کی تعداد چھا گئی ہیں کہ دیکھنے والے کو نظر نہیں آسکتیں۔

یہاں خود بخود یہ سوال پیدا ہوگا کہ جب فن اخلاق کا اس قدر معتد بہ ذخیرہ موجود تھا اور جبکہ ابن مسکویہ بو علی سینا راغب اصفہانی جیسے اہل کمال اس فن پر اپنے دل و دماغ کو صرف کر چکے تھے تو اس بات کی کیا وجہ تھی کہ نہ یہ فن عام ہو سکا نہ اسکے مسائل لٹریچر کے رگ و پے میں سرایت کر سکے بلکہ جب تک امام غزالی نے انکو اپنے آغوش تربیت میں نہیں لیا وہ اس قابل بھی نہیں ہوا کہ علوم مدونہ کی فہرست میں جگہ پا سکے۔

قدیم تصنیفات کی عدم مقبولیت کی وجہ

حقیقت یہ ہے کہ امام صاحب سے پہلے جو تصنیفات اس فن کے متعلق موجود تھیں انہیں قبولیت اور عام رواج کی صلاحیت نہ تھی جو تصنیفات فلسفیانہ انداز پر لکھی گئی تھیں انمیں ایک طرف تو یہ نقص تھا کہ مشکل پسندی کی وجہ سے عام لوگوں کے استعمال کے قابل نہ تھیں دوسری طرف بڑی کمی یہ تھی کہ مذہبی پیرایہ نہیں رکھتی تھیں اور اس وجہ سے بجز ایک محدود فرقہ کے عام لوگوں میں رواج پا سکتی تھیں نہ انکے ساتھ وہ عقیدت اور گرویدگی پیدا ہو سکتی تھی جو مذہبی تصنیفات کیساتھ مخصوص ہے ان باتوں کے ساتھ ایک بڑا نقص یہ تھا کہ انمیں بہت سے مسائل اخلاق سرے سے مذکور نہ تھے اور جسقدر مذکور تھے وہ نہایت مجمل تھے۔

مذہبی طرز کی تصنیفات میں چونکہ فلسفہ و معقولات کی چاشنی بالکل نہ تھی اس لئے حکماء و ارباب معقول ان سے لطف نہیں اٹھا سکتے تھے بلکہ خود مذہبی گروہ میں جو لوگ دقیق النظر اور دقت پسند تھے انکو یہ تصنیفات پھیکی معلوم ہوتی تھیں

احیاء العلوم فلسفہ و مذہب دونوں کی جامع

امام صاحب نے فلسفہ و مذہب دونوں کو ترتیب دیکر احیاء العلوم تصنیف کی جس نے تمام نقص پورے کر دیئے اور وہ مقبولیت
حاصل کی کہ ایک طرف تو ائمہ اسلام اسکو الہامات ربانی سمجھے اور دوسری طرف ایک مورخ نے تاریخ فلسفہ میں اسکی نسبت یہ
لکھا کہ اگر دیکارٹ یورپ میں اخلاق کے فلسفہ جدید کا بانی خیال کیا جاتا ہے۔ اسکے زمانہ میں احیاء العلوم کا ترجمہ فرنچ زبان میں
ہو چکا ہوتا تو ہر شخص یہی کہتا کہ دیکارٹ نے احیاء العلوم کو چرا لیا ہے[1]۔

مختصرات

چونکہ ارباب ذوق اس کتاب کو تعویذ کی طرح گلے سے لگائے رہتے تھے آسانی اور تخفیف کی غرض سے بہت سے علماء نے
اس کے خلاصے لکھے کہ ہر شخص سفر و حضر میں اسکو ساتھ رکھ سکے ان خلاصوں کی تفصیل یہ ہے[2]۔

احیاء العلوم

نام کتاب	نام مصنف
مختصر احیاء العلوم	از شمس الدین محمد بن علی عجلونی المتوفی ۸۳۱ھ شیخ خانقاہ سعید السعداء مصر
اس کا نام لباب الاحیاء ہے	احمد بن محمد برادر امام غزالی
"	محمد بن سعید یمنی۔
"	شیخ ابو بکر بائس۔
"	ابو العباس احمد بن موسیٰ الموصلی المتوفی ۶۲۲ھ
"	حافظ جلال الدین سیوطی۔

احیاء العلوم کی عام خصوصیت

احیاء العلوم میں یہ عام خصوصیت ہے کہ اسکے پڑھنے سے دل پر عجیب اثر ہوتا ہے ہر فقرہ نشتر کی طرح دل میں چبھ جاتا ہے
ہر بات جادو کی تاثیر کرتی ہے۔ ہر لفظ پر وجد کی کیفیت طاری ہوتی ہے اسکا بڑا سبب یہ ہے کہ یہ کتاب جس زمانہ میں لکھی گئی۔
خود امام صاحب تاثیر کے نشہ میں سرشار تھے بغداد میں انکو تحقیق حق کا شوق پیدا ہوا تمام مذاہب کو چھانا کسی سے
تسلی نہیں ہوئی آخر تصوف کی طرف رخ کیا لیکن وہ قال کی چیز نہ تھی بلکہ سراپا حال کا کام تھا۔ اور اسکا پہلا زینہ اصلاح
باطن اور تزکیہ نفس تھا۔ امام صاحب کے مشاغل اس کیفیت کے بالکل سد راہ تھے مقبولیت عام ناموری جاہ و منزلت
مناظرات و مجادلات اور تزکیہ نفس ع شتان بینہما ع این رہ کہ میروی تو بمنزل نمیرود۔
آخر سب چھوڑ چھاڑ ایک کملی پہن بغداد سے نکلے اور دشت پیمائی شروع کی سخت مجاہدات اور ریاضات کے بعد
اس مرتبہ تک رسائی پائی۔ یہاں پہونچکر ممکن تھا کہ اسی حالت میں مست ہو کر تمام عالم سے بیخبر ہو جاتے لیکن صہبائے
عرفان بادہ پیمائی کے لحاظ سے افادہ عام پر نظر پڑی۔ دیکھا تو آوے کا آوا بگڑا ہوا ہے۔ امیر و غریب عام و خاص
عالم و جاہل۔ رند و زاہد سب کے اخلاق تباہ ہو چکے ہیں اور ہوتے جاتے ہیں۔ علماء جو دلیل راہ بن سکتے تھے طلب جاہ
میں مصروف تھے یہ دیکھکر ضبط نہ کر سکے اور اسی حالت میں یہ کتاب لکھی۔ دیباچہ میں خود لکھتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ مرض
نے تمام عالم کو چھا لیا ہے اور سعادت اخروی کی راہیں بند ہو گئی ہیں۔ علماء جو دلیل راہ تھے۔ زمانہ ان سے خالی ہوتا جاتا ہے

[1] تاریخ فلسفہ ... [illegible] ... [2] کشف الظنون ذکر احیاء العلوم ۱۲

جو حصے کیے ہیں وہ اسقدر کامل ہیں جنکو ذاتی خواص نے اپنا گرویدہ بنالیا ہے۔ اور جنہوں نے تمام عالم کو تعجب میں ڈالدیا ہے کہ علم معرفت تین چیزوں کا نام ہے، مناظرہ جو فقہ اور نحو کا ذریعہ ہے جو بجائے خود پسندیدہ نہیں عوام کی وعظ گوئی اور صحیح فقہی استعمال کئے جاسکتے ہیں فتوی دینا جو مقدمات کے فیصل کرنیکا ذریعہ ہے، اہل آخرت کا علم تو وہ تمام عالم سے لپیٹ ہوگیا ہے اور لوگ اسکو بھول بیٹھے ہیں یہ دیکھکر مجھ سے ضبط نہ ہوسکا اور مہر سکوت ٹوٹ گئی۔

امام صاحب نے اس کتاب میں جو عنوان قائم کئے وہ بالکل نئے نہ تھے خود دیباچہ میں لکھتے ہیں۔ اس موضوع پر اور بھی کتابیں تصنیف ہوچکی ہیں میری کتاب میں جو خاص خصوصیتیں ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) قدیم تصنیفات میں جو اجمال تھا اسکی تفصیل (۲) پراگندہ مضامین کی ترتیب (۳) طویل مضامین کا اختصار (۴) مکرر مضامین کا حذف (۵) بہت سے دقیق اور غامض مسائل کا حل جنکا قدیم تصنیفات میں نام ونشان نہ تھا۔ امام صاحب نے نہایت دیانت داری اور بے نفسی سے اس بات کو ظاہر کردیا کہ انہوں نے قدماء کی تصنیفات سامنے رکھکر یہ کتاب لکھی جن تصنیفات کا امام صاحب نے اشارہ کیا ہے یہ ہیں۔

رسالۂ قشیریہ۔ قوت القلوب ابو طالب مکی۔ ذریعۃ الی مکارم الشریعۃ راغب اصفہانی۔ قوت القلوب کا یہ انداز ہے کہ جو عنوان قائم کیا ہے اسکے متعلق پہلے قرآن مجید پھر احادیث پھر صحابہ پھر تابعین کے اقوال و افعال نقل کئے ہیں احیاء العلوم کا بھی یہی انداز ہے اور اس طرز میں قوت القلوب کی اس قدر پیروی کی ہے کہ کوئی شخص دونوں کتابوں کا مقابلہ کرے تو امام صاحب کی نسبت اسکو سرقہ کی بدگمانی ہوگی دو دو چار چار سطروں میں ایک دو لفظ کا کہیں فرق ہوجاتا ہے بعض جگہ ایک لفظ کی جگہ دوسرا لفظ اسی کا مرادف لکھدیتے ہیں۔ مثال کے طور پر ہم بعض عبارتیں نقل کرتے ہیں۔

احیاء العلوم	قوت القلوب
رای بعض العلماء من اصحاب الرای من الکوفۃ	رای بعض اہل الحدیث بعض فقہاء اہل الکوفۃ من اہل الرای
فقال ما رأیت فیما کنت علیہ فکرہ و جہہ و اعرض	فقلت لہ ما انکرت فیما کنت علیہ فکرہ وجہہ و
عنہ و قال ما وجدنا شیئا ان احدھم یفتی فی	اعرض عنی وقال ما وجدنا شیئا ان احدھم
مسئلۃ ھو المفتی وھم اصحابنا الساطین	یفتی فی مسئلۃ فھو المفتی فھو من اصحاب الاساطین
و عالمہم خاصۃ وھم العلماء	و اما عالم الخاصۃ فھو العالم

علامہ مرتضیٰ حسینی نے احیاء العلوم کی جو شرح لکھی ہے اس میں اکثر التزام کیا ہے کہ احیاء العلوم کی عبارت کے ساتھ ساتھ قوت القلوب کے الفاظ بھی لکھتے جاتے ہیں جس سے بآسانی اس بات کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ اس کام سے مصنف کی تنقیص مقصود نہیں بلکہ احیاء العلوم کے زمانہ تصنیف کے متعلق ایک تاریخی بحث کا فیصلہ کرنا ہے۔

امام صاحب کی بے نفسی کا ثبوت

قوت القلوب و احیاء العلوم کا باہم مشابہ ہونا

احیاء العلوم کا زمانہ تصنیف

احیاء العلوم کی نسبت ابن الاثیر جزری نے لکھا ہے کہ سفر کی حالت میں لکھی گئی اس پر بعض علماء نے اسی بناء پر اعتراض کیا تھا کہ ایک ایسی کتاب جس میں نہایت کثرت سے ہر موقع پر احادیث و آثار کے حوالے ہوں سفر میں کیونکر لکھی جا سکتی تھی، لیکن اس بات کے معلوم ہونے کے بعد کہ احادیث و آثار کا تمام تر حصہ قوت القلوب سے لیا گیا ہے یہ اعتراض خود بخود اٹھ جاتا ہے۔

بہر حال اگرچہ اس میں شبہ نہیں کہ احیاء العلوم بہت کچھ قوت القلوب و رسالہ قشیریہ و ذریعہ راغب اصفہانی سے ماخوذ ہے[1] اسمیں شبہ نہیں کہ حکمائے یونان نے فلسفہ اخلاق پر جو کچھ لکھا تھا وہ بھی امام صاحب کے پیش نظر تھا یہ بھی صحیح ہے کہ بو علی سینا و ابن مسکویہ کی تصنیفات اور اخوان الصفا کے رسالے بھی انکے سامنے تھے لیکن ان تمام تصنیفات کو احیاء العلوم سے وہی نسبت ہے جو قطرہ کو گوہر سے سنگ کو آبگینہ سے کاسہ سفالین کو جام جم سے ہے۔

احیاء العلوم کو جن خصوصیتوں نے تمام قدیم و جدید تصنیفات سے ممتاز کر دیا ہے ہم انکو بترتیب لکھتے ہیں۔

احیاء العلوم کی خصوصیات

(۱) بڑی خصوصیت جسنے عام و خاص عارف و جاہل سب میں اسکو مقبول بنا دیا ہے یہ ہے کہ حکمت و موعظت دونوں کو ساتھ ساتھ نباہا ہے تحریر یا تقریر کا سب سے مشکل پہلو وہاں پیدا ہوتا ہے جہاں دو مختلف طبقوں کے آدمیوں سے خطاب

پہلی خصوصیات

کرنا پڑتا ہے واعظ اپنی جادو بیانی سے ایک مجمع غفیر کو وجد میں لا سکتا ہے لیکن حکیمانہ طبیعت کا آدمی اس سے متاثر نہیں ہو سکتا برخلاف اسکے ایک حکیم جب معارف و حقائق پر تقریر کرتا ہے تو عوام پر اسکا جادو نہیں چلتا۔ احیاء العلوم میں یہ خاص کرامت ہے کہ جس مضمون کو ادا کیا ہے باوجود سہل پسندی، عام فہمی اور دل آویزی کے فلسفہ و حکمت کے معیار سے کہیں اترنے نہیں پایا یہی بات ہے کہ امام رازی سے لیکر ہمارے زمانے کے سطحی واعظ تک سب یکساں لطف اٹھاتے ہیں

دوسری خصوصیت

(۲) امام صاحب کے زمانے تک دستور تھا کہ فلسفہ اور متعلقات فلسفہ پر جس قدر کتابیں لکھی جاتی تھیں عموماً پیچیدہ اور دقیق عبارت میں لکھی جاتی تھیں، اور بو علی سینا نے تو فلسفہ کو گویا طلسم بنا دیا تھا اسکی وجہ کچھ تو یہ تھی کہ فلسفہ کے مسائل خود دقیق ہوتے تھے کچھ یہ کہ یونانیوں کے زمانہ سے یہ خیال چلا آتا تھا کہ فلسفہ کو عام فہم نہ کرنا چاہیے کچھ یہ کہ اکثر لوگ یہ قابلیت ہی نہ رکھتے تھے کہ پیچیدہ مطالب کو آسان عبارت میں ادا کر سکیں فلسفہ کے اور اقسام کی بہ نسبت فلسفہ اخلاق آسان اور صریح الفہم ہے تاہم اخلاق پر بھی جو کتابیں لکھی گئی تھیں مثلاً کتاب الطہارت لابن مسکویہ مشکل سے خالی نہ تھیں امام صاحب پہلے شخص ہیں جنہوں نے فلسفہ اخلاق کے مسائل اس طرح ادا کئے کہ دقیق سے دقیق نکتے افسانہ اور لطائف بن گئے۔ ایک ہی مضمون کو کتاب الطہارۃ اور احیاء العلوم دونوں میں دیکھو کتاب الطہارۃ میں تمکو غور و فکر اور خوض سے کام لینا پڑیگا اور باوجود اسکے زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ کتاب کا مطلب تمہاری سمجھ میں آ جائے۔ احیاء العلوم میں یہ معلوم بھی نہ ہوگا کہ تم کوئی علمی کتاب پڑھ رہے ہو تم قصہ کیطرح اسکو پڑھتے چلے جاؤ گے اور مضمون کی نسبت صرف یہی نہیں ہوگا کہ تم اسکو سمجھ جاؤ بلکہ دل پر اسکی کیفیت طاری ہوگی اور تم سراپا اثر میں ڈوب جاؤ گے۔

[1] رسالہ قشیریہ اور قوت القلوب سے ماخذ ہونیکا ذکر علامہ ابن السبکی نے طبقات الشافعیہ میں تصریح کیا ہے لیکن ماخذ دونوں کتابوں کا مقابلہ کرنیسے

(۳) اخلاق کی تعلیم میں ایک بہت بڑی غلطی ہمیشہ سے یہ ہوتی آئی ہے کہ اختلاف طبائع و امزجہ کا لحاظ نہیں کیا جاتا کسی بانی مذہب کے نزدیک تجرد اور ترک تعلقات و لذات پسندیدہ ہے اور وہ چاہتا ہے کہ تمام عالم تارک الدنیا ہو جائے، دوسرے کے نزدیک آرائش معاشرت اور تعیش سامان عام زیادہ مفید ہے [illegible] میں مشغول ہو جائیں لیکن چونکہ انسانی طبیعتیں مختلف پیدا ہوئی ہیں، ہر قسم کی یکساں تعلیم کا اثر خاص طبائع پر [illegible] باقی ہزاروں آدمیوں کے حق میں بیکار ہوتا ہے اس نکتے کو سب سے پہلے امام صاحب نے سمجھا انکے اصول کے موافق اخلاق کی تعلیم اختلاف طبائع کے لحاظ سے ہونی چاہیے جس شخص کا مزاج قدرتی طور سے معاشرت پسند واقع ہوا ہے اسکو ہرگز تجرد اور ترک تعلقات کی تعلیم نہیں کرنی چاہیے بلکہ معاشرت کے وہ اصول اور قواعد بتانے چاہئیں جن کے ذریعے سے اس سے وہ نیکیاں ظہور میں آئیں جو معاشرت کے ساتھ مخصوص ہیں مثلاً صلۂ رحم، حاجت روائی خلق، اعانت عام۔ اسی طرح جس کا مزاج قدرتاً تجرد پسند ہو اسکو ہرگز معاشرت کی ہدایت نہیں کرنی چاہیے بلکہ گوشہ نشینی اور ترک تعلقات کے ایسے اصول سکھلانے چاہئیں جن سے وہ اعتدال سے تجاوز نہ کرنے پائے

(۴) امام صاحب نے معاشرت و اخلاق کی بنیاد [illegible] ہر عنوان کی تدابیر روایات شرعیہ کا استنباط کیے ہیں لیکن اس نکتہ پر [illegible] احوال رسالت کی حیثیت سے تعلق رکھتے ہیں اور کون سے معاشرت اور عادات کی حیثیت سے [illegible] پر جو مستقل مضمون لکھا ہے اس میں جہاں کھانا کھانے کے قاعدے لکھے ہیں، ایک یہ [illegible] کھانا دسترخوان پر چن کر کھانا چاہیے، میز یا صندلی پر رکھکر کھانا نہ چاہیے اسکی سند میں حضرت انس کی [illegible] منقول ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی صندلی پر رکھکر نہیں کھایا پھر قدما سلف کا [illegible] نقل کیا [illegible] بدعتیں جو آنحضرت کے بعد پیدا ہوئیں [illegible] کھانے کی میز یا صندلیاں، چھلنی، اشنان، پیٹ بھر کھانا [illegible] اقوال کے بعد لکھتے ہیں کہ دسترخوان پر کھانا [illegible] لیکن اسکے یہ معنی نہیں کہ صندلی پر کھانا مکروہ یا حرام ہے [illegible] باقی یہ امر کہ یہ چیزیں آنحضرت کے بعد ایجاد ہوئیں تو یہ کوئی کلیہ نہیں کہ ہر ایجاد بدعت ہو [illegible] ناجائز صرف وہ ہے جو کسی سنت کے مخالف ہو یا جس سے شریعت کا کوئی حکم باوجود بقائے علت کے باطل ہو جائے ورنہ حالات کے اقتضا کے موافق بعض ایجادات مستحب اور پسندیدہ ہیں، صندلی پر [illegible] کھانا زمین سے ذرا اونچا ہو جاتا ہے اور کھانے میں آسانی ہوتی ہے اور یہ کوئی ممنوع امر نہیں جن چار چیزوں کو بدعت کہا گیا ہے سب یکساں نہیں ہیں اشنان ایک گھانس کا نام ہے جو صابون کے [illegible] ہاتھ دھونے کے وقت استعمال کی جاتی تھی ہاتھ دھونا تو اچھی بات ہے کیونکہ اس میں صفائی اور نفاست ہے کھانا کھانے کے بعد ہاتھ دھونے میں تو اور زیادہ صفائی ہے اگلے زمانہ میں اگر اسکا استعمال نہیں کیا جاتا تھا تو اسکی وجہ یہ ہوئی کہ اس زمانہ میں اسکا رواج نہ تھا یا دوسرے [illegible] آتی ہوگی یا وہ لوگ اہم مہمات میں مشغول

بقیہ حاشیہ [illegible]

تھے جو صفائی پر مقدم ہے۔ یہاں تک کہ وہ ہاتھ بھی نہیں دھوتے تھے اور تلووں میں ہاتھ پونچھ لیا کرتے تھے لیکن اس سے یہ تو نہیں نکلتا کہ ہاتھ دھونا مستحب نہیں۔

یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ امام صاحب نے معاشرت کے جو آداب لکھے ہیں وہ ایشیائی طریقہ کی بہ نسبت زیادہ تر مہذب ممالک کے طریقہ سے ملتے ہیں مثلاً کھانے کے آداب میں لکھتے ہیں کہ کھانا کسی اونچی چیز پر جو عربی میں سکرجہ کہتے ہیں رکھ کر کھانا چاہیے کھانے باری باری کے آنے چاہئیں لطیف کھانا (شوربہ وغیرہ) پہلے آنا چاہیے اگر اکثر مہمان آ چکے ہوں اور صرف ایک دو باقی ہوں تو کھانا شروع کر دینا چاہیے کھانے کے بعد میوہ یا کوئی شیرینی آنی چاہیے اسی مضمون میں لکھتے ہیں بعض لوگوں کے یہاں یہ طریقہ تھا کہ تمام کھانوں کے نام پرچہ پر لکھ کر مہمانوں کے سامنے پیش کئے جاتے تھے انکی خاص عبارت یہ ہے وحکی عن بعض اصحاب المودات انہ کان یکتب نسخۃ بما یستحضر من الالوان ویعرضہ علی الضیفان اس سے قیاس ہوتا ہے کہ کارڈ آف ٹیبل کا طریقہ یورپ نے ہم سے سیکھا ہے سلام کی بحث میں لکھتے ہیں

ثم القیام عند الدخول للداخل لم یکن من عادۃ العرب	کسی کے آنے کے وقت تعظیماً کھڑا ہو جانا عرب کا طریقہ نہ تھا بلکہ صحابہ بعض اوقات
بل کان الصحابۃ لا یقومون لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	آنحضرتؐ کے لئے کھڑے نہیں ہوتے تھے جیسا کہ آنحضرت اس کو ناپسند کرتے تھے لیکن
فی بعض الاحوال کراھۃ منہ ولکن اذا لم یثبت فیہ نھی	چونکہ اس کے متعلق کوئی نہی عام نہیں وارد ہوئی اس لئے جن ملکوں میں اس کا
وصار فی زماننا فی البلاد التی جرت العادۃ فیھم	رواج ہو گیا ہے وہاں قیام تعظیمی کرنا کچھ مضائقہ کی بات نہیں
بالاکرام والتطییب للقلوب بہ وکذلک سائر انواع المساعدات	کیونکہ اس سے مقصود تعظیم و تکریم ہے اسی قسم کی اور باتیں بھی جو کسی
اذا قصد بھا تطییب القلوب واصطلح علیھا جماعۃ فلا باس بمساعدتھم	قوم میں رواج پا گئی ہیں جائز ہیں ان میں شرکت بہتر ہے بجز ان کے جن کے متعلق
علیھا بل الاحسن المساعدۃ الا فیما ورد فیہ نھی لا یقبل التاویل	کوئی ایسی نہی وارد ہو چکی ہے جس کی تاویل نہیں ہو سکتی تو وہ بیشک ناجائز ہے

(۵) ایشیائی قوموں میں اخلاق کا جو بہتر سے بہتر نمونہ قرار دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ انسان متواضع ہو، حلیم ہو، دشمنوں سے انتقام نہ لے سخت بات پر اسکو غصہ نہ آئے، لہو و لعب سے بالکل محترز ہو، شرمگین ہو، قناعت پسند ہو، متوکل ہو، مجلس میں پہنچے تو چپ بیٹھے بزرگوں کے سامنے لب نہ ہلائے ہر شخص سے جھک کر ملے۔ غرض سلبی خوبیاں ہوں قوت منفعلہ سے تعلق رکھتی ہوں اسکے مقابلہ میں آج شائستہ قوموں کے نزدیک اخلاق کی عمدگی کا یہ معیار ہے کہ انسان آزاد ہو، دلیر ہو، غیرتمند ہو، باحوصلہ ہو، پرجوش ہو، مہمات امور پر اسکی نظر ہو ہر قسم کے جائز آرام اور لذائذ کا لطف اٹھائے مختصر یہ کہ جو خوبی ہو وہ قوت فاعلہ کا ظہور ہو دونوں قسم کے مذکورہ بالا اوصاف نہایت عمدہ ہیں اور جمع کے قابل ہیں لیکن ایک کا میلان پست ہمتی اور دوسرے کا بلند حوصلگی کی طرف ہے اگر کسی قوم میں صرف پہلی قسم کے اوصاف پائے جائیں تو وہ کسی قسم کی ترقی نہیں کر سکتی ہماری قوم جو روز بروز تنزل کی طرف مائل ہوتی جاتی ہے اسکا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ علماء واعظ و زہاد میں جن محاسن اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں انمیں جوش بلند ہمتی، عالی حوصلگی، آزادی، دلیری، عزم، استقلال کا ذکر تک نہیں آتا۔

۱؎ دیکھو احیاء العلوم باب آداب السلام کا لفظی ترجمہ ہے۔

احیاء العلوم بھی اگرچہ اس نقص سے پاک نہیں چنانچہ عزم و ثبات ہمت و استقلال کا کوئی باب نہیں لکھا ہے تاہم محاسن اخلاق کی جہاں تشریح کی ہے وہاں اس کا خیال رکھا ہے کہ اخلاق کا پلہ رہبانیت افسردہ دلی اور پست ہمتی کی طرف جھکنے نہ پائے بچوں کی ابتدائی تعلیم میں ورزش جسمانی اور مباح کھیلوں کو لازمی قرار دیا ہے گانے کے متعلق جہاں بحث کی ہے حضرت عمرؓ کا یہ قول کہ گانا لہو و لعب میں داخل ہے نقل کر کے پہلے یہ جواب دیا ہے کہ آنحضرتؐ نے خود حضرت عمرؓ کی بازیگری کی اجازت فرمائی تھی پھر لکھتے ہیں

علی انی اقول اللهو مروح للقلب و مخفف عنه اعباء الفکر و القلوب اذا اکرهت عمیت و ترویحها اعانة لها علی الجد فالمواظب علی التفقه فی سائر الاوقات ینبغی ان یتعطل فی بعض الاوقات فالعطلة معونة علی العمل و اللهو معین علی الجد۔

اسکے علاوہ میں کہتا ہوں کہ لہو و لعب دل کو فرحت دیتا ہے اور اس سے فکر کی تکلیف کم ہوتی ہے دل کا یہ حال ہے کہ جب وہ کسی چیز سے گھبرا جاتا ہے تو اندھا ہو جاتا ہے اسلئے اسکو آرام دینا اس بات کے لئے تیار کرنا ہے کہ وہ پھر کام کے قابل ہو جائے جو شخص دن رات تعلیم میں لگا رہتا ہے اسکو چاہیے کہ بعض وقت خالی بیٹھے کیونکہ خالی بیٹھنا کام کرنے کی مدد کرتا ہے اور کھیل کود میں مصروف ہونا سنجیدہ مشاغل کیلئے آدمی کو تیار کر دیتا ہے۔

کم خوری کی جہاں خوبیاں لکھی ہیں لکھتے ہیں کہ ہم نے بھوکے رہنے کے جو فضائل بیان کیے ہیں ان سے شاید لوگ قیاس کرینگے کہ اس میں افراط کرنا ممدوح اور پسندیدہ ہے لیکن حاشا یہ مقصود نہیں ہے شریعت کا گر یہ ہے کہ انسان کی خواہش نفسانی جس چیز کی طرف حد سے زیادہ راغب ہے اور اس حد تک راغب ہونا موجب فساد ہو تو شریعت اسکے روکنے میں اس قدر مبالغہ کرتی ہے کہ جاہل آدمی سمجھ سکتا ہے کہ خواہش انسانی کا مٹا دینا تا امکان مقصود ہے لیکن عاقل سمجھتا ہے کہ اصلی غرض اعتدال ہے مثلاً ایک طرف تو طبیعت چاہتی ہے کہ جسقدر زیادہ کھایا جائے کھانا چاہیے دوسری طرف شریعت نے بھوکے رہنے کی نہایت فضیلت بیان کی ہے اس صورت میں دونوں میں مقاومت ہو کر اعتدال پیدا ہو جائیگا۔

اخلاق کے قابل اصلاح ہونے کی بحث میں لکھتے ہیں کہ قوت غضبیہ کا زائل کرنا تہذیب اخلاق میں داخل نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ بے حمیتی و خودداری نہ پیدا ہو، یعنی نہ بزدلی ہو نہ تہوّر، پھر لکھتے ہیں کہ غصہ بالکل زائل کیونکر مقصود ہو سکتا ہے خود انبیاء علیہم السلام غصہ و غضب سے خالی نہ تھے آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ میں آدمی ہوں اور مجھکو بھی اسی طرح غصہ آتا ہے جسطرح اور آدمیوں کو، آنحضرتؐ کی یہ حالت تھی کہ جب آپکے سامنے کوئی ناگوار بات کی جاتی تھی تو آپکے رخسار سرخ ہو جاتے تھے البتہ یہ فرق تھا کہ غصہ کی حالت میں آپکی زبان مبارک سے کوئی بات بیجا نہیں نکلتی تھی [illegible]

امر بالمعروف و نہی عن المنکر یعنی اچھی بات کی ہدایت کرنا اور بری بات پر ٹوکنا ایک شرعی حکم ہے اسکی نسبت علماء کی یہ رائے ہے کہ صرف وہ شخص جو سلطان وقت کی طرف سے اس خدمت پر مقرر ہو وہ اس کام کا مجاز ہے لیکن امام صاحب نے نہایت زور کے ساتھ اس رائے کو رد کیا ہے اور لکھا ہے کہ ہر شخص کا فرض ہے کہ بری بات پر نہایت آزادی کیساتھ گرفت کرے۔ اسکی دلیل میں لکھتے ہیں کہ خود بادشاہ اگر غلطی کرے اور اسپر گرفت کیجائے تو دو حالتیں ہیں یا اگر بادشاہ اسکو جائز رکھے گا تو فبہا ورنہ یہ

اسکا وہ مجرم ہوگا اور اسپر وہ حد قابل مواخذہ ہے"

اس بحث میں امام صاحب نے بہت سی حکایتیں اس مضمون کی نقل کی ہیں کہ خلفائے عباسیہ اور دیگر سلاطین اسلام پر لوگوں نے نہایت آزادی و دلیری اور بیباکی سے نکتہ چینیاں کیں۔ پھر اس مسئلہ پر بحث کی ہے کہ بیٹے کو باپ کے غلام کو آقا کے شاگرد کو استاد کے رعایا کو بادشاہ کے مقابلے میں امر بالمعروف کرنا جائز ہے یا نہیں اسکا فیصلہ یہ کیا ہے کہ احتساب کے متعدد درجے ہیں یعنی اعلام و عظ و پند زجر و توبیخ دفع بالید تہدید تخویف زد و کوب۔ عام لوگوں کے مقابلے میں یہ سب طریقے استعمال کئے جا سکتے ہیں لیکن استاد وغیرہ کے مقابلے میں صرف دو طریقوں سے کام لینا چاہئیے۔ اعلام اور وعظ و پند

ایشیائی اخلاق کا سب سے زیادہ اور نازک مسئلہ توکل اور قناعت کا مسئلہ ہے اس مسئلہ کی غلط فہمی نے تمام ایشیائی قوموں اور خاصکر مسلمانوں کو ایک مدت سے اپاہج اور نکما بنا دیا ہے ہزاروں لاکھوں آدمی سمجھتے ہیں کہ توکل اور قناعت کسب معاش کے چھوڑ دینے کا نام ہے۔ انسان کو صرف خدا پر بھروسہ کرنا چاہئیے وہ رزاق مطلق ہے اور روزی پہنچانے کا خود ذمہ دار ہے خود ہاتھ پاؤں ہلانے کی ضرورت نہیں اس خیال نے ہزاروں لاکھوں آدمیوں کو مختلف صورتوں میں گداگر بنا دیا ہے چونکہ یہ مسئلہ نہایت نازک اور دقیق تھا اور چونکہ اسکی غلط فہمی نے بہت بڑا اثر پیدا کیا تھا امام صاحب نے اسپر نہایت مفصل اور مدلل بحث کی ہے اعمال المتوکلین کے لفظ سے جو عنوان باندھا ہے اسکی ابتدا اس جملہ سے کرتے ہیں۔

اعلم ان العلم یورث الحال والحال یثمر الاعمال وقد یظن
ان معنی التوکل ترک الکسب بالبدن وترک التدبیر بالقلب
والسقوط علی الارض کالخرقۃ الملقاۃ وکاللحم علی الوضم
وھذا ظن الجھال فان ذلک حرام فی الشرع۔

جاننا چاہئیے کہ علم ایک کیفیت پیدا کرتا ہے اور کیفیت سے اعمال صادر ہوتے ہیں بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ توکل کے یہ معنی ہیں کہ اکتساب معاش کے لئے ہاتھ پاؤں نہ ہلائے اور کوئی تدبیر نہ کی جائے بلکہ آدمی اسطرح بیکار پڑا رہے جیسے چیتھڑا زمین پر پڑا رہتا ہے یا گوشت تختہ پر رکھا ہو لیکن یہ جاہلوں کا خیال ہے کیونکہ ایسا کرنا شریعت میں حرام ہے۔

توکل کی حقیقت اور ماہیت پر امام صاحب نے ایک نہایت بسیط اور دقیق مضمون لکھا ہے اسمیں توکل کے جو معنی بیان کئے ہیں وہ عام خیال سے بالکل الگ [illegible] وہ لکھتے ہیں۔

توکل در اصل توحید کا نام ہے۔ توحید کے [illegible] اور اس حالت کی وجہ سے وہ مخصوص افعال صادر ہوتے ہیں جنکو لوگ توکل سے تعبیر کرتے ہیں لیکن پہلے سمجھنا چاہئیے کہ توحید کے چار درجے ہیں زبانی اقرار زبانی اور اعتقاد قلبی کشف کے ذریعے سے یہ مشاہدہ ہونا کہ تمام افعال ذات باری ہی سے صادر ہوتے ہیں اسباب اور وسائط کو کچھ دخل نہیں یہ مشاہدہ ہونا کہ عالم میں ذات باری کے سوا اور کوئی چیز موجود نہیں ان مراتب چہارگانہ میں سے دو پہلے مدارج کو توکل سے وجود تک کچھ دخل نہیں توکل کی ابتدا تیسرے درجے سے شروع ہوتی ہے یعنی جب بذریعہ کشف یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اسکی علت صرف ذات باری ہے بیچ کے وسائط اور اسباب بالکل بیکار ہیں جسطرح بادشاہ کوئی حکم بذریعہ تحریر کے نافذ کرتا ہے تو کاغذ قلم دوات کو اس حکم کی علت نہیں کہہ سکتے

تو انسان کی یہ حالت ہوتی ہے کہ خدا کے سوا اور وسائط و اسباب اسکی نظر سے بالکل چھپ جاتے ہیں اس حالت میں وہ جو کچھ کہتا ہے خدا سے کہتا ہے جو کچھ مانگتا ہے خدا سے مانگتا ہے اس کا نام توکل ہے۔

امام صاحب نے توکل کے جو معنی بیان کئے ہیں وہ ایک جلالی کیفیت یا حالت ہے جو ارباب ذوق پر طاری ہوتی ہے بے شبہ یہ حالت جس پر طاری ہو جائے وہ ظاہری اسباب سے بے نیاز ہو جائیگا لیکن آج جو لوگ توکل کے مدعی ہیں کیا اس معنے کے لحاظ سے ہیں؟ کیا انپر یہ کیفیت طاری ہے؟ اگر نہیں تو انکو ہاتھ پاؤں توڑ کر دنیا پر زندگی بسر کرنے کا کیا حق ہے

امام صاحب نے توکل کی عملی کیفیت میں بھی یہ جائز نہیں رکھا کہ متوکل شخص اسباب و وسائط سے دست بردار ہو جائے وہ لکھتے ہیں کہ اسباب و وسائط کی تین قسمیں ہیں قطعی، ظنی، احتمالی قطعی میں اسباب سے قطع نظر کرنا بالکل ناجائز ہے۔

فعل المجنون محض ليس من التوكل في شئ فان انتظرت ان يخلق الله فيك شبعا دون الخبز او يخلق في الخبز حركة اليك او يسخر ملكا ليمضغه ويوصله الى معدتك فقد جهلت سنة الله تعالى

محض جنون ہے اور اسکو توکل سے کچھ لگاؤ نہیں کیونکہ مثلاً اگر تم یہ بات کے منتظر ہو کہ خدا تم کو روٹی کے بغیر سیر کر دیگا یا روٹی کو حرکت دیگا کہ وہ خود تمہارے پاس آ جاوے یا فرشتہ مقرر کر دیگا کہ روٹی کو چبا کر تمہارے معدہ میں ڈالدے تو تم نے خدا کی عادت بالکل نہ سمجھا۔

ظنی میں بھی اسباب سے قطع نظر کرنا توکل میں مشروط نہیں یہی وجہ ہے کہ حضرت خواص سفر میں سوئی مقراض رسی اور چھاگل ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے۔

البتہ احتمالی اسباب یعنی جس سے کبھی کبھی اتفاقیہ طور سے مقصد حاصل ہو جاتا ہو ذہنی تلاش و جستجو کرنا توکل کے خلاف ہے

اعلموا ان المجاورين في الرباطات والصوفية مع معلوم بعيد من التوكل وان لم يكن معلوم وامرهم الى الله فهو قوي في التوكل ولكنه بعد استقرار القوم بذلك فهو كالسوق للمتوكل فان الداخل السوق فلا يكون متوكلا الا بشروط كثيرة كالداخل السوق۔

جو لوگ خانقاہوں میں رہتے ہیں اور مقررہ روزینہ پاتے ہیں توکل سے بعید ہیں۔ اگر سوال نہ کیا جائے اور نہ کوئی وظیفہ مقرر ہو تب بھی توکل کی شان ہے لیکن جب شہرت ہو چکی ہو حالت یہ ہو کہ لوگ خانقاہ میں نذرانے دیتے ہیں اور ایسی رسم گویا بازار بن جاتا ہے اور جو شخص بازار میں جا بیٹھتا ہے وہ متوکل نہیں ہو سکتا مگر چند شرطوں کے ساتھ جو بہت سی ہیں ان شرائط کا اعتبار یہاں بھی ہے۔

غرض امام صاحب نے توکل کی جو تعریف اور احکام بیان کئے وہ وہ توکل نہیں جو انسان کو کاہل سست اور بے پروا بنا دیتا ہے بلکہ ایک بیرونی حالت ہے۔ خود امام صاحب نے اس مضمون میں بارہا اس بات کا اعادہ کیا ہے کہ متوکل کا یہ کام نہیں کہ خود محتاج رہ کر دوسروں کی کمائی کھائے۔

احیاء العلوم کا فلسفہ اخلاق

ان سرسری عام خصوصیتوں کے بیان کے بعد ہم احیاء العلوم کے خاص فلسفہ اخلاق سے بحث کرتے ہیں۔ امام صاحب نے فلسفہ اخلاق کے ابتدائی اصول تمامتر حکمائے یونان سے لئے ہیں ابن مسکویہ کی کتاب تہذیب الاخلاق حکمائے یونان کے خیالات کا مجموعہ ہے۔

ف۔ ابن مسکویہ کی کتاب کا نام ہے

اخلاق کا پورا خلاصہ ہے امام صاحب نے احیاء العلوم میں اخلاق کی حقیقت اُسکی تقسیم اور انواع پر جو کچھ لکھا ہے تہذیب الاخلاق
سامنے رکھکر لکھا ہے مثلاً خلق کی حقیقت و ماہیت جہاں بحث کی ہے لکھتے ہیں۔

خلق اور خلق قریب المعنی الفاظ ہیں جو اکثر ساتھ ساتھ استعمال کئے جاتے ہیں مثلاً کہتے ہیں کہ فلاں شخص کے خلق اور خلق
دونوں اچھا ہے یعنی اُسکا ظاہر بھی اچھا ہے اور باطن بھی۔

انسان حقیقت میں دو چیزوں کا نام ہے جسم۔ روح۔ اور جس طرح جسم کی ایک خاص صورت اور شکل ہے روح کی بھی ہے پھر جس طرح
کی صورت اچھی یا بری ہوتی ہے روح کی بھی ہوتی ہے اور جسطرح ظاہری صورت کے لحاظ سے انسان کو خوبصورت یا بدصورت
کہتے ہیں۔ روحانی صورت کے لحاظ سے اُسکو خوش اخلاق یا بداخلاق کہا جاتا ہے۔

منطق کے اصول کے موافق خلق کی یہ تعریف ہے روح میں ایسے ملکۂ راسخہ کا پایا جانا جسکی وجہ سے انسان سے اچھے یا برے
افعال بلاتکلف آپ سے آپ سرزد ہوں۔

اس تعریف میں تین قیدیں ہیں۔ ملکۂ راسخہ۔ افعال کا بلاتکلف سرزد ہونا۔ پہلی قید کا یہ فائدہ ہے کہ اگر کسی شخص
کی طبیعت فطرۃً سخی واقع ہو لیکن افلاس یا کسی مجبوری کی وجہ سے فیاضی کا اظہار نہ کرسکتا ہو تو اُسکی سخاوت میں فرق نہیں آسکتا۔
حسن خلق کے وجود کیلئے افعال کا صادر ہونا شرط نہیں۔ صرف یہ شرط ہے کہ طبیعت میں اس قسم کی کیفیت موجود ہو کہ اگر
اُسکے سامان اور موقع ہاتھ آئیں تو بلاتکلف وہ کام ظہور میں آئے۔

دوسری قید کا یہ نتیجہ ہے کہ اگر کسی شخص کو کبھی کبھی اتفاقیہ کسی کام کی طرف رغبت ہو تو وہ خلق میں داخل نہیں کیونکہ
ملکۂ راسخہ نہیں کہہ سکتے۔ تیسری قید کا یہ فائدہ ہے کہ کوئی شخص اگر اپنی طبیعت پر زور ڈالکر اپنے غصہ کو تھامتا ہے تو اسکو
حلیم نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ یہ فعل اُس سے بے تکلف ظہور میں نہیں آتا۔

اخلاق کے اقسام بہت ہیں لیکن اصلی ارکان تین ہیں اور تمام شاخیں انہی سے نکلتی ہیں۔ علم۔ غضب۔ شہوت[1]
ان تینوں قوتوں کے اعتدال کا نام حسن خلق ہے کسی شخص میں اگر یہ تینوں قوتیں معتدل ہوں تو وہ پورا خوش اخلاق ہوگا
صرف ایک یا دو ہوں تو ناتمام جسطرح کسی کے تمام اعضا خوبصورت ہوں تو کامل الحسن ہوگا ورنہ ناقص۔

علم کی قوت کے اعتدال کا نام حکمت ہے اور وہ تمام اخلاق حسنہ کی بیخ و بن ہے۔

غضب کی قوت اگر افراط و تفریط سے بالکل بری ہو یعنی اس طرح عقل کے قابو میں ہو کہ وہ جسطرف بڑھائے بڑھے اور
جہاں روکے رک جائے تو اُسکو شجاعت کہتے ہیں۔ شجاعت کی قوت مختلف مظہروں میں ظاہر ہوتی ہے اور ہر مظہر کا نام جدا
ہے مثلاً خودداری۔ دلیری۔ آزادی۔ حلم۔ استقلال۔ ثبات۔ وقار۔ یہ قوت (غضب) جب اعتدال سے بڑھکر افراط کیطرف
مائل ہوتی ہے تو تہور بنجاتی ہے اور اسی سلسلہ بسلسلہ غرور نخوت خودپسندی خود بینی وغیرہ پیدا ہوتی ہے جب تفریط کی طرف جھکتی ہے
تو پست ہمتی کم حوصلگی بیطاقتی و دنائت کے قالب میں ظہور کرتی ہے۔

[1] امام صاحب نے عدل بھی لکھا ہے جو چوتھا عدل لیکن ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں۔

شہوت کی قوت میں جب کمال اعتدال ہوتا ہے تو اس کو عفت کہتے ہیں یہی صفت مختلف سانچوں میں ڈھلکر مختلف طریقوں سے نمایاں ہوتی ہے یعنی جود، سخاوت، صبر، درگزر، قناعت، پرہیزگاری، لطیف مزاجی، خوش طبعی، بے طمعی، یہ صفت جب افراط و تفریط کی طرف مائل ہوتی ہے تو اس سے حرص، طمع، بے شرمی، فضول خرچی، ریاکاری، بدباشی، رذالت، تملق، حسد، رشک وغیرہ اوصاف پیدا ہوتے ہیں۔ عقل کی قوت معتدل رہتی ہے تو حسن تدبیر، جودت ذہن، اصابت رائے پیدا ہوتی ہے۔ جب اس میں افراط آتا ہے تو مکر، فریب، حیلہ سازی، عیاری وغیرہ اخلاق پیدا ہوتے ہیں تفریط ہوتی ہے تو حماقت، سادہ پن، ناسمجھی، ناعاقبت اندیشی کی صورت میں ظہور کرتی ہے۔

مختصر یہ کہ محاسن اخلاق کے ارکان اصلی تین ہیں حکمت، شجاعت، عفت، جو فضائل و اخلاق حسنہ ہیں سب انہی کی مختلف قالبیں یا مختلف شکلیں ہیں۔

امام صاحب نے اخلاق کی یہ تحدید اور تقسیم حکیم ابن مسکویہ کی تحقیق کے مطابق کی ہے بلکہ سچ یہ ہے کہ حکیم موصوف نے اپنی کتاب تہذیب الاخلاق میں اس بحث کے متعلق جو کچھ لکھا تھا امام صاحب نے خوبی کے ساتھ اسی کو ادا کیا ہے۔

امام صاحب نے اس تحدید و تقسیم کے بعد اس مسئلہ پر بحث کی کہ اخلاق میں اصلاح و تغیر کی قابلیت ہے یا نہیں قدماء یونان میں بعض اس بات کے قائل تھے کہ انسان بالطبع شریر اور بداخلاق پیدا ہوا ہے لیکن تربیت و تعلیم سے خوش اخلاق ہو سکتا ہے رواقیین اس کے خلاف تھے وہ انسان کو بالطبع پاکیزہ خو خیال کرتے تھے۔ جالینوس نے ان دونوں مذہبوں کو اس دلیل سے باطل کیا کہ مثلاً اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ تمام آدمی خلقۃً نیک ہیں تو کوئی شخص تعلیم سے بھی شریر نہیں ہو سکتا خود تو اس میں سرے سے شرارت کا مادہ ہی نہیں دوسرے سے سیکھ سکتا تھا لیکن پہلے فرض کر لیا گیا ہے کہ آدمی تمام نیک ہیں اس لئے جب خود سکھلانے والے میں شرارت کا وجود نہیں تو وہ کسی دوسرے کو شرارت کی تعلیم کیونکر دے سکتا ہے جالینوس کا ذاتی مذہب یہ ہے کہ بعض انسان بالطبع شریر ہوتے ہیں بعض بالطبع نیک بعض دونوں کے بیچ بیچ میں ہوتے ہیں اور صرف یہی اخیر فرقہ اصلاح کے قابل ہوتا ہے ارسطو نے کتاب الاخلاق میں یہ مذہب اختیار کیا ہے کہ بداخلاقی یا خوش اخلاقی کوئی چیز انسان کی طبعی اور جبلی نہیں۔ جو کچھ ہے تعلیم و تربیت کا اثر ہے البتہ تعلیم و تربیت کی قابلیت کے مدارج مختلف ہیں۔[1]

امام صاحب نے ارسطو کی رائے اختیار کی وہ لکھتے ہیں کہ موجودات کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو مکمل طور پر پیدا ہوئیں اور ہمارے اختیار سے باہر ہیں مثلاً آفتاب، ماہتاب، زمین دوسرے وہ جو ناقص پیدا کی گئیں اور ان میں یہ قابلیت رکھی گئی ہے کہ تربیت سے کامل ہو جائیں مثلاً گٹھلی کہ درخت کا بیج ہے وہ اس وقت بیج ہے لیکن درخت بن سکتا ہے اخلاق انسانی اسی دوسری قسم میں داخل ہیں۔ اس قدر ضرور ہے کہ تمام آدمیوں کی جبلتیں یکساں نہیں بعض کے اخلاق بآسانی اصلاح پذیر ہو سکتے ہیں اور بعض کے بمشکل خود اخلاق کی اقسام میں بھی باہم اختلاف ہے، شہوت، غضب، کبر، غرور ان میں سے بعض کی اصلاح آسانی سے ہو سکتی ہے بعض کی مشکل سے۔

[1] یہ تمام تفصیل ابن مسکویہ کی کتاب تہذیب الاخلاق سے ماخوذ ہے دیکھو کتاب مذکور مطبوعہ مصر صفحہ ۲۱ اگر بہ استدلال اور تشبیہ راغب اصفہانی کی کتاب الذریعہ سے ماخوذ ہے ۱۲

جو علماء اخلاق کے قابل اصلاح ہونے کے قائل تھے ان کا ایک گروہ یہ بھی سمجھتا تھا کہ اخلاق کی ایک مثال بھی دنیا میں موجود نہیں کہ شہوت، غضب، خود پرستی وغیرہ کا بالکل استیصال ہو جائے، امام صاحب اسکے جواب میں لکھتے ہیں کہ ان قویٰ کا معدوم کرنا مقصود ہی نہیں، یہ تمام قویٰ مصالح زندگی کے لحاظ سے پیدا کئے گئے ہیں، غضب کی قوت اگر بالکل مفقود ہو جائے تو انسان اپنے آپکو دوسروں کے حملے سے نہ بچا سکے اور خود ہلاک ہو جائے۔ شہوت کی قوت جاتی رہے تو نسل انسانی منقطع ہو جائے۔ علم اخلاق کا مقصود یہ ہے کہ یہ تمام قوتیں قائم رہیں لیکن حد اعتدال پر آ جائیں یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں والکاظمین الغیظ کہا، یعنی غصے کے تھامنے والے، یہ نہیں کہا کہ والفاقدین الغیظ جنہیں سرے سے غصہ نہ ہو۔ اس بحث کے بعد امام صاحب نے عام طور پر تہذیب الاخلاق کے چند قاعدے لکھے ہیں لیکن چونکہ اخلاق کی اصلاح اسبات پر موقوف ہے کہ پہلے انسان اپنے عیوب پر مطلع ہو، اسلئے اسکا ایک خاص عنوان باندھا اور عیوب سے واقف ہونے کے چار طریقے بتائے۔

(۱) شیخ طریقت سے اسبات کی درخواست کرنا کہ عیوب پر مطلع کرتے رہیں (۲) اپنے خاص اور بے ریا احباب سے اسکا خواہاں ہونا کہ عیوب پر مطلع کرتے رہیں، حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ خدا اس شخص کا بھلا کرے جو میرے عیوب کا تحفہ مجکو بھیجے۔ امام صاحب یہ طریقہ لکھکر لکھتے ہیں کہ "افسوس! یہ علاج آجکل کام نہیں دیتا۔ احباب یا تو مداہنت کرتے ہیں اور عیوب کو چھپاتے ہیں یا اس قدر بڑھا کر کہتے ہیں کہ اصلی عیب کا پتہ نہیں ملتا۔ طبائع کا یہ حال ہے کہ جو شخص عیوب پر مطلع کرتا ہے وہ دشمن، حاسد اور نکتہ چین خیال کیا جاتا ہے۔ کوئی شخص ہمارے عیب بتلاتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ یہ باتیں آپ میں بھی تو موجود ہیں۔ یہ خیال ہم کو اپنے عیوب کی طرف متوجہ ہونے نہیں دیتا۔"

(۳) عیوب پر مطلع ہونیکا بڑا ذریعہ ہمارے دشمن ہیں۔ ہمارے عیب ہمکو خود نظر نہیں آتے لیکن دشمن ہمارے پوشیدہ اور دقیق عیوب کی تہ تک پہنچتا ہے اور انکو پھیلاتا ہے اسلئے دشمنوں کی عیب گیری اپنے عیوب سے مطلع ہونے کیلئے بہت کام آسکتی ہے لیکن افسوس ہے کہ یہ تدبیر بھی ہمکو مفید نہیں ہو سکتی۔ ہمارا نفس ہمکو سمجھاتا ہے کہ فی الواقع ہم میں یہ عیوب نہیں بلکہ وہ دشمن کی دشمنی کی وجہ سے ہماری اچھی باتیں بھی بری نظر آتی ہیں۔ یا وہ دانستہ ہمارے ہر فعل کو عیب کا لباس پہناتا ہے

(۴) لوگوں کے اخلاق و عادات کو اپنے عیوب کا آئینہ بنایا جائے۔ چونکہ افراد انسانی کی عادات و فضائل و نقائص اکثر ملتے جلتے ہوتے ہیں اس لئے جو عیب دوسروں میں نظر آئے قیاس کرنا چاہیئے کہ ہم میں بھی ہوگا۔ پھر جب زیادہ تدقیق کرینگے تو اصل حقیقت ظاہر ہو جائیگی

امام صاحب نے عیوب سے واقفیت کے جو طریقے بتائے ان میں سے دو پہلے جالینوس نے اپنی کتاب تعرف المرء عیوب نفسہ میں لکھے ہیں، اور چوتھا یعقوب کندی کا اختراع ہے۔[۵]

چونکہ امام صاحب کے نزدیک اخلاق کی درستی میں تربیت کو بہت دخل ہے اور تربیت کی بنیاد اصلی بچپن کے زمانے میں پڑتی ہے اسلئے امام صاحب نے بچوں کی اخلاقی تربیت کے قواعد کو ایک مستقل عنوان کے طور پر مرتب کیا جسکا خلاصہ یہ ہے۔

بچوں میں جس وقت تمیز کے آثار ظاہر ہوں اسی وقت سے اسکی دیکھ بھال رکھنی چاہیئے۔ بچہ میں سب سے پہلے غذا کی خواہش پیدا ہوتی ہے اسلئے

۵ تہذیب الاخلاق ابن مسکویہ مطبوعہ مصر صفحہ ۳۰

تعلیم کی ابتدا یہیں سے شروع ہونی چاہیئے اُسکو سکھلانا چاہیئے کہ کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھ لیا کرے جو دسترخوان پر چیز کھانا سامنے اور قریب ہو اُسی کی طرف ہاتھ بڑھائے۔ ساتھ کھانے والوں پر سبقت نکرے۔ کھانے کی طرف یا کھانے والوں کی طرف نظر نہ جمائے۔ جلد جلد نکھائے نوالہ اچھی طرح چبائے۔ ہاتھ کپڑے کھانے میں آلودہ نہونے پائیں۔ بیڑنا زہدی کو سیکھا نا بہتیں یا کم کھانا معمولی کھانے پر اکتفا کرنا اور دوسروں کو کھلا دینا۔ ان اوصاف کی خوبی دلمیں بٹھائی جائے۔

سفید کپڑے پہننے کا شوق دلایا جائے اور اُسکو سمجھایا جائے کہ رنگین ریشمین زرنگار کپڑے پہننا عورتوں یا مخنثوں کا کام ہے جو لڑکے اس قسم کے کپڑے پہننے کے عادی ہوں اُنکی صحبت سے بچایا جائے آرام پرستی اور ناز و نعمت سے بچایا جائے اور نفرت دلائی جائے۔ جب بچے سے کوئی اچھا فعل ظہور میں آئے تو تعریف کرکے اُسکا دل بڑھایا جائے اور اُسکو صلہ و انعام دیا جائے اسکے خلاف کبھی کوئی بات ظہور میں آئے تو اغماض کرنا چاہیئے تاکہ برے کام کرنے پر دلیر نہو جائے خصوصاً جب خود اُسکام کو چھپانا چاہتا ہو اگر دوبارہ وہ فعل اُس سے سرزد ہو تو تنہائی میں اُسکو نصیحت کرنی چاہیئے کہ یہ بہت بری بات ہے لیکن بار بار اُس کو ملامت نکرنی چاہیئے والدین کو لحاظ رکھنا چاہیئے کہ ہر وقت زجر و توبیخ نکرتے رہیں کیونکہ بار بار کہنے سے بات کا اثر کم ہو جاتا ہے اور بچہ زجر و توبیخ کا عادی ہو جاتا ہے۔

دن کو سونا نہ چاہیئے بستر پر تکلف اور زیادہ نرم نہ ہونا چاہیئے سچائی کی سخت تاکید کرنی چاہیئے کہ کوئی کام چھپا کر نکرے کیونکہ بچہ اُسی کام کو چھپا کر کرتا ہے جسکو بُرا سمجھتا ہے اسلئے جب چھپا کر کام کرنیکی عادت چھوٹے گی تو خود بخود تمام برائیاں چھوٹ جائیں گی۔

ہر روز کچھ نہ کچھ پیادہ چلنا اور ورزش کرنی چاہیئے تاکہ طبیعت میں افسردگی اور سستی نہ آنے پائے ہاتھ پاؤں کھلے نہ رکھے بہت جلد جلد نہ چلے۔ دولت مال لباس غذا قلم دوات غرض کسی چیز پر فخر کا اظہار نکرنے پائے اگر امیر ہو اور ریاست و امارت کے شوق سے اُسکے ہم صحبت بچے اُسکو کچھ نذر دینا چاہیں تو اُسکو سمجھایا جائے کہ کسی سے لینا حوصلہ مندی کے خلاف ہے مفلس کا بچہ ہے تو اُسکے ذہن نشین کیا جائے کہ بخشش و عطا کا قبول کرنا دنائت اور کمینہ پن ہے۔

مجلس میں تھوکنا۔ جماہی اور انگڑائی لینا۔ دوسروں کی طرف پیٹھ کرکے بیٹھنا پاؤں پر پاؤں رکھنا۔ تھوڑی کے نیچے ہتیلی رکھکر بیٹھنا۔ ان باتوں سے منع کرنا چاہیئے۔

قسم کھانے سے بالکل روکنا چاہیئے۔ گو سچی قسم ہو بات خود نہ شروع کرے بلکہ کوئی پوچھے تو جواب دے مخاطب کی باتکو توجہ سے سُنے فضول گوئی فحش و دشنام اور سخت کلامی سے منع کیا جائے اور جن لوگوں کو ان باتوں کی عادت پڑگئی ہو اُنکی صحبت نہ اختیار کرنے پائے مکتب سے پڑھکر نکلے تو اُسکو موقع دیا جائے کہ کوئی کھیل کھیلے کیونکہ ہر وقت پڑھنے اور لکھنے میں مصروف رہنے سے دل بجھ جاتا ہے۔ ذہن کند ہو جاتا ہے طبیعت اُچٹ جاتی ہے۔

امام صاحب کا یہ دستور العمل بالکل حکیم بروسن یونانی کے اُس ہدایت نامہ سے ماخوذ ہے جسکو ابن مسکویہ نے کتاب تہذیب الاخلاق میں حکیم موصوف کی کتاب سے نقل کیا ہے۔

اس امر لحاظ کے قابل ہے کہ امام صاحب بچوں کو صلہ و انعام کے قبول کرنے سے باز رکھنے کی تاکید کرتے ہیں۔ افسوس ہمارے زمانہ کی عربی مدرسوں کی بنیاد اسی پر قائم ہے کہ طلبا کو آج فلاں شخص نے قربانی کی ایک کھال عنایت کی۔ فلاں شخص نے کپڑوں کی دھلائی کے پیسے دئے۔ فلاں شخص نے روٹیاں بھیج دیں۔ طرفہ یہ کہ یہ واقعات مدارس کی سالانہ رپورٹ میں تفصیل کیساتھ درج کئے جاتے ہیں۔ اس قسم کی تربیت سے دناءت اور پست حوصلگی کے سوا اور کیا امید کیجا سکتی ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر رنجش۔ ذرا ذرا سی باتوں پر تکفیر کے فتوے دینا۔ تمدن و دنیا سے گذارہ کرنا۔ عوام کے مذاق کا پابند رہنا یہ سب اسی تعلیم و تربیت کے نتائج ہیں۔ امام صاحب نے تربیت کا جو طریقہ بتایا ہے اگر اسکی تقلید کیجائے تو اسی قسم کے بلند حوصلہ علما پیدا ہو سکتے ہیں جیسے خود امام صاحب تھے۔ امام صاحب نے اخلاق کے یہ تمام اصول اور مسائل اگرچہ فلسفہ سے لئے لیکن طرز ادا میں وہ بات پیدا کی جو خود فلاسفہ کو نصیب نہ تھی۔

امام صاحب نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا کہ اخلاق میں فلسفہ کی آمیزش کی بلکہ نفس فن کو اسقدر وسعت دی کہ یونانیوں کا فلسفۂ اخلاق اسکے مقابلے میں قطرہ و دریا کی نسبت رکھتا ہے۔

حکیم ابن مسکویہ نے اپنی کتاب میں جو فلسفۂ یونان کا خلاصہ ہے، اخلاقی امراض کی صرف آٹھ قسمیں قرار دیں۔ تہور۔ جبن۔ شرہ۔ خمود۔ سفاہت۔ بلاہت۔ جور۔ ذلت۔ ان امراض میں بھی صرف تہور و جبن کے علاج کے طریقے بتلائے۔ باقی قابل علاج نہیں سمجھا یا بے اعتنائی سے اُن پر توجہ نہیں کی۔ لیکن امام صاحب نے نہایت تدقیق کیساتھ تمام اخلاقی امراض کا استقصا کیا اور نہایت تفصیل کیساتھ ایک ایک کی حقیقت و ماہیت تشخیص کی اور علاج کے طریقے لکھے۔ حسد۔ جاہ پرستی۔ ریا۔ عجب۔ غرور۔ غضب۔ بخل۔ غیبت۔ کذب۔ فضول کلام۔ نمامی۔ مزاح وغیرہ وغیرہ کا ایک ایک مستقل عنوان قائم کیا اور فلسفیانہ تدقیق کیساتھ ہر ایک پر گفتگو کی۔

اخلاقی امراض کا استقصا ابو طالب مکی، راغب اصفہانی اور اور اہل فن نے بھی کیا تھا لیکن انکی تشخیص و تفحص کے متعلق امام صاحب نے جو موشگافیاں اور نکتہ سنجیاں کیں قدما کے یہاں اسکا پتہ بھی نہیں لگ سکتا۔ مثال کے طور پر اُن میں سے بعض کی تفصیل ذیل میں درج کیجاتی ہے۔

(۱) انسان کو اپنے افعال و اعمال کی نسبت سب سے زیادہ دھوکا وہاں ہوتا ہے جہاں اُن پر ظاہر مذہبی رنگ چڑھا ہوتا ہے وہ ایک کام کو مذہبی نیکی سمجھکر کرتا ہے لیکن وہ درحقیقت کوئی اور چیز ہوتی ہے جو اسکی محرک ہوتی ہے۔
اس نکتہ کو امام صاحب نے جس قدر دقیقہ سنجی سے سمجھا اور جس آزادی سے ظاہر کیا کبھی کسی نے نہ سمجھا تھا نہ ظاہر کیا تھا۔
احیاء العلوم میں ایک خاص باب اسکے لئے باندھا ہے جس کا نام کتاب ذم الغرور رکھا ہے اس میں اہل علم، زہاد، حجاج وغیرہ کے بہت سے عنوان قائم کئے ہیں اور ایک ایک کی حقیقت کھولی ہے۔ ارباب مال کے عنوان میں لکھتے ہیں۔

ان میں بہت سے لوگ مساجد، مدارس، خانقاہیں تعمیر کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ بڑے ثواب کا کام ہے حالانکہ جس آمدنی سے تعمیر کی ہے

حاصل نہ ہوگا اور نقدوں سے حاصل کی گئی ہو اور اصل میں جائز بھی ہو تو اس کا مقصود اصل ثواب نہیں بلکہ شہرت اور نام آوری ہوتا ہے۔ نیز یہ کہ ارباب حاجت موجود ہوتے ہیں جنکی خبرگیری کرنی مسجد بنانے سے زیادہ موجب اجر ہے لیکن چونکہ مقابلہ میں لوگوں کو نظر نہیں آتی اسلئے ترجیح دیتے ہیں جس کی وجہ صرف یہ ہوتی ہے کہ عمارت سے جو پائیدار شہرت حاصل ہوتی ہے وہ مساکین کے دینے سے حاصل نہیں ہوتی۔ مساجد نہایت تکلف کی تعمیر میں نہایت نقش و نگار رنگا رنگی زیب و آرائش میں صرف کیا جاتا ہے حالانکہ مسجد کا مقصود ادائے عبادت ہے نہ اظہار شان و شوکت۔

بہت سے لوگ طلب نام کو میں ہزاروں روپیہ صرف کرتے ہیں اذن عام دیا جاتا ہے ہزاروں فقرا جمع ہوتے ہیں خیرات لینے جاتے ہیں اور مجمع سے نکلتے ہیں تو بعض بیکس تھک جاتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ حج میں خیرات کرنی زیادہ ثواب ہے اس غرض سے حج بہت کرتے ہیں۔ وہاں جا کر ہزاروں روپیہ خیرات کرتے ہیں حالانکہ اس تمام داد و دہش کا اصلی محرک شہرت اور نام آوری ہوتی ہے ورنہ اگر محض تحصیل ثواب مقصود ہوتا تو اعلان و اشتہار کی کیا ضرورت تھی۔ اسطرح چپکے دیتے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوتی۔ صدقات و وجوہ خیر کی نسبت امام صاحب نے جو کچھ لکھا ہمارے زمانے کے بالکل حسب حال ہے تمام ممالک اسلامیہ میں آج مسلمانوں کے تنزل کا سب سے بڑا سبب یہی ہے کہ لاکھوں کروڑوں روپیہ بیجا وجوہ خیر میں صرف کر دیا جاتا ہے ہزاروں لاکھوں آدمی ہیں جو اپنے دست و بازو سے کما سکتے ہیں لیکن کمانے کے بجائے بھیک مانگتے پھرتے ہیں اور لوگ انکو دے دے کر انکی عادت کو مستحکم کرتے جاتے ہیں۔ ایک شہر میں سیکڑوں مسجدیں موجود ہیں اور نئی مسجدیں بنتی جاتی ہیں اور جو روپیہ اسلام کے نہایت ضروری کاموں میں خرچ ہونا چاہیے تھا وہ اسی میں صرف کر دیا جاتا ہے۔ مدارس ہیں نام کے مولوی فارغ ہو کر نکلتے ہیں معاش کا کوئی ذریعہ نہیں ہوتا۔ دیہات میں جاتے ہیں اور ادنی تنخواہ کے سوا تو چندہ کا کچھ بہت کر کے چھوٹا موٹا ایک مدرسہ قائم کر دیتے ہیں۔ خود عربی عبارت بھی اچھی طرح نہیں پڑھ سکتے ہیں لیکن دو دو کتابیں پڑھا کر دستار فضیلت بندھوا کر شریعت کے سیاہ و سفید کا مالک بنا دیتے ہیں علماء جانتے ہیں کہ ان باتوں سے اسلام کی ضرورتیں پوری نہیں ہو سکتیں لیکن کس کا مقدور ہے کہ منبر پر چڑھ کر صاف صاف کہدے کہ یہ ثواب کے کام نہیں ہیں۔ امام غزالی ہی کا دل گردہ تھا کہ بیخوف و خطر اور بے دریغ اس قسم کے خیالات ظاہر کرسکے۔

(۲) انسان سب سے زیادہ غلطی ان موقعوں پر کرتا ہے جہاں ایک کام کے نیک و بد دونوں پہلو ہوتے ہیں اور دونوں میں بہت باریک فرق ہوتا ہے۔ ان موقعوں پر انسان اپنے افعال کو ہمیشہ نیکی کے پہلو پر محمول کرتا ہے اور غلطیوں میں پڑ کر برے کاموں کا مرتکب ہو جاتا ہے۔ امام صاحب نے اس عقدہ کو نہایت دقیقہ سنجی سے حل کیا ہے احیاء العلوم کتاب ذم الغرور میں اہل علم کا جو عام گروہ ہے اسکی نسبت لکھتے ہیں کہ علماء میں سے جو لوگ غرور میں مبتلا ہیں انکے متعدد گروہ ہیں۔

ایک گروہ وہ ہے جو علم و عمل کا پابند ہے خباثت نفسانی کی ماہیت اور اقسام سے بھی واقف ہے یہ جانتا ہے کہ شریعت نے ان اوصاف کو بہت برا کہا ہے لیکن اپنے نفس کی نسبت اسکے خیال میں بھی نہیں آتا کہ وہ ان اوصاف سے موصوف ہو سکتا ہے اور وہ ہمیشہ ان باتوں کا

ظاہر ہوتا ہو تو اسکا نفس عجب محسوس کرتا ہے اور مخلوق اسکو دیکھ کے دیتا ہے - تکبر، شہرت پسندی کو وہ اسپر محمول کرتا ہے کہ وہ کبر اور طلب جاہ نہیں بلکہ اسلام کی عزت کو وہ اپنے لئے ضروری سمجھتا ہے کہ ذلیل لباس پہننا مجالس میں نیچے بیٹھنا معمولی حیثیت سے رہنا میں تکلف گوارا کر سکتا ہوں لیکن اسکی تذلیل کے ذریعہ سے مذہب کے فروغ میں فرق آتا ہے اور دشمنان دین کی نظر میں مسلمانوں کی شان گھٹتی ہے - اسلام کی عزت علم کا فروغ مذہب کی تائید اہل بدعت کی تذلیل بغیر اس کے کیونکر ہو سکتی ہے کہ جو مسلمان سندی اور طبیعة فقر کی زندگی بسر کرتا ہے اور ہمعصروں کو رشک و حسد کی وجہ سے برا کہتا ہے اور انپر رد و قدح کرتا ہے لیکن غلطی سے یہ سمجھتا ہے کہ یہ حق پرستی کا جوش ہے اور منکرین حق کے مقابلہ میں سکوت کیونکر اختیار کیا جا سکتا ہے وہ اپنے زہد و اتقا کا اظہار کرتا ہے اور اسکو ریاکاری نہیں قرار دیتا بلکہ سمجھتا ہے کہ اگر اعمال و افعال کا نمونہ لوگوں کو نہ دکھلایا جائے تو انکے اچھے کاموں کی ترغیب کیونکر ہو سکتی ہے اسکا دل اسکو سمجھاتا ہے کہ لوگوں کو میری پیروی سے ہدایت ہوگی تو مجھکو اسکا ثواب حاصل ہوگا اسلئے مقتدا ہونے کا مجھکو جو فرض ہے مرتبہ یہ ہے کہ ہدایت کا ثواب مجھکو حاصل ہو - سلاطین کے درباروں میں آمد و رفت رکھتا ہے اور انکی تعظیم و تکریم کرتا ہے اور جب اسکے دل میں تقاضا یہ خیال آتا ہے کہ ظالم بادشاہوں کی تعظیم جائز نہیں تو اسکا نفس اسکو سمجھاتا ہے کہ نعوذ باللہ تمہارے سلاطین کے مال و زر کا حاصل کرنا مقصود نہیں بلکہ یہ مجبوری ہے کہ ہزاروں آدمی کا نفع و ضرر انہیں سلاطین کے ہاتھ میں ہے اس لئے جبتک انسے میل جول نہ رکھا جائے خلق اللہ کو فائدہ پہونچانا ناممکن ہے -

چونکہ ان تمام موقعوں میں نیکی کا بھی پہلو نکل سکتا ہے امام صاحب نے ہر موقع پر اسکی تمیز کرنیکے دلائل اور علامات بتائے ہیں - مثلاً ریاکاری کی شناخت کا یہ طریقہ بتلایا ہے کہ کوئی اور اہل عالم دربار آجائے اور تمام آدمی اسکا عمدہ نمونہ دیکھکر اسکے پیرو بنجاویں - اس صورت میں اگر یہ شخص ریاکار نہیں ہے تو اسکو خوشی حاصل ہونی چاہیئے کیونکہ اسکا مقصد صرف خلق کی ہدایت تھی اور وہ بوجہ احسن حاصل ہوگئی لیکن ایسا نہیں ہوتا بلکہ جسقدر وہ دوسرا عالم زیادہ مقبول اور زیادہ مقتدائے خلق ہوتا جاتا ہے اور جسقدر اس شخص کے پیروں کی تعداد کم ہوتی جاتی ہے اسیقدر اسکو زیادہ رشک اور جلن ہوتی ہے - تقرب سلاطین میں بھی یہی معیار ہے - فرض کرو کہ کوئی اور عالم دربار میں تقرب حاصل کرے اور اسی طرح خلق کی حاجت روائی میں مصروف ہو تو کیا اس شخص کو خوشی حاصل ہوگی ؟

امام صاحب نے جو کچھ لکھا ہے ہمارے زمانے سے اسکو مطابق کرو تو گمان ہوگا کہ اسی زمانے کو دیکھکر لکھا ہے تمام ہندوستان میں نہایت چھوٹے چھوٹے اختلافات مذہبی پر مناظرے قائم ہیں - فریقین کے علما ایک دوسرے کی تکفیر و تفسیق کرتے ہیں - تصنیفات میں گالیوں کی بھرمار ہوتی ہے مقدمات دائر ہوتے ہیں لندن تک جانیکی نوبت پہونچتی ہے اور پھر دونوں فریق کے علما یہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ کیا جا رہا ہے نصرت دین حمایت مذہب اور احقاق حق کیلئے کیا جا رہا ہے -

(۳) بعض اخلاقی صفات میں باہم اس قدر نازک اور دقیق فرق ہے کہ انمیں امتیاز کرنا نہایت مشکل ہے آجکل لوگوں کی عام بداخلاقی کا بہت بڑا سبب یہی ہے کہ وہ ان صفات میں تمیز نہیں کر سکتے اور اسی وجہ سے غلطی سے ان میں مبتلا

ہوتے ہیں۔ بخل کفایت شعاری، سخاوت، اور اسراف، پست ہمتی اور قناعت و نائت اور تواضع غرور خودداری۔
اس قسم کے ملتے جلتے اخلاق ہیں کہ مشکل سے ان میں تفرقہ ہو سکتا ہے ہزاروں آدمی اسراف میں مبتلا ہیں اور خیال
کرتے ہیں کہ ہم میں سخاوت ہے بہت ایسے ہیں کہ قانع بنے بیٹھے ہیں اور جانتے ہیں کہ متواضع ہیں حالانکہ متکبر ہیں۔ الکوفیین کے
امام صاحب نے ان مشتبہ الصورۃ اوصاف کو نہایت نکتہ سنجی سے تحلیل کیا ہے اور ان کے باہمی فرق بتلائے ہیں
مثلاً بخل کی حقیقت سے جہاں بحث کی ہے لکھتے ہیں۔

بخل کی مختلف تعریفیں کی گئی ہیں ایک گروہ نے یہ تعریف کی ہے کہ نفقہ واجب کا نہ ادا کرنا بخل ہے لیکن یہ تعریف
صحیح نہیں کوئی شخص اگر ایک رتی کمی کی وجہ سے قصاب سے گوشت لیکر واپس کر آئے تو وہ ضرور بخیل سمجھا جائے گا
حالانکہ اُسنے ادائے واجب میں کمی نہیں کی۔

بعض لوگوں نے یہ تعریف کی ہے کہ جس شخص کو روپیہ پیسہ دینا گراں گذرے وہ بخیل ہے لیکن یہ تعریف بھی صحیح نہیں
نہایت قلیل مقدار کا دینا بخیل کو بھی گراں نہیں گذرتا اور سخی سے سخی آدمی بھی حد سے زیادہ دینا گوارا نہیں کر سکتا۔

سخاوت کی بھی مختلف تعریفیں کی گئی ہیں۔ مثلاً بے مانگے دینا، دیکر احسان نہ رکھنا، سائل کو دیکھکر خوش ہونا
لیکن یہ تمام تعریفیں بھی ناتمام ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مال اسلئے بنا ہے کہ ضرورت اور حاجت کے موقع پر استعمال کیا جائے استعمال کے تین طریقے ہو سکتے ہیں
ضرورت کے موقع پر نہ صرف کیا جائے، بے ضرورت صرف کیا جائے، ضرورت کے موقع پر صرف کیا جائے۔ پہلا بخل ہے
دوسرا اسراف تیسرا سخاوت، اس تعریف میں بھی اس قدر اجمال باقی رہتا ہے کہ ضرورت اور حاجت کی کیا تشریح ہو گی۔
جس چیز کو سخی ضروری سمجھتا ہے بخیل اُسی چیز کو غیر ضروری سمجھتا ہے اس لئے پہلے خود ضرورت کی حقیقت سمجھنی چاہیئے۔
ضرورت کی دو قسمیں ہیں۔ ضرورت شرعی ضرورت رواج و عادت۔ ضرورت شرعی سے وہ تمام حقوق مراد ہیں جو شرعاً
واجب ہیں مثلاً زکوٰۃ، صدقہ، نفقہ اولاد، ضرورت رواج کے یہ معنی کہ ذرا ذرا سی چیزوں میں تنگدلی نہ کیجائے لیکن اس کا
معیار اشخاص اور حالات کے لحاظ سے مختلف ہوتا رہتا ہے۔ ایک امیر کیلئے دو چار پیسے ذرا سی چیز ہیں لیکن غریب کے لئے
اتنا ہی بہت ہے اجنبیوں کے ساتھ جن چیزوں میں تنگدلی کیجا سکتی ہے آل و اولاد سے نہیں کیجا سکتی۔ باپ، چچا، بھائی، ماموں
کے مراتب میں جسقدر اختلاف ہے اسی لحاظ سے انکے ساتھ بخل و سخا کے مراتب میں بھی اختلاف ہو جاتا ہے پھر جس
چیز کا دریغ رکھنا بخل ہے ممکن ہے کہ دوسرے کے اعتبار سے وہ بخل نہ ہو اسی طرح کھانے کپڑے مکان سامان آرائش ہر ایک کی
حالت جدا ہے ایک چیز میں جس حد تک تنگ دوزی بخل ہے دوسری میں نہیں ہے اس بنا پر بخل کی یہ تعریف ہے کہ
مال کو اسکے مقابلہ میں دریغ رکھا جائے جو در حقیقت مال سے زیادہ عزیز ہے مثلاً عزت و آبرو۔ ناموس، صلہ رحم وغیرہ وغیرہ
سخاوت کیلئے یہ ضروری ہے کہ جو کچھ دیا جائے کسی امید طمع، مبادلہ، شکر گذاری مدح و ثنا کے خیال سے نہ دیا جائے

کو لوگ پارسا سمجھیں یا اسکی تعظیم کریں اور اسکو بلند سمجھیں یہ ساری ریا کی مختلف صورتیں ہیں۔

(۴) بعض اخلاقی امراض ایسے ہیں جنکی بہت اقسام ہیں، اور ان اقسام میں سے بعض ایسے دقیق ہیں جنکو مریض ایک طرف طبیب بھی مشکل سے پہچان سکتا ہے۔ حکماء کی تصنیفات میں ان امراض کا مطلق پتہ نہیں لگتا۔ امام صاحب نے نہایت تدقیق سے انکی تشریح کی ہے مثلاً ریا کے ذکر میں لکھتے ہیں۔ ریا کی تین قسمیں ہیں جلی۔ خفی۔ و اخفیٰ مثلاً ایک

ریاء جلی | شخص صرف لوگوں کے دکھانے کی غرض سے عبادت کرتا ہے یہ ریاء جلی ہے۔ ایک شخص ہے جو دکھانے کی غرض سے عبادت نہیں کرتا بلکہ گھر میں جب تنہا رہتا ہے اور کسی کو خبر نہیں ہو سکتی تب بھی اسکی عبادت قضا نہیں ہوتی لیکن جب اتفاقاً کوئی مہمان آ جاتا ہے تو اوسکے عبادت میں جسقدر اسکا دل لگتا ہے اور جس ترتیب سے خود بخود اسکی عبادت ادا ہوتی ہے تنہائی کی حالت

ریاء خفی | میں نہیں ہوتی تھی یہ ریاء خفی ہے۔ ایک شخص ہے جو کسی کے دکھانے کیلئے نہیں عبادت کرتا نہ کسی مہمان وغیرہ کے آنے سے اسکی حالت میں کچھ فرق آتا ہے لیکن جب لوگوں کو اسکی عبادت گذاری کی اطلاع ہوتی ہے تو اسکے دل میں آپ سے آپ ایک قسم کی خوشی پیدا ہوتی ہے یہ ریاء اخفیٰ ہے کیونکہ اس خوشی کا اصلی سبب صرف یہ ہے کہ دل میں ریا کی کیفیت موجود تھی

ریاء اخفیٰ | موقع پا کر ظاہر ہو گئی جس طرح پتھر میں آگ چھپی ہوتی ہے اور چقماق کے اشارے سے باہر نکل آتی ہے یہ بھی اسی ریا کا اثر ہے کہ باوجود اسکے کہ انسان لوگوں سے چھپا کر عبادت کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ کسی کو اطلاع نہ ہونے پائے تاہم اسکا متوقع رہتا ہے کہ لوگ اسکے ساتھ حسن ادب و تعظیم کے ساتھ پیش آئیں اور اگر کسی موقع پر اسکے خلاف پیش آتا ہے تو اسکو گراں گذرتا ہے اور رنج ہوتا ہے یہ عبادات کی حالت ہے کہ اسکے دل میں ریا کا اثر موجود ہے کیونکہ بالفرض اگر وہ عبادت گذار نہ ہوتا تو لوگوں سے اسکو ادب و تعظیم کی توقع نہ ہوتی اس سے معلوم ہوا کہ درحقیقت یہی توقع تھی جس نے اس سے عبادت کرائی تھی۔

ریاء اخفیٰ کی اور بھی صورتیں ہیں۔ مثلاً ایک عالم تنہا نماز پڑھ رہا تھا۔ اس اثناء میں اور لوگ آ گئے۔ عالم کو خیال آیا کہ چونکہ مجکو لوگ مقتدا سمجھتے ہیں اور ان باتوں میں میری تقلید کرتے ہیں اسلئے میں اگر زیادہ خضوع و خشوع سے نماز پڑھونگا تو لوگوں پر اسکا اثر اچھا ہوگا اور وہ خشوع و خضوع کے پابند ہو جائینگے اس خیال سے اسنے نہایت خضوع و خشوع سے نماز پڑھنی شروع کی۔ اسکی دقیق تر یہ تصویر ہے کہ اس عالم کو اس عیب پر اطلاع ہو گئی وہ سمجھ گیا کہ میرا خضوع و خشوع درحقیقت لوگوں کے دکھانے کے لئے ہے اور یہی وجہ ہے جب مجمع میں ہوتا ہوں اسی وقت مجھ سے خضوع و خشوع ظاہر ہوتا ہے اس خیال سے اسنے خلوت اور تنہائی میں بھی خضوع و خشوع سے نماز پڑھنی شروع کی یہ بھی ریا ہے کیونکہ اصل میں جو چیز خضوع و خشوع کی محرک ہوئی وہ ریا ہی ہے۔ صرف اس قدر فرق ہے کہ جلوت و خلوت دونوں کی حالت یکساں ہو گئی، بلکہ خلوت کی درستی کا اصلی محرک بھی یہی جلوت کی حالت ہے۔

علاج امراض | یہ تمام مباحث امراض اخلاق کی تشخیص اور تعیین سے متعلق تھے انکے بعد علاج کا مرحلہ ہے حکمائے یونان نے جیسا کہ ابن

۵ ریا کی یہ دونوں صورتیں امام صاحب نے اخلاص کے بیان میں لکھی ہیں

سکو انھوں نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے۔ علاج کے دو طریقے تجویز کئے ہیں۔

(۱) ہر مرض کا علاج بالضد کیا جائے مثلاً کوئی شخص بخیل ہے تو اسکو بتکلف سخاوت کرنی چاہیئے تاکہ رفتہ رفتہ عادت اور اعادہ سے خود بخود اس سے فیاضانہ خیال پیدا ہونے لگیں۔

(۲) چونکہ تمام امراض کی اصل بنیاد دو چیزیں ہیں غضب اور جُبن اس لئے ان دو مرضوں کا علاج تمام امراض کا علاج ہے۔ غضب ہی کے اسباب سے پیدا ہوتا ہے وہ اخلاق ہیں عجب غرور، ہزل، مزاح وغیرہ وغیرہ چنانچہ ان سب کو رفع کرنیکے طریقے بتلائے ہیں اور اسکے بعد جبن کا علاج بتایا ہے۔

امام صاحب نے علاج کے پہلے طریقے میں بالکل یونانیوں سے اتفاق کیا چنانچہ نہایت تفصیل و توضیح سے اسکو اپنی عبارت میں ادا کیا ہے لیکن وہ اس رائے کو تسلیم نہیں کرتے کہ تمام امراض صرف غضب یا جبن سے پیدا ہوتے ہیں ممکن ہے کہ تمام امراض کا سلسلہ کھینچ تان کر انہی دو چیزوں سے ملا دیا جائے لیکن امام صاحب کے نزدیک ہر مرض کے اسباب جدا ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ امام صاحب کا اصلی کارنامہ جسنے انکی کتاب کو تمام حکماء اور علماء کی تصنیفات کو ختم کر دیا ہے یہی ہے کہ انھوں نے نہایت نکتہ سنجی اور دقت نظر سے ہر مرض کے اسباب الگ الگ تحقیق کئے اور انکے علاج لکھے نمونہ اسکا ذیل کی مثالوں سے معلوم ہوگا۔

غیبت

یعنی کسی کے پیٹھ پیچھے اسکا تذکرہ اسطرح کرنا کہ اگر وہ خود سنتا تو پسند نہ کرتا۔ یہ مرض جسقدر مسلمانوں میں پھیلا ہوا ہے دنیا کے کسی قسم کے فسق کسی مذہب میں اسکی نظیر نہیں مل سکتی۔ مسلمانوں کو بالفرض اگر بزور حکومت اس مشغلے سے روک دیا جائے تو دفعۃً انکی تمام مجلسیں بےلطف اور بے رونق ہو جائیں گی۔ کیونکہ انکی گرمی صحبت کا سب سے بڑا سرمایہ یہی ہے۔ طرہ یہ ہے کہ یہ سب جانتے ہیں کہ یہ مذموم چیز ہے۔ لیکن اس مسئلہ میں کچھ ایسی دلچسپی ہے کہ چھوڑی نہیں جاسکتی اسکے علاج کیلئے سب سے مقدم یہ ہے کہ مرض کے اسباب پر غور کیا جائے۔ امام صاحب نے نہایت تدقیق اور غور سے اسکے اسباب کی تشریح کی ہے وہ لکھتے ہیں۔

غیبت کے اسباب بہت ہیں انمیں سے آٹھ عام طور پر سب میں پائے جاتے ہیں اور تین مذہبی لوگوں اور خواص کے ساتھ مخصوص ہیں (۱) انسان کو جب کسی شخص پر غصہ آتا ہے اور ضبط نہیں کرسکتا تو خواہ مخواہ اس شخص کے عیوب زبان پر آتے ہیں اس سے اسکا کلیجہ ٹھنڈا ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں نے اپنا انتقام لے لیا۔ اگر کسی وجہ سے اسکو ضبط کرنا پڑا تو وہ غصہ دل میں گھٹ کر رہ جاتا ہے اور ہمیشہ اس شخص کی بدگمانی پر آمادہ کرتا ہے۔

(۲) کسی مجلس میں جب پہلے ہی سے کسی کی غیبت ہو رہی ہوتی ہے تو نئے آدمی کو بھی خواہ مخواہ گرمی صحبت کیلئے اس مشغلے میں شریک ہونا پڑتا ہے۔ کیونکہ اگر وہ ان لوگوں کو روکے یا خود چپکا بیٹھا رہے تو تمام لوگوں پر بار ہوگا۔

(۳) انسان کو جب احتمال کا شبہ ہوتا ہے کہ فلاں شخص میری نسبت برے خیالات دل میں رکھتا ہے اور انکو ظاہر کرنا چاہتا ہے

واسطے الزام کیلئے وہ خود اسکے عیب ظاہر کرنے شروع کرتا ہے تاکہ آیندہ اُس شخص کی بات بے اثر ہو جائے اور یہ کہنے کا موقع ملے کہ چونکہ میں نے اس شخص کے واقعی عیوب ظاہر کئے تھے اسلئے دشمنی سے وہ میری نسبت جھوٹے الزامات لگاتا ہے

(۴) انسان جب کوئی غلط الزام یا عیب لگایا جاتا ہے تو اُس سے اپنی برأت ثابت کرنی چاہتا ہے تو اُس شخص کا نام لیتا ہے جو درحقیقت اس الزام کا مرتکب ہوتا ہے حالانکہ اسکو اپنی برأت پر قناعت کرنی چاہیئے تھی۔

(۵) دوسروں کی تنقیص میں ضمناً اپنا کمال ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شاعر دوسرے شاعر کی نسبت کہتا ہے کہ اُسکا کلام نہایت بدمزہ ہوتا ہے وہ اُسکو مطلق کہنا نہیں آتا اس سے درپردہ یہ غرض ہوتی ہے کہ میرا کلام نہایت بامزہ ہوتا ہے

(۶) ایک شخص اپنے معاصر کی عزت اور شہرت کو نہیں دیکھ سکتا، لیکن اس شہرت اور عزت کے مٹانے کی کوئی تدبیر بن نہیں آتی تو مجبوراً اسکے عیوب ظاہر کرتا ہے تاکہ لوگوں کے دل میں اُسکی وقعت کم ہو جائے۔

(۷) مذاق اور دل بہلانے کیلئے بعض اوقات انسان دوسروں کے عیوب کا خاکہ اڑاتا ہے جس سے حاضرین مجلس کو تفریح کا مزہ آتا ہے اور صحبت گرم ہوتی ہے۔ (۸) کسی کے ساتھ استہزا اور تمسخر کرنا مقصود ہوتا ہے۔

غیبت کے یہ اسباب عام آدمیوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ خواص جن اسباب سے مبتلا ہوتے ہیں وہ یہ ہیں۔

(۱) دیندار آدمی جب کسی شخص کو کوئی بُرا کام کرتے دیکھتا ہے یا لوگوں سے سنتا ہے تو اسکو تعجب اور حیرت ہوتی ہے اس تعجب کے ظاہر کرنے میں اُس شخص کا نام زبان پر آجاتا ہے اور یوں کہتا ہے مجھکو سخت حیرت ہے کہ زید نے باوجود کمال دینداری کے ناچ کی محفل میں کیوں شرکت کی۔

(۲) اس قسم کے موقع پر بعض وقت انسان کو افسوس اور رحم آتا ہے اور یوں کہتا ہے افسوس کہ زید نے شراب پینی شروع کی جو اسکے رتبہ اور شان کے بالکل خلاف ہے۔

(۳) بعض وقت امر بالمعروف کا جوش پیدا ہوتا ہے اور انسان مرتکب گناہ کا نام لیکر اُسکا اظہار کرتا ہے۔

ان تینوں موقعوں میں غیبت کرنیوالا یہ دھوکہ ہوتا ہے کہ وہ غیبت کا ارتکاب نہیں کرتا، بلکہ ایک مذہبی فرض ادا کرتا ہے، حالانکہ اس فرض کے ادا کرنے میں نام لینے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔

غصہ و غضب

غصہ کی قوت انسان میں کیوں ہے؟

انسان کی فطرت خدا نے اس قسم کی بنائی ہے کہ اُسکے فنا کرنیکے اسباب خود اسکے اندر اور باہر موجود ہیں اُسکا جسم ہر وقت تحلیل ہوتا رہتا ہے اور اس جسم کو ہمیشہ بدل ما یتحلل کی ضرورت پڑتی ہے بیرونی دشمن خود اُسکے ابنائے جنس ہیں ان حالات کیساتھ چونکہ خدا کو ایک مدت معین کیلئے انسان کو زندہ رکھنا ہی مقصود تھا اسلئے دونوں قسم کے دشمنوں سے بچنے کے لئے سامان پیدا کئے اندرونی دشمن کی مدافعت کیلئے انسان میں غذا کی خواہش پیدا کی جس کی وجہ سے وہ غذا کا استعمال کرتا ہے اور جس قدر جسم کی مقدار تحلیل ہوتی رہتی ہے غذا جزو بدن ہو کر اُسکی تلافی کرتی جاتی ہے۔

ہوتی دشمنوں سے بچنے کیلئے غصہ و غضب کی قوت پیدا کی جسکا یہ خاصہ ہے کہ جس وقت انسان کو کوئی شخص ضرر پہنچانا چاہتا ہے یہ قوت فوراً ہیجان میں آتی ہے اور دشمن کا مقابلہ کرتی ہے اس لحاظ سے انسان میں خواہش انتقام غصہ وغیرہ اس قسم کی قوتوں کا موجود ہونا ایک فطری بات تھی۔

تمام اور قوتوں کیطرح غضب کی قوت کے بھی تین درجے ہیں۔ افراط۔ تفریط۔ اعتدال۔ افراط کے یہ معنی ہیں کہ یہ قوت اسقدر بڑھ جائے کہ عقل کے قابو سے نکل جائے اس حالت میں غور و فکر بلکہ خود اختیاری کی قوت تمام و کمال انسان سے سلب ہو جاتی ہے اور وہ جو کچھ کرتا ہے بے اختیار ہو کر کرتا ہے۔ افراط کبھی فطری ہوتا ہے یعنی بعض آدمی ابتدا ہی سے پر غضب اور مشتعل الطبع پیدا ہوتے ہیں۔ کبھی خارجی اسباب سے پیدا ہو جاتا ہے۔ مثلاً انسان ایسے جاہل اور جھگڑالو لوگوں میں نشو و نما پاتا ہے جنمیں اشتعال طبع غضب اور انتقام قابل فخر کیا جاتا ہے اور وہ ان چیزوں کو دلیری اور جواں مردی سے تعبیر کرتے ہیں۔

افراط کی حالت میں غصہ کا اثر تمام اعضاء پر محسوس ہوتا ہے چہرہ کا رنگ بدل جاتا ہے ہاتھ پاؤں پر رعشہ پڑ جاتا ہے آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں منہ سے جھاگ اڑنے لگتے ہیں۔ باچھیں چر جاتی ہیں نتھنے پھول جاتے ہیں آواز سخت اور کرخت ہو جاتی ہے۔ زبان گالیاں بکنے لگتی ہیں۔ ہاتھ زمین پر زور سے مارتا ہے۔ جو چیزیں سامنے ہوتی ہیں انکو توڑ پھوڑ کر رکھ دیتا ہے یہ اثر ظاہری اعضاء تک محدود نہیں رہتا بلکہ باطن میں بھی سرایت کرتا ہے۔ جسپر غصہ آتا ہے دل میں اسکی عداوت پیدا ہوتی ہے اور بڑھتے بڑھتے حسد، رشک، استہزاء، پردہ دری تک نوبت پہونچتی ہے۔

تفریط کے یہ معنی ہیں کہ جس موقع پر غصہ آنا چاہیئے وہاں بھی نہ آئے جسکو دوسرے الفاظ میں بے غیرتی بے حمیتی یا دنائت ذلت پرستی کہا جا سکتا ہے انکے علاوہ بہت سے نتائج کے اسکا یہ بھی نتیجہ ہے کہ انسان میں امر بالمعروف کا مادہ باقی نہیں رہتا لوگوں کو سخت بیہودگیوں کا مرتکب دیکھتا ہے اور اسکو کچھ احساس نہیں ہوتا۔

افراط و تفریط سے بچکر نام اعتدال ہے اور انسان کو اسی حالت کے پیدا کرنیکی کوشش کرنی چاہیے۔ چونکہ غصہ پیدا ہونیکا اصلی سبب یہ ہے کہ جو چیزیں انسان کو مرغوب ہیں انمیں کسی شخص کی طرف سے مزاحمت کیجائے۔ اسلئے پہلے اس بات پر غور کرنی چاہیے کہ ہمارے مرغوبات کیا کیا ہیں؟ تمام مرغوبات کی دو قسمیں ہو سکتی ہیں۔ ایک وہ جو مرغوب ہونیکے ساتھ لوازمہ زندگی بھی ہیں۔ مثلاً غذا، لباس، مکان وغیرہ ان چیزوں سے تعرض ہونیکی حالت میں ضرور ہے کہ انسان کو غصہ آئیگا اور اس سے روکا نہیں جا سکتا اسمیں اعتدال پیدا کرنیکے صرف یہ معنی ہیں کہ غصہ کا استعمال بری طرح نکیا جائے۔ یعنی مدافعت پر اکتفا کیا جائے اور انسانوں کی صورت۔ رنگ۔ آواز، حرکات و سکنات پر اسکا اثر محسوس نہ ہونے پائے۔

دوسری قسم کے مرغوبات وہ ہیں جو لوازم زندگی نہیں ہیں مثلاً جاہ۔ شہرت۔ ناموری خواہش صدر نشینی وغیرہ وغیرہ ان چیزوں میں بھی جب کوئی شخص مزاحمت کرتا ہے تو معمولاً انسان کو خواہ مخواہ غصہ آتا ہے اسمیں اعتدال پیدا کرنیکا یہ طریقہ ہے کہ جو چیزیں لوازم ہستی مرغوبات میں داخل کر لیگئی ہیں انکو رفتہ رفتہ کم کیا جائے کیونکہ جسقدر مرغوب کم ہونگے اسی قدر انکے متعلق مزاحمت کے [illegible]

انسان کے تمام مختلف گروہ جو آپس میں مل کے رہتے ہیں اور ایک دوسرے سے بغض و عناد رکھتے ہیں اُنکی ساری عداوت
فخر کا سبب یہی بیہودہ خواہشات ہوتی ہیں کہ ہر شخص چاہتا ہے کہ وہ جہاں جائے لوگ اُسکی تعظیم کریں محفل میں اُس کو صدر
میں جگہ دی جائے تسلیم کیے جائیں اُسکے سامنے موجود ہو کر پیش آئیں یا ذکر آئے تو اُسکی مدح و تعریف کریں اگر ان باتوں
سے ایک چیز میں ذرا سی بھی کمی ہوتی ہے تو اُسکو رنج و غصہ پیدا ہوتا ہے لیکن یہ رنج اور غصہ درحقیقت خود اُسکا پیدا کیا ہوا ہے اگر یہ بیہودہ اور
غیر ضروری خواہشیں اُسکے دل میں نہ ہوتیں تو اُسکو کسی بات پر غصہ نہ آتا علما مصنفین اور اہل جاہ کو غیظ و غضب کے اسباب
ان غیر ضروری خواہشوں سے ہوتے ہیں خواہشیں جسقدر بڑھتی جاتی ہیں جسقدر جزئی جزئی باتوں سے اُنکو تعلق ہوتا جاتا ہے
اسی قدر انسان کے غم و غصہ کے سامان زیادہ ہوتے جاتے ہیں مثلاً نوکر نے فوراً حکم کی تعمیل نہیں کی کہ انہیں ذرا دیر ہو گئی نمک
زیادہ ہو گیا۔ غرض ہر بات پر غصہ آ گیا۔ ذرا ذرا سی بات پر قابو سے باہر ہو جاتا ہے جسکی وجہ صرف یہ ہوتی ہے کہ
اُسنے اپنی خواہشوں کا دائرہ نہایت وسیع کر رکھا ہے اور ہر خواہش اسقدر عزیز ہو گئی ہے کہ اُسمیں ذرا سا خلل پڑنا بھی گوارا نہیں ہو سکتا۔

حسد [illegible]

حسد اور رشک

ہماری قوم میں آجکل یہ مرض جسقدر پھیلا ہوا ہے غالباً دنیا کی کسی اور قوم میں نہ ہوگا۔ ملک میں جسقدر مفید کام شروع ہو کے
رہتے ہیں اُنکو برہم ہو جانے یا تکمیل نہ پانے کی وجہ زیادہ تر یہی حسد اور رشک ہوتا ہے دقت یہ ہے کہ حسد بظاہر ایسا کھلا اور ذلیل عیب ہے
کہ کسی شریف آدمی کے خیال میں بھی نہیں آ سکتا کہ وہ اس مرض میں مبتلا ہوگا حالانکہ شریف ہی آدمیوں میں یہ مرض زیادہ ہوتا
ہے لیکن ایسے پیرائے میں ہوتا ہے کہ وہ تمیز نہیں کر سکتے۔

حسد کے پیدا ہونے کا اصلی سبب یہ ہے کہ انسان اپنے آپکو کمتر اور پست حالت میں نہیں دیکھ سکتا اسلیے جب اُسکو کوئی شخص اُس سے
بڑھتا نظر آتا ہے تو اُسکی خواہش ہوتی ہے کہ کم سے کم میں اُسکے برابر ہو جاؤں۔ برابری کی فکر و تدبیر [illegible] اگر یہ شخص بھی اُتنا ہی
بڑھ جائے تو وہ شخص کوشش کر کے اس شخص کی سطح پر آ جاتا ہے لیکن یہ بات ہمیشہ نصیب نہیں ہوتی ہے اسلیے خواہ مخواہ دوسری صورتیں پیدا ہوتی ہیں
مثلاً کسی مصنف یا اسپیکر یا واعظ یا ریفارمر کو جب زیادہ فروغ اور زیادہ کامیابی ہوتی ہے تو اکثر اُسکے ہمعصروں کو گراں گذرتا ہے
گو وہ بظاہر اس بات سے آزردہ نہیں معلوم ہوتے کہ اُس شخص کی عزت و شہرت جاتی رہے لیکن اگر بالفرض اُسکا فروغ کم ہو جائے
تو ان لوگوں کو رنج کے بجائے ایک قسم کی راحت معلوم ہوگی کسی مجلس میں اُس شخص کے محاسن و عیوب کا تذکرہ کیا جائے تو یہ لوگ عیوب
کے تذکرہ کو زیادہ دلچسپی سے سنیں گے اور اُسیں اُنکو زیادہ لطف آئیگا تصنیفات پر اگر ریویو کیا جائیگا تو اُن لوگوں کو وہ حصہ زیادہ
پسند آئیگا جہاں تصنیف پر نکتہ چینیاں ہونگی اتنا فرق ہوگا کہ جو زیادہ کمینہ طبع ہوں گے وہ اس قسم کے عیوب کو ذوق سے
سنیں گے اور اُنکی داد دیں گے بخلاف اسکے عالی حوصلہ لوگ بجائے نکتہ چینیوں کو حقارت کی نظر سے دیکھیں گے لیکن سچی نکتہ
چینیوں میں اُنکو بھی وہ مزہ آئیگا جو محاسن کے اظہار میں کبھی نہیں آ سکتا تھا۔

حسد کیلئے یہ ضرور ہے کہ آپس میں ہم فنی اور ہمسری بھی ہو۔ اگر ایک عالم کو دنیادار پر دنیادار کو عالم پر [illegible] شاعر کو شاعر پر [illegible]

وہ خود پر حسد ہوتا ہے اسکو دیکھنا چاہیے کہ وہ حسد کس غرض سے پاک ہونا کو خوش کرنا چاہتا ہے کہ وہ عطا کرے کیکی بعض غصہ پر ظاہری
اوصاف پیدا ہوتے ہیں یک بار پر جب شہرت میں عزت میں جاہ میں خوش کرشان میں انسو برسہ جاتا ہے کہ اسکی کیا حالت ہوتی ہو
حسد کے پیدا ہونیکے اسباب جنکی تفصیل امام صاحب نے کی ہے حسب ذیل ہیں۔
(۱) دشمنی اور عداوت انسان کی طبیعی خواہش ہوتی ہے کہ اسکے دشمن کو ضرر پہونچے۔ اگر خود نقصان نہیں پہنچا سکتا تو
ہمیشہ اسکا منتظر رہتا ہے کہ اسباب سے اسکو ضرر پہونچ جائے اس بناء پر دشمن کیساتھ حسد کا ہونا لازم ہو نیک آدمی بھی یہ بات
پیدا نہیں کر سکتا کہ کسی شخص سے اسکو دشمنی ہو اور پھر دشمن کا رنج و راحت اسکو یکساں معلوم ہو۔
(۲) انسان کی طبعی غیرت ہے کہ وہ اوروں کے زیر رہنا نہیں چاہتا اسلئے سبب اسکے ہمعصروں میں کوئی شخص ایسے بلند مرتبہ پر
پہونچ جاتا ہے کہ اسکے غرور و نخوت کا مقابلہ نہیں کر سکتا تو خواہ مخواہ اسکے رتبہ پر حسد ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ اپنے رتبہ سے گر جائے
وہ انسان اپنی قدر کسی ذاتی امتیاز کی بنا پر یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ اسکے ساتھ اطاعت و ادب پیش آئیں انہیں سے
جب کوئی شخص زیادہ معزز اور صاحب جاہ ہو جاتا ہے تو حسد پیدا ہوتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ بجائے اطاعت اور ادب کے وہ شخص
پہلے پیش آتا تھا اب نہ آئیگا بلکہ اُلٹا خود اسکا ادب کرنا پڑیگا۔
(۳) دو آدمی جو ایک ہی مشترک چیز کے طالب ہوتے ہیں تو خواہ مخواہ ایک دوسرے کا حاسد بنجاتا ہے ہر واعظ چاہتا ہے کہ تمام شہر
اسکی سرجانی کا گرویدہ ہو جائے شاگرد جس استاد کی خواہش ہوتی ہے کہ استاد کی توجہ تمام تر اُسی کی طرف ہو ایک باپ کے جتنے بیٹے
ہوتے ہیں ہر ایک کی کوشش ہوتی ہے کہ باپ کی ساری محبت اسکے ہی حصہ میں آجائے مفتیوں میں سے ہر ایک کی خواہش ہوتی ہے کہ سارے
شہر کے فتوے اسی کے پاس آئیں چونکہ ان مختلف گروہوں کا ایک ہی مقصد ہوتا ہے اسلئے ضرور ہے کہ ان میں حسد پیدا ہو۔
(۴) بعض لوگوں کو یکتائی کی ہوس ہوتی ہے اور اس وجہ سے دنیا کے کسی حصہ میں اگر کوئی شخص کسی علم و فن میں شہرت اور قبول عام حاصل
کرتا ہے تو انکو گوارا نہیں ہوتا کیونکہ اسکی وجہ سے انکی شان یکتائی میں فرق آتا ہے اور یکتائی سے زیادہ انکو کوئی چیز عزیز نہیں۔
(۵) بعض آدمی بالطبع خبیث النفس اور شریر باطن ہوتے ہیں اس قسم کے لوگ بلاوجہ سبب تمام لوگوں پر حسد کرتے ہیں کوئی شخص ہو
کسی گروہ کا ہو کسی طبقہ کا ہو جب کسی چیز میں ممتاز ہوگا انکو رشک و حسد ہوگا۔ حسد کا علاج یہ ہے کہ انسان اس بات پر غور کرے
کہ حسد کرنے سے محسود کو نقصان پہونچتا ہے یا خود حاسد کو ظاہر ہے کہ محسود کو ضرر نہیں پہونچتا بلکہ چونکہ محسود ہونا دلیل کمال
ہے اسلئے اسکو اپنے فضل و کمال کی ایک سند ہاتھ آتی ہے اسکے علاوہ جب اسکو یہ علم ہوتا ہے کہ میرے مخالف کا دل میری
ترقیوں پر جلتا ہے تو اسکو حسد سے اور کر قدر بھی ہے تو وہ نہایت خوش ہوتا ہے کیونکہ وہ انسان کیلئے مخالف کے رنج اور کلفت سے
بڑھکر کوئی خوشی نہیں اس لحاظ سے کسی پر حسد کرنا اسکو بجائے نقصان پہونچانے کے مسرور اور خوش کرنا ہے۔
اسکے ساتھ یہ خیال کرنا چاہیے کہ حسد سے انسان کو خود کس قدر دینی اور دنیوی نقصان پہونچتا ہے دینی نقصان تو ہو چکے
کہ حسد شرعاً نہایت مذموم چیز ہے اور حاسد کیلئے عذاب مفضح موعود ہے دنیوی نقصان یہ ہے کہ حسد انسان کو ہمیشہ دلیس

ایک وقت ایسی بھی ہوتی ہے جس میں حسد کسیقدر ترقی کرجاتا ہے یعنی جس قدر یہ وقت بعد کو بڑھتا جاتا ہے اور چونکہ انسان اس حسد کا علانیہ اظہار نہیں کرسکتا اسلئے دل ہی دل میں گھٹتا ہے اور آپ ہی آپ جلا جاتا ہے۔

یہ علاج امام صاحب کی تجویز کے مطابق ہے لیکن ہمارا خیال ہے کہ حسد کا صرف یہ علاج ہے کہ انسان کو اس بات کا یقین آجائے کہ میرا یہ فعل درحقیقت حسد ہے جو ایک ایسی ذلیل مذموم اور کمینہ صفت ہے کہ کوئی شخص اپنے آپ میں اس صفت کا موجود ہونا گوارا نہیں کرسکتا غلطی صرف اس وجہ سے ہوتی ہے کہ انسان اپنے حاسدانہ خیالات اور افعال کو حسد پر محمول نہیں کرتا بلکہ اسکے اور اور نام رکھتا ہے۔ مثلاً کسی مصنف کی ایک کتاب نے نہایت شہرت اور قبولیت حاصل کی اُسکے ہمعصر مصنف کو حسد ہوا اور اس تصنیف پر نکتہ چینیاں شروع کیں یہ فعل اگرچہ درحقیقت حسد کی وجہ سے ہے لیکن وہ غلطی سے اُسکو حسد نہیں خیال کرتا بلکہ سمجھتا ہے کہ علم و فن کو بغیر اسکے ترقی نہیں ہوسکتی کہ تصنیفات کی غلطیاں ظاہر کیجائیں اسکا علاج صرف یہ ہے کہ انسان خود اپنے دلکو ٹٹولے اور چھپے ہوئے اور زیر پردہ جذبات کا سراغ لگائے مثلاً اسبات کا اندازہ کرے کہ جب خود اسکی تصنیفات پر نکتہ چینی اور حرف گیری کی جاتی ہے تو کیا وہ اسکو علم و فن کی ترقی سمجھتا ہے؟ کیا اسکی غلطیوں کے ظاہر ہونے سے اسکو خوشی ہوتی ہے؟ کیا وہ نکتہ چینی کو اچھی نظر سے دیکھتا ہے؟ اگرچہ ایسا نہیں ہے تو اسکو سمجھنا چاہیے کہ اُسنے خود نکتہ چینیاں کی تھیں وہ علمی تحریک سے نہیں تھیں بلکہ کوئی اور چیز درپردہ اُسکی محرک تھی۔ وما ابرئ نفسی ان النفس لامارة

اخلاص غرض

فلسفہ اخلاص کا سب سے اہم بالشان مسئلہ یہ ہے کہ اخلاص کی غرض و غایت کیا ہے یعنی ہمکو برائیوں سے کیوں بچنا چاہیے؟ اور کیوں اچھی باتیں اختیار کرنی چاہییں اور واعظین اور صوفیاء کے نزدیک اس کا ماحصل صرف دوزخ سے نجات ملنا اور لذائذ بہشت کا حاصل ہونا ہے یہی وجہ ہے کہ واعظین کا وعظ عموماً بہشت کی دلفریبیوں کی پر لطف داستان ہوتی ہے لیکن امام صاحب کے نزدیک یہ ایک پست اور مبتذل خیال ہے بہشت کا حاصل ہونا اور دوزخ سے محفوظ رہنا بے شبہ تقویٰ کا لازمی نتیجہ ہے لیکن یہ چیزیں اصلی مقصد نہیں قرار پاسکتیں بے شبہ ایک عامی اسی کو انتہائے آرزو خیال کرتا ہے لیکن بلندی نظر کا یہ اقتضا نہیں اگر نیکی صرف اس خیال سے کیجائے کہ عاقبت میں اسکا دس گنا عوض ملیگا تو وہ نیکی نہیں۔ بلکہ تجارت ہے۔

امام صاحب نے اخلاص کے بیان میں یہ مقصد نہایت صفائی اور آزادی سے ظاہر کیا ہے اُنکے خاص الفاظ یہ ہیں۔

قال رویم الاخلاص فی العمل ان لا یرید صاحبہ علیہ عوضاً فی الدارین وهذا اشارة الی ان حظوظ النفس آجلاً وعاجلاً والعابد لاجل تنعم النفس بالشهوات فی الجنة معلول بل الحقیقة ان لا یراد بالعمل الا وجه الله تعالی ومن یعمل لاجل الجنة خوف النار فهو مخلص بالاضافة الی الحظوظ العاجلة والا فهو فی طلب حظ البطن والفرج

رویم کا قول ہے کہ اخلاص کے یہ معنے ہیں کہ کام کا معاوضہ نہ دنیا آخرت میں کہیں نہ چاہا جائے رویم کا یہ قول اسبات کی طرف اشارہ ہے کہ حظ نفس خواہ دنیا میں ہو یا آخرت میں آفت ہے جو عابد اس غرض سے عبادت کرتا ہے کہ بہشت کے مزے اڑائیگا وہ صاحب غرض ہے عبادت کا مقصد صرف رضائے الٰہی ہونا چاہیے باقی جو شخص جنت کی امید اور دوزخ کے خوف سے عبادت کرتا ہے وہ دنیوی لذتوں کے لحاظ سے مخلص کہا جاسکتا ہے لیکن درحقیقت وہ شکم پرست اور زنان پرست ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جس شخص کے دل کو ایک معرفت و خوف و خشیت سے تنگی و بدی کی علت ہو اسکو گناہ سے اور ارتکاب کے بعد ندامت و خشوع کی کیفیت پیدا نہیں ہو سکتی اسکی حالت بعینہ ایسی ہوگی جیسے کسی شخص کا کچھ مال نقصان ہو جائے لیکن ندامت اور پشیمانی اور خشوع سے اسکو کچھ واسطہ نہ ہوگا۔ حالانکہ سوز و گداز جو بارگاہ الٰہی میں سب سے زیادہ مقبول چیز ہے انہی چیزوں کا نام ہے۔

علم کلام

شہرت عام کے لحاظ سے علم کلام کو امام غزالی کے ساتھ وہی نسبت ہے جو ارسطو کو منطق کے ساتھ ہے۔ ابن خلدون نے علانیہ دعویٰ کیا ہے کہ امام غزالی سے پہلے علم کلام میں فلسفہ کی آمیزش نہ تھی فلسفیانہ طرز پر سب سے پہلے امام صاحب ہی نے اس فن کو مرتب کیا لیکن یہ خیال بالکل غلط ہے علم کی تاریخ میں ہم نے اس بحث کو نہایت مفصل لکھا ہے یہاں صرف اس قدر جان لینا چاہیے کہ علم کلام میں ابتدا ہی سے دو طریقے قائم ہو گئے عقلی و نقلی، نقلی[1] علم کلام خود اسلامی فرقوں یعنی معتزلہ، قدریہ، جبریہ وغیرہ کے مقابلے میں ایجاد ہوا تھا ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ میں جس کلام کا ذکر کیا ہے وہ یہی علم کلام ہے عقلی علم کلام فلسفہ اور دوسرے مذاہب کے مقابلے کے لئے ایجاد ہوا تھا جس کا بانی اول ابو الہذیل علاف تھا اور جس کو نظام، جاحظ، حسن نوبختی، ابو مسلم اصفہانی وغیرہ نے ترقی دی۔

نقلی علم کلام کی بھی متعدد شاخیں تھیں ظاہریہ، ماتریدیہ، اشعریہ، امام غزالی اشعریہ طریقہ کے پیرو تھے جس کے بانی اول امام ابوالحسن اشعری تھے یہ سب طریقے اول اول فلسفہ اور عقلیات سے کچھ تعلق نہیں رکھتے تھے اشعریہ میں سب سے پہلے باقلانی نے بعض بعض فلسفیانہ اصطلاحیں داخل کیں، امام الحرمین وغیرہ نے اس پر اضافہ کیا امام غزالی نے اس قدر ترقی دی کہ نقلی ہونے کے بجائے عقلی بن گیا، اسی بنا پر ابن خلدون کو دھوکہ ہوا کہ امام غزالی عقلی علم کلام کے موجد ہیں بہرحال علم کلام کے متعلق جو کچھ انکے کارنامے ہیں ہم نہایت تفصیل کے ساتھ انکو بیان کرنا چاہتے ہیں۔

علم کلام حقیقت میں دو چیزوں کا نام ہے، اثبات اور ابطال یعنی فلسفہ وغیرہ کا ابطال اور عقائد اسلام کا اثبات امام صاحب نے دونوں حصوں کو لیا ہے چنانچہ ہم ہر حصے پر الگ الگ بحث کرتے ہیں۔

فلسفہ کا ابطال

امام صاحب نے فلسفہ کے رد کرنے سے پہلے یونانیوں کے اصول کے مطابق فنون فلسفہ پر کتابیں لکھیں جس سے یہ ثابت کرنا مقصود تھا کہ آئندہ ان مسائل پر وہ جو رد و قدح کریں گے آشنائے فن ہو کر کریں گے۔

فن منطق میں دو کتابیں لکھیں محک النظر[2] اور معیار العلم پچھلی کتاب نہایت مفصل ہے اور اس میں منطق کے مسائل کے ساتھ نکتہ چینیاں بھی کرتے جاتے ہیں یہ کتاب آج ناپید ہے ابن تیمیہ نے اپنی کتاب الرد علی المنطق میں ایک موقع پر یعنی

[1] نقلی اس لئے کہتے تھے کہ عقائد اسلامیہ کو دلائل نقلیہ یعنی قرآن و احادیث سے ثابت کیا جاتا ہے۔ [2] محک النظر حال میں مصر میں چھاپی گئی ہے۔

[illegible] تعریف حد کی [illegible] حقیقت کی جہات اصل کی ہو چنانچہ امام صاحب ذیل میں بتاتے ہیں
تعریف حقیقی کی تعریف منطق میں کی گئی ہے اگر اسکی شرطیں ملحوظ رکھی جائیں تو بجز شاذ و نادر کے کسی شے کی
تعریف حقیقی نہیں کیجا سکتی۔ بوجوہ ذیل۔

(۱) منطق کی پہلی شرط یہ ہے کہ جنس قریب [illegible] مرکب ہو لیکن [illegible] غلطیاں ہو سکتا ہے کہ جس چیز کو ہمنے جنس قریب سمجھا ہے حقیقت میں جنس بعید ہو کیونکہ ممکن ہے کہ قریب تر جنس موجود ہو اور ہماری نظر سے رہ گئی ہو مثلاً شراب کی تعریف سیال مسکر سے اکثر کیجاتی ہے اور سیال کو جنس قریب خیال کیا جاتا ہے حالانکہ سیال سے قریب تر جنس خود شراب [illegible] موجود ہے۔

(۲) جنس کے لئے ذاتی ہونا شرط ہے حالانکہ ذاتی اور عرضی کی تمیز حد سے زیادہ مشکل ہے۔

(۳) معرف میں شرط ہے کہ تمام ذاتیات آجائیں حالانکہ تمام ذاتیات کا احاطہ کرنا سخت مشکل ہے۔

یہ اعتراضات اگرچہ امام صاحب کے کمال فن اور دقت نظر کے ثبوت میں پیش نہیں کئے جاسکتے اور [illegible] اعتراض تو صرف بو علی سینا سے ماخوذ ہے لیکن ان اعتراضات کی واقعیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ارسطو کے زمانہ سے آجتک منطق میں حد اور معرف کے متعلق سیکڑوں حیوان اور ناطق کے سوا کوئی مثال نہیں ملسکتی معرف اور حد کے متعلق سیکڑوں اصطلاحیں پیدا ہو گئی ہیں مثلاً جنس قریب، بعید، عالی، سافل، متوسط، مقسم، ذاتی، عرضی وغیرہ وغیرہ لیکن یہ تمام دقیقہ سنجیاں انسان اور حیوان ہی پر صرف کیجاتی ہیں جن لوگوں نے منطق کی تحصیل میں عمریں صرف کردی ہیں ان سے انسان کے سوا کسی اور چیز مثلاً ببول، پیپل، شاخ، گھاس وغیرہ کی حقیقت پوچھی جائے تو ساری موشگافیاں بیری ہو جائیں گی علاوہ یہ انسان کی جامع مانع تعریف بھی نہ ہو سکی، انسان کی حد تمام حیوان ناطق قرار دی ہے لیکن غور سے دیکھو تو تمام جانور حیوان ناطق ہیں حیوان تو ظاہر ناطق اسلئے کہ ہر جانور بقدر حیثیت استنباط نتائج کرتا ہے اور استنباط نتائج ہی کا نام ناطق ہے یہ ظاہر ہے کہ انسان جس قدر مختلف اور [illegible] نتائج استنباط کرسکتا ہے جانور نہیں کرسکتا۔ لیکن یہ کمی بیشی کا فرق ہے اصل نطق میں کلام نہیں اسکے علاوہ فرشتوں کی نسبت کیا کہا جائیگا جو حساس متحرک بالارادہ ناطق سب کچھ ہیں۔

ان وجوہ سے ثابت ہوتا ہے کہ معرف اور حد کی جو تعریف کی گئی ہے اسکی رو سے شاذ و نادر ہی کسی چیز کی تعریف کیجا سکتی ہے

فلسفہ میں امام صاحب کی ایک نہایت مفصل کتاب مقاصد الفلاسفہ ہے یہ نہایت بسوط کتاب ہے اور فلسفہ کی تمام اقسام یعنی منطق، طبیعیات، الٰہیات [illegible] پر مشتمل ہے اسلامی ممالک میں اس کتاب کا نام و نشان بھی نہ تھا لیکن یورپ کے کتب خانوں میں اسکے متعدد نسخے موجود ہیں۔ چنانچہ اسکی تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔

یورپ کے [illegible] OSH [illegible] امام غزالی کی کتاب [illegible] چھاپی

کچھ اصل اس کتاب سے کچھ حصے نقل کئے ہیں جنکو ہم اس موقع پر بطور مقدمہ ... کرتے ہیں تاکہ ... کے ساتھ کسی قدر صاف اور واضح کرکے لکھا ہے۔

المقدمة الاولى في تقسيم العلوم لا شك في ان لكل علم موضوعات يبحث فيه عن احوال ذلك الموضوع والاشياء الموجودة التي يمكن ان يكون منظورا فيها في العلوم تنقسم الى ما وجودها باختيارنا كالافعال الانسانية من السياسات والتدبيرات والعبادات والرياضات والمجاهدات وغيرها والى ما ليس وجودها باختيارنا كالسماء والارض والنبات والحيوان والمعادن وحقائق الملائكة والجن والشياطين وغيرها فلا جرم انه ينقسم العلم الحكمي الى قسمين احدهما يعرف به احوال اعمالنا ويسمى علما عمليا وفائدته ان ينكشف به وجوه الاعمال التي بها تنتظم مصالحنا في الدنيا ويصدق لاجله امالنا في الآخرة والثاني يتعرف فيه عن احوال الموجودات كلها لتحصيل في نفوسنا هيئة الوجود كله على ترتيبه كما تحصل الصور المرئية في المرآة ويكون حصول ذلك في نفوسنا كمالا لنفوسنا فان استعداد النفس لقبولها خاصية النفس فيكون في الحال فضيلة وفي الآخرة سببا للسعادة كما سياتي وكل واحد من العلمين ينقسم الى ثلاثة اقسام اما العملي فلانه اما علم بتدبير المشاركة التي للانسان مع الناس كافة فان الانسان خلق مضطرا الى مخالطة الخلق ولا ينتظم ذلك على وجه يؤدي الى حصول مصلحة الدنيا وصلاح الآخرة الا على وجه مخصوص وهذا العلم اصله العلوم الشرعية وتكملته العلوم السياسية المذكورة في تدبير المدن وترتيب اهلها والثاني علم التدبير المنزل وبه يعرف وجه المعيشة مع الزوجة والولد والخادم ومن يشتمل المنزل عليه والثالث علم الاخلاق وما ينبغي ان يكون الانسان ليكون حسنا فاضلا في اخلاقه وصفاته ولما كان الانسان لا محالة اما وحده واما مخالطا لغيره وكانت المخالطة اما خاصة مع اهل المنزل واما عامة مع اهل البلد انقسم العلم بتدبير هذه الاحوال الثلاث الى ثلاثة اقسام لا محالة واما العلم النظري فثلاثة اقسام احدها يسمى الالهي والفلسفة الاولى والثاني يسمى بالرياضي والتعليمي والعلم الاوسط والثالث يسمى الطبيعي والعلم الادنى وانما انقسم ثلاثة اقسام لان الامور المعقولة لا تخلو اما ان تكون بريئة عن المادة والتعلق بالاجسام المتغيرة كذات الله تعالى وذات العقل والوحدة والعلة والمعلول والموافقة والمخالفة والوجود والعدم ونظائرها فان هذه الامور يستحيل ثبوت بعضها للمواد كذات العقل واما بعضها فلا يجب ان تكون في المواد وان كان قد تعرض لها ذلك كالوحدة والعلة فان الجسم ايضا قد يوصف بكونه علة وواحدا كما يوصف العقل ولكن ليس من ضرورتها ان تكون في المواد واما ان تكون متعلقة بالمادة وهذه لا يخلو اما ان تكون بحيث يحتاج الى مادة معينة حتى لا يمكن ان يحصل في الوهم مفترقا عن مادة معينة كالانسان والنبات والمعادن والسماء والارض وسائر انواع الاجسام واما ان

یمکن تحصیلہا فی الوہم من غیر مادۃ معینۃ کالمربع والمثلث والمستطیل والمدور فان ہذہ الا مور وان کانت لا تقوم فی وجودہا الا فی مادۃ خاصۃ یفرض الحدید والخشب والتراب وغیرہ وکالانسان فان مفہوم لا یمکن ان یحصل الا فی مادۃ معینۃ من لحم وعظم وغیرہ فان فرض من خشب لم یکن انسانا والمربع مربع کان من حجر او طین او خشب وہذہ الامور یمکن تحصیلہا فی الوہم من غیر التفات الی مادۃ فالعلم الذی یتولی النظر فیما ہو بری عن المادۃ بالکلیۃ ہو الالٰہی والذی یتولی النظر فی المواد المعینۃ ہو الطبیعی فحصل من ہذا انقسام ہذہ العلوم الی ثلثۃ اقسام ونظر الفلاسفۃ ہو فی ہذہ العلوم الثلثۃ۔

منطق وفلسفہ اگرچہ امام صاحب کا فن نہ تھا۔ یہاں تک کہ انہوں نے باقاعدہ انکی تحصیل بھی نہیں کی تھی تاہم یہ فنون بھی انکے فیض سے محروم نہ رہے۔

امام صاحب کے پہلے فلسفہ پر جتنی کتابیں لکھی گئیں ان میں عموماً بالخصوصیت ملحوظ ہو کر کسی کی سمجھ میں نہ آئیں، اور یہ اصول مسلمانوں کے زمانہ سے بھی پہلے سے چلا آتا ہے۔ ارسطو نے فلسفہ کی جب تدوین کی تو افلاطون نے سخت ناراض ہو کر کہلا بھیجا کہ تم نے اسرار اور رموز کا طلسم توڑ دیا۔ ارسطو نے جواب میں کہلا بھیجا کہ گو میں نے اسرار بیان کئے لیکن ایسے الفاظ میں بیان کئے کہ عام لوگوں کی دسترس سے باہر ہیں مسلمانوں میں فلسفہ ارسطو کا سب سے بڑا مفسر ابن سینا ہے اس کی یہ حالت ہے کہ معمولی بات کو بھی اس قدر اینچ پینچ کے ساتھ اور ایسی مہیب اور پر رعب عبارت میں ادا کرتا ہے کہ وہی معمولی بات عالم ملکوت کے فوق الادراک الہامات معلوم ہوتے ہیں امام غزالی نے اس طلسم کو توڑ دیا وہ دقیق سے دقیق اور پیچیدہ سے پیچیدہ مسئلہ کو اس طرح تحلیل کرتے ہیں اور ایسے الفاظ میں ادا کرتے ہیں کہ معمولی استعداد کی سمجھ میں آجاتے ہیں یہی طرز ہے جس کو امام فخر الدین رازی نے اور زیادہ ترقی دی۔ اور فلسفہ کو بازیچۂ اطفال بنادیا۔

اگرچہ افسوس ہے کہ متاخرین پھر وہی معما اور چیستاں بولنے لگے جس سے یونانی فلسفہ کے مبتذل مسائل بھی رموز و حقائق بن گئے۔

غرض مقاصد الفلاسفۃ۔ لکھکر جب امام صاحب ثابت کر چکے کہ فلسفہ کا کوئی راز اُن سے مخفی نہ رہا تو انہوں نے اصل مقصود یعنے فلسفہ کے رد پر توجہ کی اس بحث پر اُنہوں نے ایک خاص کتاب لکھی جس کا نام تہافۃ الفلاسفہ ہے اس کتاب کے دیباچہ میں جو کچھ لکھا ہے وہ ہمارے زمانہ کے حالات سے بہت ملتی جلتی ہے اس لئے ہم اُس کو مختصراً اس موقع پر نقل کرتے ہیں۔

امام صاحب کی طرز تحریر سے فلسفہ کو کیا فائدہ پہونچا

فلسفہ کا رد تہافۃ الفلاسفہ

[illegible] ہے [illegible] عام آدمیوں سے [illegible]

دنیا [illegible] کی [illegible] سے [illegible] تقلید [illegible]

[illegible] سمجھتے تھے [illegible] تمام علوم و فنون کے بانی [illegible]

[illegible] انکار [illegible] حقیقت میں [illegible] اور ان کے اصول [illegible]

[illegible] اور لغو ہیں۔

اس بنا پر میں نے ارادہ کیا کہ ان حکماء نے [illegible] جو کچھ لکھا ہے اس کی غلطیاں [illegible] ثابت کروں تا کہ [illegible] ان کے مسائل اور اصول بازیچہ اطفال ہیں۔

فلسفہ کے مسائل تین قسم کے ہیں۔

(۱) وہ مسائل جو صرف الفاظ و اصطلاحات کے لحاظ سے مسائل اسلام سے مختلف ہیں مثلاً وہ خدا کو جوہر سے تعبیر کرتے ہیں لیکن جوہر سے ان کی مراد متحیز نہیں بلکہ وہ شے مراد ہے جو بالذات قائم ہو اور محتاج غیر نہ ہو۔ اس بنا پر خدا کو جوہر کہنا حقیقۃً درست ہے گو شریعت میں یہ لفظ استعمال نہیں کیا گیا ہے۔

(۲) وہ مسائل جو اصول اسلام کے مخالف نہیں مثلاً یہ مسئلہ کہ چاند میں گہن لگتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ آفتاب اور چاند کے بیچ میں زمین حائل ہو جاتی ہے، اس قسم کے مسائل کا رد کرنا ہمارا فرض نہیں، جو لوگ ان کے انکار اور ابطال کو جزو اسلام سمجھتے ہیں حقیقت میں اسلام پر ظلم کرتے ہیں کیونکہ ان مسائل کے اثبات پر ہندسی دلائل قائم ہیں جن کی واقفیت کے بعد ان کی صحت میں کسی قسم کا شک نہیں رہ سکتا، اب اگر کوئی شخص یہ ثابت کرے کہ یہ مسائل اسلام کے برخلاف ہیں تو واقف فن کو خود اسلام کے متعلق شبہ پیدا ہوگا۔

(۳) تیسری قسم کے مسائل وہ ہیں جو اسلام کے عقائد مقررہ کے خلاف ہیں مثلاً عالم کا قدم، حشر اجساد کا انکار وغیرہ یہی مسائل ہیں جن سے بحث غرض ہے اور جن کا باطل کرنا ہماری کتاب کا موضوع ہے۔

اس تمہید کے بعد امام صاحب نے فلسفہ کے ۲۰ مسئلوں کو لیا ہے اور ان کا ابطال کیا ہے لیکن افسوس ہے کہ امام صاحب کی یہ محنت چنداں سودمند نہیں ہوئی کیونکہ جن مسائل کو خلاف اسلام سمجھا ہے ان میں سے ۱۷ کی نسبت جیسا انہوں نے خود خاتمہ کتاب میں اعتراف کیا ہے ان کی بنا پر کسی کی تکفیر نہیں کی جا سکتی، تین مسئلے جن کو قطعی کفر کا سبب قرار دیا ہے وہ بھی مختلف فیہ ہیں۔

غرض علم کلام کے سلسلہ میں یہ کتاب چنداں تعریف نہیں رکھتی لیکن ایک دوسری حیثیت سے امام غزالی کا یہ سب سے بڑا کارنامہ ہے۔ مسلمانوں نے جب فلسفہ یونانی کا ترجمہ کیا تو اس کے اس قدر گرویدہ ہوئے کہ گویا اس کا ہر مسئلہ الہام ہے [illegible] ارسطو کا اول درجہ مسلمانوں میں [illegible] خیال کیا جاتا ہے [illegible] بعد علمائے اسلام نے بطور خود جو فلسفہ میں تصنیفات کیں تو مسائل فلسفہ کو مسلمات اولیہ کی طرح تسلیم کرتے آئے، یعقوب کندی، ابو نصر فارابی، شیخ بو علی سینا [illegible] ارسطو اور افلاطون کے ہمپایہ تھے انہیں سے کسی نے ان مسائل پر جرح نہیں کی [illegible]

فلسفہ کے ایسے مخالف تھے لیکن ان لوگوں کو صرف ان مسائل سے غرض تھی جو اصول اسلام کے خلاف تھے ورنہ بالکل
دفعتاً عام طور پر یونانی فلسفہ کے مسائل بیان کئے جاتے ہیں اور ساتھ ساتھ ان پر تنقید اور رد ہوتا جاتا ہے امام غزالی
نے تہافۃ الفلاسفہ کو جو اس غرض سے لکھی گئی تھی لیکن اس خاص غرض کی بنیاد قائم کر دی اسنے فلسفہ یونانی کی
عظمت دلوں سے کم کر دی اور لوگ اس کے عیوب کی طرف متوجہ ہوئے شیخ الاشراق نے حکمۃ الاشراق میں یونانی
مسائل کیا تھا جہاں ان کی غلطیاں تھیں ان سے بھی تعرض کرتے گئے ابو البرکات بغدادی نے کتاب المعتبر
اسی انداز پر لکھی امام رازی نے تو فلسفہ یونانی کو بالکل ہی تختہ مشق بنا لیا اور اس کے صحیح مسائل کی بھی دھجیاں اڑا دیں

بہر حال اس کتاب میں امام صاحب نے جن مسائل پر بحث کی ہے انکی یہ تفصیل ہے۔

(۱) فلسفیوں کے اس دعوے کا ابطال کہ عالم ازلی ہے۔

(۲) اس دعوے کا ابطال کہ عالم ابدی ہے۔

(۳) فلاسفہ کا یہ قول کہ خدا عالم کا صانع ہے دھوکہ ہے اور نہ ان کے اصول کے مطابق خدا صانع عالم ہو سکتا ہے۔

(۴) فلاسفہ خدا کا وجود نہیں ثابت کر سکتے،

(۵) فلاسفہ خدا کی توحید نہیں ثابت کر سکتے،

(۶) جو صفات الٰہی کے منکر ہیں یہ ان کی غلطی ہے۔

(۷) فلاسفہ کا یہ قول غلط ہے کہ خدا کی جنس اور فصل نہیں۔

(۸) فلاسفہ کا یہ دعویٰ ثابت نہیں ہو سکتا کہ خدا کی ذات بسیط محض بلا ماہیت ہے۔

(۹) فلاسفہ یہ نہیں ثابت کر سکتے کہ خدا کا جسم نہیں۔

(۱۰) فلاسفہ کو دہریہ ہونا درست۔

(۱۱) فلاسفہ یہ نہیں ثابت کر سکتے کہ خدا اپنے سوا کسی اور کو جان سکتا ہے۔

(۱۲) فلاسفہ یہ نہیں ثابت کر سکتے کہ خدا اپنی ذات کو جانتا ہے۔

(۱۳) فلاسفہ کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ خدا جزئیات کو نہیں جانتا۔

(۱۴) فلاسفہ کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ آسمان حیوان متحرک بالارادہ ہے۔

(۱۵) فلاسفہ نے آسمان کی حرکت کی جو غرض بیان کی ہے وہ باطل ہے۔

(۱۶) فلاسفہ کا یہ خیال غلط ہے کہ آسمان تمام جزئیات کے عالم ہیں۔

(۱۷) خرق عادات کا انکار باطل ہے۔

(۱۸) فلاسفہ یہ نہیں ثابت کر سکتے کہ روح ایک جوہر ہے جو نہ جسم ہے نہ عرض۔

(۱۰) خدا صفت نہیں رکھ سکتا کیونکہ وہ واحد ابدی ہے۔

(۱۱) یہ لوگ قیامت اور حشر اجساد کے منکر ہیں یہ انکی غلطی ہے۔

امام صاحب نے ان مسائل پر جو کچھ لکھا ہے اگر اسکی تردید کیا جائے تو ہماری کتاب صدرا و شمس بازغہ جیسی ضخیم ہو جائیگی

ہر مسئلہ پر بحث نہ ہو سکیگی ہم ایک مسئلہ کو لیتے ہیں جسکے ضمن میں ہم اصول کو کھولنا چاہتے ہیں۔

(۱) فلاسفہ کس طریقے سے حقائق اشیاء پر استدلال کیا کرتے تھے۔

(۲) چونکہ یونانی فلسفہ کا طریقہ استدلال محض خیالی تھا اسلئے علمائے اسلام محض احتمالات عقلی سے انکا ابطال کرتے تھے اور یہ سہل ہوتے تھے۔

(۳) فلسفہ قدیم جو ہمارے علماء کا سرمایہ افتخار ہے اسکی عظمت و شان اسی وقت تک ہے کہ انہی مصطلح الفاظ اور اسی مخصوص پیرایہ میں اسکو ادا کیا جائے ورنہ اگر ان مسائل کو تحلیل کرکے عام فہم طریقہ میں بیان کیا جائے تو بچوں کا کھیل رہ جاتا ہے۔

یونانی عالم کو قدیم کے قائل تھے امام صاحب نے اس مسئلہ کے متعلق پہلے فلاسفہ کا استدلال نقل کیا ہے ہم بھی اسی کو نقل کرتے ہیں اس استدلال کے سمجھنے کیلئے پہلے چند اصطلاحیں سمجھ لینی چاہئیں اور چند مقدمات کو ذہن نشین کرنا چاہئے۔

(۱) جو چیز ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگی اسکو واجب کہتے ہیں۔

(۲) جو چیز کبھی موجود نہ تھی اور نہ کبھی موجود ہو سکتی ہے وہ ممتنع ہے۔

(۳) جو چیز ہمیشہ سے نہیں ہے لیکن وجود میں آئی اور فنا ہو جائیگی وہ ممکن ہے۔

(۴) جو چیز ممکن ہے وہ موجود ہونے سے پہلے بھی ممکن تھی کیونکہ اگر ممکن نہ تھی تو یا واجب ہوتی یا ممتنع لیکن اگر واجب ہوتی تو ہمیشہ سے موجود ہوتی اور اگر ممتنع ہوتی تو کبھی وجود میں نہ آتی۔

(۵) صفت کیلئے موصوف کا وجود ضروری ہے مثلاً اگر سیاہی کا وجود ہے تو ضرور ہے کہ وہ سیاہی کسی خاص شے میں پائی جائے

ان مقدمات کے بعد عالم کے قدیم ہونے پر اس طرح استدلال کیا جاتا ہے کہ عالم وجود میں آنے سے پہلے ممکن تھا ورنہ بنائے تعدد قدیم لازم اور چونکہ ممکن ہونا ایک صفت ہے اور صفت کیلئے موصوف کا ہونا ضروری ہے اسلئے ضرور ہے کہ کوئی شے موجود تھی جسکے ساتھ امکان کا یہ وصف قائم تھا اس سے ثابت ہوا کہ جب عالم موجود نہ تھا اسوقت بھی کوئی شے تھی جس سے یہ عالم وجود میں آیا اس استدلال کو مثال میں یوں سمجھو کہ ایک صراحی جو اسوقت موجود ہے جب نہیں موجود تھی تب بھی کوئی شے (مٹی) موجود تھی جو ایک خاص صورت پاکر صراحی بن گئی۔

یہ استدلال اگر تجربہ و وجدان اور استقرا پر محمول کیا جاتا تو یقین پیدا کرنے کیلئے کافی تھا لیکن یونانیوں نے صرف مفروضات پر مدار رکھا اسلئے انکی کوشش بیکار گئی چنانچہ امام غزالی نے اس استدلال کو اس طرح رد کیا۔

یہ تو تسلیم کہ ہر قسم کی صفت کیلئے موصوف کا وجود خارجی ضرور ہو۔ امتناع بھی تو ایک صفت ہے اسکا موصوف کہاں ہے جب ہم کہتے ہیں کہ شریک باری ممتنع ہے تو ظاہر ہے کہ امتناع کی صفت کا موصوف شریک باری ہے لیکن کیا شریک باری خارج میں موجود ہے۔

اس کے علاوہ عوارض مثلاً سیاہی سپیدی وغیرہ جب موجود نہ تھے تو انکا وجود ممکن تھا اس امکان کا موصوف کیا چیز تھی؟ اور وہ کہاں موجود تھی؟ اگر یہ کہا جائے کہ اعراض کے امکان کے یہ معنی ہیں کہ جواہر موجود تھے اور وہ اعراض کے ساتھ متصف ہو سکتے تھے تو یہ درحقیقت اعراض کا امکان نہیں بلکہ اجسام کے اتصاف کا امکان ہے۔ حاصل یہ کہ امکان امتناع وغیرہ عقلی اعتبارات ہیں ان کے لئے وجود خارجی کی ضرورت نہیں۔

امام صاحب نے اس تقریر کے بعد فلاسفہ کیطرف سے ان اعتراضات کا جواب دیا ہے اور پھر انکا رد کیا ہے لیکن ہم اسکو اختصار کے لحاظ سے قلم انداز کرتے ہیں۔

دیکھو ایک معمولی مسئلہ، الفاظ کے چکر میں آکر کس قدر پیچیدہ ہو گیا طرز استدلال نے اصل مسئلے کے سوا اور بہت سے مسئلے پیدا کر دئے امکان کی حقیقت۔ صفت کی حقیقت۔ صفت کیلئے موصوف کے وجود کی حقیقت۔ یہ مراحل طے کرنے ہوتے ہیں حالانکہ اس مسئلے پر سادہ اور صاف طریقے میں اسطرح استدلال کیا جا سکتا ہے۔

دنیا میں جو چیز موجود ہے ہم دیکھتے ہیں کہ وہ عدم محض سے وجود میں نہیں آئی اور نہ وہ معدوم محض ہو سکتی ہے مثلاً تخت ایک سادہ لکڑی تھی۔ لکڑی درخت تھا درخت تخم تھا تخم کچھ اور تھا غرض کہیں جا کر یہ سلسلہ اسطرح ختم نہیں ہوتا کہ عدم محض ہو۔ اسیطرح اگر تمام زمانہ ملکر چاہے کہ ایک ذرے کو بالکل فنا کر دے تو نہیں کر سکتا کسی چیز کو جلا دو راکھ ہو جائیگی راکھ ہوا میں اڑا دو اسکے اجزا پریشان ہو جائینگے۔ لیکن بالکل معدوم نہ ہوں گے جو لوگ منطقی پیچ بحثیوں اور اصطلاحات فلسفی کے خوگر ہیں انکو یہ استدلال عامیانہ اور سوقیانہ معلوم ہوگا وہ یہی کہیں گے کہ استقراء کوئی قطعی دلیل نہیں

لیکن انصاف سے دونوں طرز استدلال کا مقابلہ کرو۔

پہلا استدلال محض اصطلاحات پر مبنی ہے جس کے دلیل یقین کی کوئی کیفیت نہیں پیدا ہوتی اسکے علاوہ دلیل کے مقدمات بحث طلب ہیں جو شخص ایک چیز کو بالکل معدوم فرض کرتا ہے وہ کیوں تسلیم کریگا کہ اسی حالت میں وہ ممکن ہے۔ امکان وجوب امتناع یہ سب اوصاف اسی چیز کیطرف منسوب ہو سکتے ہیں جبکہ کسی نہ کسی قسم کا وجود ہو ممتنع کا وجود گو خارجی نہیں ہوتا لیکن ذہنی ہوتا ہے اور اسی بنا پر قضیہ کا موضوع ہو سکتا ہے لیکن جو چیز خارج میں ہے نہ ذہن میں ہے بلکہ معدوم مطلق ہے اسپر کیا حکم لگایا جا سکتا ہے۔

یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ وہ معدوم کی حالت میں امکان کی صفت کیساتھ موصوف ہے لیکن یہ کیونکر ثابت کیا جا سکتا ہے کہ صفت

[illegible] ایک [illegible] علم [illegible]
[illegible] ہو سکتی [illegible] مقدمات [illegible]
[illegible] اٹھ گیا۔

دوسرے اسکے علاوہ استدلال واقعات پر مبنی ہے جو دنیا میں ہزاروں لاکھوں دفعہ [illegible] موجود [illegible] محسوس ہوتے ہیں [illegible] کوئی تجربہ اسکے خلاف نہیں بتلایا جا سکتا ان واقعات سے کیا یقین نہیں پیدا ہو [illegible] معلوم نہیں تھی۔

بلکہ یہ احتمالات ممکن ہیں کہ اسکے خلاف تجربہ ہوا ہو اور ہم کو معلوم نہ ہو ممکن ہے کہ بہت پہلے جو شخص پیدا ہوئی ہو معلوم [illegible] سے پیدا ہوئی ہو مطالب علمانہ کی حیثیاں ہیں جن سے یقین میں فرق نہیں آتا سینکڑوں کلیات جو یقینی قرار دئے جا سکتے ہیں ان میں بھی زیادہ احتمالات پیدا کئے جا سکتے ہیں لیکن کیا اس سے انکا یقینی ہونا باطل ہو جاتا ہے۔

بہرحال امام صاحب نے [illegible] جواب دیا یونانی جس طریقے سے استدلال کرتے تھے امام صاحب نے بھی اسی قسم کے مقدمات سے انکے استدلال کو رد کیا۔

علامہ ابن رشد نے جو ارسطو کا حلقہ بگوش ہے امام صاحب کی اس کتاب کا رد لکھا لیکن امام صاحب کی تصنیفات کیلئے یہ فخر کافی ہے کہ باوجود اسکے کہ انہوں نے بطور خود نہایت قلیل زمانہ میں فلسفہ کی تحصیل کی تھی تاہم وہ فلسفہ پر اس طرح حملہ آور ہوئے کہ ابن رشد جیسے فلاسفر کو انکے حملے کے روکنے کے لئے اس قدر اہتمام کرنا پڑا۔

اثبات عقائد

امام صاحب کا اصلی کارنامہ یہیں سے شروع ہوتا ہے اور یہی چیز ہے جس نے امام صاحب کے نام کو شہرت دی ہے۔ اثبات عقائد سے یہ مراد ہے کہ امام صاحب نے اسلام کے عقائد کو دلائل عقلیہ سے کیونکر ثابت کیا لیکن اسکی تفصیل سے پہلے یہ بحث طے کر لی جائے کہ امام صاحب کے نزدیک اسلامی عقائد کیا تھے۔ اسلام کا اصل اصول تو صرف دو کلمے ہیں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لیکن انکی تفصیل میں اختلاف ہو کر بہت سے فرقے پیدا ہو گئے اور ہر فرقے نے اپنے قرار دادہ مسائل کو گویا اسلام کا معیار قرار دیا امام صاحب بھی ایک خاص فرقے یعنی اشعریہ سے منسوب تھے اور اس بنا پر انکے عقائد کے بیان میں اشعریوں کے عقائد کی فہرست کافی تھی خصوصاً جبکہ احیاء العلوم میں جہاں اسلامی عقائد بیان کئے ہیں بالکل وہی اشعری عقائد لکھ دئے ہیں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ امام صاحب کی تصنیفات اس باب میں مختلف ہیں اور اس اختلاف نے لوگوں کو انکے عقائد کے متعلق حیرت زدہ کر دیا ہے۔ علامہ ابن رشد فصل المقال میں انکی نسبت لکھتے ہیں۔

[illegible] المذاهب [illegible] ص ۳ [illegible] غزالی نے اپنی کتابوں میں کسی مذہب خاص کا التزام نہیں کیا بلکہ وہ [illegible] اشعری [illegible] صوفی [illegible] اشعری کا اور صوفیوں کے ساتھ صوفی اور فلاسفہ کے ساتھ [illegible]

عقائد متعلق امام صاحب کی تصنیفات کا باہمی اختلاف

امام صاحب کے مخالفوں کا ایک گروہ پیدا ہو گیا تھا جس کی تفصیل ہماری کتاب کے خاتمہ میں آئیگی وہ بھی اسی وجہ سے پیدا ہوا تھا کہ امام صاحب کی تصنیفات میں اکثر جگہ اشاعرہ وغیرہ کے خلاف عقائد ملتے تھے چونکہ امام صاحب کے مذہبی خیالات کے متعلق یہ ایک اہم بحث ہے اور چونکہ عقائد میں مسلمانوں کا گروہ کثیر امام صاحب ہی کا پیرو ہے اسلئے ہم اس بحث کو تفصیل کیساتھ لکھتے ہیں خصوصاً اس وجہ سے کہ اب تک کسی نے اس چیستاں کو حل نہیں کیا۔ اس اشکال کا اجمالی جواب تو یہ ہے کہ امام صاحب کی تصنیفات کا باہمی اختلاف انکے تلون طبع یا مسلک کے اصول پر مبنی نہیں ہے بلکہ امام صاحب نے قصداً ایسا کیا اور خود اسکی تصریح کردی جواہر القرآن میں لکھتے ہیں۔

والرتبة الاولى من المرتبتين وهي معرفة الاعتقاد هذه الحقيقي فقد اودعناها الرسالة القدسية في نحو عشرين ورقة وهي احد فصول كتاب قواعد العقائد من كتب الاحياء واما ادلتها مع زيادة تحقيق ومزيد تأنق في ايراد الاسئلة والاشكالات فقد اودعناها كتاب الاقتصاد في الاعتقاد مقدار مائة ورقة وهو كتاب مفرد برأسه يحوي لباب علم المتكلمين فاما المعرفة فتنشعب منها ثم من هذا نحو المعرفة قد بثثت منه مقدارا يسيرا في شطر ثاني كتاب الصبر والشكر وكتاب المحبة وباب التوحيد من اول كتاب التوكل وجملة ذلك في كتب الاحياء وتصادف منه قدرا صالحا يعرفك كيفية قرع باب المعرفة من كتاب المقصد الاقصى وان شئت صريح المعرفة بحقائق الحق من غير مجمجة ولا مراقبة فلا تصادفه الا في بعض كتبنا المضنون بها على غير اهله

دونوں درجوں میں سے پہلا درجہ یعنی اس عقیدہ سے کہ ظاہری مفہوم پر استدلال کرنا تو اس کو ہم رسالہ قدسیہ میں درج کر چکے ہیں یہ رسالہ بیس ورقوں میں ہے اور احیاء العلوم فصل قواعد العقائد کا ایک حصہ ہے باقی ان عقائد کے دلائل زیادہ تحقیق کیساتھ اور سوال و جواب کی رنگ آمیزی کیساتھ تو کتاب الاقتصاد فی الاعتقاد میں درج ہے جو سو ورق میں ہے جو مستقل ایک کتاب ہے اور اسمیں متکلمین کا تمام علم درج ہے لیکن اگر تم چاہتے ہو کہ معرفت کی کسی قدر خوشبو دماغ میں آئے تو احیاء العلوم کی کتاب الصبر والشکر و کتاب المحبۃ و بیان التوحید میں کتاب التوکل میں کچھ کچھ ملیگا اور کسی قدر مقصد الاقصیٰ میں ہے جس سے یہ معلوم ہوگا کہ معرفت کا دروازہ کس طرح کھٹکھٹایا جاتا ہے اور اگر چاہتے ہو کہ صاف صاف بے لاگ ان عقائد کی حقیقت معلوم ہو۔ تو اس کو صرف ہماری کتاب المضنون بہ علی غیر اہلہ میں پا سکتے ہو

اس کتاب میں کچھ اور موقع پر لکھتے ہیں۔

والثالث هو محاجة الكفار ومجادلتهم ومنه ينشعب علم الكلام المقصود لرد الضلالات والبدع وازالة الشبهات ويتكفل به المتكلمون وهذا العلم قد شرحناه على طبقتين سمينا الطبقة القريبة منها الرسالة القدسية والطبقة التي فوقها الاقتصاد في

دوسری چیز کافروں سے مناظرہ اور مجادلہ کرنا ہے اور اسی سے علم کلام پیدا ہوتا ہے جس کا مقصود گمراہیوں اور بدعتوں کا رد کرنا ہے اور اعتراضات کا رفع کرنا ہے اس علم کے ذمہ دار متکلمین ہیں۔ ہم نے دو طرز پر اس کی شرح کی ہے ایک معمولی طرز پر اس کا نام رسالہ قدسیہ ہے اور ایک اس سے

سلہ یہ کتاب بمبئی میں چھپ گئی ہے لیکن بہت ناقص ہے پیرس میں اسکا قلمی نسخہ موجود ہے۔

او اعتقاد ومقصود هذا العلم حراسة عقيدة العوام عن تشويش المبتدعة ولا يكون هذا العلم مليئاً بكشف الحقائق وبجنسه يتعلق كتاب الذي صنفناه في تهافت الفلاسفة والذي اوردناه في الرد على الباطنية في كتاب الملقب بالمستظهري وفي كتاب حجة الحق وقاصم الباطنية وكتاب مفصل الخلاف في اصول الدين۔

یعنی اس علم کا مقصود یہ ہے کہ بدعتیوں کے شور و شغب سے عوام کے عقیدہ کی حفاظت کی جاوے۔ لیکن اس علم میں حقائق نہیں بیان کئے جاتے اسی قسم کی ہماری وہ کتاب ہے جس میں فلاسفہ کی غلطیوں کا بیان ہے یعنی تہافتہ الفلاسفہ اور وہ جو باطنیہ کے رد میں ہے یعنی مستظہری و حجۃ الحق و قاصم الباطنیہ و مفصل الخلاف۔

ان عبارتوں میں امام صاحب نے خود تصریح کردی ہے کہ عقائد میں انکی تصنیفات مختلف مراتب کی ہیں بعض عوام کے مذاق کے موافق ہیں بعض اس سے کسیقدر بلند رتبہ ہیں بعض میں کچھ حقائق و اسرار کا پردہ کھولا ہے بعض ایسے ہیں جنمیں تمام حقائق ظاہر کردئے ہیں حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں ابتدا ہی سے دو مختلف رائیں قائم ہوگئی تھیں ایک گروہ کی رائے تھی کہ شریعت میں کچھ اسرار نہیں ہیں جو عقائد شریعت میں مذکور ہیں۔ ایک عامی جس طور پر انکو سمجھتا ہو خواص کو بھی اسی طور سے سمجھنا چاہیے اور اس عقیدہ کی تائید کرنیکے لئے جو دلائل یک عامی کیلئے قائم کئے جاتے ہیں خواص کیلئے بھی وہی دلائل استعمال کرنے چاہئیں دوسرا گروہ اسکے خلاف تھا علامہ ابن رشد فصل المقال میں لکھتے ہیں۔

کثیر من الصدر الاول قد نقل عنهم انهم کانوا یرون ان للشرع ظاهراً و باطناً وانه لیس یجب ان یعلم بالباطن من لیس من اهل العلم به ولا یقدر علی فهمه

قرن اول کے اکثر بزرگوں سے منقول ہے کہ شریعت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے اور جو شخص باطن کے سمجھنے کی لیاقت نہیں رکھتا اسکو باطن کا علم سکھلانا ضرور نہیں۔

صحیح بخاری میں حضرت علی کا قول منقول ہے کہ

حدثوا الناس بما یعرفون ودعوا ما ینکرون اتریدون ان یکذب الله و رسوله

جو بات لوگوں کی عقل میں آسکے انسے بیان کرو اور جو نہ آسکے وہ چھوڑ دو کیا تم یہ چاہتے ہو کہ لوگ خدا اور رسول کو جھوٹا بنائیں

امام غزالی اسی دوسرے گروہ کے ہمخیال تھے، چنانچہ اپنی تصنیفات میں کثرت سے اسکی تصریحیں کی ہیں احیاء العلوم کے دیباچہ میں اسپر نہایت مفصل بحث کی ہے جس کے ابتدائی مضامین یہ ہیں۔

انقسام هذه العلوم الی خفیة وجلیة لا ینکرها ذو بصیرة وانما ینکرها القاصرون الذین تلقفوا فی اوائل الصبی شیئاً جمدوا علیه فلم یکن لهم ترقٍ الی شاو العلاء الخ

ان علوم کے خفی و جلی کی کثرت منقسم ہونیکو کوئی سمجھدار آدمی انکار نہیں کرسکتا صرف وہ انکار کرتے ہیں جنہوں نے بچپن میں کچھ باتیں سیکھیں اور پھر اسپر جم گئے تو وہ علا کے مرتبہ تک ترقی نہیں کرسکتے

جواہر القرآن میں ذات باری اور واقعات قیامت کے متعلق جو عقائد ہیں انکو لکھکر لکھتے ہیں کہ ان عقائد کے دو درجے ہیں۔

اسرار ما سمح الله هذه العقول ثم الظاهرة من غير
غوص على معان عالية ثابتة مرضية اسرار ما وراء باب
ومعانيها الحقيقية فلو اهر هذه الروايات كلها اليست
الا جنبية من جميع الاحكام۔

ایک محجوب ظاہری حقیقت کے ملاش کیا جانا ہی تعبیر کے کرانے
کے ظاہر پر جمود کیا جائے سو قرآن عقائد کے اسرار کا سمجھنا اور ان کے
معانی کا حقیقت دریافت کرنا اور ان کے ظاہر کی اصل حقیقت دریافت
کرنا ان معنوں و معانی کا حاصل کرنا سب پر فرض نہیں ہے۔

انجام آتھم کے خاتمہ میں لکھتے ہیں۔

فليوضع كل شيء موضعه كما امر الله تعالى به نبيه حيث
قال ادع الى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم
بالتي هي احسن فالمدعو بالحكمة الى الحق قوم وبالموعظة الحسنة قوم
آخرون وبالجدال الحسن قوم آخرون كما فصلنا قسمهم
في كتابنا القسطاس المستقيم۔

چاہیے کہ ہر چیز اپنی جگہ پر رکھی جائے جیسا کہ خدا تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو حکم دیا
اور قرآن میں فرمایا کہ تم لوگوں کو خدا کے راستہ کی طرف بلاؤ حکمت کے
نصیحت کے ذریعہ اور تم ان سے مجادلہ کرو بطرز پسندیدہ حکمت کے جو لوگ
مخاطب ہیں وہ اور ہیں نصیحت کے مخاطب اور مجادلہ کے مخاطب اور
جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب قسطاس میں اسکی تفصیل بیان کی ہے۔

قسطاس مستقیم جسکا امام صاحب نے اس موقع پر حوالہ دیا ہے اسکی عبارت یہ ہے۔

قال الله تعالى ادع الى سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة
وجادلهم بالتي هي احسن واعلم ان المدعو الى الله
بالحكمة قوم وبالموعظة قوم وبالمجادلة قوم وان الحكمة ان غذي
بها اهل الموعظة قوم وبالمجادلة قوم وان [illegible] شيء جاهل
الموعظة اضرت بهم كما اضر بالطفل الرضيع التغذية بلحم الطير
وان المجادلة ان استعملت مع اهل الحكمة اشمأزوا منها كما
اشمأز طبع الرجل القوي من الارتضاع بلبن الآدمي وان من استعمل
الجدال مع اهل الجدال بالطريق المستحسن كما تعلمته من القرآن كان
كمن غذى البدوي بخبز البر وهو لم يألف الا التمر
وليس ما ذكرناه الا شيء من التعليم المقتبس من عالم النبوة

دوسرے کہا ہے کہ لوگوں کو خدا کے راستہ کی طرف بلاؤ حکمت کے ذریعہ
اور نصیحت کے ذریعہ سے اور ان سے بحث کرو بطرز معقول جاننا
چاہیے کہ حکمت کے ذریعہ جو لوگ بلائے جاتے ہیں وہ اور ہیں اور نصیحت کے ذریعہ اور مجادلہ کے
ذریعہ اور اگر حکمت ان لوگوں پر استعمال کی جائے جو نصیحت کے مخاطب ہیں تو
ان کو نقصان ہوگا جیسے شیر خوار بچہ کو پرندہ کا گوشت کھانا نقصان کرتا ہے
مجادلہ ان لوگوں کے سامنے استعمال کیا جائے جو حکمت کے اہل ہیں تو انکو نفرت ہوگی
جس طرح قوی آدمی کو آدمی کا دودھ پینا ہے اور جدال اگر بطرز پسندیدہ بھی
ہو اگر جدالیوں کے ساتھ استعمال ہو تو اسکی یہ مثال ہوگی کہ ایک بدوی کو گیہوں کی روٹی کھلائی جائے حالانکہ اسکو صرف
کھجور کی عادت ہے اور یہ وہ باتیں ہیں جو صرف اس نور سے حاصل
ہوتی ہیں جو مقام نبوت سے حاصل کیا گیا ہے۔

جواہر القرآن میں قیامت کے حالات میں لکھتے ہیں۔

ثم ايضا ذكر مثل احوال الفريقين ومنها العبور
حشر ونشر وحساب والميزان والصراط ولها ظواهر جلية
تجري مجرى الغذاء لعموم الخلق ولها اسرار

اور اسمیں فریقین (یعنی کافر و مسلمان) کے حالات مذکور ہیں جنکی
تعبیر حشر و نشر حساب میزان صراط سے کیجاتی ہے اور ان چیزوں کے
ایک ظاہری معنی ہیں جو عوام خلق کیلئے غذا کا کام دیتے ہیں اور ایک
باطنی ہیں جو دقیق ہیں اور خواص کے لئے بجائے زندگی کے ہیں۔

فاصنعتہ تجی حاجی ہ الحیوۃ تصویر الخلق۔

ان امور سے معلوم ہو چکا ہے جو عقیدہ خود بخود دل ہوتا ہے کہ امام صاحب کی تصنیفات میں اختلاف کی کیا وجہ ہے امام صاحب کے نزدیک چونکہ تعلیم و ہدایت کا طریقہ سب کے لئے یکساں نہیں ہو سکتا تھا۔ اسلئے ضرور تھا کہ انکی تصنیفات مختلف المذاق اور مختلف الاصول ہوں۔ ہم ذیل میں ایک نقشہ درج کرتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ امام صاحب کی کون سی کتابیں کس قسم کی ہیں۔ اور ہمکو انکے خاص عقائد اور اصول سے واقف ہونیکے لئے کن کتابوں پر اعتماد کرنا چاہیئے جو اہر القرآن کی عبارت جو آغاز بحث میں ہمنے نقل کی اسمیں امام صاحب نے خود اسکی تعیین کر دی ہے یہ نقشہ اسکے موافق مرتب کیا گیا ہے رسالۂ قدسیہ۔ ورق یہ جزو احیاء العلوم میں شامل ہے اسمیں ظاہری عقائد کے دلائل ہیں۔ الاقتصاد فی الاعتقاد سو ورق میں ہے یہ بھی متکلمین کے معمولی انداز میں لیکن دلائل میں زیادہ تحقیق و تدقیق کی ہے۔

تہافتہ الفلاسفہ	اسمیں بھی متکلمین کا انداز ہے۔
مستظہری	فرقہ باطنیہ کے رد میں
حجۃ الحق	یہ بھی باطنیہ کے رد میں ہے اور بغداد میں لکھی گئی جب کہ امام صاحب نے منقذ میں تصریح کی ہے
مفصل الخلاف	یہ بھی باطنیہ کے رد میں ہے۔
قاصم الباطنیہ	ایضاً

یہ تمام تصنیفات موجہ علم کلام کے انداز پر لکھی گئی ہیں اور حقائق و اسرار سے خالی ہیں۔

مضنون بہ علی غیر اہلہ	مضنون بہ علی غیر اہلہ کے خاتمہ میں امام صاحب نے تصریح کی ہے کہ مضنون بہ علی اہلہ میں وہ حقائق لکھونگا جو مضنون بہ علی غیر اہلہ میں بھی نہیں لکھے تھے۔

مذکورہ بالا کتابوں کے علاوہ امام صاحب کی اور بھی تصنیفات ہیں جو انہی مباحث میں ہیں مثلاً منقذ من الضلال، التفرقہ بین الاسلام والزندقہ، مشکوۃ الانوار۔ ان کتابوں کے متعلق امام صاحب کی کوئی خاص تصریح موجود نہیں لیکن انکے مضامین سے خود پیدا ہوتا ہے کہ وہ کس قسم میں داخل کیجا سکتی ہیں۔

اس تفصیل کے بعد اب موقع ہے کہ ہم امام صاحب کے خاص علم کلام سے بحث کریں لیکن اسکے لئے ضروری ہے کہ پہلے مختصر طور پر بتا دیا جائے کہ امام صاحب کے زمانہ میں علم کلام کس انداز پر تھا اور امام صاحب نے اسمیں کیا تبدیلیاں کیں اور کس ضرورت سے کیں۔ اس زمانہ میں جو علم کلام شائع تھا، اشعری کی طرف منسوب تھا، ماتریدیہ کا علم کلام وجود میں آ چکا تھا لیکن چونکہ اسکے ماننے والے بڑے نامور علماء مثلاً قفال، ابن فورک، امام الحرمین وغیرہ شافعی تھے اور ماتریدیہ حنفیہ سے خصوصیت رکھتا تھا اسلئے چنداں رواج پذیر نہیں ہوا تھا۔ اس کلام کی بنیاد امام ابوالحسن اشعری نے ڈالی تھی۔ امام موصوف سے پہلے علم کلام کے جو

مختلف طریقے تھے جو باہم بالکل مختلف تھے یعنی ایک محض عقلی تھا اور دوسرا بالکل نقلی، امام موصوف چونکہ مدت تک معتزلی رہ چکے تھے اور اخیر میں تائب ہو کر منقول گروہ میں آئے تھے اسلئے انکے علم کلام میں خود بخود یہ خصوصیت پیدا ہوگئی کہ منقول میں معقول کی بھی کچھ آمیزش ہو گئی۔ تمام بڑے بڑے اشاعرہ متکلمین نے علم کلام کی ترجیح کی وجہ یہی قرار دیتے ہیں کہ وہ جامع عقل و نقل ہے۔

امام اشعری نے جو اصول قائم کئے وہ معتدل اور افراط و تفریط سے الگ تھے لیکن اسی چیز نے جو اسکی خوبی تھی (یعنی عقل کی آمیزش) رفتہ رفتہ اسکی حالت بدل دی امام اشعری کے بعد امام غزالی تک کوئی شخص اس سلسلہ میں ایسا نہیں پیدا ہوا جو علوم عقلیہ کا ماہر ہوتا بلکہ یہ کہنا بھی مشکل ہے کہ کسی نے علوم عقلیہ کی تحصیل بھی کی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ علم کلام کے اصول اور مسائل میں نہ بالکل سادگی رہی نہ پوری بلاغت یعنی اسکی دونوں کی ناتمامی نے رفتہ رفتہ عقائد کو نہایت پیچیدہ مشکل اور مجموعہ اشکالات بنا دیا۔ اسکی توضیح امثلۂ ذیل سے ہوگی۔

(۱) اشاعرہ سے پہلے، تمام محدثین اور ارباب ظاہر خدا کی رویت کے قائل تھے بخلاف انکے معتزلہ کو انکار تھا۔ لیکن محدثین جہاں رویت کے قائل تھے کہ خدا نظر آسکتا ہے جہات کے بھی قائل تھے کہ خدا عرش پر متمکن ہے اور خدا جہت و قابل اشارہ ہے۔ اشاعرہ نے احادیث و روایت کی بناء پر رویت کا تو اقرار کیا لیکن معقولات کی آمیزش کی وجہ سے قائل نہ ہو سکے کہ خدا متحیز ہے ذو جہت ہے۔ قابل اشارہ ہے کیونکہ اسقدر وہ جانتے تھے کہ یہ امور جسمانیات کے خواص میں ہیں اور خدا جسمانی نہیں ہے۔ اب یہ دقت پیش آئی کہ جو چیز متحیز اور قابل اشارہ نہیں وہ آنکھ سے نظر نہیں آسکتی مجبوراً اشاعرہ کو علم مناظرہ کے تمام مسلمہ اصول سے انکار کرکے یہ دعوے کرنا پڑا کہ کسی چیز کے نظر آنیکے لئے اسکا سامنے ہونا یا قابل اشارہ ہونا ضرور نہیں صرف اس کا موجود ہونا کافی ہے۔ شرح مواقف میں ہے۔

ان الاشاعرة جوزوا رؤیة ما لیس مقابلا ولا فی حکمه بل جوزوا ان یری اعمی الصین بقة الاندلس	اشاعرہ کے نزدیک یہ ممکن ہے کہ ایک چیز سامنے نہ ہو اور نظر آئے بلکہ نزدیک یہ بھی ممکن ہے کہ چین میں ایک اندھا اندلس کے مچھر کو دیکھ سکے

اب دوسرا شبہہ یہ پیدا ہوا کہ اگر صرف موجود ہونا کافی ہے تو خدا ہمیشہ موجود ہے اسلئے ہر وقت اسکو نظر آنا چاہیے اس سے بچنے کیلئے اشاعرہ نے یہ اصول قائم کیا کہ ممکن ہے کہ ایک شے کے نظر آنیکے تمام شرائط پائے جائیں اور وہ نظر نہ آئے شرح مواقف میں ہے۔

ولا نسلم وجوب الرؤیة عند اجتماع الشروط الثمانیة	نظر آنیکی جو آٹھ شرطیں ہیں انکے مجتمع ہونیکے ساتھ بھی ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ اس شے کا نظر آنا ضرور ہے۔

(۲) معجزات اور خوارق عادات کو سب لوگ تسلیم کرتے آئے تھے۔ البتہ یہ فرق تھا کہ محدثین و فقہا کا یہ عقیدہ تھا کہ معجزہ میں خدا اشیاء کی طبیعت و خاصیت کو بدل دیتا ہے معتزلہ کا خیال تھا کہ کسی شے کی ذاتیات و خواص بدل نہیں سکتے

لیکن معجزہ غیر معلوم اسباب سے پیدا ہوجاتا ہے اور چونکہ وہ اسباب معلوم نہیں ہوتے اس لئے خرق عادت خیال کیا جاتا ہے۔ بہرحال معتزلہ کے نزدیک معجزہ کا قبول کرنا سلسلۂ اسباب کے انکار سے کچھ تعلق نہیں رکھتا تھا اشاعرہ کو ایک طرف تو یہ خیال تھا کہ علت و معلول کی حقیقت یہ ہے کہ دونوں کسی حالت میں ایک دوسرے سے الگ نہ ہوسکیں، دوسری طرف احادیث و آثار کی بنا پر خرق عادت سے انکار نہیں ہوسکتا تھا۔ اس لئے انہوں نے علت و معلول کا سلسلہ ہی اٹھا دیا اور یہ اصول قرار دیا کہ دنیا میں کوئی چیز کسی چیز کا سبب ہی نہیں۔ آگ جلاتی ہے لیکن نہ جلانا اس کی ذاتیات میں ہے نہ وہ جلانے کی علت ہے اس سے یہاں تک غلو کیا کہ سلسلۂ اسباب کا ماننا قادر مختار کی نفی کرنا ہے بلکہ ہر چیز کی علت بلاواسطہ خود خدا ہے۔ غرض عقل و نقل کی اسی آمیزش سے بہت سے اصول علم کلام میں داخل کرنے پڑے اور یہی اصول اشاعرہ اور دیگر فرقوں میں حد فاصل قرار پائے انہیں سے چند مقدم اصول کو ہم اس موقع پر نقل کرتے ہیں۔

(۱) انه یجوز علی الله سبحانه ان یکلف الخلق ما لا یطیقونه	خدا کو جائز ہے کہ انسان کو اس کام کی تکلیف دے جو اس کی طاقت سے باہر ہے
(۲) ان لله عز وجل ایلام الخلق وتعذیبهم من غیر جرم سابق ومن غیر ثواب لاحق	خدا کو حق ہے کہ وہ مخلوقات کو عذاب دے بغیر اس کے کہ ان کا کوئی جرم ہو یا ان کو آئندہ ثواب ملے۔
(۳) انه تعالیٰ یفعل بعباده ما یشاء فلا یجب علیه رعایة الاصلح لعباده	خدا اپنے بندوں کے ساتھ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ خدا کو یہ ضرور نہیں کہ بندوں کی مصلحت کا لحاظ رکھے۔
(۴) ان معرفة الله سبحانه وطاعته واجبة بایجاب الله وشرعه لا بالعقل	خدا کا پہچاننا شریعت کے رو سے واجب ہے نہ عقل کی رو سے

(یہ تمام عقائد انہی عبارتوں کے ساتھ احیاء العلوم امام غزالی میں مذکور ہیں)

(۵) ان البنیة لیست شرطا فی الحیوة فان الشیٔ ما هو علیه یجوز ان یخلق الله فیه الحیوة والعقل[1]	زندگی کیلئے کوئی خاص بناوٹ ضروری نہیں مثلاً آگ میں بحالت موجودہ خدا عقل اور زندگی و گویائی پیدا کرسکتا ہے۔
(۶) ویمتنع ان یحضر عندنا جبال شاهقة واصوات هائلة ونحن لا نبصرها ولا نسمعها ولا یمتنع ایضاً ان یبصر الاعمی الذی یکون بالمشرق بقعة بالمغرب وبالجملة فینکرون جمیع تأثیرات الطبائع والقوی	جائز ہے کہ ہمارے سامنے اونچے پہاڑ موجود ہوں اور بلند آوازیں آتی ہوں اور ہم کو دکھائی اور سنائی نہ دیں اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ اندھا مشرق میں بیٹھا ہوا مغرب کے ایک مچھر کو دیکھ لے مختصر یہ کہ امام اشعری طبیعت اور قویٰ کے تمام تاثیرات کے منکر ہیں۔

(مطالب عالیہ امام رازی بحث پر شبہات نبوت)

(۷) ان اهل السنة قالوا یجوز ان یقدر الساحر علی ان یطیر فی الهواء ویقلب الانسان حمارا والحمار انسانا	اہل سنت کے نزدیک جادوگر اس بات پر قادر ہے کہ ہوا میں اڑ سکے اور آدمی کو گدھا اور گدھے کو آدمی بنا دے

[1] تفسیر کبیر سورہ فرقان آیت اذا رأتهم من مکان بعید۔

(تفسیر کبیر قصہ ہاروت ماروت)

واعادۃ المعدوم جائزۃ — معدوم کا اعادہ جائز ہے۔

یہ تمام مسائل اصول عقائد میں شامل ہوگئے تھے اور ان سے انکار کرنا گویا سنی ہونے سے انکار کرنا تھا۔

امام صاحب نے ابتدائی عمر میں اسی علم کلام کی تعلیم پائی اور خود انہی اصول کے موافق کتابیں لکھیں جب تنقید اور پختگی خیالات پیدا ہوئے تو علم کلام کی نسبت ان کی یہ رائے ہوگئی۔

قدیم علم کلام کی نسبت امام صاحب کی رائے

واما منفعتہ فقد یظن ان فائدتہ کشف الحقائق ومعرفتہا علی ما ہی علیہ وہیہات فلیس فی الکلام وفاء بہذا المطلب الشریف ولعل التخبیط والتضلیل فیہ اکثر من الکشف والتعریف وہذا اذا سمعتہ من محدث او حشوی ربما خطر ببالک ان الناس اعداء ما جہلوا فاسمع ہذا ممن خبر الکلام ثم قلاہ بعد حقیقۃ الخبرۃ وبعد التغلغل فیہ الی منتہی درجۃ المتکلمین وجاوز ذلک الی التعمق فی علوم اخر تناسب نوع الکلام

اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے (علم کلام سے) حقائق کھل جاتے ہیں اور ان کا ٹھیک ٹھیک علم ہو جاتا ہے لیکن افسوس! علم کلام اس مقصد کیلئے کافی نہیں بلکہ کشف حقائق کی بہ نسبت اس سے خبط اور گمراہی زیادہ بڑھتی ہے۔ اور یہ بات اگر کوئی محدث یا ظاہر پرست کہتا تو تم کو خیال ہوتا کہ آدمی جس چیز کو نہیں جانتا اس کا دشمن ہو جاتا ہے لیکن یہ بات وہ شخص کہتا ہے (یعنی خود امام صاحب) جس نے علم کلام کو اس حد تک حاصل کیا کہ متکلمین اس سے آگے نہیں بڑھ سکتے بلکہ علم کلام میں کمال حاصل کرنے کی غرض سے اور علوم جو اس فن سے مناسبت رکھتے تھے ان میں واقفیت پیدا کی یہ سب کر کے وہ علم کلام سے بیزار ہو گیا۔

(احیاء العلوم۔ ذکر علوم)

انجام اسلام میں یقین کرنے کے مراتب کے بیان میں لکھتے ہیں۔

الثانیۃ ان یحصل بالادلۃ الوہمیۃ الکلامیۃ المبنیۃ علی امور مسلمۃ مصدق بہا لاشتہارہا بین اکابر العلماء وشناعۃ انکارہا ونفرۃ النفوس عن ابداء المراء فیہا۔

دوسرا درجہ یقین کا یہ کہ علم کلام کی دلیلوں سے حاصل ہو تو یہ بھی ہوتی ہیں اور ایسے امور پر مبنی ہوتی ہیں جو سب کے مسلم و معترف ہیں جو مسلمانوں میں مشہور ہو چکے ہیں اور ان کا انکار کرنا برا خیال کیا جاتا ہے اور اگر کوئی ان دلائل میں بحث کرے تو لوگ اس سے نفرت کرتے ہیں۔

امام صاحب نے کلام کو کیا کیا تغیر

اب امام صاحب نے علم کلام کو نئے طرح سے مرتب کرنا چاہا تو اس میں دو قسم کے مسائل شامل تھے ایک جو نصوص شرعیہ پر مبنی تھے دوسرے جن کو متکلمین نے دوراز فہم بعید معنے کے لحاظ سے نصوص شرعیہ پر مبنی سمجھا تھا لیکن درحقیقت وہ ان پر مبنی نہ تھے علم کلام میں جو دشواریاں اور دقتیں تھیں وہ اسی دوسری قسم کے مسائل کی وجہ سے تھیں کیونکہ یہ مسائل زیادہ تر درایت اور عقل کے خلاف تھے اور اسی وجہ سے ان کے اثبات میں دوراز کار دلیلوں سے کام لینا پڑتا تھا۔

امام صاحب نے پہلا یہ کام کیا کہ اس قسم کے مسائل علم کلام سے خارج کر دیئے بلکہ بہت سے مسائل کی نسبت تصریح کی کہ وہ غلط اور باطل ہیں

احیاء العلوم میں متکلمانہ قصہ قدیم مذاق پر لکھا ہے تاہم اسمیں بھی ضمنی موقعوں پر اس قسم کے بہت سے مسائل کی غلطیاں ظاہر کیں مثلاً یہ مسئلہ کہ سلسلۂ اسباب باطل ہے اور خاصۂ طبیعت کوئی چیز نہیں متکلمین کا مسئلہ مسلمہ تھا۔ امام صاحب نے مختلف موقعوں پر اسکا ابطال کیا۔ احیاء العلوم باب التوکل میں ایک موقع پر لکھتے ہیں۔

سنته بربط المسببات بالاسباب اظهاراً للحكمة ... بسبب ... مثل ... فان انتظرت ان يخلق الله تعالى فيك شبعاً دون الخبز او يخلق في الخبز حركة اليك او يسخر ملكاً ليمضغه لك ويوصله الى معدتك فقد جهلت سنة الله تعالى۔

خدا نے یہ طریقہ جاری رکھا ہے کہ مسببات کو اسباب کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے ... سبب خود سبب کے ... تمام ... ہیں یہ اس قسم کے ... البتہ ہو ... الگ نہیں ہوتا اور یہی خدا کی تقدیر اور حکمت کی وجہ ہے اگر تم اس کا انتظار کرو گے کہ خدا تعالیٰ روٹی کے بغیر تمہاری بھوک کو رفع کر دے یا روٹی میں حرکت پیدا کر دے کہ خود بخود تم تک چلی آئے یا ایک فرشتہ مقرر کر دے کہ روٹی کو منہ میں چبا کر تمہارے معدہ تک پہونچا دے تو تم خدا کے طریقہ اور عادت سے جاہل ہو۔

یا مثلاً یہ مسئلہ کہ اشیا کا حسن و قبح عقلی نہیں یہ اگر صحیح ہو تو کسی شریعت کو دوسری شریعت پر ترجیح کی کوئی وجہ نہیں رہتی کیونکہ جب کوئی شے فی نفسہ اچھی یا بری نہیں تو کسی شریعت کی خوبی اور نقص کا معیار کیا ہوگا جس شریعت نے جو حکم چاہا دیا جو نہ چاہا نہ دیا۔ امام صاحب نے گو صاف طور سے اس مسئلہ کی مخالفت نہیں کی لیکن درحقیقت انکی کتاب احیاء العلوم سرتاپا اسی مسئلہ کے ابطال میں ہے اس کتاب میں شریعت کے تمام احکام کے مصالح اسرار اسباب جو بیان کئے ہیں جن کے یہ معنی ہیں کہ شریعت نے جو حکم دیا ہے وجہ بیان کیا وہ اقع میں بہتر و مفید تھا۔ یہ مسئلہ کہ عالم جو پیدا کیا گیا ہے اسمیں کوئی خاص مصلحت یا انتظام اور ترتیب ملحوظ نہیں ہے بلکہ خدا نے جس طرح چاہا پیدا کر دیا۔ امام صاحب نے اسکی علانیہ مخالفت کی احیاء العلوم باب التوکل و حقیقت توحید میں لکھتے ہیں۔

كل ما يجري في السماء والارض ... على الترتيب الواجب الحق ولا يتصور ان يكون الا كما حدث وعلى هذا الترتيب الذي وجد فيما تأخر متأخر الا لانتظار شرطه والمشروط قبل الشرط محال والمحال لا يوصف بكونه مقدوراً۔

جو کچھ آسمان و زمین میں ہے وہ ضروری ترتیب اور واقعی حق کے موافق پیدا ہوا ہے جس طرح وہ پیدا ہوا اور جس ترتیب پر پیدا ہوا اسکے خلاف ہو ہی نہیں سکتا تھا جو چیز کسی چیز کے بعد پیدا ہوئی اسی وجہ سے ہوئی کہ اسکا پیدا ہونا اسکی شرط پر موقوف تھا اور مشروط کا وجود بغیر شرط کے محال تھا اور محال کی نسبت یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ مقدور الٰہی تھا۔

اسی بحث کے خاتمہ میں لکھتے ہیں۔

وليس في الامكان اصلاً احسن منه ولا اتم ولا اكمل ولو كان وادخره مع القدرة ولم يتفضل بفعله

جو کچھ بنا ہے اس سے بہتر اسکی کامل تر ممکن ہی نہ تھا اور اگر ممکن تھا اور باوجود اسکے خدا نے اسکو رکھ چھوڑا اور اس کو پیدا کر کے اپنی فیاضی کا اظہار

لے علامہ ابن تیمیہ الرد علی المنطقیین میں لکھتے ہیں کہ کثیر من المتکلمین ... ینکرون ان اللہ خلق شیئاً بسبب ولا لحکمۃ اس عبارت میں متکلمین کے لفظ

سے مقصود اشاعرہ ہیں ۱۲

[illegible] نہیں [illegible] اور [illegible]

[illegible] اور [illegible] ہو

ایک [illegible] کی تاویل پر تھی کہ نصوص شرعیہ میں جہاں جہات اور متشابہات تھے متکلمین ہر جگہ اسکے حقیقی معنی لیتے تھے [illegible] حدیث [illegible] بعض لوگوں کی نماز [illegible] لیکن متکلمین اسکو حقیقی معنی پر محمول کرتے تھے اور [illegible] متکلمین کی ظاہر پرستی کی وجہ یہ تھی کہ انکے مقابلہ میں باطنیہ ایک فرقہ [illegible] تمام نصوص شریعت کی تاویلیں کرتا تھا یہاں تک کہ نماز روزہ حج زکوۃ سے یہ لوگ اور اور چیزیں مراد لیتے تھے [illegible] متکلمین کو یہ ڈر پیدا ہو گیا تھا کہ اس جگہ بھی استعارہ اور مجاز کو اجازت دیگئی تو باطنیہ کو اپنی تقویت کی سند ہاتھ آجاویگی۔ امام صاحب نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ نصوص شرعیہ کی تاویل و تفسیر کیلئے اصول اور قاعدے منضبط کئے اور خاص اس بحث پر ایک مستقل رسالہ لکھا جسکا نام التفرقہ بین الاسلام والزندقہ ہے چونکہ یہ رسالہ نہایت مفید اور علم کلام کے سلسلے میں نہایت مہتم بالشان چیز ہے، اسلئے ہم اسکا خلاصہ اس مقام پر درج کرتے ہیں۔

التفرقہ بین الاسلام والزندقہ

یہ اس عہد کی تصنیف ہے کہ امام صاحب، اشعری کی تقلید سے آزاد ہو چکے ہیں اور احیاء العلوم شائع ہو چکی ہے اور چونکہ اس کتاب میں بعض بعض جگہ اشعریوں کے مخالف خیالات پائے جاتے ہیں، اشاعرہ میں نہایت ناراضی پھیلی ہوئی ہے اور امام صاحب کی تضلیل اور تکفیر کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں یہ حال دیکھکر امام صاحب کے ایک مخلص دوست کو ملال ہوتا ہے اور وہ امام صاحب کو تمام واقعات کی اطلاع دیتا ہے امام صاحب اسکو جواب میں لکھتے ہیں یہی جواب التفرقہ بین الاسلام والزندقہ کے نام سے شہرت پاتا ہے۔ دیباچہ میں لکھتے ہیں۔

برادر شفیق! حاسدوں کا گروہ میری بعض تصنیفات کو جو متعلق باسرار دین ہیں، نکتہ چینی کر رہا ہے اور خیال کرتا ہے کہ یہ تصنیفات قدمائے اسلام و مشائخ اہل کلام کے خلاف ہیں اور یہ کہ اشعری کے عقیدے سے بال برابر بھی ہٹنا کفر ہے [illegible] تمکو صدمہ ہوتا ہے اور تمہارا دل جلتا ہے [illegible] لیکن [illegible] تمکو صبر کرنا چاہئے جب رسول اللہ صلعم طعن سے نہ بچ سکے تو میری کیا ہستی ہے جس شخص کا یہ خیال ہو کہ اشعری یا معتزلی یا حنبلی یا اور کسی فرقے کی مخالفت کفر ہے تو سمجھو کہ وہ اندھا مقلد ہے اسکی اصلاح کی کوشش میں اپنے اوقات ضائع [illegible] اشعری کی مخالفت کو کفر خیال کرتا ہے [illegible] باقلانی کی [illegible] یہ پوچھنا چاہئے کہ اشعری [illegible]

[illegible]

[illegible] خدا کی ذات ہی [illegible] صفات [illegible]

[illegible]

[illegible] قرآن اسی ہی اور ایسی ہی زبانی ہی اور زیادتی [illegible] کو اسلام [illegible]
[illegible] کسی شخص خاص میں محدود سمجھتا ہو وہ مؤکد کرسکتا ہے کیونکہ اسنے اس شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]
[illegible] کے محدود جاننے کی خواہش ہوگی تو یہ کہ مقاصد کلیہ بتاتا ہوں منکر کے معنی صرف یہی ہیں کہ رسول [illegible]
[illegible] کی بات کو جھٹلایا جائے اس چیز میں جو خدا کی طرف سے آئی لیکن ایک گروہ جو آپکی رسالت [illegible]
[illegible] کی نسبت بھی الزام لگاتا ہے اشعری معتزلہ کو اسلئے کافر کہتے ہیں کہ معتزلہ احادیث رؤیت کو تسلیم نہیں کرتے اور اسطرح رسول اللہ کی تکذیب کرتے ہیں معتزلہ اسلئے اشعری کی تکفیر کرتے ہیں کہ انکے نزدیک صفات کی کثرت کا قائل ہونا توحید باری کے خلاف ہے اور رسول اللہ کی تکذیب ہے اس مشکل کے حل کرنے کیلئے میں تم کو تصدیق و تکذیب کی حقیقت بتاتا ہوں۔

تصدیق کے یہ معنی ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے جس چیز کے وجود کی خبر دی ہے اسکے وجود کو تسلیم کیا جائے لیکن وجود کے پانچ مدارج ہیں اور انہی مدارج سے ناواقف ہونے کی وجہ سے ہر فرقہ دوسرے فرقہ کی تکذیب کرتا ہے۔

اس مسئلہ میں ان مراتب خمسہ کی تفصیل کرتا ہوں۔

۱۔ وجود ذاتی۔ یعنی وجود خارجی۔

۲۔ وجود حسی۔ یعنی صرف حاسہ میں موجود ہونا مثلاً خواب میں ہم جن اشیاء کو دیکھتے ہیں انکا وجود صرف ہمارے حاسہ میں ہوتا ہے اسی طرح بیماروں کو جاگنے کی حالت میں خیالی صورتیں نظر آتی ہیں یا شعلہ جوالہ کا دائرہ جو حقیقت دائرہ نہیں بلکہ محسوس ہوتا ہے۔

۳۔ وجود خیالی۔ مثلاً زید کو ہم نے دیکھا ہوا کسی جگہ پر اب آنکھ بند کر لیں تو زید کی تصویر جو ہماری آنکھوں میں پھرتی ہے یہ وجود خیالی ہے۔

۴۔ وجود عقلی یعنی کسی شے کی اصل حقیقت مثلاً جب ہم کہتے ہیں کہ یہ چیز ہمارے ہاتھ میں ہے اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہماری قدرت اور اختیار میں ہے تو قدرت اور اختیار ہاتھ کا وجود عقلی ہے۔

۵۔ وجود شبہی۔ یعنی وہ شے خود موجود نہیں لیکن اسکے مشابہ ایک چیز موجود ہے ان اقسام کے بیان کرنیکے بعد امام صاحب نے ہر ایک کی متعدد مثالیں لکھی ہیں مثلاً حدیث میں آیا ہے کہ قیامت میں موت ایک مینڈھے کی شکل میں لائی جائیگی اور ذبح کر دیا جائیگا" اسکو وجود حسی قرار دیا ہے یا مثلاً حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے [illegible] کو دیکھا [illegible] وجود خیالی کی مثالیں بھی دی ہیں تفصیلی شمار کو بیان کرکے لکھتے ہیں کہ شریعت میں جن چیزوں کا ذکر آیا ہے انکے وجود کا مطلقاً انکار کرنا کفر ہے لیکن مراتب مذکورہ میں سے کسی مرتبہ کے لحاظ سے اسکا وجود تسلیم کیا جائے تو یہ کفر نہیں ہے کیونکہ یہ تاویل ہے اور تاویل سے کسی فرقہ کو مفر نہیں سب سے زیادہ امام احمد حنبل تاویل سے بچتے ہیں لیکن وہ بھی متعدد موقعوں پر تاویل کرتے ہیں۔

"حجر اسود خدا کا ہاتھ ہے — مسلمان کا دل خدا کی انگلیوں میں ہے۔ یمن سے خدا کی خوشبو آتی ہے"

پھر لکھتے ہیں کہ امام احمد نے ان احادیث کی تاویل کی ہے [illegible] کیونکہ اعمال عرض ہیں اور وہ تولے نہیں جاسکتے اسلئے

سے کہ تاویل کی مجال ہی نہ ہو۔ اور ظاہر ہے کہ نص ہر نوع تاویل کے ناقابل سے ہوا ہیں سے معتزلہ کہتے ہیں تو نصف سو انکشاف
حقیقت واجب ہو ہر حال تاویل معقول کر لینا چاہئے۔ الغرض جو شخص بیان کا قائل ہو۔ خصوصاً حال جو عرض ہوا یہی تو ہے
یا سمجھے اصطلاح میں نص جو بعید ہو جائیگا۔ وہ سخت جاہل اور عقل سے بالکل معرا ہے۔
اسکے بعد امام صاحب تاویل کے اصول جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم ابھی بتا ذکر کر آئے ہیں کہ اول اسکا وجود ذاتی ماننا
چاہئیے۔ اگر کوئی دلیل عقلی موجود ہو کہ حقیقی مراد نہیں ہو سکتا تو وجود حسی پھر خیالی اور پھر عقلی، پھر شبہی، اب بحث یہ
ہو گی کہ ہر ایک کے نزدیک جو دلیل قطعی ہے دوسرے کے نزدیک نہیں۔ مثلاً اشعری کے نزدیک باری پر دلیل قطعی قائم ہے
کہ خدا کسی جہت کیساتھ مخصوص نہیں ہو سکتا لیکن حنابلہ کے نزدیک اسپر کوئی دلیل نہیں۔ ایسی تاویلات کی صورت میں
کسی کو کافر نہیں کہنا چاہئیے۔ زیادہ سے زیادہ گمراہ اور بدعتی کہا جا سکتا ہے۔
پھر لکھتے ہیں کہ جب تاویل کی بنا پر ہم کسی کو کافر کہنا چاہیں تو پہلے ان امور کو دیکھنا چاہئیے کہ وہ نص قابل تاویل ہے یا
نہیں۔ اگر ہے تو یہ تاویل قریب ہے یا بعید۔ نص جو ثابت ہے یا بہ اخبار آحاد یا اجماع یا اگر متواتر ہے تو تواتر کے تمام شرائط
پائے جاتے ہیں یا نہیں تواتر کی تعریف یہ ہے کہ اسمیں کسیطرح کا شک نہ ہو مثلاً انبیاء اور مشہور شہروں کا وجود۔ یا قرآن، بہر حال جن
متواتر ہیں لیکن قرآن کے سوا اور چیزوں کا تواتر ثابت ہونا نہایت مشکل ہے کیونکہ یہ ممکن ہے کہ ایک گروہ کثیر ایک امر پر متفق
ہو جائے اور اسکو تواتر بیان کرے جسطرح شیعہ حضرت علی کی ولایت کی حدیث بیان کرتے ہیں اجماع کا ثابت ہونا اور بھی
مشکل ہے کیونکہ اجماع کے یہ معنی ہیں کہ تمام اہل حل و عقد ایک امر پر متفق ہو جائیں بعد پھر ایک مدت تک اور بعض کے نزدیک
تا انقراض عصر اول اس اتفاق پر وہ لوگ قائم رہیں۔ اسکے علاوہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ ایسے اجماع کا منکر بھی کافر ہے یا
نہیں کیونکہ بعض لوگوں کی یہ رائے ہے کہ قبل اجماع کے منعقد ہونیکے وقت ایک شخص کا اختلاف کرنا جائز تھا تو اب کیوں جائز نہ ہو
پھر یہ دیکھنا چاہئیے کہ گو تواتر یا اجماع ہو چکا لیکن تاویل کرنے والے کو بھی اس اجماع یا تواتر کا یقینی علم تھا یا نہیں اگر نہیں ہے تو
وہ مخطی ہوگا مکذب نہ ہوگا۔ پھر یہ دیکھنا چاہئیے کہ جس دلیل کی وجہ سے وہ شخص تاویل کرتا ہے وہ شرائط برہان کے موافق دلیل
ہے یا نہیں۔ شرائط برہان کی تفصیل کیلئے مجلدات درکار ہیں اور ہمنے محک النظر میں تھوڑا سا بیان کیا ہے لیکن فقہاء زمانہ اکثر
اسکے سمجھنے سے عاجز ہیں پھر اگر وہ دلیل قطعی ہے تو تاویل کی اجازت ہو اور اگر قطعی نہیں تو تاویل قریب کی اجازت ہو سکتی ہے نہ بعید کی
پھر یہ دیکھنا چاہئیے کہ مسئلہ زیر بحث کوئی اصول دین کا مسئلہ ہے یا نہیں اگر نہیں ہے تو اسپر چنداں گرفت نہیں مثلاً شیعہ امام
مہدی کا سرداب میں مخفی ہونا مانتے ہیں یہ ایک بیہودہ پرستی ہے لیکن اس اعتقاد سے دین میں کوئی خلل نہیں آتا۔
اسبحث سے یہ معلوم ہوا کہ تکفیر کیلئے تمام مراتب مذکورہ بالا کا لحاظ ضرور ہے تو تم سمجھ ہو سکتے ہو کہ اشعری کی مخالفت پر کسیکو کافر
کہنا جہل ہے اور فقیہ صرف علم فقہ کی بنا پر جہات مذکورہ بالا کا کیونکر فیصلہ کر سکتا ہے لہذا جب تم دیکھو کہ کوئی فقیہ آدمی
جسکا سرمایہ علم صرف فقہ ہے کسیکی تکفیر یا تفسیق کرتا ہے تو اسکی کچھ پروا نہ کرو۔

[illegible]

بعض مسئلے ایسے تھے جو حضرت ابراہیم نے آفتاب و ماہتاب کو خدا کہا تھا کیونکہ اجسام کو [illegible] عقل [illegible]

سے جدا نہیں [illegible] دیکھے تھے اور ان کو خدا کہا تھا [illegible]

[illegible] مسائل کی نسبت تھی جو عقل سے [illegible] تک [illegible] کر دئیے گئے تھے لیکن جو مسائل [illegible]

[illegible] کے اثبات کا طریقہ [illegible] استدلال کیا [illegible] متکلمین [illegible]

[illegible] تھے نہ وہ نقلی تھے نہ اصول عقلیہ کی معیار پر ٹھیک اتر سکتے تھے بہت بڑی دلیل جو اکثر عقائد کے

[illegible] میں لائی جاتی تھی۔ تماثل اجسام کا مسئلہ تھا یعنی یہ کہ تمام اجسام کی ایک حقیقت اور ایک ماہیت ہے اکثر متکلمین

اہل سنت کہا ہے۔

وعلیہ یبتنی کثیر من قواعد الاسلام	یہ وہ اصل ہے جس پر اسلام کے بہت سے اصول مبنی ہیں مثلاً قادر مختار
کاثبات القادر المختار وکثیر من احوال النبوۃ والمعاد	کا وجود اور نبوت و معاد کے بہت سے حالات۔

تماثل اجسام کا ثابت ہونا نہایت مشکل بلکہ ناممکن ہے اس لئے اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ اکثر عقائد اسلامی کا اثبات اسی مسئلے سے ثابت کرنے پر موقوف ہے تو خود ان عقائد کی بنیاد متزلزل ہو جائے گی۔

ان وجوہ سے امام صاحب نے متکلمین کے استدلال و احتجاج کے طریقے کو چھوڑ کر تمام مسائل پر نئی دلیلیں قائم کیں البتہ بعض ایسی تقریریں جو حکما استعمال کرتے تھے۔ لیکن امام صاحب کا یہ مشرب تھا کہ متاع خوش ز ہر دکان کہ باشد۔

اب ہم مختصر طور پر امام صاحب کے خاص علم کلام کے تمام مسائل مع ان کے دلائل کے لکھتے ہیں۔

امام صاحب کا خاص علم کلام (الٰہیات)

خدا کے اثبات پر امام صاحب نے کوئی نئی دلیل نہیں قائم کی ان کے نزدیک یہ مسئلہ نہایت واضح تھا۔ متکلمین جو استدلال کرتے آتے تھے کہ عالم حادث ہے اور حادث خود بخود پیدا نہیں ہو سکتا اس لئے اس کی کچھ علت ہوگی اور وہی خدا ہے۔ امام صاحب اسی استدلال کو کافی سمجھتے ہیں۔

صفات باری تنزیہ و تشبیہ

اس بحث کے متعلق جو نزاعیں تھیں اگرچہ درحقیقت لفظی تھیں یعنی جو لوگ تشبیہ کے الفاظ استعمال کرتے تھے مثلاً خدا عرش پر ہے۔ آسمان پر اتر آتا ہے۔ وہ بھی حقیقت میں تنزیہ کے قائل تھے تاہم دونوں فریق ایک دوسرے کے ہم زبان نہ ہوتے تھے اور اختلاف کا پردہ درمیان سے نہ اٹھتا تھا امام صاحب نے اس بحث پر ایک مستقل رسالہ الجام العوام کے نام سے لکھا جس نے بہت کچھ اس اختلاف کو کم کیا۔ اور زیادہ دونوں ڈانڈے ملا دیئے۔ اس کے بعض نکتے یہاں درج کرنے کے قابل ہیں۔

میں سے تعلق رکھتی تھی لیکن چونکہ اسلام کا مقصد محض تنزیہ اور تجرید تھا، تو قرآن مجید اور احادیث میں تجسیم و تشبیہ کے الفاظ کیوں آئے؟ قیامت کے دن خدا فرشتوں کے جھرمٹ میں آئے گا اور فرشتے اس کے تخت کو اٹھائے ہوئے ہوں گے، دوزخ کی تسکین کے لئے خدا اپنا پاؤں دوزخ میں ڈال دے گا، اس قسم کی بہت سی باتیں ہیں جو قرآن مجید یا احادیث صحیحہ میں وارد ہیں جن سے یہ گمان ہوتا ہے کہ شریعت خدا کی طرف سے نہیں بلکہ انسان نے اپنے خیال کے موافق خدا کی ذات و صفات ٹھہرائے ہیں۔

امام صاحب نے اس عقدے کو اس طرح حل کیا ہے کہ بے شبہ قرآن و حدیث میں اس قسم کے الفاظ موجود ہیں لیکن یکجا نہیں ہیں بلکہ جستہ جستہ متفرق مقامات پر ہیں، اور چونکہ تنزیہ کے مسئلے کو شارع نے نہایت کثرت سے بار بار بیان کر کے دلوں میں جانشین کر دیا تھا اس لئے تشبیہ کے الفاظ سے حقیقی تشبیہ کا خیال نہیں پیدا ہو سکتا تھا، مثلاً حدیث میں آیا ہے کہ کعبہ خدا کا گھر ہے، اس سے کسی شخص کو یہ خیال نہیں پیدا ہوتا کہ خدا درحقیقت کعبہ میں سکونت رکھتا ہے، اسی طرح قرآن کی آیتوں سے بھی جن میں عرش کو خدا کا مستقر کہا ہے خدا کے استوار علی العرش کا خیال نہیں آ سکتا، کسی کو آئے تو اس کی یہ وجہ ہوگی کہ اس نے تنزیہ کی آیتوں کو نظر انداز کر دیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الفاظ کو جب استعمال فرماتے تھے تو انہی لوگوں کے سامنے فرماتے تھے جن کے ذہنوں میں تنزیہ و تقدیس خوب جاگزیں ہو چکی تھی۔

اس جواب پر یہ شبہ پیدا ہوتا تھا کہ شارع نے صاف صاف کیوں نہیں کہہ دیا کہ خدا نہ متصل ہے نہ منفصل، نہ جوہر ہے نہ عرض، نہ عالم میں ہے نہ عالم سے باہر، اس قسم کی تصریحات موجود ہوتیں تو کسی کو سرے سے تشبیہ کا خیال ہی نہ آ سکتا۔ امام صاحب نے اس شبہ کو یوں رفع کیا کہ اس قسم کی تقدیس عام لوگوں کے خیال میں نہیں آ سکتی تھی، عام لوگوں کے نزدیک کسی چیز کی نسبت یہ کہنا کہ نہ وہ عالم میں ہے نہ عالم سے باہر گویا یہ کہنا ہے کہ وہ شے سرے سے موجود ہی نہیں، بے شبہ خواص کے ذہن میں یہ تقدیس آ سکتی ہے لیکن شارع کو تمام عالم کی اصلاح مقصود تھی جس میں بڑا حصہ عوام ہی کا تھا۔

لطیفہ علامہ ابن تیمیہ جو بظاہر تشبیہ کے قائل تھے، لوگوں نے اُن سے کہا کہ اس عقیدے کی رو سے خدا کا ممکن الوجود ہونا لازم آتا ہے کیونکہ خدا واجب الوجود ہے، انہوں نے کہا میرے عقیدے کے موافق خدا ممکن تو ہوگا ممکن الوجود سہی، تمہارے اعتقاد کے موافق تو وہ ممکن بھی نہیں رہتا بلکہ ناممکن اور محال بن جاتا ہے کیونکہ ایسی شے جو ہر جگہ ہو اور کہیں نہ ہو، عالم سے خارج بھی نہ ہو اور عالم میں بھی نہ ہو، نہ متصل ہو نہ منفصل، نہ دائیں ہو نہ بائیں، سرے سے ہو ہی نہیں سکتی کیونکہ یہ ارتفاع النقیضین ہے اور ارتفاع النقیضین محال ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں اور جس قدر مذاہب ہیں، سب نے خدا کو بالکل انسانی اوصاف کے ساتھ مانا ہے

تو قصہ پیش کیا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام ایک دفعہ ایک پہلوان سے کشتی لڑے اس کو زیر کیا چنانچہ پہلوان نے ان کی ران کو صدمہ بھی پہنچایا صبح کو معلوم ہوا کہ وہ پہلوان خود خدا تھا اسلام کے سوا تمام مذاہب کے الٰہیات کا یہی حال ہے اس کا خدا انسانی اوصاف سے بالکل بری ہے قرآن مجید میں جہاں کہیں اس کے خلاف تشبیہ کے الفاظ پائے جاتے ہیں وہ حقیقت میں استعارہ ہیں

نبوت

نبوت کے متعلق امام صاحب نے منقذ من الضلال میں نہایت مفصل بحث کی ہے اور علم کلام میں عجیب و غریب طریقہ اختیار کیا ہے۔ اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

[1] انسان اصل خلقت کے لحاظ سے جاہل محض پیدا ہوا ہے پیدا ہونے کے وقت وہ اقسام موجودات میں سے کسی چیز سے واقف نہیں ہوتا سب سے پہلے اس میں لمس کا احساس پیدا ہوتا ہے جس کے ذریعہ سے وہ ان چیزوں کو محسوس کرتا ہے جو لمس سے تعلق رکھتی ہیں مثلاً حرارت۔ برودت۔ رطوبت۔ یبوست۔ نرمی سختی۔ اس حاسہ کو مرئیات اور مسموعات سے کوئی تعلق نہیں بلکہ مطلق سرے سے معلوم ہی نہیں ہوتیں یہ حاسہ بالکل معدوم ہے اس کے بعد پھر انسان میں دیکھنے کا حاسہ پیدا ہوتا ہے جس کے ذریعہ سے وہ رنگ اور مقدار کا ادراک کر سکتا ہے پھر سننے کی قوت پیدا ہوتی ہے پھر چکھنے کی۔ یہاں تک کہ محسوسات کی حد ختم ہو جاتی ہے اور ایک نیا دور شروع ہوتا ہے اب اس کو تمیز کی قوت حاصل ہوتی ہے اور ان چیزوں کا خیال کر سکتا ہے جو اس کی دسترس سے باہر ہیں یہ دور سات برس کی عمر سے شروع ہوتا ہے اس کے آگے بڑھ کر عقل کا زمانہ آتا ہے جس میں محال۔ جائز۔ واجب کا ادراک ہوتا ہے۔ اس سے بڑھ کر ایک اور درجہ ہے جو عقل کی سرحد سے بھی آگے ہے اور جس طرح تمیز و عقل کے مدرکات کے لئے حواس بالکل بیکار ہیں اسی طرح اس درجہ کے مدرکات کے لئے عقل محض بیکار ہے اور اسی درجہ کا نام نبوت ہے۔ بعض لوگ اس درجہ سے منکر ہیں لیکن یہ اسی قسم کا انکار ہو سکتا ہے جس طرح کوئی شخص عقلی چیزوں کا انکار کرتا ہے جس کو ہنوز عقل کی قوت عطا نہیں کی گئی ہے۔ اس تحقیق کے لحاظ سے اصطلاحی طور پر نبوت کی تعریف یوں کرنی چاہیے کہ نبوت وہ قوت یا ملکہ ہے جس سے آدمی ان اشیاء کا ادراک کر سکتا ہے جن کا ادراک حواس سے تمیز سے عقل سے نہیں ہو سکتا۔ امام صاحب منقذ من الضلال میں لکھتے ہیں۔

بل الایمان بالنبوة الاقرار باثبات طور وراء العقل	نبوت کے تسلیم کرنے کے یہ معنی ہیں کہ یہ تسلیم کیا جائے کہ ایک درجہ ہے جو عقل سے
تنفتح فیہ عین یدرک بها مدرکات خاصة والعقل	بالاتر ہے اور جس میں وہ آنکھ کھل جاتی ہے جس سے خاص خاص چیزیں معلوم ہوتی ہیں
معزول عنها کعزل السمع عن ادراک الالوان الخ	جن سے عقل الگ ہے جس طرح قوت سامعہ رنگ کے ادراک سے الگ ہے

حقیقت یہ ہے کہ نبوت کا حقیقی عرفان اس شخص کو ہو سکتا ہے جس کو خود نبوت کا رتبہ حاصل ہو یا ان لوگوں کو جنہوں نے تصفیہ قلب اور ریاضت و مجاہدہ سے مکاشفہ اور مشاہدہ کا درجہ حاصل کیا ہو امام غزالی منقذ من الضلال میں اپنی حالت کا ذکر کر کے لکھتے ہیں۔

[1] ماخوذ از منقذ من الضلال صفحہ ۱۷ مطبوعہ مصر

فجملة القول فيه انه لم يبق من النبوة بالاضافة اليك الا المبشرات | غرض یہ ہے کہ بجز نبوت کا کچھ جو حصہ ہم پر کھلا ہے وہ نبوت کی
بل ما بقی من حقیقة النبوة الا مجرد الاسم | حقیقت کچھ نہیں جان سکتا بجز اس کے کہ نبوت کا نام جانتا ہے۔
اس کے سوا سمجھتے ہیں۔

وما يكاد ينفعك وقت من مسالك مدرك النبوة | مضمون کے طریقے کی بحث ہو جس کو نبوت کی حقیقت اور اس کا
حقیقة النبوة وخاصیتها. | خاصہ بدیہی طور پر معلوم ہو گا۔

مادہ پرست آجکل مادہ پرستی کا دور دورہ ہے کہ مادے کے سوا اور کو تسلیم نہیں کرتے تاہم انہی لوگوں میں بھی بعض بڑے بڑے فلاسفر ہمارے زمانہ کے قائل ہو جاتے ہیں کہ حواس اور عقل کے سوا ایک اور بھی قوت ہے جس سے غیب کا ادراک ہو سکتا ہے۔ یہ نبوت کے اعتراف کا پہلا زینہ ہے۔

نبوت کی حقیقت اگرچہ صرف ذوقی طریقے سے صحیح طور پر سمجھ میں آ سکتی ہے لیکن چونکہ منکر کے لئے صرف ذوق کا حوالہ کافی نہیں ہو سکتا تھا۔ امام صاحب نے ایک اور طریقے سے نبوت کی صحت پر استدلال کیا جس کی تفصیل ذیل میں ہے۔

اس قدر ہر شخص تسلیم کرتا ہے کہ صفات انسانی تمام آدمیوں میں یکساں نہیں پیدا کی گئیں۔ ذہن و ذکاوت فہم و فراست عقل و دانش مختلف افراد انسانی میں کس قدر مختلف المراتب ہیں۔ ایک شخص ذہین ہے دوسرا شخص اس سے زیادہ ذہین ہے تیسرا اس سے بھی زیادہ ذہین ہے۔ بڑھتے بڑھتے یہاں تک نوبت پہنچتی ہے کہ ایک شخص سے وہ افعال سرزد ہوتے ہیں جو بظاہر قدرت انسانی کی حد سے باہر نظر آتے ہیں جو لوگ شاعری میں قوت تقریر میں صناعی میں ایجادوں میں تمام زمانے سے ممتاز گذرے وہ اسی درجہ کی مثالیں ہیں۔ یہ درجہ فطری ہوتا ہے یعنی پڑھنے اور سیکھنے سے نہیں حاصل ہوتا بلکہ ابتدا ہی سے ان لوگوں میں یہ قوت مرکوز ہوتی ہے اور اسی وجہ سے دوسرے اشخاص گو کتنی ہی محنت و کوشش کریں ان کے پایہ تک نہیں پہنچ سکتے۔ انہی قوتوں میں حقائق اشیاء کے ادراک کی بھی ایک قوت ہے۔ یہ قوت کسی میں کم کسی میں زیادہ کسی میں زیادہ تر ہوتی ہے اور ترقی کرتے کرتے بعض انسانوں میں اس حد تک پہنچتی ہے کہ کسب و تعلم کے بغیر ان کو حقائق اشیاء کا ادراک ہوتا ہے۔ ان کو کسی قسم کا بیرونی علم نہیں ہوتا لیکن اس قوت کی وجہ سے خود بخود ان کو اشیاء کا علم ہو جاتا ہے۔ اسی قوت کا نام ملکۂ نبوت ہے اور اسی علم کو الہام اور وحی کہتے ہیں۔

امام صاحب نے یہ مضمون احیاء العلوم کے شروع میں ایک عقلی بحث میں لکھا ہے جس کا عنوان یہ ہے۔

بیان تفاوت الناس فی العقل چنانچہ اس سے بعض فقرے یہ ہیں۔

وکیف یکابر فی تفاوت الغریزة ولولاه لما اختلف | عقل فطری کے کم و بیش ہونے کا کیونکر انکار کیا جا سکتا ہے عقلوں
الناس فی فہم العلوم ولما انقسموا الی | میں اگر اختلاف مراتب نہ ہوتا تو تمام لوگ علوم کے سمجھنے میں یکساں ہوتے
بلید لا یفہم۔ | الخ

[illegible] صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]
[illegible] فی نفسہ خارق
[illegible] کان رسولا
[illegible] مثل
[illegible]
[illegible]
[illegible] صلی اللہ علیہ وسلم حیث
قال [illegible] من تلقاء نفسی الخ

جاننا چاہیے [illegible]
شخص [illegible]
کرلی [illegible] تمام [illegible]
پیدا ہوتی ہیں جیسا کہ [illegible]
[illegible] علیہ السلام کی [illegible] شامل ہے [illegible]
خدا [illegible]
الہام ہوا [illegible] آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ [illegible]
چونکہ اس سے [illegible] مراد ہے۔

اس تقریر سے اس قدر ثابت ہوا کہ نبوت کا وجود ممکن ہے اور افراد انسانی میں پائی جا سکتی ہے لیکن کسی خاص شخص کی نسبت بحث ہو کہ وہ نبی ہے یا نہیں تو اس کے حالات خود اس کی شہادت دے سکتے ہیں۔ جالینوس کی تصنیفات دیکھ کر طبیب ہونا قطعی طور پر معلوم ہو جاتا ہے۔ امام شافعی کی کتابیں دیکھ کر بالیقین معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ فقیہ تھے اسی طرح جب ہم قرآن مجید کو دیکھتے ہیں [illegible] سے ثابت ہو جاتا ہے کہ [illegible] پیغمبر ہے اور کوئی شخص [illegible]

معجزات

نبوت کی بحث میں معجزات یا خرق عادات کا مسئلہ نہایت اہم ہے فلسفہ اور مذہب میں جو اختلاف ہے اس کی بنیاد یہیں سے شروع ہوتی ہے فلسفہ کا سرمایہ ناز جو کچھ ہے یہی ہے کہ وہ جزئیات کو کلیات کے تحت میں لاتا ہے اور ہر چیز کی علت اور سبب ڈھونڈ نکالتا ہے۔ خرق عادت اس سلسلے کو بالکل توڑ دیتا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ [illegible] نہیں ہو سکتا [illegible] پہاڑ سونا ہو سکتا ہے آگ پانی ہو سکتی ہے [illegible] چلنے سے رک جاتے ہیں۔ اسلام میں جب فلسفہ اور حکمت کا رواج ہوا تو اس مسئلے کی نسبت بھی چون و چرا پیش آئی جن لوگوں کو فلسفہ کا نشہ زیادہ چڑھ گیا تھا انہوں نے صاف انکار کیا۔ رسائل اخوان الصفا کے ارکان اسی گروہ میں داخل ہیں علامہ ابن حزم ظاہری جو بہت بڑے محدث تھے ان کا یہ مذہب ہے کہ دنیا میں علت و معلول یعنی سبب و مسبب تاثیرات اشیاء کا سلسلہ قائم ہے اور دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے اسی سلسلے کے مطابق ہوتا ہے لیکن کبھی کبھی خدا بطور اظہار قدرت کے
علامہ موصوف نے اس کی تصریح اپنی کتاب ملل و نحل میں کی ہے۔ (یہ سلسلہ توڑ دیتا ہے اور اسی کا نام معجزہ ہے)
معتزلہ جیسا کہ امام رازی نے تفسیر کبیر میں لکھا ہے گو کہیں کہیں خرق عادت کا اقرار کرتے ہیں اور کہیں انکار اشاعرہ کے نزدیک چونکہ مذہب کو خرق عادات کے اقرار سے چارہ نہ تھا اور اس کا کوئی قاعدہ معین نہیں قرار پا سکتا تھا کہ [illegible] خرق عادت ممکن ہے اور فلاں قسم کی نہیں اس لئے انہوں نے علت و معلول کے سلسلے ہی سے انکار کیا ان کے نزدیک کسی چیز کو کسی [illegible]
امام صاحب نے مضمون بہ علی غیر اہلہ میں معجزات کے عنوان سے ایک مستقل مضمون لکھا ہے جس کا خلاصہ [illegible]

ملل مطبوعہ مصر صفحہ [illegible]

کنکریوں کا تسبیح پڑھنا، عصا کا سانپ بنجانا، جانوروں کا کلام کرنا اور اس قسم کے دوسرے واقعات منقول ہیں انکی تین قسمیں ہیں حسی خیالی عقلی۔
حسی کے یہ معنی ہیں کہ درحقیقت یہ واقعات اسی طرح وقوع میں آئے اس کے امکان میں چند دلائل ہیں۔
(۱) جو قدرت سے آدمی اور دوسرے جانور پیدا کرسکتا ہے وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ سنگریزے میں حیات پیدا کرے اور حیوان کو گویائی کی قوت دے (۲) تمام اجسام متماثل ہیں اسلیے ایک جسم میں جو باتیں پائی جاتی ہیں وہ ہر ایک جسم میں پائی جاسکتی ہیں گو بالفعل نہ پائی جائیں (۳) آفتاب ایک مدت میں ایک چیز کو گرم کرسکتا ہے، آگ فوراً گرم کرسکتی ہے اسلیے ممکن ہے کہ جو امور تدریجی وقوع میں آتے ہیں پیغمبر کی تاثیر سے فوراً وقوع میں آئیں۔ خیالی کے یہ معنی ہیں کہ زبان حال تمثیلاً محسوس صورت میں نظر آئے امام صاحب اسکی تفصیل اسطرح کرتے ہیں

القسم الثالث الخيالي وهو ان لسان الحال يصير شاخصا محسوسا على سبيل التمثيل وهذه خاصية الانبياء والرسل عليهم الصلوة والسلام كما ان لسان الحال يتمثل في المنام لغير الانبياء فيسمعون صوتا وكلاما كمن يرى في منامه جملا يكلمه او فرسا يخاطبه وميتا يعطيه شيئا او يكلمه بسيله ويطلب منه شيئا او تصير اصبعه شمسا او قمرا او يصير ظفره اسدا او غير ذلك مما يراه النائم في منامه فالانبياء عليهم الصلوة والسلام يرون ذلك في اليقظة وتخاطبهم هذه الاشياء في اليقظة فان المستيقظ لا تميز بين ان يكون ذلك نطقا خياليا او نطقا حسيا من خارج والنائم انما يعرف ذلك بسبب انتباهه للتفرقة بين النوم واليقظة ومن كانت له ولاية تامة تفيض تلك الولاية اشعتها على خيال الحاضرين حتى انهم يرون ما يراه ويسمعون ما يسمعه والتمثيل الخيالي اشهر هذه الاقسام ولا يسلم بعض الاقسام كلها

تیسری قسم خیالی ہے اور وہ یہ ہے کہ زبان حال تمثیل کے طور پر محسوس شاخص ہو جاتی ہے اور یہ انبیاء اور پیغمبروں کا خاصہ ہے۔ عام لوگوں کو خواب میں جس طرح زبان حال کیفیت محسوس صورت پکڑ لیتی ہے اور وہ آوازیں سنائی دیتی ہیں مثلاً جب کوئی خواب میں دیکھتا ہے کہ ایک اونٹ مجھ سے باتیں کررہا ہے یا گھوڑا اس سے خطاب کررہا ہے یا کوئی مردہ اسکو کچھ دے رہا ہے یا اسکا کلام کررہا ہے یا اس سے کچھ مانگتا ہے یا اس کی انگلی چاند یا سورج بن گئی ہے یا اسکا ناخن شیر ہوگیا ہے وغیرہ وغیرہ اسیطرح انبیاء کو یہ چیزیں بیداری میں نظر آتی ہیں اور یہ چیزیں حالت بیداری میں ان سے خطاب کرتی ہیں۔ بیدار شخص کو اصلیت میں فرق نہیں معلوم ہو سکتا کہ خیالی گویائی ہے یا حسی ہے۔ سونے والے کو جو ان دونوں میں فرق معلوم ہوتا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ جاگ اٹھتا ہے اور جاگ کر اسکو فرق معلوم ہوتا ہے جسکو ولایت تامہ حاصل ہو جاتی ہے اس کی ولایت کی شعاعیں حاضرین پر بھی پڑتی ہیں یہاں تک کہ انکو بھی وہ چیزیں نظر آتی ہیں اور صدائیں سنائی دیتی ہیں جو صاحب ولایت کو نظر آتی ہیں اور سنائی دیتی ہیں معجزات کے تینوں اقسام میں تمثیل خیالی زیادہ مشہور ہے لیکن تینوں اقسام پر ایمان لانا واجب ہے۔

عقلی کی تفسیر امام صاحب اس طرح کرتے ہیں۔

القسم الثاني العقلي وهو قول الله تعالى وان من شيء الا يسبح بحمده وهو شهادة كل مخلوق ومحدث على خالقه وموجده كشهادة البناء على الباني

دوسری قسم عقلی ہے جیسا کہ خدا کے اس قول میں ہے کہ تمام چیزیں خدا کی تسبیح پڑھتی ہیں اسکے معنی یہ ہیں کہ جسقدر مخلوقات اور مصنوعات ہیں اپنے خالق اور موجد کی گواہی دیتی ہیں جس طرح

فكأنه على الجملة يقال لذلك لسان الحال
والمتكلمون يقولون هل هذه الحالات الا تمثيلا
لسبعض قياس لا يعرفون هذه الرتبة ولا يقدرونها

اس بات کی شہادت ہے کہ اس کا کوئی بنانے والا ہے اور تحریکات
کی شہادت ہے کہ اس کا کوئی چلانے والا ہے۔ متکلمین بولا لیے
تمثیلیں محض دلائل ہی حالات کی تعبیر ہیں لیکن متکلمین کو اس رتبہ کی خبر نہیں۔

امام صاحب نے معجزات کے متعلق جو احتمالات بیان کئے انمیں سے پہلا تو عام متکلمین کا مذہب ہے دوسرا یعنی عقلی معجزہ ارسطو اور تمام حکما اور فلاسفہ کا خیال ہے۔ چنانچہ اسکی نہایت مفصل بحث ہماری کتاب تاریخ کلام میں مذکور ہے۔
امام صاحب کا آخری فقرہ جس سے تمثیل خیالی کی ترجیح کی خوشبو آتی ہے تعجب انگیز ہے۔

ع منکرے بودن و ہمرنگ مستاں زیستن۔

یہ بحث تو معجزے امکان کے متعلق تھی۔ امکان کے ثبوت کے بعد یہ بحث باقی رہتی ہے کہ وہ نبوت کی دلیل ہوسکتا ہے یا نہیں۔ اشاعرہ عموماً اسکی دلیل نبوت ہونے پر متفق ہیں۔ حکمائے اسلام میں سے بوعلی سینا اشاعرہ کا ہمزبان ہے چنانچہ کتاب الشفا میں تصریح کی ہے کہ پیغمبر کیلئے معجزہ کا ہونا ضرور ہے تاکہ اس بات کا یقین ہو کہ وہ خدا کی طرف سے بھیجا گیا ہے۔ امام غزالی کا اس باب میں جو خیال ہے وہ یہ ہے۔
منقذ من الضلال میں یہ لکھکر کہ نبی کے ارشادات و ہدایات سے خود اس بات کا یقین ہوجاتا ہے کہ وہ نبی ہے لکھتے ہیں فمن ذالک والطریق فاطلب الیقین بالنبوة لامن قلب العصا ثعبانا وشق القمر فان ذالک اذا نظرت الیه وحده ولم تنضم الیه القرائن الکثیرة الخارجة الحصر ربما ظننت انه سحر وتخییل (منقذ من الضلال صفحہ ۲۳)
اس بحث پر علامہ ابن رشد نے اپنے رسالہ میں نہایت مفصل اور دقیق گفتگو کی ہے لیکن یہ اس کے لکھنے کا موقع نہیں۔ علم کلام کی تاریخ میں ہم علامہ موصوف کی پوری تقریر نقل کرینگے اور اسپر انتقاد کریں گے۔

تکلیفات شرعیہ اور عذاب و ثواب

مذہب کے معرکۃ الآرا مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے۔ ملاحدہ کا خیال ہے کہ چونکہ مذہب انسان کی ایجاد ہے اور انسانی تمدن کے نمونے پر قائم کیا گیا ہے اس لیئے عذاب و ثواب کا مسئلہ بھی اسمیں شامل کیا گیا ورنہ عذاب و ثواب خدا کی شان سے بالکل بعید ہے۔ کیونکہ عذاب کی بنیاد دو اصول ہیں (۱) انتقام کی خواہش جو ہر انسان میں فطری ہے (۲) تنبیہ و ترہیب تاکہ مجرم سے اس قسم کا فعل پھر سرزد نہونے پائے یہاں دونوں باتیں مفقود ہیں۔ خدا میں انتقام کی خواہش نہیں ہوسکتی، انسانوں میں جو زیادہ نیک نفس ہیں اُن میں جب یہ خواہش کم ہوتی ہے تو خدا کی شان تو بہت ارفع ہے، تنبیہ و ترہیب بھی مقصود نہیں ہوسکتی کیونکہ عذاب قیامت کے بعد انسان کو کوئی ایسا موقع ہی نہیں حاصل ہوگا کہ وہ اپنے پچھلے افعال کا کفارہ کرسکے۔
تکلیفات شرعیہ کی نسبت بھی ملاحدہ کا یہی اعتراض تھا کہ خدا کو اس سے کیا فائدہ؟

امام صاحب کے زمانہ میں ملاحدہ کے علاوہ فرقہ باطنیہ کی طرف سے بھی یہ شبہ اکثر پیش کیا جاتا تھا اس لیے امام صاحب نے مضنون بہ علی غیر اہلہ میں اس پر مفصل بحث کی ہے اور اس اعتراض کو نہایت خوبی سے اٹھایا ہے کہ اصل یہ ہے عالم جسمانیات میں اسباب و علل کا جو سلسلہ ہے اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ سنکھیا قاتل ہے گلاب محرک مزاج ہے سقمونیا مسہل ہے یہ اشیاء جب استعمال کی جائیں گی تو انکے آثار ضرور ظاہر ہونگے اب اگر کوئی شخص مثلاً سنکھیا کھالے اور مر جائے تو یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ خدا نے کیوں اسکو مار ڈالا یا خدا کو اسکے مار ڈالنے سے کیا غرض تھی؟ کیونکہ مرنا، سنکھیا کھانے کا ایک لازمی نتیجہ تھا جو اس سے منفک نہیں ہو سکتا تھا۔ اسنے سنکھیا خود خوشی سے کھائی اور جب کھائی تھی تو اسکا نتیجہ خواہ مخواہ ظاہر ہونا ضرور تھا۔ یہی سلسلہ روحانیت میں قائم ہے۔ نیک و بد جس قدر افعال ہیں انکا نیک یا بد اثر روح پر مترتب ہوتا ہے۔ اچھے کاموں سے روح کو انبساط حاصل ہوتا ہے برے افعال سے اسمیں آلودگی اور نجاست آ جاتی ہے اور یہ وہ نتائج ہیں جو کسی طرح منفک نہیں ہو سکتے جو شخص کسی فعل بد کا مرتکب ہوتا ہے اسیوقت اس کی روح پر ایک خاص اثر مترتب ہو جاتا ہے اسی کا نام عذاب ہے فرض کرو ایک شخص نے چوری کی اس فعل کے ارتکاب کے ساتھ ہی اسپر دنائت کا اثر طاری ہو گیا اب گرفتار ہو یا نہو تو اسکو عذاب پہنچے یا نہ پہنچے لیکن اس کا نفس تو غدار ہو چکا اور یہ دھبہ مٹائے نہیں مٹ سکتا۔ اب جس طرح یہ اعتراض نہیں ہو سکتا تھا کہ سنکھیا کھانے پر خدا نے فلاں شخص کو کیوں مار ڈالا اسی طرح یہ اعتراض بھی نہیں ہو سکتا کہ فعل بد کے ارتکاب پر خدا نے عذاب کیوں دیا؟ کیونکہ عذاب اس فعل بد کا لازمی نتیجہ تھا جو اس سے منفک نہیں ہو سکتا تھا۔

امام صاحب کے خاص الفاظ یہ ہیں

اما العقاب علی ترک الامر وارتکاب النهی فلیس العقاب من الله تعالی غضباً او انتقاماً ومثاله ان من ترک الوقاع عاقبه الله تعالی بعدم الولد ومن ترک الاکل والشرب عاقبه بالجوع والعطش فکذلک نسبة الطاعات والمعاصی الی امر الآخرة ولذا فمن عرف هذا فرق فالسوال عن انه لم تفضی المعصیة الی العقاب کسوال لمَ انه لم یهلک الحیوان عن السم ولم یؤدی السم الی الهلاک (صفحہ ۱۱)

امر و نہی کی عدم تعمیل پر عذاب ہوگا وہ غضب یا انتقام نہیں ہے اسکی مثال یہ ہے کہ جو شخص بیوی سے صحبت نہ کریگا خدا اسکو اولاد نہ دیگا جو شخص کھانا پینا چھوڑ دیگا خدا اسکو بھوک پیاس کی تکلیف دیگا۔ طاعات و معاصی کو قیامت کی تکلیفات اور لذات سے بھی بالکل یہی نسبت ہے۔

یہ اعتراض کرنا کہ معصیت پر کیوں عذاب ہوگا گویا یہ کہنا ہے کہ جاندار زہر سے کیوں ہلاک ہو جاتا ہے اور زہر کیوں ہلاکت کا سبب ہے؟

تکلیفات شرعیہ کی نسبت عام اشاعرہ کا خیال تھا کہ اس سے صرف تعمیل احکام مقصود ہے اور اسکی مثال یہ ہے کہ ایک آقا کو اپنے نوکروں کا امتحان منظور ہے اس نے سب کو حکم دیا کہ تمام رات ہاتھ باندھے کھڑے رہو اس حکم سے آقا کا

کوئی فائدہ نہیں بلکہ وہ کرنوں کے لیئے کچھ مفید ہو لیکن جو شخص اس حکم کی تعمیل کریگا اسکی نسبت یہ امید ہو سکتی ہے کہ
تمام احکام ہوں۔ تکلیفات شرعیہ کی بھی یہی حالت ہے اور یہی وجہ ہے کہ بعض قرآن کی بجا آوری میں خوف و
جائیں یا مقصد اسکی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ امام صاحب نے اس خیال کی مخالفت کی انکے نزدیک شریعت جسقدر
احکام ہیں وہ فی نفسہ انسان کے حق میں مفید یا مضر ہیں۔ شارع نے اسی فائدہ و ضرر کے لحاظ سے انسان کو کسی کام کا
حکم دیا ہے یا اس سے روکا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ طبیب اشیاء کے خواص و تاثیرات سے واقف ہے اس بنا پر وہ مریض کو
حکم دیتا ہے کہ فلاں چیز سے پرہیز کرو مگر وہ طبیب کے حکم کی تعمیل نہیں کرتا تو اسکی بیماری بڑھ جاتی ہے اور لوگ کہتے
ہیں کہ چونکہ طبیب کے حکم کی تعمیل نہیں کی اسلیئے بیماری کو ترقی ہوئی لیکن درحقیقت یہ طبیب کی محض مخالفت کا اثر نہ تھا بلکہ
اس بات کا اثر تھا کہ وہ شئے خود مضر تھی۔ مریض اگر کسی احکام میں جو مرض سے متعلق نہ ہوتا طبیب کی مخالفت کرتا تو اسکو
بیماری کے بڑھنے میں کچھ دخل نہ تھا۔ امام صاحب کے خاص الفاظ یہ ہیں

وللنفوس طب كما ان للاجساد طبا والانبياء	جس طرح جسمانی امراض کیلئے طب ہو روح کے لیئے بھی ایک طب ہے
عليهم السلام اطباء النفوس ثم يقال ان الطبيب	اور انبیاء علیہم السلام اس کے طبیب ہیں۔ محاورے میں کہا جاتا ہے
امره بكذا ونهاه عن كذا وانه لما ادم ضره لانه	کہ بیمار اس وجہ سے اچھا نہیں ہوا کہ اسنے طبیب کی مخالفت کی یا
خالف الطبيب وانه صح لانه راعى قانون الطب	اس وجہ سے اچھا ہوا کہ طب کے احکام کی پابندی کی حالانکہ مرض کا
ولو يقصر في الاحتماء والحقيقة لم يضار مرض	بڑھنا اس وجہ سے نہ تھا کہ مریض نے طبیب کی مخالفت کی بلکہ
المريض بمخالفة الطبيب بعين المخالفة بل لانه سلك	اس وجہ سے کہ اس نے تندرستی کے وہ قاعدے نہیں برتے
غير طريق الصحة التي امره الطبيب بها (حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۰)	جو طبیب نے اسکو بتائے تھے۔

معاد یا حالات بعد الموت

مذہب کی روح اور روان جو کچھ کہو معاد کا اعتقاد ہے مذہب میں جو کچھ تاثیر ہے اور افعال انسانی پر مذہب کا جو اثر پڑتا ہے وہ اسی عقیدہ
کی بدولت ہے لیکن جسقدر وہ مہتم بالشان ہے اسیقدر عسیر التصور ہے ایک بدوی شاعر الحاد کے لہجہ میں کہتا ہے۔

اموت ثم بعث ثم نشر حديث خرافة يا ام عمرو — مرنا پھر جی اٹھنا پھر حشر ہونا اے ام عمرو (شاعر کے بیٹے کا نام ہے) یہ کل خرافات باتیں ہیں۔

اس مرحلے میں جو مشکلیں ہیں ان میں پہلا اور سب سے مشکل بقائے روح کا مسئلہ ہے یعنی یہ ثابت کرنا کہ روح جسم سے جدا کوئی چیز ہے۔
مادیین کا خیال ہے کہ روح کوئی جداگانہ چیز نہیں بلکہ جسطرح چند دواؤں کی ترکیب دینے سے ایک مزاج خاص پیدا ہوجاتا
ہے یا تاروں کی خاص ترکیب سے خاص خاص راگ پیدا ہوتے ہیں اسی طرح عناصر کی خاص طور پر ترکیب پانے سے
ایک مزاج خاص پیدا ہوجاتا ہے جو ادراک اور تصور کا سبب ہوتا ہے اور اسی کا نام روح ہے۔
روح کے ثابت کرنیکے بعد دوسرا مرحلہ اسکی بقا کا ثابت کرنا ہے یعنی یہ کہ جسم کے فانی ہونے پر وہ باقی رہ سکتی ہے

ان مرحلوں کے بعد عذاب قبر، قیامت، میزان، حساب، جنت و دوزخ کی بحثیں ہیں۔

امام صاحب نے مضنون صغیر و مضنون کبیر میں ان مباحث کو تفصیل کے ساتھ لکھا ہے ہم ان دونوں کتابوں کے حوالوں سے ان مباحث کو اپنی زبان میں لکھتے ہیں۔

روح کی حقیقت کے متعلق امام صاحب نے احیاء العلوم میں عذر کیا کہ یہ ان اسرار میں ہے جنکو ظاہر کرنا جائز نہیں لیکن مضنون صغیر میں اس راز سے پردہ اٹھا دیا ہے اور اسکی حقیقت یہ بیان کی ہے "وہ جوہر ہے لیکن جسم نہیں۔ اس کا تعلق بدن سے ہے لیکن اس طرح کہ بدن سے متصل ہے نہ منفصل نہ داخل ہے نہ خارج۔ نہ حال ہے۔ نہ محل"

جوہر ہونے کی یہ دلیل ہے کہ روح اشیاء کا ادراک کرتی ہے اور چونکہ ادراک عرض ہے یعنی ایک کیفیت کا نام ہے اور فلسفہ میں یہ مسئلہ ثابت ہو چکا ہے کہ عرض، عرض کے ساتھ قائم نہیں ہو سکتا اسلیئے ضرور ہے کہ روح جوہر ہو ورنہ ادراک کا قیام اُسکے ساتھ ممکن نہ ہو سکے گا جسم نہ ہونے کی یہ دلیل ہے کہ اگر جسم ہوگا تو اسمیں حلول عرض ہوگا اور اُسکے اجزا ہو سکیں گے اور اجزا ہونگے تو یہ ممکن ہوگا کہ ایک جزء میں ایک چیز پائی جائے اور دوسرے جزء میں اسی چیز کا نقیض مثلاً لکڑی کا ایک تختہ نصف سپید ہو سکتا ہے اور نصف سیاہ۔ اس بناء پر یہ ممکن ہوگا کہ روح کے جزء میں زید کا علم ہو اور دوسرے جزء میں اسی زید کا جہل اس صورت میں روح ایک ہی زمانے میں ایک شے سے واقف بھی ہوگی اور ناواقف بھی اور یہ محال ہے متصل منفصل داخل و خارج نہ ہونے کی یہ دلیل ہے کہ یہ تمام اوصاف جسم کے ساتھ خاص ہیں [illegible] جسم ہی نہیں تو متصل منفصل داخل و خارج کچھ بھی نہیں مثلاً ایک پتھر کو عالم اور جاہل کچھ نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ دونوں وصف جاندار کیساتھ خاص ہیں اور پتھر سرے سے جاندار نہیں۔ اس تفصیل کے بعد امام صاحب نے یہ سوال قائم کر کے کہ شارع نے روح کی حقیقت بتانے سے کیوں انکار کیا؟ جواب دیا ہے کہ دنیا میں دو قسم کے لوگ ہیں عوام و خواص عوام تو ایسی چیز کا تصور ہی نہیں کر سکتے اسی بناء پر فرقہ حنابلہ اور کرامیہ خدا کے جسم ہونیکے قائل ہو گئے ہیں کیونکہ انکے نزدیک جو چیز مجسم نہ ہوگی وہ وجود ہی نہیں ہو سکتی جو لوگ عوام کی بہ نسبت کسیقدر وسیع الخیال ہیں وہ جسم کی نفی کرتے ہیں تاہم خدا کا ذو جہتہ ہونا ضروری سمجھتے ہیں اشعریہ اور معتزلہ البتہ اس قسم کے وجود کے قائل ہیں جو جسم و جہت سے بری ہو لیکن انکے نزدیک اس قسم کا وجود ذات باری و صفات باری کیساتھ خاص ہے اگر روح کا وجود بھی اسی قسم کا مانا جائے تو اُنکے نزدیک خدا میں اور روح میں کچھ فرق نہیں رہتا۔ بہرحال چونکہ روح کی حقیقت عوام و خواص دونوں کی فہم سے باہر تھی اسلیئے شارع نے اُس کے بتانے سے اعراض کیا۔

امام صاحب نے روح کی جو حقیقت بیان کی اور جو جو دلائل پیش کئے یونانیوں سے ماخوذ ہیں ارسطو نے اثولوجیا میں بعینہ یہی تقریر کی ہے، اور بو علی سینا نے اسکو مختلف پیرایوں میں آب و رنگ دیکر ادا کیا ہے لیکن یہ نہایت تعجب انگیز ہے کہ جو سب سے مقدم امر تھا یعنی روح کا اثبات۔ امام صاحب نے اُسی کو چھوڑ دیا روح کا جوہر ہونا، غیر جسمانی ہونا یہ فرعی امور ہیں سب سے پہلے یہ ثابت کرنا چاہیئے کہ روح کوئی شے بھی ہے یا نہیں۔

حاصل یہ ہے کہ روح کا وجود ایک وجدانی امر ہے غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ [illegible]

جہاں ہماری عقل حیران ہے۔ دقیق خیالات وہ علوم و فنون مادہ سے انجام نہیں پاسکتے بلکہ کوئی اور چیز ہے جس سے یہ کام سرزد ہوتے ہیں اور اسی کا نام روح ہے لیکن یہ استدلال وجدانی ہے اگر کوئی اس کا انکار [illegible] کہ یہ باتیں جوہر کا اثر ہے دلیل نہیں ممکن ہے کہ مادہ ہی کی ایک خاص ترکیب [illegible] حرکتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ [illegible] روح کا [illegible] ثابت ہے [illegible] سبب تھا کہ امام صاحب نے روح کے ثبوت پر کوئی منطقی دلیل نہیں پیش کی یہ مضمون [illegible] الفاظ ہے۔

ولیس البدن من قوام ذاتک	جسم تمہاری حقیقت اور ماہیت میں داخل نہیں
فانعدام البدن لا یعدمک۔	اس لیے جسم کا فنا ہونا تمہارا فنا ہونا نہیں ہے۔

واقعات بعد الموت

مثلاً عذاب قبر حساب۔ میزان قیامت لذات بہشت۔ عذاب دوزخ۔ ان تمام امور کی نسبت اکابر اسلام کی مختلف رائیں ہیں ایک گروہ انکو جسمانی قرار دیتا ہے۔ اس گروہ میں بھی دو فرقے بنگئے ہیں ایک فرقہ اس بات کا قائل ہے کہ گو یہ چیزیں جسمانی ہونگی لیکن انکی جسمانیت اس عالم فانی کی جسمانیت سے بالکل مختلف ہوگی یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید یا احادیث صحیحہ میں جہاں لذات بہشت کا بیان ہے ساتھ ہی یہ بھی تصریح ہے کہ اجسام دنیوی کی خاصیتیں انمیں نہونگی مثلاً شراب ہوگی لیکن نشہ نہوگا غذائیں ہونگی لیکن بول و براز کی حاجت نہوگی حضرت عبداللہ بن عباس کا بھی مذہب ہے ان کا قول ہے کہ آخرت میں جو چیزیں ہونگی انکو دنیا کی چیزوں سے فقط نام میں شارکت ہے دوسرا گروہ یعنی اشاعرہ ان چیزوں کو بالکل جسمانی قرار دیتا ہے۔ اور اسی قسم کی جسمانیت تسلیم کرتا ہے جیسی ہماری عالم اجسام کی ہے

تیسرا گروہ انکے روحانی ہونیکا قائل ہے انکا خیال ہے کہ گو ان اشیا کا جسمانی ہونا محال نہیں لیکن عالم آخرت اس سے بہت بالاتر ہے اسلئے جسمانی کیفیتیں اس کے شایان شان نہیں اسکو یوں سمجھنا چاہیے کہ خود لوگ مختلف ہیں مختلف طبقے ہیں صورت پرست وادنیٰ مزاج لوگ جسمانیات محض مثلاً غذا و لباس پر مفتون ہیں جو اسکی عالی تر چیزوں کو ہیچ سمجھتے ہیں اور عزت و ناموس کے طالب ہیں لیکن جو لوگ رسیدگان الٰہی اور صاحب نفوس قدسیہ ہیں انکے نزدیک معارف اور حقائق کے سوا تمام چیزیں حقیر ہیں چنانچہ حضرات صوفیہ مشاہدہ الٰہی کے سوا اور کسی چیز کے خواہاں نہیں اس بنا پر عالم آخرت کے لذائذ کو جسمانی کہنا گویا دنیا اور آخرت کو ہم پلہ قرار دینا ہے اسی مضمون کو ایک شاعر نے یوں ادا کیا ہے۔

ھ حور و خلد و کوثر اے واعظ اگر خوش کردہ + بزم ما ہم شاہد و نقل و شراب بیش نیست۔

امام صاحب کا میلان روحانیت کی طرف تھا لیکن ساتھ ہی انکا یہ بھی خیال تھا کہ شریعت عام و خاص سب کیلئے ہے اس لیئے اس کا پیرایہ ایسا ہونا چاہیے جس سے عام و خاص سب فائدہ اٹھا سکیں۔

[illegible] بوعلی سینا نے روح کے اثبات پر اشارات میں بڑی لمبی چوڑی دلیل پیش کی ہے لیکن وہ ہر بات [illegible] کی طرح صرف منطقی [illegible] ہے۔

بہار عالم حسنش دل و جاں تازہ میدارد — برنگ اصحاب صورت را ببو ارباب معنی را

حشر و نشر، صراط، میزان وغیرہ کے متعلق امام صاحب نے جواہر القرآن میں اجمالاً جو کچھ لکھا ہے وہ اوپر گذر چکا۔ احیاء العلوم۔ و مضنون کبیر میں ان امور کی تفصیل کی ہے۔

احیاء العلوم کے خاتمہ میں موت کا جو باب باندھا ہے اسمیں عذاب قبر کا ایک خاص عنوان قائم کیا ہے کہ کسی زمانہ میں بعض شاید فقہاء سے ذہن میں یہ اعتراض آئے کہ ہم نے کافروں کی قبروں کا امتحان کیا ہے لیکن سانپ اور بچھو کہیں نہیں دیکھے اسلئے مشاہدہ کے خلاف کیونکر یقین لائیں تو جواب یہ ہے کہ یہاں تین احتمالات ہیں، پہلا احتمال جو زیادہ صحیح اور ظاہر تر ہے یہ ہے کہ حقیقت کافر کی قبر میں سانپ بچھو ہوتے ہیں اور اسکو کاٹتے ہیں لیکن وہ نظر نہیں آسکتے کیونکہ یہ عالم ملکوت کے واقعات ہیں اور عالم ملکوت کے واقعات ان آنکھوں سے نظر نہیں آسکتے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ اسکو خواب کے واقعات پر قیاس کیا جائے مثلاً خواب میں آدمی دیکھتا ہے کہ سانپ اسکو کاٹتا ہے کاٹنے کی تکلیف محسوس ہوتی ہے آدمی روتا اور چلاتا ہے لیکن یہ سب عالم خواب میں ہوتا رہتا ہے اور لوگوں کو جو اسکے ہمبستر ہوں یہ واقعات مطلق محسوس نہیں ہوتے اسیطرح قبر کا عذاب ہے جو مردہ کو محسوس ہوتا ہے اور دوسروں کو کچھ خبر نہیں ہو سکتی۔

تیسرا احتمال یہ ہے کہ مرنیکے بعد انسان کو جو روحانی تکلیفیں ہونگی انکو سانپ اور بچھو کے کاٹنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(اس تیسرے احتمال کو امام صاحب نے نہایت تفصیل سے لکھا ہے) کیمیائے سعادت جو احیاء العلوم کے بعد لکھی گئی ہے اسمیں امام صاحب نے اس مسئلے کو زیادہ صاف کیا ہے، اسکے جستہ جستہ فقرے یہ ہیں۔

احمقان بے بصیرت چنیں ہمی گویند کہ ما در گور نگاہ میکنیم ہیچ نمی بینیم مگر بودے چشم ما درست است این ہمہ می این احمقان باید کہ بدانند این اژدہا در ذات روح مردہ است و از باطن جان او بیروں نیست تا تو ہمی بہ بینند بلکہ این اژدہا ہا اندرون وے بود پیش از مرگ۔ و او غافل بود و نمیدانست سو اگر خیال بودے کہ این اژدہا بیرون او بودے چنانکہ مردماں پندارند آسان تر بودے کہ آخر یک ساعت۔ دست از وے بداشتے لیکن چوں متمکن است درمیان جان وے آں خود عین صفات اوست چگونہ ازاں بگریزد۔

پس اگر گوئی کہ این مار معدوم است۔ آنچہ او را میباشد خیال است؛ بدانکہ این غلطی عظیم است بلکہ این مار موجود است کہ معنی موجود یافتہ بود و معنی معدوم نایافتہ۔ و ہرچہ یافتہ تو شد در خواب تو آں را حق بینی آں موجود است و حق تو اگرچہ خلق دیگر آں را نتوانی دید۔ و ہرچہ توان را نمی بینی نایافتہ و ناموجود نیست اگرچہ ہمہ خلق آں را بینند۔

(کیمیائے سعادت۔ عنوان چہارم در معرفت آخرت عذاب قبر)

لیکن مضنون بہ علی غیر اہلہ میں بالکل پردہ اٹھا دیا ہے اور صاف صاف لکھتے ہیں۔

فصل فی مذہب القائلین ان النفس اذا فارقت البدن حملت القوۃ الوہمیۃ معہا [illegible]

ليس بعيداً أن يكون من الهيئات البدنية وهي عند خروج ملكة بمفارقتها من البدن أن من طرف الدنيا تشبه ثم تمثل الانسان المقبور الذي على صورته كما كان في الدنيا فيتخيل وصفه وصورته ويتخيل بعض مقبولاته ويتخيل الامور المناسبة اليها من سبيل العقوبات الحسية على ما وردت به الشرائع الصادقة فهذا عذاب القبر وان كانت سعيدة تتخيل على صورة ما يلائمها كانت تعتقده من الجنات والانهار والحلي والغلمان والولدان والحور العين والكاس فهذا ثواب القبر ولذلك قال النبي عليه الصلوة والسلام القبر اما روضة من رياض الجنة او حفرة من حفر النيران فالقبر الحقيقي هذه الهيئات وعذاب القبر وثوابه ما ذكرناهما ۔

قیامت کے متعلق جو اعتراضات تھے انہیں سے اکثر متکلمین کے مخترع عقائد کی وجہ سے پیدا ہو گئے تھے۔ مثلاً روایتوں میں صرف اسقدر ہے کہ قیامت میں مردے زندہ ہو کر اٹھیں گے اسکی کوئی تصریح نہ تھی کہ جسم بعینہ وہی ہوگا جو دنیا میں تھا متکلمین نے اسقدر سنوار دیا کہ بعینہ وہی جسم اور وہی صورت ہوگی۔ اسپر منکروں نے اعتراض کیا اول تو اعادہ معدوم محال ہے ثانیاً۔ دنیا میں مثلاً ایک آدمی دوسرے آدمی کو مار کر کھا گیا اور اسکے اجزائے بدن اس کے اجزائے بدن میں شامل ہو کر ایک ہو گئے تو اگر قاتل کا جسم قیامت میں بعینہ وہی ہو جو دنیا میں تھا تو مقتول کا جسم بعینہ وہی نہیں ہو سکتا۔ متکلمین نے پہلے اعتراض کے جواب میں تو اعادہ معدوم کو جائز ثابت کرنا چاہا اور دوسرے کے لئے بہت تاویلیں کیں۔

لیکن چونکہ اعتراض قوی تھے جواب میں بجز اسکے کہ سینہ زوریں۔ احتمالی فرضیوں تشکیکات اور تاویلات سے کام لیا جائے اور کیا ہو سکتا تھا لطف یہ کہ متکلمین انہی چیزوں کو مایۂ ناز سمجھتے تھے اور اسکو زور استدلال سے تعبیر کرتے تھے۔ امام صاحب نے اس بحث سے اٹھا دیا اور اسی حد تک قناعت کی جسقدر روایتوں میں مذکور تھا یعنی یہ کہ قیامت میں مردے زندہ ہو کر اٹھیں گے جسم کا بعینہ وہی دنیاوی جسم ہونا ضروری نہیں خدا پر چھوڑ دیا اور سینہ زوری کی حاجت نہیں ہے چنانچہ تفہیمات میں لکھتے ہیں۔

وشرط اعادہ آن نیست کہ ہماں قالب کہ داشتہ است بعینہ باشد ہرچند کہ قالب مرکب است، اگرچہ اسب بدل کنند سوار ہماں باشد۔ واز کودکی تا پیری خود بدل فتادہ باشد اجزائے آن با اجزائے غذائے دیگر و او ہماں بود پس کسانیکہ ایں شرط کنند برایشاں اشکال با خاست واز آں جوابہائے ضعیف دادند۔[1]

ملاحدہ کا بڑا اعتراض تھا کہ دنیا میں تمام چیزیں بتدریج پیدا ہوتی جاتی ہیں اور جو کچھ پیدا ہوتا ہے اسباب کے ذریعہ سے پیدا ہوتا ہے اسلئے یہ کیونکر ممکن ہے کہ بلا توسط اسباب قیامت میں تمام آدمی دفعۃً پیدا ہو جائیں امام صاحب نے اس اعتراض کو اسطرح اٹھایا ہے کہ حیوانات کی پیدائش کے دو طریقے ہیں تولد اور توالد تولد کے معنی یہ ہیں کہ اسباب کے فراہم ہونے سے ابتداءً پیدا ہو جائیں جس طرح برسات میں آپ سے آپ حشرات الارض پیدا ہو جاتے ہیں توالد یہ کہ تولد کے بعد نسل و خاندان کا سلسلہ قائم ہو مثلاً حضرت آدم ابتداءً خاک سے پیدا ہوئے تھے جیسا کہ قرآن مجید میں خدا نے فرمایا ہے۔

[1] تفہیمات ... صفحہ ۱۳

خلقکم من تراب پھر حضرت آدم سے نسل کا سلسلہ قائم ہوا چنانچہ خدا فرماتا ہے انا خلقنا الانسان من نطفۃ
عالم کائنات میں اسکی اور سینکڑوں مثالیں ہیں۔

قلمی نسخہ[۵۱] اتول بالعالم میں جو کچھ ہوتا ہے حرکات فلکیہ کے ذریعہ سے ہوتا ہے نیز یہ کہ افلاک کے ہر دور کی جدا تاثیر اور جدا جدا نتائج ہیں اس بنا پر یہ ممکن ہے کہ افلاک کا کوئی ایسا دور آئے جسکے نتائج موجودہ دور سے بالکل مختلف ہوں اور وہ یہ ہو کہ تمام آدمی جو مر چکے تھے دفعۃً زندہ ہو جائیں اور ایک نیا عالم ظہور میں آئے۔ امام صاحب کے اخیر فقرے یہ ہیں۔

وکما جاز ان یحدث شدود تشکل یحدث بسببہ انواع من الحیوانات لم یعھد مثلھا فکذلک یجب ان یحدث زمان یحشر فیہا الموتیٰ و یجمع اجزاءھم و تعود الیٰ اشباحھم ارواحھم بہشت کی لذات کیفیات کی نسبت امام صاحب لکھتے ہیں[۵۲]

لذت بہشت — بہشت کی جسمانی لذتیں معجزے کی طرح تین قسم کی قرار دی جا سکتی ہیں حسی، خیالی، عقلی حسی یعنی کھانا پینا لباس مکان وغیرہ خیالی جسطرح آدمی خواب میں کھانے پینے کا لطف اٹھاتا ہے عقلی کے یہ معنی کہ بہشت میں جو روحانی لذتیں حاصل ہونگی انکو شراب شیریں چشمہائے رواں اور انبار ہائے بلند میوہ جات لذیذ سے تعبیر کیا ہے اور چونکہ روحانی لذتوں کے بہت سے اقسام ہیں اسلئے ہر لذت کو ایک خاص جسمانی لذت سے تعبیر کیا ہے۔ اخیر میں لکھتے ہیں۔

فالمشغوف[۵۳] بالتقلید والجمود علی الصور الذین لم تنفتح لہ طرق الحقائق تمثل لہ ھذہ الشھوات واللذات والعارفون یستصغرون لعالم الصور واللذات المحسوسۃ ینفتح لھم من لطائف السرور واللذات العقلیۃ ما یلیق بھم و یشتھی شھوتھم ادخل الجنۃ ان فیہا لکل امرء ما یشتھیہ

جو شخص تقلید کا شیفتہ اور صورت پرست ہے اور حقیقت کی راہیں اسپر نہیں کھلی ہیں اس کے سامنے یہ صورتیں اور لذتیں مجسم بنکر آئیں گی لیکن جو لوگ محسوس لذتوں اور ظاہری صورتوں کو ہیچ سمجھتے ہیں انکو وہ پر لطف مسرتیں اور عقلی لذتیں حاصل ہوں گی جو انکے شایان ہیں اور جن سے انکی پیاس بجھ سکتی ہیں کیونکہ جنت کی اصلی حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص کو وہ چیز حاصل ہو جو اسکی تمنا اور آرزو ہے

تصوّف

علمی حیثیت سے تصوف کو امام صاحب سے وہی نسبت ہے جو منطق کو ارسطو سے ہے۔ تصوف کی ابتدا اگرچہ قرن اول میں ہو چکی تھی لیکن امام صاحب کے زمانے تک اسکی جو حالت تھی وہ تفصیل ذیل سے معلوم ہوگی۔

تصوف — امام قشیری اپنے مشہور رسالے میں لکھتے ہیں کہ آنحضرت کے بعد مسلمانوں کے صحابہ کے لقب کے سوا اور کوئی لقب ایجاد نہیں ہوا تھا کیونکہ شرف صحبت سے بڑھکر کوئی شرف نہیں ہو سکتا اتھا صحابہ کے بعد تابعین اور پھر تبع تابعین کا لقب پیدا ہوا یہ زمانہ تھا کہ جو چند تو بزرگان دین زاہد و عابد کے لقب سے ممتاز ہوئے لیکن زہد و عبادت کا دعویٰ ہر فرقہ کو یہانتک کہ اہل بدعت کو بھی تھا اسلئے جو لوگ خاص اہل سنت و جماعت میں سے زاہد اور اہل اللہ تھے وہ صوفی کہلائے۔ یہ لقب دوسری صدی ہجری کے ختم ہونے سے پہلے رواج پا چکا تھا صاحب کشف الظنون کا[۵۴]

۵۱ مضمون صفحہ ۲، ۵۲ مضمون صفحہ ۴، ۵۳ مضمون صفحہ ۲۸، ۵۴ رسالہ قشیریہ ذکر مشائخ طریقت

بیان ہو کہ سب سے پہلے صوفی کا لقب ابو ہاشم صوفی کو ملا جنھوں نے ۱۶۰ھ میں وفات پائی، امام صاحب موصوف نے ایک دوسرے موقع پر تصوف کی وجہ تسمیہ کی نسبت لکھا ہو کہ اس لفظ کے اشتقاق کے متعلق تین رائیں ہیں بعض کا قول ہو کہ صحابہ میں سے جو لوگ اہل صفہ کہلاتے تھے یہ اُن کی طرف نسبت ہو بعض کے نزدیک اس کا ماخذ صفا ہو بعض کے نزدیک صف لیکن قاعدہ اشتقاق کی رُو سے یہ تمام اقوال غلط ہیں یہ احتمال ہو سکتا تھا کہ صوف سے ماخوذ ہو جسکے معنی پشمینہ کے ہیں لیکن پشمینہ پوش ہونا اس فرقہ کی کوئی خصوصیت نہیں،

یہ تو لفظی بحث تھی تصوف کی حقیقت اور ماہیت میں بھی اختلاف ہو امام قشیری نے اپنے رسالہ میں مختلف اقوال نقل کیے ہیں

حضرت ذوالنون مصری	صوفی وہ لوگ ہیں جنہوں نے سب کچھ چھوڑ کر خدا کو لیا ہے۔
حضرت جنید بغدادی	جس کا جینا مرنا محض خدا پر ہو۔
ابوبکر جریری	تمام اخلاق حسنہ کا جامع اور تمام اخلاق ردیہ سے بری۔
منصور حلاج	جو شخص کہ اسکو کوئی پسند کرے۔ نہ وہ کسی کو پسند کرے۔
رویم	جو شخص اپنے آپ کو بالکل خدا کے ہاتھ میں دیدے۔

شیخ شہاب الدین سہروردی نے عوارف المعارف میں اسی قسم کے بہت سے اقوال نقل کرکے لکھا ہو کہ ان میں سے کوئی تعریف جامع و مانع نہیں بلکہ ہر بزرگ نے اپنے مذاق کی بنا پر تصوف کے مقامات میں سے کسی خاص مقام کی تعریف بیان کی ہو۔ اور بعض حضرات نے زہد و فقر تصوف، تینوں کو غلط ملط کر دیا ہے حالانکہ یہ تینوں الگ مختلف چیزیں ہیں۔ تصوف درحقیقت زہد و فقر اور اوصاف کے مجموعہ کا نام ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تصوف ابتدا میں صرف زہد و عبادت کا نام تھا۔ زہد جسقدر بڑھتا گیا روحانی اوصاف یعنی صبر، شکر، توکل، رضا، انس، محبت وغیرہ خود بخود پیدا ہوتے گئے، عبادت میں توجہ الی اللہ کا زور بڑھا تو مجاہدہ اور مجاہدہ سے کشف والہام اور بعض قسم کے خرق و عادات کا ظہور ہوا غرض رفتہ رفتہ تصوف بہت سی چیزوں کا مجموعہ بن گیا، لیکن یہ صاف طور سے طے نہ ہوا کہ انہیں سے تصوف کا اصلی حصہ کسقدر ہے۔ اسی بنا پر قدما میں سے ہر شخص نے تصوف کی نئی تعریف بیان کی یعنی مجموعہ میں سے صرف ایک حصہ تو لے لیا، امام غزالی سے پہلے تصوف میں سب سے زیادہ جامع اور علمی پیرائے میں جو کتاب لکھی گئی تھی وہ امام قشیری کا رسالہ تھا تاہم اس رسالہ میں صرف۔ ورع تقوی صبر و شکر وغیرہ کے عنوان قائم کئے ہیں اور ہر عنوان کے نیچے قرآن مجید کی آیتیں اور بزرگوں کی حکایتیں لکھدی ہیں کسی چیز کی حد اور حقیقت نہیں بیان کی اور مکاشفات اور روحانی ادراکات کا تو سرے سے ذکر ہی نہیں، امام غزالی پہلے شخص تھے جنہوں نے علمی حیثیت سے اس فن کو مرتب کیا۔ علامہ ابن خلدون مقدمۂ تاریخ میں لکھتے ہیں۔

وصنع الغزالی بیان الامرین فی الاحیاء کو [illegible]   امام غزالی نے احیاء العلوم میں دونوں طریقوں کو جمع کیا ہے چنانچہ ورع

الاحکام الورع والاقوال وشرح آداب القوم وسننهم وشرح اصطلاحاتهم فی عباداتهم وصار علم التصوف فی الملة علما مدونا بعد ان کان الطریقة عبادة فقط

اور تقویٰ کے احکام لکھنے کیساتھ ارباب حال کے آداب اور طریقے بتائے اور مصطلحات کی شرح کی جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ تصوف بھی ایک باقاعدہ علم بن گیا۔ حالانکہ پہلے اس کا طریقہ صرف عبادت کرنا تھا

تصوف کی حقیقت جو امام صاحب نے بیان کی اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ تصوف شریعت کی طرح دو چیزوں سے مرکب ہے علم و عمل لیکن یہ فرق ہے کہ شریعت میں علم کے بعد عمل پیدا ہوتا ہے تصوف میں بخلاف اس کے عمل کے بعد علم پیدا ہوتا ہے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے انسان کو اشیاء کا جو ادراک ہوتا ہے اس کا عام طریقہ یہ ہے کہ استنباط، استدلال تعلم و تعلیم سے حاصل ہوتا ہے لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ غور و فکر کے بغیر دفعۃً ایک شے کا ادراک ہو جاتا ہے اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کہاں سے ہوا اور کیونکر ہوا؟

اصطلاح تصوف میں اس کا نام الہام ہے۔

اس قسم کا ادراک صرف مجاہدہ اور تزکیہ نفس سے ہوتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے کہ انسان پہلے تمام تعلقات سے کنارہ کش ہو جیسے اہل و عیال، دوست احباب، جاہ و دولت کسی چیز سے دلبستگی باقی نہ رہے اس کے بعد ایک گوشہ میں بیٹھکر خدا کیطرف اس طرح متوجہ ہو کہ کسی کا مطلقاً خیال نہ آنے پائے اسکے ساتھ زبان سے اللہ اللہ کہتا جائے رفتہ رفتہ یہ مشق اس قدر بڑھے کہ زبان کو حرکت نہ ہو اور تصور میں زبان سے اللہ کا لفظ نکلتا جائے پھر یہ تصور بھی جاتا رہے کہ اللہ کا لفظ دل سے نکل رہا ہے یہ تصور اس حد تک پہونچ جائے کہ صرف صورت کا خیال جاتا رہے اور اللہ کا تصور دل میں اس طرح اثر کر جائے کہ کسی وقت جدا نہ ہونے پائے جب یہ حالت پیدا ہو جائیگی تو مکاشفہ شروع ہوگا ابتدا میں برق خاطف کی طرح نکل جائیگا پھر ترقی ہوتی جائیگی اور ثبات و دوام حاصل ہوگا۔[ا]

مکاشفہ سے ان تمام اشیاء کی حقیقت کھل جاتی ہے جنکا تصور محض تقلیدی اور اجمالی طور پر تھا مثلاً نبوت، وحی ملائکہ، شیطان، جنت، دوزخ، عذاب قبر، پل صراط، میزان، حساب۔ ان اشیاء کے متعلق مختلف رائیں ہیں بعض ان تمام چیزوں کو تمثیلات خیالی قرار دیتے ہیں بعض انکو بالکل ظاہری معنوں پر محمول کرتے ہیں لیکن جب مکاشفہ حاصل ہوتا ہے تو ان اشیاء کی جو کچھ حقیقت ہے وہ گویا آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔

(احیاء العلوم۔ جلد اول۔ بیان العلم الذی ہو فرض کفایۃ۔ ذکر علم مکاشفہ)

ظاہر بینوں کو یہاں یہ شبہہ پیدا ہوگا کہ انسان کو جو ادراک ہوتا ہے وہ صرف حواس کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ یہ ناممکن محض ہے کہ حواس معطل ہو جائیں اور دل کے ذریعہ سے ادراک ہو۔ دل اول تو محل ادراک نہیں اور ہو بھی تو اس کا ادراک انہی چیزوں پر متفرع ہوگا جو حواس خمسہ نے اُسکے سامنے پیش کی ہوں،

امام صاحب اس شبہہ سے بیخبر نہ تھے انھوں نے احیاء العلوم جلد دوم۔ دیباچہ بیان الفرق بین المقامین بمثال محسوس میں خود اس شبہہ کو ذکر کیا ہے لیکن اس شبہہ کا جواب قال نہیں بلکہ حال ہے، امام صاحب صرف یہ کہکر رہ گئے۔

[ا] احیاء العلوم جلد دوم بیان الفرق بین الالہام والتعلیم۔

فاعلم ان هذا من عجائب اسرار القلب — یہ اسرار قلب کے عجائبات ہیں جن کے ظاہر کرنے کی علم معاملہ
ولا یسمح بذکرہ فی علم المعاملة — میں اجازت نہیں۔

امام صاحب نے اسکو مثال پر سمجھایا ہے۔

ایک دفعہ روم وچین کے نقاشوں میں مقابلہ ہوا دونوں باہم اپنی فضیلت کے مدعی تھے بادشاہ وقت نے آمنے سامنے دو دیواریں دونوں گروہ کے لیے مقرر کردیں کہ ہر ایک اپنے حصے کی دیوار پر اپنی صنعت کاری کا نمونہ دکھائے بیچ میں پردہ ڈال دیا گیا تاکہ ایک دوسرے کی نقل نہ اتارنے پائے۔ چند روز کے بعد رومی مصوروں نے بادشاہ سے عرض کیا کہ ہم اپنے کام سے فارغ ہوچکے چینیوں نے کہا ہم بھی فارغ ہوچکے۔ پردہ اٹھایا گیا تو دونوں میں سرمو فرق نہ تھا معلوم ہوا کہ رومیوں نے بجائے نقاشی کے صرف یہ کیا تھا کہ دیوار کو صیقل کرکے آئینہ بنا دیا تھا پردہ اٹھا تو سامنے کی دیوار کے تمام نقش اس میں اتر آئے۔

امام صاحب اس مثال کو نقل کرکے لکھتے ہیں کہ صوفیہ کے علوم کی یہی مثال ہے وہ قلب کو اسقدر صاف اور مجلا کردیتے ہیں کہ تمام معلومات خود اس میں منعکس ہوجاتے ہیں۔

رومیان آن صوفیانند اے پسر — بے تکرار کتاب۔ و نز ہنر
لیک صیقل کردہ اند آن سینہا — پاک ز آز و حرص و بخل و کینہا
آن صفائے آئینہ۔ وصف دل است — صورت بے منتہا را قابل است
صورت بے صورت بیحد و غیب — ز آئینہ دل تافت بر موسی ز جیب
عقل اینجا ساکت آید یا مضل — زانکہ دل یا اوست، یا خود اوست دل
عکس ہر نقشے نتابد تا ابد — جز بہ دل ہم بے عدد ہم با عدد
تا ابد۔ نو نو صور کاید برو — مے نماید بے حجابی اندرو
اہل صیقل رستہ اند از بوی و رنگ — ہر دمے بینند خوبی بے درنگ
نقش و قشر علم را بگذاشتند — رایت عین الیقین افراشتند
برتر اند از عرش و کرسی و خلا — ساکنان مقعد صدق خدا

اگرچہ ظاہر پرستوں کو اس مثال سے بھی تسلی نہ ہوگی لیکن یہ مسئلہ کہ حواس ظاہری کے سوا ادراک کا کوئی اور ذریعہ بھی ہے بہت قدیم زمانے سے ایک بڑا گروہ مانتا آتا ہے۔ حکمائے اشراق جنکا سرخیل افلاطون تھا عموماً اس مسئلے کے قائل تھے اور اسی بنا پر وہ اور فرقوں سے ممتاز تھے یورپ سے بڑھکر کون مادہ پرست ہوسکتا ہے تاہم وہاں بھی ایک گروہ موجود ہے جو روحانی ادراک کا قائل ہے اور اسپرچولسٹ یعنی روحانی کے لقب سے مشہور ہے۔

اس بنا پر یہ خیال کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے اسکا تجربہ نہیں ہوا لیکن یہ
اسکے ثبوت پر موقوف نہیں۔ ہر باب حال سے پہلے ہی لکھ دیا ہے اس میں بار وہ ندانی بخدا تاثیر تھی۔

بہرحال تصوف کی بہ بے اس قسم کا ادراک ہو سکتا ہے اور ہوتا ہے لیکن چونکہ تصفیہ قلب کیلئے انسان کا اخلاق
رذیلہ سے بری ہونا ضروری ہے اسلئے پہلے ابتدا رذائل سے ہوتی ہے اخلاق کا یہ حال ہے کہ ظاہری اور موٹی صورتوں
میں تو ہر شخص انکو سمجھ سکتا ہے لیکن دقائق اخلاق کا سمجھنا نہایت مشکل ہے یہی وجہ ہے کہ ہزاروں لاکھوں آدمی عالم
ہیں متقی ہیں لیکن سمجھانے پر بھی نہیں سمجھتے کہ ان میں یہ مادہ ہے جانتے ہیں۔ امام غزالی سے پہلے جو کتابیں
تصوف میں لکھی گئی تھیں مثلاً قوت القلوب رسالہ قشیریہ وغیرہ سب میں ان مسائل کا ذکر ہے لیکن صرف نام لکھدیئے
ہیں انکی حد و حقیقت نہیں بیان کی جس سے ان کی اشتباہ بلکہ اور مبہم صورتیں خیال میں آجائیں امام صاحب نے
احیاء العلوم میں ایک ایک پر مستقل عنوان قائم کیا ہے اور اس توضیح و دقیقہ رسی اور نکتہ سنجی سے انکی حقیقت بیان کی ہے
کہ آجتک اُسپر اضافہ نہو سکا اسی بنا پر علامہ ابن خلدون نے لکھا ہے کہ امام صاحب نے تصوف کو فن بنا دیا۔

مجاہدہ و ریاضت میں قلب پر بہت سے حالات اور کیفیتیں طاری ہوتی ہیں اُنکے سینکڑوں انواع اور مدارج
ہیں اور جسقدر فن تصوف کو ترقی ہوتی گئی ہے ان گوناگوں کیفیتوں کیلئے خاص خاص اصطلاحیں قائم ہوتی گئی ہیں
امام قشیری کے زمانے تک جو اصطلاحات قائم ہو چکی تھیں اُنکے نام یہ ہیں۔ وقت۔ مقام۔ حال۔ قبض و بسط۔ ہیبۃ۔
انس۔ تواجد۔ وجد۔ فرق۔ جمع الجمع۔ فنا و بقا۔ غیبت و حضور۔ صحو و سکر۔ ذوق و شرب۔ محو و اثبات۔ ستر و تجلی۔ محاضرہ و مکاشفہ
لوائح طوالع۔ لوامع۔ بوادہ و ہجوم۔ تلوین و تمکین۔ قرب و بعد۔ خواطر۔ علم الیقین۔ حق الیقین۔ عین الیقین۔ لطیفہ۔ وغیرہ۔

امام غزالی نے اپنے رسالہ الاملاء عن اشکالات الاحیاء میں ان سب اصطلاحات کے علاوہ یہ اصطلاحات اور اضافہ کیئے۔
سیر۔ سالک۔ مکان۔ شطح۔ ذہاب۔ توحید۔ وصل۔ ادب۔ تخلی۔ حالت۔ حال مترسم۔ غیرت۔ تربیت۔ فتح۔ وہم۔ رسم۔
زوائد۔ ارادہ۔ ہمت۔ غربت۔ مکر۔ اصطلام۔ غیبت۔ وجد۔

امام صاحب نے ان مصطلحات کی تشریح بھی کی ہے کسی کو شوق ہو تو اصل کتاب کی طرف رجوع کرے۔

تصوف اگرچہ (جیسا کہ بیان ہوا) درحقیقت صرف ایک قسم کا علم ہے یعنی علم باطن لیکن اسکے نتائج عجیب و غریب
ہیں جو مقامات سے تعبیر کیے جاتے ہیں۔ مثلاً خدا کا ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا چونکہ عقائد اسلام میں داخل ہے عالم و جاہل عام و خاص
سب اسپر اعتقاد رکھتے ہیں لیکن عام لوگوں کو چونکہ اس مسئلے کا علم تقلیدیا استدلال سے ہوتا ہے اسلیئے اس کو کوئی خاص
حالت نہیں پیدا ہوتی اور افعال و اعمال پر اسکا چنداں اثر نہیں بخلاف اسکے تصوف میں اس مسئلے کا علم مشاہدہ اور
کشف کی حیثیت سے ہوتا ہے یعنی صوفی کو درحقیقت چاروں طرف خدا ہی خدا نظر آتا ہے جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اسپر خضوع خشوع
ہیبت خوف ادب انقیاد کی وہ کیفیت طاری ہوتی ہے جو کسی طرح علم ظاہری سے نہیں پیدا ہو سکتی۔

یا مثلاً خدا کا رزاق ہونا سب مانتے ہیں لیکن طلب معاش میں ان لوگوں کو جو حیرانی ہوتی ہے اس سے اعتقاد کا پتہ بھی نہیں لگتا بخلاف اسکے صوفیہ میں سے جو لوگ اس مقام تک پہونچتے ہیں انکو وہ اطمینان و سکون ہوتا ہے کہ اگر وہ ایک بیابان اور سنسان جنگل میں پہونچ جائیں جہاں سینکڑوں کوس تک آب و دانہ کا پتہ نہو تب بھی کھانے پینے کی ذرا فکر نہ ہوگی۔

اسیطرح صبر و شکر توکل رضا۔ قناعت تواضع وغیرہ کی حقیقی کیفیت صوفی پر طاری ہوتی ہے اور بلحاظ حال کے صوفیہ کے مدارج میں اختلاف ہوتا ہے یعنی ہر شخص اپنے مذاق کے موافق کوئی خاص مقام اختیار کر لیتا ہے اور اسمیں ترقی کرتا ہے مثلاً کسی پر توکل کی کیفیت طاری ہے کوئی حُب کے مقام میں ہے کوئی محو کے عالم میں ہے کسی پر اثبات کا غلبہ ہے وغیرہ وغیرہ۔

اس بحث کے خاتمہ میں یہ راز بھی ظاہر کر دینا ضرور ہے کہ تصوف کا لفظ اصل میں یونانی تھا اور اسکا مادہ سوف تھا جسکے معنی یونانی زبان میں حکمت کے ہیں دوسری صدی ہجری میں جب یونانی کتابوں کا ترجمہ ہوا تو یہ لفظ عربی زبان میں آیا اور چونکہ حضرت صوفیہ میں اشراقی حکما کا انداز پایا جاتا تھا اسلئے لوگوں نے انکو صوفی یعنی حکیم کہنا شروع کیا رفتہ رفتہ سوفی سے صوفی ہو گیا یہ تحقیق علامہ ابو ریحان بیرونی نے کتاب الہند میں لکھی ہے صاحب کشف الظنون کی عبارت سے بھی اسکا اشارہ نکلتا ہے چنانچہ تصوف کے عنوان میں لکھتے ہیں۔

واعلم ان الاشراقیین من الحکماء الالٰہیین کالصوفیین فی المشرب والاصطلاح ولا یبعد ان یحمل ہذا الاصطلاح من اصطلاحہم

حکمائے اشراقیہ مشرب اور اصطلاح میں صوفیہ کے مشابہ تھے۔ اور اگر یہ اصطلاح انکی اصطلاح سے ماخوذ ہو تو کچھ بعید نہیں۔

مُجدّدیت

ازاں کہ پیروی خلق گمرہی آرد ‌‌ ‌ نمی رویم براہے کہ کارواں رفتہ است

انسان کتنا ہی بڑا عاقل عالم۔ تجربہ کار۔ دقیق النظر۔ آزاد طبع ہو لیکن خاندانی روایتیں قومی خیالات معاصرین کی صحبت گرد و پیش کے حالات ایسی چیزیں ہیں کہ عموماً انسان انہی چیزوں کے قالب میں ڈھلتا ہے بلکہ سچ یہ ہے کہ بلحاظ اغلب انسان کے تمام معتقدات و خیالات اور ارادات انہی اسباب کے لازمی نتائج ہیں لیکن کبھی کبھی لاکھوں بلکہ کروڑوں میں ایک آدھ ایسا جوہر قابل بھی نکل آتا ہے جو ان تمام چیزوں میں سے کسی سے متاثر نہیں ہوتا بلکہ خود ان چیزوں کو درہم برہم کر کے ایک نیا عالم پیدا کر دیتا ہے۔ یہی شخص مجدد مصلح۔ اور ریفارمر ہوتا ہے

امام صاحب جس زمانہ میں پیدا ہوئے تقلید کا عام تسلط ہو چکا تھا اگرچہ اسوقت بہت سے فرقے موجود تھے جنکے اصول عقائد باہم مختلف تھے۔ مثلاً معتزلہ۔ باطنیہ۔ اشعریہ۔ ماتریدیہ۔ حنبلیہ۔ اسیطرح فروعی اختلافات کے لحاظ سے بھی بہت سے مختلف فرقے موجود تھے مثلاً ظاہریہ۔ حنفیہ۔ شافعیہ۔ مالکیہ۔ لیکن ہر فرقہ اور ہر گروہ میں تقلید کا نشہ عام طور پر سرایت کر گیا تھا۔ بڑے بڑے محدثین مثلاً دار قطنی بیہقی وغیرہ جنکی واقفیت حدیث اور کثرت روایت بلا تکلف ائمہ مجتہدین سے کم نہ تھی اور جو شب و روز حدیث میں مشغول رہتے تھے اور ایک ایک حدیث پر تحقیقات و تدقیقات کا انبار لگا دیتے تھے صرف اس وجہ سے کہ شافعی طریقے میں تربیت پا چکے تھے ایک مسئلے میں بھی امام شافعی کی رائے سے مخالفت نہیں کر سکتے تھے

یہ حالت صرف نقلی علوم تک محدود نہ تھی بلکہ علوم عقلیہ کی بھی یہی حالت تھی ابن سینا اور فارابی جو خود ارسطو اور افلاطون کی ہمسری کا دعوی کر سکتے تھے یونانیوں کے ہر قسم کے مزخرفات کو یقینی اور قطعی سمجھتے تھے یونانی آسمانوں کو جاندار اور ذی روح سمجھتے تھے اور ان کی حرکت کو حرکت ارادی سے تعبیر کرتے تھے بوعلی سینا نے بھی اپنی تمام تصانیف میں اسی بیہودہ خیال کی تائید کی اسطرح کے اور سیکڑوں غلط مسائل تھے جنکے متعلق کسی کو کبھی چون و چرا کا خیال تک نہیں آتا تھا۔

مذہبی فرقوں کا شمار اگرچہ بیسیوں سے متجاوز تھا لیکن بلحاظ اغلب تمام اسلامی دنیا تین فرقوں میں منقسم تھی، اشاعرہ۔ حنبلیہ باطنیہ یہ فرقے باہم سخت مخالفت رکھتے تھے اور ایک دوسرے کو گمراہ او مرتد سمجھتے تھے۔ اشاعرہ اور حنبلیہ اگرچہ دونوں اہل سنت و جماعت سے تھے تاہم انمیں بھی ہمیشہ مذہبی لڑائیاں ہوتی تھیں ۴۶۹ھ میں جب شریف ابو القاسم جو بہت بڑے مشہور واعظ تھے اور نظام الملک نے انکو بڑی عزت کیساتھ نظامیہ بغداد کا واعظ مقرر کیا تھا بغداد میں آئے تو منبر پر علانیہ حنابلہ کی شان میں کہا کہ امام احمد کافر نہ تھے لیکن انکے پیرو کار کافر ہیں اسپر اکتفا نہ کر کے قاضی القضاۃ کے گھر پر جا کر اسی قسم کی باتیں کہیں جسپر سخت ہنگامہ ہوا طرہ یہ کہ اس کارروائی کے صلہ میں دربار کی طرف سے انکو علم السنۃ کا خطاب ملا چنانچہ علامہ ابن اثیر نے ان واقعات کو اپنی تاریخ میں مفصل لکھا ہے الپ ارسلان سلجوقی کے زمانے میں شیعوں اور اشعریوں پر مدت تک مساجد میں سر منبر لعنت پڑھی جاتی تھی[۱] نظام الملک نے اشاعرہ کی لعنت موقوف کرادی لیکن شیعہ بیچارے اسی طرح ہدف لعن رہے۔

امام ابو القاسم قشیری کے فرزند ابو نصر عبد الرحیم بہت بڑے مشہور واعظ تھے علامہ ابو اسحاق شیرازی انکے وعظ میں شریک ہوتے تھے اور علماء بغداد کا اتفاق تھا کہ ہمنے اس رتبہ کا شخص نہیں دیکھا وہ اپنے وعظوں میں ہمیشہ حنابلہ کو برا بھلا کہتے تھے یہانتک کہ سخت خونریزی ہوئی اور بہت سے لوگ جان سے مارے گئے[۲]۔

ان فرقوں نے بڑھتے بڑھتے حکومت و سلطنت پر قبضہ کر لیا تھا۔ اندلس میں جیسا کہ ابن خلدون نے تصریح کی ہے اعتقادات کے لحاظ سے حنبلیہ مذہب سلطنت کا مذہب تھا چنانچہ خلفائے ملثمین جو اس زمانے میں حکمراں تھے یہی مذہب رکھتے تھے باطنیہ نے مصر پر قبضہ کیا تھا اور اشعری مذہب تمام خراسان و عراق کا شاہی مذہب بن گیا تھا حکومت کے رعب نے تقلید کو اور زیادہ قوت ہو گئی تھی اور کوئی شخص مخالفت کی جرأت نہیں کر سکتا تھا اشاعرہ کی عملداری میں دوسرے فرقوں کے لوگ اگرچہ ناپید نہیں ہو گئے تھے لیکن نہایت گمنامی اور زاویہ نشینی کی حالت میں زندگی بسر کرتے تھے علامہ ابن اثیر نے ۴۷۸ھ کے واقعات میں لکھا ہے کہ اس سال محمد بن احمد نے قضا کی جو اگرچہ معتزلی تھا اور معتزلی ہونے کی وجہ سے پورے پچاس برس تک اپنے گھر سے باہر نہیں نکلا امام ابو الحسن اشعری نے جو مجموعہ عقائد تیار کیا تھا اس سے یک سرمو بھی انحراف کرنا جرم خیال کیا جاتا تھا علامہ ابن سبکی نے طبقات شافعیہ امام غزالی کے حال میں لکھا ہے ہؤلاء القوم اعنی الاشاعرۃ لا سیما المغاربۃ منہم یستعظمون ھذا الصنع ولا یرون مخالفۃ ابی الحسن فی نقیرہ ولا قطمیرہ خود امام غزالی تفرقہ بین الاسلام والزندقہ میں جو علوم کے مخالفین ہو سکتے

اعتقادات کے لحاظ سے اسلامی ممالک کی تقسیم

[۱] ابن خلکان تذکرہ عمید کندری [۲] ابن خلکان ذکر عبد الکریم ابو القاسم قشیری ۱۲

ہدایت الاسلام

جس میں

ایمان۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ کے متعلق روزمرہ کے
ضروری مسائل تحقیق کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔

حسب فرمایش

ایس ریاض الدین تاجر کتب شہر آگرہ

الیکٹرک ابوالعلائی پریس آگرہ میں چھاپا گیا

ہر قسم کی کتابیں۔ الیس غفور بخش خواجہ بخش تاجران کتب و مالک الیکٹرک ابو العلائی پریس آگرہ سے منگا۔

فتبارک اللہ احسن الخالقین

الحمد للہ والمنت کہ دریں ایام فرخندہ فرجام کتاب لاجواب انتساب الموسوم بہ

ہدایۃ الاسلام

حسب فرمائش۔ الیس ریاض الدین تاجر کتب کسیرٹ بازار آگرہ

الیکٹرک ابو العلائی پریس آگرہ میں چھپی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حمد اُس خدا کی ہے جسنے ہمیں ظلمت کفر سے نکالا اور ہمارے دلونکو نور ایمان سے
روشن کیا اور درود اُس نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہو جو کہ جسکے سبب ہمنے
کتاب آسمانی پائی اور اُسکی ہدایت سے ہمیں شاہراہ اسلام کی نظر آئی اُسنے ہمیں
احکام شرعی بتائے اور طریقے روزے نماز کے سکھائے اور اُسکے آل و اصحاب جو
بے شبہ وسے سب دین کے ہیں اصول اور خدا کی درگاہ پاک میں مقبول ہیں پس ہمکو
لازم ہے کہ دین محمدی پر یقین لاویں اور حضور قلب سے خدا کی بندگی میں حاضر
رہیں لیکن احکام شرعی جو مدار عبادت کے ہیں زبان عربی میں ہیں اگرچہ تلفظ
اُن کا اسی زبان سے صحت ادا کا ظہور نہیں کرتا ہی پر اگر اُنکے معنی کی سمجھیں تو وہ نور
علی نور ہے اسواسطے عاصی آمانت اللہ نے واسطے فائدے عوام اہل اسلام
کے اِس رسالہ عقائد و مسائل ضروریہ اہل اسلام کو مختصر وقایہ و کنز الدقائق و
جوہر اللطیف سے انتخاب کرکے ترتیب دیا اور عبارت عربی کے نیچے اُسکا ترجمہ کیا

نام اسکا ہدایت الاسلام رکھا اگر اسے دیکھو اور سوچو اور اسپر عمل کرو تو البتہ جناب باریتعالی سے ہم فلاح اور امید بہبودی کی ہے چنانچہ خدا تعالی نے فرمایا ہے وَاِنْ تُطِيعُوا وَتَتَّقُوا فَاِنَّ اللهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ یعنی اگر نیکی کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو تو بیشبہہ خدا بخشنے والا مہربان ہے مثنوی

اوّل صدق نیت سے اے متقی — عبادت تو کر اپنے معبود کی
معانی کو لفظوں سے پہچان کر — پھر اخلاص سے دلیں تو دھیان کر
ادا جو کرے اُسکے ارکان کو — بڑھاویگا خالق تری شان کو
اور ابرِ کرم سے کرے سبز تر — ترے نخلِ امید کا برگ و بر
غرض دین و دنیا ہو حاصل تجھے — دو جگ میں ترا بول بالا رہے
نصیحت یہ کی ہیں سخن کان سے — بندھا رکھیو یہ حرز تو جان سے
دعا سے نہ بھول اِس گنہگار کو — کبھی دلمیں تیرے جو یاد آوے وہ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ الْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ کلمۂ پاک نہیں کوئی معبود سواے خدا کے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کا بھیجا ہوا ہے کَلِمَةُ الشَّهَادَةِ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ کلمۂ شہادت میں گواہی دیتا ہوں کہ نہیں کوئی معبود سوا خدا کے جس حال میں کہ وہ ایک ہے کوئی اوس کا شریک نہیں اور گواہی دیتا ہوں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُس کا بندہ اور بھیجا ہوا اسکا ہے کَلِمَةُ التَّوْحِيْدِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَاحِدًا لَّا ثَانِيَ لَكَ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ اِمَامُ الْمُتَّقِيْنَ رَسُوْلُ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ کلمۂ توحید نہیں کوئی معبود مگر ایک تو ہی ہے تیرا ثانی کوئی نہیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کا بھیجا ہوا خدا ترسوں کا پیشوا رسول پروردگار عالم کا ہے کَلِمَةُ الرَّدِّ الْكُفْرِ؟ لَا اِلٰهَ اِلَّا ...

تُوتِہْدِی اللّٰہُ بِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَاءُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اِمَامُ الْمُرْسَلِیْنَ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ
کلمۂ تمجید تیرے سوا کوئی معبود نہیں جس حال میں کہ تو نور ہے اللہ جسے چاہے اپنے
نور کی طرف ہدایت کرے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھیجا ہوا اللہ کا پیشوا رسولوں کا
خاتم انبیا ہے **ایمان مجمل** اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ کَمَا ھُوَ بِاَسْمَآئِہٖ وَصِفَاتِہٖ وَقَبِلْتُ جَمِیْعَ
اَحْکَامِہٖ خدا پر میں ایمان لایا جس طرح وہ اپنے اسموں اور صفتوں سمیت ہے اور اُس کے
تمام حکموں اور سب رکنوں کو میں نے قبول کیا **ایمان مفصل** اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ
وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی
وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ ایمان لایا میں خدا اور اُس کے فرشتوں پر اور اوس کی
کتابوں پر اور پیغمبروں پر اور آخرت کے دن پر اور اُس کی تقدیر پر خواہ وہ نیک
ہو خواہ بد خدا سے تعلق ہی سے ہے اور مرنیکے بعد اُٹھنے پر **کلمۂ ردکفر** اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ
اَعُوْذُ بِکَ مِنْ اَنْ اُشْرِکَ بِکَ شَیْئًا وَّاَنَا اَعْلَمُ بِہٖ وَاَسْتَغْفِرُکَ لِمَا لَآ اَعْلَمُ
بِہٖ تُبْتُ عَنْہُ وَاٰمَنْتُ وَاَقُوْلُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اے
پروردگار بے شبہہ میں تجھ سے پناہ چاہتا ہوں کہ کسی چیز کو تیرا شریک ٹھہراؤں
اور جس گناہ کو کہ میں جانتا ہوں اور جسے نہیں جانتا ہوں اُس کی معافی تجھ سے
چاہتا ہوں اور میں نے اُس سے توبہ کی اور میں ایمان لایا اور کہتا ہوں کہ اللہ
کے سوا اور کوئی معبود نہیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھیجے ہوئے خدا کے ہیں
نیت وضو کی نَوَیْتُ اَنْ اَتَوَضَّأَ لِرَفْعِ الْحَدَثِ وَاسْتِبَا
حَۃِ الصَّلٰوۃِ تَقَرُّبًا اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی بِسْمِ اللّٰہِ الْعَلِیِّ
الْعَظِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی دِیْنِ الْاِسْلَامِ اَلْاِسْلَامُ حَقٌّ

والنقص باطل کی نیت کی میں نے وضو کی واسطے رفع حدث اور درستی نماز کے اور
خدا کی طرف نزدیکی ڈھونڈھنے کیواسطے خدا اسے بزرگ برتر کے نام سے وضو کرتا ہوں
شکر خدا کا ہے کہ مجھے دین اسلام میں داخل کیا اسلام سچ ہے اور کفر جھوٹا ہے
دعا مسواک کرنیکی اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ تَسْوِیْکِیْ ھٰذَا مُمَحِّصًا لِذُنُوْبِیْ
وَمَرْضَاۃً لَکَ یَاسَیِّدِیْ وَبَیِّضْ بِہٖ وَجْھِیْ کَمَا بَیَّضْتَ بِہٖ اَسْنَانِیْ
اسے پروردگار میرے اس مسواک کرنے سے میرے گناہوں کو مٹادے اور
مجھ سے خوش رہیو اسے مالک میرے اور میرے چہرے کو اُس سے اُجالا کر
جیسا تو نے اُس سے میرے دانتوں کو اُجالا کیا دعا وقت کلی کرنے کے
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی تِلَاوَۃِ کِتَابِکَ وَکَثْرَۃِ
ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ اسے پروردگار محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کے اوپر اور آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوپر درود بھیج بار الٰہ تو مجھے
توفیق اسکی دے کہ تیری کتاب پڑہوں اور مجھے بہت یاد کروں اور تیری شکرگذاری
اور اچھی بندگی تیری کردن دعا ناک میں پانی ڈالنے کے وقت کی
اَللّٰھُمَّ لَا تُحَرِّمْنِیْ بِرَائِحَۃِ الْجَنَّۃِ وَاَنْتَ عَنِّیْ رَاضٍ اسے پروردگار بہشت کی خوشبو
سے مجھے خوشبودار کر جس حال میں کہ مجھ سے راضی ہے دعا منہ دھونیکے وقت
کی اَللّٰھُمَّ بَیِّضْ وَجْھِیْ بِنُوْرِکَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ یَوْمَ تَبْیَضُّ وُجُوْہُ
اَوْلِیَائِکَ وَلَا تُسَوِّدْ وَجْھِیْ یَوْمَ تَسْوَدُّ وُجُوْہُ اَعْدَائِکَ یا پروردگار جس دن
تیرے دوستوں کے منھ روشن ہونگے اُس دن میرے منھ کو اپنے نور کی
شان سے دنیا اور عاقبت میں روشن کر اور میرا منھ کالا نہ کر اُس دن کہ جب

داہنے ہاتھ دھونے کے وقت دعا ہو تیرے دشمنوں کے منہ سیاہ
اَللّٰهُمَّ اٰتِنِیْ کِتَابِیْ بِیَمِیْنِیْ وَحَاسِبْنِیْ حِسَابًا یَّسِیْرًا یا پروردگار میرے
اعمال کو میرے داہنے ہاتھ میں دیجیو اور حساب میرا آسانی سے لیجیو دعا بائیں ہاتھ
کے دھونے کیوقت کی اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ اَنْ تُعْطِیَنِیْ کِتَابِیْ بِشِمَالِیْ
اَوْ مِنْ وَّرَآءِ ظَهْرِیْ اے پروردگار تحقیق میں تجھ سے پناہ چاہتا ہوں اس بات
سے کہ میرے نامۂ اعمال کو میرے بائیں ہاتھ میں یا پیٹھ کی طرف سے میرے
تئیں دے دعا مسح سر کیوقت کی اَللّٰهُمَّ غَشِّنِیْ بِرَحْمَتِكَ وَجَنِّبْنِیْ مِنْ
عَذَابِكَ وَاَنْزِلْ عَلَیَّ بَرَكَاتِكَ وَظِلَّنِیْ تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِكَ یا پروردگار اپنی
مہربانی سے مجکو ڈھانک لے اور میرے تئیں اپنے عذاب سے بچا اور میرے
اوپر اپنی برکتوں کو نازل کر اور عرش کے سایہ کے نیچے مجھے جگہ دے دعا کانوں کے
مسح کرنیکے وقت اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ
اَحْسَنَهٗ اَللّٰهُمَّ اَسْمِعْنِیْ نِدَآءَ مُنَادِی الْجَنَّةِ مَعَ الْاَبْرَارِ یا پروردگار مجھے
اُن میں داخل کر جو بات سُنتے ہیں پس اُسکی اچھی پیروی کرتے ہیں یا اللہ
نیکوں کے ساتھ بہشت کی منادی کی آواز مجھے سُنا دعا مسح گردن کے
وقت اَللّٰهُمَّ اَعْتِقْ رَقَبَتِیْ مِنَ النَّارِ وَاَعُوْذُبِكَ السَّلَاسِلَ وَالْاَغْلَالَ
یا پروردگار میری گردن دوزخ کے عذاب سے چھڑا اور میں تجھ سے زنجیروں اور
طوقوں سے پناہ چاہتا ہوں دعا وقت دھونے داہنے پاؤں کے
اَللّٰهُمَّ ثَبِّتْ قَدَمِیْ وَقَدَمَ وَالِدَیَّ عَلَی الصِّرَاطِ یَوْمَ تَزِلُّ الْاَقْدَامُ الْمُؤْمِنِیْنَ
پروردگار میرے پاؤں اور میرے ماں باپ کے پاؤں کو مومنوں

سے کے پاؤں کیساتھ پل صراط کے اوپر ثابت رکھیو دعا وقت دھونے
بائیں پاؤں کے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ اَنْ تَزِلَّ قَدَمِیْ عَلَی الصِّرَاطِ یَوْمَ
تَزِلُّ اَقْدَامُ الْمُنَافِقِیْنَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ سَعْیِیْ مَشْكُوْرًا یا پروردگار تحقیق میں
تجھ سے پناہ چاہتا ہوں اسکی کہ میرے پاؤں کو پل صراط کے اوپر ڈگاوے اُس
روز جس دن تو ڈگاوے منافقوں کے پاؤں کو یا بار الٰہ میری سعی کو تو قابل شکر
کے کر الفراغ عَنِ الْوُضُوْءِ یَقُوْمُ وَیَشْرَبُ بِجُرْعَةٍ مِنْ بَقِیَّةِ مَاءِ الْوُضُوْءِ وَیَقُوْلُ
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ
اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ سُبْحَانَكَ
اَللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ عَمِلْتُ
سُوْٓءًا وَّظَلَمْتُ نَفْسِیْ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَیْكَ فَاغْفِرْلِیْ وَتُبْ
اِلَیْكَ فَتُبْ عَلَیَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ
وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنْ عِبَادِكَ الصَّالِحِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ صَبُوْرًا
شَكُوْرًا وَّاجْعَلْنِیْ اَنْ اَذْكُرَكَ ذِكْرًا كَثِیْرًا وَّاُسَبِّحَكَ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا اَللّٰهُمَّ
اِنِّیْ اَسْئَلُكَ تَمَامَ الْوُضُوْءِ وَتَمَامَ الصَّلٰوةِ وَتَمَامَ الْمَغْفِرَةِ وَتَمَامَ
عَافِیَتِكَ وَرِضْوَانِكَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ ۔ جب وضو کر چکے تو کھڑا ہو کر
بچے ہوئے پانی سے تھوڑا پیوے اور کہے حمد ہے اُس خدا کی
کہ جس نے آسمانوں کو بغیر ستون کے پیدا کیا کہ تم انھیں دیکھتے ہو اور میں
گواہی دیتا ہوں کہ نہیں کوئی معبود مگر اللہ جس حال میں کہ وہ ایک ہے اسکا کوئی شریک
نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ بے شبہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بندہ

آپ کا اور رسول تیرا ہے یا پروردگار میں تیری تسبیح پڑھتا ہوں اور تیری حمد کے
ساتھ گواہی دیتا ہوں کہ نہیں کوئی معبود مگر تو ہی ہے تیرا شریک کوئی نہیں میں نے
برا کیا ہے اور اپنے اوپر ستم کیا اب میں تجھ سے آمرزش چاہتا ہوں اور تیری طرف
رجوع کرتا ہوں پس میری آمرزش کر اور میرے اوپر رحم کر بے شبہ تو ہی ہے
توبہ قبول کرنے والا مہربان یا بار الٰہ میرے تئیں توبہ کرنے والوں میں سے
کر اور میرے تئیں پاک بازوں میں سے کر اور مجھے اپنے بندوں میں
داخل کر اور میرے تئیں صبر کرنے والا اور شکر کرنے والا کر اور مجھے ایسا کر
کہ میں تیری یاد بہت کروں اور تیری تسبیح پڑھوں صبح اور شام یا پروردگار
تحقیق میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ وضو میرا پورا ہووے اور نماز
میری تمام اور تو میری مغفرت پوری کرے اور سب طرح سے تندرستی مجھے
بخشے اور میں تیری پوری رضامندی چاہتا ہوں اے بخشنے والوں سے
بڑا بخشنے والا **دعا وقت کنگھی کرنے کے بھوؤں میں** اَللّٰھُمَّ زَیِّنِّیْ
بِزِیْنَۃِ اَھْلِ التَّقْوٰی اَللّٰھُمَّ اَسْئَلُکَ تَعْجِیْلَ عَافِیَتِیْ وَصَبْرًا عَلٰی
بَلِیَّتِکَ وَخُرُوْجًا مِّنَ الدُّنْیَا اِلٰی رَحْمَتِکَ یا پروردگار اہل تقوی کی زینت
سے مجھے زینت دے یا بار الٰہ تجھ سے میں سوال کرتا ہوں کہ تو اپنے
فضل سے جلد تندرستی عطا کرے اور اپنی آزمائش کے اوپر مجھے صبور کرے
اور دنیا سے تیری رحمت کے ساتھ جاؤں بعد کنگھی کرنے کے پڑھے
اَللّٰھُمَّ عَافِنَا مِنْ کُلِّ بَلَاءِ الدُّنْیَا وَعَذَابِ الْاٰخِرَۃِ یا پروردگار دنیا
کی ہر ایک بلا سے اور عاقبت کے عذاب سے میرے تئیں بچا **دعا**

داڑھی میں کنگھی کرتے کیوقت اَللّٰھُمَّ فَرِّجْ عَنَّا الْھُمُوْمَ وَالْغُمُوْمَ وَ وَسَاوِسَ الشَّیْطَانِ سُبْحَانَ مَنْ زَیَّنَ الرِّجَالَ بِاللِّحٰی وَالنِّسَاءَ بِالذَّوَائِبِ یا پروردگار غم واندوہ سے ہمیں نجات دے اور وسوسہ شیطانی کو ہم سے دور کر ہم اوسکی تسبیح پڑھتے ہیں کہ مردوں کو ڈاڑھی سے زینت دی اور عورتوں کو چوٹیوں سے

نیت نماز تحیۃ الوضو کی نَوَیْتُ اَنْ اُؤَدِّیَ لِلّٰہِ تَعَالٰی رَکْعَتَیْ صَلٰوۃِ تَحِیَّۃِ الْوُضُوْءِ مُتَوَجِّھًا اِلٰی جِھَۃِ الْکَعْبَۃِ الشَّرِیْفَۃِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ نیت کی میں نے کہ دو رکعت نماز تحیۃ الوضو کی کعبہ شریف کی طرف متوجہ ہوکر خدائے تعالیٰ کے واسطے ادا کروں اللہ اکبر

پہلی رکعت میں بعد سورہ فاتحہ کے پڑھے وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَھُمْ جَآءُوْکَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰہَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا اور اگر تحقیق وہ اپنے اوپر ستم کریں اور تیرے پاس آویں اے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پس خدا سے آمرزش چاہیں اور رسول انکی معافی چاہے تو بے شبہ وہ خدا کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پاویں

دوسری رکعت میں بعد فاتحہ کے پڑھے وَمَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ یَظْلِمْ نَفْسَہٗ ثُمَّ یَسْتَغْفِرِ اللّٰہَ یَجِدِ اللّٰہَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا اور جو بد کام کرے یا اپنے اوپر ظلم کرے پھر خدا سے معافی چاہے تو خدا کو وہ بخشنے والا مہربان پاوے

موذن پہلے اذان سے یہ دعا پڑھے اَللّٰھُمَّ اٰتِ نَفْسِیْ تَقْوٰھَا وَزَکِّھَا اَنْتَ خَیْرُ مَنْ زَکّٰھَا اَنْتَ وَلِیُّھَا وَمَوْلٰھَا اَللّٰھُمَّ اَنْتَ کَمَا اُحِبُّ فَاجْعَلْنِیْ لَکَ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ سَرِیْرَتِیْ خَیْرًا مِّنْ عَلَانِیَتِیْ وَاجْعَلْ عَلَانِیَتِیْ صَالِحَۃً اَللّٰھُمَّ اٰتِنِیْ فِیْ حُسْنِ الْاِخْتِیَارِ وَصِحَّۃِ الْاِعْتِبَارِ وَصِدْقِ الْاِفْتِقَارِ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ یا پروردگار میرے دل کو پرہیزگاری دے اور اسے پاک کر تو اس سے بہتر ہے جو اسے پاک کرے تو اسکا ولی اور اسکا مالک ہے یا پروردگار تو میرے لئے ہے جیسا میں چاہتا ہوں پس مجھے اپنے واسطے کر جس طرح تو چاہے اور خوش رہے۔ یا بارالٰہ میرے باطن کو میرے ظاہر سے اچھا کر اور علامت میری بہتر کر یا پروردگار مجھے اختیار نیک اور اعتبار خوب اور تیری طرف کی صدق احتیاج عنایت فرما اپنی مہربانی سے اے مہربانی کرنے والوں سے بڑی مہربانی کرنے والے۔

کلمے اذان کے۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ۔ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

خدا بہت بزرگ ہے۔ خدا بہت بزرگ ہے۔ خدا بہت بزرگ ہے۔ خدا بہت بزرگ ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ نہیں کوئی معبود سوائے خدا کے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ نہیں کوئی معبود سوائے خدا کے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شبہہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسول خدا کے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شبہہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسول خدا کے ہیں۔ نماز کو آؤ۔ نماز کو آؤ۔ نیکی کو آؤ۔ نیکی کو آؤ۔ خدا بہت بزرگ ہے۔

لا بہت بزرگ ہے۔ نہیں کوئی معبود سوائے خدا کے۔ بعد حیّ
علی الفلاح کے اذان فجر میں دو بار کہے اَلصَّلٰوۃُ خَیْرٌ مِّنَ النَّوْمِ۔
الصلوٰۃ خیرٌ من النوم نماز سونے سے بہتر ہے۔ نماز سونے سے بہتر
ہے۔ یہ دعا بعد اذان کے کہے اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَۃِ التَّامَّۃِ
والصَّلٰوۃِ الْقَائِمَۃِ اٰتِ مُحَمَّدَ نِ الْوَسِیْلَۃَ وَالْفَضِیْلَۃَ وَالدَّرَجَۃَ الرَّفِیْعَۃَ
وَابْعَثْہُ الْمَقَامَ الْمَحْمُوْدَ الَّذِیْ وَعَدْتَّہٗ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ۔ یَا رَبِّ
اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَۃَ وَالْمُعَافَاۃَ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ یا پروردگار
اس دعائے تمام اور اِس نماز کے قائم ہونے کا مالک ہے محمد
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وسیلہ اور فضیلت اور درجۂ بلند بخش اور
سے مقام محمود میں اُٹھا جس کا وعدہ تونے کیا ہے بے شبہ تو وعدہ
خلاف نہیں کرتا یا پروردگار تحقیق میں تجھ سے آمرزش اور تندرستی اور
دنیا اور عاقبت کی بہتری چاہتا ہوں تَکْبِیْرُ الْاِقَامَۃِ مِثْلُ الْاَذَانِ اِلَّا
اَنْ یَّقُوْلَ فِیْہِ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ مَرَّتَیْنِ بَعْدَ الْفَلَاحَیْنِ نماز کی تکبیر مانند
اذان کے ہے مگر یہ کہ اُس میں قد قامت الصلوٰۃ یعنے تحقیق نماز قائم ہوئی
دونوں فلاح کے بعد دو بار کہے۔ یہ دعا مسجد کے دروازہ پر پڑھے
اَللّٰھُمَّ عُبَیْدُکَ بِبَابِکَ مُذْنِبٌ بِبَابِکَ مُسِیْءٌ بِبَابِکَ یَرْجُوْ
رَحْمَتَکَ وَیَخَافُ عَذَابَکَ یَا مُحْسِنُ وَقَدْ اَمَرْتَ
الْمُحْسِنَ مِنَّا اَنْ یَّتَجَاوَزَ عَنِ الْمُسِیْءِ فَتَجَاوَزْ عَنِّیْ قَبِیْحَ
مَا عِنْدِیْ بِجَمِیْلِ مَا عِنْدَکَ یَا کَرِیْمُ یا پروردگار یہ تیرا چھوٹا بندہ

گنہگار بدکار تیرے دروازے پر ہے امیدوار تیری رحمت کا اور تیرے عذاب سے ڈرتا ہوا اے احسان کرنے والے اور تحقیق کہ نیک کا حکم فرمایا ہے بدکار سے درگذر ہیں تو مجھ سے میری برائی سے اپنی نیکی کے سبب درگذر اے کرم کرنیوالے۔ **مسجد میں پہلے داہنا پانوں رکھے اور یہ دعا پڑھے** بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط بِسْمِ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ وَافْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ فَضْلِكَ وَرَحْمَتِكَ خدا کے نام سے جو بڑا بخشنے والا مہربان ہے اللہ کے نام سے میں مسجد میں داخل ہوتا ہوں اور تمام حمد خدا کو اور درود سلام رسول خدا پر ہو جیو یا پروردگار میرے گناہوں کو معاف کر اور میرے لئے اپنی بخشش اور مہربانی کے دروازے کھول **جب مسجد میں داخل ہو یہ دعا پڑھے** بِسْمِ اللّٰهِ دَخَلْنَا وَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا خدا کے نام کی برکت سے ہم مسجد میں داخل ہوئے اور خدا پر ہمنے توکل کیا **جب نماز پڑھنے کھڑا ہو کہے** اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ہ بے شبہ میں نے اپنے منہ کو اُسکی طرف کیا جسنے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا جس حال میں کہ میں دین باطل سے منہ پھیرنے والا ہوں اور میں بت پرستوں میں نہیں ہوں **نیت نماز سنت فجر کی** نَوَيْتُ اَنْ اُصَلِّيَ لِلّٰهِ تَعَالٰى رَكْعَتَيْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى مُتَوَجِّهًا اِلٰى جِهَةِ الْكَعْبَةِ الشَّرِيْفَةِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ ہ نیت کی میں نے کہ دو رکعت نماز فجر کی جو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے کعبہ شریف کی طرف متوجہ ہو کر خدای تعالی کیواسطے ادا کروں اللہ اکبر

نیت نماز فرض فجر کی نَوَیْتُ اَنْ اُصَلِّیَ لِلّٰہِ تَعَالٰی رَکْعَتَیْ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ فَرْضِ اللّٰہِ تَعَالٰی مُتَوَجِّھًا اِلٰی جِھَۃِ الْکَعْبَۃِ الشَّرِیْفَۃِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ نیت کی میں نے کہ دو رکعت نماز فجر کی فرض خدا تعالیٰ کا ہے کعبہ شریف کی طرف متوجہ ہو کر خدا تعالیٰ کیواسطے ادا کروں اللہ اکبر **نیت نماز سنت ظہر کی** نَوَیْتُ اَنْ اُصَلِّیَ لِلّٰہِ تَعَالٰی اَرْبَعَ رَکَعَاتِ صَلٰوۃِ الظُّھْرِ سُنَّۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ تَعَالٰی مُتَوَجِّھًا اِلٰی جِھَۃِ الْکَعْبَۃِ الشَّرِیْفَۃِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ نیت کی میں نے کہ چار رکعت نماز ظہر کی جو سنت رسول اللہ کی ہے کعبہ شریف کی طرف متوجہ ہو کر خدا تعالیٰ کیواسطے ادا کروں اللہ اکبر **نیت نماز فرض ظہر کی** نَوَیْتُ اَنْ اُصَلِّیَ لِلّٰہِ تَعَالٰی اَرْبَعَ رَکَعَاتِ صَلٰوۃِ الظُّھْرِ فَرْضِ اللّٰہِ تَعَالٰی مُتَوَجِّھًا اِلٰی جِھَۃِ الْکَعْبَۃِ الشَّرِیْفَۃِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ نیت کی میں نے کہ چار رکعت نماز ظہر کی جو فرض خدا تعالیٰ کا ہے کعبہ شریف کیطرف متوجہ ہو کر خدا تعالیٰ کے واسطے ادا کروں اللہ اکبر **نیت دو رکعت سنت ظہر کی** نَوَیْتُ اَنْ اُصَلِّیَ لِلّٰہِ تَعَالٰی رَکْعَتَیْ صَلٰوۃِ الظُّھْرِ سُنَّۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ تَعَالٰی مُتَوَجِّھًا اِلٰی جِھَۃِ الْکَعْبَۃِ الشَّرِیْفَۃِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ نیت کی میں نے کہ دو رکعت نماز ظہر کی جو سنت رسول اللہ کی ہے کعبہ شریف کیطرف متوجہ ہو کر خدا تعالیٰ کیواسطے ادا کروں اللہ اکبر **نیت نماز نفل کی** نَوَیْتُ اَنْ اُصَلِّیَ لِلّٰہِ تَعَالٰی رَکْعَتَیْ صَلٰوۃِ النَّفْلِ مُتَوَجِّھًا اِلٰی جِھَۃِ الْکَعْبَۃِ الشَّرِیْفَۃِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ نیت کی میں نے کہ دو رکعت نماز نفل کی کعبہ شریف کیطرف متوجہ ہو کر خدا تعالیٰ کے واسطے ادا کروں اللہ اکبر **نیت نماز سنت عصر کی** نَوَیْتُ اَنْ اُصَلِّیَ لِلّٰہِ تَعَالٰی اَرْبَعَ رَکَعَاتِ صَلٰوۃِ الْعَصْرِ سُنَّۃَ رَسُوْلِ اللّٰہِ تَعَالٰی مُتَوَجِّھًا اِلٰی جِھَۃِ الْکَعْبَۃِ الشَّرِیْفَۃِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ نیت کی میں نے کہ چار رکعت نماز عصر کی جو سنت رسول اللہ کی ہے کعبہ شریف

کیطرف متوجہ ہوکر خدائیتعالی کیواسطے اداکروں اللہ اکبر نیت نماز فرض عصر
کی نَوَیْتُ اَنْ اُصَلِّیَ لِلّٰہِ تَعَالٰی اَرْبَعَ رَکَعَاتِ صَلٰوۃِ الْعَصْرِ فَرْضِ اللّٰہِ تَعَالٰی مُتَوَجِّہًا
اِلٰی جِہَۃِ الْکَعْبَۃِ الشَّرِیْفَۃِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ نیت کی میں نے کہ چار رکعت نماز عصر کی جو
فرض خدائیتعالی کا ہے کعبہ شریف کی طرف متوجہ ہوکر خدائے تعالی کے واسطے اداکریں
اللہ اکبر نیت نماز فرض مغرب کی نَوَیْتُ اَنْ اُصَلِّیَ لِلّٰہِ تَعَالٰی ثَلٰثَ رَکَعَاتِ
صَلٰوۃِ الْمَغْرِبِ فَرْضِ اللّٰہِ تَعَالٰی مُتَوَجِّہًا اِلٰی جِہَۃِ الْکَعْبَۃِ الشَّرِیْفَۃِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ نیت کی
میں نے کہ تین رکعت نماز مغرب کی جو فرض خدائیتعالی کا ہے کعبہ شریف کیطرف متوجہ
ہوکر خدائیتعالی کیواسطے اداکروں اللہ اکبر نیت نماز دو رکعت سنت
مغرب کی نَوَیْتُ اَنْ اُصَلِّیَ لِلّٰہِ تَعَالٰی رَکْعَتَیْ صَلٰوۃِ الْمَغْرِبِ سُنَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ
تَعَالٰی مُتَوَجِّہًا اِلٰی جِہَۃِ الْکَعْبَۃِ الشَّرِیْفَۃِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ نیت کی میں نے کہ دو رکعت نماز
مغرب کی جو سنت رسول اللہ کی ہے کعبہ شریف کیطرف متوجہ ہوکر خدائیتعالی کیواسطے ادا
کروں اللہ اکبر نیت نماز فرض کی سب وقتوں میں برابر ہے نیت نماز چار رکعت
سنت عشا کی نَوَیْتُ اَنْ اُصَلِّیَ لِلّٰہِ تَعَالٰی اَرْبَعَ رَکَعَاتِ صَلٰوۃِ الْعِشَاءِ سُنَّۃِ
رَسُوْلِ اللّٰہِ تَعَالٰی مُتَوَجِّہًا اِلٰی جِہَۃِ الْکَعْبَۃِ الشَّرِیْفَۃِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ نیت کی میں نے چار رکعت
نماز عشا کی جو سنت رسول اللہ کی ہے کعبہ شریف کیطرف متوجہ ہوکر خدائیتعالی کیواسطے
ادا کروں اللہ اکبر نیت نماز چار رکعت فرض عشا کی نَوَیْتُ اَنْ اُصَلِّیَ لِلّٰہِ تَعَالٰی
اَرْبَعَ رَکَعَاتِ صَلٰوۃِ الْعِشَاءِ فَرْضِ اللّٰہِ تَعَالٰی مُتَوَجِّہًا اِلٰی جِہَۃِ الْکَعْبَۃِ الشَّرِیْفَۃِ اَللّٰہُ
اَکْبَرُ نیت کی میں نے کہ چار رکعت نماز عشا کی جو فرض خدائیتعالی کا ہے کعبہ شریف کیطرف
متوجہ ہوکر خدائیتعالی کیواسطے اداکروں اللہ اکبر نیت دو رکعت نماز سنت

بعد فرض عشا کی نَوَیْتُ اَنْ اُصَلِّیَ لِلّٰہِ تَعَالٰی رَکْعَتَیْ صَلٰوۃِ الْعِشَاءِ سُنَّۃِ رَسُوْلِ
اللّٰہِ تَعَالٰی مُتَوَجِّہًا اِلٰی جِہَۃِ الْکَعْبَۃِ الشَّرِیْفَۃِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ نیت کی میں نے کہ دو رکعت
نماز عشا کی جو سنت رسول اللہ کی ہے کعبہ شریف کیطرف متوجہ ہو کر خدا تعالی کیواسطے
ادا کروں اللہ اکبر **نیت نماز تین رکعت وتر کی** نَوَیْتُ اَنْ اُصَلِّیَ لِلّٰہِ تَعَالٰی
ثَلٰثَ رَکْعَاتِ صَلٰوۃِ الْوِتْرِ مُتَوَجِّہًا اِلٰی جِہَۃِ الْکَعْبَۃِ الشَّرِیْفَۃِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ نیت کی
میں نے تین رکعت نماز وتر کی کعبہ شریف کیطرف متوجہ ہو کر خدا تعالی کیواسطے
ادا کروں اللہ اکبر **ثنا شروع نماز میں بعد تکبیر تحریمہ کے پڑھے** سُبْحَانَکَ اللّٰہُمَّ
وَبِحَمْدِکَ وَتَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَلَآ اِلٰہَ غَیْرُکَ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ
الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ یا پروردگار تیری حمد کے
ساتھ میں تیری تسبیح کرتا ہوں اور نام تیرا متبرک ہے اور تیری بزرگی برتر
اور تیرے سوائے کوئی معبود نہیں شیطان لعین کے مکر سے میں خدا کی پناہ
چاہتا ہوں شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے
رکوع کی یہ تسبیح تین بار کہے سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ میں نے اپنے
پروردگار بزرگ کو پاک اعتقاد کیا **سجدے کی یہ تسبیح تین بار کہے** سُبْحَانَ
رَبِّیَ الْاَعْلٰی میں نے اپنے پروردگار برتر کو پاک اعتقاد کیا **دعائے
قنوت** جو نماز وتر کی آخر رکعت میں قبل رکوع کے اللہ اکبر کہہ کے
الحمد یا سورۃ کے پڑھے اَللّٰہُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُکَ وَنَسْتَغْفِرُکَ وَنُؤْمِنُ بِکَ وَ
نَتَوَکَّلُ عَلَیْکَ وَنُثْنِیْ عَلَیْکَ الْخَیْرَ وَنَشْکُرُکَ وَلَا
نَکْفُرُکَ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُکُ مَنْ یَّفْجُرُکَ اَللّٰہُمَّ اِیَّاکَ

نَشْبَۃٌ وَلَکَ نُصَلِّیْ وَنَسْجُدُ وَاِلَیْکَ نَسْعٰی وَنَحْفِدُ وَنَرْجُوْ رَحْمَتَکَ وَنَخْشٰی عَذَابَکَ اِنَّ عَذَابَکَ بِالْکُفَّارِ مُلْحِقٌ یا پروردگار بے شبہ تجھ سے مدد چاہتے ہیں ہم اور آمرزش تجھ سے طلب کرتے ہیں ہم اور تجھ پر ایمان لاتے ہیں اور آسرا رکھتے ہیں اور تیری اچھی تعریف کرتے ہیں اور تیرا شکر کرتے ہیں اور تجھ سے انکار نہیں کرتے ہیں اور جو تیری نافرمانی کرے اُس سے ہم بیزار ہوتے ہیں اور اُس سے باز رہتے ہیں یا پروردگار ہم تیری بندگی کرتے ہیں اور تیرے ہی واسطے ہم نماز پڑھتے ہیں اور تجھی کو سجدہ کرتے ہیں اور تیری عبادت میں کوشش کرتے ہیں اور اُس میں چالاکی کرتے ہیں اور تیری رحمت کے امیدوار ہیں اور تیرے عذاب سے ڈرتے ہیں اور بے شبہ عذاب تیرا کافروں کو پہونچنے والا ہے آخر قعدہ نماز میں جو التحیات اور درود اور دعا پڑھتے ہیں اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰاتُ وَالطَّیِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ ۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْرًا وَّاِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْ لِیْ مَغْفِرَۃً مِّنْ عِنْدِکَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ سب سلامتیاں اور پادشاہیاں اور ہمیشگی اور رتبیں اور پاکیاں

ہے بیشک ... نہیں ہے نبی پیغمبر پر سلام اور ... رحمت نازل ہو جیسا ... کی تعریف
پہلو ... بندوں پر سلام ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ نہیں کوئی معبود
سوائے خدا کے اور گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسکا بندہ اور
بھیجا ہوا اسکا ہی یا پروردگار محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم پر رحمت بھیج جیسا کہ درود بھیجا تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم پر بے شبہ تو بہت سراہا
ہوا ہے الٰہی برکت دے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
جیسا کہ تو نے برکت دی ابراہیم اور آل ابراہیم کو بے شبہ تو بہت سراہا ہوا ہی۔ یا پروردگار
بے شبہ میں نے اپنے اوپر ظلم بہت کیا اور تحقیق تیرے سوا کوئی گناہ کا بخشنے والا نہیں
پس اپنی مہربانی سے میری آمرزش کر اور میرے اوپر رحم کر بے شبہ تو ہی ہے بخشنے والا مہربان
پھر سلام اور رحمت پڑھو آیۃ الکرسی اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُہٗ
سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗ
اِلَّا بِاِذْنِہٖ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖ
اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا یَؤُدُہٗ حِفْظُھُمَا وَھُوَ
الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ فَمَنْ یَّکْفُرْ
بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْ بِاللّٰہِ فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَۃِ الْوُثْقٰی لَا انْفِصَامَ
لَھَا وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ
اِلَی النُّوْرِ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَوْلِیٰٓؤُھُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَھُمْ
مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ
ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ۔ خدا ہی معبود ہے

نہیں پکڑتی اُسکو اونگھ اور نہ نیند اوسیکا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ
زمین میں ہے ایسا کون ہے جو اُسکے نزدیک سفارش کرے مگر اُسکے حکم سے
جانتا ہے جو اُنکے آگے تھا اور جو پیچھے اُنکے ہوگا اور وے اُسکے علم میں سے کسی چیز
کو دریافت کر سکیں مگر وہ جو چاہے گھیرا ہے اُسکی کرسی نے آسمانوں اور زمین کو
اور نگہبانی اون دونوں کی اُسے دکھ میں نہیں ڈالتی اور وہ بڑا بزرگ ہے دین میں
کچھ زبردستی نہیں تحقیق راہ راست جدی ہوئی گمراہی سے پس جو شخص شیطان کو
نہ مانے اور خدا پر ایمان لاوے تو بے شبہ اُسنے مضبوط رسی پکڑی جو نہ
ٹوٹنے کی اور خدا سننے والا دانا ہے خداوند مددگار ہے اُنکا جو ایمان لائے ہیں
اُنکو اندھیروں سے اُجالے کیطرف نکالتا ہے اور جو کافر ہوئے اُنکے دوست طاغوت
یعنی شیطان ہیں وے روشنیوں سے تاریکیوں کی طرف اونہیں نکالتے ہیں وے دوزخی
ہیں وے اُسمیں ہمیشہ رہنے والے ہیں

پانچوں نماز کے بعد کی تسبیح ہر ایک وقت میں سو بار پڑھے

فجر کی نماز کے بعد هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ وہ زندہ ہمیشہ ہے۔ ظہر کی نماز کے بعد
هُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ۔ وہ برتر بزرگ ہے۔ عصر کی نماز کے بعد
هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ۔ وہ نعمت دینے والا بخشنے والا ہے۔ مغرب کی
نماز کے بعد۔ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ وہ معاف کرنے والا مہربان ہے
عشا کی نماز کے بعد۔ هُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ۔ وہ پاک اور خبردار ہے
المناجات رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ
اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِاُسْتَاذِيْ وَلِشَيْخِيْ وَلِجَمِيْعِ الْمُؤْمِنِيْنَ

وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ الْاَحْيَاءِ مِنْهُمْ وَالْاَمْوَاتِ اِنَّكَ مُجِيْبُ الدَّعَوَاتِ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ یا پروردگار ہمارے ہمیں دنیا میں نیکی دے اور آخرت میں بہتری اور دوزخ کے عذاب سے ہمیں بچا یا باالٰہ میری اور میرے ماں باپ کی اور میرے استاد کی اور میرے پیر کی اور سب مومنوں مرد اور مومنہ عورتوں کی اور تمام مسلمان مرد اور مسلمان عورتوں کی مغفرت کر جو انمیں سے زندہ ہوں یا مردہ اپنی بخشش سے اے بخشنے والوں کے بڑے بخشنے والے **نیت نماز تحیۃ المسجد کی** نَوَیْتُ اَنْ اُصَلِّیَ لِلّٰہِ تَعَالٰی رَکْعَتَیْ صَلٰوۃِ دُخُوْلِ الْمَسْجِدِ سُنَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ تَعَالٰی مُتَوَجِّھًا اِلٰی جِھَۃِ الْکَعْبَۃِ الشَّرِیْفَۃِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ نیت کی میں نے دو رکعت نماز دخول المسجد کی جو سنت رسول اللہ کی ہے کعبہ شریف کی طرف متوجہ ہو کر خدا تعالیٰ کیواسطے ادا کروں اللہ اکبر **نیت چار رکعت سنت قبل جمعہ کی** نَوَیْتُ اَنْ اُصَلِّیَ لِلّٰہِ تَعَالٰی اَرْبَعَ رَکَعَاتِ صَلٰوۃِ قَبْلِ الْجُمُعَۃِ سُنَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ تَعَالٰی مُتَوَجِّھًا اِلٰی جِھَۃِ الْکَعْبَۃِ الشَّرِیْفَۃِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ نیت کی میں نے کہ چار رکعت نماز قبل جمعہ کی جو سنت رسول اللہ کی ہے کعبہ شریف کی طرف متوجہ ہو کر خدائے تعالیٰ کیواسطے ادا کروں اللہ اکبر **نیت دو رکعت نماز فرض جمعہ کی** نَوَیْتُ اَنْ اُسْقِطَ عَنْ ذِمَّتِیْ فَرْضَ الظُّھْرِ بِاَدَاءِ رَکْعَتَیْ صَلٰوۃِ الْجُمُعَۃِ فَرْضِ اللّٰہِ تَعَالٰی مُتَوَجِّھًا اِلٰی جِھَۃِ الْکَعْبَۃِ الشَّرِیْفَۃِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ نیت کی میں نے کہ دو رکعت نماز جمعہ کی جو فرض خدا تعالیٰ کا ہے کعبہ شریف کی طرف متوجہ ہو کر ادا کروں اپنی گردن سے

ف جب مسجد میں جاوے پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھے ثواب بہت پاوے۔

دو فرض جمعہ کا واسطے اللہ کے اللہ اکبر نیت چار رکعت نماز سنت بعد فرض جمعہ
نَوَیْتُ اَنْ اُصَلِّیَ لِلّٰهِ تَعَالٰی اَرْبَعَ رَکَعَاتِ صَلٰوةِ بَعْدَ الْجُمُعَةِ سُنَّةُ رَسُوْلِ
اللّٰهِ تَعَالٰی مُتَوَجِّهًا اِلٰی جِهَةِ الْکَعْبَةِ الشَّرِیْفَةِ اَللّٰهُ اَکْبَرُ نیت کی میں نے چار
رکعت نماز بعد جمعہ کی جو سنت رسول اللہ کی ہے کعبہ شریف کی طرف منہ
کر کے خدا تعالیٰ کے واسطے ادا کروں اللہ اکبر نیت روزہ کی نَوَیْتُ
اَنْ اَصُوْمَ غَدًا مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ الْمُبَارَکِ فَرْضًا لَکَ یَا اللّٰهُ فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ
اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ نیت کی میں نے کہ کل ماہ رمضان کا روزہ رکھوں
جس حال میں وہ تیرا فرض ہے یا خدا پس یا پروردگار میرا روزہ قبول کر
تو ہی سننے والا دانا ہے نیت افطار کی اَللّٰهُمَّ صُمْتُ لَکَ وَتَوَکَّلْتُ
عَلٰی رِزْقِکَ فَاَفْطَرْتُ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ یا پروردگار میں نے
روزہ رکھا اور تیری روزی دینے پر بھروسا کیا اور تیرے فضل سے میں
افطار کیا اے بخشنے والوں سے زیادہ بخشنے والے نیت نماز تراویح
کی نَوَیْتُ اَنْ اُصَلِّیَ لِلّٰهِ تَعَالٰی رَکْعَتَیْ صَلٰوةِ التَّرَاوِیْحِ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ
تَعَالٰی مُتَوَجِّهًا اِلٰی جِهَةِ الْکَعْبَةِ الشَّرِیْفَةِ اَللّٰهُ اَکْبَرُ نیت کی میں نے دو
رکعت نماز تراویح کی جو سنت رسول اللہ کی ہے کعبہ شریف کی طرف منہ
کر کے خدا تعالیٰ کے واسطے ادا کروں اللہ اکبر دعا جو بعد ہر چار
رکعت نماز تراویح کے پڑھے سُبْحَانَ ذِی الْمُلْکِ وَالْمَلَکُوْتِ سُبْحَانَ
ذِی الْعِزَّةِ وَالْعَظَمَةِ وَالْهَیْبَةِ وَالْقُدْرَةِ وَالْکِبْرِیَاءِ
وَالْجَبَرُوْتِ سُبْحَانَ الْمَلِکِ الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَنَامُ وَلَا یَمُوْتُ

سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلٰٓئِكَةِ وَالرُّوْحِ ۔ اَللّٰهُمَّ اَجِرْنَا مِنَ النَّارِ يَا مُجِيْرُ يَا مُجِيْرُ يَا مُجِيْرُ میں تسبیح پڑھتا ہوں اُس کی بادشاہ سے اور عالم ملکوت کا صاحب ہے میں تسبیح پڑھتا ہوں جو صاحب عزت اور عظمت اور ذیشان اور قدرت اور بزرگی اور بڑائی کے لائق ہے میں تسبیح پڑھتا ہوں اس بادشاہ زندہ کی جو نہیں سوتا اور نہیں مرتا ہے وہ بہت طاہر اور بہت پاک ہے ہمارا پروردگار اور فرشتوں اور روحوں کا پروردگار ہے۔ اے خدا ہمیں پناہ دے دوزخ سے اور عذاب سے ہمیں چھڑا اے پناہ دینے والے اے پناہ دینے والے اے پناہ دینے والے

نیت نماز عید الفطر کی

نَوَيْتُ اَنْ اُصَلِّيَ لِلّٰهِ تَعَالٰى رَكْعَتَيْ صَلٰوةِ عِيْدِ الْفِطْرِ مَعَ سِتَّةِ تَكْبِيْرَاتٍ وَاجِبِ لِلّٰهِ تَعَالٰى مُتَوَجِّهًا اِلٰى جِهَةِ الْكَعْبَةِ الشَّرِيْفَةِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ نیت کی میں نے کہ دو رکعت نماز عید الفطر کی جو واجب خدائے تعالیٰ کی ہے چھ تکبیر سمیت کعبہ شریف کی طرف متوجہ ہو کے خدائے تعالیٰ کے واسطے ادا کروں اللہ اکبر

نیت نماز عید الضحیٰ کی

نَوَيْتُ اَنْ اُصَلِّيَ لِلّٰهِ تَعَالٰى رَكْعَتَيْ صَلٰوةِ عِيْدِ الْاَضْحٰى مَعَ سِتَّةِ تَكْبِيْرَاتٍ وَاجِبِ لِلّٰهِ تَعَالٰى مُتَوَجِّهًا اِلٰى جِهَةِ الْكَعْبَةِ الشَّرِيْفَةِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ نیت کی میں نے کہ دو رکعت نماز عید الضحیٰ کی چھ تکبیروں کے ساتھ کعبہ شریف کی طرف متوجہ ہو کے خدائے تعالیٰ کے واسطے ادا کروں اللہ اکبر

نیت قربانی کی

اَللّٰهُمَّ هٰذَا اِبْدَالِيْ لَحْمُهَا بِلَحْمِيْ وَدَمُهَا بِدَمِيْ وَشَعْرُهَا بِشَعْرِيْ وَجِلْدُهَا بِجِلْدِيْ وَعَظْمُهَا بِعَظْمِيْ اَللّٰهُمَّ اِنَّ صَلٰوتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ؀

لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۔ اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنِّيْ كَمَا تَقَبَّلْتَ
مِنْ خَلِيْلِكَ اِبْرَاهِيْمَ وَحَبِيْبِكَ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِمَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اِنَّكَ اَنْتَ
السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ یا پروردگار یہ میرا بدلا ہے گوشت اسکا میرے گوشت کا بدلا
ہو اسکا میرے لہو کا بال اسکا میرے بال کا پوست اسکا میرے پوست کا
اور ہڈی اسکی میری ہڈی کی ۔ یا پروردگار بے شبہ نماز اور عبادت میری اور میری
حیات و موت تیرے واسطے ہے اے پروردگار عالموں کے اور میں مسلمانوں
سے ہوں یا بار الٰہ تو میری قربانی قبول کر جیسا کہ تو نے قبول کی اپنے دوست
ابراہیم اور اپنے محبوب محمد علیہما الصلوٰۃ والسلام سے بے شبہ تو سننے والا دانا ہے

نیت ذبح جانور کی نَوَيْتُ اَنْ اَذْبَحَ هٰذَا الْحَيْوَانَ بِحَيْثُ يَخْرُجُ عَنْهُ الدَّمُ الْمَسْفُوْحُ
وَيَكُوْنُ لَحْمُهٗ حَلَالًا لِجَمِيْعِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ نیت کی میں نے
کہ اس حیوان کو اس طرح سے ذبح کروں کہ بہتا خون اس سے نکل جاوے اور گوشت
اسکا سب مسلمانوں کے واسطے حلال ہو خدا کے نام سے خدا بہت بڑا ہے ۔

سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ مَكِّيَّةٌ وَّمَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ سَبْعُ اٰيَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ
وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۔ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ
غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۔ اٰمِيْنَ ۷

سورۂ فاتحہ مکہ اور مدینہ میں نازل ہوئی سات آیت کی

خدا کے نام سے جو بڑا بخشش کرنیوالا اور نعمت دینے والا ہے رحمت

تعالیٰ کے لئے ہے جو سب کا مالک ہے سب کا نہایت رحم والا مہربان ہے اور مالک روز قیامت کا ہم تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں دکھا ہم کو سیدھی راہ اُنکی جنکو تو نے نعمت دی نہ اُنکی راہ کہ جن پر غضب کیا گیا اور نہ گمراہوں کی قبول کر

سُورَةُ الفِيلِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسُ آيَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ ۝ أَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ ۝ وَأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ ۝ تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّن سِجِّيلٍ ۝ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ ۝

سورہ فیل مکہ میں نازل ہوئی پانچ آیتوں کی ہے

خدا کے نام سے جو بڑا بخشنے والا نعمت دینے والا ہے۔ آیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا کیا اُنکے مکر کو باطل نہ کیا اور اُن کے اوپر چڑیوں کو بھیجا جس حال میں وے پتھر پھینک پھینک کر مارتی تھیں جن پر ہر ایک کا نام لکھا ہوا تھا پس اُنھیں چگی ہوئی گھاس کے برابر یعنی نیست و نابود کر دیا۔

شان نزول تفسیر بیضاوی شریف میں قصہ اُسکا اس طور سے ہے کہ ابرہہ صباح اشرم کے بیٹے نے جو یمن کا بادشاہ تھا اصحمہ نجاشی کی طرف سے صنعا کے درمیان ایک کلیسا بنایا اور نام اُس کا قلیس رکھا اور چاہا کہ حاجیوں کو اُسکی طرف متوجہ کرے کہ بنی کنانہ سے ایک مرد رات کو اُسمیں جا کے ضرور پھر گیا ابرہہ اس بات سے بہت خفا ہو کر کعبہ شریف کے ڈھانے کیلئے (خدا اپنی پناہ میں رکھے) قسم کھائی پس وہ اپنی فوج سمیت نکلا اُسکے ساتھ بہت سے ہاتھی تھے اُن میں سے ایک بہت ہی نہایت قوی تھا نام اسکا محمود تھا اس نے اپنے

[illegible]

لشکر سے نکل کر حرم کی طرف ہاتھیوں کو ہولا دیا تب فیل محمود بیٹھ گیا اور کسی طرح اپنی جگہ سے حرم کا قصد نہ کیا پس جب وے یمن کی طرف اسکو لے جانے لگے تب خدا تعالیٰ نے چڑیوں کو بھیجا ہر ایک کی چونچ میں ایک ایک اور دونوں پنجوں میں دو دو کنکریاں مسور سے بڑی اور چنے سے چھوٹی تھیں وہ اُن کو مارتی تھیں کہ وہ کنکری ہر ایک مرد کے سر پر گرتی اور دبر کی راہ سے نکل جاتی یہاں تک کہ سب ہلاک ہوئے حضرت نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے مروی ہے کہ جو کوئی سورۂ فیل کو پڑھے خدا تعالیٰ اسکو حیات تک آفتوں سے محفوظ رکھے

سُوْرَةُ الْقُرَيْشِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ اَرْبَعُ اٰيَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ۙ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ۚ فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۙ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۔

سورۂ قریش مکہ میں نازل ہوئی چار آیتوں کی ہے

خدا کے نام سے جو بڑا بخشنے والا اور رحمت دینے والا ہے واسطے الفت دلانے قریش کے واسطے الفت دلانے اُنکے کے جاڑے اور گرمی کے سفر میں پس چاہیے کہ اس گھر کے مالک کی بندگی کریں جنے اُنہیں بھوک میں کھانا دیا اور اُنکو ڈر سے بچایا شان نزول تفسیر حسینی میں یہ ہے امام زاہدی نے روایت کی ہے کہ قریش کی تجارت کے واسطے دو سفر ہوتے تھے جاڑے میں یمن کا اور گرمی میں شام کا اور وہاں کے لوگ اُن کی حرمت کرتے کیونکہ وہ اہل حرم سے تھے اور خدا تعالیٰ نے ان کو بہت نعمت دی تھی کہ بغیر ڈر کے حج پر تجارت میں مشغول ہوتے پس خدا تعالیٰ

اس سورۃ کو جس حال میں وہ شاغل تھے تعجب کر کے انکو اس سے آگاہ کرنیکے واسطے کہ خدا کی بندگی کریں نازل کیا بیضاوی میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ جو کوئی سورۂ لایلاف قریش کو پڑھے دس دس نیکی بعدد ہر ایک شخص کے جو کعبہ کی زیارت کرے اور اسمیں اعتکاف کرے خدا تعالی اوسکو بخشیگا

سُوْرَۃُ الْمَاعُوْنِ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ سَبْعُ اٰیَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَرَاَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ ۝ فَذٰلِكَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ ۝ وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ ۝ فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ ۝ الَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاھُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ ھُمْ یُرَآءُوْنَ ۝ وَیَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝

سورہ ماعون مکے میں نازل ہوئی سات آیتوں کی ہے

خدا کے نام سے جو بڑا بخشش کرنیوالا نعمت دینے والا ہے آیا تو نے اسکو جانا جو روز جزا سے انکار کرتا ہے پس وہ شخص وہ ہے کہ یتیم کو ہانک دیتا ہے اور اپنے لوگوں کو مسکین کے کھلانے پر رغبت نہیں دلاتا پس عذاب کی سختی اُن نمازیوں کے واسطے ہے جو اپنی نماز سے بیخبر ہیں یعنی کچھ حساب نہیں دلاتے ہیں وے لوگ ہیں کہ ریا کرتے ہیں اور مال زکوۃ کو بند کرتے ہیں **شان نزول** تفسیر بیضاوی میں ہے ابوجہل ایک یتیم کا وصی تھا پس وہ برہنہ اُسکے پاس آیا اور اپنے مال میں سے مانگنے لگا تب ابوجہل نے اُسے ہانک دیا ابوسفیان نے ایک شتر قربانی کیا تھا کہ ایک یتیم نے اُس سے تھوڑا سا گوشت مانگا پس اُس نے اسکے سر میں ایک لٹھ مارا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ جو کوئی سورہ ماعون

کو پڑھے خدا آمرزش کرے۔

سُورَةُ الْكَوْثَرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَلٰثُ اٰيَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝

سورہ کوثر مکے میں نازل ہوئی تین آیتوں کی ہے

خدا کے نام سے جو بڑا بخشش کرنیوالا اور نعمت دینے والا ہے بیشک تجھے عطا کیا ہم کوثر

پس اپنے پروردگار کیواسطے نماز پڑھ اور شتر قربانی کر تحقیق دشمن تیرا وہی ہے ابتر

شان نزول تفسیر جلالین میں ہے سورہ کوثر عاص بن وائل کے حق میں نازل ہوئی

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُن کے بیٹے قاسم کے مرنے سے ابتر کہا تھا یعنی لاولد

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے جو کوئی سورہ کوثر کو پڑھے خدائے تعالی

اُسے بہشت کی ہر ایک نہر سے سیراب کریگا اور اُس کے لئے دس دس نیکی بعدد

ہر ایک قربانی کے جو بندے اُسے قربانی کے دن کرتے ہیں لکھی جائینگی۔

سُورَةُ الْكٰفِرُوْنَ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ سِتُّ اٰيَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝ وَلَآ اَنَا

عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝

سورہ کافرون مکہ میں نازل ہوئی چھ آیتوں کی ہے

خدا کے نام سے جو بڑا بخشش کرنیوالا نعمت دینے والا ہے۔ کہہ تو یا محمد صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم اے کافرو تم جس کی پرستش کرتے ہو میں اُسکی پرستش نہ کرونگا اور تم اُسکی بندگی کرنیوالے نہیں ہو جسکی بندگی میں کرتا ہوں اور میں اوسکی پرستش کرنیوالا نہیں ہوں جسکی پرستش تم کرتے ہو اور تم اُس کی عبادت کرنیوالی نہیں ہو جسکی عبادت میں کیا کرتا ہوں تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین **شان نزول** تفسیر بیضاوی میں ہے۔ روایت ہے کہ قریشیوں کے ایک گروہ نے کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک برس تو میرے خداؤں کی پرستش کرے اور ہم تیرے خدا کی بندگی ایک سال تک کریں پس سورۂ کافرون نازل ہوئی اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ جو کوئی سورۂ کافرون کو پڑھے پس گویا اُسنے چوتھائی قرآن کی پڑھی اور وہ محفوظ رہے مانند سے ہوے شیطان سے اور وہ شریک سے پاک ہوجاوے

سُوْرَةُ النَّصْرِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثَلٰثُ اٰيَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۙ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۙ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۠

سورۃ النصر مدینے میں نازل ہوئی تین آیتوں کی ہے

خدا کے نام سے جو بڑا بخشش کرنے والا نعمت دینے والا ہے جب خدا کی مدد آوے اور مکے کی فتح ہووے اور لوگوں کو دیکھے کہ دین خدا میں گروہ گروہ داخل ہودیں پس تو اپنے پروردگار کی تسبیح حمد کے ساتھ پڑھ اور اُس سے آمرزش طلب کر بے شبہ وہ توبہ قبول کرنیوالا ہے **شان نزول** تفسیر بیضاوی میں ہے کہ اکثروں نے اسپر اتفاق کیا ہے کہ سورۂ نصر مکے کی فتح کے آگے نازل ہوئی اور اس سورہ میں پیغمبر خدا صلے اللہ

علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے خبر دی ہے کیونکہ اُسکو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پڑھا حضرت عباس رضی اللہ عنہ رونے لگے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا کون تمکو رلاتا ہے بولا کہ آپ کو اپنی موت کی خبر آئی فرمایا تو کہتا ہے وہی ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے کہ جو کوئی سورہ نصر کو پڑھے اُسکو اُس شخص کے برابر اجر دیا جائیگا جو مکے کے فتح کے دن حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا۔

سُوْرَةُ اللَّهَبِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ خَمْسُ اٰيَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَبَّتْ يَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝ مَآ اَغْنٰی عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝ وَّامْرَاَتُهٗ ۝ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝ فِیْ جِیْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝

سورہ لہب مکے میں نازل ہوئی پانچ آیتوں کی ہے

خدا کے نام سے جو بڑا بخشش کرنیوالا نعمت دینے والا ہے ٹوٹ گئے دونوں ہاتھ ابی لہب کے اور ٹوٹ گیا وہ آپ اور نہ کام آیا اُسکا مال اُسکو اور جو اُسکی کمائی وہ اس آگ میں جو دہکی ہوئی ہے جلد پڑیگا اور جورو اُسکی جس حال میں وہ لکڑی ڈھونے والی ایسی ہے جو اُسکی گردن میں ایک رسی خرمے کی چھال سے ہے

شان نزول تفسیر بیضاوی میں ہے کہ یہ سورۃ ابولہب اور اُسکی جورو کے حق میں نازل ہوئی کیونکہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب آیت وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ یعنی (اپنے اقرباؤں کو ڈرا) نازل ہوئی تب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب کو جمع کیا اور ڈرایا پس ابولہب نے کہا کیا تونے اسی واسطے ہمکو بلایا تھا اور حضرت کے مارنے کیلئے (خدا اپنی پناہ میں رکھے)

ایک شخص لیا جو روا اسکی ام جمیل ابو سفیان کی بہن خار و خسک اٹھالاتی اور رات کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمدورفت کی راہ میں بچھا رکھتی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی سورۂ تبت کو پڑھے تو مجھے امید ہے کہ خدا اسکو اور ابی لہب کو ایک گھر میں اکٹھا نہ کرے

سُوْرَةُ الْاِخْلَاص مدینة وھی اربع اٰیات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۙ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ

سورۂ اخلاص مدینے میں نازل ہوئی چار آیتوں کی ہے

خدا کے نام سے جو بڑا بخشش کرنیوالا نعمت دینے والا ہے کہہ تو وہ خدا ایک ہے خدا بے نیاز ہے نہ کوئی اُسکا فرزند ہے اور نہ وہ کسی کا فرزند اور نہیں ہے کوئی اُسکے برابر کا

شانِ نزول

تفسیر بیضاوی میں ہے۔ روایت ہے کہ قریشیوں کے ایک گروہ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ تو اُس پروردگار کی جسکی طرف ہمیں بلاتا ہے صفت کر تب سورۂ اخلاص نازل ہوئی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرد کو سورۂ اخلاص پڑھتے دیکھا فرمایا واجب ہوئی لوگوں نے پوچھا کیا واجب ہوئی فرمایا کہ اسکے واسطے بہشت واجب ہوئی

سُوْرَةُ الْفَلَق مدنیة وھی خمس اٰیات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۙ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۙ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۙ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ۙ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ

سورۂ فلق مدینے میں نازل ہوئی پانچ آیتوں کی ہے

خدا کے نام سے جو بڑا بخشش کرنیوالا نعمت دینے والا ہے تو کہہ میں پناہ میں آیا صبح کے

[illegible]

پیدا کرنے والے کی برائی اس سے جو پیدا کی اور برائی اندھیاری رات کے شر سے
جب گھیرے تاریکی اسکی شب کو۔ اور ان ساحر عورتوں کی بدی سے جو پھونکنے والی
ہیں گرہوں میں اور دشمن کے شر سے جبکہ وہ حسد کرے

سُوْرَۃُ النَّاسِ مَدَنِیَّۃٌ وَّھِیَ سِتُّ اٰیَاتٍ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ مَلِکِ النَّاسِ ۙ اِلٰہِ النَّاسِ ۙ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ
الْخَنَّاسِ ۙ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۙ مِنَ الْجِنَّۃِ وَالنَّاسِ ؏

سورہ ناس مدینے میں نازل ہوئی چھ آیتیں ہیں

خدا کے نام سے جو بڑا بخشش کرنیوالا اور نعمت دینے والا ہے کہہ تو کہ میں آدمیوں کے
پروردگار کی پناہ لیتا ہوں ایسا رب العالمین کہ بادشاہ آدمیوں کا معبود لوگوں کا شر سے
وسوسہ دینے والے کے جو چھپنے والا ہے وہ آدمیوں کے سینوں میں وسوسے
ڈالتا ہے۔ پریوں اور آدمیوں سے **شان نزول** تفسیر بیضاوی میں ہے۔ روایت ہے
کہ ایک یہودی نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جادو کرکے کسی رسی میں گیارہ
گرہ دیکر ایک کنوئیں میں پتھر کے نیچے رکھدیا تھا کہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیمار پڑے
تب معوذتان نازل ہوئیں اور جبرئیل نے حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سحر کی جگہ سے
خبر دی پس حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی مرتضی رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور انہوں نے
اسکو لاکر معوذتان کو پڑھکر حضرت کے اوپر دم کیا جوں جوں حضرت علی رضی اللہ عنہ
ایک ایک آیت پڑھتے تھے ایک ایک گرہ اسکی کھلتی جاتی تھی

تمت قل اعوذ برب الفلق ۱۱ قل اعوذ برب الناس

خُطْبَۃُ الْجُمُعَۃِ

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الحمد لله الذي لا يكشف الشدائد الا هو ولا يدفع المكائد
الا هو وما مراد العاشقين في الدارين الا هو وما مطلوب الواصلين
في الكونين الا هو العباد كلهم ضعفاء لا قوي الا هو والناس كلهم
فقراء لا غني الا هو لا حافظ ولا ناصر الا هو غافر الذنب
وقابل التوب شديد العقاب ذي الطول لا اله الا هو هل من
خالق غير الله يرزقكم من السماء والارض لا اله الا هو ومن يملك
السمع والابصار لا اله الا هو ومن يعلم الجهر والسر لا اله الا هو
موسى على الطور حين ناداه قال لا اله الا هو يونس في بطن الحوت
حين ناجاه قال لا اله الا هو يوسف في قعر البير حين ناجاه قال لا اله
الا هو ابراهيم في النار الحريق حين ناجاه قال لا اله الا هو ونشهد
ان لا اله الا الله وحده لا شريك له هو الحي لا اله الا هو ونشهد ان سيدنا
ومولانا محمدا عبده ورسوله صلى الله عليه وعلى اله واصحابه وبارك
وسلم اعلموا ان الدنيا دار غرة ولذتها فانية وطاعتها باقية وحاصلها
قوت وآخرها موت اخواني بدن ضعيف وزاد قليل وبحر عميق و
النار حريق والصراط دقيق والميزان عديل والقيامة قريب و
الحاكم رب جليل ويقول آدم صفي الله نفسي نفسي ويقول ابراهيم
خليل الله نفسي نفسي ويقول نوح نبي الله نفسي نفسي ويقول اسمعيل
ذبيح الله نفسي نفسي ويقول يوسف صديق الله نفسي نفسي ويقول

مُوْسٰی کَلِیْمُ اللّٰہِ نَفْسِیْ نَفْسِیْ وَیَقُوْلُ عِیْسٰی رُوْحُ اللّٰہِ نَفْسِیْ نَفْسِیْ وَیَقُوْلُ شَفِیْعُنَا وَسَیِّدُنَا مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَسَلَّمَ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ وَیَقُوْلُ الْجَلِیْلُ الْجَبَّارُ جَلَّ جَلَالُہٗ وَعَمَّ نَوَالُہٗ عِبَادِیْ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ہُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝

ابیات[له]

ترا بکوے اجل رہگذار خواہد بود	قرار گاہِ تو دار القرار خواہد بود
ترا بہ تختۂ تابوت برکشند از تخت	اگر خزانہ و لشکر ہزار خواہد بود
ترا بکنجِ لحد در زمیں بباید خفت	تن تو طعمۂ ہر مور و مار خواہد بود
بسا سوار کہ آنجا پیادہ خواہد شد	بسا پیادہ کہ آنجا سوار خواہد بود
اگر تو در چمنِ روزگار ہمچو گلے	دمیدہ بر سرِ خاکِ تو خار خواہد بود
گناہ می کنی و از خدا نمی ترسی	ندانستی کہ چہ انجامِ کار خواہد بود
طمع ز یار و برادر و خویشتن بردار	بکن عمل کہ ترا یارِ غار خواہد بود
مکن جفا و ستم یاد کن از آں روزے	کہ بازگشت تو با کردگار خواہد بود
اگر تو کردۂ کردارِ خود نہاں داری	یقیں بدانکہ ہمہ آشکار خواہد بود
ز ذرہ ذرہ حلالت حساب خواہد شد	ز قطرہ قطرہ حرامت شمار خواہد بود
بساز چارۂ رفتن کہ ہمرہاں رفتند	ز سعدی ایں سخنت یادگار خواہد بود

قطعہ

اَلَا یَا سَاکِنَ الْقَصْرِ الْمُعَلّٰی	سَتُدْفَنُ عَنْ قَرِیْبٍ فِی التُّرَابِ
لَہٗ مَلَکٌ یُّنَادِیْ کُلَّ یَوْمٍ	لِدُوْا لِلْمَوْتِ وَابْنُوْا لِلْخَرَابِ

[له] ہر خطبے میں اشعار عربی یا فارسی یا اُردو کا پڑھنا مکروہ و خلاف سنت ہے ۱۲

بَارَكَ اللّٰهُ لَنَا وَلَكُمْ فِي الْقُرْاٰنِ الْعَظِيْمِ ۝ وَنَفَعَنَا وَاِيَّاكُمْ بِالْاٰيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ
اِنَّهٗ تَعَالٰى جَوَادٌ كَرِيْمٌ مَّلِكٌ بَرٌّ رَّءُوْفٌ رَّحِيْمٌ

بنشیند و باز ایستادہ خطبۂ ثانیہ بخواند

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ
وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا
مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا
شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَسَلَّمَ خُصُوْصًا عَلٰى اَوَّلِ الصَّحَابَةِ وَاَفْضَلِهِمْ بِالتَّحْقِيْقِ ۝
اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَبِيْ بَكْرِ نِ الصِّدِّيْقِ ۝ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ ۝ وَعَلٰى اَعْدَلِ الْاَصْحَابِ
وَزُبْدَةِ الْاَحْبَابِ ۝ اَلشَّيْخِ الْمُحَدَّثِ بِالصِّدْقِ وَالصَّوَابِ ۝ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ
عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ ۝ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ ۝ وَعَلٰى جَامِعِ اٰيَاتِ الْقُرْاٰنِ كَامِلِ
الْحَيَاءِ وَالْاِيْمَانِ ۝ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ ۝ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ
وَعَلٰى مُظْهِرِ الْعَجَائِبِ وَالْغَرَائِبِ ۝ اَنِيْسِ النَّبِيِّ فِي اللَّيَالِيْ وَالْمَصَائِبِ
اَسَدِ اللّٰهِ الْغَالِبِ ۝ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلِيِّ بْنِ اَبِيْ طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ
وَعَلَى الْاِمَامَيْنِ الْهُمَامَيْنِ السَّعِيْدَيْنِ الشَّهِيْدَيْنِ الْمَقْبُوْلَيْنِ الْمَعْصُوْمَيْنِ
اَبِيْ مُحَمَّدِ نِ الْحَسَنِ وَاَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ الْحُسَيْنِ ۝ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا ۝ وَعَلٰى
اُمِّهِمَا سَيِّدَةِ النِّسَآءِ فَاطِمَةَ الزَّهْرَآءِ ۝ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا ۝ وَعَلٰى
عَمَّيْهِ الْفَضْلِ نَبِيِّ الْمُكَرَّمَيْنِ بَيْنَ النَّاسِ ۝ اَلْحَمْزَةِ وَالْعَبَّاسِ
رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمَا ۝ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَ

اَلْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ وَاللّٰهُمَّ انْصُرْ مَنْ نَصَرَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاخْذُلْ مَنْ خَذَلَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَعَادَلُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ۔ وَلَذِکْرُ اللّٰهِ تَعَالٰی اَعْلٰی وَاَوْلٰی وَاَعَزُّ وَاَجَلُّ وَاَتَمُّ وَاَهَمُّ وَاَکْبَرُہ

ترجمہ جمعے کے خطبے کا

خدا کے نام سے جو بڑا بخشش کرنیوالا نعمت دینے والا ہے۔ حمد اس خدا کو ہے کہ جسکے سوا کوئی سختیوں کو دور نہیں کرتا۔ اور اسکے سوائے مکروہات کو کوئی دفع نہیں کرسکتا اور دونوں جہان میں مقصود عاشقوں کا نہیں مگر وہ ہے۔ ملنے والوں کا مطلوب نہیں دونوں جہاں میں سوائے اسکے۔ سب بندے ضعیف ہیں اسکے سوا کوئی قوی نہیں۔ تمام آدمی محتاج ہیں اسکے سوا کوئی بے نیاز نہیں۔ اور نگہبان و مددگار نہیں مگر وہ گناہ کا بخشنے والا توبہ قبول کرنے والا بہت عذاب کرنیوالا صاحب قوت نہیں مگر وہی۔ آیا اس اللہ کے سوا جو تمہیں آسمان و زمین سے روزی دیتا ہے کوئی پیدا کرنے والا ہے نہیں کوئی معبود سوائے اس کے دیکھنے سننے کا مالک کون ہے۔ نہیں کوئی معبود سوائے اسکے۔ ظاہر و باطن سے کون خبردار ہے نہیں کوئی معبود مگر وہی کوہ طور کے اوپر جب موسیٰ کو پکارا کہا اسکے سوائے کوئی معبود نہیں۔ یونس کو جب مچھلی کے پیٹ سے چھڑایا بولا اسکے سوائے کوئی اللہ نہیں۔ یوسف کو جب کنوئیں کے بیچ سے مخلصی دی بولا اس کے سوائے کوئی معبود نہیں۔ ابراہیم کو جب دہکتی آگ سے نجات دی بولا کہ

اُسکے سوا کوئی خدا نہیں ۔ اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ اُس اللہ کے سوائے کوئی معبود نہیں جس حال میں کہ وہ ایک ہے کوئی اُسکا شریک نہیں وہ زندہ ہے اُسکے سوا کوئی معبود نہیں ۔ اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو ہمارا سردار اور ہمارا مولیٰ ہے بندہ اُسکا اور رسول اُسکا ہے آپ پر اور اُسکی آل و اصحاب پر خدا کی رحمت ہو جیو ۔ جانو کہ دنیا گذرنے والی ہے اور لذت اوسکی فانی ہے طاعت اُسکی باقی ہے اور حاصل اُسکا قوت اور نہایت اُسکا موت ۔ ای بھائیو بدن سست ہے اور راہ خرچ تھوڑا اور ندی گہری ہے اور آگ دہکنے والی اور پل طرط بہت باریک اور ترازو تولنے والی اور قیامت نزدیک اور حاکم ہے پروردگار کہیگا آدم صفی اللہ یا نفسی نفسی اور کہیگا ابراہیم خلیل اللہ یا نفسی نفسی اور کہے گا نوح نبی اللہ یا نفسی نفسی اور کہیگا اسمٰعیل ذبیح اللہ یا نفسی نفسی اور کہیگا یوسف صدیق اللہ یا نفسی نفسی اور کہیگا موسیٰ کلیم اللہ یا نفسی نفسی اور کہیگا عیسیٰ روح اللہ یا نفسی نفسی پھر کہیگا شفیع ہمارا اور سردار ہمارا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا اُمتی اُمتی اور کہیگا وہ جبار بزرگ کہ جسکی بزرگی برتر اور بخشش اُسکی عام تر ہے یا عبادی یا عبادی اور انپر کچھ خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہونگے

ابیات

اجل کے کوچہ میں تیرا گذار ہووےگا
تراقرار بدار القرار ہووےگا

دھرینگے تجکو جنازے پہ تخت شاہی سے
اگر خزانہ و لشکر ہزار ہووےگا

لحد کے گوشے میں تجکو زمیں پہ سونا ہے
بدن ترا خورش مور و مار ہووےگا

دہ کر تو فخر یہاں اپنی شہسواری کا
عمل سے پیادہ وہاں شہسوار ہووےگا

اگرچہ باغ جہاں میں تو مثل گل رہیگا	یہ تیری خاک پہ آخر کو خار ہووے گا
نڈر خدا سے تو ہو کر گناہ کرتا ہے	نہ جانتوں کیا ترا انجام کار ہووے گا
طمع کسی سے نہ رکھ اس جہان فانی میں	سوائل کے ترے کون یار ہووے گا
نہ کر کسی پہ ستم سوچ یہ کہ آخر کو	خدا ہی سے تیرا دار و مدار ہووے گا
اگر چھپا یا کسی طرح سے جو اپنا کیا	پر ایک دن کو یہ سب آشکار ہوویگا
ہر ایک حلال سے تیرے حساب ہویگا	ہر ایک حرام کا تیرے شمار ہووے گا

تو اپنے کوچ کی کچھ فکر کر یہاں شیدا
کلام سعدی ترا یادگار ہووے گا

قطعہ

سنو اے ساکنان قصر برتر	کہ آخر جاؤ گے مٹی کے اندر
فرشتے رب کے کہتے ہیں یہ ہر دم	کہ پہنو تم لباس مرگ ماتم

خدا ہم کو اور تمکو قرآن سے برکت دوے اور اسکی آیتوں سے اور اسکے ذکر سے ہمیں اور تمہیں نفع بخشے اور بے شبہہ اللہ تعالیٰ بخشش و کرم کرنیوالا بادشاہ نیکوکار مہربان ہے۔

ترجمۂ خطبۂ ثانی

حمد خدا ہی کو ہے حمد خدا ہی کو ہے + ہم اوسکی حمد کرتے ہیں۔ اور اس سے مدد اور معافی چاہتے ہیں + اور اسپر ایمان لاتے ہیں۔ اور اسپر آسرا کرتے ہیں اور ہم اپنی بدیوں اور اپنے بدکاموں سے اسکی پناہ لیتے ہیں + خدا جسے ہدایت کرتا ہے کوئی اسے گمراہ نہیں کرسکتا اور وہ جسے گمراہ کرے کوئی اسے ہدایت نہ کرسکے اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ نہیں کوئی معبود سوائے اس خدائے واحد کے کوئی

اُسکا شریک نہیں اور گواہی دیتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارا سردار اور ہمارا مولا اُسکا بندہ اور بھیجا ہوا اُسکا ہے اُسپر خدا کی رحمت اور سلام ہو جیسا اور اُسکی آل و اصحاب پر خصوصاً اوسپر جو سب یاروں سے اول اور بہتر ہے بہ تحقیق یعنی امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور یاروں سے عادل تر اور دوستوں کے خلاصہ شیخ راست گفتار یعنی امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور قرآن کی آیتوں کے جمع کرنے والے پُر حیا اور ایمان میں استوار یعنی امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور مظہر عجائب و غرائب پیغمبر خدا کے دوست تمام بلاؤں اور مشکلوں میں شیر خدا جو غالب ہے ہر ایک غالب پر یعنی امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور دونوں اماموں پر جو نیکو کار اور سردار اور شہید مقبول مغفور ہیں یعنی ابو محمد حسن و ابو عبداللہ حسین رضی اللہ عنہما اور اُسکی والدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا پر جو سب عورتوں کی سردار ہیں اور اُنکے دونوں چچوں پر کہ وہی سب آدمیوں کے درمیان بزرگ تھے یعنی حضرت امیر حمزہ اور عباس رضی اللہ عنہما یا پروردگار میرے اور سب مومن مرد اور مومنہ عورتوں کی اور تمام مسلمانوں مرد اور مسلمانوں عورتوں کی آمرزش کر یا پروردگار جو دین محمد صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی مدد کرے تو اُسکی مدد کر۔ اور جو محمد کے دین کو خراب کرے تو اُسے خراب کر۔ ای خدا کے بندو آپسمیں برابری اختیار کرو اللہ تعالیٰ برابری اور نیکی اقرباؤں پر اور بخشش کرنیکا حکم کرتا ہے اور بدکاری اور بدچلنی اور نافرمانی سے منع کرتا ہے اور وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے چاہیے کہ تم یاد رکھو اور خدا کا ذکر برتر اور بہت اور عزیز تر اور بہت بزرگ اور بڑا مقصود اور تمام تر مطلوب اور بہت بڑا ہے

خطبۂ عید الفطر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ۝ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَالْعِزَّۃُ لِلّٰہِ وَالْعَظَمَۃُ لِلّٰہِ وَالْقُدْرَۃُ لِلّٰہِ وَالْمِنَّۃُ لِلّٰہِ سُبْحَانَ اللّٰہِ ۝ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ ۝ سُبْحَانَ مَنْ شَرَحَ صُدُوْرَ الصَّائِمِیْنَ بِاِشْرَاقِ اَنْوَارِ الْمَعْرِفَۃِ وَالْاِیْمَانِ وَ نَوَّرَ قُلُوْبَ الْمُصَلِّیْنَ بِنُوْرِ الْھِدَایَۃِ وَالْعِرْفَانِ ۝ وَبَشَّرَ الْمُؤْمِنِیْنَ الْعَابِدِیْنَ بِنَعْمَاءِ الْجِنَانِ ۝ وَفَتَحَ عَلَی الصَّائِمِیْنَ اَبْوَابَ الْبَرَکَۃِ وَالرَّحْمَۃِ وَالرِّضْوَانِ ۝ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ ۝ سُبْحَانَ مَنْ اَنْزَلَ الْفُرْقَانَ فِیْ اَشْرَفِ لَیْلَۃٍ مِّنْ لَیَالِیْ شَھْرِ رَمَضَانَ ۝ وَجَعَلَ قِیَامَھَا خَیْرًا مِّنْ اَلْفِ شَھْرٍ مِّنَ الدُّھُوْرِ وَالْاَزْمَانِ ۝ وَاَنْزَلَ فِیْھَا الْمَلٰٓئِکَۃَ بِتَبْلِیْغِ سَلَامِہٖ عَلٰی کَافَّۃِ اَھْلِ الْحَقِّ وَالْاِیْقَانِ ۝ وَغَفَرَ لَھُمْ بِکَمَالِ الْکَرَمِ وَالْاِحْسَانِ ۝ جَمِیْعَ الْکَبَائِرِ وَالْعِصْیَانِ ۝ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ ۝ سُبْحَانَ مَنْ وَّعَدَ لِلصَّائِمِیْنَ بِدُخُوْلِ الْجَنَّۃِ مِنْ بَابٍ یُّقَالُ لَہٗ رَیَّانُ ۝ لَا یَدْخُلُ فِیْہِ اِلَّا صَائِمُوْ شَھْرِ رَمَضَانَ وَبَشَّرَھُمْ بِاَنْوَاعِ نَعْمَآءِ الْجِنَانِ ۝ مِنَ الْحُوْرِ وَالْقُصُوْرِ وَالْغِلْمَانِ ۝ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ ۝ سُبْحَانَ مَنْ فَضَّلَ خُلُوْفَ فَمِ الصَّائِمِیْنَ عَلٰی رِیْحِ الْمِسْکِ وَالزَّعْفَرَانِ ۝ وَاَوْجَبَ عَلٰی نَفْسِہٖ جَزَآءَ الصِّیَامِ بِکَمَالِ الْکَرَمِ وَالْاِمْتِنَانِ ۝ فَطُوْبٰی

لِمَنْ نَالَ جَزَآءَ خَيْرِ الْاَعْمَالِ عِنْدَ لِقَاءِ الرَّحْمٰنِ ۝ وَبُشْرٰى لِمَنْ فَازَ بِسَعَادَاتِ
جَزَاءِ الْحَسَنَاتِ مِنْ بَيْنِ الْاِنْسِ وَالْجَانِّ ۝ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ
وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ شَهَادَةً مُّوْصِلَةً اِلٰى دَارِ الْخُلْدِ وَالْجِنَانِ ۝
وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ
وَسَلَّمَ ۝ اِعْلَمُوْا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ اَنَّ يَوْمَكُمْ هٰذَا الْيَوْمُ وَدَاعُ شَهْرِ رَمَضَانَ
يَوْمُ فِرَاقِ هٰذَا الشَّهْرِ جَلِيْلِ الشَّانِ ۝ اِبْكُوْا لِوَدَاعِ شَهْرِ رَمَضَانَ ۝
يَا حَسْرَتَا وَيَا نَدَامَتَا عَلٰى فِرَاقِكَ وَوَدَاعِكَ يَا شَهْرَ رَمَضَانَ ۝ هَيْهَاتَ
هَيْهَاتَ قَدْ غَابَ عَنْكُمْ اَنْوَارُهٗ ۝ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ قَدْ ذَهَبَتْ مِنْكُمْ اٰثَارُهٗ
اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا شَهْرَ الْاَمْنِ وَالْاَمَانِ ۝ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا شَهْرَ
الْمَغْفِرَةِ وَالرِّضْوَانِ ۝ اَلْوَدَاعُ اَلْوَدَاعُ يَا شَهْرَ الْمَغْفِرَةِ وَالتَّوْبَةِ
وَالْعِتْقِ مِنَ النِّيْرَانِ اَلْفِرَاقُ اَلْفِرَاقُ يَا شَهْرَ نُزُوْلِ الرَّحْمَةِ وَالْبَرَكَةِ
مِنَ الْمَلِكِ الْمُهَيْمِنِ الْمَنَّانِ ۝

ابیات

درد و دریغا میروی ای ماه رمضان الوداع
غائب ز چشم میشوی ای ماه رمضان الوداع

شادی فراوان داشتم ماه مبارک یافتم
با گریه اکنون ساختم ای ماه رمضان الوداع

هیهات غفلت داشتم قدر ترا نشناختم
رفتم نزودت یافتم ای ماه رمضان الوداع

اوّل بمن آمیختی تخم محبت ریختی
آخر ز من بگریختی اے ماه رمضان الوداع

دل در فراقت خون کنم این دیده ها جیحون کنم
آخر خود دگر بزی چوں کنم ای ماه رمضان الوداع

با درد و غم آمیختم ناله ز دل انگیختم
خون از دو دیده ریختم ای ماه رمضان الوداع

روی تو بینم شادمان ای ماہ رمضان الوداع		وارد خدا اگر دو جہاں ز شفقت تن با ہم اماں

	اکنون محمد مصطفیٰ محبوب و مطلوب خدا گفتی دریغا حسرتا ای ماہ رمضان الوداع	

وَقَدْ جَعَلَ اللهُ تَعَالَى إِيَّاهُ عِيدًا لِلْمُؤْمِنِينَ وَرَجَاءً لِلْعَاصِينَ التَّائِبِينَ مُحْسِنًا
لِلْيَتَامَى وَالْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَدَقَةُ
الْفِطْرِ وَاجِبَةٌ عَلَى كُلِّ حُرٍّ مُسْلِمٍ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى نِصْفُ صَاعٍ مِنْ بُرٍّ أَوْ زَبِيبٍ
أَوْ صَاعٌ مِنْ تَمْرٍ أَوْ شَعِيرٍ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ
الْأَبْرَارِ وَأَسْتَغْفِرُ اللهَ لِي وَلَكُمْ وَلِجَمَاعَةِ الْمُصَلِّينَ الْحَاضِرِينَ إِنَّهُ تَعَالَى
جَوَادٌ كَرِيمٌ مَلِكٌ بَرٌّ رَؤُفٌ رَحِيمٌ ه

بنشیند باز ایستادہ خطبہ ثانی بخواند

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ه اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنُؤْمِنُ بِهِ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ
وَنَعُوذُ بِاللهِ مِنْ شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَهْدِهِ اللهُ فَلَا مُضِلَّ
لَهُ ه وَمَنْ يُضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ ه وَنَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا
شَرِيكَ لَهُ وَنَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ ه صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَ
أَصْحَابِهِ وَسَلَّمَ ه خُصُوصًا عَلَى أَوَّلِ الصَّحَابَةِ وَأَفْضَلِ الْأَخْيَارِ ه وَأَكْمَلِ الْمُهَا
جِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَمُحْرِمِ سَيِّدِ الْأَبْرَارِ ه ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ
خَيْرِ الْبَشَرِ بَعْدَ الْأَنْبِيَاءِ بِالتَّحْقِيقِ ه أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ وَإِمَامِ الْمُتَّقِينَ
أَبِي بَكْرِ الصِّدِّيقِ ه رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ وَعَلَى أَعْدَلِ الْأَصْحَابِ وَزُبْدَةِ الْأَحْبَابِ
صَاحِبِ الْمِنْبَرِ وَالْمَسْجِدِ وَالْمِحْرَابِ ه الشَّيْخِ الْمُحَدِّثِ وَالنَّاطِقِ بِالْخَيْرِ

والصواب ، امير المؤمنين عمر بن الخطاب ، رضي الله تعالى عنه ، وعلى
ذي النورين ، مظهر انوار سيد الثقلين ، وساطع البرهان ، وجامع القرآن
حبيب الرحمن ، موعدة الشيطان ، وكامل الحياء والايمان ، امير المؤمنين
عثمان بن عفان ، رضي الله تعالى عنه وعلى اسد الله الغالب ، مطلوب
كل طالب ، مظهر العجائب والغرائب ، شمس المشارق والمغارب انيس
النبي في النوائب ، امير المؤمنين علي بن ابي طالب رضي الله تعالى عنه و
على ولديه وقرتي عينيه الامامين الهمامين الكاملين الفاضلين
السعيدين الشهيدين المظلومين المقبولين المرحومين سيدي شباب
اهل الجنة اميري المؤمنين ابي محمد الحسن وابي عبد الله الحسين رضي الله
تعالى عنهما ، وعلى امهما سيدة النساء فاطمة الزهراء بنت رسول الله
صلى الله عليه وسلم رضي الله تعالى عنها ، وعلى عميه الشريفين بين
الناس ، الحمزة والعباس ، رضي الله تعالى عنهما ، وعلى ذي الجنة
القطعية العشرة المبشرة رضوان الله تعالى عليهم اجمعين ، اللهم صل
على محمد وعلى آل محمد بعدد من صلى وصام ، اللهم صل على محمد وعلى آل
محمد بعدد من قعد وقام ، وصل على جميع الانبياء والمرسلين وعلى
الملائكة المقربين ، وعلى عباد الله الصالحين ، برحمتك يا ارحم
الراحمين ، اللهم ايد الاسلام والمسلمين بسلطنة عبدك الراجي
شفاعة محمد ن الحجازي مجاهد الدين سلطان نعم في هذا الزمان
خلد الله تعالى ملكه وسلطنته وافاض على العالمين

وَنَدَّاٰوِیْ اِحْسَانَہٗ ۔ اَللّٰھُمَّ انْصُرْ مَنْ نَّصَرَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاخْذُلْ
مَنْ خَذَلَ دِیْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عِبَادَ اللّٰہِ رَحِمَکُمُ اللّٰہُ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ
وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ
لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ وَاذْکُرُوا اللّٰہَ تَعَالٰی یَذْکُرْکُمْ وَادْعُوْہُ یَسْتَجِبْ لَکُمْ وَلَذِکْرُ
اللّٰہِ تَعَالٰی اَعْلٰی وَاَوْلٰی وَاَعَزُّ وَاَجَلُّ وَاَتَمُّ وَاَھَمُّ وَاَکْبَرُ ؕ

ترجمہ خطبۂ عید الفطر

خدا کے نام سے جو بڑا بخشش کرنیوالا نعمت دینے والا ہے خدا ہی کو ہے اور قدرت
خدا ہی کو ہے اور بزرگی اللہ ہی کو ہے ۔ اور قدرت خدا ہی کو ہے اور معتا سی کو ہے
تسبیح پڑھتے ہیں خدا کی خدا بہت بزرگ ہے خدا بہت بزرگ ہے نہیں ہے کوئی معبود
سوائے اُسکے اور خدا بہت بزرگ ہے خدا بہت بزرگ ہے اور واسطے اللہ ہی کے ہے
تعریف ہم تسبیح پڑھتے ہیں اُسکی جسنے روزہ داروں کے سینوں کو معرفت اور ایمان
کی روشنی سے منور کیا اور نمازیوں کو ہدایت اور عرفان کے نور سے روشن کیا اور
نہایت بخشش اور مہربانی سے مومنوں اور عابدوں کو بہشت کی نعمتوں کا مژدہ
دیا اور برکت اور رحمت اور خوشنودی کے دروازوں کو روزہ داروں کیواسطے کھولا
خدا بہت بزرگ ہے خدا بہت بزرگ ہے نہیں کوئی معبود سوائے اُسکے اور خدا
بہت بزرگ ہے خدا بہت بزرگ ہے اور خدا ہی کے لئے حمد ہے ہم تسبیح پڑھتے
ہیں اُسکی کہ جسنے ماہ رمضان کی اچھی سی اچھی رات میں قرآن نازل کیا اور اُسکی
بیداری کے زمانے کو ہزار مہینوں سے بہتر کیا اور اُسمیں فرشتوں کو صاحب
کرگروہ کا اپنا اسلام بھیجنے کے لئے بھیجا اور نہایت بخشش و احسان سے

اسکے بڑے چھوٹے گناہوں کو بخشا خدا بہت بزرگ ہے خدا بہت بزرگ ہے نہیں کوئی
معبود سوائے اسکے اور خدا بہت بزرگ ہے خدا بہت بزرگ ہے اور خدا ہی کے لئے
حمد ہے ہم تسبیح پڑھتے ہیں اسکی کہ جسنے روزہ داروں سے وعدہ کیا ہے کہ انہیں بہشت
میں لیجاویگا ایک دروازہ سے کہ نام اسکا ریان ہے نہیں جا سکیں گے اس دروازے
سے مگر رمضان کے روزے رکھنے والے اور بہشت کے اقسام نعمتوں سے انہیں
مشرف کریگا وے نعمتیں حور و قصور اور غلمان ہیں خدا بہت بزرگ ہے خدا بہت
بزرگ ہے نہیں کوئی معبود سوائے اسکے خدا بہت بزرگ ہے خدا بہت بزرگ
ہے اور خدا ہی کے لئے حمد ہے ہم تسبیح پڑھتے ہیں اسکی کہ جسنے روزہ داروں کے لعاب
دہن کو مشک اور زعفران پر فضیلت دی ہے اور بہت بخشش اور مہربانی سے روزہ
داروں کا اجر اپنے اوپر واجب کیا پس خوشی اسی کو ہے کہ جس نے خدا کی درگاہ
سے نیک کاموں کی جزا پائی اور آدمی اور پری اور جنوں میں سے اس شخص کے
کے لئے مژدہ ہے کہ جسکو نیکیوں کا اچھا اجر ملا اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ نہیں کوئی معبود
سوائے اللہ کے جس حال میں وہ ایک ہے کوئی اسکا شریک نہیں ایسی گواہی
جو بہشت میں لیجانے والی ہے اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
اسکا بندہ اور رسول اسکا ہے خدا اس پر درود اور سلام بھیجے اور اسکے آل
و اصحاب پر جانو اے مومنو یہ دن تمہارا رمضان کے جانے کا ہے اور اس
ماہ بزرگ شان کی جدائی کا دن ہے اور ماہ رمضان کی جدائی سے روؤ
اے افسوس اور ندامت تیرے فراق اور رخصت پر اے مہینے رمضان
کے افسوس کہ تم سے خوبیاں اسکی گم ہوئیں اور دریغا دریغ نشانیاں اسکی

تم سے جاتی رہیں اے امن وامان کے مہینے تجھ پر ہمارا سلام اے خدا کی بخشش ورضامندی کے چاند ہمارا سلام تجھ پر الوداع الوداع اے معافی او توبہ کرنے اور دوزخ سے چھڑانے کے مہینے الفراق الفراق اے اُس بادشاہ محافظ اور احسان کرنیوالے سے رحمت وبرکت نازل ہونیکے مہینے

ابیات

واحسرتا واحسرتا ای ماہ رمضان الوداع — غائب تو ہمسے ہوگیا ای ماہ رمضاں الوداع

مقدم سے تیرے دلبرا دل خرم وخرسند ہوا — آنکھوں سے اب آنسو بہا ای ماہ رمضاں الوداع

افسوس غفلت میں رہا اور یونہی تجھکو کھو دیا — پر جلد تو ہمسے گیا ای ماہ رمضاں الوداع

اول تو ہمسے آملا تخم محبت بو دیا — آخر کو جاتا ہی رہا ای ماہ رمضاں الوداع

ہجر سے تیری عارفاں غمگین ہوئے اور نسں چلیں — روتی ہیں سب اہل ہما ای ماہ رمضاں الوداع

جب قصد جانیکا کیا آرام دل سے لیگیا — غمناک ہمکو کر گیا ای ماہ رمضاں الوداع

تجھ ہجر میں دل خوں کیا آنکھوں کو نیں چھوڑ گیا — سینے میں غم افزوں کیا ای ماہ رمضاں الوداع

کرتا ہے دل آہ وفغاں ہو مشتعل سوز نہاں — آنکھوں سے میری خوں بہا ای ماہ رمضاں الوداع

باقی اگر ہے زندگی اور دل میں ہے فرخندگی — پھر تجکو دکھلاوے خدا ای ماہ رمضاں الوداع

اکثر محمد مصطفےٰ اسلام کے وہ رہنما
کہتے دریغا حسرتا ای ماہ رمضاں الوداع

اور تحقیق خدا تعالیٰ نے اُس دن کو مومنوں کیواسطے عید کیا ہے اور گنہگار توبہ کرنے والوں کے لئے وسیلہ امید کا یتیموں اور فقیروں اور مسکینوں پر احسان کرو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ صدقہ فطر کا واجب ہے ہر ایک آزاد مسلمان پر خواہ مرد ہو یا عورت گیہوں یا انگور سے دو سیر انگریزی یا چار سیر خرمے یا جو سے

اے پروردگار ہمارے مغفرت ہماری کر اور ہماری بدیوں سے درگذر اور نیکیوں کے ساتھ ہمیں موت دے اے مومنو میرے اور اپنے اور اس جماعت کے سب مسلمانوں کے لئے خدا سے آمرزش طلب کرو تحقیق وہ اللہ تعالیٰ بخشش مہربانی کرنیوالا بادشاہ نیکوکار مہربان رحیم ہے۔

بیٹھ جاوے منبر پر پھر کھڑا ہو کے دوسرا خطبہ پڑھے ترجمہ اسکا یہ ہے

حمد خدا ہی کو ہے جو مفضل ہی کو ہے ہم اسکی حمد کرتے ہیں اور اس سے مدد اور مغفرت چاہتے ہیں اور اس پر ہم ایمان لاتے ہیں اور اسپر بھروسہ رکھتے ہیں اور ہم اپنی بدیوں اور اپنے برے کاموں سے خدا کی پناہ لیتے ہیں خدا جسکو ہدایت کرے اوسکا بہکانیوالا کوئی نہیں اور جسے گمراہ کرے اسکا راہ دکھانیوالا کوئی نہیں اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ نہیں ہے کوئی معبود سوا اللہ واحد کے کوئی اسکا شریک نہیں اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بندہ اسکا اور رسول اسکا ہے خدا اسپر اور اسکے آل واصحاب پر درود اور سلام بھیجے خصوصاً یار روشنی پہلے اور نیکوں سے بہتر اور مہاجرو انصار کامل اور پیغمبر خدا کے بھیدوں کے خبردار یعنی ثانی ان دونوں کے جب دو غار کے درمیان تھے اور دو نبیوں کے بعد سب آدمیوں سے بہتر ہیں بتحقیق امیر مومنوں اور امام عابدوں کے حضرت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اصحابوں سے عادل تر اور دوستوں کے خلاصہ منبر اور مسجد محراب کے مالک پر یعنی شیخ محدث نیک اور سچ کہنے والے امیر مومنوں کے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ذی النورین مظہر دو قسمیوں سردار جنوں اور آدمیوں کے دلیلوں کے بیان کرنیوالے اور قرآن کے جمع کرنیوالے یعنی دوست خدا کے اور دشمن شیطان کے اور حیا و ایمان میں کامل امیر مومنوں کے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور شیر خدا سب غالب مطلوب ہر ایک طالب کے مظہر عجائب اور غرائب کے یعنی آفتاب مشرقوں اور مغربوں کے نبی کے دوست آختوں میں

امیر مومنوں کے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور انکی دونوں لڑکوں پر
کہ انکے نوردیدہ ہیں اور وے دونوں امام سوا کامل صاحب فضیلت نیک شہید مظلوم
مقبول مرحوم اور بہشتی جوانوں کے رئیس ہیں امیر مومنوں کے بیٹے حسن وامام حسین
رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور انکی والدہ تمام عورتوں کی سردار حضرت فاطمہ زہرا پر کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے
دونوں چچوں پر کہ وے سب آدمیوں کے درمیان بزرگ ہیں یعنی امیر حمزہ اور حضرت
عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ان دس یاروں پر کہ جنہیں حدیث میں پیغمبر خدا صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم نے قطعاً بہشت کی بشارت دی رضی اللہ تعالیٰ عنہم یا پروردگار بعد ہر ایک
نمازی اور روزہ دار کے محمد اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل پر درود بھیج یا پروردگار شمار
ہر ایک کھڑے بیٹھے کے محمد اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل پر درود بھیج اور
درود بھیج تمام نبیوں اور رسولوں اور مقرب فرشتوں اور سب نیک بندوں پر
اپنی مہربانی سے اے مہربانی کرنیوالوں سے بڑی مہربانی کرنیوالے یا پروردگار
تیرے بندے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجازی کی شفاعت کے امیدوار کے لئے
جہاد کرنے والے سلطان روم اس زمانے کے بادشاہ کو قائم رکھنے سے دین
اسلام اور مسلمانوں کو قوت بخش خدا اسکی بادشاہی ہمیشہ رکھے اور تمام عالم پر
اسے غالب کرے اور اسکی نیکی اور احسان کو سب پر جاری کری یا پروردگار جو
دین محمدی کی مدد کرے تو اسکی مدد کیجیو اور دین محمدی کو خراب کرے تو اسکو خراب
کریو اے خدا کے بندو تحقیق اللہ تعالیٰ تمہیں عدالت اور نیکی کا حکم کرتا ہے اور اقربا کو بخشش
کا اور بدچالی اور نافرمانی اور ظلم سے منع کرتا ہے نصیحت کرتا ہے تمہیں تاکہ نصیحت قبول

کرو تم یاد کرو مجھکو وہ تمہیں یاد کریگا اور اُس سے تم دعا مانگو وہ تمہاری دعا قبول فرماویگا ہر آئینہ خدا کی یاد برتر اور بہتر اور سب سے اچھی اور بہت بزرگتر اور تمام تر مقصود اور نہایت مطلوب اور بہت بڑی ہے

خطبہ عید الضحیٰ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَ اجْتِمَاعَ النَّاسِ یَوْمَ الْعِیْدِ مِنْ شَعَآئِرِ الْاِسْلَامِ وَخَصَّہٗ بِالشَّرَفِ مِنْ بَیْنِ الْاَیَّامِ کَمَا خَصَّ نَبِیَّنَا مُحَمَّدَ نِ الْمُصْطَفٰی عَلَیْہِ وَعَلٰٓی اٰلِہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ مِنْ بَیْنِ الْاَنْبِیَآءِ وَالرُّسُلِ الْکِرَامِ ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ ۔ اَشْہَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْہَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ ۔ سُبْحَانَ مَنِ ابْتَلٰٓی اِبْرَاہِیْمَ الْخَلِیْلَ بِذِبْحِ وَلَدِہِ الْکَرِیْمِ وَفَدٰی بِہٖ اِسْمٰعِیْلَ الْحَسِیْبَ ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ ۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فَلَمَّا بَلَغَ مَعَہُ السَّعْیَ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْٓ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْٓ اَذْبَحُکَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی قَالَ یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ۔ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّہٗ لِلْجَبِیْنِ ۔ وَنَادَیْنٰہُ اَنْ یّٰٓاِبْرٰہِیْمُ ۔ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا ۔ اِنَّا کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ۔ اِنَّ ہٰذَا لَہُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ ۔ وَفَدَیْنٰہُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ ۔

ابیات

بود یک شب مر خلیل الله بخواب	دید امر حق که قربان کن شتاب
بامداد آں صد شتر مذبوح کرد	روز دیگر باز دید آں نیک مرد
بار دیگر صد شتر قربان نمود	روز سوم چونکه بر بستر غنود
باز خواب آمد که قم قربان بساز	گفت ابراہیم رب بے نیاز
من نمی دانم چه قربانی کنم	زانکه من از سر حق واقف نیم
گفت جز من ہر که را داری تو دوست	زود قرباں کن که از بہر نکوست
حکم شد یعنی پسر قربان کن	در رہِ حق مر جگر قربان بکن
گفت با او یا بُنَیَّ اِنِّیۡ اَرٰی	فِی الْمَنَامِ اَنِّیۡ اَذْبَحُكَ مَاذَا تَرٰی
پور گفتا اے پدر بشتاب زود	ساز کن امریکه در خوابت نمود
بے تامل کارد بر حلقوم ماں	یابی انشاء الله ام از صابراں
ہر دو چوں منقاد امر حق شدند	کز دل وجاں راضی قرباں بدند
باز ابراہیم را آمد ندا	بود آں حکم از برائے ابتلا
جبرئیلش ع ہمدراں حالت رسید	پور را از زیر دشنہ بر کشید
از بہشت آورد یک کیش جسیم	فدیہ او داد آں ذبح عظیم
زیں سبب فرمود ختم مرسلاں	اضحیہ مسنون ابراہیم داں

اِعْلَمُوْا اَيُّهَا الْحَاضِرُوْنَ ۝ اَنَّ يَوْمَكُمْ هٰذَا عِيْدٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ وَوَعِيْدٌ لِّلْكَافِرِيْنَ
وَالشَّيَاطِيْنَ ۝ يَوْمٌ مُّبَارَكٌ مِّنْ اَشْهُرٍ مَّعْلُوْمَاتٍ ۝ اَلَّتِيْ قَالَ الْحُجَّاجُ فِيْهَا
بِالْبَرَكَاتِ ۝ بُشْرٰى لِمَنْ فَازَ فِيْهَا بِطَوَافِ بَيْتِ اللّٰهِ الْحَرَامِ ۝ وَوَاَسَفٰى عَلٰى مَنْ

الحرام من حل للاعتصام، بشرى لمن أدرك فيها الوقوف بعرفات، ووا أسفى
على من لم ينل بهذه السعادة، بشرى لمن سعى فيها بين الصفا والمروة، ووا
أسفى على من لم يتمسك بهذه العروة، بشرى لمن خرج يوم التروية
إلى المنى، ووا أسفى على من لم يفز بهذا الثناء، بشرى لمن شهد فيها رمي
الجمار، ووا أسفى على من لم يحصله بالاحضار، ويستحب في هذا اليوم الإ
مساك والاستياك والاغتسال واستعمال الطيب ولبس أحسن ثيابه
والإمساك إلى أن يصلي والتكبير جهرا في الطريق من بابه ويجب قوله
الله أكبر الله أكبر لا إله إلا الله والله أكبر الله أكبر ولله الحمد، من فجر
عرفة إلى آخر أيام التشريق عقيب كل فرض أدي بجماعة مستحبة على المقيم بمصر
أو مسافر مقتد على التحقيق، وتجب الأضحية على كل مسلم له نصاب
فاضل عن حاجته الأصلية وإن لم يصم عن نفسه وهي شاة من
فرد أو بقرة أو بعير منه إلى سبعة، ويذبح الثولاء والجماء والخصي
لا العمياء ولا العرجاء ولا ما ذهب أكثر من ثلث أذنها وذنبها أو
عينها، ويأكل منها ويهب لمن يشاء، وندب التصدق بثلثها
ويذبح بيده إن أحسن وإلا يأمر غيره، قال النبي صلى الله
عليه وسلم سمنوا ضحاياكم فإنها على الصراط مطاياكم،
بارك الله لنا ولكم في القرآن العظيم، ونفعنا وإياكم
بالآيات والذكر الحكيم، إنه تعالى جواد كريم ملك
بر رؤوف رحيم ٥

خطبۂ ثانیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۞ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِیْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّهْدِیْ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ یُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ ۞ خُصُوْصًا عَلٰی اَوَّلِ الصَّحَابَةِ وَاَفْضَلِهِمْ بِالتَّحْقِیْقِ ۞ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ اَبِیْ بَکْرِ الصِّدِّیْقِ ۞ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ ۞ وَعَلَی النَّاطِقِ بِالْحَقِّ وَالصَّوَابِ ۞ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ ۞ وَعَلٰی جَامِعِ اٰیَاتِ الْقُرْاٰنِ ۞ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ وَعَلٰی اَسَدِ اللّٰهِ الْغَالِبِ ۞ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ ۞ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ ۞ وَعَلَی الْاِمَامَیْنِ السَّعِیْدَیْنِ الشَّهِیْدَیْنِ ۞ اَمِیْرَیِ الْمُؤْمِنِیْنَ اَبِیْ مُحَمَّدِ نِ الْحَسَنِ وَاَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ الْحُسَیْنِ ۞ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا ۞ وَعَلٰی اُمِّهِمَا سَیِّدَةِ النِّسَاءِ فَاطِمَةَ الزَّهْرَاءِ ۞ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهَا ۞ وَعَلَی الْمُطَهَّرَیْنِ مِنَ الْاَدْنَاسِ اَلْحَمْزَةِ وَالْعَبَّاسِ ۞ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمَا ۞ وَعَلَی السِّتَّةِ الْبَاقِیَةِ مِنَ الْعَشَرَةِ الْمُبَشَّرَةِ رِضْوَانُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیْهِمْ اَجْمَعِیْنَ ۞ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ مَنْ صَلّٰی وَصَامَ ۞ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ مَنْ قَعَدَ وَقَامَ ۞ وَصَلِّ عَلٰی جَمِیْعِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلَی الْمَلٰٓئِکَةِ الْمُقَرَّبِیْنَ ۞ وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِیْنَ ۞

جمیلک یا ارحم الراحمین ۔ اللھم وفق سلطان العھد والزمان ۔ للعدل
الجود والکرم والاحسان وامحاء غیاھب الکفر والفسق والعدوان ۔ اللھم
من نصر دین محمد واخذل من خذل دین محمد ۔ عباد اللہ
ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربی وینھی عن الفحشاء و
المنکر والبغی ۔ یعظکم لعلکم تذکرون ۔ اذکروا اللہ تعالی یذکرکم وادعوہ
یستجب لکم ولذکر اللہ تعالی اعلی واولی واعز واجل واتم واھم واکبر

ترجمہ ہندی خطبہ عید الضحیٰ کا

دا بہت بڑا ہے خدا بہت بڑا ہے سوا خدا کے معبود نہیں اور خدا بہت بڑا ہے
دا بہت بڑا ہے اور اللہ ہی کو حمد ہے سب تعریف خدا کو جسنے عید کے دن جمع ہونیکو
ین اسلام کی رسومات سے کیا اور اسے دنوں پر بزرگی دی جیسے ہمارے محمد صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اور نبیوں اور رسولوں پر فضیلت بخشی اُس کے آل و اصحاب پر
سلام اور درود ہو جیو خدا بہت بڑا ہے خدا بہت بڑا ہے نہیں کوئی معبود سوائے
س خدا کے اور خدا بہت بڑا ہے خدا بہت بڑا ہے اور اللہ ہی کے لئے
ستایش ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ نہیں کوئی معبود سوائے خدا کے کوئی اُس کا
شریک نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ بے شبہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُسکا بندہ اور بھیجا
ہوا اُس کا ہے خدا بہت بڑا ہے خدا بہت بڑا ہے نہیں کوئی معبود سوائے خدا کے
ور خدا بہت بڑا ہے خدا بہت بڑا ہے اور خدا ہی کے لئے ثنا ہے پاک ہے وہ کہ جس نے
براہیم کو اپنے بیٹے کے ذبح کرنے پر آزمایش کی اور اُسکے بیٹے کو بھی اُس پر صبر کی توفیق
دی چنانچہ خدا نے تعالیٰ نے فرمایا ہے فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ

إِنِّي أَرَىٰ فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا تَرَىٰ ۚ قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ پس جب وے آپس میں راضی ہوئے واسطے ذبح کرنے پر مستعد ہوئے آواز آئی کہ اے ابراہیم تو نے خواب کو سچ کیا اور یہ آزمائش کے لئے تھا چنانچہ خدائے تعالیٰ نے فرمایا ہے فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ وَنَادَيْنَاهُ أَن يَا إِبْرَاهِيمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا ۚ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ خدا بہت بڑا ہے خدا بہت بڑا ہے نہیں کوئی معبود سوائے اوس خدا کے اور خدا بہت بڑا ہے خدا بہت بڑا ہے اور خدا ہی کے لئے تعریف ہے

ابیات

خواب میں اک شب خلیل اللہ تھا
بہر قربانی اُسے حق نے کہا

نیند سے چونکا جو وہ مردِ خدا
صبح کو لا سو شتر قرباں کیا

دوسرے دن پھر اُسے آیا خطاب
خواب میں حق سے کہ قرباں کر شتاب

پھر وہ پیغمبر اُٹھا وقتِ سحر
لا کئے قرباں اُسنے سو شتر

پھر چلا بستر پہ وہ اپنے سو رہا
تو وہی حکمِ خدا صادر ہوا

تب لگا کہنے کہ ای بے شبہ و ریب
مجھ پہ کچھ کھلتے نہیں اسرارِ غیب

کچھ نہیں سمجھوں ہوں کیا قرباں کروں
تا کہ میں اس درد کا درماں کروں

یہ جواب آیا کہ اے اہلِ تمیز
مجھ سوا رکھتا ہے تو جس کو عزیز

اسکو تو میرے لئے قربان کر
ہے اسی میں خیر تیری سر بسر

یعنی قربانی کرے فرزند کو
نور چشم اسمعیل اور دلبند کو

اپنے بیٹے کو وہ تب کہنے لگا
اے مرے فرزند نیکو خوش لقا

خواب میں حق نے یہ فرمایا مجھے ۔ راہ میں اُسکی کروں قرباں تجھے
اسمیں کیا تیری ہے مجھکو بتا ۔ ق ۔ سنتے ہی اُسنے جواب اُسکو دیا
کیا مبارک ہیگا یہ خواب ای پدر ۔ ذبح کر مجھکو کچھ اندیشہ نہ کر
اب چھری تو حلق پر میرے چلا ۔ گر خدا چاہے تو صابر پائیگا
جب ہوا راضی وہ اور اُسکا پسر ۔ باپ نے اُس کام میں باندھی کمر
وہیں ابراہیم کو آئی ندا ۔ اے حبیب صادق اس سے باز آ
حکم میرا سچ ہے تو لایا بجا ۔ آزمائش کے لئے یہ حکم تھا
تب اُسی دم جبرئیلؑ ہوشمند ۔ لایا جنت میں سے اک نر گوسپند
اُسکے فدیہ میں اُسے واں رکھدیا ۔ اور لیا مذبح سے لڑکے کو اٹھا
اسلئے ختم الرسل نے یوں کہا ۔ سنت ابراہیمؑ سے ہے اضحیا

جانو اے لوگو تمہارے پرہیزگاروں کے لئے عید ہے اور کافروں اور شیطانوں کے واسطے وعید۔ اور یہ مبارک دن اُن دنوں سے ہے کہ جن میں حاجی لوگ نیکی حاصل کرتے ہیں مژدہ ہے اسکو کہ جو اسمیں بیت اللہ کی زیارت سے فائدہ اُٹھاوے افسوس ہے اُسپر کہ جو اس میں برکت سے محروم رہے اور خوشخبری ہے اُسکو کہ جس نے اُس دن میں وقوف عرفات کیا اور دریغ ہے اُسپر جو اس نیکی سے باز رہا اور بشارت ہے اُسے کہ جس نے اُس دن میں صفا و مروہ کے درمیان سعی کی تاسف ہے اُسکو کہ جس نے اِس دن میں یہ مضبوط رسّی نہ پکڑی۔ اور بشارت ہے اُسکو کہ جو آٹھویں ذیحجہ کو جسے یوم ترویہ کہتے ہیں منا بازار کی طرف نکلا حسرت ہے اُسکو کہ جو اِس دولت سے نا اُمید رہا اور خوشخبری

ہے آسے کہ جو اس دن میں کنکری پھینکنے کو حاضر ہوا افسوس ہے اُسکو کہ جس نے یہ نہ پایا اور ان کے دن مسواک کرنا نہانا خوشبو لگانا اچھا کپڑا پہننا اور نماز پڑھنے تک کچھ نہ کھایا اور دروازے سے نکل کے راہ میں جہر سے تکبیر پڑھنی بہتر ہے اور عرفہ کی فجر سے لے ایام تشریق تک ہر ایک مقیم اور اُس مسافر پر جو اُسکی اقتدا کرے ہر نماز فرض کے بعد جو مردوں کی جماعت سے پڑھی جاوے واجب ہے کہنا اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد اور ہر آزاد و مقیم مسلمان پر کہ نصاب اُسکا ضروری خرچ سے زیادہ ہو اگرچہ اُسمیں نمو نہ ہو قربانی کرنا واجب ہے ہر ایک شخص ایک ایک بکری یا گائے یا اونٹ ذبح کرے یا سات آدمی ملکر ایک گائے یا ایک اونٹ کریں بشرطیکہ حصے میں سب برابر ہوں اور دبلے پتلے اور نر ستنگے اور خصی اور دیوانے جانور کی قربانی صحیح ہے پراندھے اور لنگڑے کی اور جسکا کان اور آنکھ تہائی سے زیادہ گیا ہو اُسکی درست نہیں اور قربانی کے گوشت سے کھانا بخش دینا جائز ہے اور اُس کی تہائی کو صدقہ کرنا مستحب ہے اور اپنے ہاتھ سے ذبح کرے اگر اُسکے احکام سے واقف ہو نہیں تو اور کو اجازت دے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ فربہ کرو قربانی کو کیونکہ وے تمہارے لئے پل صراط کے اوپر اونٹنیاں سواری کی ہیں خدا تمہیں اور ہمیں قرآن سے برکت دے اور اپنی نشانیوں اور ذکر استوار سے تم کو اور ہم کو نفع بخشے بے شبہ وہ اللہ تعالیٰ بہت بخشش کرنے والا بزرگ بادشاہ

	نیک مہربان اور رحیم ہے	
	ترجمہ خطبۂ دوم	

حمد خدا کو ہے حمد خدا کو ہے ہم اُسکی حمد کرتے ہیں اور اُس سے مدد اور معافی چاہتے ہیں اور اُسپر ہم ایمان لاتے ہیں اور اُسکا آسرا رکہتے ہیں اور اپنی بدیوں اور اپنے بُرے کاموں سے خدا کی پناہ لیتے ہیں خدا جسکو ہدایت کرے اُسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا ہے اور جسے گمراہ کرے اُسے کوئی ہدایت نہ کرسکے اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے وہ ایک ہے کوئی اُسکا شریک نہیں اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بندہ اُس کا اور رسول اُسکا ہے خدا اوسپر اور اُسکے تمام آل و اصحاب پر درود بہیجے خصوصًا اسپر جو سب یاروں سے پہلا اور بہتر اور انہیں سے افضل ہے بہ تحقیق امیر المومنین ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حق اور صواب کے کہنے والے پر یعنی امیر مومنوں کے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور قرآن کی آیتوں کے جمع کرنیوالے پر یعنی امیر مومنوں کے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور شیر خدا غالب پر یعنی امیر مومنوں کے حضرت مرتضیٰ علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دونوں جوانوں بہشت کے سردار اور نیک اور شہید ہیں امیر المومنین ابو محمد حسن اور امیر المومنین ابو محمد عبداللہ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور اُن کی والدہ پر جو سب تمام عورتوں کی سردار ہیں یعنی فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان دونوں پر جو پاک ہیں ناپاکیوں سے حضرت امیر حمزہ اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور عشرہ مبشرہ سے باقی چھ یاروں پر رضی اللہ تعالیٰ عنہم درود بہیج یا پروردگار محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بعدد ہر نمازی اور روزہ دار کے درود بہیج یا پروردگار محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر

بیشمار ہر طرف سے بیٹھے کے اور صلوٰۃ بھیج تمام نبیوں اور رسولوں پاور سب مقرب فرشتوں
اور تمام نیک بندوں پر اپنی مہربانی سے اے مہربانی کرنیوالوں سے بڑے مہربان یا
پروردگار اسوقت اس عہد کے بادشاہ کو عدالت اور بخشش اور کرم اور نیکی کی اور کفر
اور بدکاری اور ظلم کی تاریکی کے مٹانے کی توفیق دے یا پروردگار جو دین محمدی کی مدد کرے
تو اسکی مدد کیجیو اور جو دین محمدی کو خراب کرے تو اسے خراب کیجیو اے خدا کے بندو اللہ تمہیں
پر رحم کرے بتحقیق خدا تعالیٰ برابری اور نیکی اور قریبوں سے بخشش کرنیکا حکم کرتا ہے
اور بدی اور بدکاری اور نافرمانی سے منع کرتا ہے اور چاہیے کہ تم خدا تعالیٰ کو یاد کرو وہ تمہیں
یاد کریگا اور اس سے دعا مانگو وہ قبول کریگا اور ہر آئینہ ذکر خدا تعالیٰ کا برتر اور بہتر اور
بہت خوب اور اچھا اور نہایت ضروری اور بہت بڑا ہے

نیت نماز جنازے کی

نَوَیْتُ اَنْ اُؤَدِّیَ لِلّٰہِ تَعَالٰی اَرْبَعَ تَکْبِیْرَاتِ صَلٰوۃِ الْجَنَازَۃِ فَرْضِ الْکِفَایَۃِ
ثَنَاءً لِلّٰہِ تَعَالٰی وَصَلٰوۃً عَلَی النَّبِیِّ وَدُعَاءً لِھٰذَا الْمَیِّتِ مُتَوَجِّھًا اِلٰی جِھَۃِ
الْکَعْبَۃِ الشَّرِیْفَۃِ اَللّٰہُ اَکْبَرُ نیت کی میں نے کہ چار تکبیریں نماز جنازے کی جو فرض
کفایہ ہے جس حال میں کہ خدا تعالیٰ کیواسطے ثنا ہے اور درود ہے نبی صلی اللہ علیہ و
آلہ وسلم پر اور اس میت کے لئے دعا ہے کعبہ شریف کیطرف متوجہ ہو کر خدا تعالیٰ
کیواسطے ادا کروں اللہ اکبر اور جو جنازہ عورت کا ہو تو بجائے لِھٰذَا الْمَیِّتِ کے لِھٰذِہِ الْمَیِّتِ کہے
پہلی تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ کے پڑھے سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ وَ
تَبَارَکَ اسْمُکَ وَتَعَالٰی جَدُّکَ وَجَلَّ ثَنَاؤُکَ وَلَا اِلٰہَ غَیْرُکَ
اَللّٰہُ اَکْبَرُ یا پروردگار میں تیری حمد کے ساتھ تیری تسبیح پڑھتا ہوں

اور نام تیرا متبرک ہے اور تیری بزرگی بڑی ہے ثنا تیری اور تیرے سوائے کوئی معبود نہیں **دوسری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ کے پڑھے** اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ کَمَا صَلَّیْتَ وَبَارَکْتَ وَسَلَّمْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ رَبَّنَا اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ یا پروردگار محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوپر درود بھیج اور اُسے برکت دے اور اُس پر سلام بھیج جیسا کہ تو نے درود بھیجا اور برکت دی اور سلام بھیجا ابراہیم اور آل ابراہیم کے اوپر یا پروردگار بے شبہہ تو بہت سراہا ہوا بزرگ ہے **تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ کے پڑھے** اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا وَشَاھِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِیْرِنَا وَکَبِیْرِنَا وَذَکَرِنَا وَاُنْثَانَا اَللّٰھُمَّ مَنْ اَحْیَیْتَہٗ مِنَّا فَاَحْیِہٖ عَلَی الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّیْتَہٗ مِنَّا فَتَوَفَّہٗ عَلَی الْاِیْمَانِ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ یا پروردگار ہمارے زندوں اور مردوں اور حاضر اور غائب اور ہمارے چھوٹوں اور بڑوں اور ہمارے مردوں اور عورتوں کی مغفرت کر یا یا الٰہ ہم میں سے جسکو زندہ رکھے اُسے اسلام پر زندہ رکھ اور جس کو تو ہم میں سے موت دے اُسکو ایمان کے ساتھ موت دے اپنی رحمت سے اے بخشنے والوں سے بڑے بخشنے والے **بعد تکبیر چوتھی** کے دونوں طرف سلام پھیرے جو جنازہ **غیر بالغ کا ہو یہ دعا پڑھے** اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ لَنَا فَرَطًا وَّاجْعَلْہُ لَنَا اَجْرًا وَّذُخْرًا وَّاجْعَلْہُ لَنَا شَافِعًا وَّمُشَفَّعًا بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ یا پروردگار ہمارے لئے اُس کو پیش رو کر اور اُسکو ہمارے واسطے اجر اور ذخیرہ کا وسیلہ کر اور ہمارے لئے اُس کو شفاعت کرنے والا کر

اپنی رحمت سے اے بخشنے والوں سے بڑے بخشنے والے اگر لڑکی ہو تو اجعلہ
کی جگہ پر اجعلہا کہے اور شافعا و مشفعا کی جگہ میں شافعۃ و مشفعۃ کہو
یعنی شفاعت اور درخواست کرنیوالی اس دعا کو جنازہ دیکھکے پڑھے اللّٰہ اکبر
اللّٰہ اکبر ھٰذا ما وعدنا اللّٰہ و رسولہ اللّٰھم زدنا ایمانا و تسلیما لا الٰہ
الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد یحیی و یمیت وھو حی لا
یموت بیدہ الخیر وھو علی کل شیء قدیر اللّٰھم بارک لنا فی الموت واجعلنا
بعدنا خیرا خدا بہت بڑا ہے خدا بہت بڑا ہے یہ وہ چیز ہے کہ جسکا وعدہ خدا نے اور
اسکے رسول نے ہم سے کیا ہے یا پروردگار ہمارے ایمان اور ہماری طاعت کو زیادہ
کر نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے جس حال میں وہ ایک ہے کوئی اسکا شریک
نہیں اسکے لئے بادشاہی اور تعریف ہے وہ جلاتا ہے اور مارتا ہے وہ زندہ ایسا جو
نہیں مرتا ہے اسکے اختیار میں نیکی ہے اور وہ سب چیزوں پر قادر ہے یا پروردگار
موت ہماری اچھی کر اسکے بعد ہماری خیر کر جب مردے کو قبر میں رکھے کہے
بسم اللّٰہ وباللّٰہ وفی سبیل اللّٰہ وعلی ملۃ رسول اللّٰہ خدا کے نام سے اور اللہ
کے فضل سے اور خدا کی راہ میں اور پیغمبر خدا کے دین پر رکھا ناميت کی
قبر کے اوپر یا عبد اللّٰہ اذا جاءک الملکان من اللّٰہ لا تخف ولا تحزن
فقل بلسان فصیح واعتقاد صحیح اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ
لا شریک لہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ قل امنت
باللّٰہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم نبیا و
بالقران اماما وبالکعبۃ قبلۃ وبالمومنین اخوانا و

یُجَلِّلَ اللّٰہِ حِسَابًا وَّ بِحَرَامِ اللّٰہِ عِذَابًا وَّ بِالْجَنَّۃِ ثَوَابًا وَّ بِالنَّارِ عِقَابًا
وَّاَنَّ السَّاعَۃَ اٰتِیَۃٌ لَّا رَیْبَ فِیْھَا وَاَنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ ۔ اے
بندہ خدا کے جب تیرے نزدیک خدا کی طرف سے دو فرشتے آویں تو مت ڈر
اور غمناک نہو بلکہ خوش ہو اور میٹھی زبان اور درست اعتقاد سے بول کہ میں
گواہی دیتا ہوں کہ نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے جس حال میں کہ وہ ایک ہے
کوئی اسکا شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اسکا بندہ اور بھیجا ہوا اسی
کا ہے اور کہہ تو کہ اللہ میرا پروردگار اور اسلام میرا دین اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
میرا نبی اور قرآن میرا امام اور کعبہ میرا قبلہ ہے اور مومنین میرے بھائی ہیں
اور خدا کی حلال چیزوں سے میرا حساب ہے اور خدا نے جسے حرام کیا ہے
وہ موجب عذاب کا ہے اور مومنوں کیواسطے بہشت کا ثواب اور کافروں کے
لئے دوزخ کا عذاب ہے اور تحقیق قیامت آنیوالی ہو اسمیں کچھ شک نہیں اور جو قبر میں
ہیں خدا انہیں بے شبہا اٹھاویگا اِنْ کَانَ الْمَیِّتُ اُنْثٰی یَقُوْلُ مَوْضِعَ یَا عَبْدَ اللّٰہِ
یَا اَمَۃَ اللّٰہِ اگر میت عورت ہو تو یا عبداللہ کی جگہ میں یا امۃ اللہ یعنی اے بندی
خدا کی کہے قبر پر یہ سلام پڑھے اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا فُلَانَ ابْنِ فُلَانٍ غَفَرَ
اللّٰہُ لَکُمْ کَمَا غَفَرَ لِنَبِیِّکُمْ عَلَیْہِ السَّلَامُ وَعَلٰی اٰلِہٖ ۔ اے فلانے فلانے
کے بیٹے تمپر سلام ہو جیو خدا تمہاری آمرزش کرے جیسا کہ تمہارے پیغمبر کی
آمرزش کی اسپر اور اسکی آل پر سلام ہو جیو۔

یہ دعا واسطے بخشش مردہ کے قبر کے پاس کھڑا ہو کے پڑھے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ لَا یَبْقٰی اِلَّا وَجْھُہٗ وَلَا یَدُوْمُ اِلَّا مُلْکُہٗ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ

اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ اِلٰهًا وَّاحِدًا اَحَدًا فَرْدًا وِّتْرًا لَّمْ يَتَّخِذْ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا وَّاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ جَزَى اللّٰهُ مُحَمَّدًا عَنَّا مَا هُوَ اَهْلُهٗ تمام حمد اسی خدا کو ہے کہ جس کے سوا کوئی باقی نہ رہیگا اور ہمیشہ نہ رہیگی مگر اُسی کی بادشاہی میں گواہی دیتا ہوں کہ نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے جس حال میں کہ وہ ایک ہے کوئی اُسکا شریک نہیں وہ ایک خدا ہے ایک ہی پاک یکتا تنہا نہ جورو اختیار کرتا ہے نہ فرزند اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شبہ محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُسکا بندہ اور بھیجا ہوا اُسکا ہے خدا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو پیغمبر اُنکی سے ہمیں وہ جزا دے کہ وہ لائق ہے

فصل احکام شرع میں

جانو اے مومنو احکام شرع کے آٹھ قسم ہیں۔ فرض واجب سنت مؤکدہ مستحب مباح۔ محرم۔ مکروہ۔ مفسد **فرض** وہ ہے جو ثابت ہوا ہو اُس دلیل یقینی سے کہ جسمیں کچھ شک نہ ہو اُس کے عمل کرنے سے ثواب ہوتا ہے اور ترک کرنے سے عذاب اور اُس سے انکار کرنا سب کے نزدیک کفر ہے نظیر اُسکی رمضان کا روزہ رکھنا اور پانچوں وقت کی نماز پڑھنا **واجب** وہ ہے جو ثابت ہوا ہے اُس دلیل سے جسمیں کچھ شبہہ ہو او سپر عمل کرنے سے ثواب اور ترک کرنے سے عذاب ہوتا ہے پر انکار کرنا اس سے کفر نہیں ہے مثلاً نماز وتر کی وغیرہ **سنت مؤکدہ** وہ ہے کہ جس کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ کیا ہے مگر ایک بار یا دو بار اُسے ترک کیا ہو عمل اُسکا ثواب اور ترک اُسکا عتاب ہے مثال اُسکی سنت نماز فجر کی وغیرہ **مستحب** وہ ہے کہ جسے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کیا ہے اور کبھی نہیں

پوشاکوں سے اُسکو بہتر جانتا ہے کرنے سے اُسکے ثواب ہوتا ہے اور نہ کرنے سے عذاب بھی نہیں مثال اُسکی نماز سنت عصر کی وغیرہ مباح وہ ہے کہ جسمیں بندہ مختار ہے اگر اُسکو کرے تو کچھ ثواب نہیں اور جو نہ کرے تو عذاب بھی نہیں مثال اُسکی اچھا کھانا اچھا پہننا وغیرہ محرم وہ ہے جسے صاحب شرع نے منع کیا ہے اور حرام اُسکا ثابت ہو دلیل یقینی سے نہ کرنا اُسکا ثواب اور کرنا اُسکا عذاب ہے اور اُسکا حلال جاننا بالاتفاق کفر ہے نظیر اُسکی زنا کرنا اور سود کھانا وغیرہ مکروہ وہ ہے کہ جسے شارع نے منع کیا ہے پر منع اُسکا ثابت ہو ایسی دلیل سے جسمیں شبہہ ہو نہ کرنے سے اُسکے ثواب اور کرنے سے ڈر عذاب کا ہے لیکن اُسکو حلال جاننا کفر نہیں مثلاً گھوڑے کا گوشت کھانا امام اعظم کے نزدیک وغیرہ مفسد وہ ہے جو عمل شرعی کو بگاڑتا ہے اگر اُسکو قصداً کرے تو عذاب اور جو سہواً کرے تو عمل باطل ہو نظیر اُسکی بات کرنا نماز میں ہے وغیرہ

فصل ایمان کے بیان میں

جانو اے مومنو ایمان کے دو رکن ہیں کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا اقرار زبان سے کرنا اور اُسکے معنی کو (یعنی نہیں کوئی معبود سوائے خدا کے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھیجا ہوا اُسکا ہے) دل سے یقین جاننا اور مان لینا جو کوئی یہ اقرار و تصدیق کرے بے شبہہ وہ مومن ہووے اور دنیا میں اُسکے لئے پانچ حکم ہیں اُس کو جان سے نہ مارنا۔ اور قید نہ کرنا۔ اُوسکے مال کو ظلم سے نہ لینا اور بے سبب شرعی کے دکھ دینا اور گمان بد اسپر نہ کرنا۔ اور عاقبت میں دو ہیں بہشت میں جانا اور دوزخ کے عذاب سے چھوٹنا۔ پس ہر ایک شخص کو چاہئے کہ اپنے اختیار سے

خدا پر بن دیکھے ایمان لاوے اور جانے کہ غیب کا علم خدا ہی کو ہے اور خدا تعالیٰ نے جس چیز کو حلال کیا ہے اسکو حلال جانے اور جسکو حرام کیا ہے اسکو حرام سمجھے اور خدا کے عذاب سے ڈرے اور اسکی رحمت سے امیدوار رہے تو جب کوئی سن بلوغ کو پہونچے عورت ہو یا مرد اسے ایمان لانا واجب ہے کیونکہ بندگی بدون ایمان کے قبول نہیں ہوتی اور عبادت کافر کی کچھ کام نہیں آتی پانچ چیزیں اسلام کی بنیاد ہیں کلمۂ طیب کو پڑھنا۔ پانچوں وقت نماز ادا کرنا اور اگر پونجی ضروری خرچ سے زیادہ بقدر نصاب ہو تب زکوٰۃ دینا۔ اور رمضان کا روزہ رکھنا اور مقدور والے کو حج کرنا۔ واجبات شرعی سات ہیں عید الفطر کا صدقہ دینا۔ قربانی کرنا۔ وتر کی نماز پڑھنی۔ قرابتیوں کو خرچ کرنا۔ ماں باپ کی خدمت کرنا۔ اور جورو کو خاوند کی تابعداری کرنا عمرہ بجالانا۔ سنت شرعی چھ ہیں۔ ختنہ کرنا۔ لبیں لینا۔ بغل کے بال لینا۔ سر منڈوانا یا تمام سر پر بال رکھنا۔ ناخن کٹوانا۔ اور پاکی لینا

فصل وضو کے بیان میں

وضو میں چار چیزیں فرض ہیں سر کے بال جہاں سے جمتے ہیں مونھ کو وہاں سے دھونا دونوں کانوں تک اور ٹھڈی کے نیچے تک اور دونوں ہاتھوں کو دھونا کہنیوں سمیت اور دونوں پاؤں کو ایڑیوں اور ٹخنوں کے ساتھ اور سامنے کی طرف چوتھائی سر کا مسح کرنا۔ اور چودہ چیزیں اس میں سنت ہیں سو کر اٹھنے والے کو پہلے استنجا کرنے کے اور بعد اسکے دونوں ہاتھوں کو پہنچوں تک دھونا۔ بسم اللہ کہنا۔ مسواک کرنا۔ اور کلی کرنا۔ نتھنوں میں پانی ڈالنا۔ بائیں ہاتھ سے ناک جھاڑنا۔ ڈاڑھی کو اور ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کو انگلیوں

سے خلال کرنا۔ ۷ دونوں کانوں کا مسح کرنا۔ اور ۸ ہر ہر عضو کو تین تین بار دھونا۔ ۹ نیت کرنا۔ ۱۰ ترتیب کو نگاہ رکھنا اور ۱۱ پے در پے دھونا اس طور سے کہ اگلا دھویا ہوا عضو نہ سوکھے اور ۱۲ تمام سر کا ایک بار مسح کرنا مستحب دو ہیں۔ ۱ داہنی طرف سے پہلے دھونا اور ۲ گردن کا مسح کرنا۔

فصل وضو کے ٹوٹنے میں

دس چیزیں وضو کو توڑتی ہیں ۱ جو جائے ضرور یا پیشاب کی راہ سے نکلے یا کچھ بدن سے نکلے اگر وہ نجس ہو مثلاً لہو یا پیپ بشرطیکہ اپنے مکان سے نکل کے وہاں تک پہونچے جس کا دھونا وضو یا غسل میں فرض ہے پر زخم سے کیڑے کا نکلنا وضو کو نہیں توڑتا ۲ اور منہ بھر کے قے کرنا ایک ہی بار یا بار بار تھوڑی تھوڑی بشرطیکہ اگر سب اکٹھی کیجائے تو منہ بھر ہو ۳ اور کسی چیز پر ٹیک لگا کر سونا ۴ اور دیوانگی ۵ اور بیہوشی ۶ اور نشہ ایسا جو چلنے میں لغزش آوے ۷ اور اختلاط بے حجابانہ کرنا فرج کے ساتھ ۸ اور کھلکھلا کر ہنسنا بالغ کا نماز کے درمیان جس شخص کے پیشاب یا لہو یا باؤ وغیرہ ہر وقت جاری ہو ہر نماز کے وقت اُسے نیا وضو کرنا لازم ہے اُس وضو سے اُس وقت تک فرض و نفل سے جو چاہے پڑھے اگر کسی کی آنکھ کے اندر سے لہو نکلا اور وہیں ٹھہر گیا اُس سے وضو نہیں جاتا ہے تھوک کے ساتھ جو لہو آوے پس اگر لہو زیادہ یا برابر ہو ان دونوں صورتوں میں وضو ٹوٹتا ہے ورنہ نہیں۔ مچھر یا کھٹمل کا لہو پی کے پیٹ بھرے وضو نہیں ٹوٹتا ہے۔ دودھ اور صرف تھوک اور آنکھوں کا پانی اور پسینا اور کھنکھار وضو کو نہیں توڑتا ہے اگر کسی نے کان میں تیل

گیا اور وہ اسکے دماغ میں تین دن رہا پھر کان یا ناک یا منہ کی راہ سے نکلا مر سے وضو نہیں جاتا ہے اگر کسی نے وضو کیا پھر اسکے دل میں گذرا کہ بعض بدن نہ دھویا ہے پر اسکو ٹھیرا نہیں سکتا ہے کونسا عضو ہے چاہیے جس عضو پر ظن غالب ہو دھووے وضو برقرار رہیگا اگر کسی نے تاڑسے میں تیل یا پانی داخل کیا پھر وہاں سے نکلا اس سے وضو نہیں جاتا ہے کیونکر ذکر محل نجاست کا نہیں ہے بخلاف مقعد کے اگر کسی کے بوائی ہو اور اسمیں اسنے چربی بھری ہو اور اسکے نیچے پانی پہنچانے میں کچھ ضرور ہوتا ہے بے پہونچائے پانی کے وضو اور غسل اسکا صحیح ہے والا نہیں۔

فصل غسل کے بیان میں

غسل کے درمیان میں تین چیزیں فرض ہیں۔ کلی کرنا۔ نتھنوں میں پانی دینا اور تمام بدن کو ایک بار دھونا۔ اور چھ چیزیں سنت ہیں دونوں ہاتھوں کو دھونا اور بدن مخصوص کو اور دور کرنا نجاست کو بدن سے اگر کہیں پر ہو پھر وضو کرنا پر پاؤں کو نہ دھووے۔ پھر تمام بدن کو تین بار دھونا اسکے پیچھے دھونا دونوں پاؤں کو اس مقام میں کہ جہاں غسل کا پانی نہ ٹھیرا ہو اور جس عورت کی چوٹی گندھی ہو اس کو بالوں کی جڑ بھگونا کافی ہے **موجب غسل کا** اچھلکر منی کا نکلنا شہوت کے ساتھ اور فرج میں یا مقعد کے درمیان حشفے کا داخل ہونا اور اس تقدیر میں فاعل اور مفعول دونوں پر غسل فرض ہوتا ہے اور حیض اور نفاس کی مدت گزر جانا اور خواب سے بیدار ہو کے منی یا مذی کو دیکھنا۔ مسلمان مردے کو اور جو کافر کہ حالت ناپاکی میں ایمان لایا ہے اسے غسل دینا واجب ہے جمعے اور عیدین کی نماز کے لئے اور احرام کے وقت عرفے کے دن غسل کرنا سنت ہے اور سوائے ان کے مستحب ہے

فصل طہارت کے پانی میں

مینہ کے اور دریا کے پانی اور اولے اور برف کے پانی سے جو واں ہو وضو درست ہے اگرچہ رنگ یا بو میں دیر تک رہنے سے یا کوئی پاک چیز ملنے سے تفاوت ہوا ہو پر اگر بہت گاڑھا ہو جاوے تو اُس پانی سے وضو جائز نہیں ہے اگر بہتے ہوئے پانی میں نجاست ملجاوے یا اُس تالاب کے پانی میں جو ده در ده ہو اور چلو اُٹھاتے کیچڑ نظر نہ آوے اگرچہ نجاست ملی ہو لیکن رنگ اور مزہ اور بو اُسکی جوں کی توں ہو وہ پانی پاک اور اُس سے وضو جائز ہے کیونکہ حکم اِس پانی کا حکم آب رواں کا ہے اگر کوئی حوض چھوٹا سا ہو اور اسمیں پانی ایک طرف سے داخل ہوتا ہے اور دوسری طرف سے نکلجاتا ہے اُسکے پانی سے وضو جائز ہے ہر طرف اسکی عرض چار ہاتھ ہو یا زیادہ اور جو جانور کہ پانی میں پیدا ہوتا ہے مثلاً مچھلی مینڈک وغیرہ یا وہ حیوان کہ جسکے بدن میں بہتا لہو نہو اگر پانی میں مرجاوے پانی ناپاک نہیں ہوتا ہے درخت کے اور میوے کے نچوڑے ہوئے شیرے سے اور اُس پانی سے کہ جسے وضو کے لئے یا زیادہ ثواب کیواسطے استعمال کیا ہو وضو صحیح نہیں اگر معلوم ہو کہ یہ پانی بسبب نجاست کے بدبودار ہوا ہے تو اُس سے وضو نہ کرے اگر ایک مرا کتا ایک نالی کی چوڑائی میں اٹکا ہو پر اُسکے اوپر سے پانی بہتا ہو اور جو پانی کہ کتے سے ملا ہوا ہے کم ہے اُس سے جو نہیں بھرا ہوا ہے تو بہاؤ کیطرف سے وضو درست ہے اگر پانی آہستہ بہتا ہے یا کہ بند ہو جو اُس سے وضو کیا چاہے تو کلی کے پانی سے بچکر چلو اُٹھانا لازم ہے کیونکہ جو پانی استعمال میں آتا ہے اُس سے وضو جائز نہیں۔

فصل پوست کے احکام میں

ہر ایک چمڑہ پکانے سے پاک ہوتا ہے مگر سور اور آدمی کا جسکا چمڑہ پکانے سے پاک ہوتا ہے ذبح کرنے سے بھی پاک ہوتا ہے ایسا ہی اُسکا گوشت بھی اگرچہ وہ شرع میں حلال

ہو اور جسکا پوست کھال نہ نکالے سے پاک نہیں ذبح سے بھی پاک نہیں ہوتا ہے بال اشیاء
ورگ اور سم اور دانت مردے کے پاک ہیں مگر سور اور آدمی کے۔

فصل کنوئیں کے احکام میں

اگر کنوئیں کے درمیان نجس چیز گرے یا اُسمیں کوئی جانور مرکر پھولے یا سڑجائے یا مثل
آدمی یا بکری کے اُسمیں مرے تب اُسمیں سے سب پانی کنوئیں کا نکالنا ضرور ہے اگر ممکن
ہو ورنہ دو شخص فہمیدہ پانی کی پیمائش سے واقف ہوں جو اندازہ کریں اور کوئی جانور مرغی
کے برابر مرے تو چالیس ڈول سے ساٹھ ڈول تک اور کبوتر یا کے برابر ہیں آدھا اوسکا یعنی
(ڈول) ۲۰ ڈول سے ۳۰ ڈول تک اور جو پھولے پھٹے نہیں
کے گرنے کے وقت سے کنواں ناپاک ہوتا ہے اگر معلوم ہووے ورنہ ایک رات دن
کی نماز قضا پڑھے اور جو پھولا ہو تو تین رات دن کی ابی حنیفہؒ کے نزدیک پر محمدؒ اور
ابو یوسفؒ کے نزدیک جب سے معلوم ہوا ہے جوٹھا پانی آدمی اور گھوڑے کا اور اُس
حیوان کا جسکا گوشت حلال ہے پاک ہے۔ بلی اور چھٹی مرغی اور شکاری چڑیوں کا اور خانگی
چوہوں کا مکروہ ہے گدھے اور خچر کا مشکوک ہے اُس سے وضو کرے پھر احتیاطاً تیمم
کرے اگر پانی نہ پاوے اور ان جانوروں کا پسینہ اُنکے جوٹھے کے برابر ہے۔

فصل تیمم کے بیان میں

جانو کہ تیمم قائم مقام وضو کے اور غسل کے ہے مگر ایک کوس پانی نہ ملے یا بیمار ہو ایسا کہ پانی کے
چھونے سے اسکی بیماری بڑھے یا جاڑے کے سبب اُسکو ضرر ہو یا دشمن سے ڈرتا ہو یا پیاسا
ہو اور اُسکے پاس زیادہ پانی نہیں ہے یا پانی اُٹھا نیکا ڈول اُسکے پاس نہیں یا پیاسا ہونیکا خوف
رکھتا ہو کہ سولے یا عید کی نماز جاتی رہے خواہ پہلے ہی سے یا بیچ میں سے یا نماز جنازے
کی نہ پاوے پر یہ حکم سوائے میت کو چاہیئے۔ صورت تیمم کی یہ ہے کہ نیت

طریقہ سے اپنے ہاتھوں کو خاک کے اوپر ایکبار مارنا اور اپنے مونھ کو جہاں تک وضو میں دھونا فرض ہے وہاں تک مسح کرنا پھر اسی طرح سے ایکبار مارنا اور اس سے دونوں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت مسح کرنا نماز کے پہلے تیمم کرنا روا ہے اور اس سے جو چاہے پڑھے جو چیز وضو کو توڑتی ہے تیمم کو بھی توڑتی ہے بعد پانی کا ہاتھ لگنا اور پانی کے امیدوار کو آخر وقت تک تاخیر نماز کی بہتر ہے اگر خیال میں گذرے کہ پانی نزدیک ہے تو تین سو گز زمیں تک ڈھونڈنا لازم ہے مسافر کو نماز پڑھنے میں یاد آیا کہ لوٹے میں پانی ہے چاہیئے کہ نماز کو توڑے ہر ایک پاک چیز جو زمین کی قسم سے ہے اسپر تیمم کرنا درست ہے مثلاً خاک دھول یا پتھر یا سرمہ یا ہرتال یا سونا یا روپا جو گلا نہو لیکن اسپر گرد بھی ہو اس سے تیمم جائز ہے الا کہ پر تیمم کرنا روا نہیں اگر کسی نے تیمم دھان یا گیہوں یا جو تاپا اور اسکے مونھ اور ہاتھوں میں گرد بھی ہو اسپر ہاتھ پھیرنا تیمم کے قاعدے سے کافی ہے اگر کسی نے نماز جنازہ یا سجدۂ تلاوت کے تیمم کیا تھا اس تیمم بجائے تیمم سے اور فرضوں کو ادا کرنا صحیح ہے پر قرآن شریف کے چھونے کے لئے یا مسجد میں داخل ہونے کو اگر تیمم کرے اس سے نماز درست نہیں۔

فصل موزوں پر مسح کرنیکے بیان میں

صاحب حدث کو موزوں پر مسح کرنا صحیح ہے صاحب غسل کو نہیں صورت اسکی یہ ہے مثلاً ایک شخص نے وضو تمام کرکے موزہ پہنا تھا اور اسے حدث لاحق ہوا اب جب وضو کیا چاہے تو پانوں کو دھونا کچھ ضرور نہیں بلکہ ہاتھ کی تین انگلیوں سے موزوں کے اوپر ساق تک مسح کرے وضو صحیح ہوویگا جرموق یعنی سر موزہ اور پاتتابے کے اوپر بھی مسح درست ہے بدستانہ اور پگڑی اور [illegible] کے اوپر جائز نہیں شرط مسح کی وقت حدث وضو کرکے موزے کا پہننا اور مدت اسکی مقیم کے لئے ایک رات دن اور مسافر کیواسطے

تین رات دن تک لیکن حساب اسکا حدث کے وقت سے ہے اور جبیرہ وضو کو توڑتی نہیں
کو بھی توڑتی ہے اور گذرنا مدت کا اور اکثر قدم کا باہر آنا ساق کی طرف سے جو موزہ کہ پانوں
کی چھوٹی تین انگلیوں کے برابر پھٹ گیا ہو اسپر مسح درست نہیں ہے یہ مقدار معتبر ہے

ایک ہی موزے میں دونوں میں

فصل حیض و نفاس کے بیان میں

حیض وہ لہو ہے کہ جو عورت بالغہ کے رحم سے بے عارضہ بیماری کے نکلے اور وہ سن یاس یعنی ساٹھ برس تک نہ پہونچی ہو۔ مدت اسکی دو ہیں اقل و اکثر مدت اقل تین رات دن کی ہے اور اکثر مدت دس رات دن کی جس ایام میں کہ حیض سے باز رہتی ہے اس زمانہ کو طہر کہتے ہیں اقل مدت اسکی پندرہ دن ہیں اور اسکی اکثر مدت کے واسطے کچھ حد مقرر نہیں حیض والی کو اپنی مدت تک نماز روزہ رکھنا مسجد میں جانا بیت اللہ کی زیارت کرنی شوہر سے نزدیکی کرنا قرآن کی تلاوت کرنا اور اسے چھونا جائز نہیں پر بعد پاک ہونیکے روزہ قضا کریگی فقط نماز کو نہیں۔ اکثر مدت والی جب حیض سے پاک ہووے اس سے صحبت کرنی درست ہے اگرچہ وہ نہائی ہو بخلاف اقل مدت والی کے مگر حیض سے فارغ ہونیکے بعد جب اتنا عرصہ گذرے کہ اسمیں غسل اور تحریمہ کرسکے **نفاس** وہ خون ہے کہ عورت کی رحم سے لڑکا جننے کے بعد نکلے اسکی اقل مدت کیواسطے کوئی حد مقرر نہیں پر اکثر کیواسطے چالیس دن ہیں جو عورت کہ جڑواں جنے پہلے لڑکے سے اسکے نفاذ کی ابتدا اور دوسرے سے انتہا حساب کرینگے بالاتفاق اگر پیٹ گر گیا اور بعض صفت مثل ہاتھ یا پانوں یا منہ کے اسمیں بن چکے ہوں حکم اسکا لڑکے کا ہے اور وہ عورت نفاس والی ہے جو لہو مدت حیض و نفاس سے کم یا زیادہ ہیں

ہووے یا حاملہ عورت کو نظر آوے وہ حیض نہیں بلکہ بیماری استحاضہ کی ہے وہ نماز روزہ اور صحبت کا مانع نہیں

فصل لڑکے کے پیدا ہونے اور اُسکے عقیقہ کرنے میں

جب لڑکا پیدا ہووے تو اُسے سفید کپڑے میں رکھیں اور زرد کپڑے سے احتراز کریں اُسکے بائیں کان کی طرف تکبیر اقامت کہیں اور داہنے کان کی طرف اذان دیویں اور نام اسکا اچھا سمجھکر رکھیں اور اُسکے بال منڈوا کر سر میں خوشبو لگا دیں پھر اُن بالونکی برابر کچھ روپا تولکر صدقہ دیں اور ساتویں یا چودھویں روز کو پیدائش سے عقیقہ یعنی قربانی کریں صورت اُسکی یہ ہے کہ اگر فرزند بیٹا ہو تو دو گوسفند اور ایک بھی درست ہے اور جو بیٹی ہو تو ایک ہی گوسفند ذبح کریں پر اُسکی ہڈی نہ توڑیں اور ران اوسکی دائی کو دیں باقی گوشت کھانا پکوا کر مسلمین کو کھلا دیں نیت عقیقہ کی وقت ذبح کرتے جانے کے پڑھے اَللّٰھُمَّ ھٰذِہٖ عَقِیْقَۃُ اِبْنِیْ فُلَانٍ دَمُھَا بِدَمِہٖ وَلَحْمُھَا بِلَحْمِہٖ وَعَظْمُھَا بِعَظْمِہٖ وَجِلْدُھَا بِجِلْدِہٖ وَشَعْرُھَا بِشَعْرِہٖ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْھَا فِدَاءً لِّابْنِیْ مِنَ النَّارِ بِسْمِ اللّٰہِ اللّٰہُ اَکْبَرُ پروردگار میرے فلانے بیٹے کے لئے قربانی ہے لہو اسکا بدلا ہے اسکے لہو کا اور گوشت اسکا اسکے گوشت کا عوض ہے اور ہڈی اسکی بدل ہے اسکی ہڈی کا اور چمڑا اسکا اسکے چمڑے کا اور بال اسکا اسکے بال کا یا پروردگار اس عقیقے کو میرے بیٹے کے دوزخ سے چھوٹنے کا وسیلہ کر۔ اگر باپ ذبح کرنیوالا ہو تو ایسا کہے اور سوائے اُسکے باپکے اور کوئی ذبح کرے تو ابنی کے مقام میں کہے فلاں ابن فلاں یعنی اُس لڑکے کا نام اور اُسکے باپ کا نام لیوے۔

فصل نجس کے پاک کرنے میں

بدن یا کپڑے یا جائے نماز میں اگر نجاست نظر آوے تو اُسکو پانی سے یا اُس سے جو پانی کا

برابر پاک اور رواں ہو مثل سرکہ یا گلاب کے تین بار دھونا اور ہر ایک بار نچوڑنا اگر ممکن ہو
ہو اس طور سے کہ جرم غلاظت کا جاتا رہے اگرچہ اثر اسکا باقی رہے کہ اُسکا دور کرنا مشکل
ہے اور اگر نچوڑنا ممکن نہو اُسے دھوکر رکھ چھوڑے یہانتک کہ ٹپکنے تین بار ایسا کرے تو
وہ پاک ہوگا منی کو دھوکر پاک کرنا اور خشک ہو تو ملکر بھی دور کرنا صحیح ہے موزے میں اگر
نجاست غلیظہ ہو تو اُسے زمین میں ملکر پاک کیا جائیگا اور اگر پتلی ہو تو دھوکر اگر تلوار یا آئینے کے
مانند ہو تو پونچھکر اور فرش نجاست آلود پر ایک رات دن پانی بہے تو پاک ہو جاویگا زمین اور
چیز لگی ہوئی ہو زمین سے جیسے گھانس وغیرہ سوکھنے سے پاک ہوتی اگر نجاست کا نشان نہ رہا
کافی ہے تیمم کے لئے نہیں کپڑے کی چوتھائی سے کم میں اگر غلاظت خفیفہ ہو تو عفو ہے مثل
پیشاب گھوڑے کا اور اُس جانور کا جسکا گوشت حلال ہے اور بیٹھاں اُن چڑیوں کی کہ جنکا گوشت
نہیں کھاتے ہیں پر جنکا گوشت حلال ہے اُنکی بیٹھاں پاک ہے مگر مرغی کی کیونکہ غلیظ ہے
اور مانند بول حمار و لعاب کے اِن غلیظوں میں سے اگر گاڑھا ہو تو بقدر درہم کے عفو ہے اور
جو پتلا ہو تو کف دست کی برابر میں کچھ نقصان نہیں پیشاب کی چھینٹیں اگر سوئی کی نوک برابر
لگے اسکا کچھ اعتبار نہیں۔ استر کی طرف اگر نجاست ہو تو ابرے کیطرف نماز جایز ہے ایسا ہی
بچھونے کی ایک جانب میں غلاظت ہو تو دوسری جہت پر نماز پڑھ سکتا ہے اگر کپڑے میں
کہیں نجاست ہو پر اُسے معلوم نہیں کر سکتا تو ایک طرف اپنی دلیل سے ٹہراکر دھوڈالے۔

فصل نماز کے وقتوں میں

صبح صادق سے آفتاب کے نکلنے تک وقت ہے نماز فجر کا۔ اور آفتاب ڈھلنے سے تا پہونچنے سایہ ہر ایک شے
کا سوائے فی زوال یعنی سایہ چیزونکے اپنے دو برابر کو وقت ہے ظہر کا اور اُس سے آفتاب کے ڈوبنے
تک عصر کا اور اس سے لیکے شفق کے غائب ہونے تک وقت مغرب کا اور اُس سے

عشا اور وتر کا مستحب ہے تاخیر کرنا فجر کی نماز کو یہاں تک کہ چالیس آیت ترتیل سے پڑھی جاوے پھر قرأت دہرا سکے اگر فساد وضو کا معلوم ہو ظہر کی نماز کو تاخیر کرنا گرمیوں میں بہتر ہے اور جاڑوں میں جلدی اور عصر کو تب تک تاخیر کرنا کہ آفتاب کا رنگ بدل نہ جائے۔ اور مغرب کو بدلی کے دن تاخیر کرکے پڑھے بخلاف اور دونوں کے اور اس دن نہیں تعجیل عصر کی مستحب ہے اور عشا کو تہائی رات تک وتر کو اخیر شب تک پر یہ حکم اُس شخص کا ہے کہ جسے شب بیداری کا استعمال ہو۔ آفتاب نکلنے کیوقت اور ٹھیک دوپہر کو اور ڈوبنے کیوقت نماز اور سجدۂ تلاوت اور جنازے کی نماز جائز نہیں مگر اُس دن کی عصر کی نماز جائز ہے اور عصر پڑھنے کے بعد بھی سوائے مغرب اُس دن کے پانچوں فرضوں کیلئے اگر وقت ہیں اذان کہنا سنت ہے اور وقت کے آگے اگر اذان کہی جاوے تو اسکو دہرانا ضرور ہے صورت اُسکی یہ ہے کہ کعبے کیطرف مونہہ کرکے دونوں انگشت شہادت کو کانوں کے سوراخ میں رکھکر اذان کے لفظوں کو جس طرح سابق مذکور ہوئے بلند آواز سے ادا کرے۔ پر اُسکے حرفوں اور زبر و زیر اور جزموں اور مدوں کو گھٹانے کے طور سے کم و زیادہ نہ کرے لیکن بھی آواز سے اذان کہنا مضائقہ نہیں اور دونوں حی علی الصلوٰۃ کیوقت داہنی طرف مونہہ پھیرے اور دونوں حی علی الفلاح میں بائیں طرف فجر کی اذان میں حی علی الفلاح کے بعد دو بار الصلوٰۃ خیر من النوم کہے یعنی نماز سونے سے بہتر ہے اذان کے بعد ثانیاً اعلام کے لئے الصلوٰۃ کہنا علمائے متاخرین کے نزدیک جائز ہے اور مغرب۔

اذان واقامت کے بیچ کچھ دیر کرنا نیک ہے اور اذان کے لفظوں کے درمیان فصل کرنا مستحب ہے بخلاف تکبیر اقامت کے اذان محدث کی درست اور اقامت اُسکی مکروہ ہے محدث نے اگر تکبیر اقامت کہی تو دہرانا کچھ ضرور نہیں ناپاک کی اذان اور اقامت مکروہ ہے نماز کی چھ شرطیں ہیں پہلی طہارت چھ چیزوں سے علاقہ رکھتی ہے یعنی پاک کرنا بدن کو اور جائے نماز اور کپڑے کو اگر کپڑے کی چوتھائی نجاست کو دھو اور اُسکے پاس دوسرا کپڑا یا پانی نہیں ہے تو اُسی کپڑے سے

نماز پڑھ سکتا ہے اور جو تمام آلودہ ہو تو برہنہ جائز ہے لیکن اسی کپڑے سے پڑھنا بہتر ہے اور جس کے پاس یہ کپڑا ہو تو کھڑے ہو کر نماز پڑھے لیکن مستحب ہے کہ بیٹھ کے ادا کرے طہارت جائے عبادت ہے یعنی پاؤں رکھنے کی اور سجدہ کرنے کی جگہ سے بالاتفاق ہے امام اعظم کے نزدیک صرف پاؤں کی جگہ پاک ہونا کفایت کرتا ہے۔ دوسری شرط چھپانا ستر کا ناف کے نیچے زانو کے نیچے تک مردوں کو اور عورتوں میں بیبیوں کو تمام بدن کا سوائے منہ اور ہتھیلی اور پاؤں کے اور لونڈیوں کا ستر مردوں کے برابر ہے مگر ان کی پیٹھ اور چھاتی اور پیٹ بھی چوتھائی نظر آنے سے نماز جاتی ہے تیسری شرط متوجہ ہونا کعبہ شریف کی طرف خوف کی صورت میں قبلہ جہت قدرت ہے یعنی جدھر بن پائے ادھر متوجہ ہو کے نماز پڑھے۔ اگر کوئی سمت قبلہ کی بھول جائے اور وہاں کوئی ایسا نہیں جو اس سے پوچھے تو قبلہ اسکا تحری ہے یعنی اپنے دل میں ٹھہراوے جس طرف اسے یقین ہو جاوے اسی طرف متوجہ ہو کے نماز ادا کرے اگرچہ پھر اسکے خلاف معلوم ہو تو نماز نہ دہراوے۔ اگر نماز پڑھتے معلوم کیا کہ قبلہ اور سمت ہے وہیں منہ کو اسی طرف پھیرے ایک شخص بدون تحری کے نماز پڑھنے لگا اتفاقاً توجہ اس کی موافق قبلہ کے ہو گئی اسکی نماز صحیح نہیں کیونکہ قبلہ اسکا جہت تحری تھا چوتھی شرط نیت کرنی یعنی دل میں قصد کرنا پر زبان سے لفظ بلفظ کہنا اور دل میں اسکے معنی کو لحاظ کرنا اولیٰ ہے نماز فرض کے سوا اور نمازوں کے لئے مطلق نیت کافی ہے پر فرض کیواسطے تعین نیت کی شرط ہے مقتدی کو لازم ہے کہ اقتدا کی نیت کرے یعنی کہے اِقْتَدَیْتُ بِهٰذَا الْاِمَامِ میں نے اس امام کی اقتدا کی پر امام کو امامت کی نیت کی کچھ ضرور نہیں[۵] پانچویں شرط تکبیر تحریمہ کے وقت اَللّٰهُ اَكْبَرُ یا اس کے بدلے لفظ اَللّٰهُ اَعْظَمُ یا اَللّٰهُ یا رَحْمٰنُ یا اور کوئی لفظ جو خدا کی تعظیم کے لئے ہو یا اسکے معنی فارسی سے کہے تو جائز ہے پر ایسے الفاظ کہنے

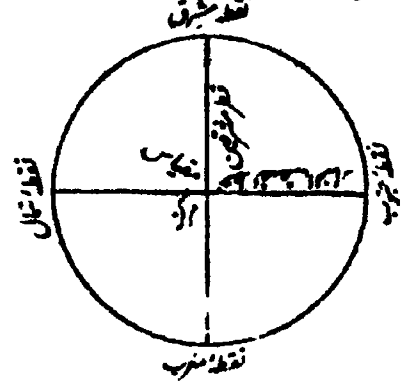
۵ دونوں کیلئے [illegible] ۱۲

مانند جیساکہ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِی کہنا درست نہیں چھٹی شرط وقت کا پہچاننا جیساکہ مذکور ہوا۔

فصل فیٔ زوال اور ظہر کے وقت کی تحقیق میں

جو چاہے تو کہ فیٔ زوال کو خوب پہچانے اور ظہر کے اول اور آخر کو جانے تو کسی صاف ستہری زمین پر کچھ اونچا نیچا نہو ایک دائرہ بنا اور اُسکے محیط یعنی گھیرے کے ایک طرف سے جس کا نام نقطۂ مشرق ہے مثلاً دوسری طرف ایک جو نقطۂ مغرب ہے بیچوں بیچ سے اُس دائرے کے جہاں پرکار کا پانوں رہتا ہے اور اُسے نقطۂ مرکز کہتے ہیں ایک لکیر جسکا نام قطر مشرقین ہے کھینچکر پھر اُسی طرف سے نقطۂ شمالی سے اُسکے نقطۂ جنوبی تک اُسی مرکز سے ایک اور ویسی ہی لکیر جسکو قطر شمالی اور خط نصف النہار یعنی دوپہریا لکیر کہتے ہیں کھینچ لا بعد اُسکے ایک لکڑی سیدہی جسکو مقیاس بولیں یعنی قیاس کرنے کا واسطہ قطر سے چھوٹا پر چوتھائی سے اسکی کم نہو مرکز میں اُسکے برپا کرے پھر دھیان کیجیو کہ سر اُسکے سایہ کا اگلے پہروں میں دائرہ یعنی باہر نکلا ہوا رہیگا۔ پھر جوں جوں آفتاب بلند ہوتا جائیگا وہ سایہ گھٹتا جائیگا یہانتک کہ دائرے کے بیچ ہو کر جب خط نصف النہار پر آوے تو وقت ٹھیک دوپہر کا ہے اِسوقت میں جو مقدار چھاؤں اُسپر ہووے وہی فیٔ زوال ہے یعنی سایۂ نیم روز۔ اُس سائے کے ڈھلتے ہی خط مذکور سے وقت ظہر کا شروع ہے جوں جوں سورج ڈھلتا جائیگا سایہ بڑھتا جائیگا یہانتک کہ دائرے سے نکل جائیگا لیکن جو سایہ اُس مقیاس کا جو سوائے فیٔ زوال کے ہے اپنے دو برابر تک پہونچے تو وہ آخر وقت ظہر کا ہے مثلاً فیٔ زوال اگر چوتھائی مقیاس کی ہو تو وہ وقت ظہر کا سوا اُسکے دو تک اُسکے ہے یہ حکم ابی حنیفہ رحمہ کی ایک روایت پر ہے۔ اور دوسری روایت میں اُنہیں سے جو صاحبینؒ اور شافعیؒ کے نزدیک ہے آخر وقت ظہر کا تا پہونچنے سایۂ ہر شئے کے اپنے برابر تک سوائے فیٔ زوال کے ہے

شکل اس دائرہ کی یہ ہے



اِس عبد ضعیف نے اِس دائرے کو دائرہ ہندی سے اِس طور پر تسہیل کے لئے استنباط کر کر اس مقام پر لکھ دیا اور جو جو امور موجب تطویل کے جیسے علامت مدخل الظل اور مخرج الظل کی اور انتصاف القوس وغیرہ سے اور باعث دقت فہم عوام کے تھے انھیں چھوڑ دیا اور جو ضرور موقوف علیہ مطلب ہے اُسکو بیان کر دیا پس اے مصلیو اگر تم اُس سے کچھ فائدہ پاؤ تو اس عاصی کو دعا سے خیر کیجیو - خدا تمہارا اور ہمارا دین و دنیا میں بھلا کرے

آمین یا رب العالمین

فصل نماز کی صفتوں میں

چھ چیزیں نماز میں فرض ہیں کہ اُن کو رکن اور صفت نماز کی کہتے ہیں پہلی صفت کھڑا ہونا پر کشتی میں بدوں عذر کے بیٹھے نماز پڑھنا درست ہی دوسری قرأت کرنا مقدار ایک آیت کے لیکن تین آیت کا پڑھنا واجب ہے - امام کو لازم ہے کہ جمعہ اور عیدین اور فجر سورۂ فاتحہ کا
مغرب اور عشا کی نماز میں وقتیہ ہو یا قضا آواز بلند سے قرأت کرے اور منفرد ہو تو وقتیہ میں پکار کر اور آہستہ پڑھنے میں اختیار ہے لیکن پکار کر پڑھنا بہتر ہی اور قضا میں

واجب ہے آہستہ پڑھنا پکار کر اور آہستہ پڑھنے میں حد اوسط کو اختیار کریں اگر امام نے
عشا کی پہلی دونوں رکعتوں میں قرارت کو سہو کیا تو لازم ہے پچھلی دونوں رکعتوں میں سورہ
فاتحہ کے بعد قرارت کرے اور جو پہلی دونوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ سہو ہو جاوے تو پھر پڑھنا
بلکہ ضرور نہیں فجر اور ظہر کی قرارت میں طوال مفصل کی سورتوں سے پڑھنا بہتر ہے وہ سورہ
حجرات سے سورہ بروج تک ہیں عصر اور عشا کی قرارت کو اوساط مفصل سے پڑھنا بہتر ہے
وے سورہ بروج سے لم یکن الذین تک ہیں اور مغرب کی قرارت کو قصار مفصل سے پڑھیے
وے سورہ لم یکن الذین سے قل اعوذ برب الناس تک ہیں مقتدی اگر موتم ہو یعنی جو
امام کیساتھ پہلی رکعت سے نماز کو تمام کرے اُسے لازم ہے امام کی قرارت کو چپ ہو کر
سنے اور فرض فجر کے پہلی رکعت میں قرارت دراز کرنا مسنون بالاتفاق ہے تیسرے رکوع
کرنا۔ پر جو کوئی کبڑا اس وضع سے ہو کہ کبڑا پن اُسکا حد رکوع کو پہونچا ہے رکوع
اُسکا سر سے اشارہ کرنا ہے چوتھی شرط سجدہ کرنا پیشانی اور بینی سے اور پیشانی پر اکتفا
کرنا جائز ہے پگڑی کے آگے سے سجدہ کرنا مکروہ ہے سجدے کیوقت ساتوں یعنی منہ
اور دونوں ہاتھوں اور دونوں زانوؤں اور دونوں پانوں کو قبلے کی طرف متوجہ کرے
اگر بھاری جماعت ہو اور سجدے کی جگہ نہو تو سامنے کے مصلی کی پیٹھ پر سجدہ کرنا درست
ہے پانچویں صفت پچھلی نشست کہ اُسے قعدۂ اخیر کہتے ہیں اسقدر کہ تشہد پڑھ سکے
بیٹھنا چھٹے باہر آنا نماز سے اُس کام کے ساتھ جو مفسد نماز کا ہے۔ اگر مقتدی
قعدۂ اخیر تک امام کے ساتھ بیٹھکر نماز کو چھوڑ دے تو درست ہے کیونکہ قدر تشہد
سے زیادہ موافقت کرنی فرض نہیں ہے

فصل واجبات نماز میں

نماز میں تو وہ چیزیں واجب ہیں سورۂ فاتحہ کو ایکبار پڑھنا اور اسکے ساتھ ایک سورۃ کو ملانا ترتیب نگاہ رکھنا اور پہلی نشست کہ اسے قعدۂ اولیٰ کہتے ہیں کرنا اور دونوں نشستوں میں تشہد پڑھنا سلام پھیر کر نماز سے فراغت ہونا۔ وتر کی نماز میں دعائے قنوت پڑھنا پہلی دونوں رکعتوں کو قراءت کیواسطے معین کرنا اور سورۂ فاتحہ کو مقدم کرنا اور رکوع میں ٹھہرنا یہانتک کہ ایکبار سبحان ربی العظیم پڑھ سکے ایسے ہی قومہ اور سجود میں اور دونوں سجدوں کے درمیان ٹھہرنا اصطلاح فقہا میں انکو تعدیل ارکان کہتے ہیں اور پکار کر پڑھنے کے مقام میں پکار کے پڑھنا اور آہستہ کی جگہ آہستہ پڑھنا

فصل نمازوں کی سنتوں میں

اکیس چیزیں نماز میں سنت ہیں نرمۂ گوش تک تکبیر کے لئے ہاتھ اوٹھانا مرد کو اور عورت کو مونڈھے تک اور ہاتھ اٹھاتے وقت انگلیوں کو پھیلا رکھنا امام کو تکبیر پکار کر کہنا اور ثنا پڑھنا اور اعوذ باللہ کہنا پھر بسم اللہ پڑھنا اور سورہ فاتحہ کے بعد امام اور مقتدی اور منفرد کو آہستگی سے آمین کہنا اور مردوں کو ناف کے نیچے داہنے ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر باندھنا اور عورتوں کو سینے پر اور رکوع کی تکبیر کہنی اور رکوع میں تین بار تسبیح پڑھنی اور اسمیں زانوؤں کو ہاتھوں سے پکڑنا پھر سر اوٹھا کر مقدار تین تسبیح کے کھڑا رہنا اور سمع اللہ لمن حمدہٗ کہنا پھر سجدہ کی تکبیر کہنی اور اسمیں تین بار تسبیح پڑھنی اور سجدے سے سر اٹھاتے وقت تکبیر کہنی اور دونوں سجدوں کے درمیان تسبیح کے مقدار بیٹھنا۔ اور بائیں پانوں کے اوپر بیٹھنا اور داہنے پانوں کی اونگلیوں کو اُنکے سروں پر قائم رکھنا اور عورتوں کو چوتڑوں پر بیٹھکر دونوں پانوں کو داہنی طرف سے نکال رکھنا اور بیٹھنے کیوقت دونوں ہاتھوں کو زانوؤں کے اوپر رکھنا

اور انگلیوں کے سروں کو قبلے کی طرف متوجہ کرنا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا درود پڑھنا پہلے بیٹھنے میں

فصل نماز کے آداب میں

آداب نماز کے تکبیرہ میں دونوں ہتھیلیوں سے کھڑا ہونا اور دونوں پاؤں کو جای نماز کے اوپر برابر رکھنا اور کھڑے ہونے کیوقت دونوں "یعنی پانوں" قدموں کے درمیان چار انگلیوں کے برابر فاصلہ چھوڑنا اور مردوں کو تکبیر تحریمے کیوقت آستین سے کف دست کو نکالنا اور کھڑا ہوکر سر نگون ہونا اس وضع سے کہ ٹھوڑی سینے سے "جا لوے" لگے اور سجدہ گاہ پر نظر رکھنا اور رکوع کیوقت پشت پا پر اور بحالت سجود میں نتھنوں پر اور بیٹھک میں گودی پر اور سلام پھیرنے کیوقت مونڈھے پر اور اپنے تئیں گلا کھنکھارنے سے بچانا اور اقامت میں حی علی الصلوٰۃ کہنے سے امام کو نماز کے لئے اٹھنا اور قد قامت الصلوٰۃ کہنے سے امام کو نماز شروع کرنا۔

فصل جماعت کی نماز میں

نماز جماعت سے سنت مؤکدہ ہے پر جو فقیہ ہو وہ امامت کے لئے اولیٰ ہے والا قاری نہیں تو متقی اور ان میں جو کوئی نہو تو اُس جماعت میں جو سب سے عمر میں بڑا ہو غلام اور جاہل اور بدعتی اور حرامزادے کی امامت مکروہ ہے۔ عورتوں کی جماعت میں سے جو امام ہو اسے جماعت کے اندر کھڑا ہونا لازم ہے ایک ہی مقتدی اگر مرد ہے تو امام کے داہنی طرف اسطور سے کھڑا ہووے کہ اُسکے پاؤں کی انگلیوں کے سر امام کی ایڑیوں کے برابر رہیں اگرچہ مقتدی لڑکا ہی ہو اور جو عورت ہو تو امام کے پیچھے اگر مقتدی دو یا زیادہ ہوں تو سب امام کے پیچھے کھڑے ہو دیں اگر ایک مقتدی امام کے داہنی طرف کھڑا ہے کہ اسمیں دوسرا مصلی آیا تو اُس کو لازم ہے کہ اُسکے بائیں طرف کھڑا ہووے پھر اگر تیسرا آگیا تو امام آگے ہو جاوے پہلی صف مردوں کی پھر لڑکوں کی پھر ہیجڑوں کی

پھر عورتوں کی صاحب وضو کو تیمم والے کا اور پاؤں دھونے والے کو مسح کرنے والے کا اقتدا کرنا صحیح ہو
مردوں کو عورت کا اور لڑکوں کو ہجڑوں کا اور طاہر کو معذور کا اور قاریوں کو ان پڑھے
کا اور کپڑا پہنے ہوئے کو ننگے کا اور بے اشارے کو اشارے والے کا اور فرض پڑھنے
والے کو نفل یا دوسرے فرض پڑھنے والے کا اقتدا کرنا فاسد ہے ایک شخص اکیلے نے پہلی
رکعت کو قراءت آہستہ پڑھ کے تمام کیا کہ ایک جماعت نے اُسکا اقتدا کیا اگر دوسری
رکعت میں قراءت پکار کے پڑھتا ہے (یا ایک شخص نے) تو اُسے لازم ہے کہ پکار کر پڑھے امام کو محراب میں
تنہا بدون عذر کے کھڑا ہونا مکروہ ہے پر سجدہ کرنا اُسمیں بہر صورت درست ہے۔ امام کو بہت
اونچے مکان پر اور مقتدیوں کو نیچے کھڑا ہونا یا بالعکس اسکے مکروہ ہے لیکن اگر اسکے ساتھ بعضے
مقتدیوں میں سے رہیں تو ان صورتوں میں جائز ہے جس مکان پر امام نے فرض ادا کیا
اُسے وہاں نفل پڑھنا مکروہ ہے پھر مؤتم کو نہیں لازم ہے امام کو فرض پڑھکر داہنی طرف
جا کر ادا کرے نوافل کرے کیونکہ اُسکو بائیں طرف سے فضیلت ہے۔

فصل موانع اقتدا میں

شاہ راہ اور بہتی ندی ایسی جو ناؤ سے پار ہوتی ہیں اور عورتوں کی جماعت اور ایک صف
کے اندازے فاصلہ چھوڑنا امام کی صف سے میدان ہو خواہ مسجد میں اور بڑا حوض اور دیوار
کا حائل ہونا اس طور سے کہ مقتدی امام کے احوال سے واقف نہو مانع اقتدا کا ہے۔

فصل فرض کے پانے میں

مسجد کے درمیان تنہا ایک شخص نے نماز ظہر کی شروع کی ہے اس میں وہاں ایک
جماعت کھڑی ہوئی اگر اُسنے رکعت اول کو سجدے سمیت تمام کیا ہے تو شفعہ کو پورا
کرکے اقتدا[۱۵] کرے والا اپنی نماز کو چھوڑ دے اور جماعت میں داخل ہو جائے اور

۱۵ اگر چار رکعت والی نماز ہو دوسری ایک رکعت کو ترک کرے اور جماعت میں شامل ہو ۱۲

ہو اگر تین رکعتیں پڑھی ہوں تو اُس نماز کو تمام کرکے نیت نفل سے اقتدا کرے جاننا چاہیے
اصطلاح فقہا میں شفعہ عبارت ہے دو رکعت نماز سے اور ایک رکعت نماز مشروع نہیں
ہے اسواسطے اسکو لازم ہے کہ دوسری رکعت پڑھکر شفعہ کو تمام کرے تا یہ دوگانہ بطور نفل
کے درست ہو جاوے۔ اگر فجر کی یا مغرب کی ایک رکعت پڑہی کہ اسمیں جماعت کھڑی ہوگئی
چھوڑ کے اقتدا کرے۔ مسجد میں اذان کہنے کے بعد بغیر نماز کے باہر جانا مکروہ ہے اگر وہ
نماز پڑھی ہو تو کچھ مضائقہ نہیں[۱] اگر جانے کہ سنت کے پڑھنے سے فرض فجر کا جاتا ہے
فقط فرض کو پڑھے فجر کی نماز کسی سے قضا ہوئی اگر دوپہر کے آگے قضا کیا چاہے تو
سنت کے ساتھ قضا کرے اور آفتاب ڈھلنے سے صرف فرض کو قضا کرے۔ چار
رکعتیں سنت ظہر کی جو فوت ہوں تو فرض کے بعد اور دو رکعتیں[۲] سنت کے پہلے کرے

اگر کسی نے امام کو رکوع میں پایا تو اُس رکعت کو پایا

فصل مسبوق کی نماز میں

مسبوق وہ شخص ہے کہ جسنے امام کیساتھ پہلے سے نماز نہ پائی ہو حکم اُسکا یہ ہے کہ امام کو نماز
میں جہاں پاوے اُسکا اقتدا کرے جب امام سلام پھیرے تب اُٹھکر جو اُسکے ساتھ میں
نہ پایا اُسکو ادا کرے مثلاً ایک شخص نے ظہر کی پہلی رکعت نہ پائی اور دوسری رکعت میں شامل
ہوگیا اِس تقدیر میں دونوں نشست میں امام کی موافقت کرے تشہد پڑھے پر پہلی نشست
میں جبتک امام سلام نہ پھیرے کلمۂ شہادت کو آہستہ آہستہ بار بار پڑھا کرے جب امام نماز
[بعد التحیات کے]
سے فراغت کرے وہ اُٹھکے پہلی رکعت کو قراءت سمیت ادا کرے اور حکم دو رکعت نہ پانے کا
[یعنی سورۂ فاتحہ مع سورۃ ۱۲]
بھی یہی ہے اور جو تین رکعت نہ پائیں تو پچھلی رکعت کو امام کے ساتھ پڑھکر موافق اُس کے

[illegible]

تشہد پڑھے پھر جسوقت امام نے فراغت کی اٹھکر اگلی دو رکعتوں کو قرات کے ساتھ درمیان میں بیٹھکے تشہد پڑھ کے ادا کرے اور تیسری کو بے قرات پڑھکر نماز تمام کرے اور لازم ہے کہ امام کے دونوں سلام پھیرنے تک مسبوق ویسا ہی بیٹھا رہے مسبوق کو امام کے ساتھ سجدہ سہو کرنا پھر تشہد تک موافقت کرنی ضرور ہے اگر مسبوق کو قضائے مافات میں کہیں سہو ہوا اسکو بھی سجدہ سہو لازم ہوا اور اقتدا کرنا مسبوق کی درست نہیں ہے مسبوق اگر امام کے ساتھ سجدہ سہو کا نہ کرے قضا اسکے اوپر واجب ہے۔

فصل مفاسد نماز میں

بات کرنا قصداً یا سہواً سلام علیک کرنا۔ علیک دینا۔ نالہ کرنا۔ آہ بھرنا۔ رونا مگر عاقبت کی ڈر سے اُف اُف کرنا۔ بدون عذر کے کھنکھارنا۔ چھینکنے کا یا اور بات کا جواب دینا اور امام کے سوا کسی اور کو لقمہ دینا۔ قرآن دیکھکر قرات کرنا۔ نجاست کے اوپر سجدہ کرنا اور آدمیوں کی بات کے برابر سے دعا مانگنا۔ کھانا۔ پینا اور وہ کام کرنا جو دونوں ہاتھوں سے علاقہ رکھے۔ اور ایک فعل کو بار بار کرنا نماز کو فاسد کرتا ہے۔

فصل مکروہات نماز میں

جو طور کہ عذر سے خالی ہو اور کنکریوں کو سجدہ گاہ سے ٹال دینا مگر ایکبار اور پیشانی کو دھول سے پونچھنا اور پگڑی کے آگے سے سجدہ کرنا اور دونوں ہاتھوں کو جائے نماز سے لگانا اور سر کے بال باندھنا اور کپڑے کو سمیٹنا اور اسے جھاڑنا اور اکیلا صف کے پیچھے کھڑا ہونا جسمیں فاصلہ ہو اور تصویر دار کپڑا پہننا۔ اور مسجد میں مورت کا رہنا مگر چھوٹی سی جو خوب نظر نہ آوے یا بغیر سر کی اور مصلی کے ذاہنے یا بائیں طرف یا آگے مصلی کے ہونا۔ اور پرانا کپڑا پہننا۔ اور سر کھلا رہنا مگر دکھیا کو اور قرات

یعنی تصویر کا

کی چیزوں کو گننا نماز میں مکروہ ہے۔ اور جو کہ مصلی کے آگے سے جاوے وہ گنہگار ہوتا ہے اور یہ حکم خاص ہے چھوٹی مسجد میں اور اگر بڑی مسجد ہو یا اور کہیں تو نظر کی جگہ سے اور جو اونچے مکان کے اوپر بغیر اوٹ کے نماز پڑھتا ہو تو اعضا کے مقابل ہونے سے امام کے اوٹ کا ہونا کافی ہے اگر ہو تو جانیوالے کو تسبیح یا اشارہ سے جتانا لازم ہے۔

فصل وتر کی نماز میں

تین رکعتیں وتر کی واجب ہیں ہر ایک رکعت میں اُسکی سورۂ فاتحہ اور ایک سورۃ کو پڑھے تیسری رکعت میں فاتحہ اور سورۃ پڑھنے کے بعد دونوں ہاتھوں کو نرمۂ گوش تک اٹھاکر تکبیر کہے پھر دعائے قنوت پڑھکر رکوع و سجود و قعود کرکے نماز تمام کرے پر مسنون ہے کہ اُسکی رکعت اول میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلَی الَّذِی اور دوسری میں قُلْ یَا اَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ اور تیسری میں قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ پڑھکے اُسیطرح سے تکبیر اور قنوت پڑھے پر جو کوئی دعائے قنوت نہ جانے تو رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً یا تین بار اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ پڑھے صحیح روایت کی روسے دعائے قنوت کے واجب ہونے میں جانو سنت مؤکدہ بارہ رکعتیں ہیں فجر کی دو رکعتیں اور ظہر کی چھ چار فرض کے پہلے اور دو اُسکے پیچھے اور مغرب کی دو رکعتیں بعد فرض کے اور دو رکعتیں بعد عشا کے اور جمعے کی نماز میں دس رکعت سنت مؤکدہ ہیں چار رکعت قبل جمعہ کے اور بعد اُسکے چھ رکعتیں اور عصر کے پہلے چار رکعت اور عشا کے آگے پیچھے چار چار مستحب ہیں دن کو نفل چار رکعت سے زیادہ پڑھنا ایک سلام سے مکروہ ہے اور آٹھ رکعت سے سوا شب کو پر روز و شب میں چار چار رکعت پڑھنا افضل ہے اور نفل قصداً شروع کرنیسے تمام کرنا واجب ہے اور نماز نفل کو قدرت قیام کیساتھ بیٹھکر پڑھنا صحیح ہے اگر کسی نے شفعۂ اوّل یا

ثانی توڑ ڈالا تو ایک شخص کی قضا لازم آتی ہے شہر سے باہر غیر قبلے کیطرف متوجہ ہوکر
سواری پر نفل پڑھنا جائز ہے رمضان کے مہینے میں عشا کے بعد اور وتر کے قبل بیس
رکعتیں نماز تراویح کی دس سلام سے پڑھنا اور اسمیں ایکبار ختم قرآن کرنا مسنون ہے
اور ہر ایک ترویح یعنی چار رکعت کے بعد بیٹھنا اسے ترویحہ کہتے ہیں چاہیئے کہ مصلیوں
کی ماندگی سے نماز تراویح کو نہ چھوڑے اور نماز وتر کو جماعت سے پڑھنا سوائے رمضان کے درست نہیں

فصل قضائے فوایت میں

پانچوں فرضوں کے درمیان اور وتر اور ان پانچوں کے بیچ ترتیب کی رعایت کرنی فرض
ہے برابر ہے کہ دے سب قضا ہوں یا بعض انمیں سے پس جبتک قضا ادا نہ کرے وقتیہ پڑھنا
جائز نہیں مثلاً وتر کی نماز کسی سے جاتی رہی فجر اسکی صحیح نہیں جبتک وتر کی قضا نہ پڑھے مگر
جب وقت فجر کا تنگ ہو یا قضا کو فراموش کر جائے یا قضا اسکے ذمے پنج وقتی سے زیادہ
ہو اگر کسی سے مثلاً دو تین وقت کی فرض یا وتر کی نماز قضا ہوئی ہو اور وہ مر گیا تو اسکے متوکو
سے ہر ایک فرض کے مقابل نصف صاع گیہوں اور وتر کے مقابل نصف صاع یا اسکی
قیمت فقیروں کو دینا لازم ہے تاکہ وہ میت اسکے عہدے سے برآوے۔

[illegible]

فصل سجدۂ سہو میں

اگر نماز کے کسی رکن کو مقدم یا اسمیں دیر یا اسے مکرر کرے یا کسی واجب کو ترک کرے
یا سہو سے اسکو چھوڑ دے مثلاً سہو سے قرارت سے پہلے رکوع کرنا اور تشہد کے
نماز پر ایک حرف یا ایک لفظ زیادہ کرکے تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہونا اور

ایک رکعت میں دو رکوع کرنا اور جہاں آہستہ پڑھنا ہے وہاں پکار کر پڑھنا اور پہلی نشست کو سہو سے چھوڑنا ان صورتوں میں سجدہ سہو واجب ہوتا ہے صورت اسکی یہ ہے کہ بعد تشہد اور ایک سلام کے دو سجدے کرے پھر تشہد پڑھکر سلام پھیرے نماز کو تمام کرے لیکن مقتدی اگر موتم ہو تو امام کا سجدہ کرنا کافی ہے بخلاف مسبوق کے ایک شخص پہلی نشست کو بھول گیا کھڑے ہونے میں اس وضع پر ہو کہ بیٹھنے کیطرف نزدیک ہے تو بیٹھ جاوے اور سجدہ سہو کا ذکر ے اور جو اس وضع پر نہو تو کھڑا ہو جاوے اس صورت میں سجدہ سہو کا لازم ہوتا ہے اور جو پچھلی نشست سے سہو کر کے کھڑا ہو گیا ہو پر ابتک سجدہ نہیں کیا ہے تو بیٹھ جاوے اور سجدہ سہو کا کرے اور جو سجدہ کیا ہو تو فرض اسکا نفل ہو گیا اور اگر چاہے تو ایک رکعت اور اسمیں ملاوے تاکہ پوری چھ رکعتیں نفل ہو جاویں اگر پچھلی نشست کر کے سہو سے کھڑا ہو تو وہیں بیٹھ جاوے اگر سجدہ کیا ہو اور سلام پھیر کے نماز تمام کرے اور جو سجدہ کیا ہے تو فرض اسکا پورا ہوا لیکن اس تقدیر میں اور ایک رکعت کا ملانا لازم ہے تاکہ یہ دو رکعتیں بطور نفل کے درست ہو جاویں اگر پہلی بار اسنے شک کیا کہ میں نے کتنی رکعتیں پڑھیں تو اس نماز کو پھر سر نو سے پڑھے اور جو رکعتوں میں اکثر شک ہوتا ہو تو دل میں ٹھہراوے جسپر گمان اسکا غالب ہو اسکو اختیار کرے نہیں تو ان میں سے کم عدد کو لیکن اس صورت میں بیٹھنا لازم ہے کیونکہ احتمال ہے کہ یہ آخر نماز ہو اور اسمیں پچھلی نشست کرنا فرض ہے۔

فصل سجدہ تلاوت میں

سجدہ کی چودہ آیتوں میں سے جو ایک آیت پڑھے یا سنے اسپر نماز کی شرطوں سے دو تکبیروں کے درمیان بغیر ہاتھ اٹھائے اور بدون تشہد اور سلام کے ایک سجدہ کرنا واجب ہے اگر امام قراءت کی قاعدہ میں سے کسی آیت سجدہ کو پڑھے تو مقتدی موتم کو اس سے

ساتھ سجدہ کرنا لازم ہے۔ مسبوق نے اگر دوسری رکعت میں امام کا اقتدا کیا ہو لازم ہے کہ نماز سے فراغت کرکے سجدہ کرے جیسا کہ ایک نماز پڑھنے والے نے سُنی اُس شخص سے جو اُس نماز میں شریک نہیں ہے اور اگر اُسی رکعت میں سجدہ تلاوت کرلینے کے بعد اقتدا کیا ہو تو اُسکے اوپر لازم نہیں۔ اور موتم کے پڑھنے سے کسی پر واجب نہیں ہوتا ہے مگر اُس نماز سے خارج ہو اور سجدہ تلاوت جو نماز کے اندر واجب تھا اُسکی قضا ضرور نہیں اور آیت سجدہ کی سنکر جلد رکوع میں جانا قائم مقام سجدہ کا ہے بنیت سجدہ اگر سجدہ کی آیت مجلس میں بار بار پڑھی جاوے تو ایک ہی سجدہ بس ہے بخلاف تبدیل مجلس اور انتقال مکانی کے کیونکہ اُن صورتوں میں ایک کافی نہیں سجدے کی آیت چھوڑ کر پڑھنا مکروہ ہے برعکس اسکے مضائقہ نہیں اور ایک آیت کو زیادہ اُسکے ساتھ ملاکر پڑھنا بہتر ہے اور اُسے آہستہ پڑھنا اس طور سے کہ کوئی نہ سنے دیا اولیٰ ہے

فصل بیمار کی نماز میں

نماز سے پہلے یا اُس کے درمیان اتفاقاً کوئی بیمار ہوگیا تو رکوع و سجود سے بیٹھے بیٹھے نماز ادا کرے اور رکوع و سجود سے بھی عاجز ہو جاوے تو بیٹھے سر کے اشارے سے پڑھے پر سجدہ کرنے میں رکوع کی نسبت سر کو تک زیادہ جھکاوے سجدے کیواسطے اپنی طرف کسی چیز کو اونچا نہ کرے اور اگر بیٹھے بھی نہ پڑھ سکے تو چت لیٹ کر اپنے دونوں پاؤں کو قبلے کیطرف کرکے یا کروٹ کو اوپر اور مونھ اپنا اُس طرف متوجہ کرکے سر کے اشارہ سے نماز پڑھے چت ہوکر بہتر ہے اور اگر اشارے سے بھی قاصر ہو تو نماز کی تاخیر کرے لیکن آنکھوں اور بھوؤں اور دل کے اشارے سے درست نہیں صاحب اشارہ اگر نماز میں آرام پاوے تو اُس نماز کو سر نو سے پڑھے ایک شخص بیٹھکر رکوع و سجود سے نماز پڑھتا تھا کہ اُسنے شفا پائی اُٹھکر وہیں بنا کرے اور چلتی کشتی میں بے عذر بیٹھے نماز درست ہے بندھی پر نہیں مگر جب عذر ہو ایک دن تک اگر کوئی

له ایسا بیمار کہ کھڑا نہیں ہو سکتا اور جہانی قدرت قیام ہو اگرچہ بقدر تحریمہ ہو قیام کرے اور باقی نماز بیٹھکے پڑھے ۱۲

دیوانہ یا بیہوش رہے تو اُسپر قضا اُسکی لازم ہے اگر اُسپر ایک ساعت زیادہ ہو تو نہیں۔

فصل مسافر کی نماز میں

جسنے تین دن کے سفر کے ارادے سے اپنے شہر کو میانی چال سے چھوڑا پھر اُسکو گھر آنے تک یا کسی شہر یا ایک گانوں میں پندرہ دن اقامت کی نیت سے ٹھہرنے تک چارگانہ نماز کو دوگانہ پڑھنا واجب ہے اور روزے توڑنا جائز ہے پر میانی چال کا اعتبار کیا جائیگا شتر اور پیادہ پا کی چال سے اگر خشکی کا سفر ہو اور تری میں ہوا کے چلنے سے اور پہاڑ میں جو اُسکو موافق ہو پندرہ دن کی نیت سے کم ٹھہرنا کافی نہیں ہے ایک مسافر کسی شہر میں اُترا پر اُسکے ارادے میں ہے کہ صبح کو جائیگا اور اُسے دیر ہو گئی اِس سے وہ مقیم نہیں ہوتا ہے یا ایک فوج نے دار الحرب میں جا کر کسی ایک قلعہ کو گھیرا یا دار الاسلام میں باغیوں کو بیرون شہر محاصرہ کیا بعد اسکے انہوں نے اقامت کی نیت کی لیکن حکم اونکا مسافر کا ہے بخلاف اُن اہل خیمہ کے جو دار الاسلام کے میدان میں اقامت کی نیت کریں کیونکہ حکم اُنکا مقیم کا ہے اسلئے کہ اصل اُنکی اقامت ہے پھر ایک میدان سے دوسرے میدان میں جانا اُنکی اقامت کو باطل نہیں کرسکتا ہے لیکن بعضوں کے نزدیک اُنکی اقامت صحیح نہیں کیونکہ اقامت بدون شہر کے درست نہیں ہے مسافر اگر قصر نہ کرے تو فرض اُسکا ادا ہوتا ہے لیکن وہ گنہگار ہوگا اسلئے کہ اُسنے خدا کے صدقے کو قبول نہ کیا لیکن اُسکے قصر سے جسقدر کہ زائد ہا وہ نفل ہے اِس تقدیر میں اگر پہلی نشست کو یعنی جلسہ قعدہ کو چھوڑ دے تو فرض اُسکا باطل ہوگا۔ کسی مقیم نے ایک دفعہ نماز میں مسافر کی امامت کی فرض اُسکا پورا ہو چکا پر قضا میں اُسکی امامت نہ کرے اور اگر مسافر اُسکی امامت کرے تو اپنی دو رکعتیں پڑھکر کہدے کہ تم اپنی نماز پوری کرو میں مسافر ہوں ایک شخص اپنی بستی چھوڑ کر دوسری جگہ میں جا بسا اب وہ بستی اُسکے حق میں سفر ہو گیا اسی طرح سے

شہر یا مکان اصلی میں بھی مسافرت اور اقامت فوایت کو تغیر نہیں دیسکتے ہیں بلکہ حضر میں قضا ہوئی ہو سفر میں اسکو پورا پڑھے اور سفر کی قضا کو حضر میں قصر سے ادا کرے۔

فصل جمعے کی نماز میں

جمعے کی نماز فرض ہے اور اسکے وجوب کے لئے سات شرطیں ہیں شہر کا رہنا اور تندرستی اور آزادی اور مرد ہونا اور اندھا اور لنگڑا نہ ہونا اور ہوشیاری اور اسکے ادا کرنے کیواسطے چھ ہیں شہر یا نواح اسکی اور بادشاہ یا اسکے نائب کا ہونا اور ظہر کا وقت اور ایک تسبیح کے مقدار نماز سے پہلے خطبہ پڑھنا اور جماعت تین مردوں کے سوائے امام کے اور اذن عام پس اگر ایک نہیں [۱۵] ست سجدہ کرنے کے قبل چلا جائے امام کو لازم ہے کہ ظہر کو شروع کرے اور جو سجدے کے بعد جاوے تو امام کو لازم ہے کہ جمعے کو تمام کرے ظہر کی نماز کے لئے شہر کے درمیان جمعہ کے آگے جماعت سے پڑھنا مکروہ ہے بغیر عذر کے ظہر پڑھکر جمعے کے لئے سعی کرنا جس حال میں کہ امام جمعہ پڑھتا ہے ظہر کو باطل کرتا ہے خواہ اسے پاوے یا نہ پاوے پر جو امام کو تشہد یا سجدۂ سہو میں پاوے تو اسکو پورا کرنا لازم ہے جس وقت پہلی اذان کہی جاوے مسلمانوں کو لازم ہے کہ خرید و فروخت اور کاروبار چھوڑ کر نماز جمعے کے لئے سعی کریں خطبے کیوقت نماز پڑھنا اور بات کرنا حرام ہے امام جب منبر کے اوپر بیٹھے تب اسکے سامنے دوسری اذان کہے اسوقت مصلیوں کو لازم ہے کہ اسکی طرف متوجہ ہو کر بیٹھیں اور امام منبر کے اوپر طہارت کے ساتھ کھڑا ہو کر دو خطبے پڑھے اور انکے درمیان تھوڑا سا بیٹھے اور خطبہ تمام کرکے سب نمازیوں کے ساتھ دو رکعت فرض جمعہ ادا کرے عید الفطر کے دن نماز سے پہلے مسواک کرنا۔ نہانا اور کھانا اور اچھا کپڑا پہننا اور خوشبو لگانا مستحب ہے اور اگر مقدور ہو تو صدقہ فطر کا دیکر عیدگاہ کی طرف نماز

باب نماز عیدین

لئے جاوے اور اس نماز سے آگے نفل پڑھنا جائز نہیں ہے عید کی نماز شرطوں میں جمعہ کی نماز کے برابر ہے وقت اُسکا آفتاب نکلنے سے اُسکے ڈھلنے تک ہے صورت اُسکی یوں ہے کہ پہلی رکعت میں ثنا پڑھکر تین تکبیر کہے اور ہر ایک تکبیر میں اپنے ہاتھ کو نرمۂ گوش تک اوٹھاوے اور چھوڑ دے پھر دوسری رکعت میں قراءت کے بعد اسی طرح تین بار تکبیر کہکر رکوع کرے عید الفطر کی نماز کسی عذر کے سبب دوسری صبح کو پڑھنا جائز ہے عیدین کی نماز اگر امام کے ساتھ نہ پاوے تو قضا اُسکی کچھ ضرور نہیں عید الضحیٰ احکام میں برابر عید الفطر کے ہے مگر عید الضحیٰ میں نماز پڑھنے تک کچھ نہ کھانا مستحب ہے اور اُسکی نماز ایام تشریق تک عذر ہو یا نہو جائز ہے اور جب اس نماز کو نکلے تو راہ میں تکبیر پکار کے پڑھے امام کو لازم ہے کہ تکبیر تشریق اور قربانی کے احکام کو اُسکے خطبے میں لوگوں کو جتاوے اور فطر کے احکام کو اُسکے خطبے میں اور عرفے کی فجر سے ایام تشریق کی عصر تک ہر مقیم اور اُس مسافر کو جو اُسکی اقتدا کرے ہر فرض کے بعد جو مردوں کی جماعت سے پڑھی جاوے واجب ہے کہنا اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ

اگر امام تکبیر تشریق کو فراموش کرے تو مقتدی کو بتانا ضرور ہے۔

فصل خوف کی نماز میں

اگر خوف دشمن کا غالب ہو تو امام کو لازم ہے کہ ایک فریق کو مخالف کی طرف بھیجے اور دوسرے فریق کے ساتھ ایک رکعت پڑھے اگر مسافر ہو اور دو رکعت جو مقیم ہو پھر فریق اول دشمن کی طرف جاوے اور دوسرا آوے تب امام اُسکے ساتھ باقی کو پڑھکر اکیلا سلام پھیرے اور یہ فریق پھر مخالف کے سامنے ہووے اور پہلا گروہ پھر آوے اور اپنی

نماز کو بدون قرأت تمام کرکے مخالف کے سامنے جاوے اور وہ دوسرا پھر آکر نماز کو قرأت
سے تمام کرے اور مغرب کی نماز میں فریق اول کیساتھ دو رکعت پڑھے اور دوسری کیساتھ
ایک رکعت اگر خوف زیادہ ہو اور قبلہ کیطرف متوجہ نہو سکے تو جدا جدا سوار یا پیادہ ادھر متوجہ
ہوکر اکیلے اکیلے اشارے سے نماز پڑھے اور لڑائی اور چلنا اُنکی نماز کو فاسد نہیں کرتا ہے

فصل احکام جنازے میں

جب کوئی مسلمان مرنے پر ہو تو اوسے قبلہ رخ کرکے لٹانا مسنون ہے اور چت لٹانا بھی
درست ہے اور کلمہ شہادت پڑھاوے جب وہ مر جاوے تب اُسکی ڈاڑھوں کو باندھ
اور آنکھوں کو بند کرے پھر اُسکے بدن سے کپڑا اوتار کر ستر کو چھپا دیوے اور ایک تابوت
کو تین بار خوشبو کرکے اُس کے اوپر اُسے رکھے پھر اُسکو وضو دلا دے پر نتھنوں کے
درمیان پانی نہ دے اور کلی نہ کروا دے اور ناخن نہ لیوے اور اُسکے بالوں کو شانہ نہ
کرے پھر اُسکے اوپر بیری کی پتی یا اشنان یا صابون کی ٹکی سے گرم کیا ہوا پانی بہاوے
اور جو یہ نہو تو صاف ستھرا پانی اور اُسکے سر اور ڈاڑھی کو گل خیرو سے دھووے پھر
اُسکو بائیں طرف لٹا کے نہلا دے یہانتک کہ پانی اُسکے تابوت تک پہونچے اُسی طرح
سے داہنی طرف لٹا کر نہلا دے اُس کے بعد اُسے ٹیک لگا کر بٹھا دے اور اُس کے
پیٹ کو آہستہ آہستہ ملے اگر کچھ نکلے تو اُسے دھو ڈالے پھر کسی کپڑے سے اُسکے بدن
کو پونچھکر سر و ریش پر خوشبو لگا دے اور پیشانی اور بینی و دونوں زانوؤں اور پانوؤں
میں کافور ملکر کفن پہنا دے اور اُس کے کفن کو تین بار خوشبو کرے۔

فصل کفن کے بیان میں

مردوں کے کفن کے لئے تین کپڑے مسنون ہیں تہبند اور پیراہن اور چادر پر فقط تہبند اور چادر بھی کفایت کرتے ہیں عورتوں کیواسطے پانچ کپڑے تہبند و پیراہن اوڑھنی چادر سینہ بند پر فقط تہبند اور چادر اور اوڑھنی بھی کافی ہیں اور ہجڑوں کے کفن عورتوں کے برابر ہیں اور بے مقدور کو جو میسر آوے مردوں کے پہناتے ہیں پہلے چادر کو تابوت کے اوپر بچھا دے پھر اُسکے اوپر تہبند کو بعد اُسکے پیراہن کو پھر میت کو پیراہن بغیر جیب و آستین کے پہنا کر تہبند کو بائیں طرف میت سے لپیٹے پھر داہنی طرف سے بعد اُسکے چادر کو بھی اسی طرح سے لپیٹے اور عورتوں کو پہناتے ہیں طریق مذکور سے پیراہن پہنا کر اُسکے سر کے بالوں کو دو حصے کرکے داہنی طرف اور بائیں طرف اُسکے سینے پر پیراہن کے اوپر رکھدیوے پھر اوڑھنی کو اُسکے اوپر چادر کے نیچے سے اُسی طور سے لپیٹے پھر سینہ بند کو کفن کے اوپر بغل کے نیچے سے زانوں تک لپیٹے اور اگر کھلجانے کا شبہ ہو تو کفن کے اوپر گرہ دینا جائز ہے۔

فصل جنازے کی نماز میں

نماز جنازے کی فرض کفایہ ہے یعنی بعضے کا ادا کرنا کفایت کرتا ہے۔ اور اگر اُسکو کوئی ادا نہ کرے تو سب گنہگار ہوتے ہیں صورت اُسکی یہ ہے کہ پہلے دونوں ہاتھ نرمہ گوش تک اوٹھا کر ایکبار تکبیر کہے پھر ثنا پڑھکر ایک بار تکبیر کہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوپر درود بھیجکر پھر ایک بار تکبیر کہے اور میت کیواسطے دعا مانگے پھر ایکبار تکبیر کہکر سلام پھیرے اس نماز میں قرات اور تشہد نہیں اور لڑکے کے حق میں تیسری تکبیر کے بعد کہے اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ لَنَا فَرَطًا وَّ اجْعَلْہُ لَنَا اَجْرًا وَّ ذُخْرًا وَّ اجْعَلْہُ لَنَا

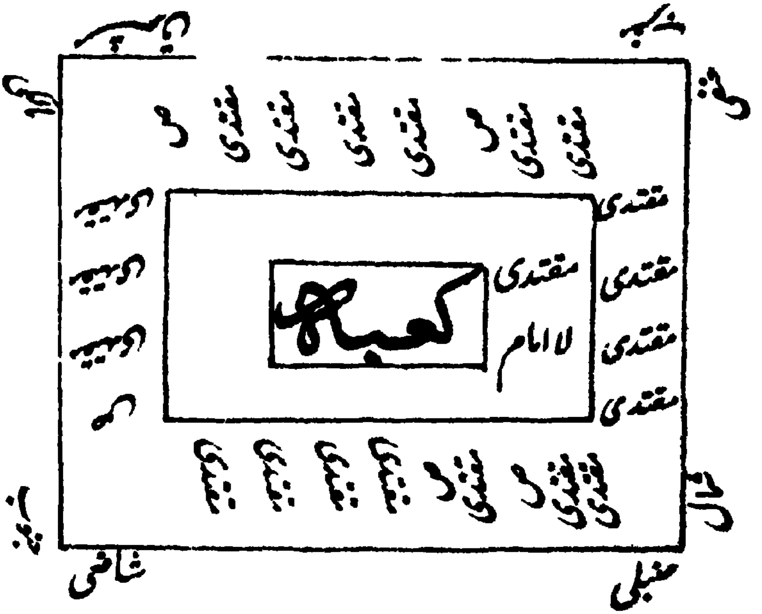
۹۸ اور اگر میت لڑکی ہو تو اجعلہ کی جگہ اجعلہا کہے اور شافعا و مشفعا کی جگہ شافعۃ و مشفعۃ کہے۔

قنا بعنا وشفعا اور بڑے کے لئے کہے اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا وَذَكَرِنَا وَاُنْثَانَا اَللّٰهُمَّ مَنْ اَحْيَيْتَهٗ مِنَّا فَاَحْيِهٖ عَلَى الْاِسْلَامِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَى الْاِيْمَانِ جیسا کہ سابق مذکور ہوا امام کو لازم ہے کہ میت کے سینے کے برابر کھڑا ہووے اور مقتدی اُسکے پیچھے صفیں باندھکر کھڑے ہوویں لیکن امامت کے لئے پہلے بادشاہ لائق ہے پھر قاضی نہیں تو محلّے کا امام والّا میت کا ولی جو قریب سے ہے اور اجازت دینا ولی کا صحیح ہے اور اُن کے سوا اگر کوئی اور پڑھے تو ولی اُس کو دہرا سکتا ہے اور جس میت کو بے نماز دفن کیا ہے نہ سڑنے تک اُسکی قبر کے اوپر[له] نماز پڑھنا صحیح ہے اور جنازے کی نماز سوار رہکر جائز ہے پر مسجد کے درمیان مکروہ ہے سنت ہے کہ جنازے کو چار شخص اُٹھا کر لیچلیں صورت اُسکی یہ ہے کہ دو دو شخص اُن میں سے جنازے کو دونوں طرف سے اُسکو سرہانے اور پائنتانے کو پکڑ پہلے اپنے اپنے داہنے کاندھے پر پھر بائیں کاندھے پر رکھ کے جلد جلد لے چلیں لیکن دوڑیں نہیں اور اُس کے رکھنے سے پہلے بیٹھنا مکروہ ہے قبر کو کنگرے دار بناوے سینے تک کھود کر میت کو قبلے کی طرف سے اُس میں رکھے اور کہے بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ عَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ پھر اُسے قبلہ رخ کر کے گرہیں کھولدیں اور کچی اینٹ ~~یا بانس ٹکے بھرا~~ کنگروں کے اوپر برابر بچھا کر مٹی دے گور کو ماہی پشت کی شکل سے بناوے عورتوں کی قبر کو دفن کرتے وقت کپڑے سے پردہ کرنا ضرور ہے۔

فصل کعبے کے درمیان نماز پڑھنے میں

[له] تین دن تک نماز قبر پر پڑھ سکتے ہیں ۱۲

فرض کی یا نفل کی نماز کعبے کے اندر صحیح ہے اگرچہ مقتدی کا منھ امام کے منھ کیطرف ہو اور جو مقتدی کی پیٹھ اُسکے منھ کیطرف ہو تو نماز اُسکی صحیح نہیں ہوتی ہے اور کعبے کے اوپر مکروہ ہے اور کعبے کے چاروں طرف اقتدا کرنا گو بعضے مقتدی امام کے نسبت سے اُسکی طرف نزدیک ہو صحیح ہے پر امام جس جانب میں ہے اگر مقتدی اُس طرف کو امام کی نسبت سے کعبے کی طرف نزدیک ہو تو اُسکی نماز درست نہیں کیونکہ اس تقدیر میں وہ امام کے آگے ہو جاویگا اور مقتدی کو اُسکے آگے کھڑا ہونا درست نہیں ہے صورت یہ ہے



جانو اے مصلیو کہ (ص) علامت صحت کی اور (لا) نشان عدم صحت ہے

فصل روزے کے بیان میں

روزہ وہ ہے کہ صبح سے لے آفتاب ڈوبنے تک روزے کی نیت سے کھانا پینا
چھوڑ دینا اور عورت سے صحبت نہ کرنا۔ اسکی تین قسم ہیں۔ فرض۔ واجب۔ نفل پس رمضان
کا روزہ فرض ہے۔ اور نذر و کفارے کا واجب۔ اور ما سوا اُسکے نفل ہیں۔ رمضان
کے روزے کی نیت شب سے لے دوپہر دن تک جائز ہے اور یہ روزہ رمضان
کی نیت یا نفل کی یا مطلق نیت سے صحیح ہے اور دوسری واجب کی نیت سے بھی پر
سفر میں یا مرض کی حالت میں نہیں بلکہ اُسی واجب کا ہوگا اور اسی طرح سے نفل اور نذر معین
کا روزہ اُسکی نیت یا مطلق نیت سے جائز ہے لیکن دوسرے واجب کی نیت سے نہیں
قضا اور کفارہ اور مطلق نذر کے واسطے رات کو نیت کرنا لازم ہے جس معتادی روزہ
یوم شک کے موافق ہو جاوے اُس دن اُسکو اور قاضی اور مفتی کو نفل کا روزہ رکھنا
مستحب ہے اور لوگوں کو لازم ہے دوپہر دن انتظار کریں [۵] رمضان کی تیسویں کو اگر
بدلی ہو عید کا چاند نظر نہ آوے تو روزہ نہ رکھے بلکہ عید کرے اگر کسی نے رمضان کا
چاند اکیلے دیکھا اُسپر روزہ رکھنا فرض ہوا اور اکیلے عید کا دیکھے تو روزہ نہ توڑے
روزے کیواسطے ایک عادل کا کہنا کہ میں نے چاند دیکھا ہے کفایت کرتا ہے اگرچہ
غلام یا عورت ہو اور عید کے لئے دو عادل کا اگر بدلی کا دن ہو اور جو مطلع خوب صاف
ہو تو بہت لوگوں کا ایک شخص عادل نے رمضان کے چاند کی گواہی دی تب لوگوں
نے اُس کی گواہی سے روزہ رکھنا شروع کیا یہاں تک کہ تیسوں روزے
رکھے لیکن شام کو بدلی کے سبب سے عید کا چاند نظر نہ آیا تو صبح کو روزہ توڑ ڈالنا
عید کرنا چاہئے اور اگر دو عادل کے کہنے سے روزے رکھے ہوں تو بھی صحیح ہے۔

[۵] ہر اگر چاند گواہی سے ثابت ہو تو روزہ رکھیں ورنہ نہ رکھیں ۱۲

فصل روزہ جاتے میں

قصداً جماع کرنا یا کرواتا یا کھاتا یا پیتا اگرچہ وہ دوا بھی ہو روزے کو توڑتا ہے اس صورت میں لازم ہے کہ اسکی قضا کرے اور ایک بندہ آزاد کرے پر رمضان کے سوا اور کسی روزے کا کفارہ نہیں اگر وے امور خطا سے ہو جاویں یعنی اُسکو یاد آوے کہ میں روزہ دار ہوں پس وہ کلی کرنے لگا اسمیں پانی اُسکے حلق کے درمیان جاتا رہا یا اُسپر کسی نے زبردستی کی تب کھایا یا اُسنے حقنہ لیا یا دوا دینے میں ناک کی ہڈی تک پہونچی یا کانوں میں دوا ڈالی یا اپنے پیٹ یا سر کے زخم پر دوا لگائی اس سبب سے کچھ اسمیں سے اُسکے پیٹ یا دماغ میں پہونچا یا کنکر کو نگلا یا مونھ بھر کے قے کی یا غیب کے گمان سے سحر کھائی یا افطار کیا اور وہ دن تھا یا رمضان بھر نیت نہ روزے کی کی اور نہ افطار کی ان صورتوں میں فقط قضا کرے اور جو وے امور اس سے سہواً صادر ہوں یعنے بے یاد رکھے روزے کے یا سو رہا تھا کہ اسمیں احتلام ہوا یا نظر کرنیسے انزال ہو گیا یا تیل یا سرمہ لگایا یا کسی کی غیبت کی یا اُسپر قے نے زور کیا تب تھوڑی سی قے کی یا ناپاکی سے صبح ہو گئی یا نتھنے میں تیل ڈالا یا کان میں پانی یا اُسکے حلق میں دھواں یا گرد یا مکھی چلی گئی ان صورتوں میں روزہ نہ ٹوٹا پر بارش اور برف کے پانی چاٹنے سے روزہ جاتا ہے از روئے روایت صحیح کے اگر کسی نے مردے یا چارپائے سے جماع کیا یا عورت کی ران کے درمیان ذکر کو داخل کیا یا بوسہ کیا پس انزال ہوا ان صورتوں میں قضا کرے اور اگر انزال نہو تو روزہ نہیں ٹوٹتا ہے اگر چنے کی برابر گوشت کا ریشہ دانتوں کے درمیان اٹکا اگر اُسکو مونھ سے نکالکر کھا جاے تو روزہ جاتا ہے والا نہیں روزے کی

له اور جو اسپر شدید ڈر کے وہ بیٹھے یا بر عرضہ ہو کے اور جو اسپر بیٹھ فاد نہ ہو تو شام تک ... جس کا دونوں وقت پیٹ بھر کے کھانا کھلا دے

حالت میں کسی چیز کو چبانا مکروہ ہے مگر لڑکے کے کھلانے کو بضرورت مکروہ نہیں ہو سے پوسلینا اگر خوف شہوت کا نہو مسواک کرنا سرمہ لگانا کچھ مضائقہ نہیں شیخ فانی اگر ہو تو افطار کرے پر ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھلاوے اور جب قادر ہو اسپر قضا کرنا لازم ہے حالت سفر میں اگر روزہ ضرر نہیں کرتا ہے تو رکھنا بہتر ہے نفل روزہ شروع کرنے سے لازم ہو جاتا ہے مگر ایام تشریق میں کیونکہ ان دنوں میں روزہ رکھنا ممنوع ہے اور یہ روزہ ضیافت کے عذر سے توڑ سکتا ہے کچھ دن باقی رہے اگر مسافر گھر آ پہنچا یا حیض والی پاک ہوئی یا لڑکا بالغ ہوا یا کافر ایمان لایا تو اتنے دن تک انتظار کریں دیوانہ پن میں غرق رہنا روزے کو ساقط کرتا ہے اگر چند روز تک بیہوش رہے تو افاقے کے بعد ان روزوں کی قضا کرے مگر اس دن کی جسمیں وہ بیہوش ہوا تھا۔

فصل عید الفطر کے صدقے میں

عید کے دن نماز سے پہلے ہر ایک آزاد مسلمان کے اوپر جو سرمایہ اُسکا ضروری خرچ سے زیادہ ہو اپنے لئے اور اپنے محتاج غیر بالغ لڑکے اور غلام اور لونڈی باندی کیواسطے جو کار خدمت میں حاضر ہیں نصف صاع گندم یا اُسکا آٹا یا ستو یا خشک انگور کا صدقہ دینا واجب ہے پر اپنی جورو اور بڑے لڑکے اور چھوٹے دولتمند لڑکے کیواسطے واجب نہیں لیکن یہاں مراد صاع عراقی سے ہے وزن اُسکا دو من شرعی اور من شرعی چالیس استار کا اور استار ساڑھے چار مثقال کا اور مثقال بیس قیراط کا اور قیراط پانچ جو کا پس من شرعی ایک سو اسی مثقال کا ٹھہرا اور صاع تین سو ساٹھ مثقال کا ہوا اس حساب کے موافق جو ٹھہرے حساب کرکے صدقہ دیوے

فصل اعتکاف کے بیان میں

روزہ دار کو اعتکاف کی نیت سے مسجد میں بیٹھنا مسنون ہے اور وہ ایک ساعت سے کم نہیں ہوتا ہے اور اگر عورت ہو تو اپنے گھر میں اعتکاف کرے معتکف بدون احتیاج شرعی کے جیسے جمعہ کی نماز یا حاجت انسانی کے جیسا کہ پیشاب کرنا جائے ضرور پھرنا ہی مسجد سے باہر نہ نکلے پس اگر وہ بے عذر ایک ساعت مسجد سے نکلے تو اُسکا اعتکاف باطل ہوا اور اُسمیں کھانا پینا سونا خرید و فروخت بن رکھنے سودے کے کرنی روا ہے اور اچھی بات کے سوا بری بات نہ کرے اور حالت اعتکاف میں جماع کرنا اور اُسکے لوازم سب حرام ہیں ایک شخص نے ایک یا دو یا تین یا اُس سے زیادہ دنوں کے اعتکاف کی نذر مانی تو اُسمیں اُن کی راتیں بھی داخل ہیں

فصل نبیوں کے بیان میں

فقیہ ابو اللیث نے کہا ہے کہ سب ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر ہوئے پر اُن میں تین سو تیرہ رسول تھے باقی نبی تھے اور بعضے کو خواب میں وحی ہوتی تھی اور بعضے کو غیب سے آواز آتی اور ابو ذر غفاریؓ نے بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسی ہی روایت کی ہے لیکن آدم اور شیث اور ادریس اور نوح علیہ السلام سُریانی تھے۔ ہودؑ اور شعیبؑ اور صالحؑ اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عربی پر آدمؑ سب سے پہلے اپنے فرزندوں کے پیغمبر تھے خدا نے اُن کو مٹی سے بنایا اور حوا کو اُن کی بائیں پسلی سے وہ آدمؑ سے بیس حمل میں چالیس بیٹا بیٹی جنی تب اُن سے دنیا میں خلقت ہوئی آدمؑ کی کنیت بہشت میں ابو محمد دنیا میں ابو البشر ہے۔ مردہ اور لہو اور سور کا گوشت اُن ہی کے وقت سے حرام ہوا اہل توریت کی روایت سے آدمؑ کی عمر نو سو تیس برس کی تھی پر وہب بن منبہ رح نے کہا ہے کہ وہ دنیا میں

ہزار برس زندہ رہے پھر شیث بن آدم علیہ السلام پیغمبر ہوئے وہ اپنے باپ کے وصی
اور ولی عہد تھے خدا نے اِن پر پچاس صحیفے نازل کئے اُنھوں نے نو سو برس تک
زندگانی کی اُسکے بعد ادریس علیہ السلام کہ اُنکا نام اخنوخ تھا اور جو اکثر وحفظی کتاب
لوگوں کو پڑھاتے تھے اور طریقے اسلام کے سکھاتے اسلئے ادریس کہنے لگے قلم سے لکھنا
اور کپڑا سینا اور روئی کا کپڑا پہننا اُن کے وقت سے ہے اور اُن سے آگے پشمینہ
اور پوستین پہنتے تھے ہزاروں آدمیوں نے اُن کی دعوت قبول کی تھی وہ نوح
علیہ السلام کے دادا تھے جب وہ پینسٹھ برس کو پہونچے خدا نے اُن کو آسمان
کے اوپر اُٹھا لیا پھر نوحؑ پیغمبر ہوئے اُن کا نام شاکر ہے اور جو خدا کے
خوف سے وہ بہت روئے تھے اِس واسطے نوح کہنے لگے بہن سے نکاح
اُن کے وقت سے حرام ہوا لیکن اُن پر اکثر ایمان نہ لائے اور اُنکو
جھوٹھا سبھوں نے بنایا تب خدا نے اُس قوم پر طوفان بھیجا اور سب کو
ڈبا دیا مگر چالیس مرد اور چالیس عورتوں کو جو اُنکی کشتی میں تھے جب طوفان
موقوف ہوگیا اور سب کشتی سے اوترے تو نوح علیہ السلام کی اولاد سام حام یافث
اور اُن کی جوروؤں کے سوا سب مرگئے بالفعل خلقت اِن ہی کی اولاد سے ہے
عربی فارسی رومی سام سے حبشی سندہی ہندی حام سے یاجوج ماجوج اور ترکی
یافث سے نوح علیہ السلام کی عمر چودہ سو برس کی تھی اُنکے بعد ہودؑ پیغمبر
ہوئے پر کوئی ایمان اُنپر نہ لایا تب خدا نے اُن کے اوپر ریح عقیم یعنی اندھڑ کو
بھیجا اور سب کو ہلاک کیا اُن کے بعد صالحؑ پیغمبر ہوئے لیکن اُنکی اُمت اُنسے
پھرگئی اُن سے سوال کیا کہ ایک اونٹنی پہاڑ سے نکالو اُنھوں نے

[illegible]

وہ بھی کیا پر کوئی ایمان نہ لایا بلکہ اونٹنی کی کوچیں کاٹ دیں تب خدا نے انکو بجلی
اور زلزلے سے ہلاک کیا پھر ابراہیم بن آزر پیغمبر ہوئے مسواک کرنا پیشاب کرکے پانی
لینا لبیں لوانی ختنہ کرنا ازار پہننا روٹی کھانا ضیافت کرنا انکے عہد سے ہے انکی چار
بیٹے تھے اسمٰعیلؑ اسحاقؑ مدینؑ مدائنؑ لیکن بعضوں نے کہا ہے چھ بیٹے تھے اور بعضوں
نے کہا بارہ پران میں سے اسماعیلؑ اور اسحاقؑ پیغمبر تھے اہل عرب فرزند اسمٰعیلؑ کے ہیں
اسحاقؑ کے دو بیٹے تھے عیص اور یعقوبؑ بنی اسرائیل یعقوبؑ کی اولاد ہیں لوطؑ پیغمبر
ابراہیمؑ کے چچیرے بھائی اور وہ انکے عہد میں تھے پھر ایوبؑ پیغمبر ہوئے انکے بعد خدا نے
شعیبؑ کو اہل مدین کا رسول کیا پھر وے انپر ایمان نہ لائے اسلئے خدا کے عذاب سے
سب مرگئے پھر موسیٰؑ کلیم اللہ اور ہارون بھائی انکے جو دونوں عمران کے بیٹے تھے
خدا نے انکو مصر کے شہر میں فرعون پر رسول کرکے بھیجا پھر یوشعؑ بن نون کہ وہ موسیٰ
علیہ السّلام کے خلیفہ تھے پیغمبر ہوئے بعد ان کے یونس علیہ السّلام پیغمبر
ہوئے جن کو مچھلی نگل گئی تھی اور وہ اسکے پیٹ میں تین یا سات یا چالیس دن تک
رہے انکی قوم پہلے انسے پھر گئی تھی تب خدا نے انپر عذاب نازل کیا پس وہ ایمان
لائے تب خدا نے ان کو اس عذاب سے بچایا پھر داؤدؑ پیغمبر ہوئے وہ بنی اسرائیل
کے بادشاہ بھی تھے انکے بعد بیٹے انکے سلیمانؑ پیغمبر ہوئے پھر زکریاؑ تس پیچھے
عیسیٰ مریمؑ کے بیٹے پھر پانسو برس پیچھے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
خاتم الانبیا ہوئے اور دین انکا قیامت تک جاری رہیگا۔

نسب نامہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا

فقیہ ابواللیث نے کہا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ اپنا نسب بیان کیا ہے اور فرمایا انا محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمۃ بن بن مدرکہ بن الیاس بن نضر بن نزار بن سعد بن عدنان روایت ہے کہ آپ نے یہیں تک بیان کیا ہے پر کعب الاحبار نے پیغمبر کا نسب آدم تک پہونچایا ہے اور کہا عدنان بن اد بن ادد بن الیسع بن بلث بن سلیمان حمل بن اسمعیل بن ابراہیم بن آزر بن ناخور بن سروغ بن قالغ بن خابر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح بن مالک بن متوشلخ بن اخنوخ یعنی ادریس بن یزد بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم علیہ السلام

حضرت کی پرورش کے بیان میں

جب پیغمبر صلعم چھ مہینے کے حمل میں تھے اُن کے باپ مرگئے اور آنکی والدہ آمنہ بی بی نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھ برس کا چھوڑ کر وفات پائی تب عبدالمطلب اُنکے دادا حضرتؐ کو پرورش کرنے لگے یہانتک کہ جب آپ آٹھ برس کے ہوئے تب وہ مرگئے پھر ابوطالب اُنکے چچا پرورش کرتے لگے یہانتک کہ حضرت بڑے ہوئے اور جب چالیس برس کے ہوئے خدا نے اُنپر وحی نازل کی کہ اسکے بعد آپ مکے میں تیرہ برس رہے پھر مدینے کی طرف ہجرت کی اور وہاں دس برس جئے سب سمیت سن مبارک ترسٹھ برس کا تھا ازواج مطہرات وغیرہ کے بیان میں بالکل آپ نے چودہ نکاح کئے تھے پر نو بیبیوں کو بقید حیات چھوڑ کر رحلت فرمائی پہلی بی بی خدیجہ کبری جو خویلد کی بیٹی اور عورتوں میں وہی سب سے پہلے ایمان

اولیٰ تھیں دوسری بی بی سودہ ربیعہ کی بیٹی تیسری بی بی عائشہ ابوبکر صدیق کی بیٹی
یہ تینوں سے کئے ہیں نکاح کیا تھا۔ چوتھی بی بی حفصہ عمر فاروق کی بیٹی پانچویں
بی بی ام سلمہ امیہ کی بیٹی چھٹی بی بی ام حبیبہ ابوسفیان کی بیٹی یہ تینوں قریشی تھیں
ساتویں بی بی جویریہ حارث کی بیٹی آٹھویں بی بی صفیہ حیی کی بیٹی نویں بی بی زینب
جحش کی بیٹی دسویں بی بی میمونہ حارث کی بیٹی گیارہویں بی بی زینب ثانی خزیمہ کی بیٹی
بارھویں ایک عورت بنی ہلال میں سے کہ انہنے اپنے تئیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو
ہبہ کیا تھا تیرہویں ایک عورت بنی کندہ سے پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسکو
طلاق دیا چودھویں ایک عورت بنی کلاب میں سے ان سب سے مدینے میں نکاح کیا تھا

پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کے بیان میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چار بیٹے اور چار بیٹیاں تھیں قاسم طاہر طیب ابراہیم
زینب ام کلثوم فاطمہ زہرا رقیہ ابراہیم کے سوا سب خدیجہ کے پیٹ سے تھے اور
ابراہیم کی والدہ کا نام ماریہ قبطیہ تھا فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حضرت علی سے نکاح کر دیا
اور حضرت عثمان سے دو لڑکیوں کو پہلے رقیہ کو جب وہ مرگئیں پیغمبر صلعم نے جنگ بدر سے
مراجعت فرماکر پھر ام کلثوم کا انسے نکاح کر دیا اسلئے عثمان کو ذی النورین کہتے ہیں اور
زینب کا ابوالعاص سے پر سب اولاد انکے روبرو مرگئیں مگر فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا
کہ سلسلہ سادات کا ان ہی سے جاری ہے اس سلئے ان کو بنی فاطمہ کہتے ہیں۔

مناجات من حضرت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ

خُذْ بِلُطْفِكَ يَا اِلٰهِي مَنْ لَهٗ زَادٌ قَلِيْلٌ
مُفْلِسًا بِالصِّدْقِ يَاْتِيْ عِنْدَ بَابِكَ يَا جَلِيْلُ

ذَنْبُهٗ ذَنْبٌ عَظِيْمٌ فَاغْفِرِ الذَّنْبَ الْعَظِيْمَ
اِنَّهٗ شَخْصٌ غَرِيْبٌ مُذْنِبٌ عَبْدٌ ذَلِيْلٌ

مِنهُ عطیاتٌ و نباتٌ ثمَّ سوءٌ بعدَ سهوٍ	مِنكَ اِحسانٌ و فضلٌ بعدَ عطاءٍ و جمیل
قال یا ابنی ذنوبی مثل رملٍ لا تعد	فاعفُ عنّی کلَّ ذنبٍ و اصفح صفحًا جمیل
قل لنا یا ابرهیم یا ربِّ فی حقّی کما	قلتَ قل یا نارُ کونی انتَ فی حقِّ الخلیل
کیفَ حالی یا الٰهی لیسَ لی خیرُ العمل	سوءُ اعمالی کثیرٌ زادُکم طاعاتی قلیل
انتَ شافٍ انتَ کافٍ فی المهمّاتِ الامور	انتَ حسبی انتَ ربّی انتَ لی نعمَ الوکیل
عافنی من کلِّ داءٍ واقضِ عنّی حاجتی	انَّ لی قلبًا سقیمًا انتَ من یشفی العلیل
هب لنا ملکًا کبیرًا نجّنا ممّا نخاف	ربّنا اذ انتَ قاضٍ و المنادی جبرئیل
ربِّ هب لی کنزَ فضلٍ انتَ وهّابٌ کریم	اعطنی ما فی ضمیری دلّنی خیرَ الدلیل
اینَ موسیٰ اینَ عیسیٰ اینَ یحییٰ اینَ نوح	انتَ یا صدّیق عاصٍ تُب الی المولی الجلیل

مشکوٰۃ شریف میں ہے

حضرت ابی ہریرہؓ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ خدا تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں یعنی ایک کم سو جو کوئی اُن کو گنے اور یاد رکھے وہ بہشت میں جاویگا۔ یہاں مراد گنے سے ہر روز ورد کرنا ہے یومیہ ایکبار کم نہو اور شمار انکا اس طور پر ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ

اَلْمَلِكُ	اَلْقُدُّوْسُ	اَلسَّلَامُ	اَلْمُؤْمِنُ
اَلْمُهَیْمِنُ	اَلْعَزِیْزُ	اَلْجَبَّارُ	اَلْمُتَکَبِّرُ
اَلْخَالِقُ	اَلْبَارِئُ	اَلْمُصَوِّرُ	اَلْغَفَّارُ

الْقَهَّارُ	الْوَهَّابُ	الرَّزَّاقُ	الْفَتَّاحُ
الْعَلِيْمُ	الْقَابِضُ	الْبَاسِطُ	الْخَافِضُ
الرَّافِعُ	الْمُعِزُّ	الْمُذِلُّ	السَّمِيْعُ
الْبَصِيْرُ	الْحَكَمُ	الْعَدْلُ	اللَّطِيْفُ
الْخَبِيْرُ	الْحَلِيْمُ	الْعَظِيْمُ	الْغَفُوْرُ
الشَّكُوْرُ	الْعَلِيُّ	الْكَبِيْرُ	الْحَفِيْظُ
الْمُقِيْتُ	الْحَسِيْبُ	الْجَلِيْلُ	الْكَرِيْمُ
الرَّقِيْبُ	الْمُجِيْبُ	الْوَاسِعُ	الْحَكِيْمُ
الْوَدُوْدُ	الْمَجِيْدُ	الْبَاعِثُ	الشَّهِيْدُ الْحَقُّ
الْوَكِيْلُ	الْقَوِيُّ	الْمَتِيْنُ	الْوَلِيُّ
الْحَمِيْدُ	الْمُحْصِيْ	الْمُبْدِئُ	الْمُعِيْدُ
الْمُحْيِيْ	الْمُمِيْتُ	الْحَيُّ	الْقَيُّوْمُ
الْوَاجِدُ	الْمَاجِدُ	الْوَاحِدُ	الصَّمَدُ
الْقَادِرُ	الْمُقْتَدِرُ	الْمُقَدِّمُ	الْمُؤَخِّرُ
الْاَوَّلُ	الْاٰخِرُ	الظَّاهِرُ	الْبَاطِنُ
الْوَالِيْ	الْمُتَعَالِيْ	الْبَرُّ	التَّوَّابُ
الْمُنْعِمُ الْمُنْتَقِمُ	الْعَفُوُّ	الرَّؤُفُ	مَالِكُ الْمُلْكِ
ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ	الرَّبُّ	الْمُقْسِطُ	الْجَامِعُ
الْغَنِيُّ الْمُغْنِيْ	الْمَانِعُ	الضَّارُّ	النَّافِعُ

اَلنُّوْرُ	اَلْهَادِیْ	اَلْبَدِیْعُ	اَلْبَاقِیْ
اَلْوَارِثُ	اَلرَّشِیْدُ	اَلصَّبُوْرُ	اَلصَّادِقُ السَّنَّانُ

سُبْحَانَكَ اَللّٰهُمَّ افْتَحْ عَلَيْنَا اَبْوَابَ فَضْلِكَ وَبَرَكَاتِكَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ

ننانوے نام پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھی ہیں اور اُنکے ورد کا طریق کنز العباد میں اسطور سے ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ه اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ + اَحْمَدَ + حَامِدٍ + مَحْمُوْدٍ +
قَاسِمٍ + عَاقِبٍ + خَاتِمٍ + حَاشِرٍ + سِرَاجٍ + مُنِيْرٍ + بَشِيْرٍ + نَذِيْرٍ +
دَاعٍ + هَادٍ + رَسُوْلٍ + نَبِيٍّ + طٰهٰ + يٰسٓ + اَلْمُزَّمِّلُ + اَلْمُدَّثِّرُ +
صَفِيٍّ + خَلِيْلٍ + حَبِيْبٍ + كَرِيْمٍ + مُصْطَفٰى + مُرْتَضٰى + مُخْتَارٍ + نَاصِرٍ +
حَافِظٍ + شَهِيْدٍ + قَائِمٍ + عَادِلٍ + حَكِيْمٍ + نُوْرٍ + بَيَانٍ + حَلِيْمٍ + بُرْهَانٍ +
اُمِّيٍّ + مُؤْمِنٍ + نَاصِلٍ + فَاتِحٍ + مُجِيْبٍ + رَشِيْدٍ + ظَاهِرٍ + بَاطِنٍ +
غَنِيٍّ طَبِيْبٍ + مُطِيْعٍ + مُذَكِّرٍ + وَاعِظٍ + وَاعِيٍ + اَمِيْنٍ + نَاطِقٍ +
صَادِقٍ + حَاجِبٍ + عَزِيْزٍ + جَوَادٍ + فَتَّاحٍ + عَلِيْمٍ + طَيِّبٍ +
مُطَيِّبٍ + طَاهِرٍ + مُطَهَّرٍ + فَصِيْحٍ + سَيِّدٍ + مَكِّيٍّ + مَدَنِيٍّ + عَرَبِيٍّ +
اَبْطَحِيٍّ + هَاشِمِيٍّ + قُرَشِيٍّ + مُتَّقٍ + اِمَامٍ + اَشْرَفٍ + مُتَوَسِّطٍ + سَابِقٍ +
مُقْتَصِدٍ + مَهْدِيٍّ + حَقٍّ + مُبِيْنٍ + رَحْمَةٍ + شَفِيْعٍ + مُشَفَّعٍ + مُحَلِّلٍ +
مُحَرِّمٍ + اٰمِرٍ + نَاهٍ + رَحِيْمٍ + شَكُوْرٍ + قَرِيْبٍ + مُنِيْبٍ + اَوَّاهٍ + دَاعٍ +

مُرسلِین، عَبْدِ اللّٰہِ، حُجَّۃِ اللّٰہِ، خَیْرِ خَلْقِ اللّٰہِ صَلَوَاتُ اللّٰہِ وَمَلٰئِکَتِہٖ وَاَنْبِیَاۗئِہٖ وَرُسُلِہٖ، وَجَمِیْعِ خَلْقِہٖ، عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ اَجْمَعِیْنَ الطَّاہِرِیْنَ الْمَعْصُوْمِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔ **درود شریف**

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ وَصَلِّ عَلٰی جَمِیْعِ الْاَنْبِیَاۗءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلَی الْمَلٰۗئِکَۃِ الْمُقَرَّبِیْنَ وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَآ اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔

یا پروردگار محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیج اور اُسے برکت دے اور اسپر سلام بھیج اور درود بھیج تمام نبیوں اور رسولوں اور مقرب فرشتوں پر اور اپنے نیک بندوں پر اپنی مہربانی سے اے مہربانی کرنیوالوں سے بڑی مہربانی کرنیوالے

نکاحنامہ

بحکم مبدع نقوش الواح فلک ومصور صور تختۂ خاک کہ ذاتش ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ اَللّٰہُ الصَّمَدُ وصفاتش لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ است ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ اٰدَمَ مِنَ الْمَاۗءِ وَالطِّیْنِ، اَخْرَجَ اِمْرَاَتَہُ الْحَوَّاۗءَ مِنْ ضِلْعِہِ الْاَیْسَرِ فَزَوَّجَھَا لِحِکْمَتِہِ الْمَتِیْنِ، ثُمَّ جَعَلَ مِنْھُمَا خَلْقًا کَثِیْرًا لِکَوْنِہٖ تَعَالٰی عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرًا کَمَا اَشَارَ اِلَیْہِ بِقَوْلِہٖ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَاۗءً وجبرئیل امین ایں وحی متین پیش خاتم النبیین خالص الاصفیا جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم آورد فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَاۗءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا

فواحدة ثم پس نبینا صلی الله علیه وآله وسلم بحکم هر مردان را بتزویج زنان ودختران
را به سپردن بدامادان امر فرمودند واین رسم نیکو را بر کافه است جاری ومسنون داشتند
کما قال النکاح من سنتی فمن رغب عن سنتی فلیس منی بناءً علی هذا است لا
باید که بتحصیل این عبادت عظمی که هم موجب انتظام دنیا وهم سبب رفاهیت عقبی است
از دل وجان شتابد وادای امر بر خود واجب گرداند فقط قاضی یا نائب قاضی را باید که این
خطبه پیشتر بخواند بعد ازان اگر متناکحین در محفل حاضر باشند کلمات نکاح که عبارت از
ایجاب وقبول شرعی است بحضور دو شاهد عادل بذکر مهر معین نصف معجل ونصف مؤجل
تا زمان بقای نکاح با شروط اربعه متعارفه بهر زبانی که آنها را است بخوانند مثلاً یکی
از آنها گوید نَكَحْتُكَ یا زَوَّجْتُكَ کذا الموصوف با شروط متعارفه اربعه یا مثل آن
الفاظی که برای ایجاب موضوع است پس دیگری گوید قَبِلْتُ بِذَالِكَ یا معانی آنها
را تغییر داده گویند نکاح منعقد گردد وحل منافع نکاح درمیان آنها ثابت شود واگر
متناکحین صغیر باشند بایجاب وقبول اولیای آنها هم نکاح منعقد گردد واگر خود متعاقدین
بحضور دو گواه عادل ایجاب وقبول بدون حضور قاضی ونائبش نمایند هم نکاح منعقد
شود واگر حضور عاقدین متعذر باشد پس احتیاج وکیل افتد چون در اکثر
بلاد بیشتر این رسم است که زن بوجه پرده نشینی حاضر شدن نمی تواند پس احدی را از
محارم وی وکیل بالنکاح از طرف وی باستماع لفظ اجازت صریح از زبان بعد ذکر ناکح
با شهادت شاهدین عادلین مقرر کنند وبرای پدر مشاهده قرائن مثل سکوت وتبسم وغیره
هم کافیست واو بخواند منکه فلان عاقل وبالغ وحر ومسلم وکیل بالنکاح از طرف
مسماة فلانه بنت فلان ام ووکالتم بشهادت شاهدین عادلین ثابت و

محقق ست و در محفل نکاح حاضر آمده ام نفس نفیسه حرۂ عفیفه مسماۃ مسطوره را باجازت وے
بعوض فلان قدر مہر که نصفش معجل و نصفش مؤجل تا زمان بقای نکاح با شروط اربعه متعارفه
بحضور این شاہدان عادل و حضار مجلس بحبالۂ نکاح مسمی فلان بن فلاں حر و مسلم و
عاقل و بالغ که در محفل نکاح حاضر ست در آورده ام و بادی عقد صحیح شرعی بستم و بزنے
و زوجیت وے رضای دادم و ناکح گوید من قبول کردم باین نیت فاتحۂ خیر براے
او واسطے شکرایں موہبت سورۂ فاتحه و درود بر پیغمبر صلعم بخوانند و حلویات و خرما بحضار
مجلس تقسیم کنند تفصیل شروط اربعه متعارفه اول نان و نفقه و سکنی بحسب تعارف تا زمان
بقای نکاح بمنکوحۂ مسطوره داده باشم و مہر معجل جلد تر و مہر مؤجل عند الطلب بلا عذر
ادا نمایم دویم کنیزکی را بے اجازت منکوحه بروی نگزینم سوم ہر جمعه براے زیارت
والدین وے بشادی و غمی در رفتن بخانۂ آنہا مانع نشوم چہارم بے عذر شرعی منکوحه
را نزنم **کابین نامه** الحمد لله الملك العلام الذی جعل النکاح فاصلا بین
الحلال والحرام ٭ وحرم السفاح والزنا علی کافة الانام ٭ والصلوٰة والسلام
علی رسوله محمدنا المصطفی الهادی الی دین الاسلام والجاعل له سنة علی امة
من الخواص والعوام اما بعد مخبر باسم و نسب خویش احقر العباد من فلاں بن
فلاں ولد فلاں اگر پدر و جدش متوفی باشند مرحومین نویسد ساکن فلاں ضلع فلاں
ام در حالت صحت ذات و ثبات عقل و جوارح و نفاذ جمیع تصرفات شرعیه
طائعا و راغبا بلا جبر و اکراہ اقرار صحیح و اعتراف شرعی می نمایم بدیں وجه که
چوں منمقر نفس نفیسه حرۂ عفیفه بالغه مسماۃ فلانه بنت فلاں ولد فلاں کذالك
ساکن ضلع فلاں را باذن و وکالت مسمی فلاں بن فلاں کذالك ساکن فلاں وکیل بالنکاح

٭ ہر جگہ شریعت اسکی ہے ۔

ازطرف مسماۃ مذکورہ کردہ کالنش بشہادت شاہدین مقبول الشہادۃ احدہما فلاں ابن فلاں
کذا الثبوت ثانیہما فلاں ابن فلاں کذا ثابت ست بعوض کابین و مہر مبلغ فلاں کہ
نصفش معجل ونصفش موجل الی لقاء النکاح مع شروط اربعۂ متعارفہ بحسب تفصیل الذین کہ بعد
نکاح و عقد زوجیت صحیح خویش آوردم و کابین مزبورہ بتفصیل مسطورہ بذمہ خویش واجب الادا
گردانیدم نکاحا صحیحا شرعیا جائزا نافذا خالیا عن شروط الفاسدۃ علی طریق
الشہرۃ والاعلان لا علی طریق الخفیۃ والکتمان بعد ازیں احیاناً بر دعوی کہ
موجب فساد الاقرار و البطال ایں وثیقۂ شرعیہ لازم آید باطل ست و دروغ و کذب ست
و نامنظور بنا برآں ایں چند کلمہ بطریق قبالہ کابین نوشتہ دادم کہ عند الحاجت حجت ساطع
برہان قاطع باشد تفصیل شروط اربعۂ متعارفہ اول آنکہ بحسب تعارف نان نفقہ و مسکن منکوحہ
مسطورہ را رسانیدہ باشم و مہر معجل جلدتر و مہر موجل عند الطلب بلا عذر ادا سازم دوم آنکہ
ہر جمعہ برائے زیارت والدین وی و بہ شادی و غمی برفتن در خانہ آنہا مانع نشوم سوم آنکہ کنیز کی
را بے اجازت منکوحۂ مذکورہ بروئے نہ گزینم چہارم آنکہ بے عذر شرعی منکوحہ مرقومہ ازخم
تاریخ سنہ کذا الک کابین نامہ اگرچہ اس کتاب سے کچھ علاقہ نہیں رکھتا ہے لیکن جبکہ
ہر طالب کو احتیاج اُسکی اکثر ہوتی ہے اسواسطے اور بسبب علاقۂ نکاح کے بھی یہاں
لکھدیا تا وقت ضرورت کے ہر طلبگار کے کام ہووے

تمت الطبع

الحمد للہ والمنۃ کہ یہ رسالہ مفیدہ خاص و عام موسومہ بہ ہدایۃ الاسلام الیکٹرک
ابوالعلائی پریس آگرہ میں باہتمام شیخ غفور بخش و خواجہ بخش مالک
مطبع کے ۱۶۱۲ ... ۱۶۱۱ ... ۲۷ ار سلام ہوا۔

فہرست نسخہ ہدایۃ الاسلام

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ

بسلسلۂ اشاعت العلوم

بیادگار خطاب سلطان العلوم اعلیٰحضرت نواب میر عثمان علی خاں بہادر خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ

نمبر ۸

تعلیماتِ اسلام نمبر ۱ ۴

از خامہ

فخر الہند حضرت مولانا محمد حبیب الرحمن صاحب مدفیضہ مہتمم دار العلوم دیوبند

باہتمام

جناب مولانا قاری حافظ محمد طیب و جناب

مولانا قاری حافظ محمد طاہر صاحبان سلمہما اللہ

مطبع قاسمی دیوبند میں طبع ہوکر

کتب خانہ قاسمی دیوبند ضلع سہارنپور سے

شائع ہوا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انتساب

ارکان دارالمؤلفین مثل دیگر تالیفات مرتبہ کے اس دُرِّ منیف یعنی تعلیماتِ اسلام مؤلفہ حضرت فخر الہند مولانا مولوی محمد حبیب الرحمن صاحب ناظم دارالعلوم دیوبند کو بھی سلسلہ اشاعت العلوم بیادگار خطاب سلطان العلوم اعلیٰحضرت شہریارِ دکن خلد اللہ ملکہٗ و سلطنتہٗ کی ذاتِ اقدس و اعلیٰ کے اسمِ مبارک کی طرف منسوب کرنے کا فخر حاصل کرتے ہیں:

گر قبول افتد زہے عز و شرف

عقیدتمندان بارگاہ سلطانی
ارکان دارالمؤلفین دیوبند

ماہ شعبان المعظم سنہ ۱۳۳۲ھ مطابق
دسمبر سنہ ۱۹۲۰ء

تعلیمات اسلام

نمبر اوّل

مشورہ و استخارہ

الحمد للہ الذی ھدانا لھٰذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ والصلوٰۃ والسلام الاتمان الاکملان علیٰ خیر خلقہ وصفوۃ رسلہ خاتم النبیین وقائد الغر المحجلین سیدنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین اما بعد

آج ہم ایک ایسے مسئلہ کی ابتدا کرتے ہیں جس سے ذوی العقول کے تمام افراد کو بہ فرق مراتب سابقہ پڑتا ہے امور خانہ داری سے معاملات مہمہ سلطنت تک اُس سے مستغنی نہیں ہیں

کون نہیں جانتا کہ مشورہ محمود ہے اور اُس کا کاربند ہونا ملامت و پشیمانی سے نجات دینے والا طریق سواے کو منکشف کرکے فوز و فلاح تک پہونچانے والا ہے کامیابی اور حصول مقاصد کی کنجی یہی ہے اسی طرح استبداد و استقلال خودرائی کے مضر و مہلک نتائج اور اس کی مذموم و قبیح ہونے سے کون سا فرد ناواقف ہے بالخصوص یہ زمانہ جسکو باصطلاح خود اجتماع و مدنیت کا زمانہ کہا جاتا ہے اس میں تو مشورہ کو اس حد تک پہونچا دیا گیا ہے جسکو دیکھکر بعض مواقع میں حد سے تجاوز کرنے افراط میں مبتلا ہونے کا حکم لگا دیا جا سکتا ہے عقلاء زمانہ نے اس مسئلہ پر موشگافیاں کرکے اس کی تمام پہلوؤں کو منظر عام پر لاکر رکھدیا ہے اور اُس کے لئے وہ قواعد و ضوابط مدون کر دیے ہیں جنکے بعد اب غالباً اُس کا کوئی پہلو قابل بحث و تحقیق نہیں رہا اور نہ اس اعتبار سے اس مسئلہ پر ہمارا قلم اٹھانا شاید بے سود اور تحصیل حاصل سے زیادہ وقعت رکھتا۔

لیکن جب مسلمانوں کا دعویٰ یہ ہے کہ دین اسلام نے تمام مکارم اخلاق اور ملکات فاضلہ کی تعلیم وتلقین کی ہے نوع انسانی کی کوئی حالت ایسی نہیں جس کی متعلق شریعت غرا نے جامع و مانع مفصل و مشرح دستور العمل بنا کر ہمیں نہ دیا ہو تو ضرورت ہوئی کہ ہم سب سے اوّل اسی مسئلہ پر قلم اٹھائیں جو ہر ایک بہتری کی کنجی اور سعادت و نجات کی ضمانت ہے اور دکھلا دیں کہ شریعت کی جامع تعلیم نے اس نہایت ضروری اہم اور مسئلہ کے اصول کی ہم کو کس حد تک تعلیم دی حکمائے امت نے اس کی جزئیات میں کہاں تک موشگافیاں کیں اور اہل فہم و ادراک نے اس کی کہاں تک پابندی کی ہے

ہمارا بیان اس مسئلہ میں تین حصوں اور ایک ضمیمہ پر منقسم ہوگا۔ حصہ اوّل میں لفظ مشورہ اور شوریٰ کے لغوی معنی اور اس کے اشتقاق کو بیان کریں گے جس سے لغت عرب کی خوبی اور وسعت، اس کے الفاظ و معنی کے باہمی تناسب کا بخوبی اندازہ ہو جائیگا اور معلوم ہو جائیگا کہ زبان عرب کے متعلق اہل اسلام کا یہ دعویٰ کہ فصاحت و بلاغت اس کا حصہ ہے کہاں تک مطابق واقع ہے۔ حصہ دوم میں شوریٰ کی غرض و غایت، منافع و نتائج، قرآن و حدیث سے مشورہ کا حکم اور اس کی فضیلت، مشورہ کے شرائط، امور مشورہ طلب کی تقسیم و تفصیل، سلف کے اقوال سے، استبداد و خود رائی کے نقصان و مفاسد بیان کئے جائیں گے، اور یہ بھی دکھلایا جائیگا کہ درصورت اختلاف صورت فیصلہ کیا ہونی چاہیے۔ حصہ سوم میں حکمائے امت اور عقلائے متقدمین کے اقوال اور اس کے پہلوؤں کی تنقیح و توضیح اور خلفائے اسلام و سلاطین کے مشاورات کے چند واقعات ذکر کئے جائیں گے۔ ضمیمہ میں استخارہ مسنونہ کی بحث کی جائیگی۔

حصہ اوّل

زبان عرب میں چند الفاظ کا استعمال اس بارہ میں ہوتا ہے۔ نمبر (۱) مَشْوَرۃ۔ نمبر (۲) شوریٰ۔ رائے دینا نمبر (۳)۔ مُشَاوَرَۃ باہم رائے زنی کرنا نمبر (۴) اِسْتِشَارَۃ۔ رائے طلب کرنا۔ یہ الفاظ ہیں جو خاص مشورہ اور رائے زنی کے موقع میں بولے جاتے ہیں، ایک لفظ اور بھی ہے

جس کا استعمال مخصوص اس بارہ میں نہیں ہے بلکہ صلہ کے بدلنے سے اُس کے معنی بھی بدل جاتے ہیں۔ اور وہ لفظ اشارہ ہو اگر اشارہ کے صلہ میں اِلیٰ آتا ہے تو اس کے معنی محض کسی چیز کی طرف اشارہ کرنے کے ہوتے ہیں، اور اگر علیٰ آتا ہے تو اُس کے معنی مشورہ دینے کے ہو جاتے ہیں۔ رہی وجہ اس کی کہ اشارہ کے مابعد اِلیٰ یا علیٰ کے آنے سے معنی کیوں بدلتے ہیں اُس کو ہم آگے بیان کریں گے یہ پانچوں الفاظ اگرچہ باعتبار صیغوں اور ابواب کے مختلف ہیں مگر ماخذ اور موضع اشتقاق ان کا ایک ہے ان سب کی اصل شور ہے۔

ارباب فہم و دانش یہ معلوم کر کے بہت ہی مسرور ہوں گے کہ مشورہ و مشاورہ سے جو اصلی غرض ہے کہ چند مختلف ضعیف و قوی صحیح و سقیم، حسن و قبیح، مخلصانہ و غیر مخلصانہ اقوال اور رایوں سے ایک عمدہ صحیح منتج رائے اور قول حاصل ہو جائے۔ اور وہ صحیح رائے ذریعہ خرابیوں اور تباہیوں سے محفوظ رہنے اور مقاصد میں کامیابی و فلاح کا بن جائے اُس کا لحاظ ان الفاظ کے اشتقاق اور ترکیب میں پورا پورا ملحوظ ہے شَوۡر۔ چھتہ میں سے شہد نکالنے کو کہتے ہیں۔ شَارَ یَشُوۡرُ اُس کا ماضی مضارع آتا ہے۔ کہتے ہیں شُرۡتُ العَسَل (میں نے شہد کو نکالا) مِشۡوَار ہے لکڑی یا آلہ کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ سے شہد نکالا جاتا ہے مِشۡوَارَۃ اور مَشُوۡرَۃ اُس موقع کو کہتے ہیں جہاں شہد کی مکھیاں شہد جمع کرتی ہیں۔

ظاہر ہے کہ شہد جو ایک شیریں مفید اور نافع چیز ہے جس کو باری تعالیٰ نے شِفَاءٌ لِّلنَّاس (وہ لوگوں کے لئے شفاء امراض ہے) فرمایا ہے جو دوا و غذا ہونے کی حیثیت سے تمام دنیا میں محبوب و مطلوب اور محتاج الیہ ہے مکھیوں کے چھتہ میں ان کے زہر آلود ڈنکوں میں گھرا ہوا ہوتا ہے اور شہد کے نکالنے والے ان تکالیف کا مقابلہ کر کے اس کو بمشکل نکالتے ہیں۔ لفظ شور سے ہی شارۃ و شورۃ نکلے ہیں اور ان کے معنی حسن صورت عمدگی، اور بھی زینت و وضع کے ہیں۔ حدیث شریف میں آیا ہے اِنَّ رَجُلًا اَتَاہُ وَعَلَیۡہِ شَارَۃٌ حَسَنَۃٌ (ایک شخص آپ کی خدمت میں بدین حال حاضر ہوا کہ اس کا لباس اچھا تھا اس کی ہیأت و حالت اچھی تھی) عرب میں بولتے ہیں فُلَانٌ حَسَنُ الشَّوۡرِ (فلاں شخص اچھی ہیأت والا ہے) فُلَانٌ حَسَنُ الشُّوۡرَۃِ (فلاں شخص اچھے لباس والا ہے)

گھوڑے وغیرہ جانوروں کو فروخت کے لئے خریداروں کے سامنے پیش کرتے ہیں اور خریدار اُس کو آگے پیچھے سے اوپر نیچے سے اچھی طرح دیکھتا اور اس کے ایک ایک عضو کو ٹٹولتا ہے اس کو بھی شَوْر کہتے ہیں۔ فوجی گھوڑے آزمایش اور امتحان کے لئے میدان میں جمع کئے جائیں اسکو بھی مشْوَر کہتے ہیں اور جس جگہ یا جس میدان میں گھوڑے وغیرہ فروخت یا آزمایش کے لئے پیش کئے جاویں اُس کو مِشوار کہتے ہیں۔

غرض شَوْر اور اس سے جو الفاظ بنائے گئے ہیں ان میں شیرینی، حسن، اور انتخاب کے معنی ہر جگہ موجود ہیں انتخاب کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ بہتر سے بہتر چیز کو جس میں ایسے عیب نہ ہوں جسکی وجہ سے وہ چھوڑ دینے کے قابل سمجھی جائے پسند کیا جاتا ہے۔

مشورہ۔ شوریٰ۔ استشارہ۔ مشاورہ۔ سب الفاظ شور ہی سے بنائے گئے ہیں لہذا ان میں اصل معنی مصدر اور اُس کے تمام استعمالات جس قدر ملحوظ رکھے گئے ہیں ظاہر ہے مشورہ کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ اچھی، بری، صحیح اور غلط رایوں میں سے بہترین اور مثمر و منتج رائے کا انتخاب کیا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ جو رائے ہر قسم کی رایوں سے منتخب کی جائیگی محبوب مرغوب طبع حسن اور پسندیدہ ہوتی ہے اور جیسا شہد تمام امراض سے شفا کا کام دیتا ہے ایسی ہی اور نیک رائے بھی مہلکات سے نجات دینے والی منزل مقصود تک پہونچانیوالی اور ندامت و افسوس سے محفوظ رکھنے والی ہوتی ہے۔

ناظرین ہمارے اس مختصر بیان سے زبان عرب کی وسعت اُس کی لطافت و خوبی۔ الفاظ و معنی کے مناسبتوں کا اندازہ بخوبی کر سکتے ہیں۔ یہ خصوصیت ہے کہ دنیا کی کوئی زبان، کسی قوم کا لغت اُسکی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

یہ لفظ اشارہ جس کو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ اُس کا استعمال کسی شے کے بتلانے اور رائے دینے دونوں معنی میں آتا ہے مگر لغت عرب کی واضع نے اس میں بھی اُسی باریکی اور لطافت سے کام لیا ہے جو زبان عربی کا خاصہ ہے۔ حروف میں سے حرف الیٰ کے معنی منزل مقصود تک پہونچا دینے یا متوجہ کر دینے یا کسی چیز کو بتلا دینے کے ہیں۔ اور علیٰ کے معنی لازم و واجب کر دینے کے آتے ہیں۔ عربی

زبان میں اگر اشار بہ الیہ بولتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ فلاں چیز کی طرف اشارہ کردیا اُس میں وجوب عمل کی طرف ایما نہیں ہوتا۔ برخلاف اشار علیہ (اُس کو مشورہ دیا) اس میں یہ معنی ضرور ملحوظ ہیں کہ جس کو مشورہ دیا گیا ہے اس کو عمل کرنا ایک حد تک ضروری اور لازم قرار دیا گیا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جب قاتل ہرمزان کے بارہ میں مشورہ طلب کیا تو ارشاد فرمایا اشیروا علی فی ھذا الرجل الذی فتق فی الاسلام ما فتق (مجھے اس شخص کے بارہ میں جس نے اسلام کے اندر اتنا بڑا رخنہ ڈالا مشورہ دو) الفاظ بتا رہے ہیں کہ آپ ایسی رائے طلب کرتے تھے جس پر عمل فرما دیں۔ اور ظاہر ہے کہ جب کہ ایک جماعت سے کسی معاملہ میں رائے طلب کیجاتی ہے تو ہر شخص اپنی رائے کو واجب العمل سمجھکر پیش کرتا ہے اور یہی وجہ ہوتی ہے کہ اکثر و بیشتر اس رائے پر عمل نہ کرنے سے مشیر کو ملال یا کبیدگی ضرور ہوتی ہے۔ گو عقل و نقل کے قاعدہ سے اس کبیدگی و ملال کے اظہار یا اس پر جمود کا کوئی حق نہیں ہے۔ لغت کی تحقیق میں جس قدر لکھدیا گیا ہمارے نفس مدعا کے لئے کافی ہے اس سے زیادہ کی اس موقع میں گنجایش نہیں۔

حصۂ دوم

مشورہ کا حکم اسکی ضرورت غرض وغایت نتائج و فوائد

مشورہ کی غرض وغایت انسان کو مہلک اور برباد کرنے والی غلطیوں سے محفوظ رکھنا۔ معاملات کی اصلاح اور نظام عالم کو ایسی ترتیب پر قائم رکھنا ہے جو مختلف القویٰ۔ متفاوت العقول کی باہم اجتماع کے مناسب ہو۔ جبکہ یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ انسان کے تمام افراد باعتبار عقل کے مساوی نہیں ہیں بلکہ اُن کے عقول میں اس قدر تفاوت ہے کہ ایک اگر اپنی مافوق الفطرۃ عقل و تمیز اور ادراک و شعور کی وجہ سے ابنا جنس میں حیرت و استعجاب کی نظر سے دیکھا جاتا ہے تو دوسرا اس درجہ نیچے گرا ہوا ہے جسکو بمشکل حیوانات اور غیر ذوی العقول سے جدا کر سکتے ہیں۔ اُن کے افعال و اطوار اور بہائم کے طبعی و خلقی افعال میں بہت ہی کم فرق محسوس ہوتا ہے۔ اور یہ بھی مسلم ہے کہ عقل انسانی ابتدا میں نشو و نما کی محتاج ہوتی ہے پھر اس کا نشو و نما اس کی ترقی اور ارتقاء کا آلہ حقیقی تجربہ اور ممارست معاملات ہے دانشمند سے دانشمند آدمی بھی بلا تجربہ ناقص ہی

کی رائے غیر قابل قبول ہوتی ہے۔ وہ اپنی عقل سے خطا و صواب کے راستے بیشک بتلاتا ہو لیکن جو باتیں تجربہ کے متعلق ہوتی ہیں وہ بغیر عالم کے تغیرات اور واقعات و حالات پر فلسفیانہ و حکیمانہ نظر ڈالے حاصل نہیں ہوتیں۔ اور سب سے بڑھکر یہ کہ جب تک خود مبتلا ہو کر سرد و گرم سے واقف نہ ہو جاوے ہرگز اس کی رائے صائب نہیں ہو سکتی۔ اس کی مثال ایسی سمجھو کہ ایک نہایت دانشمند و زیرک فنون جنگ کی کتابوں کا عالم، حافظ بلکہ کسی مکتب حربیہ کا پروفیسر یا پرنسپل میدان جنگ سے دور بیٹھا ہوا بیٹھے ہوئے معرکہ آرائی کی تدبیریں بتلاتا ہے اور ہر ایک نشیب فراز سے آگاہ کرتا ہے اور دوسرا وہ شخص ہے جو دانائی و فراست علم و مطالعہ کتب میں اس کا ہم پلہ نہیں ہے مگر عمر بھر اس کی میدان جنگ میں گذری۔ ادنیٰ سپاہی سے جرنیل کے مرتبہ تک پہونچ گیا ہزاروں معرکوں کا مشاہدہ کیا۔ کبھی محصور ہوا کبھی محاصرہ کیا کبھی حملے کئے کبھی مدافعانہ قوت دکھلائی۔ کبھی وسیع میدانوں میں کوچ کیا کبھی تنگ پہاڑ گھاٹیوں سے لشکر کو صحیح و سالم نکال کر لیگیا۔ کبھی دشمنوں کے نرغے میں پھنسکر ہلاکت کے کنارہ پہونچگیا۔ ظاہر اور بالکل ظاہر ہے کہ گو اول الذکر شخص دانش و عقل میں کتنا ہی بڑھا ہوا ہے اور اس فن کے مصنفات میں کتنی کچھ تدابیر ہر موقع کی موجود ہوں جس کا وہ حافظ اور نکتہ شناس ہے۔ مگر اس کی تدبیر درست کو اس دوسرے شخص کی رائے و تدبیر کے مقابلہ میں کچھ وقعت نہیں ہو سکتی اور نہ ویسی قدر و قیمت۔ ایک ہی صورت کی تدبیر مختلف ہوتی ہیں لیکن موقع کی اہمیت کا اندازہ اور پھر اس کی مناسب تدابیر کا اختیار کرنا صرف تجربہ کے متعلق ہے اور اگرچہ فن حرب کی تصنیفات بھی انہیں آزمودہ کاروں کی برسوں کے تجربات کا مجموعہ ہے لیکن پھر بھی تجربہ ہمیشہ نئی نئی صورتیں دکھلاتا رہتا ہے۔ علاوہ بریں علم بغیر عمل کے یقیناً ناقص و ناتمام رہتا ہے یہی وہ مضمون ہے جسکو حضرت رسول کریم علیہ افضل الصلوات والتسلیم نے اپنے جوامع الکلم میں ارشاد فرمایا ہے لاحلیم الاذو عثرۃ ولاحکیم الاذو تجربۃ (دانشمند و بردبار وہی ہے جس نے بہت سی ٹھوکریں کھائی ہوں۔ اور حکیم وہی شخص ہے جس نے بہت سے تجربے کئے ہوں) لفظ حکیم حلم بکسر حا یعنی دانش و عقل سے مشتق ہے آپ کا حصر کے ساتھ ارشاد فرمانا کہ دانشمند صرف

وہی ہے جس نے تجربہ کئے ہوں ٹھوکریں کھائیں ہوں صاف بتلاتا ہے کہ بغیر لغزشوں کے آدمی پختہ کار نہیں ہوتا اس کے اخلاق و ملکات ناقص و ناتمام رہتے ہیں۔ اور اگر حلم کو تحمل و بردباری کے معنی میں لیا جائے تب اس ارشاد میں ایک دوسرا امر ثابت ہو گا جو اپنی اہمیت و صحت میں معنی اول کے ہم سنگ ہے اور جس سے آپ کے ارشادات کا جوامع الکلم ہونا اور بھی روشن ہو جائیگا یعنی کسی شخص میں اصل فطرۃ سے، اگرچہ حلم و بردباری موجود ہو لیکن اس کو ایسے مواقع اور واقعات سے سابقہ نہیں پڑا جن سے اس کے تحمل کی عمق اور بردباری کی تہ کا اندازہ ہو سکے ایسے شخص کو حلیم اور بردبار نہ کہنا چاہیے حلیم وہی شخص ہو سکتا ہے جو گرمی سے گرمی بات پر بھی جنبش نکرے چین بجبیں نہو۔ اور درحقیقت یہ حالت بغیر تجربہ اور ٹھوکریں کھائے حاصل نہیں ہو سکتی۔ بہت سے شخص دیکھنے میں کوہ وقار معلوم ہوتے ہیں لیکن چھونے سے خلاف طبع کا تحمل انھیں دشوار ہو جاتا ہے۔ بہت سے ایسے ہیں جو بڑے سے بڑے معاملہ میں تحمل کر لیتے ہیں۔ لیکن کبھی کسی چھوٹے اور غیر معتدبہ امر میں اپنی حالت سے نکل جاتے ہیں پھر معاملات کی نوعیت مختلف ہوتی ہے اس لئے تجربہ ہی ایسی چیز ہے جو حلیم کو حقیقی حلیم بناتا ہے۔

حضرت[1] امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ علم و عفو میں مشہور ہیں آپ فرمایا کرتے ہیں مجھے شرم آتی ہے کہ دنیا میں کوئی قصور ایسا ہو جس کو میرا علم شامل و محیط نہو سکے۔ لیکن ان کا یہ دعویٰ اور افتخار غالباً قابل التفات و تصدیق نہوتا اگر انھیں پر بعض واقعات عظیمہ نہ گذرتے جن سے ان کی کوہ وقاری کا تجربہ ہوا ایک مرتبہ امیر معاویہ اور حضرت عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہما میں ناخوشی کی گفتگو ہو گئی حضرت عقیل کبیدہ خاطر ہو کر اٹھ گئے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے معذرت میں خط لکھا جس کا حاصل یہ تھا کہ تم قصی بن کلاب (جد اعلیٰ قریش مکہ) کی شاخ عبد مناف (ہاشم کے والد ماجد) کے جوہر اور منز ہاشم (جناب رسول اللہ علیہ وسلم کے پردادا) کے برگزیدہ فرزند ہو تمھاری کوہ وقاری اخلاق اور بلند فطرت عقلیں کیا ہوئیں۔ مجھے اس بات کا بہت ملال ہے جو ہمارے باہم پیش آئے

[1] مستطرف جلد اول صفحہ ۱۲

میں عہد کرتا ہوں کہ قبر میں دفن ہونے تک کبھی ایسی بات پیش نہ آئیگی۔ اس کے جواب میں حضرت عقیل رضی اللہ عنہ نے یہ دو شعر لکھکر بھیجدئے۔

صَدَقْتَ وَقُلْتَ حَقًّا غَيْرَ اَنِّي	تم نے بالکل سچ کہا مگر میں یہ عہد کرچکا ہوں۔
اَرٰى اَنْ لَّا اَرَاكَ وَلَا تَرَانِي	کہ نہ میں تمھاری صورت دیکھوں نہ تم میری۔
وَلَسْتُ اَقُوْلُ سُوْءً فِي صَدِيْقِي	میں اپنے دوست کی کوئی برائی کرنا پسند نہیں کرتا
وَ[illegible] اَصُدُّ اِذَا جَفَانِي	اور جب میرے ساتھ جفا کرتا ہے تو میں اعراض کرکے بیٹھ جاتا ہوں

ان اشعار کو دیکھتے ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان کے پاس پہونچے اور جس قدر ممکن تھا معذرت و ملاطفت کی اور قسمیں دیں کہ آپ اپنی اس خیال کو چھوڑ کر اصلی حالت پہ آجائیں انجام یہی ہونا تھا کہ وہ راضی ہوگئے۔

ظاہر ہے کہ اگر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے یہ لغزش ہوتی اور وہ دوستانہ انداز میں نہ کہ بر بناء زعم سلطنت ناگوار کلمہ کہتے تو آئندہ ایسے امور سے محترز رہنے کی تنبیہ انکو نہ کرتی۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی کچھ زمین ایک موقع پر تھی اور اس کے متصل ہی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بھی تھی۔ امیر معاویہ کے ملازموں اور کارپردازوں نے غالباً قوت خلافت کے بھروسہ ان کی زمین پر تصرف کرنا شروع کردیا جس پر ناراض ہوکر انھوں نے ایک خط امیر معاویہ کو بدیں مضمون لکھا کہ آپ اپنے نوکروں کو منع کردیجئے کہ میری زمین پر تصرف نکریں ورنہ ہماں نی وبک مشان نہیں تو جو کچھ میرے آپ کے درمیان پیش آئیگا معلوم ہوجائیگا۔ یہ تہدید آمیز خط ایسا نہ تھا جس میں کسی صاحب سلطنت وقدرت کو غیظ وغضب نہ آتا۔ چنانچہ آپ نے اپنے بیٹے یزید کو دکھلاکر مشورہ کیا تو اس نے کہا میری رائے تو یہ ہے کہ آپ ایسا عظیم الشان لشکر بھیجیں جس کا ایک سرا ان تک ہو تو دوسرا آپ کے پاس اور حکم دیجئے کہ ان کا سر اوتار کر لائیں بیٹے کی یہ رائے سنکر بردبار باپ نے کہا نہیں بیٹا! ایک اور بات اس سے بہتر

۱؎ مستطرف جلد اول صفحہ ۱۷۔

ہے۔ پھر قلم اور کاغذ منگا کر جواب خط لکھا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ میں نے حواری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے کا خط دیکھا جس کو دیکھکر مجھے اسی قدر صدمہ ہوا جتنا ان کو آپ کی رضامندی کے مقابلہ میں ساری دنیا کی حقیقت بھی میرے نزدیک کچھ نہیں۔ میں نے اپنی زمین کو بالکل چھوڑدیا وہ بھی آپ ہی کی ہے۔ اس جواب کے پہونچتے ہی عبداللہ بن زبیر کا غیظ و غضب یک لخت بدل گیا اور بجواب اس کے لکھا: امیرالمومنین کے جواب پر مطلع ہوا۔ خدا تعالیٰ آپ کو دیر تک باقی رکھے۔ اور جن اوصاف نے آپ کو اس درجہ پر پہونچایا ہے وہ زائل نہوں آپ نے یہ خط پڑھکر یزید کو دیا اور فرمایا جو شخص عفو کا خوگر ہوتا ہے سوار بنجاتا ہے اور جو بردباری کرتا ہے اس کی عظمت بڑھجاتی ہے اور جو درگذر کرتا ہے لوگ اس کی طرف جھک جاتے ہیں۔ تم کو جب کبھی ایسی مشکلات میں مبتلا ہونے کی نوبت آئے تو اس کی یہی تدبیر ہے۔

ظاہر ہے کہ عبداللہ بن زبیر میں ان کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ دوسری جانب ایسا سامان موجود تھا کہ اشارہ میں کام تمام ہوجاتا۔ سارے جھگڑے مٹ جاتے۔ مگر ایسے ہی وقت ثابت قدم رہنا۔ عقل و بردباری کا ثبوت دیسکتا تھا۔ اور اسی کا نتیجہ ہوا کہ عبداللہ بن زبیر باوجود اس سخت منافرت اور خلاف کے نرم ہوگئے۔

احنف[1] بن قیس حلم و بردباری میں ضرب المثل ہیں۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی شخص مجھے تکلیف پہونچاتا ہے یا سب و شتم سے پیش آتا ہے تو میں اس کے بارے میں غور کرتا ہوں اگر اس کا مرتبہ مجھ سے بڑا ہے تو اس کی بزرگی جواب سے مانع ہوتی ہے، اگر ہمرتبہ ہے تو اس پر مہربانی کرتا ہوں اگر کم درجہ ہے تو اس کے مقابلہ کو اپنی حقارت سمجھتا ہوں۔

ایک مرتبہ وہ ہنڈیا پکا رہے تھے۔ ایک شخص نے کہا کہ یہ ہنڈیا بندر کی تھیلی کے برابر ہے نہ کسی مانگنے والے کو عاریتاً دیجاتی ہے نہ جو اس میں سے کھائے اس کو چکناہٹ حاصل ہوتی ہے احنف نے سنکر کہا اگر یہ شخص چاہتا تو اس سے اچھی بات کہہ سکتا تھا۔

احنف کا مقولہ ہے کہ حلم و بردباری میں جو ذلت مجھے پہونچتی ہے اس کے مقابلہ میں اگر سرخ

[1] مستطرف جلد اول صفحہ [illegible]۔ [2] جمع الادب حصہ اول صفحہ [illegible]

اونٹ (سرخ اونٹ عرب میں نہایت عزیز تھے) ملجائیں تو مجھے ہرگز پسند نہیں ہے۔

احنف سے کسی نے پوچھا کہ تم نے علم و بردباری کو کس سے حاصل کیا۔ کہا قیس بن عاصم سے ہم اُن سے علم و بردباری سیکھنے اس طرح جاتے تھے جس طرح علماء کی خدمت میں فقہ حاصل کرنے جاتے ہیں۔ ایک مرتبہ ہم اُن کی خدمت میں حاضر تھے کہ لوگ اُن کے بھائی کو مشکیں باندھے ہوئے لائے اور کہا اس نے آپ کے بیٹے کو قتل کیا ہے۔ قیس کچھ بات کر رہے تھے۔ یہ سُنکر نہ سلسلہ کلام منقطع کیا۔ نہ چہرہ پر تغیر ہوا۔ جس طرح بیٹھے تھے اسی وقار سے بیٹھے رہے اور جب گفتگو ختم کر چکے تو فرمایا تم نے میرے بھائی کو خوف زدہ کر دیا۔ اور پھر اپنے دوسرے بیٹے کو بلا کر کہا کہ بھائی اپنے چچا کو کھولدو۔ اپنے بھائی کو دفن کر دو اور مقتول کی والدہ کو دیت میں سو اونٹ دیدو۔ وہ غریب الوطن ہے شاید اسی طرح اس کی تسلی ہو جائے۔

حلم و بردباری کا کرنا عمل تو معمولی مجرموں سے درگذر بھی آسان ہے۔ تھوڑا بہت نقصان گوارا کر لینا بھی دشوار نہیں ہے مگر امتحان کا وقت یہی تھا کہ لخت جگر قتل کر دیا جائے، اس کی لاش سامنے لاکر ڈالدی جائے۔ اور پھر عقل و حواس بجا رہیں۔ غضب و جوش انتقام کو حرکت نہو۔ قیس کو معاف کر دینے کا حق شرعاً حاصل تھا۔ مگر جہاں ایک طرف بھائی کے ساتھ سلوک کیا تو دوسری جانب غریب ماں کی دلجوئی میں بھی کمی نکی اور اپنے مال سے سو اونٹ دیت کے دیدئے۔ یہ ہیں وہ اخلاق و مکارم جن پر کوئی قوم فخر کر سکتی ہے۔

یہاں تک ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد مبارک کے ایک حصہ لاحلیم الاذو عثرۃ کے ایک پہلو کو واضح کرنے کے لئے استطرادًا یہ چند واقعات نقل کر دئے ہیں کیوں کہ وہ ناظرین کے واسطے دلچسپی سے بھی خالی نہ تھے۔ اب ہم ارشاد مبارک کے دوسرے حصہ لاحکیم الاذو تجربۃ کی طرف بالخصوص متوجہ ہوتے ہیں۔ یہ دوسرا جملہ صرف تبلاتا ہے کہ صاحب عقل سلیم و فطرت بلند والے صاحب بلا تجربہ کے حکیم کا رتبہ نہیں پاسکتا۔ حکیم وہی شخص ہو سکتا ہے جو عقل کامل کے ساتھ

لہ بلوغ الارب حصہ اول صفحہ

تجربہ کار اور سرد و گرم چشیدہ ہو۔ اور یہی ہمارا مدعا تھا کہ عقل کے ارتقار کا حقیقی آلہ تجربہ ہے۔

جملہ اولی لاحلیم الا ذو عثرۃ میں جو دو معنی بیان کئے گئے ہیں۔ جملۂ ثانیہ اس امر کی تائید کرتا ہے کہ اُن میں سے علم کو بمعنی بردباری و تحمل لینا زیادہ موزوں ہے۔

اور یہ بھی تسلیم شدہ ہے کہ تمدن کا مدار تعاون و تناصر، باہم امداد و معاونت یاری و مددگاری پر ہے۔ وحشی اور متمدن کے درمیان فرق ہے تو یہی ہے کہ وحشی جیسا کہ خود اپنے تمدن و اسباب معیشت میں دوسرے کی طرف کم رجوع کرتا ہے۔ ایسے ہی دوسرے کے کام میں بھی آتا۔ بہائم حقیقی وحشی ہیں اُن میں بہت کم رابطہ انس و تعلقات ہوتے ہیں۔ اور جو ہوتا ہے وہ بھی طبعی ہوتا ہے عقلی و اختیاری نہیں۔ انسان کو بہائم سے تمیز ہے تو یہی ہے کہ اس میں فطرتاً اُنس و محبت امداد و استمداد کا مادہ ودیعت رکھا گیا ہے۔ اور یہ امداد و استمداد کا سلسلہ اس کے تمام امور معاش و معاد میں داخل ہے۔ دنیا میں بادشاہ سے لیکر ادنیٰ رعیت اور عالم سے لیکر جاہل کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس کو دوسرے کی احتیاج نہو۔ بلکہ جس قدر بڑے رتبہ کا ہوتا ہے اُتنا ہی دوسروں کا محتاج ہوتا ہے۔ مخلوق میں انسان سب سے زیادہ محتاج اور دست نگر ہے۔ انسان کے طبقات میں جو سب سے اعلیٰ شمار ہوتے ہیں وہ سب سے زیادہ مقید اور محتاج ہیں۔ انسان کی تمام اچھے اور بُرے حالات و معاملات اس کی نیک نامی و بدنامی آبادی و بربادی، نجات و ہلاکت، افعال اور اقوال پر ہیں۔ دنیا میں بہت ہی کم ایسے نادان و کودن ہیں جو جان بوجھ کر اپنے آپ کو تباہی اور بربادی میں ڈالیں یا جو اپنے لئے بہبودی اور فلاح کی فکر نکریں لیکن باوجود اس کے کہ آدمی اپنے نفس کا ساری دنیا سے زیادہ خیرخواہ ہے۔ پھر اُس سے باختیار خود ایسے افعال کیوں صادر ہوتے ہیں جن کے انجام میں جان و مال، عزت و آبرو، کا نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ تباہ و برباد ہوتا ہے۔ ندامت و پشیمانی ذلت و رسوائی حاصل ہوتی ہے۔ صرف رائے کی غلطی سے کبھی مضر و مفید کے انتخاب میں غلطی ہوتی ہے۔ کبھی واقعات کے اسباب میں اشتباہ پڑ جاتا ہے۔ کبھی صحیح تدبیر تک اُن کی رسائی نہیں ہوتی۔ کبھی ایک ہی واقعہ کے بہت سے اسباب اور ایک ہی معاملہ کی بہت سی تدابیر ہوتی ہیں۔ اور سب

بجائے خود صحیح و نتیجہ خیز بھی ہوتی ہیں۔ لیکن اس کی خاص تدبیر کو اختیار کرنے میں اشکال پیش آتا ہے۔ خود باوجود دانشمند زیرک ہونے کے متحیر ہو جاتا ہے غرض بہت سے وجوہ ایسے پیش آتے ہیں کہ تنہا اس کی رائے فیصلہ کرنے کے لئے کافی نہیں ہوتی۔ اگر ایسے مواقع میں اپنی رائے پر اعتماد کرکے کچھ کر بیٹھتا ہے تو ناکامیاب ہوتا ہے۔ ہم چشموں میں ذلت ہوتی ہے۔ اس لئے کسی بڑے یا چھوٹے کام کو شروع کرنے سے رائے صحیح کا منقح کر لینا نہایت ضروری امر ہے متنبی کہتا ہے۔

اَلرَّاْیُ قَبْلَ شَجَاعَةِ الشُّجْعَانِ	رائے بہادروں کی شجاعت سے بھی پہلے ہے۔
هُوَ اَوَّلٌ وَهِیَ الْمَحَلُّ الثَّانِیْ	اس کا درجہ اول ہے اور شجاعت کا دوسرا درجہ ہے۔

یہ شاعر بتلاتا ہے کہ شجاعت جو حقیقت میں اعضاء کے متعلق ہے اور جس میں تہور دلیری اور نا عاقبت اندیشی سے کام چلتا ہے اس کا مدار بھی رائے پر ہے اگر کم عقلی اور بے تدبیری سے کوئی شخص اپنے کو دشمنوں کے نرغے میں پھنسا دے اور گو اس وقت وہ داد شجاعت دیکر جان دیدے یا سے جان لیکر سالم بھی بچ جائے لیکن اس کو حقیقی شجاعت نہیں کہتے اصل شجاعت یہی ہے کہ مشغول کارزار ہونے سے پہلے دشمن کو اپنی تدبیر و حیلہ سے شکست دے اور عین معرکہ میں وہ تدابیر اختیار کرے جو سیف و سناں سے زیادہ موثر کارگر ہوں الحرب خدعۃ اور جیسا کہ انسان کو اپنے تمام معاملات میں دوسروں کی امداد و استمداد کی حاجت ہے رائے میں دوسروں کی امداد کا محتاج ہوتا ہے اور جب کہ مشورہ و تبادلہ خیالات سے ایک معاملہ کے تمام پہلو روشن و واضح ہو گئے۔ اس کے متعلق تمام تدابیر کا علم ہو گیا اور پھر باہمی مشورہ سے وہ تدبیر بھی متعین کر دی گئی جس کا استعمال اس وقت مناسب ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان ایسی حالت میں بہت کم ان غلطیوں میں مبتلا ہوتا ہے۔ جو ناکامی کا سبب بنجاتی ہیں۔ بلکہ اکثر و بیشتر یہ شخص اپنے مدعا میں پورا پورا کامیاب اور فائز المرام ہوتا ہے۔ اور اگر احیاناً باوجود بہتر سے بہتر تدبیر کرنے کے حصول مدعا میں کامیاب نہو۔ کیونکہ ممکن ہے کہ بہت سے ذوی العقول بھی ملکر صحیح نتیجہ پر نہ پہونچ سکیں۔ انسان کتنا ہی زیرک دانشمند تجربہ کار۔ سرد و گرم چشیدہ ہو مگر علم غیب اس کو

نہیں ہے جس سے وہ یقیناً کسی نتیجہ کے وقوع پذیر ہونے کا حکم لگا سکے۔ معہذا انسان کا کام صرف یہ ہے کہ اپنے عقل رسا اور تجربہ تام کی وجہ سے معاملہ کے صحیح اسباب بتلائے مگر ہر سبب کا منتج ہونا خود یقینی نہیں ہے۔ باوجود ناکامیاب ہونے کے بھی یہ شخص اس ندامت و پشیمانی سے محفوظ رہتا ہے۔ جو خود رائی کے بعد ہو سکتی ہے۔ اور اُس قسم کے طعن و تشنیع کی زد سے بالکل بچ جاتا ہے جس کا درصورت عدم مشورہ ابناء زمانہ کی طرف سے پیش آنا ضروری تھا۔ سب سے بڑھکر یہ کہ جن دانشمند بزرگوں اور ہوشمند تجربہ کاروں کی مشورہ پر کاربند ہو کر کام کیا تھا بغیر کامیابی کی صورت میں وہ اس کے بہت زیادہ مدد و معاون بن جاتی ہیں۔ وہ اپنی ممکن سے ممکن کوشش اس کے کامیاب کرنے میں صرف کر ڈالتے ہیں۔ اور اگر اس معاملہ خاص میں آخر تک ناکامی رہے تو جبر نقصان کے لئے ہر وقت کوشاں رہتے ہیں۔ گویا اس شخص نے محض اپنی فلاح و بہبودی کے لئے مشورہ کر کے ایک بھاری لشکر اپنی امداد و معاونت کے لئے تیار کر لیا۔ جو ہر وقت ہر پہلو سے اس کی امداد کو آمادہ ہے۔

خلاصہ ہماری تمام معروضات کا یہ ہے کہ متمدن دنیا میں انسان کو اپنے تمام معاملات میں باہمدگر تعاون و تناصر ضروری ہے اس کے بغیر کسی کا کام نہیں چلسکتا ہے۔ اور تمام معاملات کی اسلوبی و بہبودی کا مدار رائے صحیح پر ہے رائے میں امداد و استمداد کا مسئلہ سب سے اہم اور واجب العمل ہو گا۔ گویا اساس تمدن مشورہ پر ہے۔ اور عالم کی صلاحیت اس کی آبادی۔ اُس کی رونق و شادابی کا مدار تبادلہ آراء و خیالات پر ہے اور پھر اس کا کوئی پہلو۔ فوائد و نتائج مفیدہ سے خالی نہیں ہے۔

مشورہ کا حکم۔ اور اس کی فضیلت

جب یہ معلوم ہو گیا کہ تمدن کا لازمی جزو استشارہ و مشاورت ہے۔ عالم کی اصلاح کا مدار اسی پر ہے۔ تو اب دیکھنا یہ ہے کہ شریعت اسلامی نے جو انسان کی ہر حالت میں رہبر اور ہر قسم کی فلاح و بہبود کی متکفل ہے اس مسئلہ کی نسبت کیا حکم دیا ہے اور اس کی خوبیاں کس حد تک ذہن نشین کی ہیں۔ اس بارہ میں ہم اول نصوص قرآنی معہ تفسیر متعلقہ آیات۔ اور پھر روایات احادیث اور پھر اقوال صحابہ سلف آئمہ مرحومہ بیان کریں گے۔

نصوص قرآنی

نص اول فبما رحمة من الله لنت لهم ولو کنت فظاً غلیظ القلب لانفضوا من حولک فاعف عنهم واستغفر لهم وشاورهم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی الله ان الله یحب المتوکلین

خدا کی بڑی رحمت سے تم ان کے لئے نرم بن گئے۔ اور اگر تم کج خلق سخت دل ہوتے تو یہ لوگ تمہارے پاس سے متفرق ہو جاتے ہیں۔ ان سے درگذر کرو اور ان کے لئے استغفار کرو معاملات میں ان سے مشورہ کرو۔ لیکن جب عزم کر چکو تو خدا پر بھروسہ کرو اللہ تعالیٰ متوکلوں کو دوست رکھتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ فرائض بعثت و رسالت ادا کرنے اور گمراہوں اور بھٹکے ہوؤں کو ہدایت کرنے اور راہ راست پر لانے کے لئے ملاطفت نرم خوئی۔ درگذر اور حسن اخلاق کی ضرورت ہے تاکہ ناواقف حسن اخلاق اور ملاطفت کی وجہ سے آپ کے گرد جمع ہوں اور آپ کے فیض صحبت اور ارشادات سے متمتع ہو کر پختہ کار مسلمان بن جائیں۔ اور اس کے برخلاف آپ کے اخلاق میں نرمی نہ ہوتی آپ ناواقفوں اور جاہلوں کی اکھڑپن کی برداشت نہ کرتے۔ خلاف شان اور خلاف ادب کسی ایک لفظ یا حرکت پر دارو گیر و مواخذہ فرماتے۔ آپ دشمن تو دشمن دوستوں کی نامناسب حرکات کا تحمل نہ فرماتے۔ یا آپ سخت دل ہوتے۔ آپ میں شفقۃ علی الخلق کوٹ کوٹ کر نہ بھری ہوتی تو یہ مقبولیت عامہ۔ مخلوق کا یہ اجتماع اور یہ جان نثاری حاصل نہ ہوتی بلکہ جب لوگ یہ دیکھتے کہ آپ بھی مثل اور انسانوں کے معاملہ فرماتے برائی کا بدلہ برائی سے دیتے ہیں۔ درگذر فرمانا اور اپنے اوپر تکلیف اٹھانا نہیں جانتے تو اول تو اس قسم کی گرویدگی حاصل ہی نہ ہوتی اور نہ لوگ آپ کے گرد جمع ہوتے اور جو ہوتے بھی تو وہ اس تندمزاجی کو دیکھ کر الگ ہو جاتے وہ خود ہلاکی و تباہی کے گڑھے میں گرتے اور بعثت کا مقصود حاصل نہ ہوتا اور جب یہ بات ہے تو آپ کے حقوق میں جو کوتاہی ان سے سرزد ہوا اس سے درگذر کرنا چاہئے۔ اور حقوق اللہ میں جو کمی

مانع ہو اس کے بارہ میں استغفار کرنا چاہئے اور اُن سے معاملات میں مشورہ کرتے رہنا چاہئے۔

ارشاد مذکورہ بالا سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ سے مشورہ فرمانے کا حکم ہے اور یہیں سے مشورہ کے بلحاظ ضروریات ہونے کی تنقیح بھی ہو گئی کہ جب خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو باوجودیکہ آپ نزول وحی کی وجہ سے مستغنی تھے یہ حکم ہے تو مسلمانوں کا اور کوئی فرد خواہ کسی درجہ و رتبہ کا ہو کیسے اس حکم سے مستغنی ہو سکتا ہے ہر شخص کے ذمہ ہے کہ تمام ایسے امور کے اندر جن میں صواب و خطا میں اشتباہ ہو مشورہ کرے۔

لیکن آیت کے متعلق چند مباحث ہیں جن کی تنقیح و تحقیق ضروری ہے جس کے بعد انشاء اللہ تعالے حکم مذکور کی تنقیح و توضیح بھی بخوبی ہو جائیگی۔

مبحث اول - صحابہ سے مشورہ لینے کا حکم کس بنا پر تھا۔ اکثر حضرات فرماتے ہیں کہ مشورہ کی جو اصلی غرض ہوتی ہے یعنی تعیین رائے صائب و صحیح وہی مقصود ہوتی تھی۔ حدیث شریف میں وارد ہے۔

اَنَّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لابی بکر و عمر لو اجتمعتما فی مشورۃ ما خالفتکما (الامام احمد عن عبد الرحمن بن غنم)	جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما سے ارشاد فرمایا اگر تم دونوں کسی مشورہ پر متفق ہو جاؤ تو میں خلاف نہ کروں گا۔

نیز ترمذی وغیرہ کتب میں مروی ہے کہ جب آیۃ شریفہ۔

یا ایھا الذین اٰمنوا اذا ناجیتم الرسول فقدموا بین یدی نجواکم صدقۃ۔	اے ایمان والو جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کرنا چاہو تو سرگوشی سے پہلے خدا کی راہ میں کسی قدر خیرات دیا کرو۔

نازل ہوئی تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ سے ارشاد فرمایا کتنا صدقہ ہونا چاہئے ایک دینار۔ تو حضرت علی نے جواب دیا یہ تو بہت زیادہ ہے مسلمان اس

۱ - روح المعانی جلد اول صفحہ ۔ ۲ - فتح الباری جلد ۱۳ صفحہ ۲۵۳

کے متحمل نہوں گے۔ فرمایا نصف دینار جب بھی یہی جواب دیا یہ تو بہت زیادہ ہے ارشاد فرمایا تو پھر کیا ہونا چاہئے عرض کیا کہ ایک جو کی قدر۔ آپ نے فرمایا تم تو بہت ہی زاہد ہو یعنی دنیا سے بے رغبت اور مال کو نہ رکھنے والے۔ اس کے بعد پوری آیۃ ذیل نازل ہوئی۔

ءاشفقتم ان تقدموا بین یدی نجوٰکم صدقات فاذ لم تفعلوا و تاب الله علیکم فاقیموا الصلوٰة واتوا الزکوٰة واطیعوا الله و رسوله والله خبیر بما تعملون	(کیا تم لوگوں سے یہ نہ ہو سکا کہ اپنی سرگوشیوں سے پہلے خیراتیں دیا کرتے (خیر) جب تم نے اس پر عمل نہ کیا اور اللہ نے تمہیں معاف فرما دیا تو اب صرف نمازیں ادا کیا کرو اور مفروضہ زکوٰۃ ادا کیا کرو اور تمام امور میں اللہ تعالیٰ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کیا کرو اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی خبر ہے)

حضرت علی فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے میری وجہ سے اُمت پر تخفیف فرما دی اور ہر مرتبہ مناجات کے وقت جو صدقہ کا حکم تھا جس کا تحمل ہر ایک سے نہ ہو سکتا تھا منسوخ ہو گیا۔

حضرات شیخین کے بارے میں یہ ارشاد کہ اگر تم کسی امر میں متفق ہو جاؤ تو تمہارا اختلاف نہ کروں گا، دلالت کرتا ہے کہ آپ اُن کی رائے پر عمل فرماتے تھے اور مقصود تحصیل رائے تھا علیٰ ہذا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صدقہ کے بارہ میں مشورہ کرنا خود اس کی دلیل ہے۔

اور جلیل القدر تابعی قتادہ رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے حضرات یہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ کی کچھ حاجت نہ تھی۔ وحی کے ذریعہ سے تمام امور آپ کو معلوم ہو سکتے تھے باایں ہمہ جو آپ کو مشورہ کا حکم دیا گیا محض مسلمانوں کے اطمینان اور تطییب قلب کے لئے تھا اور یہ امر آپ کے حسن اخلاق اور ملاطفت کے تکملہ میں داخل تھا ہر مسلمان کو یہ علم تھا کہ آپ جو کہتے ہیں جو فرماتے ہیں باشارہ وحی فرماتے ہیں پھر آپ کی عقل و فراست تمام عالم کی عقل سے فائق۔ ان حالات کے ہوتے ہوئے آپ کو کسی کے مشورہ کی ہرگز حاجت نہ تھی باایں ہمہ جہاں کھانے پینے چلنے پھرنے، بیٹھنے اُٹھنے میں آپ مساوات و بے تکلفی کا معاملہ فرماتے تھے اُسی کی تکمیل کے لئے آپ کو یہ بھی حکم ہوا کہ معاملات میں مشورہ کر لیا کریں تاکہ اُن کا دل خوش ہو جائے۔

اور حضرت حسن بصریؒ یہ فرماتے ہیں کہ آپ کو مشورہ کا حکم تعلیم اُمۃ کی غرض سے تھا یعنی آپ کو مشورہ کرنے کا حکم اس لئے دیا گیا کہ آپ کے فعل کو دیکھکر امتہ بھی اقتدا کرے۔ اور سمجھ لے کہ جب آپ باوجود نزول وحی کے مشورہ فرماتے تھے تو وہ لوگ جن کے پاس کوئی ذریعہ حصول علم یقینی اور اطمینان قلب کا نہیں ہے کیونکر مشورہ سے مستغنی ہو سکتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قال لما نزلت وشاورهم في الامر قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اما ان الله ورسوله لغنيان عنها ولكن جعلها الله تعالی رحمة لامتي فمن استشار منهم لم يعدم رشدا ومن تركها لم يعدم غيا۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں جب آیۃ وشاورہم فی الامر نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دیکھو خدا اور اس کا رسول مشورہ سے بالکل مستغنی ہیں لیکن خدا تعالیٰ نے اس کو امت کے لئے رحمۃ کا سبب بنایا ہے میری امتہ میں سے جو شخص مشورہ سے کام کریگا رشد و ہدایت اس کے ساتھ رہیگی اور جو اس کو چھوڑ دیگا گمراہی اور کجروی اس کا ساتھ نہ چھوڑیگی۔

اس حدیث سے صاف ثابت ہے کہ باوجود مستغنی ہونے کے مشورہ کا حکم صرف امتہ کی تعلیم واقتدا کی غرض سے دیا گیا۔ یہ تین احتمال ہیں جن کی طرف علماء حقانی گئے ہیں ایک چوتھا احتمال اور بھی ہے وہ یہ کہ مشورہ سے غرض و نمایۃ امتحان ہوتا تھا یعنی ناصح وغیر ناصح ہمدرد وغیر ہمدرد میں تمیز کرنا یا مشیر کی صدق و اخلاص کا اندازہ کرنا مگر اس احتمال کو ضعیف و ناقابل التفات قرار دیا گیا ہے۔ لیکن قبل اس کے کہ ہم ان احتمالات میں کسی کو ترجیح دیں یا اُن کے متعلق اپنی رائے بیان کریں معاملات مشورہ طلب کی تفصیل اور اختلاف کی اصل منشاء کو بیان کر دینا مناسب سمجھتے ہیں

معاملات کل دو قسم کے ہیں دینی و دنیوی دینی معاملات دو قسموں پر منقسم ہیں۔ ایک وہ جن میں وحی آچکی۔ دوسرے وہ جن میں وحی نہیں آئی۔ اور پھر جن معاملات میں وحی نہیں آئی اُن کی بھی دو قسمیں ہیں اول وہ جن میں مشورہ کے بعد وحی نازل ہوئی۔ دوسری وہ جن میں مشورہ پہ

عمل کیا گیا اور وحی نازل نہ ہوئی۔ گو کسی معاملہ میں آپ کے عمل کو جائز و برقرار رکھنا بھی وحی کے حکم میں داخل ہے کیونکہ کسی غلط رائے پر آپ کو استقرار و قیام نہیں ہو سکتا اس لئے لازمی طور پر ماننا پڑیگا کہ آپ کا عمل یا حکم عین منشاء خداوندی کے مطابق تھا اور اسی کو وحی حکمی یا وحی باطنی کہتے ہیں۔

معاملات دنیوی میں بالاتفاق مشورہ جائز ہے۔ معاملات دنیوی سے ہماری غرض اس قسم کے معاملات ہیں جن سے کوئی حکم شریعت متعلق نہیں ہوتا جس کی نسبت آپنے ارشاد فرمایا ہے انتم اعلم بامور دنیاکم مثلاً تابیر نخل کا قصہ۔

معاملات دینی جن میں وحی نازل ہوگئی ان میں مشورہ کی ضرورت و حاجت نہیں۔ اور نہ آپ ایسے معاملات میں اغراض مذکورہ میں سے کسی غرض کے لئے مشورہ فرماتے تھے بلکہ صرف اشارہ وحی پر عمل فرمانا آپ کے ذمہ ضروری تھا۔ اور جن میں وحی نازل نہیں ہوئی ان کے اندر علماء کا اختلاف ہے ایک جماعت کہتی ہے کہ آپ کو ایسے معاملات میں بھی بغرض تعیین حکم وحی کے مشورہ کرنے کی اجازت نہ تھی بلکہ وحی کا انتظار کرنا چاہئے۔ اور اکثر کا مذہب یہ ہے کہ ایسے معاملات میں مشورہ کی اجازت تھی۔ بعد مشورہ جو رائے قرار پائی اسی پر عمل کرنا جائز تھا۔ گو آخر تک وحی آئی یا نہ آئی۔

مشورہ کے بارہ میں یہ اختلاف مبنی ہے ایک دوسرے اختلاف پر جس کو اس جگہ بقدر ضرورت بیان کر دینے کی ضرورت ہے۔

اس امر میں اختلاف ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اجتہاد و قیاس سے کام لینا جائز تھا یا نہیں یعنی جس طرح امت کے اہل اجتہاد کو کسی ایسے معاملہ میں جس کے اندر شارع کی نص موجود نہو اجتہاد و قیاس سے احکام کا استنباط جائز بلکہ واجب ہے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ کے لئے بھی جائز تھا یا نہیں۔ ایک گروہ کا قول ہے کہ اجتہاد و قیاس کی اس وقت اجازت ہوتی ہے جب کسی [illegible] منصوصہ سے حکم معلوم نہو سکے ائمہ مجتہدین و اہل رائے کو جب نص کی جانب سے مایوسی

ہی تو اب ان کے لئے کونسا طریقہ استنباط حکم کا سوا قیاس و اجتہاد کے باقی رہا۔

اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی ہر ایک امر کا حکم معلوم ہو سکتا ہے تو قیاس و اجتہاد کی کیا حاجت ہے۔ جمہور امت کا مذہب یہ ہے اور یہی صحیح اور باعتبار دلائل کے قوی اور مطابق واقعات مرویہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے معاملات میں جنکی بارہ میں وحی نازل نہ ہوئی ہو قیاس و اجتہاد درست تھا اور بعد قیاس و اجتہاد جو امر قائم فرماتے اور اس کی خلاف وحی نازل نہ ہوتی۔ یہ بھی وحی میں داخل سمجھا جاتا تھا اور اسی کا نام وحی باطنی و وحی حکمی ہے۔

خلاصہ اس تمام بیان کا یہ ہوا کہ معاملات دنیوی میں باتفاق جملہ علماء مشورہ جائز۔ معاملات دینی میں سے جس کے اندر وحی نازل ہو چکی بغرض تعیین حکم مشورہ جائز۔ البتہ کسی اور بنا پر صحابہ سے استفسار کر لیا جائے تو ممکن اور جن معاملات میں وحی نازل نہیں ہوئی اُن کے اندر بغرض تعیین حکم و تقویت و اعانت رائے مشورہ لینا ان لوگوں کے نزدیک ناجائز ہے جو آپ کے لئے قیاس و اجتہاد کو ناجائز کہتے ہیں اور جو لوگ جائز کہتے ہیں اُن کے نزدیک مشورہ بمعنی مذکور درست و جائز۔

جو لوگ آپ کے لئے اجتہاد و قیاس کو جائز نہیں جانتے وہ بطریق اولیٰ مشورہ کو بھی بدیں معنی کہ اس کے ذریعہ سے کوئی حکم شرعی قائم کیا جا سکے بطریق اولیٰ جائز نہیں سمجھتے۔ لیکن چونکہ روایات احادیث سے بکثرت آپ کا صحابہ سے مشورہ کرنا ثابت ہے اس لئے نفس مشورہ سے تو انکار نہیں کر سکتے لیکن یہ کہتے ہیں کہ آپ کو مشورہ کا حکم امت کی تعلیم اور تطییب قلوب کے لئے تھا۔

لیکن ابھی یہ بیان کر دینا باقی ہے کہ جن لوگوں کے نزدیک آپ کے لئے قیاس و اجتہاد ناجائز ہے اور اسی بنا پر مشورہ کو بغرض تعیین و تحصیل حکم ناجائز کہتے ہیں اُن کے نزدیک حکم وشاورھم فی الامر میں کل دو احتمال ہیں تعلیم امت کے لئے ہو یا تطییب قلوب مومنین کے لئے تیسرا احتمال نہیں ہے۔ لیکن جمہور امت کے قول کے مطابق کہ آپ کے لئے مشورہ بغرض تعیین و تحصیل جائز ہوا تو اس آیۃ میں تینوں احتمال ہوں گے جب یہ تفصیل معلوم ہو گئی اب سنئے کہ شوریٰ کے حکم کے بارے میں یہ اختلاف کہ مشورہ کا حکم بغرض تحصیل مقصود تھا جیسا کہ احتمال اول میں بیان کیا گیا ہے۔ یا تعلیم امت و تطییب قلوب مومنین

کے لئے تھا جیسا کہ احتمال ثانی و ثالث کا حاصل ہو حقیقی اختلاف نہیں بلکہ عنوان و تعبیر کا اختلاف ہو۔ جو لوگ مشورہ کو بغرض تعلیم امت تطییب قلوب فرماتے ہیں وہ بھی اس سے انکار نہیں کر سکتے۔ کہ بہت سے مواقع میں آپ نے صحابہ سے مشورہ فرما کر اسی پر عمل فرمایا۔ اُن کی غرض صرف یہ ہو کہ مشورہ بیشک حقیقی مقصود کی تحصیل کے لئے مشروع ہوا۔ روایات سے یہ امر ثابت مگر اس کے مشروع ہونے کے علة کیا ہے آپ بوجہ نزول وحی مشورہ سے مستغنی تھے پھر اس طریق کو چھوڑ کر مشورہ کا حکم کیوں دیا گیا۔ اس کی علة بعض کے نزدیک تعلیم امت ہے یا تطییب قلوب۔ لیکن ان دونوں میں تنافی نہیں بلکہ حکم مشورہ کی دونوں علتیں ہو سکتی ہیں ہمارے مذکورہ بالا بیان سے اس امر کا فیصلہ تو ہو گیا۔ کہ مشورہ کی مشروعیت اس کی اصلی غرض و غایت کے لئے ہے جو عموماً متعارف و معمول ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو امور دینیہ میں جیسا کہ بصورت عدم نزول وحی اجتہاد و قیاس جائز تھا ایسا ہی مشورہ بھی جائز تھا اور یہ بھی کہ مشروعیت مشورہ کی علة و غرض میں جو اختلاف ہو حقیقی اختلاف نہیں ہو۔ بلکہ عنوان و تعبیر کا اختلاف ہو۔

لیکن ابھی ایک امر تنقیح طلب باقی رہ گیا ہے کہ مشورہ کو اس کی غرض و غایت ماننے اور امور دینیہ میں آپ کے لئے جائز سمجھنے کے بعد بھی۔ شورہ کا حکم تمام امور دینیہ کو شامل تھا یا صرف جنگ و معرکہ ہائے قتال تک یہ حکم محدود تھا کلبی اور ان کے ہم خیال علما یہ فرماتے ہیں کہ مشورہ کا حکم مخصوص تھا معرکوں اور حرب کی تدابیر کے لئے لیکن جمہور کا مذہب یہ ہو کہ حکم مشورہ تمام امور دینیہ کو عام و شامل تھا لڑائیوں اور معرکوں کی تخصیص نہیں تھی۔

کلبی وغیرہ یہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت جنگ احد کے بارہ میں نازل ہوئی ہے۔ اور خاص جنگ احد میں آپ نے صحابہ سے مشورہ لیا تھا کہ مدینہ میں ہی میں رہکر مدافعت کرنا بہتر ہے یا باہر نکلکر مقابلہ کرنا۔ آپ کی رائے کا میلان خود اس جانب تھا کہ مدینہ ہی میں رہکر مدافعت کریں لیکن اکثر صحابہ کی جوش ایمانی کا تقاضا یہ تھا کہ پیش قدمی کر کے مقابلہ کیا جائے۔ عبداللہ ابن ابی منافق کی رائے بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق تھی۔ وہ کہتا تھا کہ مدینہ میں رہکر ہم کسی دشمن سے مغلوب

نہیں ہوئے اور نہ کسی کو آج تک ہم پر دسترس ہوا ہے۔ مگر غلبہ رائے کی وجہ سے آپ نے اکثر کی رائے کو قبول فرمالیا زرہ اور خود پہنکر ہتیار لگا کر تشریف لائے تو اب صحابہ کو ندامت ہوئی کہ ہم نے آپ کے خلاف ایک رائے پر کیوں اصرار کیا۔ اور عرض کیا کہ ہم سے غلطی ہوئی رائے وہی ہے جو آپ کی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ نبی کی یہ شان نہیں ہے کہ ہتیار لگا لے کے بعد بلا مقابلہ اتار دے۔ آپ معہ مجاہدین روانہ ہو گئے اور احد پر کفار مکہ سے مقابلہ ہو گیا۔ اس معرکہ میں گو انجام کار مسلمانوں کو غلبہ ہوا۔ مگر کئی طرح کی سخت نقصان اُٹھانیکے بعد۔

اول نقصان تو یہ پہونچ گیا۔ کہ عبداللہ ابن ابی معہ اپنی کثیر جماعت کے یہ کہکر واپس ہو گیا اطاعھم وعطانی۔ | اوروں کا کہنا مانا۔ اور میری بات نہ سنی۔

اگرچہ منافقوں کا آپ سے جُدا ہو جانا حقیقت میں نقصان نہ تھا بلکہ نفع تھا کیوں کہ یہ لوگ شوق و رغبت سے ساتھ نہ تھے۔ اگر عین معرکہ قتال میں دھوکہ دیجاتے تو زیادہ نقصان ہوتا پھر اُن سے کسی قسم کی جد وجہد کی بھی توقع نہ تھی۔ تھی تو اسی بات کی کہ مسلمانوں کو اپنی طعن آمیز باتوں سے جیسا کہ ہمیشہ کیا کرتے تھے بددل اور شکستہ خاطر کریں۔ ایک ناپاک جماعت سے لشکر اسلام کا پاک و صاف ہی رہنا اچھا تھا۔ مگر چونکہ اس وقت تک حکمت الٰہی کا مقتضا یہ بھی تھا کہ منافقوں کو بھی ساتھ لگائے رکھا جائے۔ اس لئے ایک جماعت کثیر کا علیحدہ ہو جانا اول تو شوکت میں نقصان ڈالنے والا تھا دوسرے پختہ کاروں کی پست ہمت ہو جانے کا اندیشہ تھا۔

دوسرا نقصان یہ پہونچا۔ کہ مسلمانوں کی جماعت کو عین معرکہ کے وقت ہزیمت ہوئی۔ یہاں تک کہ بعض نے مدینہ میں آکر دم لیا۔ اور ایک شخص نے یہ خبر پہونچادی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی شہید ہو گئے ہیں۔ بعض اُن میں سے اپنے گھر میں گئے تو عورتوں نے طعن و تشنیع شروع کی کہ کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر چلے آئے۔ تم اس قابل ہو کہ چرخہ سنبھال کر عورتوں کی طرح گھر میں بیٹھو۔

اس ہزیمت کے وقت کفار کو غلبہ کی صورت حاصل ہوئی۔ مسلمانوں کے ستر چیدہ بہادر

شہسوار حضرت حمزہ جیسے شہید ہو گئے۔ یہ نقصان حقیقت میں بچند وجوہ ایسا تھا کہ اس سے پہلے اور اُس کے بعد کبھی اُن کو اٹھانا نہیں پڑا۔

تیسرا نقصان یہ پہونچا کہ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم آئے آپ کے دندان مبارک شہید ہوا مسلمانوں کے لئے اس نقصان سے بڑھکر اور کوئی نقصان نہیں ہو سکتا تھا۔ اُن کو اپنی جان سے مال سے عزت و آبرو سے۔ زن و بچہ سے گھر اور جائداد سے سب سے زیادہ پیاری و محبوب حضور انور کی ذات تھی اُن کا شغف آپ سے اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ ایک عورت کو جب اُس کے باپ بھائی وغیرہ کی شہادت کی خبر دی گئی تو اُس نے کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں۔ اور جب یہ سنا کہ آپ زندہ ہیں تو اس نے کہا آپ زندہ ہیں تو ساری مصیبتیں آسان ہیں۔ اور یہ سب نقصانات اُس غلطی رائے کا نتیجہ تھے۔ اور اب خود صحابہ کو بھی یہ خیال ہو سکتا تھا کہ ہم اس قابل نہیں رہے کہ ہم سے ان معاملات میں مشورہ کیا جائے۔ اس خیال کے دفعیہ کے لئے یہ آیۃ نازل ہوئی کہ اول تو اُن کے قصور معاف کرنے اور اُن کے لئے استغفار کا حکم ہوا اور پھر ارشاد ہوا کہ ان سے مشورہ کرتے رہو۔

آیۃ کا شان نزول اور ترتیب بیان صاف بتلا رہے ہیں کہ شاورھم فی الامر میں امر سے امر حرب مراد ہے۔ الف لام استغراق کا نہیں کہ تمام امور حرب وغیرہ حرب میں مشورہ کیا کیجئے۔ بلکہ یہ الف لام عہد خارجی کا ہے یعنی خاص لڑائی کے معاملات میں جس کا تذکرہ پہلے سے ہے مشورہ کیجئے۔ غلطی رائے اور قصور کی وجہ سے وہ ایسے نہیں ہو گئے کہ ان سے مشورہ نہ کیا جائے۔

جمہور کہتے ہیں ہم مان لیتے ہیں کہ یہ آیہ خاص جنگ احد کے بارہ میں نازل ہوئی۔ مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مشورہ کا حکم خاص امور متعلقہ جنگ و قتال کے ساتھ مخصوص ہو جائے۔

اول تو اس وجہ سے کہ شان نزول کے خاص ہونے سے حکم کا خاص ہونا ضروری نہیں ہے بہت سی آیتیں کسی خاص واقعہ کے متعلق نازل ہوئیں ہیں مگر حکم عام ہے۔ اس قاعدہ سے یہاں بھی لفظ الامر تمام ان امور کو شامل ہے جن میں وحی نازل نہیں ہوئی۔ خواہ امور متعلقہ قتال

میں ہو یا اور امور دینیہ ہیں۔

دوسرے اس وجہ سے کہ صحابہ سے مشورہ کرنے کا طریقہ نزول آیۃ سے پہلے بھی جاری تھا بلکہ اُس میں کوئی تخصیص کسی قسم کے معاملات کی نہ تھی۔ اس آیۃ سے جواز مشورہ کی ابتدا نہیں ہوئی پس اگر ہم یہ مان لیں کہ شاورھم فی الامر میں خاص امور متعلقہ تدابیر حرب مراد ہیں اور انہیں کے بارہ میں اجازت حکم ہے تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ واقعہ مذکورہ میں صحابہ سے چند غلطیاں سرزد ہو جانے سے جو یہ خلجان ہو سکتا تھا کہ اب آیندہ وہ مشورہ کے قابل نہیں رہے۔ اُس خلجان کو رفع فرما دیا۔ یہ کہاں سے مفہوم ہوا کہ مشورہ کا طریقہ جو پہلے سے جاری اور معاملات کی نوعیت کے ساتھ مخصوص نہ تھا اُس میں بھی اس آیۃ سے تخصیص ہو گئی۔

تیسرے اس وجہ سے کہ ہم کو بہت سے ایسے معاملات دینیہ کا ثبوت ملتا ہے جن میں آپ نے صحابہ سے مشورہ فرمایا اور اُن کو تدابیر متعلقہ قتال سے تعلق نہیں ہے۔

مثلاً۔ بدر کی لڑائی سے فراغت ہو چکی تو آپ نے اسیران جنگ بدر کے بارہ میں صحابہ سے مشورہ فرمایا کہ ان کو معاوضہ لیکر رہا کر دیا جائے۔ یا قتل کر دیا جائے۔

یا مثلاً اذان کے بارہ میں صحابہ سے مشورہ فرمایا۔ صحیحین میں حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے

قال کان المسلمون حین قدموا المدینۃ یجتمعون فیتحینون للصلوۃ ولیس ینادی بھا احد فتکلموا یوما فی ذلک فقال بعضھم اتخذوا مثل ناقوس[1] النصاری وقال بعضھم بل قرنا مثل قرن[2] الیھود فقال عمر اولا تبعثون رجلا ینادی بالصلوۃ فقال

ابن عمر فرماتے ہیں۔ کہ مسلمان جب مدینہ آئے تو اوّل کرکے نماز کے لئے جمع ہوتے تھے۔ کوئی ان کو وقت کی اطلاع نہ کرتا تھا۔ ایک روز اس کی گفتگو ہوئی بعض نے کہا کہ نصاریٰ کی طرح ناقوس بنا لیا جائے۔ بعض نے کہا یہود کی طرح قرن۔ حضرت عمر نے کہا ایسا کیوں نہیں کرتے کہ کوئی شخص کھڑا ہو کر پکار دیا کرے۔

[1] دو لکڑیاں ہوتی تھیں ایک چھوٹی ایک بڑی چھوٹی کو بڑی پر مارتے تھے جس سے آواز نکلتی تھی ۱۲۔
[2] منہ سے بجانے کا آلہ مثل سنکھ وغیرہ کے ۱۲۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا بلال قم فناد بالصلوۃ مشکوۃ صفحہ	یہ حق کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال سے ارشاد فرمایا کہ کھڑے ہو کر نماز کے لئے آواز دیدو۔

اس حدیث سے بخوبی ثابت ہے کہ نماز کی اطلاع دینے کے لئے مشورہ ہوا صحابہ نے اپنی اپنی رائے بیان کی اور آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورہ کو قبول فرما کر نماز کے لئے پکار نے (اطلاع دینے) کا حکم دیا۔ اور اس طرح انجام کار اذان جاری ہوگئی۔

قصہ مشورہ در بارۂ اساری بدر میں کوئی اگر یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ مشورہ بھی منجملہ امور متعلقہ حروب تھا (اگرچہ ایسا کہنا ہرگز قابل تسلیم نہیں ہے) تو مشورہ متعلقہ اذان میں اس کی کچھ بھی کسی طرح گنجایش نہیں ہے اذان محض امر دینی ہے۔ اس کو قتل و قتال جنگ وجدل سے فی الحال یا انجام کار کسی قسم کا تعلق نہیں ہے۔

ان دونوں واقعوں کی علاوہ اور بھی بہت سے واقعات کا ثبوت ملتا ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے امور دینیہ میں جس کا حروب سے تعلق نہیں مشورہ کیا گیا۔ مگر اب اُن کی نقل کی حاجت نہیں رہی اور جب ایسے امور دینیہ میں آپ کا مشورہ ثابت ہے تو حکم مشورہ کو امور جنگ کے ساتھ مخصوص کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ بیشک جمہور کی رائے صحیح ہے۔ مشورہ کا حکم تمام امور دینیہ کو عام شامل ہے۔ ہرگز امور متعلقہ تدابیر جنگ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ لیکن میرے خیال میں غالباً کلبی وغیرہ کا مطلب بھی یہ نہ ہوگا کہ امور جنگ کے علاوہ اور امور دینیہ میں مشورہ آپ کو جائز نہ تھا۔ وہ صحیح اور مسلّم واقعات سے کیوں کر انکار کر سکتے ہیں ان کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت خاص امور حرب کے متعلق نازل ہوئی ہے یعنی یہ خیال کر کے کہ ان سے ان امور میں غلطیاں سرزد ہوئیں اُن سے مشورہ ترک نہ کریں۔ اگر انکا یہی مطلب لیا جائے تو حقیقت میں کچھ اختلاف باقی نہیں رہتا واللہ تعالیٰ اعلم۔

مبحث ثانی۔ خداوند عالم جل مجدہٗ نے اول تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ سے

شورہ کا حکم فرمایا۔ اور پھر ارشاد فرمایا۔

فاذا عزمت فتوکل علی اللہ۔ | پھر جب عزم مصمم کرچکو تو خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرو۔

اس ارشاد میں مشورہ کی حقیقت اس کے نتیجہ اور اسلامی اصول کی ایسی صحیح تعلیم بیان فرمائی ئی ہے کہ اس کے بعد کسی مغالطہ اور غلط فہمی۔ کجروی اور غلط اصول قائم کرنے کی گنجائش ہی نہیں رہتی اول تو یہ کہ مشورہ میں اختلاف رائے ہوتا ہے۔ اگر اختلاف رائے میں پڑ کر کسی ایک جانب کو عین نہ کرلیا جائے۔ اور عزم مصمم قائم نہ ہو تو مشورہ بجائے مفید ہونے کے نہایت مضر اور مہلک ہو جاتا ہے۔ تردد میں پڑ کر کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ صحابہ سے مشورہ کیجئے لیکن کسی یک جانب پر قائم ہو کر اس کی اجرا و امضا کا عزم مصمم کرلینا چاہئے۔ ایسا نہ ہونا چاہئے کہ اختلاف ائے اور کثرت آرا کی وجہ سے نفس معاملہ تعویق و تردد میں پڑ جائے۔ اور یہ حقیقت میں امت کو تعلیم ہے مسلمانوں کے لئے مشورہ کا عام قاعدہ بیان فرمایا گیا ہے۔ اور یہ وہ بات ہے کہ عقلاء زمانہ ی اس اصول کو ترک کرکے کبھی مدعا میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مشورہ جیسا فی حد اتہ محمود اور موجب فلاح ہے ایسے ہی مشورہ کے بعد ایک جانب متعین کرکے عزم مصمم کرلینا بھی اجب و لازم ہے۔

دوم یہ کہ مشورہ کرنا عقلاء کی رائے پر اعتماد کرنا اور اس پر کاربند ہونا۔ منجملہ اسباب ظاہرہ کے ی سبب کامیابی و مدعا برآری کا ہے اور اس سے یہ خیال ہو سکتا ہے کہ مشورہ پر اعتماد کرکے کام لینا چاہئے۔ لیکن اسلامی تعلیم معتدل ہے۔ افراط و تفریط کا اس میں شائبہ نہیں ہے۔ اسلام نے ہ کو تعلیم دی ہے کہ ہم اسباب سے کام لیں۔ اور پھر اسباب کو موثر حقیقی نہ سمجھیں حقیقی فاعل قادر طلق و با اختیار کو سمجھیں۔ ہماری نظر خدا تعالیٰ پر ہو۔ اسباب کو واسطہ سے زیادہ کچھ نہ سمجھیں۔ اس تعلیم ذہن نشین کرنے کے لئے اول تو یہ ارشاد ہوا کہ آپ اسباب کو بالکل ترک نہ کریں۔ صحابہ سے مشورہ کریں ن اسباب پر اعتماد بھی نہ کریں بلکہ خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرکے کام کو شروع کریں۔ یہ وہ اسلامی میمو ہم ہے جس پر مسلمانوں کو ناز ہے۔ اور جس کا مقابلہ کوئی قوم اور کوئی مذہب نہیں کر سکتا۔ جن لوگوں نے

اسباب ظاہر پر اس قدر اعتماد کیا کہ خداوند تعالیٰ کو بھول گئے اسباب ہی کو منتج اور موثر سمجھنے لگے انہوں نے حقیقتاً بندگی کا رشتہ توڑ دیا ۔ اور جنہوں نے اسباب کو بیکار محض سمجھا انہوں نے خداوند عالم کی حکمت کو نہ سمجھا اسلام نے دونوں پہلوؤں کو سنبھالا۔

اس ارشاد سے ہم کو توکل کی حقیقت بھی سمجھ میں آگئی۔ توکل کے معنی یہ ہیں کہ ہر کام میں ہر تدبیر میں خداوند تعالیٰ کو موثر اور فاعل سمجھے کسی سبب یا تدبیر پر اعتماد نہ کریں اُس کو حقیقی موثر اور خداوند عالم سے مستغنی نہ سمجھے یہ مرتبہ اگر اس درجہ یقین واذعان کو پہونچ گیا کہ اُس کا حال بن گیا ہے اُس کے قلب میں سبب کی طرف دھیان ہی نہیں ہے بلکہ مسبب الاسباب کی طرف ہے تو یہ درجہ توکل کامل کا ہے جو اہل معرفت وارباب یقین کو حاصل ہوتا ہے۔ اور اگر فقط علم واذعان اور اعتقاد ہے مگر حال نہیں ہے تو نیچے کا درجہ ہے جس کے بغیر آدمی مومن نہیں ہوتا۔ نجات کے لئے یہ بھی کافی ہے توکل کی بحث اس کے مدارج کی تفصیل وتحقیق متوکلین کے مدارج اور حالات اس سے زیادہ تفصیل کو چاہتے ہیں مگر ہم اس جگہ اس سے زیادہ لکھنا نہیں چاہتے انشاء اللہ تعالیٰ کبھی اس پر مستقل لکھیں گے۔

آیت کے متعلق اور بھی لطیف بحثیں تھیں لیکن اس رسالہ میں اُن کی گنجائش نہ تھی۔ اس لئے فقط اسی ضروری مباحث پر اکتفا کیا

نص دوم والذین استجابوا لربھم واقاموا الصلوۃ وامرھم شوریٰ بینھم ومما رزقنٰھم ینفقون۔	ایمان والے وہ ہیں جنہوں نے اپنے رب کے حکم کو مانا نماز کو قائم کیا۔ اور اُن کے کام باہم مشورہ سے ہوتے ہیں۔ اور جو ہم نے دیا ہے اس سے خرچ کرتے ہیں

اس آیت اور اس کی پہلی آیتوں میں مومنین کی مدح اور اُن کے اوصاف خاص بیان کئے گئے ہیں اور منجملہ اوصاف خاصہ اور علامات مختصہ مومنین کاملین کے یہ بھی ہے کہ وہ اپنے معاملات کو باہمی مشورہ سے طے کرتے ہیں۔ مستقل ہوکر خودرائی بنکر نہیں کرتے۔ اس آیۃ میں چار وصف بیان کئے گئے اول اپنے رب کی اطاعت اُس کے احکام کی تسلیم۔ دوسرے نماز کا قائم کرنا تیسری

اپنے معاملات کو باہمی مشاورۃ سے طے کرنا۔ چوتھے خدا کے دیے ہوئے مال کو خدا کی راہ میں خرچ کرنا۔

اس ترتیب بیان میں اول تو خدا تعالیٰ کی اطاعت ہے جو حقیقت میں اصل اصول اور تمام عبادت کے لئے شرط اول ہے۔ اس کے بعد اقامۃ صلوٰۃ ہے جو تمام عبادات مالی وبدنی کی اصل اصول ہے اور ایمان وکفر کی مابہ الفرق ہے۔ اس کے بعد مشاورۃ ہے۔ اور آخر میں فی سبیل اللہ خرچ کرنا اللہ کی راہ میں صرف کرنا۔ فرض ونفل دونوں کو شامل ہے اور جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ مشورہ فرض نہیں ہے بلکہ مندوب ومستحب وسنتہ کے درجہ میں ہے تو یہ ترتیب موجب خلجان معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت میں کچھ خلجان نہیں ہے۔

مشورہ ایک مہتم بالشان امر ہے عالم کی فلاح وفساد میں اس کو بڑا دخل ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔

اذا کان امراءکم خیارکم واغنیاءکم سمحاءکم وامرکم شوریٰ بینکم فظھر الارض خیر لکم من بطنھا واذا کان امراءکم شرارکم واغنیاءکم بخلاءکم وامرکم الی نساءکم فبطن الارض خیر لکم من ظھرھا۔[1]

جب تمہارے حاکم وامیر تم میں کے بہتر ومنتخب لوگوں میں سے ہوں۔ تمہارے مالدار سخی ہوں تمہارے کام باہمی مشاورۃ سے طے ہوتے ہوں۔ تو زمین پر رہنا اس کے اندر دفن ہونے سے بہتر ہے۔ اور جب معاملہ برعکس ہو جائے امراء بدترین اور شریر ہوں مالدار کنجوس وبخیل ہوں اور عورتوں کے ہاتھ میں تمہاری باگ ہو تو دفن ہو جانا زمین پر زندہ رہنے سے بہتر ہے۔

اس حدیث میں خصوصیت سے ان امور کو بیان کیا گیا ہے جن کو عالم کی اصلاح وفساد سے بہت کچھ تعلق ہے گویا مدار اصلاح وفساد غالباً ان امور پر ہے۔ امارت سے عام مخلوق کا تعلق ہوتا ہے۔ مالداروں کی طرف فقراء کو حاجت پڑتی ہے ایسے ہی مشورہ بھی عام احتیاج کی چیز ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر معاملات میں باہمی مشاورۃ سے کام نہ لیا جائے بلکہ خودرائے یا کم عقلوں

[1] روح المعانی جلد ۷ صفحہ ۱۲۰۔

کے مقصد سے معاملات طے کئے جائیں تو عالم میں فساد پھوٹ پڑے۔ زندگی تلخ ہو جائے۔ تدرہ رہ کر مبتلا مصائب وقلق ہونے سے مرنا بدرجہا بہتر ہو جائے۔

اور جب کہ عالم کی صلاحیت وفساد مشورہ وعدم مشورہ سے ہے۔ تو مناسب یہ معلوم ہوتا تھا کہ مثل اور عبادات مشورہ بھی فرض ہوتا۔ مگر خداوند عالم نے اس میں بھی مصالح عباد کو ملحوظ رکھ کر مشورہ کو ان پر فرض نہیں فرمایا۔ مگر مشورہ کے استحسان اور اُس کے مہتم بالشان ہونے کو ایسے انداز سے فرمایا کہ کسی مومن صاحب عقل سلیم کو اس سے انحراف کی گنجایش ہی نہیں رہی۔

اوّل تو مومنین کی مدح کی موقع پر اُن کے اوصاف خاصہ کو شمار کرتے ہوئے مشاورۃ باہمی کو بھی بیان فرمایا۔ جس سے خود اس کی عظمت وشان معلوم ہوتی ہے۔ پھر صلوٰۃ وزکوٰۃ اور مفروضہ عبادتوں کے درمیان میں رکھا جس سے اوّل تو یہ معلوم ہو گیا کہ مشورہ کا درجہ یہ ہے کہ وہ بھی فرض ہوتا۔ دوسرے زکوٰۃ وصدقات سے مقدم رکھا جس سے اور بھی اُس کی عظمت وشان بڑھ گئی۔ نص اوّل سے اگرچہ معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ کو صحابہ سے مشورہ کا حکم ہے۔ جو حقیقت میں امت کے لئے تعلیم ہے کہ جب باوجود مستغنی عن مشاورۃ ہونے کے بھی مشورہ کے لئے مامور تھے تو دوسرے لوگ ضرور مامور ہوں گے وہ کیسے اُس سے مستغنی ہو سکتے ہیں گویا اس آیۃ میں مسلمانوں کو مشورہ کا حکم دیا گیا۔ اور اس آیۃ کے اندر مقام مدح میں مومنین کے اوصاف میں سے مشاورۃ باہمی کو بیان فرمایا۔ جس سے یہ نتیجہ نکال لینا سہل اور بدیہی امر ہے کہ مشورۃ بنص قرآنی ایک ضروری اور موجب اصلاح عالم امر ہے۔ اس سے کسی کو انحراف واستغنا کی گنجایش نہیں ہے۔ اس سے بڑھکر تاکید اور تفہیم کا کیا طریقہ ہو سکتا ہے۔

روایات احادیث

نصوص قرآنی اور اُن کے متعلق ضروری امور کے بیان سے فراغت پاکر اب ہم مشورہ کے متعلق روایات احادیث کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔

حدیث اوّل[1] من اراد امرًا فشاور فیه هُدِیَ لارشد الامور۔

بیہقی عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مرفوعًا۔

جو شخص کوئی کام کرنا چاہے۔ اور اس میں مشورہ کرے تو اُس کو سب سے بہتر امر کی طرف ہدایت کی جاتی ہو۔

حدیث ثانی[2] عن علی رضی اللہ عنہ قال قلت یا رسول اللہ الامر ینزل بنا بعدک لم ینزل فیه قرآن ولم یسمع منک فیه شیء قال اجمعوا له العابد من امتی واجعلوہ بینکم شوریٰ ولا تقضوہ برای واحد۔

حضرت علی فرماتے ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے بعد جو کوئی ایسا امر پیش آئے جس میں نہ قرآن نازل ہوا۔ نہ آپ سے کچھ سنا تو اس کیا کیا جائے۔ فرمایا میری امت کے دیندار لوگوں کو جمع کرکے اُس امر کو مشورہ میں ڈال دو تنہا کسی ایک کی رائے پر فیصلہ نہ کرو۔

حدیث سوئم[3] عن ابی ھریرۃ مرفوعًا استرشدوا العاقل ترشدوا ولا تعصوہ فتندموا۔ خطیب فی رواۃ مالک

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا دانشمند لوگوں سے طلب رشد و مشورہ کرو تم کو سیدھی راہ کی ہدایت ہوگی۔ ان کی نافرمانی و خلاف مت کرو نادم ہوگے

حدیث چہارم عن ابن عباس قال لما نزلت وشاورھم فی الامر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اما ان اللہ و رسوله لغنیان عنها ولکن جعلها اللہ تعالیٰ رحمة لامتی فمن استشار منهم لم یعدم رشدا ومن ترکها لم یعدم غیا

ابن عباس فرماتے ہیں جب آیہ وشاورھم فی الامر نازل ہوئی تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمادیا۔ سمجھ لو کہ خدا اور خدا کا رسول مشورہ سے مستغنی ہیں۔ لیکن خدا تعالیٰ نے مشورہ کو میری امت کے لئے رحمت بنایا ہے۔ میری امت میں سے جو مشورہ کرتا رہیگا۔ رشد و ہدایت اُس کے ساتھ رہیں گے

[1] درمنثور جلد سادس۔ صفحہ ۔

[2] درمنثور صفحہ جلد سادس۔

[3] درمنثور صفحہ جلد سادس۔

ی بسند حسن یہ حدیث پہلے نقل ہو چکی ہے۔

ور جو اس کو چھوڑ دیا گیا تو وہی اُس کا ساتھ نہ چھوڑے گی۔

یث پنجم اذا کان امراءکم۔ آہ یہ حدیث معہ ترجمہ پہلے لکھی گئی ہے۔

حدیث ششم کتاب ادب الدنیا والدین صفحہ ۱۱۲ میں ہے۔

وی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال المشورۃ حصن من الندامۃ ومن الملامۃ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مشورہ ندامت سے محفوظ رہنے کا قلعہ ہے اور لوگوں کی ملامت سے امن ہے۔

یث ہفتم عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اراد امراً فشاور فیہ مسلماً وفقہ اللہ لارشد الامور[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص کوئی کام کرنا چاہتا ہو اور اُس نے اس بارہ میں کسی مسلمان سے مشورہ کر لیا تو خداتعالیٰ اسکو سب سے بہتر بات کی توفیق عطا فرماتا ہے

حدیث ہشتم روی النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال راس العقل بعد الایمان باللہ التودد الی الناس وما استغنی مستبد برایہ وما هلك احد عن مشورۃ۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خداتعالیٰ پر ایمان رکھنے کے بعد اعلیٰ درجہ کی عقل کی بات لوگوں سے محبت اور میل جول رکھنا ہے کوئی خود رائے شخص محض اپنی رائے پر بھروسہ کرنے کی وجہ سے دوسروں سے بے پرواہ نہیں ہوا اور نہ مشورہ کے بعد کام کرنیوالا کبھی ہلاکت میں پڑا۔

یث نہم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقحوا عقولکم بالمذاکرۃ واستعینوا علی امورکم بالمشاورۃ

تم اپنے عقول کو مذاکرہ سے تجربہ کار بناؤ اور اپنے معاملات میں باہمی مشاورت سے امداد لو۔

احادیث مذکورہ بالا سے چند امور بوضاحت تام ثابت ہو گئے۔ اوّل یہ کہ طریق رشد وصواب بت پر چلنے کے لئے مشورہ اصل اصول ہے۔ مشورہ پر کاربند ہو کر جو کام کیا جاتا ہے اُس میں

---

[1] ادب الدنیا والدین صفحہ ۱۱۲۔

[2] ادب الدنیا والدین صفحہ ۱۲۱

خیریت و صلاحیت ہوتی ہے۔ رشد و ہدایت ساتھ دیتے ہیں۔ اور اگر مشورہ نہ کیا جائے تو کجی و گمراہی سے نجات ملنا مشکل ہے اس میں انجام کار ندامت اٹھانی پڑتی ہے

دوئم یہ کہ جیسا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو امور دنیہ میں خواہ وہ متعلق تدابیر حرب ہوں یا متعلقہ احکام مشورہ جائز تھا۔ ایسے ہی آپ کے بعد بھی جب کسی معاملہ میں نص کتاب وسنۃ موجود نہ ہو مسلمانوں کے لئے مشورہ مشروع ہے۔

تیسرے یہ ہے کہ جن لوگوں سے مشورہ کیا جائے ان میں اُن اوصاف کا موجود ہونا ضروری ہے جن سے اُن کے مشیر بننے کی اہمیت ثابت ہوتی ہے اور جو ان کو غلط رائے نہ دیں اور خیانت سے رکیں

چوتھے یہ کہ بوجہ نزول وحی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشورہ سے مستغنی تھے مگر اس غرض کے لئے کہ امۃ اقتدا کرے آپ کے لئے مشورہ مشروع کیا گیا۔ اس چوتھے امر کو ہم پہلے وضاحت سے بیان کر چکے ہیں۔ تیسرے امر کی تشریح شرائط و آداب مشورہ میں تفصیل سے بیان ہوگی۔

اقوال صحابہ وسلف امۃ

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

نعم[1] الموازرة المشاورة وبئس الاستعداد الاستبداد	باہمی مشاورت سے پورا کام کرنا بہت خوب ہے اور بُری مستعدی ہے خود رائی ہونا

(۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

الرجال[2] ثلاثة رجل ترد عليه الامور فيسددها برأيه ورجل يشاور	آدمی تین قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جس پر معاملات پیش آئیں اور وہ اپنی رائے سے ان کی درستی و اصلاح

[1] ادب الدنیا والدین صفحہ ۱۲۰

[2] ادب الدنیا والدین صفحہ ۱۲۰

فیما أشکل وینزل حیث یأمر أهل الرای ورجل حائر لا یأتمر رشدا ولا یطیع مرشدا۔

کرے اور دوسرے وہ جو مشکلات میں اہل رائے مشورے کے بعد اہل الرائے کی رائے کا اتباع کرتا ہے۔ وہ تیسرا حیران ہے نہ کسی سے بھلائی کا مشورہ لیتا ہے نہ کسی بھلائی کرنے والے کی اطاعت کرتا ہے۔

(۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں۔

الاستشارة[1] عین الهدایة وقد خاطر من استغنیٰ برائه۔

مشورہ حاصل کرنا عین ہدایت ہے اور جو شخص اپنی رائے پر اعتماد کئے ہوئے ہے۔ اس نے خطرناک راہ اختیار کی

(۴) حضرت حسن بصری ارشاد فرماتے ہیں۔

ما تشاور[2] قوم قط الا هدوا لارشد امرهم ثم تلا وامرهم شوریٰ بینهم۔

جب کوئی قوم کسی معاملہ میں مشورہ کرتی ہو تو ان کو بہترین بات کی ہدایت ہوتی ہے۔ اس کی تاکید میں انہوں نے آیہ وامرهم شوریٰ بینهم کی تلاوت فرمائی

(۵) عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

ان[3] المشورة والمناظرة بابا رحمة ومفتاحا برکة لا یضل معهما رای ولا یفقد معهما حزم۔

مشورہ اور مناظرہ دو دروازے ہیں رحمت کے اور دو کنجیاں ہیں برکت کی، ان کے ہوتے رائے گمراہ نہیں رہتی۔ اور نہ حزم و احتیاط مفقود ہوتے ہیں۔

(۶) حضرت امام مالک نے اپنے ایک خط میں جو ہارون رشید کو لکھا ہے تحریر فرمایا۔

الزم[4] الرای الحسن والهدی الحسن

اپنے اوپر اچھی رائے کو اور اچھی خصلت اور میانہ روی کو ضروری

---

[1] ادب الدنیا والدین صفحہ ۱۲
[2] روح المعانی جلد ۲ صفحہ ۲۵۳ ۱۲
[3] ادب الدنیا والدین صفحہ ۱۲
[4] ادب الدنیا والدین صفحہ ۱۲

والاقتصاد بلغني عن ابن عباس رضي الله عنهما انه قال الرای الحسن جزء من خمسة وعشرين جزءا من النبوة	سے پکڑنا چاہئے۔ مجکو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت پہونچی ہے وہ فرماتے تھے کہ اچھی رائے ایک جزہے نبوۃ کی پچیس اجزا میں سے۔

اقوال عقلاء، وبلغاء، وارباب سیاستہ

(اس موقع پر علاوہ اہل اسلام دوسرے عقلاء کے مقولے بھی نقل کئے جاینگے)

(۱) خلیفہ منصور عباسی نے اپنی بعض اولاد کو نصیحت کرتے ہوئے کہا۔

خذ عنی ثنتین لا تقل فی غیر تفکیر ولا تعمل بغیر تدبیر	(دو باتیں مجھسے حاصل کرلے بغیر سوچے زبان سے کچھ مت نکال اور بغیر تدبیر کے کام نکر۔)

(۲) فضل عه کا مقولہ ہے

المشورة فيها بركة واني لاستشير حتى هذه الحبشية الاعجمية -	مشورہ میں برکت ہے میں مشورہ کرتا ہوں یہاں تک کہ اس عجمی باندی سے۔

(۳) بعض عقلاء کا مقولہ ہے۔

الرأی السدید احمی من البطل الشدید	(سیدھی اور پکی رائے سخت دلیر اور بہادر سے زیادہ محافظ ہوتی ہے)

(۴) ایک دانشمند اعرابی کا قول ہے۔

لا مال اوفر من العقل ولا فقر اعظم من الجهل ولا ظهر اقوى من المشورة	(کوئی مال عقل سے زیادہ وافر نہیں جہل سے بڑھکر کوئی فقرو محتاجی نہیں کوئی سواری مشورہ سے زیادہ قوی نہیں ہے۔)

(۵) بعض بزرگوں کا قول ہے۔

من بدء بالاستخارة وثنى بالاستشار	(جو شخص اپنے کام کے سے اول استخارہ کرے اور بعد میں

عه عه عه عه عه سطرات ملہ زول صفحہ ۱۲۰ -

فحقیق ان لا یخیب رایہ ۔	مشورہ کرے تو وہ اس امر کا مستحق ہے کہ اس کی رائے خیر اور ثواب ہو
(۶) عبدالحمید کا قول ہے ۔	
المشاور فی رایہ ناظر من ورائہ ۔	(اپنے معاملہ میں مشورہ کرنے والا ایسا ہی جیسا اپنی پشت کی چیز دیکھنے والا ۔)
(۷) بعض بلغاء کا قول ہے ۔	
حق العاقل ان یضیف الی رایہ رای العقلاء ۔	(عاقل کا فرض یہ ہے کہ اپنی رائے کیساتھ عقلاء کی رائے کو ملالیوے ۔)
(۸) حسن کا مقولہ ہے ۔	
الناس ثلاثۃ فرجل رجل ورجل نصف رجل ورجل لا رجل فاما الرجل الرجل فذو الرای والمشورۃ واما الرجل الذی ھو نصف رجل فالذی لہ رای ولا یشاور واما الرجل الذی لیس برجل فالذی لیس لہ رای ولا یشاور	آدمی تین قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو پورا آدمی ہے دوسرا وہ جو آدھا ہے ۔ تیسرا وہ جو کچھ بھی نہیں ہے ۔ وہ شخص جس کو مرد کامل کہہ چاہئے ۔ وہ ہے جو خود صاحب رائے ہے اور مشورہ بھی کرتا ہے ۔ اور وہ جس کو نصف آدمی کہنا چاہئے وہ شخص ہے جو خود تو ذی رائے اور صاحب عقل و ہوش ہے مگر مشورہ نہیں کرتا اور جو بالکل ہی آدمی نہیں وہ وہ ہے جو نہ خود ذی رائے ہے اور نہ دوسروں سے مشورہ کرتا ہے ۔

حسن کے اس مقولہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اُس ارشاد میں جس کو ابھی نقل کر چکے ہیں ۔ اختلاف ظاہر ہے کیوں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو مرد کامل اس کو قرار دیا ہے ۔ جو معاملات کی تدبیر و اصلاح اپنی رائے سے کر سکے ۔ دوسروں کی مشورہ کا خواہ مخواہ محتاج نہو ۔ اور حسن مرد

۵۱ ادب الدنیا والدین صفحہ ۲

۵۲ ادب الدنیا والدین صفحہ ۱۲

۵۳ مستطرف جلد اول صفحہ ۱۲۰

کامل، اُس شخص کو کہتا ہے جو باوجود ذی رائے و تدبیر ہونے کے دوسروں سے مشورہ کرے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ دوسرے درجہ کا آدمی اس کو فرماتے ہیں جو مشکلات میں مشورہ کے بعد کام کرے۔ اس میں دونوں صورتیں داخل ہیں خود بھی ذی رائے ہو اور مشورہ بھی کرے اور خود ذی رائے نہو مگر مشورہ کرے۔ حالانکہ حسن صورت اوّل کو یعنی ذی رائے بھی ہو اور مشورہ بھی کرے مرد کامل کی صورت کہتے ہیں۔ یہ اختلاف ظاہر ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ اختلاف بھی مفہوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر کے ارشاد سے تو چار صورتیں مفہوم ہوتی ہیں۔

۱۔ فقط اپنی رائے و تدبیر سے حل معاملات کرے۔

۲۔ صاحب رائے اور مشورہ بھی کرے۔

۳۔ صاحب رائے نہو مگر مشورہ کرے۔

۴۔ نہ صاحب رائے ہے اور نہ مشورہ کرتا ہے اور نہ مشیر کی اطاعت کرتا ہے۔ اور حسن کے قول میں صرف پہلے دوسری اور چوتھی صورت سے بحث کی گئی ہے۔

تیسری صورت سے یعنی ذی رائے نہو مگر مشورہ کرے بحث نہیں کی۔ حالانکہ جب اُس نے اس احتمال کو لیکر کہ نہ خود صاحب رائے ہو اور نہ مشورہ کرے ایسے شخص کو آدمیت کے درجہ سے بالکل خارج کر دیا ہے تو اُس شخص کا بھی جو ذی رائے تو نہیں مگر مشورہ کے بعد کام کرتا ہے درجہ ضرور قائم کرنا چاہیئے تھا۔

اختلاف اوّل کو دیکھا جاتا ہے تو عقل کی رو سے حسن کا قول صحیح اور معتمد معلوم ہوتا ہے۔ مگر جب حضرت عمر کی جلالت شان اور انتہائی تدبیر و سیاست کی طرف نظر انعمائی جاتی ہے تو حسن کا قول اُس کے معاملہ میں قابل تسلیم نہیں معلوم ہوتا۔ لیکن حقیقت میں کچھ اختلاف نہیں ہے حسن جن تین درجوں سے بحث کرتے ہیں حضرت عمر نے اُس سے اوپر بھی ایک درجہ قائم کیا ہے حسن کی مراد تو صاحب رائے سے وہی شخص ہے جس کو عقل و تدبیر ظاہری سے وافر حصہ ملا ہو۔ لیکن حضرت عمر کی نظر اس سے عالی درجہ پر ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ خداوند عالم نے انسان کو

عقل عطا فرما کر نیک و بد کی تمیز پر قادر کر دیا ہے۔ اتنی بات میں مومن و کافر مسلم و غیر مسلم سب شریک ہیں۔ عقل جو فطرتاً انسانی ترکیب کا جزو اعلیٰ ہے۔ اس کو تجربہ سے ترقی ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے عاقل غیر مجرب سے عاقل مجرب کا درجہ بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ لیکن عقل کی ترقی جیسی تجربہ اور مہارت سے ہوتی ہے اور اس حصہ میں بھی انسان کے سب افراد شریک ہیں۔ اسی طرح عقل کی تائید اور تقویت خدا کے نور و ہدایت سے ہوتی ہے جس کو فراست ایمانی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ عقل کیساتھ جب فراست ایمانی بھی مل جاتی ہے تو اس کا درجہ ہزاروں مشوروں اور تجربوں سے فائق تر ہو جاتا ہے۔ ہزار دانشمند آدمی ملکر بھی کبھی صحیح رائے قائم نہیں کر سکتے لیکن ایک مومن فراست ایمانی کی بدولت صحیح نتیجہ تک بے تامل پہونچ جاتا ہے اور اس وقت اس کیلئے یہ لازمی نہیں ہوتا کہ مشیروں کی جماعت کا اگرچہ کتنی ہی بڑی تعداد میں اور کیسے ہی تجربہ کار کیوں نہو اتباع کرے۔ بلکہ ان اصحاب رائے و تجربہ کو مومن کی فراست ایمانی کا اتباع کرنا چاہئے اسی وجہ سے ارشاد ہوا ہے۔

اتقوا فراسة المومن فانه ينظر بنور الله	مومن کی فراست سے ڈرا کرو کیونکہ وہ خدا کے نور سے دیکھتا ہے

یعنی مومن اگرچہ فراست ایمانی سے کوئی بات کہے اس کو یوں ہی نہ سمجھو وہ جو کچھ کہتا ہے نور خداوندی کی ہدایت سے کہتا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا واقعہ کتب میں موجود ہے کہ ایک مرتبہ کسی شخص کی نظر راستہ میں اجنبی عورت پر شہوت سے پڑ گئی۔ اس کے بعد داخل ہوا تو حضرت عثمان نے فرمایا کہ بعض شخص مسجد میں داخل ہوتے ہیں اور آثار زنا ان کے چہرہ سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اس شخص نے کہا کہ اے امیر المومنین کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی وحی آتی ہے۔ آپ کو کس طرح معلوم ہوا۔ آپ نے فرمایا: جی نہیں، بلکہ فراست مومن ہے۔ ظاہر ہے کہ حضرت عثمان کا یہ فرمانا قیافہ یا آنکھوں کے آثار پر مبنی نہ تھا۔ بلکہ آپ کو بذریعہ فراست زنا کے آثار کا احساس ہوا اور اسی وجہ سے اس قدر تیقن کے ساتھ فرمایا۔ اگر محض رائے و قیاس ہوتے تو کبھی آپ ایسا حکم نہ لگاتے۔

کیونکہ مومن کو محض رائے سے متہم کرنا بھی منع ہے۔

لیکن اس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ صاحب فراست ایمانی کو مشورہ لینا منع ہے یا وہ مشورہ سے بالکل مستغنی ہے۔ کیونکہ خود صاحب وحی کو۔ گو کسی مصلحت پر مبنی ہو۔ مشورہ کا حکم ہے۔ اور صاحب فراست ایمانی جب اس درجہ کا نہیں ہے تو اُن کے لئے نہ مشورہ ممنوع ہے۔ اور نہ ایسا مستغنی البتہ بسا اوقات اُس کو حاجت نہیں ہوتی۔

پس جہاں تک ہم نے غور کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد کا منشا یہ ہے اور یہ درجہ حسن کے پیش نظر نہیں ہے جو محض ایک صاحب تدبیر و سیاست وزیر ہو۔

رہا دوسرا اختلاف سو وہ قابل التفات و خیال نہیں ہے۔ کیونکہ احتمال کل چار ہیں۔

(۱) صاحب رائے ہو اور مشورہ بھی کرے۔

(۲) صاحب رائے ہو اور مشورہ نہ کرے۔

(۳) صاحب رائے نہ ہو اور مشورہ کرے۔

(۴) نہ صاحب رائے ہو اور نہ مشورہ کرے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان چار کے علاوہ ایک درجہ فراست ایمانی والے کا قایم فرمایا جس کو اول صورت میں بیان فرمایا ہے۔ اور ان چاروں میں سے صرف دو صورتیں بیان فرمائی ہیں۔ اور باقی دو کو انہیں کے اندر داخل سمجھ کر اُن کی حالت کو صراحتاً بیان نہیں فرمایا اُن کے بیان میں بعد صاحب فراست ایمانی کے دوسرا درجہ اس شخص کا ہے جو مشکلات میں مشورہ کر کے اہل الرائے کی رائے کا اتباع کرتا ہے۔ اس درجہ میں دونوں شخص داخل ہیں جو صاحب رائے ہیں وہ بھی۔ اور جو صاحب رائے نہیں وہ بھی۔ علیٰ ہذا تیسرا درجہ اُس شخص کا رکھا ہے جو حیران ہے نہ مشورہ کرتا ہے اور نہ مشیر کا اتباع کرتا ہے۔ اس میں بھی دونوں شخص داخل ہیں جو صاحب رائے ہیں اور مشورہ نہیں کرتے اور جو صاحب رائے بھی نہیں اور مشورہ بھی نہیں کرتے۔

ایسے ہی حسن نے اُن چار صورتوں میں سے تین کی تو تصریح کر دی۔ البتہ ایک صورت

کا ذکر چھوڑ دیا ہے یعنی جو شخص کہ خود تو صاحب رائے نہیں ہے۔ مگر اہل الرائے سے مشورہ کر لیتا ہے اُس کو نہ کامل رجل میں شامل کیا ہے۔ نہ نصف میں اور نہ لا رجل میں۔ ظاہر ہے کہ لا رجل میں تو وہ داخل ہو ہی نہیں سکتا۔ اب یا تو کامل رجل ہوگا یا نصف رجل۔ لیکن کامل رجل کہنا بھی بعید از عقل و قیاس ہے۔ اس لئے لامحالہ نصف رجل میں داخل ہوگا۔ اور یہ داخل ہونا بالکل بیّن و ظاہر ہے کیونکہ صورت ثانیہ میں وہ شخص نصف رجل کے درجہ میں رہا جس نے گو خود ذی رائے ہے مگر تاہم مشورہ کرکے پُرخطر راہ اختیار کی ہے۔ تو وہ شخص جو گو ذی رائے نہیں ہے مگر اپنے معاملہ کی باگ اہل الرائے کے ہاتھ میں دیدی ہے۔ بدرجہ اولیٰ اس درجہ میں رہیگا۔ اور اس کا درجہ اس نصف رجل کے درجہ سے بڑھا رہیگا جو صورت ثانیہ میں بیان کیا گیا۔ بلکہ وہ قریب تر رجل کامل کے ہوگا اور چونکہ اس کا درجہ ظاہر و باہر تھا۔ اس وجہ سے حسن نے صراحتاً اس کا ذکر نہیں کیا

غرض اختلاف کچھ نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بیان فرمودہ صورت اول سے تو حسن نے بحث ہی نہیں کی بلکہ باقی چار صورتوں میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دو کا ذکر صراحتاً فرمایا۔ اور دو کا ضمناً اور حسن نے تین کا ذکر صراحتاً اور ایک کا ضمناً

(۹) بعض عقلاء کا قول ہے۔

من بدء بالاستخارة وثنى بالاستشارة فحقيق ان لا يخيب رايه۔	(جو شخص اوّل اپنے رب سے استخارہ کرے۔ دوسرے لوگوں سے مشورہ کرے تو وہ مستحق اس بات کا ہے کہ اس کی رائے خائب و خاسر نہ ہو)

(۱۰) ابن معتز عباسی کا قول ہے۔[۱]

المشورة راحة لك وتعب على غيرك	(مشورہ تیرے لئے راحت ہے اور دوسرے کے لئے مشقت و تعب ہے)

یعنی مشورہ سے دوسرے پر بوجھ پڑ جاتا ہے اور تو ...

[۱] مستطرف صفحہ ۱۰

[۲] مستطرف صفحہ

محفوظ ہو جاتا ہے۔

(۱۱) بعض عقلاء[۴] کا قول۔

اذا استخار الرجل ربه واستشار نصحيه واجهد رايه فقد قضاما عليه و يقضي الله في امره ما يحب۔

(جب آدمی اپنے رب سے استخارہ کرے اور اپنے دوستوں سے مشورہ کرے اور اپنی عقل و دانش کو پورا صرف کر چکے تو وہ اپنا فرض ادا کر چکا۔ اب خداتعالیٰ اس کے معاملہ میں جو چاہے کرے۔)

مطلب یہ ہے کہ نتیجہ کا حسب مدعا ظاہر ہونا بشر کے اختیار میں ہے اور نہ قدرت میں داخل۔ اس کے اختیار میں جو بات ہے اور جس کی پابندی اس کو کرنی چاہیے وہ صرف یہی کہ جب کوئی معاملہ پیش آئے اور اس کے دونوں جانب فعل و عدم فعل کے مفید نتائج میں متردد ہو تو اول اپنے رب سے استخارہ کرے۔ پھر مشورہ اور اس کے بعد اپنی رائے کا زور لگا کر ایک جانب کو اختیار کرے۔

(۱۲) كان[۵] يقال من اعطے اربعا لم يمنع اربعا من اعطے الشكر لم يمنع المزيد ومن اعطے التوبة لم يمنع القبول ومن اعطے الاستخارة لم يمنع الخيرة ومن اعطے المشورة لم يمنع الصواب۔

(یہ قول مسلسل چلا آتا ہے کہ جس شخص کو چار باتیں حاصل ہو گئیں اس کو چار امور سے بھی محروم نہیں رکھا جاتا جو شخص نعمتوں پر شکر ادا کرتا ہو وہ مزید نعمتوں سے محروم نہیں رہتا۔ اور جس کو توبہ کی توفیق ہو جاتی ہو قبول توبہ سے محروم نہیں رہتا۔ اور جس نے خدا سے استخارہ کر لیا اس کو امر خیر کی توفیق ہوتی ہے اور جس نے مشورہ کر لیا صواب سے محروم نہیں رکھا جاتا۔)

(۱۳) قبیلہ عبس[۶] کے ایک شخص سے کسی نے کہا۔ کیا بات ہے تم لوگ معاملات میں خطا بہت کم کرتے ہو۔ اس نے جواب میں کہا۔

---

۴ مستطرف صفحہ ۴۹ ۱۲

۵ مستطرف صفحہ ۰ ۰

۶ عقد الفرید جلد اول صفحہ ۰ ۱۲

نحن الف رجل وفينا حازم واحد فنحن نشاوره فكنا الف حازم۔	(ہم ایک ہزار شخص ہیں۔ اور ہم میں ایک شخص دانشمند۔ مدبر اور تجربہ کار ہے۔ ہم اُس سے مشورہ کرتے ہیں تو گویا ہم ہزار دانشمند اور مدبر ہیں۔)

مطلب یہ ہے کہ ہم بغیر مشورہ کے کام نہیں کرتے۔ اور ایک مدبر و تجربہ کار کا مشورہ قبول کرتے ہیں۔ تو گویا ہم ہزار کے ہزار مدبر و دانشمند ہیں۔ جو مشاورت باہمی کے بعد معاملات طے کرتے ہیں پھر ہم کیوں کر خطا پر قائم رہ سکتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ سب بغیر سوچے سمجھے اُس ایک شخص کا اتباع کرتے ہیں۔ بلکہ یہ ہے کہ ہم خود بھی ذی رائے و تدبیر ہیں۔ مگر ایک تجربہ کار و دانشمند کا قول سب پر مرجح ہوتا ہے۔ اور انجام میں ہم متفق ہو جاتے ہیں۔ اور یہی قاعدہ عقلاء دنیا کا ہے کہ تجربہ کار و مدبر کا قول ہمیشہ مرجح سمجھا جاتا ہے۔

(۱۴) ایک[1] شاعر کہتا ہے

الرای کاللیل مسود جوانبه	واللیل لا ینجلی الا باصباح
رائے مثل شب کے ہے کہ اس کے اطراف سیاہ ہیں	اور رات کا اندھیرا بغیر صبح کے زائل نہیں ہوتا۔
فاضمم مصابیح اراء الرجال الی	مصباح رایك تزدد ضوء مصباح

لوگوں کی رائے کی مشعل کو اپنی چراغ کے ساتھ ملا لیجئے سے تیرے چراغ کی روشنی زیادہ ہو جائیگی

مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنی رائے سے ایک پہلو کو سمجھتا ہے۔ مگر جیسا کہ رات میں اگرچہ قریب کی چیز کا احساس و ادراک ہو جاتا ہے مگر ذرا فاصلہ کی چیز نظر نہیں آتی۔ اسی طرح تنہا اپنی رائے سے تمام پہلو روشن نہیں ہوتے وہ برابر معرض خفا میں رہتے ہیں۔ لیکن جب صبح ہو کر شب کی تاریکی زائل ہو جاتی ہے تو مشرق و مغرب جنوب و شمال کی تمام چیزیں روشن ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح جب اپنی رائے کیساتھ دوسروں کی رائے کو ملا لیا گیا تو گویا ایک چراغ کے ساتھ جس کی روشنی تھوڑی دور تک پھیلی ہوئی تھی ہزاروں شمعوں کو روشن کر دیا۔ اور عالم کے نورانی

[1] عقد فرید جلد اول صفحہ ۱۰

ہوجانے سے خود اس کے چراغ کی روشنی بھی بڑھ گئی۔ اور اطراف وجوانب کی سب چھوٹی بڑی چیزیں ظاہر و نمودار ہوگئیں۔

سچ یہ ہے کہ اس شاعر نے مشورہ کے فوائد و نتائج کو بہت ہی خوبی اور لطافت کیساتھ بیان کیا ہے۔ کیسا صحیح ارشاد ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔

ان من الشعر لحکمۃ ۔	(بعض شعر حکمت ہوتے ہیں ۔)

یعنی شعر کو محض تک بندی اور تخیلات کا مجموعہ ہی نہ سمجھو اُن میں بہت سی حکمت کی باتیں بھی ہوتی ہیں ۔

(۱۵) بعض[۵۵] بلغا فرماتے ہیں ۔

من حق العاقل ان یضیف الی رایہ آراء العقلاء ویجمع الی عقلہ عقول الحکماء فان الرای الفذ ربما ذل والعقل الفرد ربما ضل ۔	(عاقل کا فرض یہ ہے کہ اپنی رائے کے ساتھ عقلار کی رائے کا اضافہ کرے ۔ اور اپنی عقل کے ساتھ عقلار کی عقل کو جمع کرے کیونکہ اکیلی رائے بسا اوقات ذلیل ہوتی ہے، اور تنہا عقل بسا اوقات گمراہ ۔)

(۱۶) عرب[۵۶] کا ایک نابینا شاعر بشار بن برد اسی مضمون کو اس طرح بیان کرتا ہے

اذا بلغ الرای المشورۃ فاستعن	بحزم نصیح او نصاحۃ حازم

جب کسی معاملہ میں مشورہ کی نوبت آئی تو خیرخواہ کی دانشمندی یا دانشمند کی خیرخواہی سے امداد لینی چاہئے۔

ولا تجعل الشوری علیک غضاضۃ	فان الخوافی قوۃ للقوادم
مشورہ کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھ	کیونکہ چھوٹے پر بڑے پروں کے لئے قوت ہوتے ہیں

شاعر نے اول شعر میں مشیر کے شرائط کی طرف اشارہ کیا ہے ۔ لیکن اس کی تشریح ہم مشورہ کے آداب شرائط میں کریں گے ۔ دوسرے شعر کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کسی سے مشورہ لینے

---

۵۵ ادب الدنیا والدین صفحہ ۱۳۱

۵۶ ادب الدنیا والدین صفحہ ۱۳۱ ۔ ۱۲

کو اپنے لئے حقارت کا سبب نہ سمجھے۔ یہ خیال نہ کرے کہ کسی سے مشورہ لینے میں میری نادانی یا ناواقفیت کا ثبوت ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ شخص کیسا ہی دانشمند اور تجربہ کار ہو اور شیر اُس درجہ کا ہو کیونکہ قوی کو بھی بسا اوقات ضعیف سے تقویت پہونچ جاتی ہے دیکھو پرندے کے بازو میں بہت سے پر ہوتے ہیں ایک وہ جنکو شہپر کہتے ہیں۔ اور پرندے کے اوڑنے کا مدار انہیں پر ہوتا ہے۔ دوسرے چھوٹے چھوٹے پر جنکو خوافی کہتے ہیں۔

لیکن شہپر اپنی قوت سے کام لینے میں ان پروں کا ایک حد تک محتاج ضرور ہے۔ اور اُس کو اُن سے قوت ضرور پہونچتی ہے۔

اس بیان کی تائید اس حکمت کے مشہور مقولہ سے ہوتی ہے۔ جو ادب الدنیا والدین[9] میں نقل کیا گیا ہے۔

وقد قیل فی منثور الحکم من اکثر المشورة لم یعدم عند الصواب مادحا وعند الخطاء عاذرًا وان کان الخطاء من الجماعة بعیدًا۔

حکمت کے بکھرے ہوئے موتیوں میں یہ مقولہ بھی ہے۔ جو شخص بکثرت مشورہ کرتا رہتا ہو تو وہ دو حال سے کبھی خالی نہیں رہتا۔ درست صواب اُس کے اوپر موجود ہوتے ہیں اور درصورت خطا معذور سمجھنے والے۔ اگرچہ ایسا شخص اکثر صواب پر ہی ہوتا ہو کیونکہ ساری جماعت کا خطا پر قائم رہنا ایک امر بعید از عقل ہے۔

(۱۰) قاضی ابو الحسن ماوردی[10] اس مضمون مذکورہ کی تائید اس طرح فرماتے ہیں۔

ولا ینبغی ان یتصور فی نفسہ انہ ان شاور فی امرہ ظہر للناس ضعف رایہ وفساد رویتہ حتی افتقر الی رای غیرہ فان ھذہ معاذیر النوکی

شہپر کو اپنے دل میں یہ خیال کرنا لائق نہیں ہے کہ اگر وہ اپنے معاملات میں کسی سے مشورہ کرے گا تو لوگوں میں اس کی رائے کا ضعف اور فکر کا فساد ظاہر ہو جائیگا۔ رائے کا ضعف اور فکر کا نقصان نہ ہوتا تو کسی کی رائے کا کیوں محتاج ہوتا۔ اس قسم

[9] ادب الدنیا والدین صفحہ ۱۲۰ ۔ ۱۲

[10] ادب الدنیا والدین صفحہ ۱۲۱ ۔ ۱۲

ولیس یراد الرای للمباھاۃ وانما یراد للانتفاع بجتہ والتحرز من الخطأ عند اللہ وکیف یکون عاراما ادی الی صواب ومن خطاء

کہ یہ خیالات احمقوں کے خیالات ہیں۔ رائے اور مشورہ فخر و مباہات کے لئے نہیں ہوتے اس سے تو انتفاع مقصود ہوتا ہے۔ جو چیز کہ صواب تک پہونچاسے اور خطا سے محفوظ رکھے وہ عار کی بات کیونکر ہو سکتی ہے۔

حاصل مطلب یہ ہے کہ مشورہ لینے کے اندر نتیجہ اور فائدہ مترتبہ کا دھیان رکھنا چاہئے محتاج مشورہ کو اظہار فخر و مباہات کی وجہ سے کہ ہم ایسے مستقل اور صائب الرائے ہیں ہم کو کسی سے مشورہ لینے کی ضرورت نہیں ترک مشورہ نہ کرنا چاہئے۔ اور نہ مشیر کو مشورہ دینے کے وقت اپنی بڑائی اور محتاج الیہ ہونے کی طرف دھیان رکھنا چاہئے۔ اگر بالفرض مستشیر نے اپنے فخر و مباہات میں کمی آجانے کے خیال سے مشورہ نہ لیا اور نتیجہ خلاف اُس کی توقع کے ظاہر ہوا تو وہ چند ساعت کا فخر بھی زائل ہو کر ہمیشہ کی ندامت حاصل ہوئی اور مقصود فوت ہو جانے سے نقصان بھی اٹھایا۔ اور بعد مشورہ مقصود حاصل ہو گیا تو حصول مقصود اُس چند ساعت کے فخر سے ہزار مرتبہ فائق و برتر ہوگا۔ بلکہ اُس کی دانشمندی۔ حزم۔ و تدبر کا سکہ جمکر ہمیشہ کا فخر حاصل ہو جائیگا۔

(۱۰) بعض بلغا فرماتے ہیں۔

اذا اشکلت علیک الامور وتغیرلک الجمھور فارجع الی رای العقلاء وافزع الی استشارۃ العلماء ولا تانف من الاسترشاد ولا تستنکف من الاستمداد فلان تسأل وتسلم خیر لک من ان تستبد وتندم۔

(جب تجھکو معاملات میں اشکال پیش آجائیں اور عام خیالات تجھ سے منحرف ہو جائیں تو تجھکو عقلاء کی رائے کی طرف رجوع کرنا اور علماء سے مشورہ کرنا چاہئے۔ طلب رشد و امداد میں حیا و غیرت نہ کرنی چاہئے۔ لوگوں سے مشورہ لیکر اور دریافت کر کے سالم و غانم رہنا مستقل الرائے بنکر انجام کار نادم و پشیمان ہونے سے بہتر ہے۔

(۹۱) حکیم لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی۔

سلہ دیکھو ادب الدنیا والدین صفحہ ۱۲۰۔

من جوب الامور فانه یعطیك من رائه ماقام علیه بالعناء و انت تاخذه مجانا۔ | (تجربہ کار تجھکو وہ رائے دیتا ہے جسکو نہایت گراں قیمت پڑی ہو۔ یعنی نہایت تعب و تحمل مصائب کے بعد حاصل ہوئی ہے۔ اور تو اس کو مفت بلا تعب اور بلا مشقت ...)

(۲۰) بعض بلغا فرماتے ہیں۔[1]

الخطاء مع الاسترشاد احمد من الصواب مع الاستبداد۔ | (مشورہ اور طلب رشد کے بعد خطا میں مبتلا ہو جانا اس سے زیادہ محمود ہے کہ تو مستقل رائے سے راہ صواب پر ...)

حاصل یہ ہے کہ مشورہ لینے کے بعد اگرچہ رائے خطا پر ہی قایم رہے نتیجہ مطلوبہ حاصل نہ ہو لیکن پھر بھی وہ اس سے بہتر ہے کہ مستقل اور خود رائی سے نتیجہ مطلوبہ حاصل کرے۔ وجہ اس کی ظاہر ہے کہ نتیجہ کا ترتب نہ مشیر کے ہاتھ میں ہے۔ نہ مستشیر کے اختیار میں۔

عقلا محض اسباب پر ثمرات کا ترتب دیکھتے ہیں۔ لیکن جب ایک ہی ثمرہ کے لئے بہت سے ہوتے ہیں تو پھر اسباب کا نتیجہ تک پہونچ جانا ضروری امر نہیں ہے۔ موانع تاثیر اور ترتب نتیجہ سے عائق و مانع ہو جاتے ہیں اور یہ بھی ضرور نہیں کہ ایک یا چند عقلا بلکہ تمام اس پر مطلع ہو جائیں اور کل موانع کا ان کو علم ہو جائے۔ اگر ایسا ہوتا تو ایک قرن کے عقلا جب تجربات کے متعلق اپنی تمام قوتیں صرف کر چکے تو چاہیئے تھا کہ قرن مابعد میں انکشافات جدید کا سلسلہ بالکل مسدود ہو جاتا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ تو ممکن ہے کہ مشورہ کے بعد بھی صحیح نتیجہ تک نہ پہونچ سکے۔ اور بغیر مشورہ تنہا اپنی رائے سے وہاں تک پہونچ جائے۔

اور جب ترتب نتیجہ کا کسی کے ہاتھ میں نہیں اور یہ ممکن ہے کہ تنہا ایک شخص کی رائے صحیح ہو اور چند عقلا کی رائے بلکہ بھی صحیح نہ ہو۔ تو اب ہو سکتا ہے کہ ایک شخص جب اپنی خود رائی کے وصف سے نتیجہ تک پہونچ گیا اور کسی معاملہ میں باوجود مشورہ مقصود تک رسائی نہ ہوئی تو اس کو اپنی رائے پر زعم ہو جائے اور وہ خود رائی کو مایہ الاعتماد ٹھیرا کر ہمیشہ اسی طریق کو پسند کرنے لگے لیکن

[1] ادب الدنیا والدین صفحہ ۱۲۰

اس کے ساتھ ہی تجربہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ اکثر و بیشتر عقلاء کی جماعت جو رائے قایم کرتی ہے وہ صحیح اور منتج ہوتی ہے پس ایسا مستقل الرائے مستبد شخص ایک دفعہ خودرائے و استبداد کے بعد صحیح نتیجہ تک پہونچنے سے ہمیشہ کے لئے گمراہ ہو جائیگا۔ اور وہ خود رائے کو محمود و منتج سمجھکر بار بار غلط کاریوں میں مبتلا ہوگا اور جب ایسا ہی تو ظاہر ہے کہ بعد مشورہ اگرچہ خطا پر ہی رہے اُس سے بہتر ہوگا کہ استقلال رائے سے صحیح نتیجہ پر پہونچ جائے کیونکہ اول صورت میں وہ ملام و مطعون تو ہوگا۔ اور بقاعدہ نظام عالم مشورہ کا پابند رہ کر مطالب تک پہونچنے میں کامیاب ہوتا رہیگا۔ برخلاف صورت ثانیہ کہ جب خودرائے و استبداد کا خوگر ہو کر غلط کار بنجائیگا تو مطعون خلائق جدا بنے گا۔ اور نقصان مایہ و شماتت ہمسایہ کا مصداق علیحدہ ہوگا۔

(۲۱) ایک[۱] شاعر کہتا ہے۔

خلیلی لیس الرای فی جنب واحد	اشیرا علی بالذی تریانی
میرے دوستو رائے ایک شخص کے پہلو میں نہیں ہوتی	تم مجھکو اس بات کا مشورہ دو جسکو تم بہتر سمجھتے ہو

(۲۲) سیف[۲] ابن ذی یزن کا مقولہ ہے۔

من اعجب برایه لم یشاور و من استبد برایه کان من الصواب بعیدا	(جسکو اپنی رائے پر گھمنڈ اور عجب ہوتا ہے وہ مشورہ نہیں کرتا اور جو خودرائی سے کوئی کام کرتا ہے صواب سے دور رہتا ہے)

(۲۳) بعض[۳] ادبا کا مقولہ ہے۔

ما خاب من استخار و لا ندم من استشار۔	(جس شخص نے اپنے رب سے استخارہ کر لیا نامراد نہیں رہا اور جس نے مشورہ کے بعد کام کیا نادم نہیں ہوا۔)

(۲۴) بعض[۴] حکما فرماتے ہیں۔

---

[۱] ادب الدنیا والدین صفحہ ۱۲ ۔ ۱۲ ۔

[۲] ادب الدنیا والدین صفحہ ۱۲ ۔ ۱۲ ۔

[۳] ادب الدنیا والدین صفحہ ۱۲ ۔ ۱۲

[۴] ادب الدنیا والدین صفحہ ۱۲ ۔ ۱۲ ۔

نصف رايك مع اخيك فشاوره ليكمل لك رايك۔

(تیری رائے کا نصف حصہ تیرے بھائی کے پاس ہے۔ تجھ کو اس سے مشورہ ضرور کرنا چاہئے کہ تیری رائے کامل ہو جائے)

(۲۵) ایک حکیم فرماتے ہیں۔

من كمال عقلك استظهارك على عقلك۔

(تیری دانشمندی یہ ہے کہ تو اپنی عقل کے لئے دوسری عقل کو مددگار بنالے۔)

(۲۶) اہل فارس کی مقالات حکیمہ میں کا ایک مقولہ ہے۔

اضعف الحيلة خير من اقوى الشدة واقل التأني خير من اكثر العجلة والدولة رسول القضاء المبرم۔ واذا استبد الملك برايه عميت عليه المراشد۔

(ضعیف تر تدبیر نہایت سخت شدۃ سے بہتر ہے۔ تأمل و غور کے بعد تھوڑا سا کام کرنا عجلت کیساتھ بہت سا کام کرنے سے بہتر ہے اور دولت قضاء مبرم کا پیام رساں ہے۔ اور جب بادشاہ اپنی رائے میں مستقل ہو جائے تو ہدایت کے راستے اس سے مخفی ہو جاتے ہیں۔)

(۲۷) ایک حکیم کا قول ہے:-

المشورة موكل بها التوفيق لصواب الرای

(مشورہ کیساتھ رائے صواب کی طرف موفق ہونا لگا ہوا ہے۔)

(۲۸) وصف رجل عضد الدولة فقال له وجه فيه الف عين وفم فيه الف لسان وصدر فيه الف قلب۔

(ایک شخص نے عضد الدولہ کی تعریف میں کہا اس کے چہرہ میں ہزار آنکھیں اور منہ میں ہزار زبانیں اور سینہ میں ہزار دل ہیں۔)

مطلب یہ ہے کہ عضد الدولہ خود فہیم صاحب رائے صائب اور مفکر ہے۔ وہ خود اپنی رائے سلیم سے معاملات کے کنہ اور حقیقت کو سمجھتا ہے اور دوسرے اہل الرائے و تجربہ کار اشخاص سے

---

۱ ادب الدنیا والدین صفحہ ۱۲۱ - ۱۲
۲ ادب الدنیا والدین صفحہ ۱۲۲ ۲
۳ مستطرف صفحہ ۲ ۔ ۱۲
۴ ادب الدنیا والدین ۱۲

مشورہ کرتا ہے۔ پس گو اُس کے چہرہ میں صرف دو آنکھیں نہیں بلکہ ہزار ہیں ایسے ہی اُس کے مونھہ میں ایک زبان نہیں بلکہ ہزار زبانیں ہیں یعنی ہر ایک کیساتھ مناسب حال گفتگو کرتا ہے اور اپنے مطلب و مدعا کو نہایت فصاحت و بلاغت و خوش اسلوبی سے ذہن نشین کرنے پر قادر ہے۔ ایسے ہی اُس کے سینہ میں ایک دل نہیں بلکہ ہزار ہیں۔ ایک دل میں کتنا ہی ادراک و فراست کا مادہ بھرا ہوا ہو۔ مگر ایک ایک ہی ہے۔ اور جب اُس کے ساتھ دوسرے روشن دل بھی ملے ہوئے ہیں اور اُن کے مفید مشوروں اور سالہا سال کے تجربوں سے منتفع ہو چکا ہو تو اب وہ تنہا نہ رہا۔ بلکہ اُس کے ایک دل میں ہزار دل مضمر و مستتر ہیں۔

اس شخص نے عجیب لطافت سے عضد الدولہ کی مداح سرائی کی۔ آدمی میں دو قسم کی خوبیاں ہو سکتی ہیں۔

(۱) صاحب عقل و تدبیر فراست و دانش ہو۔

(۲) اہل رائے و تجارت کے مشاورت سے متمتع ہونے میں کسی قسم کی نخوت و کبر مانع نہ آئیں اپنی دانش و تدبیر پر اعتماد کر کے دوسرے عقلاء کے مشوروں سے مستغنی نہ ہو جائے اُن کی رائے و مشورہ کو حقیر اور اپنے لئے موجب ننگ و عار نہ سمجھے۔

اس نے عضد الدولہ کی تعریف میں ایسے الفاظ کا استعمال کیا جن سے دونوں قسم کے اوصاف کی طرف اشارہ ہو گیا یعنی یہ کہ خود اتنا دانشمند عواقب امور پر نظر ڈالنے والا اور ہر معاملہ کی کنہ و حقیقت اور نتائج و ثمرات کو سوچنے سمجھنے والا ہے کہ گویا ایک آنکھ سے نہیں دیکھتا اور ایک قلب سے نہیں سوچتا سمجھتا بلکہ اتنا دیکھتا اور اس قدر سمجھتا ہے جتنا ہزار آنکھوں سے دیکھا جا سکتا اور ہزار دلوں سے سوچا اور سمجھا جا سکتا ہے۔

اور یہ کہ وہ کسی معاملہ میں تنہا اپنی رائے و عقل سے اہم معاملات کو انجام دینا نہیں چاہتا بلکہ اپنے معتمد علیہا امراء و وزراء سے مشورہ لیکر طے کرتا ہے۔

(۲۵) اردشیر[۱] ابن مالک کا مقولہ ہے۔

[۱] مستطرف جلد اول صفحہ ۱۰۰

الاربعة تحتاج الی اربعة الحسب الی الادب والسرور الی الامن والقرابة الی المودة والعقل الی التجربة۔

(چار چیزیں ایسی ہیں جو کارآمد و نتیجہ خیز ہونے میں دوسری چار چیزوں کے محتاج ہیں حسب و شرافت ذاتی ادب و تہذیب کے محتاج ہیں اور سرور امن کا۔ قرابت و رشتہ داری محبت و مودت کی، عقل تجربہ کی۔)

ظاہر ہے کہ اگر کسی میں ذاتی جوہر شرافت و لیاقت کے موجود ہوں لیکن اُس کی تہذیب و تادیب کی چنبنی نہ ہوئی ہو تو اُس کے ذاتی جوہر بھی زیادہ کارآمد نہیں ہوتے بلکہ یونہی رائگاں جاتے ہیں۔ اور کسی کو خوشی و مسرت کے اسباب نصیب ہوں لیکن امن و اطمینان حاصل نہیں ہے تو کیونکر ان اسباب عیش و مسرت سے متمتع ہو سکتا ہے اور باہم قرابت و رشتہ داری تو ہو مگر معاملہ مودت و محبت گم ہو تو ایسی قرابت کیا کام دے سکتی ہے۔

علی ہذا کتنا ہی دانشمند صاحب عقل و ہوش ہو مگر تجربہ کار نہیں تو تنہا اس کی عقل چنداں مفید نہیں بلکہ ناتجربہ کاری کی حالت میں عقل کی تیزی کبھی مضر ہو جاتی ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ آزمودہ ہونے کے لئے مشاورۂ ارباب تجربہ نہایت ضرور و لازمی جزو ہے۔

(۳۰) امیر مہلب[1] ابن ابی صفرہ کہا کرتے تھے۔

ان من البلیة ان یکون الرائی بید من یملکه دون من یبصره۔

(سخت اور شدید ترمصیبت یہ ہے کہ رائے اس شخص کے ہاتھ میں ہو جو اُس کا مالک ہے اور جو رائے کے تمام پہلوؤں کو دیکھتا ہے۔ اُس کے ہاتھ میں ہو۔)

یعنی محتاج مشورہ یا تو اہل الرائے سے مشورہ ہی نہ کرے اور یا کرے مگر اُس کی رائے پر عمل نہ کرے اور خود اپنے معاملات کو طے کر لیا کرے۔

(۳۱) بعض حکماء سے دریافت کیا گیا کن امور سے عقل کی تائید و تقویت ہوتی ہے

[1] عقد فرید جلد اوّل صفحہ ۱۹۔ ۱۲

[2] عقد فرید جلد اوّل صفحہ ۱۷۔ ۱۲

اور وہ کیا باتیں ہیں جن سے عقل کو سخت نقصان و مضرتیں پہونچتی ہیں۔

فقال اشدها تائیدا له ثلاثة اشیاء مشاورة العلماء وتجربة الامور وحسن التثبت واشدها اضرارا به ثلاثة اشیاء الاستبداد والتهاون والعجلة۔

(حکیم نے جواب دیا کہ عقل کو سب سے زیادہ تین چیزوں سے تائید پہونچتی ہے۔ اول علما سے مشورہ کرنا دوسرے معاملات کا تجربہ ہونا۔ تیسری رائے میں متانت و ثبات ہونا اور سب سے زیادہ ضرر بھی اسکو تین چیزوں سے پہونچتی ہے خود رائی و استقلال تغافل و سستی اور جلد بازی سے۔)

مشاورۃ اور تجربہ دو جداگانہ باتیں ہیں۔ مشاورۃ سے طریق حق و صواب کا انکشاف ہوتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص معاملات میں مبتلا ہوکر تجربہ حاصل نکرے تو تنہا مشورہ لینا عقل کی تائید و تقویت کے لئے کافی نہیں ہے۔ اس کی عقل تبھی کامل و مکمل ہوتی ہے۔ جب معاملات میں خود مبتلا ہوکر اہم سے اہم کاموں کو سرانجام دے۔ اور سرد و گرم حالات کے ذائقہ سے خود واقف ہوجائے۔

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ علماء سے وہ لوگ مراد ہیں جنکو معاملات کا اور خصوصاً اُس قسم کے معاملات کا جس میں مشورہ لیا جائے علم اور تجربہ ہو۔ خاص کسی فن کے عالم یا شریعت کے عالم مراد نہیں ہیں۔ ہاں اگر شریعت کے عالم متقی و متدین صاحب فراست ایمانی ہوں تو ان کا مشورہ دوسروں کے مشورہ سے بہت سے معاملات میں مرجح سمجھا جائیگا۔

(۳۲) ایک حکیم نے دوسرے حکیم کو کسی معاملہ میں مشورہ دیا تو مشورہ لینے والے حکیم نے اظہار شکر و امتنان کے موقعہ پر کہا۔

لقد قلت ما یقوله الناصح الشفیق الذی یجمع حلو الکلام بمره ویحثه بوعره [illegible]

تو نے ویسے ناصح مہربان کی بات کہی جو اپنی شیرینی کو تلخی کے ساتھ اور نرمی کو دشواری کے ساتھ ملا دیتا ہے جس کی شفقت [illegible] سے [illegible] بھی ہمدردی کو [illegible]

نہ ما ھو ساکن من غیرہ وتلوبت
ھو وقبلہ اذ کان مصدر ہ
ن عند من لا یشک فی مودتہ و
لا غیبہ ونصح حبیبہ ومازلت
ن اللہ الی الخیر طریقا و اضحا و
ارا بینا۔

یں لاتی ہے جو دوسروں کے اندر حالت سکون میں ہے میں نے نصیحت کی بات کو سمجھا اور قبول کر لیا کیونکہ وہ اس شخص سے صادر ہوئی جسکی دوستی اور غائبانہ خلوص اور دوست کے ساتھ ہمدردی وخیر خواہی میں شک وتردد کی گنجایش نہیں ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ تو ہمیشہ سے خیر کی طرف کھلا ہوا راستہ اور روشنی کا مینار رہا ہے۔)

حاصل یہ ہے کہ خیر خواہی وہمدردی اور مشورہ نیک میں بسا اوقات ایسے الفاظ اور ے لہجہ کا استعمال کرنا پڑتا ہے جو خلاف طبع اور ناگوار معلوم ہوتے ہیں۔ کبھی طالب مشورہ اسے کا میلان ایک جانب ہوتا ہے۔ اب اگر مشیر کے اندر اخلاص کامل وہمدردی میں ہو تو وہ بوجہ رعایت مزاج ہاں میں ہاں ملا دیتا ہے اور اگر ہمدردی پوری ہے تو اس پرواہ نہیں کرتا بلکہ حسب ضرورت سخت اور درشت لہجہ میں بھی رائے دینے سے درگذر ں کرتا۔ ظاہری صفائی اور درشتی اگرچہ تلخ معلوم ہوتی ہے مگر اس کے اندر وہ شیرینی ہو لی لذت سے ہمیشہ نفع اٹھاتا ہے۔ لیکن ظاہری تلخی کو برداشت کرنا اور اندرونی حلاوت کھنا بھی دانشمند لوگوں کا کام ہے۔ اور اسی دانش وتدبر کا نتیجہ ہے کہ یہ حکیم اپنے مشیر کا تاندار الفاظ میں شکریہ ادا کرتا ہے۔

(۳۴۲) حکمتؒ کے بکھرے ہوئے موتیوں میں سے ایک مقولہ یہ بھی ہے۔

ی یحتاج الی العقل والعقل
ج الی التجارب ولذلک قیل
ام تھذبک مثل الاستاذ الکھنۃ

ہر چیز عقل کی محتاج ہے اور عقل تجربوں کی حاجت مند ہے۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ زمانہ پوشیدہ امور کھول دیتا ہے۔)

۳۴۳ بعض حکماء کا قول ہے۔

التجارب لیس لها غایة والعاقل منها فی زیادة۔ (تجربوں کی کوئی انتہا اور غایت مقرر و معین نہیں ہے عاقل کے تجربات ہمیشہ از دیاد میں رہتے ہیں۔)

(۳۵) ایک[1] حکیم فرماتے ہیں۔

من استعان بذوی العقول فاز بدرك المامول۔ (جو شخص ذوی العقول کی رائے و مشورہ سے مدد حاصل کرتا ہے حصول مدعا میں کامیاب ہوتا ہے۔)

نصوص قرآن روایات احادیث اقوال سلف ائمہ وعقلاء زمانہ سے مشورہ کی اہمیت ضرورت اس کی غرض وغایت فوائد ونتائج ثمرات وبرکات کا حال معلوم ہوچکا۔ اس بارہ میں اس سے زیادہ نقل روایات واقوال کی ضرورت نہیں رہی۔ اس لئے اسی قدر پر اجمال کفایت کرکے اب ہم مشورہ کے دوسرے مراتب پر بھی اسی طرح تفصیل سے بحث کرنا چاہتے ہیں۔

مشورہ کے چار رکن ہیں۔

(۱) معاملات قابل مشورہ۔

(۲) اہلیت مشورہ۔

(۳) مستشیر یعنی محتاج وطالب مشورہ۔

(۴) مشیر یعنی مشورہ دینے والا۔

معاملات قابل مشورہ کی تفصیل توضیح

سابق بیانات سے مشورہ کا اہم وضروری منتج خیر وبرکت ہونا اور ترک مشورہ کا موجب ابتلاء خطرات تہلکہ وندامت وپشیمانی وخیبہ وخسران ہونا معلوم ہوچکا۔ لیکن ابھی یہ بیان کرنا باقی ہے کہ مشورہ جب ایسا اہم اور ضروری ہے تو اس کا حکم ہر چھوٹی بڑی جلیل وحقیر معاملہ کو شامل ہے۔ یا کچھ معاملات اس سے مستثنےٰ بھی ہیں جن میں مشورہ کی حاجت نہیں یا جن میں مشورہ کرنا بجائے رحمت ہونے کے موجب

[1] عقد فرید صفحہ ۱۲۰-۱۲۰

ہلاکت ہو جاتا ہے۔

سو معلوم کرنا چاہئے کہ مشورہ کا ایسے معاملات میں حکم ہے جس کی دونوں جانب محتمل نفع و ضرر ہوں۔ اور شریعت یا عقل یا عادت کے اعتبار سے کوئی جانب متعین اور یقینا مثمر منفعت نہو۔

اگر معاملہ ایسا ہے جس میں شریعت سے حکم صادر ہو چکا۔ اس کے طریقے اور حدود معین کردئے گئے ہیں۔ ان میں کسی سے مشورہ کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ بسا اوقات مشورہ نہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔ مثلاً اوقات نماز کا ادا کرنا۔ یا ادائے فریضہ زکوۃ یا حج وصوم سے سبکدوش ہونا ان معاملات میں شریعت کا صاف و صریح حکم موجود ہے۔ ان کے شرائط و ادا کی مکمل تعلیم دیجا چکی ہے۔ اب بوقت نماز منادی خدائے جل وعلا بآواز بلند مسلمانوں کو خانہ خدا کی طرف اوائے نماز کے لئے بلاتا ہے۔ ایسی حالت میں کوئی شخص مشورہ کرنے بیٹھے۔ کہ اس وقت نماز پڑھوں یا نہ پڑھوں عین حماقت و نادانی میں داخل ہوگا۔ اور یہ مشورہ یقیناً معصیت ہوگا۔ البتہ ادائے فرائض کے مختلف اسباب و ذرایع اور طرق میں سے کسی ایک طریق کو اختیار کرنے میں علماء یا اطباء یا اہل عقل و تجربہ سے مشورہ کرے تو جائز بلکہ بعض حالتوں میں واجب ہوگا۔ مثلاً ایک شخص مریض ہے اسکو تردد ہے کہ مجھکو اس حالت میں تیمم کی اجازت ہے یا نہیں۔ اس بارہ میں اطباء یا تجربہ کاروں سے مشورہ کرسکتا ہے۔ یا حج کے لئے امن طریق شرط ہے۔ اور قافلے کئی راہوں سے جاسکتے ہیں۔ ممکن ہے کہ بعض راہ پرخطر ہوں اور بعض نہوں۔ یا بعض میں کم خطرہ ہو۔ اور بعض میں زیادہ۔ ان راستوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کے اندر مشورہ کرنا درست ہے یا ضروری ہے۔

یا مثلاً کسی پر دشمن حملہ کرتا ہوا چلا آتا ہے اس کو جان بچانے کے لئے اپنی حفاظت ضروری ہے۔ ایسی حالت میں مقتضائے عقل یہ ہے کہ جس ممکن صورت سے دشمن کی مدافعت کرسکے۔ یہ وقت نہیں کہ دشمن تو سر پر پہونچ گیا ہو اور یہ شخص احباب مخلصین اور تجربہ کار اہل

قتل سے مشورہ کی فکر میں ہے۔ یہ اسی فکر میں رہیگا اور دشمن اس کا کام تمام کردیگا۔ ہاں اگر اس قدر مہلت ہے تو اس کو مدافعت عدو اور محافظت نفس کے مختلف طریق میں سے کسی ایک طریق کو اختیار کرنے میں مشورہ کرنا مناسب یا ضروری ہوگا۔ یا مثلاً بھوک اور پیاس کے وقت روٹی کھانا یا پانی پینا ان امور میں سے ہے جو امور طبعیہ میں داخل ہے۔ عقل اور عادت کا صاف فتویٰ یہ ہے کہ بھوک کے عذاب سے بغیر روٹی کھائے نجات نہیں ہوسکتی اور شدت تشنگی کی آگ بلا پانی کے فرو نہیں ہوسکتی۔ ان امور طبعیہ میں شورہ کی حاجت نہیں ہاں اس کے ذرائع یا طرق یا مختلف اغذیہ اور اشربہ میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے میں اگر کسی کے اندر خطرہ کا احتمال ہو تو شورہ کرنا مستحسن یا ضروری ہوگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جن امور کا حکم یا نتیجہ متعین ہے یا وہ امور طبعی میں ہیں ان کے اندر مشورہ کی حاجت نہیں اگر مشورہ کے حکم کو ایسا عام رکھا جائے کہ کوئی چھوٹا بڑا کام خواہ امور طبعیہ عادیہ میں داخل ہو یا امور شرعیہ میں بلا مشورہ نہ کیا جائے تو علاوہ اس کے کہ بہت سے مواقع میں مشورہ معصیت کی حد میں داخل ہوجائیگا مشورہ جس غرض وغایت کے لئے مشروع کیا گیا یا ضروری یا مستحسن سمجھا گیا ہے وہ باقی نہ رہیگا۔ وہ بجائے رحمت کے زحمت اور بجائے مفید و منتج خیر و برکات ہونے کے مضر اور مثمر خطرات ہوجائے گا۔

مشورہ انہی امور میں ضروری یا مستحسن ہے جن میں کوئی جانب شرعاً عقلاً عرفاً عادۃً متعین نہیں اور جن کے مختلف جوانب میں خطرات و منافع کا احتمال ہے۔ جنکے نتائج مبہم اور مخفی ہیں۔

پھر معاملات کی نوعیت بھی مختلف ہے۔ بعض ایسے امور ہیں کہ ان کے منافع و خطرات دونوں معمولی اور کم درجہ کے ہیں اور بعض کے منافع بھی زیادہ اور خطرات بھی اہم۔ ان معاملات کی نوعیت اور منافع و خطرات کی عظمت و وقعت قوۃ و ضعف کے اعتبار سے مشورہ کے حکم استحسان میں فرق ہوجائیگا بعض مواقع میں مشورہ نہایت اہم اور ضروری ہوگا۔ اور بعض جگہ درجہ استحسان میں رہیگا۔

خداوند عالم نے مشورہ کو انسانی مصالح کا رکن اعظم بنایا۔ ارباب عقول کو اس کی پابندی کا حکم دیا۔ مگر اس نے اپنی رحمت عامہ کی بنا پر انسان کو مقید نہیں کیا کہ کوئی معاملہ بلا مشورہ کر ہی نہ سکے بسا اوقات اہم معاملات پیش آتے ہیں۔ اور ایک تجربہ کار انسان کو اس کے انصرام و حل کا طریقہ معلوم ہوتا ہے۔ جس کے خلاف ورزی کو وہ مہلک سمجھتا ہے اور یہ بھی جانتا ہو کہ کسی صاحب عقل و دانش سے مشورہ کریگا تو اس کے سوا اور کوئی دوسرا راستہ نہیں بتلا سکتا ایسی حالت میں اگر وہ بلا مشورہ کام کر بیٹھے تو ملام و مطعون نہ ہوگا۔

اہلیت مشورہ — مشورہ کا اہل وہی شخص ہو سکتا ہے جس میں اوصاف ذیل موجود ہوں۔

الف۔ مشیر میں عقل کامل اور تجربہ تام ہو۔ کوئی شخص بغیر ان اوصاف کے کامل و مکمل نہیں ہوتا۔ عقل نہ ہو تو ظاہر ہے کہ اس کا شمار ذوی العقول میں کرنا بھی فضول اور لغو ہے۔ اور اگر عقل ہو لیکن ناقص تو جس قدر نقصان عقل میں ہے اس کی انسانیت میں اسی قدر نقصان ہے

ب۔ صاحب عقل و تجربہ ہونے کے بعد دوسری شرط اہلیت کی یہ ہے کہ مشیر میں ہمدردی خلق اللہ و خیر خواہی کا مادہ عموماً اور مستشیر کے ساتھ خصوصاً موجود ہو۔ اس کے اخلاق مہذبہ و خصائل حمیدہ اس کی اجازت نہ دیتے ہوں کہ وہ کسی کے ساتھ بد خواہی کا معاملہ کرے خصوصاً اس شخص کے ساتھ جو اپنے معاملات کی باگ اس کے ہاتھ میں دیکر خود سبکدوش ہو رہا ہے۔ اگر مشیر میں باوجود عقل کامل و تجربہ نصح و ہمدردی کا مادہ عموماً موجود نہیں۔ یا کم از کم مستشیر کے ساتھ یا تو ہمدردی کا داعیہ اس کے قلب میں نہیں ہے۔ یا بجائے ہمدردی کے اس کے ساتھ بغض و عداوت۔ حسد و کینہ اور بدخواہی موجود ہے تو ایسا شخص عموماً قابل مشورہ نہیں ہے۔ اور خاص کر اس شخص کے لئے تو اس کا مشورہ قاتل کا حکم رکھتا ہو۔

غرض وصف اول کے ساتھ اس دوسرے وصف کا پایا جانا بھی ضروری ہے۔ ورنہ عاقل تجربہ کار کا مشورہ بجائے مفید ہونے کے زیادہ مضر ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ اس ہمدرد و ناصح و شفیق کے مشورہ سے پرحذر رہنا ضروری ہے جو کودن۔ کم عقل۔ جاہل و غفلت شعار ہو اس

سے زیادہ ایسے شخص کے مشورہ سے پرہیز رکھنا واجب ہے جو دانشمند و فہیم، مجرب و آزمودہ کار تو اعلیٰ درجہ کا ہے مگر اس میں مادہ خیانت و بدخواہی موجود ہے۔

حضرت[1] عبداللہ ابن الحسن رضی اللہ عنہ۔ اپنے صاحبزادہ محمد بن عبداللہ کو نصیحت فرماتے ہیں۔

احذر مشورة الجاهل وان كان	جاہل اگرچہ خیر خواہ ہو مگر اس کے مشورہ سے بچنا چاہیئے
ناصحا كما تحذر عداوة العاقل	جیسا کہ دانا دشمن کی عداوت سے کیونکہ کچھ بعید نہیں
اذا كان عدوا فانه يوشك ان	کہ اپنے مشورہ سے وہ تجھکو ہلاکی میں دھکیل دے
يورطك بمشورته فيسبق اليك مكر العاقل	اور عاقل کی مکر و تدبیر اور جاہل کی نادانی تجھکو
وتوريط الجاهل۔	آدبائے)

اسی مضمون کو ابو الاسود دؤلی اس طرح ادا کرتے ہیں۔ ؎

وما كل ذي لب بمؤتيك نصحه	ہر ذی عقل تیرا خیر خواہ نہیں ہوتا
وما كل مؤت نصحه بلبيب	اور نہ ہر خیر خواہ دانشمند ہوتا ہے
ولكن اذا ما استجمعا عند صاحب	لیکن جب یہ دونوں صفتیں کسی میں جمع ہوں
فحق له من طاعة بنصيب	تو وہ اس کا مستحق ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے

بعض حکما کا قول ہے۔

لا تشاور الا الحازم غير الحسود	احتیاط والے غیر حاسد اور دانشمند غیر کینہ ور کے
واللبيب غير الحقود واياك	سوا کسی سے مشورہ نہ کرنا چاہیئے۔ عورتوں کے مشورے سے قطعاً
ومشاورة النساء فان رايهن	پرہیز کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ان کی رائے کا میلان ضعف کی
الى الافن وعزمهن الى الوهن۔	طرف اور ارادہ سستی کی جانب ہوتا ہے۔

[1] ادب الدنیا والدین صفحہ ۱۲-۱۳

[2] ادب الدنیا والدین صفحہ ۳۰۲

ج۔ مشیر میں علاوہ عقل کامل و تجربہ تام و نصح و ہمدردی مخلوق کے عموماً یا خصوصاً۔ اور موجودگی اخلاق مہذبہ اور تدین عقلی کے تدین مذہبی تقویٰ و صلاحیت کا ہونا بھی بمنزلہ شرط لازمہ کے ہے۔ تشریح اس کی یہ ہے کہ آدمی کو اخلاق حمیدہ و ملکات پسندیدہ اور عقل کامل کذب و خیانت مکر و تزویر حیلہ سازی و دغا بازی سے خود بھی مانع ہوتے ہیں۔ خواہ وہ شریعت منزلہ کے ارکان کا پابند ہو یا نہو۔ اور اسی درجہ کو ہم تدین عقلی یا عرفی سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور یہ درجہ مشیر کے لئے ایسا ضروری اور لازم ہے کہ بدون اس کے وہ قابل مشورہ ہو ہی نہیں سکتا یہاں تک کہ اگر وہ شریعت منزلہ کا تابع بھی ہے لیکن ان اوصاف کے ساتھ متصف نہیں ہے تب بھی وہ مشورہ کا اہل نہیں لیکن تدین عقلی و عرفی کے ساتھ اس میں تدین مذہبی بھی پایا جائے تو اس کی اہلیت مکمل ہے۔ اور ایسے شخص سے مشورہ کرنا تمام غوایل و نقایص سے مامون و مطمئن کر دیتا ہے۔ کیونکہ دینداری و تقوی شعاری نے اس کے قلب کو آلایش نفسانیت و کدورات باطن سے پاک و صاف کر دیا ہے۔ اور اس کے اندر گنجایش باقی نہیں رہی کہ وہ خلاف ہمدردی و نصح کوئی بات کہہ سکے۔ عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔

من اراد امرا فشاور فیہ امرءًا مسلمًا وفقہ اللہ لارشد امورہ	(جو کسی کام کا ارادہ کرے اور مرد مسلم سے مشورہ کرے تو خدا تعالیٰ اس کو بہترین امور کی توفیق عطا فرماتا ہے۔)

یہ ظاہر ہے کہ تدین عقلی کے ساتھ تدین شرعی بھی مجتمع ہو جائے تو اس کی اہلیت مشورہ کامل و مکمل ہو جائے گی کیونکہ بسا اوقات عقل کامل و تجربہ تام کے باوصف کبھی آدمی کو اتباع عقل ہی کسی ایسے امر کا استحسان ذہن نشین کر دیتا ہے جو مستشیر کے حق میں مضر ہوتا ہے لیکن اتباع شریعت اخلاق حمیدہ کے علاوہ اس کو دوسرے حیثیت سے بھی پابند کئے ہوئے ہے جو کسی طرح سوا نصیحت و خیر خواہی کسی دوسرے امر کی اجازت نہیں دیتا۔ اور اسی وجہ سے مشورہ کے لئے مسلمان کو منتخب کرنا نہایت ضروری ہے۔ یہاں یہ ضرور ہے کہ جامع اوصاف

مذکورہ متبع شریعت نہ ملسکے تو ایسی حالت میں غیر مسلم سے بھی مشورہ لینے میں کچھ حرج نہیں۔ یہ ایسی شرط نہیں کہ بغیر اس کی البتہ مشورہ پائی ہی نہ جائے۔

تاریخ و سیر کی ورق گردانی سے ثابت ہے کہ بہت سے مواقع میں اُن کفار اور ذمیوں سے مشورہ کیا گیا جنکی نصح و عقل پر دوسرے ذرائع سے اطمینان ہو چکا ہے۔ اور یہ امر مستشیر کے تجربہ کے حوالہ کیا جا سکتا ہے۔

شہادت نوح ابن ابی مریم قاضی مرو نے اپنی صاحبزادی کا نکاح کرنا چاہا تو ایک مجوسی یعنی آتش پرست سے جو اُن کی پڑوس میں رہتا تھا اس بارہ میں مشورہ کیا مجوسی نے تعجب سے کہا کہ تمام لوگ تو آپ سے مشورہ کرتے اور امور وغیرہ میں فتوی لیتے ہیں۔ اور آپ مجھ سے مشورہ کرتے ہیں۔ قاضی صاحب نے فرمایا نہیں تم کو مشورہ دینا چاہیئے اُس نے کہا بادشاہ فارس کسری تو مال کو ترجیح دیتا تھا یعنی مالدار کو غیر مالدار پر مرجح سمجھتا تھا اُس کے نزدیک مال ایسی چیز تھی جس کی وجہ سے عزت و وقعت بڑھتی تھی۔ اور لڑکیوں کی راحت و آسایش اسی میں سمجھی جاتی تھی۔ اور قیصر روم جمال کو پسند کرتا تھا یعنی شادی کے لئے صاحب جمال کو پسند کرتا تھا۔ کیونکہ مقصود نکاح سے زوجین میں مودت والفت ہے۔ اور یہ بات جمال کی حالت میں زیادہ پائی جاتی ہے اس لئے دختر ہو یا فرزند اس کے لئے صاحب جمال کو ترجیح دیتا تھا۔ مال وغیرہ ان امور میں نہیں جنکو اصل مقصود نکاح میں زیادہ دخل ہو۔ بسا اوقات مالدار غیر صاحب جمال کے ساتھ نکاح موجب تفریق و تکالیف نزاع و مخاصمت ہو جاتا ہے۔ اور عرب شرافت خاندانی اور حسب کو ترجیح دیتا تھا یعنی اُن کے نزدیک زوجین کا شرافت حسبی و نسبی میں ہم رتبہ ہونا زیادہ مرجح تھا۔ اور تمہارے (اہل اسلام) سردار (یعنی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) دین کو سب امور پر مقدم سمجھتے تھے یعنی اگر کوئی دیندار و متشرع تو ہے۔ مگر صاحب مال و جمال و شرافت نہیں تو ایسے شخص کو اس پر ترجیح دیتے تھے جس میں یہ امور تو موجود ہیں مگر دیندار نہیں۔ اب تم دیکھ لو کہ کس کی اقتدار کو پسند کرتے ہو۔ آیا فارس و روم و عرب کے۔ و ما کے اتباع کے یا اپنی سردار و پیغمبر کے۔

حاصل اُس کے مشورہ کا یہی تھا کہ تم کو اپنی صاحبزادی کے عقد کے لئے صاحب دین کو [illegible]
کرنا چاہئے۔ اگر اُس کے ساتھ وہ صاحب مال وجمال وشرافت بھی ہو نور علیٰ نور ہے۔ اور یہ مشورہ
ظاہر ہے کہ بالکل صحیح و سچا۔ اور محض خیرخواہی پر مبنی تھا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ قاضی صاحب کو
اپنے پڑوسی کے تدین عقلی یا عرفی اور اُس کی عقل وتجربہ پر اعتماد نہ ہوتا۔ اُس کی خیرخواہی و
ہمدردی میں تردد یا شک ہوتا تو ہرگز اس سے مشورہ نہ کرتے۔ لیکن یہ امر کچھ مجوسی ہی کے
ساتھ مخصوص نہیں ہے اگر مسلمان کی عقل ونصح پر بھی اعتماد نہ ہوتا تو اُس سے بھی مشورہ نہ کرتے
غرض یہ ہے کہ اگر غیرمسلم میں یہ اوصاف پائے جائیں تو وہ بھی اہل مشورہ ہے۔ ہاں حتی الوسع مسلم
سے مشورہ کرنا چاہئے۔

فائدہ۔ نکاح کے لئے چار امور مال وجمال حسب ودین کا موجب رغبت ہونا اور پھر شریعت
محمدیہ میں دین کو سب امور پر ترجیح دینا اُس حدیث کے مضمون سے ماخوذ ہے جس کو بخاری نے
ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ قال تنکح المرأۃ لاربع لمالها ولحسبها وجمالها ولدينها فاظفر بذات الدين تربت يداك۔

(جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی عورت کی طرف نکاح کی رغبت یا تو مال کی وجہ سے ہوتی ہے یا جمال اور حسب یا دین کی وجہ سے۔ تجھکو چاہئے کہ دیندار عورت سے نکاح کرے۔)

ان چار اوصاف موجب رغبت کے علاوہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک
پانچواں وصف اور بھی بیان فرمایا یعنی اخلاق حمیدہ۔ چنانچہ امام احمد نے ابوسعید خدری سے اور
اسی طرح بزار۔ ابویعلی اور ابن حبان نے بھی روایت کیا ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تنکح المرأۃ علی احدی خصال لجمالها ومالها وخلقها ودينها فعليك

عورت کے ساتھ خصائل مذکورہ میں سے کسی ایک خصلت کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے۔ جمال ومال خلق اور دین کی وجہ سے تم کو چاہئے کہ صاحب دین اور خلق

بذات الدین والخلق تربت یمینک۔ | کو پسند کرو۔

اس حدیث میں حسب کا ذکر نہیں ہے جو اور احادیث میں مذکور ہے۔ اس کو ملا کر اسباب رغبت نکاح کل پانچ ہوتے ہیں۔ مال جمال حسب اخلاق و دین آپ کے ارشاد سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ ان سب میں دین کو ترجیح ہے۔ اگر کسی مرد یا عورت میں مال و جمال حسب اخلاق سب یا بعض موجود ہوں مگر دین نہو تو ایسے اسباب کی طرف رغبت کرنے کو آپنے ناپسند فرمایا ہے اور اگر کسی میں یہ اوصاف کل کے کل یا بعض نہوں مگر دین ہے تو آپ اس کو تمام اوصاف کے جامع سے مرجح فرماتے ہیں۔

لیکن یہ امر بھی قابل تفصیل ہے کہ جیسا دین کا لحاظ سب پر مقدم ہے ایسے ہی علاوہ دین کے باقی سب اوصاف رغبت و ترجیح میں یکساں ہیں۔ یا ان میں بھی بعض کو بعض پر فوقیت و ترجیح حاصل ہے مگر اس کا یہ موقع نہیں ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ کسی وقت اس کی تفصیل بھی کیجائیگی۔

(۵) جس شخص سے مشورہ لیا جائے اُس کا قلب ایسے ہجوم و افکار سے خالی ہو جنکی وجہ سے دماغ پریشان اور قلب مشغول ہو جاتا ہے۔ ایسا شخص باوجود عقل تام و تجربہ کامل نصح و ہمدردی و دین و تقوی شعاری کے صحیح اور معقول مشورہ دینے سے عاجز و قاصر رہتا ہے۔ کیونکہ وہ خود اپنے خیال میں ایسا مبتلا ہے کہ نہ معاملہ مشورہ طلب میں اپنی پوری عقل لڑا کر اُس کی تمام جانب کو سوچ سکتا ہے اور نہ مستشیر کی رہبری کر سکتا ہے۔ وہ خود۔ او خویشتن گم است کرا رہبری کند کا مصداق بن رہا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ شخص باوجود اوصاف و شرائط اہلیتہ مشورہ کے ایک امر عارض کی وجہ سے صحیح مشورہ دینے پر قادر نہیں ہے۔ صالح ابن عبد القدوس اسی مضمون کو اس طرح ادا کرتے ہیں۔

ولا مشیر کذی نصح و مقدرة | فی مشکل الامر فاختر ذاک منتصحا

نہیں ہے مشیر مثل ایسے شخص کی کہ جو خیر خواہ ہو اور مشکلات میں دستگیری کرنے والا۔ پس ایسے کو ناصح بنا۔

کسریٰ ملک فارس کا دستور تھا کہ اپنے وزراء اور مشیر کاروں کو تمام تردوات و افکار سے

فارغ البال رکھتا تھا۔ اگر کسی معاملہ میں اُن کی رائے وزن دار نہیں پاتا تھا تو سمجھ لیتا تھا کہ کسی فکر میں مبتلا ہیں۔ اور اسی وقت اہلکاروں کو بلا کر سزائیں دیتا تھا کہ تم نے اُن کو ماہوار اور معین روزینوں میں کمی کی ہے جس کی وجہ سے ان کے طبائع متفکر اور بحال خود مشغول ہیں۔ دماغ اُن کا پریشان اور عقل ان کی سالم نہیں ہے۔ حاصل اس شرط کا بھی یہی ہے کہ مشیر کی عقل کامل اور سالم ہو۔ ہاں فرق اتنا ہے کہ شرط اول میں تو اصل فطرت سے عقل کا وجود و کمال بیان کیا ہے۔ اور اس میں بقاء اور سلامتی اسی وجہ سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مشیر کا افکار و تردوات میں مبتلا ہونا اس کو اہلیۂ مشورہ سے خارج نہیں کر دیتا ہاں چونکہ ایسی حالت میں بوجہ نقصان عقل و فکر مضرت کا اندیشہ ہے اس لئے وہ عارضی طور پر اس قابل نہیں رہا کہ اس سے مشورہ کیا جائے۔ اگر کسی شخص کی رائے و عقل پر اس درجہ اعتماد ہو کہ وہ ابتلا رافکار و ہجوم حوادث کے باوصف مختل الحواس نہیں ہو جاتا۔ بلکہ ایسی حالت میں بھی جو بات اُس کی زبان سے نکلتی ہے وہ جچی تلی ہوتی ہے تو اس سے مشورہ کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے۔ تاہم اُس میں اور اس شخص میں جو باوجود تمام اوصاف مذکورہ کی موجودگی کے افکار و تردوات سے بھی خالی ہے۔ فرق ضرور ہوگا کیونکہ اطمینان وغیرہ اطمینان کی حالت مساوی نہیں ہو سکتی ایک فارغ القلب وسلیم الحواس جہاں تک اپنی فکر کو دوڑا سکتا ہے اور غور و فکر سے بات کی تہ کو پہونچ سکتا ہے متردد و متفکر شخص نہیں پہونچ سکتا ہے۔ اور اسی بناء پر ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ جو شخص باوجود سلیم الحواس مطمئن القلب افکار و تردوات سے خالی ہونے کے کسی دوسری امر کی طرف متوجہ ہے اس کی اہلیت میں بھی کسی قدر نقصان ہے مثلاً سفر کی عجلت میں ہے یا حوائج بشری کے انصرام کی طرف متوجہ ہے وغیرہ وغیرہ۔

(۵) جس امر میں مشورہ لیا جاتا ہے مشیر کی اغراض و خواہشات کا اُس سے تعلق نہ ہو یعنی اس کی کوئی ذاتی غرض اُس کی متعلق نہ ہو۔ اگر اُس کی ذاتی غرض کا اس امر سے تعلق ہے تو باوجود تمام اوصاف مذکورہ موجود ہونے کے اُس کا مشورہ قابل اعتماد نہیں سمجھا جائیگا۔ کیونکہ غرض

ذاتی اور خواہش نفسانی طبعاً آدمی کو اس طرح اپنی طرف کھینچ لیتی ہے کہ اس کو خود بھی بہت کم احساس ہوتا ہے اور بے اختیارانہ اس سے وہ بات سرزد ہو جاتی ہے جو مستشیر کے حق میں مضر ہوتی ہے آدمی کی رائے ایسی حالت میں ہرگز صحیح قابل اعتماد و لائق وثوق نہیں رہتی۔ صاحب عقول و آراء صحیحہ و فطرۃ سلیمہ بھی اس موقع پر اپنے درجہ سے گر جاتے ہیں۔ فضل ابن عتبۃ ابن ابی لہب فرماتے ہیں۔

وقد یحکم الایام من کان جاھلا	و یردی الھوی ذالرای وھو لبیب
زمانہ کبھی ایسے شخص کے درجہ کو کم کر دیتا ہے جو جاہل ہو	خواہش صاحب رائے و دانشمند کو گرا دیتی ہے
ویحمد فی الامر الفتی وھو مخطی	ویعذل فی الاحسان وھو مصیب
اور کبھی آدمی باوجود خطا پر ہونے کے شکر گذاری کا مستحق ہوتا ہے	اور کبھی باوجود احسان کرنے اور صواب پر ہونے کے قابل ملامت ہوتا ہے

مطلب یہ ہے کہ بسا اوقات ایک جاہل غیر ذی رائے خیر خواہی۔ ہمدردی کے ساتھ مشورہ دینے کی وجہ سے خواہ اس کا مشورہ انجام کار مفید ہو یا مضر محمود اور قابل ستایش ہو جاتا اور اس کی وقعت نظروں میں بڑھ جاتی ہے اور خود غرضی و ہوائے نفسانی عاقل و دانشمند کو اس کے درجہ سے گرا دیتی ہے۔

یہ صحیح ہے کہ باوجود غرض مشترک ہونے کے ہر شخص ایسا نہیں ہوتا جسکو مشورہ میں متہم سمجھا جائے بہت سے ایسے افراد ہوتے ہیں کہ مشورہ کے وقت مستشیر کی اغراض و منافع کو پیش نظر رکھکر مشورہ دیتے اور اپنی خواہش قلبی کو پس پشت ڈالدیتے ہیں۔ مگر قواعد کی تدوین و تمہید میں اکثریات پر نظر ہوتی ہے مستثنیات کا خیال نہیں کیا جاتا۔ اور اسی وجہ سے قاعدہ کلیہ یہی ہے جو ہم نے بیان کیا۔ اگر کوئی فرد اس سے مستثنیٰ ہو اور مستشیر کو باوجود غرض مشترک ہونے کے اس کے تدین و تقویٰ پر اعتماد ہو تو یہ صورت جداگانہ ہوگی شریعت مطہرہ نے بھی اس قسم کے معاملات اغراض مشترکہ کا خیال کرکے قواعد کلیہ بناکر ہم کو دئے ہیں۔ دیکھئے ماں باپ کی شہادت اولاد کے حق میں معتبر نہیں ہے۔ علیٰ ہذا اولاد کی شہادت ابوین کے لئے اور زوجین کی شہادت ایک

دوسرے کے لئے آقا کی شہادت مملوک غلام کے لئے۔ اور غلام کی آقا کے لئے۔ وجہ صرف یہی ہے کہ آپس میں منافع واغراض مشترک ہیں۔ باپ کا نفع بیٹے کا ہوتا ہے۔ وعلی ہٰذا۔ اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ دیندار اور تقوی شعار مسلمان سے یہ ممکن نہیں ہے کہ اپنی ذاتی منافع کے لئے ہی جو بلاواسطہ اس کو پہونچتی ہیں۔ شہادت میں کسی قسم کا تو بدل کر سکے چہ جائیکہ ان منافع کے لئے جن کے بواسطہ پہونچنے کا احتمال ہے۔ لیکن شریعت نے خاص افراد کا لحاظ نہیں کیا۔ بلکہ حکم عام دیدیا۔

لا تقبل شهادة الولد لوالده ولا الوالد لولده ولا المرأة لزوجها ولا الزوج لامرأته ولا العبد لسيده ولا المولى لعبده ولا الاجير لمن استاجره۔

بیٹے کی شہادت باپ کے حق میں اور باپ کی بیٹے کے حق میں عورت کی خاوند کے حق میں اور خاوند کی بیوی کے حق میں۔ غلام کی آقا کے حق میں اور آقا کی غلام کے حق میں اور اجیر کی مستاجر کے حق میں معتبر نہیں ہے۔

کتب تاریخ میں یہ واقعہ مسطور ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی زرہ جبکہ آپ خلیفۃ المومنین تھے ایک یہودی کے پاس برآمد ہوئی۔ آپ نے قاضی شریح کی عدالت میں اس مقدمہ کو دائر کیا۔ اور شہادت میں بڑے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اپنی مولی یعنی غلام آزاد کردہ قنبر کو پیش کیا۔ قاضی صاحب نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت اس قاعدہ کلیہ کی بناپر کہ وہ صاحبزادے ہیں رد کردی۔ قنبر کی شہادت کو قبول کر کے فرمایا کہ ایک گواہ اور لائیے۔ کیونکہ تنہا ایک گواہ کی شہادت پر اگرچہ وہ کتنے ہی بڑے درجہ کا ہو فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ دوسرا کوئی گواہ موجود نہ تھا۔ اس وجہ سے دعویٰ خارج ہوا۔ زرہ یہودی کو دلا دی گئی۔

اس روشن اور صاف قاعدہ کلیہ اور اس فیصلہ حقانی کا یہ اثر ہوا کہ یہودی یہ کہہ کر کہ خلیفہ وقت اپنے قاضی کے یہاں معاملہ دائر کرے۔ اور وہ خارج ہو جائے مسلمان ہو گیا

ظاہر اور پر ظاہر ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی جانب کسی قسم کا احتمال بھی سوء ظنی کا نہیں ہو سکتا اور نہ قاضی صاحب کو معاذ اللہ تھا۔ مگر قاعدہ کلیہ شریعت غراء کا یہی تھا جس کے آگے سب کو سر تسلیم خم کرنا لازم و واجب تھا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر ایسی خصوصیات سے استثنا کا دروازہ کھول دیا جاتا تو پھر ہر شخص کو کسی نہ کسی خصوصیت فرضی یا واقعی سے استثنار کا موقع بہانہ ملجاتا۔ اور یہ قاعدہ کلیہ شریعت کا کاغذوں پر ہی لکھا نظر آتا۔ عملدرآمد سوا رشاذ صورتوں کے کہیں بھی نہوتا۔

(۹) مشیر اگر متعدد ہوں تو اُن کا آپس میں حسد و تنافس سے خالی ہونا بھی ضروری ہے تاکہ ایک دوسرے کی بات تسلیم کرنے میں کوئی امر مانع نہو۔ اگر ایسا نہو گا تو مشاورۃ کا نتیجہ سوار مشاجرۃ۔ منازعت اور منافرۃ کے کچھ نہو گا۔

یہ چند اوصاف و شرائط ہیں جن کے مجتمع ہونے سے آدمی مشورہ کا اہل بنتا ہے۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ بعض اوصاف اس درجہ ضروری ہیں۔ جنکے بغیر قابلیت ہی ثابت ہی نہیں ہوتی اُن کو ذات مشورہ میں دخل ہے۔ اور بعض ضرورتیں اس درجہ کی نہیں ہیں۔ اُن سے کسی وقت قطع نظر بھی کرلی جاتی ہے جیسا کہ ہماری تشریحات سے واضح ہوچکا ہے۔

اہل عقل و حکمت نے اپنے زرین اقوال میں اوصاف و شرائط کو جامع و مانع الفاظ میں بیان فرمادیا ہے یہ متفرق ہیں ہی۔

قالت الحکماء لاتشاور معلما ولا راعی غنم ولا کثیر القعود مع النساء ولا صاحب حاجۃ یرید قضاءھا ولا خائفا ولا حاقنا وقیل سبعۃ لا ینبغی لصاحب لب ان یشاورھم جاھل وعدو وحسود ومراء وجبان وبخیل وذو ھوی فان

حکماء نے فرمایا ہے کہ بچوں کو تعلیم دینے والے۔ بکریوں کے چرانیوالے عورتوں کے پاس زیادہ بیٹھنے والے اور کسی صاحب حاجت جو حاجت کے پورا کرنے کی فکر میں لگا ہوا۔ اور خوف زدہ شخص اور اس شخص سے جو بول و براز کو دبائے ہوئے ہو قضاء حاجت کی فکر میں لگا ہوا ہو مشورہ نہ کرنا چاہئے۔ اور یہ بھی حکماء کا مقولہ ہے کہ سات شخص ایسے ہیں جن سے مشورہ کرنا کسی صاحب عقل کو مناسب نہیں

الجاهل يضل والعدو يريد الهلاك والحسود يتمنى زوال النعمة والمرائي واقف مع رضاء الناس والجبان من رأيه الهرب والبخيل حريص على جمع المال فلا رأى له في غيره وذو الهوى اسير هواه فلا يقدر على مخالفته۔

ہے۔ جاہل۔ دشمن۔ حاسد۔ ریاکار۔ نامرد۔ بخیل خود غرض۔ اس لئے کہ جاہل تو خود گم کردہ راہ ہے۔ دشمن کو بھی گمراہی میں ڈالتا ہے دشمن ہلاک کرنا چاہتا ہے حاسد زوال نعمت کا متمنی ہے۔ ریاکار لوگوں کی رضا جوئی کی فکر میں رہتا ہے۔ نامرد کی ہمیشہ ڈر اور گریز کی جانب ہوتی ہے۔ اور بخیل مال کے جمع کرنے پر تلا ہوا ہو سوا جمع مال کے دوسری چیز کی طرف توجہ نہیں۔ اور خود غرض اپنی اغراض کا اسیر ہو۔ اس کے خلاف نہیں کر سکتا۔

حاصل یہی ہے کہ ایسا شخص جس میں فی حد ذاتہ عقل و تجربہ نہیں۔ یا ہیں مگر کسی امر عارضی کی وجہ سے صحیح مشورہ میں دے سکتا مشیر بننے کے قابل نہیں۔

مستشیر یعنی طالب مشورہ کے فرائض و آداب

یہ امر تو اول بیان کیا جا چکا ہے کہ جب کسی شخص کو کوئی اہم معاملہ پیش آئے جس کے اندر رائے قائم کرنا مشکل ہے۔ یا معاملہ کی دونوں جانبیں فوائد و خطرات سے خالی نہیں ہیں۔ تو ایسی حالت میں استبداد و استقلال رائے سے کام کرنا مہلک اور موجب ننگ و عار ملامت و طعن ہو۔ اور یہ بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ محتاج مشورہ اگرچہ کتنا ہی دانشمند صاحب وجاہت و آزمودہ کار ہو اس کو کسی دوسرے سے مشورہ کرنے میں اگرچہ وہ شخص ظاہر میں کم رتبہ اور معمولی حالت میں ہے یہ امر مانع نہ ہو کہ اگر میں باوجود دانشمندی تجربہ کاری اور وجاہت اور علو شان کے دوسرے کے سامنے اپنے معاملہ کو پیش کر کے طالب رائے ہونگا تو لوگوں کی نظروں میں میری بے وقعتی یا نادانی ظاہر ہوگی۔ اور یہ سمجھا جائیگا کہ اگر میں خود صاحب رائے ہوتا تو دوسروں کا محتاج نہ ہوتا کیونکہ ان خیالات اور اعذار سے مشورہ کو ترک کر کے اپنے معاملات کو خراب کر دیا اور مورد طعن و ملامت بنکر نظروں میں حقیر بنا سخت حماقت میں داخل ہے اب ہم مستشیر کے لئے فی نفسہ فرائض و آداب کو بیان کرتے

چاہتے ہیں۔ یعنی جب کوئی اپنی اہم و مشکل معاملات میں دوسروں سے مشورہ کا طالب ہو تو
ٍس کے ذمہ کیا کیا امور ضروری ہیں۔ کن کن باتوں کی رعایت اس کے ذمہ لازم یا مناسب ہے

(۱) مستشیر کا پہلا فرض یہ ہے کہ مشورہ کے لئے ایسے افراد کو منتخب کرے جو مشورہ دینے کے ائق و اہل ہیں۔ جن میں وہ اوصاف و شرائط موجود ہیں جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ یعنی جو صحیح مشورہ ینے کے قابل ہیں جن کے مشورہ پر کاربند ہونے سے فائز المرام ہو سکتا اور ترک مشورہ کی صورت یں جو نقصانات یا الزام پہونچ سکتے ہیں ان سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ اگر مستشیر لایق و قابل شورہ افراد کے انتخاب میں کوتاہی کرے گا۔ یا ایسے اشخاص کو منتخب کریگا جن میں بجائے ان وصاف کے جو مشیر کے لئے ضروری ہیں دوسری قسم کے خصائل موجود ہیں اور جو ظاہرا مشیر بنے ں قابلیت نہیں رکھتے تو اس کا الزام خود مستشیر کے ذمہ ہے۔ اور جو نقصان اس کو پہونچیگا وہ خود اس کی وتاہی کا نتیجہ ہوگا۔ اور گو وہ اس صورت میں اس قدر ملام و مطعون تو نہ ہوگا۔ جیسا کہ خود رائی اور ستقلال سے کام کرنے کی صورت میں ہوتا مگر اس حالت کے قریب ہی قریب رہیگا۔ اس لئے سب سے اول اس کا کام یہی ہے کہ مشورہ کے لئے اہل اور لائق افراد منتخب کرے۔

(۲) مستشیر کی غرض مشورہ سے استفادہ رائے ہونا چاہئے۔ نہ کہ امتحان مشیر۔ کیونکہ امتحان ی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں مشیر کی عقل و دیانت تجربہ و صداقت پر اعتماد نہو اور جبکہ مشیر ی اہلیت کو پہلے جانچ لیا گیا ہے۔ تو اب امتحان کے کیا معنی۔ اگر کسی کا امتحان مقصود ہے تو اس ے صاف معنی یہ ہیں کہ رائے تو ایک جانب معین ہو چکی ہے اب پرکھنا یہ ہے کہ مشیر آیا صحیح رائے یتا ہے یا غلط۔ لیکن اس کو مشورہ نہیں کہتے۔ اس کا نام امتحان اور جانچ ہے۔ اور یہ وہیں ہوتا ہے جہاں کسی کی عقل و تجربہ پر اعتماد نہو۔ یا جس کی صداقت و محبت عداوت و نفرت کا حال لوم نہو۔

(۳) مشیر مشورہ میں اگرچہ مستشیر کی منشاء اور خواہش کے خلاف رائے دے ٹھنڈے دل ے سننا چاہئے یعنی کسی خیال یا واہمہ پر اس کی طرف سے بدظن نہو۔ اگر ایسا کیا جائیگا تو مشورہ

کا نفع ہرگز اس کو نہیں پہونچ سکتا۔ بلکہ یہ شخص حیرانی اور پریشانی میں زیادہ مبتلا ہو جائیگا۔ جبا اعتقاد ایک خالص اور سلیم العقل کی درست بات پر کسی نہ کسی وجہ سے بدظنی کا موقع ملجاتا ہے لیکن مستشیر کو اس وقت عقل اور ثبات قلب سے کام لینا چاہئے۔ اگر بدظنی سے کام لیا جائیگا تو کسی کام یا معاملہ میں بھی تنقیح رائے نہوگی۔ اور کوئی ایسا شخص دستیاب ہونا دشوار ہوجائے گا جس پر اعتماد کیا جاسکے۔

معاشرۃ ومشاورۃ کا رکن اعظم یہ ہے کہ مستشیر پر اعتماد ہو۔ اور اس کو ہم شرائط اہلیۃ میں بیان کرچکے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

اصف ضمیرالمن تعاشرہ	واسکن الی ناصح تشاورہ
اپنے دلکو ہمنشیں کی طرف سے صاف رکھنا چاہئے	اور ہمدرد خیر خواہ مشیر کی بات پر اطمینان کرنا چاہئے
وارض من المرء فی مودتہ	بما یودی الیک ظاہرہ

دوست کی اس قدر دوستی پر جو ظاہر حال سے معلوم ہوتی ہے راضی رہنا چاہئے

من یکشف الناس لایجد احدا	تنصح منھم لہ سرائرہ
جو لوگوں کے باطن حالات کی تفتیش کرے گا	تو کوئی ایسا نہ ملے گا جس کے باطن میں خیر خواہی مرکوز ہو
اوشک ان لایدوم وصل اخ	فی کل زلاتہ تنافرہ

اگر بھائی دوست کی ہر لغزش پر گرفت کیجائے تو کسی ایک بھائی کا تعلق بھی باقی نہیں رہسکتا

(۴) جس معاملہ میں مشورہ طلب کیا جاتا ہے۔ اس کو کھول کر اور واضح کرکے بیان کرے تاکہ مشیر کو اس کے تمام جوانب پر نظر کرکے رائے قائم کرنے کا موقع ملے۔ اگر معاملہ کو مبہم ومجمل بیان کیا گیا۔ یا بعض واقعات کو یا اپنے خیال وغرض اور مقصود کو مخفی رکھا گیا تو مشیر ہرگز صحیح رائے نہیں دیسکتا۔ اور اس وجہ سے جو نقصان پہونچے گا اس کا ذمہ دار خود مستشیر ہوگا مشیر ہرگز قابل ملامت وطعن نہوگا۔

(۵) مستشیر کو چاہئے کہ مشیروں کی رائے اور اُن کی وجوہ استدلال کو خود بھی غور سے سُنے

اور سمجھے تاکہ مشورہ جس طرح بوجہ مشورہ کرنے کے استبداد رائے کی آفات سے محفوظ رہا ہے ایسے ہی بے سمجھے بوجھے دوسروں کی رائے کا اتباع کرنے کی تقلید اعمیٰ اور تعویض سے بچ جائے جب وہ تمام پہلوؤں اور ان کے وجوہ پر غور کریگا تو خود بھی صحیح نتیجہ پر پہونچے گا۔ اور اس کو اپنے مشیروں کی عقول و تجربہ کاری۔ نصح و ہمدردی و دخیر الوقتی کا بھی پورا اندازہ ہو جائیگا۔ اور اس کو یہ واضح ہو جائے گا کہ میری عقل ان معاملات میں کہاں تک چل سکتی ہے سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آیندہ جب اس قسم کی مشکل اور مہم معاملات پیش آئیں گے تو یہ اس وقت اس تجربہ سے بہت کچھ کام لینے کی لائق ہوگا اور اگر اپنے معاملات کو دوسروں کے ہاتھ میں سپرد کرکے بے سوچے سمجھے تقلید کریگا تو ان سب فوائد سے محروم رہے گا۔

(۶) مشاورت میں بحث و مباحثہ کے بعد کوئی رائے قایم ہو جائے اور بعد عمل ثابت ہو کہ یہ رائے غلط اور بجائے مفید ہونے کے مضر تھی تو مستشیر کو لازم ہے کہ ہرگز مشیروں پر طعن و تشنیع نہ کرے کیونکہ مشیر کا کام صرف یہ ہے کہ اپنی عقل و رائے سے ایک طریقہ کو واضح کر دے۔ اس طریقہ کا موصل الی المطلوب ہونا مشیر کے حد ادراک و اختیار سے بالکل خارج ہے۔ اول تو آدمی کتنا ہی صاحب فراست و دانشمند کیوں نہو مگر اس کی عقل محدود ہے۔ تمام اسباب و احتمالات کا احاطہ دشوار اور سخت دشوار ہے۔ اور پھر باوجود تمام اسباب و ذرایع موصلہ قریبہ و بعیدہ کے مجتمع ہونے کی ترتیب نتیجہ خداوند عالم کے اختیار میں ہے۔ اس وجہ سے مشیر ہرگز مستحق ملامت و طعن نہیں ہے۔ اگر ایسی صورتوں میں مشیر مورد لعن و طعن بنائے جائیں گے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ پھر وہ کبھی کسی کو مشورہ دینے کی جرأت نہ کریں گے۔ اور ہمیشہ یہ کہکر الگ ہو جایا کریں گے کہ جو مناسب سمجھو اس پر عمل کرو۔ اور مخلوق مشورہ کی دولت عظمیٰ سے محروم ہو جائیگی جس کا فساد و نقصان ظاہر ہے۔

(۷) مشیر کی گمنامی اور کم وقعتی کو اس کی مشورہ کو رد کرنے کا سبب نہ سمجھنا چاہیے مستشیر کا فرض ہے کہ دانشمندی اور خیرخواہی کی بات اگرچہ کسی گمنام کم وقعت شخص کی زبان سے بھی

سے تو اس کی قدر کرے۔ کیونکہ مشورہ کی غرض اپنا انتفاع ہے۔ اس میں مشیر کے بلند رتبہ یا کم درجہ مشہور و گمنام ہونے کو کچھ دخل نہیں ہے۔

آدمی کو اگر خود عقل و تمیز ہے تو رائے کی صحت و سقم کو خوب پہچان سکتا ہے۔ اگرچہ رائے دینے والا کیسا ہی کیوں نہ ہو۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

النصح خیر ما باع الرجال فلا | تردد علی ناصح نصحا ولا تلم

سب سے اعلیٰ چیز جس کو لوگ فروخت کرتے ہیں نصیحت خیرخواہی | تجھ کو چاہئے کہ کسی ناصح کی نصیحت کو رد نہ کرے اور نہ اس کو ملامت کیجئے

الی النصائح لا تخفی مناھجھا | علی الرجال ذوی الالباب والفھم

نصیحت و خیر خواہی کے طریقے دانشمند | اور زیرک سے مخفی نہیں رہتے

۱۰۔ ان سب مراحل کے بعد جب باہمی مشاورت سے ایک امر منقح ہو جائے معاملہ کے تمام پہلو واضح ہو جائیں۔ ہر ایک صورت کے حسن و قبح پر کافی روشنی پڑ جائے۔ تو اب مستشیر کا فرض ہے کہ طے شدہ اور منقح رائے پر عمل کرنے میں لیت و لعل کو دخل دیکر اجراء و نفاذ میں دیر نہ کرے۔ مشورہ کا حاصل یہی ہو جاتا ہے کہ معاملہ کے جب تمام جوانب پیش نظر ہو جائیں۔ تصویر کے دو رخ بھی سامنے آجائیں جو فرادیٰ فرادیٰ نظروں سے مخفی و مستتر تھے اور جب معاملہ کے تمام پہلو واضح ہو گئے تو مشورہ کے نتیجہ تک اسی وقت پہونچ سکتا ہے جب اس پر عمل بھی کیا جائے ہر ایک تدبیر اور عمل کا ایک وقت ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ مشورہ کے اندر جن پہلوؤں اور جن اسباب و ذرائع اور جن حکم و مصالح کا لحاظ رکھا گیا ہے ان کا وقت نکل جائے۔ عاقل کا کام یہ ہو کہ مشورہ سے جس قدر جلد ممکن ہے فائدہ اٹھائے مستشیر اگر بعد وضوح رائے و استقرار مشورہ خواہ

لہ۔ مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو رائے دینے کا شوق ہوتا ہے اور اگرچہ ان کو محتاج مشورہ سے قبولیت و شکریہ کی توقع نہ ہو جب بھی سبقت کر بیٹھتے ہیں۔ مگر ان کو ایسی حالت میں ان کے مشورہ کو حقیر سمجھکر رد نہ کرنا چاہئے۔ اور نہ اس سبقت پر یا بلا سوچے سمجھے رائے دینے پر ملامت کرنا چاہئے ہاں یہ بھی ضرور نہیں کہ اس رائے پر عمل کیا جاوے یہ خود سوچنے سمجھنے کی بات ہو کہ یہی مشورہ ناصح و ہمدردی ہے یا نہیں۔ اور باوجود نصح کے یہ رائے قابل عمل ہے یا نہیں۔ ۱۲ منہ۔

خواہ تردد میں پڑجائے۔ یا عمل میں تاخیر ہوئی تو وہ خود اپنے لئے ہلاکی و بربادی کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ ایک بادشاہ سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ کی سلطنت کس طرح زائل ہوئی کہا۔

تاخیری عمل الیوم لغد	(آج کا کام کل پر کرنے سے)

ایک شاعر کہتا ہے۔

اذا کنت ذارای فکن ذاعزیمۃ	ولا تک بالترداد للرای مفسدا
جب تو صاحب رائے ہے تو تجھکو صاحب عزم بھی ہونا چاہئے	اور بوجہ تردد کرکے طے شدہ رائے کو فاسد کرنا چاہئے
فانی رایت الریث فی العزم ھجنۃ	وانفاذ ذی الرای العزیمۃ ارشدا
کیونکہ عزم میں ڈھیل دینا عیب و نقصان ہے	اور رائے کا نافذ و جاری کرنا رستہ و بھلائی ہے

حاصل یہ ہے کہ مشورہ کے برکات سے جب ہی مستفید اور منتفع ہو سکتا ہے جب کہ عزم راسخ و ہمت قوی سے اُس کا اجراء و نفاذ بھی کرے۔ اگر بعد وضوح رائے شکوک شبہات اور احتمالات بعیدہ نکالنے کے تخیلات میں پڑ جائے یا عمل میں تاخیر و تسویق کرے تو ہرگز اُس کی برکات سے متمتع نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ شخص اُس حالت سے زیادہ نفرین کے قابل ہوگا۔ جیسا کہ بلا مشورہ کام کر بیٹھتا۔ کیونکہ اُس حالت میں نفرین کی وجہ صرف یہی تھی کہ اُس نے اپنی رائے کو قابل اعتماد اور وثوق سمجھا۔ اور تبادلہ آراء کے وقت رائے کے ثمرات سے محروم رہا۔ اور یہ ایک درجہ عدم علم کا ہے۔ جس میں آدمی کسی وقت معذور بھی سمجھا جاتا ہے۔

اور اس حالت میں چند وجوہ سے قابل سرزنش ہے۔ اول تو اس وجہ سے کہ باوجود علم اور انکشاف کے تردد و شک میں پڑا۔ جو ایک قسم کا جمود و ذلکا ہے۔ دوسرے اس وجہ سے کہ اُس نے عزیمت و ہمت سے کام لیکر فی الفور مشورہ کے ثمرات سے نفع نہ اٹھایا۔ ممکن ہے کہ جس مناسبت سے مشورہ طے ہوا ہے اُس کا وقت نکل جائے تیسرے یہ کہ آج کے کام کو کل پر رکھنے سے اپنی کاہلی سستی اور تغافل کا ثبوت دیا جو فی نفسہ مستقلاً

مہلک مرض ہے۔

مشیر کے فرائض وآداب

(۱) مشورہ کا اہل وہی شخص ہوسکتا ہے جس کے اندر مذکورہ اوصاف مذکورہ پائے جائیں۔ مشیر کا پہلا فرض یہ ہے۔ کہ وہ اپنے درجہ اور قابلیت کو سمجھے۔ اگر وہ اوصاف اُس میں نہیں ہیں جن کا وجود مشیر کے لئے لازم ہے تو اُس کو چاہئے کہ اس بار امانت کے تحمل سے فوراً انکار کردے۔ کیونکہ دو ہی حالتیں ہیں یا تو یہ کہ وہ اپنے متصف باوصاف نہونے کو سمجھتا ہے۔ اور باوجود سمجھنے کے خواہ مخواہ پھر دوسرے کا بار اپنی گردن پر اُٹھاتا ہے۔ یا نہیں سمجھتا پہلی صورت میں تو وہ دغاباز۔ حیلہ ساز۔ مکار۔ اور فریبی سمجھا جائے گا مستشیر کا تو "جبکہ اس نے اپنے علم وخیال کے موافق اُس کو اہل مشورہ سمجھکر معاملہ کو اُس کے سپرد کیا ہے" کچھ قصور نہیں۔ اب جو کچھ الزام یا قصور ہے وہ صرف مشیر کی گردن پر ہے۔ اور دوسری صورت میں اُس کا جہل جہل مرکب ہوگا۔ کہ اپنے جاہل ہونے کو بھی نہیں سمجھتا۔ غرض مشیر کے ذمہ واجب ہے کہ جب کوئی شخص اپنے معاملات کی باگ اُس کے ہاتھ میں دیکر خود سبکدوش بنتا ہے تو وہ اپنی حالت کا اندازہ کرے کہ آیا مجھ میں وہ اوصاف موجود ہیں جو عموماً مشیر کے لئے شرط ہیں۔ یا باوجود اوصاف مذکورہ موجود ہونے کے خاص اِس معاملہ میں جو پیش کیا گیا ہے رائے دینے کے قابل ہوں اور پھر اگر اپنے آپ کو مشورہ دینے کے قابل سمجھے تو اس بار کو اُٹھائے ورنہ انکار کردے۔

(۲) جبکہ مستشیر نے اپنے تمام امور کی باگ مشیر کے ہاتھ میں دیدی اور اپنی نجاح و فلاح خیبت وخسران کا مدار اُس کی رائے ومشورہ پر رکھا۔ تو مشیر کا فرض ہے کہ اپنی ممکن کوشش تنقیح رائے وتوضیح طریق میں صرف کرے۔ اور جو رائے اُس کے نزدیک اصوب وانسب معلوم ہو۔ اُس کو اخلاص نیت۔ صفائی طینت کے ساتھ مشیر کے سامنے ظاہر کرے اور ممکن سے ممکن طریقہ سے اُس کی ہمدردی ودلسوزی کو اپنا فرض سمجھے۔

یہ نہایت صریح ظلم ہے کہ ایک شخص اُس پر اعتماد کرتا ہے اور وہ سرسری غور و فکر سے اسکو مشورہ دیکر ورطۂ ہلاکت میں ڈالتا ہے۔ اور خود اس نعمت عظمیٰ کے شکر سے کہ مخلوق اُس کو اس قابل سمجھتی ہے کہ مشکلات کے وقت اُن کی عقدہ کشائی کرے۔ محروم رہکر اپنے نفس کو مستوجب سلب نعمت بناتا ہے۔ اور یہ اُس سے بڑھکر ظلم و ناراستی نفس و کمینہ پن ہے کہ مشورہ میں اس کی خیرخواہی کو مدنظر نہ رکھکر ایسے امر کا مشورہ دے جو صریحاً اس کے نزدیک بھی مضر ہے جس سے مستشیر کی تمام امیدیں پامال اُمنگیں پژمردہ ، اور تمام خیالات ملیامیٹ ہوتے ہیں۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

ان من حق المسلم علی المسلم اذا استنصحه ان ینصحه۔	منجملہ اُن حقوق کے جو ایک مسلمان کے دوسرے پر ہیں ایک یہ بھی ہے کہ جب وہ تجھ سے طالب نصح ہمدردی ہو تو اُس کی خیرخواہی کرے۔

یہ مضمون تو خاص مسلم کے ساتھ ہمدردی و خیرخواہی کا ہے۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ غیر مسلم کے ساتھ ہمدردی ضروری نہیں۔ یا اُس کو خلاف دیانت مشورہ دینا جائز ہے۔ دوسری حدیث اپنے مفہوم میں عام ہے۔ کہ مشیر پر ہر مستشیر کی خیرخواہی واجب ہے خواہ وہ مسلم ہو یا کافر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

المستشار مؤتمن	جس سے مشورہ کیا جاتا ہے وہ امین بنایا گیا ہے۔

اس کا حاصل یہی ہے کہ جس سے مشورہ طلب کیا جاتا ہے وہ امین بنایا گیا جس طرح امین کو امانت میں خیانت جائز نہیں ہے اُسی طرح مستشار کو مشورہ میں خیانت حرام ہے۔ اُس کے ذمہ واجب ہے کہ جو امر اُس کے خیال میں بہتر سے بہتر ہے اس کا مشورہ دے۔ اور اگر اس معاملہ سے اس کی غرض بھی متعلق ہے۔ اور صاف و صریح مشورہ دینے میں اُس کو اپنی مضرت اور فوات مقصود کا اندیشہ ہے تب بھی اس کے ذمہ یہی واجب ہے کہ اپنے منافع کا خیال نہ کرکے صحیح مشورہ دینے میں کوتاہی نہ کرے اور ایسا کرنا اُس کی

کمال دینداری۔ تقویٰ اور انسانیت کی دلیل۔ اور اس کی ایثار نفسی اور حوصلہ مندی کا ثبوت ہوگا۔ لیکن اگر اُس کی اخلاقی کمزوری اس کی اجازت نہیں دیتی اور وہ اپنے منافع کو ضائع کرنا کسی طرح گوارا نہیں کرسکتا تو ایسے شخص کو چاہئے کہ اول ہی وہلہ میں مشورہ دینے سے انکار کردے۔ تاکہ مستشیر اس پر مطمئن نہ رہے۔ اور کسی دوسرے سے مشورہ کرے اسی مضمون کو سلیمان ابن درید نے اس طرح ادا کیا ہے ؎

واجب اخاك اذا استشارك ناصحًا	جب تیرا کوئی بھائی طالب ہمدردی ہوکر تجھ سے مشورہ
وعلى اخيك نصيحة لا ترد د	کرے تو تجھ کو مشورہ دینا ضروری ہے۔

لیکن اس کے ساتھ حدیث ثالث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جب مستشار امین ہے اور اس وجہ سے مشورہ میں خیانت یا ہمدردی میں کوتاہی ناجائز ہے تو مقتضا اس امانت کا یہ ہے کہ اس مشورہ کا افشا، اور اظہار بھی نہ کرے۔ تاوقتیکہ خود مستشیر کی جانب سے اس کی اجازت نہو۔ یا اس کے علم ویقین کے موافق اس کا اظہار مضر نہو۔ ورنہ اس کا افشاء و اظہار بھی خیانت و بدعہدی میں داخل ہوگا۔ اور یہ شخص مرتکب معصیت کبیرہ کا ہوگا۔

رہی یہ بات کہ جب مستشار امین ہوا اور اس کے ذمہ ہر مستشیر کی خیر خواہی واجب ہے خواہ مسلم ہو یا کافر۔ تو پھر حدیث اول میں مسلم کی تخصیص کیوں اور کیسے ہے۔ اگر یہ عام انسانیت کا حق ہے تو پھر مسلم کی تخصیص کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

جواب اس کا یہ ہے کہ ایک حق عام ہوتا ہے۔ اور ایک خاص۔ اور یہ عموم اور خصوص تعلقات کے عموم وخصوص پر متفرع ہے۔ حدیث ثانی میں عام تعلقات کی بنا پر عام حق کو بیان کیا گیا ہے۔ اور حدیث اول میں علاوہ تعلق انسانیت کے خاص تعلق اسلام کا لحاظ رکھکر اُس کو خصوصیت کے ساتھ بطور تاکید ارشاد فرمایا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ عام تعلقات انسانی کی حالت میں درصورت عدم نصح جس قدر مواخذہ ہوگا اُس سے بدرجہا زائد خاص تعلق اسلامی کی حالت میں عدم نصح وہمدردی میں ہوگا اور پھر خصوصیت

تعلقات اسلامیہ ہی کی حد پر منتہی نہیں ہوتے۔ اسلام کے بعد اور بھی خصوصیات ہیں جو ہمدردی کے وجوب و تاکد کو اسی طرح بڑھاتے چلے جاتے ہیں۔ مثلاً والدین کا تعلق، اساتذہ کا تعلق، محلہ کا تعلق وغیرہ وغیرہ۔ غرض جتنی مقتضاء ہمدردی و دلسوزی بڑھتی جائیں گی اتنا ہی درصورت عدم مواخذہ بڑھتا جائے گا۔ لیکن باایں ہمہ عام تعلق کی حالت میں جو ہمدردی اُس پر واجب ہے اس میں کمی نہ ہوگی۔ وہ بحال خود باقی رہیگی۔

(۳) جب کسی شخص کا عقل و تجربہ تسلیم کرلیا جاتا اور لوگ عموماً اس کی اصابت رائے کے قائل ہو کر اس پر اطمینان کرنے لگتے اور ہر معاملہ کی باگ اس کے سپرد کرنے کو اپنا فریضہ سمجھنے لگتے ہیں تو حسب تقاضا فطرۃ انسانی اکثر و بیشتر ایسے افراد میں ایک قسم کا عجب و غرور پیدا ہو جاتا ہے و کہنے لگتے ہیں کہ ہمارے مونہہ سے جو بات نکلتی ہے درست ہوتی ہے۔ اور جو مشورہ دیتے ہیں بالکل مطابق واقع ہوتا ہے۔ اس مرض کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ اول تو یہ شخص غور و فکر کو اپنے لئے ننگ و عار سمجھنے لگتا ہے۔ اور بلا سوچے سمجھے مشورہ دینے کو کافی خیال کرلیتا ہے۔ دوسرے تمام دنیا کے آراء کو اپنے مقابلہ میں ہیچ اور ناقابل التفات سمجھتا اور اپنے خلاف رائے کو حقیر اور دوسروں کو نادان و ناتجربہ کار جانتا ہے۔ یہ حالت بیچ پوچھئے تو اس کو اوج عزت سے قعر ذلت میں گرا دینے والی ہے اور یہ اس سے بھی زیادہ مضر ہے کہ آدمی خود رائے اور باستقلال سے بلا مشورہ کام کر بیٹھے۔ کیونکہ یہ شخص اپنے معاملہ میں غور و فکر تو بخوبی کرلیتا ہے۔ اور مشیر اس حالت میں ہونے کی وجہ اول تو خود رائے اور مستبد بنگیا۔ دوسرے اپنی سرسری رائے کو بھی قابل وثوق و اعتماد سمجھنے کی وجہ سے تمام پہلوؤں کا خیال نہ کیا۔

جب مشیر کی حالت یہ ہو تو مستشیر کا تو فرض ہے کہ ایسے شخص سے نہ مشورہ کرے اور نہ اُس کو قابل اعتماد سمجھے۔ اور اگر مستشیر اس کے مرض پر مطلع نہ ہونے یا کسی اور وجہ سے اس پر اعتماد کر بیٹھا تو مشیر پر لازم ہے کہ اپنے اس مرض کا ازالہ کر کے مشورہ دینے پر آمادہ ہو۔ اور اگر ایسا نہیں کرسکتا تو اس کے ذمہ ضروری ہے کہ مشورہ دینے سے انکار کردے یا کم از کم اتنا

ہے کہ کسی دوسرے سے بھی مشورہ کر لیا جائے۔ ورنہ اس مشورہ کے جو نتیجے ظاہر ہوں گے ان کا جوابدہ۔ وذمہ دار مشیر ہوگا۔ اور مستشیر نے انتخاب میں کتاہی کی ہے وہ بھی اس ذمہ داری میں حصہ دار رہیگا۔

(۴) مشیر کو یہ بھی مناسب ہو کہ مشورہ دینے میں سبقت نکرے۔ یعنی جب تک کہ اُس سے مشورہ طلب نکیا جائے خود اقدام کر کے مشورہ نہ دے۔ اس صورت میں چند نقصان ہیں۔ اس کی رائے بے وقعت معلوم ہوگی۔ اس طرح بلادریافت مشورہ دینے میں متہم سمجھا جائیگا۔ خیال کیا جائیگا کہ اُس کی کوئی ذاتی غرض اس سے متعلق ہے۔ اس لئے تا وقتیکہ مستشیر کی جانب سے رغبت طلب اور اظہار اعتماد نہو زبان نہ ہلائے۔

طرفہ کتا ہے ؎

ولا ترفدن النصح من لیس اهله	نااہل کے لئے اپنی ہمدردی ترجیح مت کر۔
ولکن حیث سیتغنی برایك غانیا	جو شخص تیری رائے سے استغنا کرے تو بھی اسی سے بے پروا
وان امرأ یوما تولی برایه	اور اگر کوئی شخص اپنی رائے کا خود متولی بنے تو اس کو اُس
فدعه یصیب الرشد او یك غاویا	حال پر چھوڑ دے خواہ ہدایت پائے یا گمراہ رہے۔

حضرت حذیفہ ابن الیمان روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا۔

قال لقمان لابنه یا بنی اذا استشهدت	لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ جب تم سے شہادت
فاشهد و اذا استعنت فاعن	طلب کی جائے تو شہادت دو۔ اور جب کوئی امداد چاہیے
واذا استشرت فلا تعجل	کرو۔ اور جب کوئی طالب مشورہ ہو تو بلا غور و فکر جلدی
حتی تنظر۔	مشورہ نہ دو۔

بیس کلابی اسی مضمون کو اس طرح ادا کرتا ہے ؎

من الناس من ان یستشیر فتجهد	بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ جب وہ طالب مشورہ ہو

له الرأى يستغشه فلا تتابعه	اور تو جیسے حق کو رائے دے اگر تو نے اُن کی رائے موافق نہ دی تو بیشک تو اُن کی موافقت نہ کرنے کو بہتر سمجھتے ہیں ۔
فلا تمحض بالرأى من ليس اهله فلا انت محمود ولا الرأى نافعه	ایسی حالت میں نااہلوں کے سامنے اظہار رائے مت کر کیونکہ نہ تو قابل شکر گزاری ہوگا اور نہ رائے نافع ہوگی

البتہ اگر مشیر یہ سمجھے کہ کوئی شخص غلط راہ چلنے سے ہلاکی میں مبتلا ہوا چاہتا ہے اور اس کو یقین ہے کہ اگر میں نے سکوت کیا تو وہ تباہ و برباد ہو جائیگا تو اس وقت اُس کو خود بڑھکر اظہار رائے کرنا اور صحیح راستہ بتلانا نہایت ضروری ہو جاتا ہے ۔ خواہ وہ اُس کو بے وقعت سمجھے اور اُس کی رائے کو نظر انداز کر دے یا اُس پر عمل کرے ۔

وگر بینی کہ نابینا و چاہ است
اگر خاموش بنشینی گناہ است

یہ ایسی ہی بات ہے کہ ولایت و حکومت کی خواہش کرنا ممنوع اور مذموم ہے لیکن اگر کسی حالت خاص میں اُس کو یقین ہو جائے کہ موجودہ حالت کی اصلاح اسی طرح ہو سکتی ہے کہ حکومت کی باگ میرے ہاتھ میں ہو تو ایسے وقت اُس کو طلب حکومت جائز ہے ۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اسی بنا پر فرعون سے فرمایا تھا ۔ اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم ۔

(۵) مشیر کو یہ بھی مناسب ہے کہ جب ایک جماعت مشورہ کے لئے جمع ہو تو یہ شخص اپنی رائے کے اظہار میں پیش قدمی نہ کرے ۔ بلکہ اوّل اپنے سے زیادہ تجربہ کار اور عقلاء کو موقع دے ۔ تاکہ دوسروں کی رائے سن کر اس کو بھی بہتر رائے قائم کرنے کا موقع ملے ۔ معاملے کے پہلو گفتگو کے بعد واضح ہوتے ہیں ۔ اور آدمی علم کے بعد گفتگو کرے اس سے بہتر ہے کہ ظن و تخمین معلومات پر اظہار رائے کر دے جس کا انجام سوائے ندامت و خجالت یا رائے کے کمزور و ناقابل عمل ہونے کے کچھ نہیں ہے ۔

ابن ہبیرہ نے اپنی اولاد کو وصیت کی اور کہا۔

(۵) سکوت اول مشیر ۔ | تو سب سے پہلے مشیر ہوں۔

لیکن یہ امر اتفاقی ہے۔ اگر اُس کو ایسا موقع ملجائے تو اُس کے لئے بہتر ہو۔ اور اگر سارے مشیر اسی انتظار میں سکوت کئے بیٹھے رہیں تو ظاہر ہے کہ غرض مشورہ فوت ہو جانے سے مستشیر کا نقصان عظیم اور مشیروں کے لئے سخت مذموم ہو۔ ایسی حالت میں سکوت نکرنا چاہئے۔

(۶) مشیر کو چاہئے کہ ایسے شخص کو مشورہ دینے سے بچے جس کی نسبت اُس کو یقین ہو کہ کسی مشورہ کو نہیں مانتا۔ اُس کی غرض محض امتحان ہوتی ہو۔ ایسے شخص کو مشورہ دینا ہرگز مفید نہیں ہے اور اپنے لئے موجب ندامت و خجالت ہو۔ ابن ہبیرہ نے جو نصائح اپنی اولاد کو کیں اس میں یہ بھی ہے۔

ولاتشر علی مستبدٍ فان التماس موافقته لوم والاستماع منه خیانة ۔	(کسی خود رائے اور مستقل الرائے کو مشورہ نہ دینا چاہئے کیوں کہ ایسے شخص سے موافقت کرنا ذِلت ہے اور اس کی بات سننا خیانت میں داخل ہے ۔

مشاورت کے طریقے اور اس کے آداب | مشورہ کی کل دو ہی صورتیں ہیں کسی ایک شخص قابل اعتماد کے سامنے اپنے معاملہ کو پیش کر کے طالب رائے ہو۔ یا یہ کہ جماعتِ عقلا ارباب فہم و دانش کے سامنے کسی مبہم و مشکل معاملہ کو بغرض تنقیح رائے پیش کیا جائے۔ صورت اول میں تو صرف اتنی ہی بات کافی ہے کہ مشیر اپنی رائے و فہم کی موافق ہمدردی اور دلسوزی سے رائے ظاہر کر دے البتہ صورت ثانیہ میں جبکہ مشیروں کی ایک جماعت سے تبادلہ آرا و خیالات کیا جائے اور ایک امر بغرض مشورہ جماعت کے سامنے پیش کیا جائے چند امور قابل بحث و تفتیش ہیں۔

(۱) اظہار کا طریقہ کیا ہونا چاہئے۔

(۲) درصورت اختلاف آرا مشیروں کا فرض کیا ہے۔

(۳) آیا اس جماعت سے ایک مجلس میں جمع کر کے مشورہ کرنا بہتر ہے یا ہر ایک سے جداگانہ

اوّل امر کی توضیح یہ ہے کہ جب کوئی معاملہ ایک جماعت عقلاء و مدبرین کے سامنے پیش کیا جاتا ہے تو ان میں سے ہر شخص کے ذمہ ضروری ہے کہ اپنی رائے آزادانہ بلا رو رعایت بلا خوف لومۃ لائم ظاہر کرے۔ یہ خیال نہ کرے کہ میری رائے کسی کے منشا کے خلاف ہونیکی صورت میں انگشت نما ہو سکتا ہوں۔ یا یہ کہ میری رائے کا ضعف ظاہر ہونے میں لوگ مجھے حقیر اور میری رائے کو ناقابل اعتماد سمجھیں گے۔ یا مجھ پر سے اعتماد اُٹھ جائیگا۔ اور میری نسبت جو عقل و تجربہ ہوشمندی و برتر کا خیال قلوب میں راسخ ہے زائل ہو جائیگا۔ کیونکہ ان خیالات کا پابند ہونا اظہار رائے میں سکوت کرنا۔ یا کسی ایک جماعت کی رعایت کر کے آزادی کے ساتھ اپنی کامل اور محقق رائے کو ظاہر نہ کرنا ایک درجہ کی خیانت میں داخل ہے جس سے احتراز رکھنا مشیر کے اولین فرائض میں سے ہے۔ دوسرے یہ کہ مشاورت اس غرض کے لئے ہوتی ہے کہ معاملہ کے سب پہلو اور تدبیر کے سب طریقے معین و مشخص ہو جائیں۔ اور یہ جبھی ممکن ہے کہ ہر شخص اپنے خیال کو بلا تکلف آزادی کے ساتھ ظاہر کر دے۔ اس غرض کے لئے نہیں ہوتی کہ ہر شخص کی رائے کا اتباع کیا جائے۔

کبھی اظہار رائے سے یہ امر بھی مانع ہو جاتا ہے کہ مجلس شوریٰ میں چھوٹے بڑے طبقہ کے آدمی جمع ہوتے ہیں مثلاً استاد و شاگرد۔ پیر۔ مرید۔ باپ بیٹا۔ علیٰ ہذا عقل، تجربہ، عمر وغیرہ کے اعتبار سے طبقات و مدارج کا فرق ہوتا ہے لیکن جب کوئی شخص قابل اعتماد سمجھ کر اس مجلس کا امین بنا لیا تو اس کے ذمہ ضروری ہے کہ آداب مجلس و اہل مجلس کو ملحوظ رکھکر پوری طرح اظہار رائے کرے ورنہ وہ خائن و بددیانت سمجھا جائیگا۔

اور جس طرح کہ مجلس مشاورت میں اپنی رائے کا اظہار آزادی و مطلق العنانی کے ساتھ ضروری ہے اسی طرح دوسروں کی رائے اور اُن کی دلائل کو بغور سننا بھی اس کے ذمہ لازم ہے۔ اوّل تو یہ امر آداب مجلس میں داخل ہے کہ جب کوئی دوسرا کلام کرے تو یہ شخص ہمہ تن گوش ہو کر اس کی بات سُنے یہ بات کہ آدمی خود کلام کرے تو دوسروں سے توجہ تام کان لگانیکا متوقع

سبب ہے اور دوسرا کلام کرے تو خود متوجہ ہو آداب مجلس بلکہ تقاضائے انسانیت سے ہے کہ خود اپنے جی اور قیاس کرے کہ اُس کی گفتگو کے وقت دوسرا متوجہ نہ ہو تو اُس پر یہ کس قدر گراں گزرتا ہے اس کو کلام کا پورا کرنا کتنا دشوار ہو جاتا ہے۔ سننے والے کی بے توجہی گفتگو زائل ہو جاتی ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔[1]

لجلیسی علی ثلاث ان ارمقه بطرفی اذا اقبل وان اوسع له اذا جلس واصغی الیه اذا حدث۔	ہمنشین کے تین حق مجھ پر ہیں جب وہ سامنے ہو تو میری نگاہ اس کی طرف لگی رہے۔ جب بیٹھے تو اُس کے لیے جگہ چھوڑ دوں۔ جب وہ گفتگو کرے تو کان لگاؤں۔

حکماء کا قول ہے۔[2]

راس الادب کله الفهم والتفهم والاصغاء للمتکلم۔	ادب کا راس یہ ہے کہ خود صاحب فہم ہو۔ دوسرے سے سمجھنے کی کوشش کرے گفتگو کرنے والے کے سامنے کان لگائے۔

امام شعبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک قوم کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا۔[3]

ما رأیت مثلهم اشد تناوبا فی مجلس ولا احسن فهما من محدث۔	میں نے ان لوگوں سے زیادہ باری باری مجلس میں گفتگو کرتے۔ اور گفتگو کرنے والے کی بات کو سمجھتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا۔

اسی طرح عبدالملک بن مروان خلیفہ مروانی کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا۔[4]

واللہ ما علمته الا اخذ ابثلاث	خدا کی قسم تیرے علم میں وہ تین باتوں کو مضبوطی سے

[1] مستطرف جلد اوّل صفحہ ۱۰۹۔ ۱۲
[2] عقد فرید جلد اوّل صفحہ ۱۵۱۔ ۱۲
[3] عقد فرید جلد اول صفحہ ۱۵۱۔ ۱۲
[4] عقد فرید جلد اول صفحہ ۱۴۲۔ ۱۲

تاركا لثلاث اخذ بحسن الحديث اذا حدث وحسن الاستماع اذا حُدِّث وبايسر المؤنة اذا خولف تاركا للمباوبة اللئيم ومماراة السفيه ومنازعة اللجوج -

تھا نے والا۔ اور تین امور کا تارک تھا جب کسی سے بات کرتا تو نہایت لطافت وخوبی سے کرتا۔ جب کوئی اس سے بات کرتا تو کان لگا کر سنتا جب کوئی اس کے خلاف کرتا تو سہل سے سہل تنبیہ اس کو کرتا۔ وہ کم ظرف لوگوں کے سوال وجواب کم عقلوں کے ساتھ مخاصمانہ بات کرنے سے ہٹتی اور لجاجت کرنے والوں کے ساتھ جھگڑنے سے پرہیز کرتا تھا۔

بعض حکماء نے اپنے فرزند کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا۔

يا بنى تعلم حسن الاستماع كما تتعلم الحديث وليعلم الناس انك احرص على ان تسمع منك على ان تقول -

بیٹا تم کو اچھی طرح سننا بھی اسی طرح سیکھنا چاہئے جیسے اچھی طرح بات کرنا۔ لوگ یہ سمجھیں کہ تم کو اپنے بولنے سے دوسروں کے سننے کا زیادہ شوق ہے۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں۔

حدثوا الناس ما اقبلوا بوجوهكم

لوگوں سے اس وقت تک گفتگو کرو جب تک وہ تمہاری طرف متوجہ رہیں۔

اہل علم وحکمت کے ان کلمات میں سے جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں یہ بھی ہیں۔

من حسن الادب ان لا تغالب

حسن ادب میں یہ بھی ہے کہ کسی کی گفتگو پر اپنے غالب

؎ عقد فرید جلد اول صفحہ ۱۹۴ - ۱۲

؎ عقد فرید جلد اول صفحہ ۱۹۴ - ۱۲

؎ عقد فرید جلد اول صفحہ ۱۹ - ۱۲

اصلا على كلامه واذا سئل غيرك فلا تجب عنه واذا حدث بحديث فلا تنازعه اياه ولا تقتحم عليه فيه ولا تره انك تعلمه واذا كلمت صاحبك فاخذته حجتك فحسن مخرج ذلك عليه ولا تظهر الظفر به و تعلم حسن الاستماع كما تتعلم حسن الكلام

آنے کی کوشش کرے۔ اور جب کسی دوسرے سے پوچھا جائے تو خود مجیب نہ بننا چاہئے اور جب کوئی بات بیان کرے تو درمیان میں بحث و تکرار نہ کرے اور نہ اس میں دخل دے۔ اور نہ اس کو یہ جتلائے کہ ہمیں پہلے سے معلوم ہے۔ اور اگر گفتگو میں تو غالب آ جائے تو اپنے دوست کی بات بنانے کی کوشش کرے۔ اس پر خندہ و فتحمندی کا اظہار نہ کرے بلکہ بات کا اچھی طرح کان لگا کر سننا بھی ایسے ہی سیکھنا چاہئے جیسے اچھی طرح بات کرنا۔

جب آداب مجلس میں یہ امر داخل ہے تو اس کا بے توجہی سے سننا خلاف تہذیب خلاف آداب مجلس خلاف انسانیت ہوگا۔

دوسرے یہ کہ جب وہ اوروں کی رایوں کی طرف توجہ و التفات نہ کریگا تو علاوہ اس کے کہ اس سے اس کا اپنا عجب اور رائے کی ایسی وقعت ظاہر ہوتی ہے کہ دوسروں کی رائے کو قابل التفات بھی نہیں سمجھتا۔ بڑی مضرت یہ ہوگی کہ متکلم کا نشاط جاتا رہیگا اور جس طرح روانی اور آزادی سے وہ اظہار رائے کرتا تھا اس سے رک جائیگا۔ اور جب ممبران مجلس کی طرف سے اظہار رائے پوری طرح نہوا تو مشورہ ناقص اور مجلس مشاورت ناکام ہوئی۔ اور اس نقصان مشورہ اور غیر کامیابی مجلس کا بوجھ اس شخص کی گردن پر رکھا۔ اور یہ اس نصح و ہمدردی کے بالکل خلاف ہے جو مشیر کے ذمہ واجب تھی۔

تیسرے یہ کہ متکلم کے کلام میں بہت سے فوائد ایسے ہوتے ہیں جن کی طرف اس کا ذہن منتقل نہیں ہوتا ممکن ہے کہ معاملہ کے بعض پہلو اس سے مخفی و مستتر رہے ہوں اور بعض

ابھی تک اس کی نظر نہ پہونچی ہو۔ اگر یہ شخص دوسرے کے کلام کو توجہ تام اور میلان قلب کیساتھ نہ سنے گا تو خود بہت سے فوائد و نکات سے محروم رہیگا جس کا نقصان اُسکی ذات کو پہونچیگا۔ اور وہ اس زیور فضل وکمال سے محروم رہیگا۔ جو بہت سے تجربوں کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ خداوند عالم جل مجدہٗ نے مومنین کے اس وصف خاص کی مدح اپنے کلام پاک میں اس طرح فرمائی۔

اَلَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ	وہ لوگ کہ سنتے ہیں قول کو پس اتباع کرتے ہیں اس میں سے بہتر کا۔

غرض بوجوہات مذکورہ بالا مشیر کے ذمہ ضروری ہے کہ باقی ممبران مجلس شوریٰ کے کلام غور و توجہ سے سنے ایسا نہو کہ اپنی رائے پر کامل اعتماد کرکے دوسروں کی رائے کو باطل و حقیر سمجھے۔

امر دوم کا بیان یہ ہے کہ اگر مجلس شوریٰ میں ممبران مجلس کی رائے باہم مختلف ہیں تو کسی ممبر کو اپنی رائے پر اصرار کا حق نہیں ہے۔ ان کا فرض یہ ہے کہ ہر ایک رائے کی دلیل و حجت کو کان دھر کر سنیں اور اپنے دل میں غور کریں تا کہ مفید رائے کا انکشاف ہو جائے اور وہ اس قابل ہو جائیں کہ اختلاف رائے سے کوئی صحیح نتیجہ نکال سکیں اگر ایسا نہو گا بلکہ ہر شخص اپنی رائے کو قابل اعتماد سمجھیگا۔ اور دوسروں کو حقیر تو اُس میں منازعت و مجادلت کی نوبت آئے گی اور تمام اس کا باہمی مخالفت بغض و عداوت کے سوا کچھ نہو گا اور یہ مجلس بجائے مفید ہونے کے سخت مضر ہو جائیگی۔ اختلاف محمود امر ہے معاملہ کے مختلف پہلوؤں پر بغیر اختلاف آراء روشنی نہیں پڑتی۔ مگر اس وقت جبکہ ہر شخص اپنے خلاف رائے کو ٹھنڈے دل سے سنے اور غور کرے اگر اس کے نزدیک وہ رائے صحیح ہے تو اس کے تسلیم کرنے میں خود غرضی کی وجہ سے اختلاف کی کرہی مانع نہ آئے اور غلط ہے تو تہذیب و متانت کے ساتھ اس کے ضعیف اور غیر مفید ہونے کو ظاہر کرے۔ اگر ایسا کریگا تو مشاورت کے بار امانت سے سبکدوش ہو گا

اور وہ بجائے امین ہونے کے خائن و بددیانت سمجھا جائیگا۔

امر سوم کی تفصیل یہ ہے کہ کسی معاملہ میں ایک جماعت سے مشورہ کرنا ہے تو ہر ایک سے جُدا جُدا مشورہ کرے۔ یا ان کو ایک جا جمع کرکے معاملہ کو پیش کرے اور رائے لے۔

ہر ایک صورت میں بعض منافع خاص ہیں اور بعض مضرتیں۔ جدا جدا رائے لینے میں یہ نفع ضرور ہے کہ ہر شخص تنہائی میں خوب سوچ سمجھکر رائے قائم کریگا۔ اس کو موقع ملیگا کہ طبیعت کو یکسو کرکے معاملہ کے تمام پہلوؤں پر گہری نظر ڈالے۔ اور بات کی تہ کو پہونچ سکے کیونکہ اس حالت میں صرف اسی کے اوپر اس کا بار ہے۔ اس کو یہ خیال ہو سکتا ہے کہ اصابت رائے اور فوز مرام کا سہرا میرے ہی سر بندھے تو اچھا ہے۔ اور خلوت و فراغ قلب کی حالت میں آدمی جس قدر تدبر و تفکر سے کام لے سکتا ہے۔ ہجوم و اجتماع کے وقت نہیں لے سکتا۔ اور پھر بلا کسی قسم کی رعایت یا رعب مجلس یا لحاظ اہل مجلس کے اپنی رائے بے تکلف ظاہر کردیگا

لیکن اس میں یہ نقصان بھی بڑا ہے کہ اجتماع کے بعد بحث و مباحثہ سے جتنے پہلو واضح ہو سکتے ہیں وہ اس صورت میں نہیں ہو سکتے۔ علاوہ اس کے مختلف آراء میں سے صحیح نتیجہ نکالنا اور ایک مسئلہ کو قابل عمل قرار دیکر باقی آراء کو متروک و ناقابل عمل سمجھنا صرف شخص واحد یعنی مستشیر کا کام ہوگا۔ جو تنہا ہرگز اس اہم ذمہ داری کا متحمل نہیں قرار دیا جاسکتا اور اگر ایک ہی شخص کو اس اہم ذمہ داری کے لئے کافی سمجھ لیا جائے گا تو اس کا نقصان بھی قریب قریب اسی کے ہوگا جیسا کہ وہ تنہا مستقل و مستبد ہو کر عمل کرتا۔

اور جمع کرکے مشورہ کرنے میں فائدہ خاص تو یہ ہے کہ معاملہ کے تمام پہلو واضح ہو جاتے ہیں۔ مضر و مفید جوانب کی خوب تنقیح ہو جاتی ہے۔ لیکن مجلس میں اول تو ہر شخص کی طبیعت پر بوجھ نہیں پڑتا اجتماع و اختلاط اور غوغاء مجلس تشتت خیالات و پریشانی قلب کے سبب بن جاتے ہیں۔ اور یہ سمجھکر کہ بہت سے مشیر جمع ہیں اس کی ضرورت ہی نہیں سمجھی جاتی کہ خود طبیعت لڑا کر کوئی نتیجہ خیز بات نکالی جائے بلکہ بسا اوقات بہت سے اشخاص دوسروں پر تکیہ کرکے خود بے فکر

اور بعض کو ہمیشہ چاہتے ہیں رائے کے تشخیص و تنقیح میں کچھ دخل نہیں دیتے۔ اور پھر دو صورت ہے نہ تو کہ باہم تحاسد۔ تفاخر۔ مشاجرۃ و مخاصمۃ کا احتمال غالب ہوتا ہے۔ اور یہ بھی بسا اوقات پیش آتا ہو کہ بعض افراد رعب مجلس یا اہل مجلس کی وجہ سے رائے زنی میں آزاد نہیں رہتے خصوصاً جبکہ مجلس میں حاکم و محکوم زانو بزانو جمع ہوں۔ محکوم کو مشکل ہو جاتی ہے کہ حاکم کی رائے سے اتفاق کرے یا اختلاف۔ اس کا ضمیر تو موافقت کی اجازت نہیں دیتا اور ہیبت و خوف مخالفت سے مانع آتے ہیں۔ ایسی حالت میں مشورہ سے کسی مفید نتیجہ کا نکلنا سخت دشوار ہو جاتا ہے۔ بلکہ اہل مجلس میں ایک قسم کا اختلاف پیدا ہو جاتا ہے جس کا اثر نہ صرف اس معاملہ کے ناقص رہ جانے تک محدود رہتا ہے بلکہ اور معاملات تک بھی پہونچتا ہے۔ دونوں صورتوں کے دونوں پہلو نفع و نقصان کو خیال کر کے عقلاء نے کسی ایک جانب کو ترجیح دی ہے۔

اہل فارس تو مشاورۃ کے لئے انعقاد مجلس کو پسند کرتے تھے تاکہ ہر شخص اپنی رائے بے تکلف ظاہر کر دے اور دوسرا اس کے نقصان کے بیان میں تردد سے کام نہ لے اور اس طرح جس جانب جو حسن و خوبی ہے یا جو خلل و نقصان ہے ظاہر ہو جائے۔ اور تمام پہلو مجمع عام میں روشن ہو کر امر صواب منقح ہو جائے۔

اہل فارس کے سوا دوسری قومیں تنہائی و خلوت میں جداگانہ رائے لینے کو پسند کرتے تھے۔ تاکہ ہر شخص اپنی پوری ہمت و قوۃ سے کسی نتیجہ پر پہونچ سکے۔

یہ ظاہر ہے کہ دونوں صورتوں میں سے صورت اول یعنی جداگانہ ہر ہر فرد سے مشورہ لینا باعتبار حصول نفس مقصود مرجح معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ مقصود صرف یہ ہے کہ عقلاء اپنی عقل سلیم اور تجربہ تام کی بدولت حل مشکل کے لئے کوئی راہ نکالیں اور یہ مقصود جداگانہ رائے لینے میں زیادہ حاصل ہوتا ہے۔ مگر چونکہ دونوں صورتیں اگر کوئی خاص نفع لئے ہوئے ہیں تو دوسری جانب نقصان و مضرت سے بھی خالی نہیں۔ اس لئے مطلقاً کسی ایک صورت کو ترجیح دینا یا ہمیشہ موقع پر اسی طریقہ کو قابل عمل و قبول سمجھ لینا بھی کسی طرح صحیح نہیں ہو

مقتضائے دانشمندی نہیں ہے۔ اس لئے امام ابوالحسن ماوردی دونوں صورتوں کو بیان کرکے خود یہ فیصلہ فرماتے ہیں کہ ہم کو سب سے اول یہ دیکھنا چاہیے کہ مشورہ کس بات میں ہے اگر کسی معاملہ میں رائے کے تمام پہلو تو معلوم ہیں۔ لیکن اس کی تنقیح کرنا ہے کہ ان مختلف پہلوؤں میں سے صحیح حق۔ اور موصل الی المطلوب کونسا ہے۔ تب تو بحالت اجتماعی مشورہ کرنا مفید اور نفع ہے۔ کیونکہ ہر ایک شق پر مجمع عام میں رد و قدح ہو کر حسن و قبح ظاہر ہو جائیگا۔ اور اگر معاملہ ایسا مبہم و مشکل ہے کہ اس کے حل کے طریقے ابھی معلوم نہیں ہوئے اور نہ اس کے اندر جتنے احتمالات ہیں وہ سب معین و مشخص۔ تب یہی امر متعین ہے کہ ہر شخص کو جداگانہ غور و فکر اور زور طبیعت لگانے کا موقع دیا جائے بمجمع عام میں یہ بات حاصل نہیں ہوتی۔ غرض کہ تعیین وتشخیص کی صورۃ میں ان کی صحیح و غلط کو جانچنے اور پرکھنے کے لئے تو انعقاد مجلس شوریٰ بہتر اور ذریعہ فوز فلاح ہے۔ اور نفس تعیین رائے اور تنقیح طریقہ حل معاملہ کے لئے خلوۃ میں غور و فکر ہونا انفع و اولیٰ ہے۔

میں کہتا ہوں کہ امام ابوالحسن ماوردی کا یہ فیصلہ حق اور صواب ہے۔ اور اس نے ہم کو طریق مشورہ اور انعقاد مجلس شوریٰ کی ضرورۃ۔ غرض و غایت اور طریقے کے لئے شاہراہ بتلادی ہے۔ اور یہ ایسا فیصلہ ہے جس پر عمل کے بغیر چارہ ہی نہیں۔ اور اس کو چھوڑ کر کسی ایک صورت کو اختیار کرنا نہ خطرہ سے خالی ہے۔ اور نہ صحیح نتیجہ تک پہونچانے کا متکفل و ضامن ہو سکتا ہے۔

مگر اس فیصلہ کی تفصیل بیان کر دینے کی ضرورۃ ہے تاکہ جتنی صورتیں اس کے تحت میں داخل ہو سکتی ہیں سب کا حکم معلوم ہو جائے۔ اور کوئی امر مبہم و مجمل باقی نہ رہے۔ اس لئے ہم فیصلہ مل کو پیش نظر رکھکر ہر ایک شق کو بیان کر دینا چاہتے ہیں۔

معاملات مشورہ طلب دو حال سے خالی نہیں یا مستشیر کو اس کے تمام پہلو معلوم ہیں یا

له ادب الدین والدنیا صفحہ ۱۲۲ - ۱۲

لیکن یہ امر معلوم ہو چکا ہے خواہ اس وجہ سے کہ معاملہ زیادہ واہم اور مشکل نہیں۔ یا مستشیر کے نزدیک کسی ایک عاقل و تجربہ کار کا مشورہ کافی ہے۔ ایک شخص سے مشورہ کرے یا جماعت سے
اس کی چار صورتیں ہیں۔

(۱) رائے کے پہلو معلوم ہیں اور کسی ایک عاقل و مدبر و دانشمند و تجربہ کار۔ قابل اعتماد کی رائے کو کافی سمجھتا ہے۔

(۲) رائے کے تمام پہلو معلوم ہیں۔ اور اس میں جماعت سے مشورہ کرنا چاہتے ہیں۔

(۳) رائے کے پہلو معلوم نہیں۔ بلکہ رائے کے تمام پہلو معلوم کرنے اور کسی ایک رائے کو قابل عمل قرار دینے کے لئے مشورہ کی ضرورت ہے۔ اور ایک شخص قابل اعتماد کی رائے کو کافی سمجھتا ہے۔

(۴) رائے کے تمام احتمالات کو معلوم کرنے اور پھر اس میں سے ایک احتمال کو ترجیح کے لئے جماعت سے مشورہ کی حاجت ہے۔

صورۃ اول میں تنہا اس شخص سے جس کو اہل مشورہ سمجھ لیا گیا ہے۔ تعیین رائے صواب کرنا کافی ہوگا۔ اور صورۃ ثانیہ میں رائے کے مختلف پہلوؤں کو ظاہر کرنے اور پھر ان میں سے کسی ایک پہلو کو قابل عمل قرار دینے کے لئے ایک مشیر کی رائے کافی ہو گی۔ صورۃ ثالثہ میں یعنی جبکہ رائے کے تمام پہلو واضح و منکشف ہو چکے صرف تعیین رائے حق و صواب کے لئے ایک جماعت سے مشورہ کرنا ہے۔ یہی مفید ہے کہ جماعت کے سامنے بحیثیت اجتماعی اس امر کو پیش کیا جائے تاکہ ہر شخص اس میں جس جانب کو پسند کرتا ہے مع دلائل بیان کرے۔ اور دوسرے کو اس پر رد و قدح کا موقع ملے۔ تاکہ بحث و مباحثہ کے بعد ایک جانب قابل عمل قرار دی جا سکے۔ صورۃ رابعہ میں یہ بہتر ہے کہ اول جماعت کے ہر ایک فرد سے تنہا رائے لی جائے تاکہ ہر شخص کو غور و فکر کے بعد رائے قائم کرنے کا موقع ملے۔ اور پھر اس معاملہ کو مجلس شوریٰ میں پیش کر کے تنقیح و تعیین رائے کی جائے۔

اس صورت میں اول تو ہر ایک کی رائے کا موازنہ اور اس کی تنقید کرلی جائیگی جو بھی معلوم ہوجائیگا دوسری جماعت کے سامنے قابل عمل پہلو کی تنقیح بھی ہوجائیگی۔

رہی یہ بات کہ مستشیر کو ایک شخص کی رائے پر اعتماد کرلینا کافی ہے یا نہیں۔ اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ مشورہ کی جس حد تک ضرورت ہے وہ تو ایک اہل اور قابل اعتماد شخص سے مشورہ کرلینے میں پوری ہوجائیگی یہ شخص حکم مشورہ کی تعمیل کرکے بار استبداد سے سبکدوش ہوجائیگا کیونکہ حکم مشورہ میں ایک یا دو کی قید نہیں ہے۔ گر معاملات کی نوعیتیں مختلف ہوتی ہیں بعض معاملات میں ایک کی رائے کافی ہوجاتی ہے۔ اور بعض ایسے مبہم و مشکل ہوتے ہیں کہ تنہا ایک کی رائے کافی نہیں ہوتی۔ مستشیر کو خود اطمینان حاصل نہیں ہوتا۔ وہ بھی سمجھتا ہے کہ میں نے حق مشورہ ادا نہیں کیا۔ اب یہ خود مستشیر کا فرض ہے کہ معاملہ کی نوعیت کا اندازہ کرکے ہر ایک درجہ کے متعلق وہی عمل کرے جو اس کے مناسب ہے اگر ہر معاملہ میں جماعت ہی سے مشورہ لازم و ضروری یا مناسب سمجھا جائے تو انصرام معاملات میں بہت دقت و تنگی پیش آجائے۔

البتہ معاملہ اگر شخصی نہیں بلکہ جمہوری ہے۔ اس کا تعلق عام مخلوق سے ہے۔ تو ایسی حالت میں جماعت سے مشورہ کرنا ضروری یا مناسب ہوگا۔ تنہا ایک کی رائے پر عمل کرنے سے فرض مشورہ کما حقہ ادا نہ ہوگا اس میں اندیشہ مضرت عام اور اتلاف حقوق کا ہے ہاں اگر جماعت ہی کسی ایک اہل و قابل اعتماد کو قائم مقام بنادے تو یہ امر تو دوسرا ہے کہ باعتبار نوعیت معاملہ شخص واحد سے مشورہ کرلینا موجب اطمینان ہے یا نہیں۔ مگر اس صورت میں اتلاف حق نہیں رہیگا۔ اور جب یہ معلوم ہوگیا کہ جس صورت معاملہ میں رائے کے تمام پہلو معلوم نہیں بلکہ اول اس کے پہلو معلوم کرنے اور پھر تنقیح رائے صواب کے لئے جماعت کے مشورہ کی ضرورت ہے تو اس کی صورت یہی ہے کہ اول ہر ایک شخص سے تنہا رائے لی جائے۔ اور پھر مجلس میں جماعت کے سامنے پیش کرکے مختلف آراء میں سے ایک

امر کو منع کیا جائے۔

لیکن اس پر عمل کرنے کے طریقے مختلف ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ ہر ایک شخص سے تحریری رائے حاصل کر لی جائے اور پھر ان تحریری رایوں کو مجلس شوریٰ میں پیش کر دیا جائے۔ دوسرے یہ کہ ہر ایک سے زبانی رائے لے لی جائے اور مجلس شوریٰ میں مستشیر سب رایوں کو بیان کر دے یا ہر شخص خود اپنی اپنی رائے کو بیان کر دے۔ اور اس پر بحث کر لی جائے۔

یہ بات بھی سمجھ لینے کے قابل ہے کہ تنہا رائے لینے میں یہ کچھ ضرور نہیں ہے کہ رائے کے تمام پہلو معلوم ہو جائیں۔ ممکن ہے کہ بعض پہلو اب بھی مخفی و مستتر رہے ہوں۔ جن کا انکشاف مجلس شوریٰ میں بوقت اجتماع و تبادلہ خیالات ہو۔ کیوں کہ بسا اوقات فرداً فرداً رایوں کے ملانے سے کوئی ایسا احتمال بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ جو اب تک کسی کے خیال میں نہیں آیا تھا اس لئے میرے خیال میں جیسا یہ ضروری ہے کہ ہر ایک کو تنہائی میں غور کرنے کا موقع دیا جائے ایسے ہی اس کی بھی ضرورت ہے کہ مجلس شوریٰ میں بحیثیت اجتماعی پیش کیا جائے۔ ایک حالت دوسری سے مستغنی کرنے والی نہیں مشورہ کی دونوں صورتیں لازم و ملازم ہیں۔

زمانۂ حال میں جو طریقے کمیٹیوں اور پارلیمنٹوں میں مروج ہیں وہ امام ابوالحسن ماوردی کے فیصلے کے موافق انہیں اصول کو پیش نظر رکھ کر بنائے گئے ہیں۔ کمیٹیوں اور پارلیمنٹوں میں عام قاعدہ یہ ہے کہ اول تمام امور مشورہ طلب کو لکھ کر ہر ایک ممبر کے پاس بھیج دیا جاتا اور ان سے تحریری رائے حاصل کر لی جاتی ہے۔ پھر ایک تاریخ معین پر جمع ہو کر اس میں بحث کر لیتے ہیں۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ ممبر اپنی تحریری رائے نہیں بھیجتے۔ بلکہ غور و فکر کے بعد جو رائے قائم کرتے ہیں اس کو خود مجلس شوریٰ میں ظاہر کرتے ہیں۔

اور یہ تو غالب رواج ہے کہ صرف رائے لکھ دیتے ہیں اس کے وجوہات نہیں لکھتے بلکہ مجلس میں ممبران کے سامنے بیان کرتے ہیں۔ اور یہ بعینہ وہی طریقہ ہے جو امام ابو الحسن

نے اپنے فیصلہ میں لکھا ہے۔

بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی معاملہ دفعتاً پیش آجاتا ہو۔ اور جداگانہ رائے حاصل کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ ایسے موقع میں ممبران کمیٹی یا پارلیمنٹ کو جمع کرکے معاملات مشورہ طلب میں رائے زنی کرلی جاتی ہے۔ اور ایسا کرنا بالکل کافی ہوتا ہے۔ اور بسا اوقات معلق ان معاملات کے جن کی بابت رائے حاصل کرنی ہے وقت اجتماع ومباحثہ کوئی جدید بات پیش کرکے تبادلہ خیالات کرلیا جاتا ہے ایسا کرلینا بھی کافی ہے اور ضرورت مشورہ پوری ہو جاتی ہے۔ اس لئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مشورہ کی ہر صورت کافی ہے البتہ احسن طریقہ یہی ہو کہ اول جداگانہ رائیں حاصل کرلی جائیں اور پھر مجلس میں اُنپر بحث ومباحثہ ہوکر ایک جانب کو معین کرلیا جائے۔

مشورہ کو دہرانے اور دوبارہ کرنے کی ضرورت

انسان فطرتاً تدریجی ترقی کرتا ہو۔ کوئی کمال اُس کو دفعتاً حاصل نہیں ہوتا۔ ایسے ہی مشورہ میں صحیح رائے تک پہونچنا بھی بتدریج ہوتا ہے۔ کیونکہ صحیح نتیجہ تک بذریعہ مقدمات کے پہونچتا ہے اور تمام مقدمات کا اول وہلہ میں حاضر فی الذہن ہونا ضروری نہیں اس لئے بسا اوقات یہ امر پیش آتا ہو کہ ایک عاقل ومجرب معاملہ کو سنتے ہی کوئی رائے قائم کرلیتا ہے اور پھر غور وفکر کے بعد اس سے منتقل ہوکر دوسری رائے پر جمتا ہے۔ اسی بنا پر عقلا نے یہ فیصلہ کیا ہو کہ اول وہلہ کی رائے کو قابل اعتماد نہ سمجھنا چاہئے۔ تاوقتیکہ مکرر سہ کرر غور نہ کرلیا جائے۔

جب تنہا کسی ایک شخص سے رائے لی گئی۔ یا جماعت کے سامنے پیش ہوکر کوئی امر منقح کرلیا گیا تو عمل کرنے میں اتنی تاخیر کرنی مناسب ہے جس سے اصل معاملہ کو نقصان نہ پہونچے۔ اہل الرائے کو اُس پر کامل غور کرنے کا موقع ملجائے اور وہ رائے پختہ ہو جائے۔

عامر بن الظرب حکیم عرب کا مقولہ ہے۔ دعوا الرای یغب حتی یختمر وایاکم والرای الفطیر یرید الاناۃ فی الرای والتثبت فیہ۔ رائے کو اس وقت تک چھوڑ دو جب تک رات گذر کر اس کا خمیر نہ اٹھ جائے۔ خام کو پہلی مرتبہ کی رائے سے پرہیز کرنا چاہئے۔ عامر بن الظرب کی غرض اس سے یہ ہے کہ رائے میں تدبر وتثبت سے کام لیا جائے جلدی نہ کی جائے۔

...یہ ہو نے اپنی بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا۔ لا تکن اول مشیر و ایاک والرای الفطیر
... علی مستبد فان القاص موافقته لوم والاستماع منه خیانة۔

سب سے پہلا مشیر نہ بن اور بچو رہو ... جو سب سے تیزی ... کسی خود رائے کو مشورہ نہ دے۔

کیونکہ اس سے موافقت کی خواہش کرنا ... اور اس کی بات کا سننا خیانت ہے۔

عبداللہ بن وہب کا قول ہے۔ ایاکم والرای الفطیر وکان یستعیذ باللہ من
الرای الدبری الخبیر — بچے رہو ... نظرے۔ اور پناہ مانگتے تھے وہ یعنی عبداللہ بن

وہب اس رائے کے فساد سے جو بعد از وقت دی جائے۔

حاصل یہ ہے کہ عقلاء کے نزدیک رائے کا رس رس کے پختہ ہونا اور قائم ہونا زیادہ قابل
اعتبار و اعتماد ہے۔ اس لئے حتی الوسع رائے قائم کرنے اور اس پر عمل کرنے میں جلدی
نہ کی جائے۔ ہاں اس میں اس قدر تاخیر بھی سخت مہلک ہے کہ معاملات کا وقت ہی فوت
ہو جائے۔ اور تدبیر کا وقت نکل جائے۔ کیونکہ اول وہلہ رائے پر عمل کرنے میں تو نقصان
صرف احتمال ہے اور اس صورت میں یقینی ہے۔

زمانہ حال کے پارلیمنٹوں میں مسودات قانون وغیرہ کو کئی بار پیش کرنا اور سنانا اور
ان سے دوبارہ سہ بارہ رائے لینا اسی اصول پر مبنی ہے۔ جو حکماء عرب و علماء اسلام
مدت زمانہ پہلے مہد کر چکے ہیں۔

مشاورۃ | ان تمام مراحل کے بعد جو بیان کئے گئے ایک اہم اور نہایت اہم مسئلہ کی توضیح
قابل ضروری ہے۔ جس پر مشاورۃ یا مجلس مشاورۃ کی کامیابی و ناکامیابی کا مدار ہے اور
وہ یہ کہ در صورۃ اختلاف فیصلہ قطعی کرنے۔ اور چند آراء مختلفہ میں سے کسی ایک رائے
کو معتمد علیہ۔ قابل عمل صحیح۔ اور ترجیح قرار دینے کی کیا صورت ہے جب تک
اس مسئلہ کو طے کر کے فیصلہ کی صورت نہ بتلائی جائے۔ تمام شرائط و آداب مشاورۃ اور انعقاد
مشاورۃ لغو ہو کا ...

ہمارا خیال ہے کہ غالباً ایک سطحی نظر والا شک یہ کہدیگا کہ اس مسئلہ میں اہمیت کیا ہے۔ فیصلہ کا طریقہ تو ہمیشہ سے عقلاء زمانہ کا معمول بہا ہے۔ وہ یہ کہ جس جانب کثرۃ رائے ہو وہی جانب حق ہے۔ اور اسی کے موافق فیصلہ استقرار رائے ہونا چاہئے۔ اس میں نہ کوئی الجھاؤ کی بات نہ تفتیش کی ضرورت اور نہ ایسی واضح بین اور معمولی امر کو تفصیل اور تشقیق کی الجھنوں میں ڈالنے کی حاجت۔

لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے یہ مسئلہ فی الواقع مشکل ہے۔ اور بغیر اس کی حل و توضیح کے مشاورۃ کے سارے مراتب ناتمام ہیں۔ چاہے معیار صحت رائے کثرۃ آراء ہی ہو مگر تا وقتیکہ اس کو مدلل نہ بیان کیا جائے۔ اور اس کے تمام پہلوؤں کو واضح نہ کر دیا جائے کسی طرح قابل تسلیم نہیں۔

علاوہ اس کے ہم کو رفتار زمانہ سے نظر اٹھا کر دیکھنا یہ ہے کہ شریعت نے مشورہ کو بہتم بالشان امر قرار دیا۔ اور در صورۃ مشاورۃ اختلاف رائے ہونا ضروری۔ تو آیا شریعت نے ایسی حالت میں فیصلہ کی کوئی صورۃ بیان کی ہے۔ یا احکام و نظائر شرعیہ سے کسی صورۃ کا استنباط ہو سکتا ہے۔ اسی بنا پر ہم عقلی و شرعی دونوں جانب کا لحاظ کر کے اس مسئلہ کی اس قدر توضیح کر دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ جس کے بعد انشاء اللہ تعالےٰ کسی فہیم کو حقیقت الامر کے انکشاف میں تردد و تامل کی گنجایش نہ رہے گی۔

لیکن ہم اپنے بیان میں اوّل عقلی و شرعی طور پر فیصلے کی صورتوں اور کسی ایک صورۃ کی ترجیح پر بحث کریں گے اور اس کے بعد نتائج اخذ کریں گے۔ •

عقلی طور پر فیصلہ کی بحث: اختلاف رائے کی صورۃ میں کسی رائے کو قابل عمل و قبول قرار دینے کے اندر کل دو احتمال ہیں۔ قوۃ دلیل۔ اور کثرۃ آراء۔ لیکن جب ہم عقل کی میزان میں تولتے ہیں تو ہم کو مثل روز روشن واضح ہو جاتا ہے کہ اصل ترجیح اور فیصلہ قوۃ دلیل کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ کثرۃ آراء کو صحت رائے اور فیصلہ میں بذاتہ کچھ دخل نہیں ہے۔ ہاں کثرۃ آراء

چوں کہ بسا اوقات قوۃ دلیل کی علامت ہوتی ہے اس وجہ سے اس کو قائم مقام قوۃ دلیل
سمجھکر اُسی کے موافق فیصلہ دیدیا جانا بعید از عقل نہیں ہے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ انسان کا وہ جوہر جس نے اُس کو تمام ذوی الارواح اور حیوا
پر خواہ ملک وجن ہوں یا حیوانات۔ ممتاز و مشرف بنا رکھا ہے۔ عقل وعلم ہیں۔ عقل وعلم میں ملک
وجن بھی اگرچہ اوس کے شریک و سہیم ہوں۔ مگر جس درجہ کا علم و عقل اُس کو عطا ہوا ہے اُس
کا اُن کو نہیں۔ اگر تا واقف یا ظاہری عقول کے پابند انسان کی برتری ملک وجن پر تسلیم نہ کریں
یا وجود ملک وجن کے قائل ہی نہوں تب بھی اس کی تسلیم میں تو ان کو تامل نہیں ہو سکتا۔ کہ تمام
حیوانات۔ طیور و وحوش پر انسان کو عقل وعلم کی وجہ سے امتیاز و فوقیت حاصل ہے۔ اور
یہ بات بھی تسلیم ہے کہ تمام افراد انسان عقل وعلم میں مساوی نہیں۔ بلکہ ان کے درجات میں اس قدر
تفاضل و تفاوت موجود ہے کہ بعض انسان بہ نسبت بعض کے درجہ حیوانیت وغیر ذوی العقول میں
داخل معلوم ہوتے ہیں۔

اور یہ بھی تسلیم ہے کہ استنباط۔ استدلال۔ دقیقہ سنجی۔ حقیقت شناسی۔ جزئیات سے کلیات
تک پہونچنا۔ حاضر سے غائب کی طرف منتقل ہونا۔ چند معلومات سے مجہولات کا علم حاصل کرنا۔ چند
مقدمات سے دلیل کا ترکیب دینا۔ دلیل سے نتیجہ کا برآمد ہونا سب عقل پر موقوف ہے۔ اور
یہ بھی تسلیم شدہ امر ہے کہ عقل کو تجربہ سے کیا غرض ہوتی ہے۔ جب تمام امور مسلم ہیں تو اس کے
تسلیم کرنے میں کیا عذر ہو سکتا ہے کہ کسی معاملہ کی کنہ و حقیقت تک پہونچنا اور اس کے تمام
جوانب و احتمالات کو عقل کی کسوٹی پر پرکھ کر صحیح و سقیم میں امتیاز کرنا۔ پھر ہر ایک دعویٰ کو
دلائل قویہ سے مبرہن و مدلل کرنا اوسی شخص سے ہو سکتا ہے جس کو عقل خداداد نصیب ہو۔ اور
عقل کی پختہ کاری تجربہ سے ہو چکی ہو۔ اور پھر اہل عقل کی عقول میں جتنا تفاوت ہوتا جائیگا۔ اتنا ہی
اُن امور میں تفاوت بھی نظر آئیگا۔

جب یہ امور تسلیم ہو چکے تو اب فرض کر لیجئے کہ ایک شخص جس کی عقل کامل اور تجربہ تام ہے

ایک جانب ہو۔ اور دنیا کے کل یا اکثر افراد جو عقل سے بے بہرہ یا قلیل البضاعت ہیں، دوسری جانب تو عقل کا فیصلہ اس معاملہ میں کیا ہوگا۔ صرف یہی کہ جس کی عقل کامل وتجربہ تام ہے اُس کا اقتدا کیا جائے۔ جیسا کہ ایک انسان بہ نسبت تمام دنیا کے حیوانات کے ممتاز وقابل اقتدار تسلیم کیا جانا ضروری ہے۔ ویسا ہی صاحب عقل کامل وتجربہ تام کا بمقابلہ ان افراد انسانی کے جو بالکل بے عقل۔ و ناتجربہ کار ہیں۔ یا عقل و تجربہ سے کم حصہ لئے ہوئے ہیں۔ قابل اقتدار تسلیم کرنا لازم ہوگا۔

زمین کے تمام طبقات پر جس قدر قومیں آباد ہیں۔ ابتدائے آفرینش سے جس قدر دور منظر ارض پر ظاہر ہو کر مٹ چکے ہیں۔ اُن میں سے ہر ایک قوم۔ اور ہر ایک دور پر نظر ڈال کر دیکھ لیجئے یہی نظر آئیگا کہ جب کسی ایک شخص کی عقل وتجربہ کو اوّل درجہ کا تسلیم کر لیا گیا تو ملک کے ملک اوسی کے پیچھے ہو لیتے ہیں وہ جو کچھ بولتا ہے۔ یہ بھی بولنے لگتے ہیں۔ وہ جو حکم دیتا ہے اس کا اتباع کرتے ہیں وہ جس امر کا مشورہ دیتا ہے اس کے امتثال کو اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ پھر یہ بات نہیں کہ وہ سارے کے سارے بے عقل و ناتجربہ کار ہیں۔ نہیں۔ باوجود عقل وتجربہ رکھنے کے اس کے اتباع کو اس لئے اپنا فرض قرار دیتے ہیں کہ اُس کی عقل کو اپنی سے زیادہ کامل۔ اُس کے تجربہ کو تام سمجھتے ہیں۔ اگر ایسا نہ سمجھتے تو ہرگز کوئی ایک عقل والا بھی (چہ جائیکہ تمام عقلاء) اس کا اتباع نہ کرتا۔

اب ہر ملک ہر ایک قوم کی تاریخ اُٹھا کر دیکھ لیجئے۔ موجودہ حالات کو خیال کر لیجئے کہ ہر ایک ملک قوم میں ہر ایک زمانہ کے اندر ایسے افراد گذرے ہیں کہ نہ صرف زمانہ حیوۃ میں وہ قابل اتباع وانقیاد سمجھے جاتے تھے۔ بلکہ مابعد کی نسلوں نے بھی ان کے طریقہ پر چلنا ان کے اصول پر کاربند ہونا۔ موجب فخر و فلاح سمجھا ہے۔ اسکی ایک نہیں۔ دو نہیں۔ ہزاروں مثالیں آپ کو ملیں گی۔

پھر اگر کسی مسلم شخص کے اصول وطریقہ میں کسی دوسرے صاحب عقل وفراست نے کچھ

ترمیم کی یا بجائے ان کے دوسرے اصول قائم کیے۔ توجبتک وہ اپنی عقل و علم کی بدولت دلیل قوی اُس کے خلاف قائم نہ کریگا۔ اپنے مشاہدات و تجربات سے۔ جن سے استخراج نتیجہ بھی عقل ہی کا کام ہے۔ سابق اصول و قواعد کے خلاف کچھ نہ دکھلا سکا۔ کسی نے اُس کے قول کو تسلیم نہیں کیا۔ ان اصول و قواعد کو تسلیم کر کے سابق اُصول و قواعد کو چھوڑا تو صرف اسی بنا پر کہ اس موخر الذکر شخص کے عقل و تجربہ کو اول سے فائق۔ اس کی دلیل و حجتہ کو اس سے قوی اس کے مشاہدہ و تجربہ کو اس سے زیادہ اور تام سمجھ لیا۔

غرض مدار اتباع و انقیاد و صابت رائے کا قوت دلیل پر ہمیشہ سے رہا ہے۔ تمام علاء از ابتدا تا انتہا اسی پر کاربند رہے ہیں۔ کثرۃ افراد تنہا کبھی ترجیح کا سبب نہیں ہے۔ ہاں کثرۃ ازلواور قوت دلیل دونوں جمع ہو جاویں تو نور علی نور ہے۔ اس کو اور وضاحت سے سمجھنا ہے تو زمانہ حال کے قواعد کو جو عقل و حکمت کا زمانہ کہا جاتا ہے اور جس کو قرن مشرق کا خطاب دیا جاتا ہے دیکھ لیجئے۔ پارلیمنٹوں۔ کونسلوں۔ بورڈوں اور میونسپلٹیوں میں۔ ایک ملک یا ایک شہر یا ایک محلہ یا ایک قوم کی طرف سے ایک یا دو قائم مقام ہو کر ممبر ہوتے ہیں۔ اور اہل ملک یا شہر یا محلہ یا قوم اپنی جانب سے ان کو تمام حقوق قایم مقامی کے دیکر سیاہ سفید کا مالک بنا دیتے ہیں۔ اس کا تسلیم کر لینا ان سب کا تسلیم کر لینا ہوتا ہے۔ اس کا انکار انکا انکار سمجھا جاتا ہے۔

یہ طریقہ اسی اصول کی بنا پر قرار دیا گیا ہے کہ ہر ایک فرد تو ممبر بن نہیں سکتا۔ نہ ہر ایک کی رائے لی جاتی ہے۔ تو لامحالہ ان کو اختیار دیا گیا کہ اپنے میں سے ایک یا دو ایسے افراد کو ممبر منتخب کر دیں جو ممبر ہونے کے ساتھ اُن کے حقوق و فرائض۔ ان کے رسوم و عادات کا تجربہ تام رکھتا ہو۔ پس ظاہر ہے کہ وہ لاکھوں اور ہزاروں افراد میں ایک شخص جو دانشمندی و فراست و تدبیر و تجربہ میں ممتاز سمجھا جاتا ہے ایک قوم کی قوم کا نائب اسی وجہ سے بنا دیا جاتا ہے۔ کہ سب کو اس کی عقل و فراست پر اعتماد ہے۔ اس کی عقل کنہ معاملہ کی تہ تک پہونچنے کے قابل ہے۔ اس کا تجربہ ہر نازک موقع پر رہبری کرتا اور اپنے ملک یا قوم کو ورطہ ہلاکت سے بچاکر کامیابی کی بلند سطح

ملک پہونچانے کے لائق ہے۔ اس شخص کی عقل تمام عقلوں سے بہتر نہیں بلکہ سب سے زیادہ ودنطہ سمجھی جاتی ہے گو ایک قوم کا قائم مقام ہونے کی حیثیت سے کثرہ کو بھی وہ اپنے اندر سے لئے ہوئے ہوتا ہے۔ مگر اوس کے انتخاب میں یہ کثرۃ کار آمد نہیں ہوتی۔ اور نہ اس بنا پر اوس کا انتخاب ہے۔ اگر انتخاب میں فقط یہی امر ملحوظ نظر ہوتا کہ وہ کثیر جماعت کا قائم مقام بنا کر بھیجا جاتا ہے۔ تاکہ اوس کی رائے ہیں کثیر جماعت کی رائے سمجھی جائے تو اوّل یہ لازم ہوتا ہے کہ جب ممبران پارلیمنٹ یا کونسل میں اختلاف ہوا کرتا تو صرف ممبران کی قلت وکثرۃ پر نظر نہ کی جاتی۔ بلکہ ہر ایک نائب کے ساتھ اس کی قوم کی کثرہ عدد کو بھی فیصلہ میں دخل ہوتا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ دوسرے انتخاب کے لئے دانشمندی وتجربہ کاری کا وصف لازم نہ ہوتا۔ قوم اپنے خیال پر مطلع کرنے کے لئے محض قاصد یا سفیر کے درجہ پر اس کو رکھتے اور اس کی رائے وتجویز کو کبھی گوارا نہ کرتی۔

غرض اصل لحاظ اس انتخاب میں ممبر کی دانشمندی وتجربہ کاری وہمدردی کا ہے یہ دوسرا امر ہے کہ کوئی قوم یا ملک ان اصول کو پس پشت ڈال کر دوسرے اغراض ومقاصد کی بنا پر دانشمند پر غیر دانشمند کو تجربہ کار پر ناتجربہ کار کو ترجیح دیدی۔ اور کسی ایسے شخص کو منتخب کرے جس سے زیادہ ہوشمند وتجربہ کار موجود ہیں۔ یہ امر خلاف اصول ہوگا۔ جو جرح کے موقع پر پیش نہیں کیا جا سکتا۔

علاوہ ازین ہر ایک ملک و قوم اپنے لیڈروں کا اتباع صرف اسی وجہ سے کرتے ہیں کہ اون کی عقل وتجربہ کاری اور ساتھ ہی اون کی ہمدردی وخیرخواہی پر پورا اعتماد ہوتا ہے اُن کو عقل وتجربہ میں اپنے سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہوتی ہے کہ لیڈروں کے قول کو رد کرنا یا ان کے طریقہ کے سوا دوسری راہ اختیار کرنا قومی جرم سمجھا جاتا ہے ایک لیڈر قوم کی قوم بلکہ ملک کے ملک کا ذمہ دار اُن کے نفع وضرر کا مالک ہوتا ہے۔ اور قوم اُن کے سامنے سرِ نیاز خم کئے ہوئے رہتی ہے۔

اس سے بھی ذرا نظر کو اونچا کیجئے تو نظام سلطنت کی ترکیب میں گو آپ کو بہت سے کیل پرزے دکھائی دیتے ہیں مگر سارے نظام کی حرکت کسی ایک ہی محور پر ہوتی ہے۔

وزراء میں سے جو وزیر ہوشمندی۔ دانائی۔ فراست و تجربہ میں بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ باقی وزرار بھی اوسی ڈگری پر چلتے ہیں۔ اول سے آخر تک ہر صیغہ و محکمہ پر اوسی وزیر کا رنگ غالب نظر آتا ہے یہ بھی صرف اسی وجہ سے ہے کہ جب کسی کو عقل و تجربہ میں فائق و ممتاز سمجھ لیا گیا تو اس کی آرا رکو تدبیر پر بھی اعتماد کر لیا گیا۔ ورنہ مساوی درجہ کے وزراء کو بھی یہ حق حاصل ہوتا کہ اس کی جس بات کو چاہیں رد کریں۔ اور جس کو چاہیں قبول کریں۔ قوانین سلطنت نے ان کو تسلیم کرنے پر مجبور نہیں کیا انکی آزادی مسلوب نہیں ہوئی۔ اختلاف سے کوئی امر مانع نہیں ہے۔ با ایں ہمہ انقیاد و متابعت جس امر میں خلاف کر سکتے ہیں۔ پھر کسی شخص واحد کی گو کتنے ہی بڑے درجہ کا معتمد اور قابل ہو ان کی کچھ نہیں چلتی

خلاصہ یہ کہ عالم کے نظام اور افراد کے طریقہ عمل سے یہ ثابت ہے کہ جن کی عقل تام۔ نظر غائر طبیعت دقیقہ سنج۔ اور تجربہ تام ہے۔ اونہیں کی بات تسلیم بھی ہوتی ہے۔ عقلاء زمانہ کا یہی طرز عمل ہے۔ اسی بنا پر فیصلہ کی دونوں صورتوں میں سے جن کا ذکر اول کیا گیا تھا۔ عقل کی رو سے فیصلہ صرف قوۃ دلیل پر مبنی ہونا چاہیے۔ کثرت آرا، کو فی حد ذاتہ اس میں کچھ دخل نہیں ہے لیکن کثرت رائے بالکل نظر انداز کرنے کے قابل بھی نہیں ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ حمقا، جہلا، نادان و ناتجربہ کار افراد کی رائے کا نہ اعتبار ہے۔ نہ وقعت۔ اون کی کثرۃ قلت کا اثر حقیقتاً معاملات پر کچھ بھی نہیں پڑتا۔ گفتگو ہے تو عقلار کی رائے میں ہے اور یہ ظاہر ہے کہ گو عقلار میں باہم فرق مراتب ہو۔ اور اسی وجہ سے اُن کے آرا، کی قوۃ و ضعف میں بھی فرق ہو۔ مگر چند عقلار کی رائے میں وہ قوت ہو سکتی ہے جو ایک عاقل کی رائے میں نہیں ہو سکتی۔ اب فرض کر لو کہ ایک جانب ایک عاقل کی رائے ہے اور دوسری جانب چند کی۔ اس حالت میں فیصلہ کی صورت تو یہی ہونی چاہیے کہ جو رائے قوی ہے اسی کے موافق عمل کیا جائے۔ اب جس عاقل کی رائے کی قوۃ کو دوسرے عقلا اور اہل حل و عقد نے تسلیم کر لیا تب تو اس کی ترجیح میں کوئی تامل ہو ہی نہیں سکتا۔ لیکن فرض کرو کہ اختلاف قایم رہا۔ اور ہمارے پاس کوئی معیار ایسا نہیں جس سے قوت و ضعف کا اندازہ کر سکیں تو اس وقت مختلف آرار میں سے کسی رائے کو قوی اور مرجح قرار دینے کا طریقہ کیا ہو سکتا ہے اس وقت حق کو

معلوم کرنے کا طریقہ صرف یہی ہے کہ چند عقلاء کی رائے کو ایک رائے کے مقابلہ میں قوی کہا جائے۔ اور اس بنا پر فیصلہ اس جانب ہو جس جانب کثرۃ رائے ہے۔ اور یہی وہ بات ہے جس کو ہم اول ہی عرض کر چکے ہیں۔ کہ کثرۃ رائے کو کوئی صدذاتہ ترجیح نہ ہو۔ مگر علامۃ قوۃ دلیل ہے۔

اس ہمارے بیان سے یہ ثابت ہو گیا کہ عقل کی رو سے درصورت اختلاف آراء اصل فیصلہ قوۃ دلیل پر ہو گا۔ اگرچہ یہ قوۃ کسی ایک رائے کو بمقابلہ بہت سے آراء کے حاصل ہو۔ لیکن درصورتیکہ قوۃ رائے معلوم کرنے کا کوئی معیار ہمارے پاس نہ ہو تو اس وقت قوۃ کی علامۃ کثرۃ رائے عقلاء ہے اور کثرۃ رائے کے حق میں فیصلہ دینا حقیقۃً قوۃ دلیل ہی کی بناء پر ہو گا۔

اس کے علاوہ کثرت رائے کے حق میں فیصلہ دینے کی ایک اور وجہ بھی ہے وہ یہ کہ جب آراء میں اختلاف ہے۔ اور کوئی قوۃ جابرہ اس سے اوپر ایسی نہیں جو رائے مغلوب کو رائے غالب پر فوقیت دیدی تو اس اختلاف و نزاع کے مٹانے کی صورت کیا ہو سکتی ہے۔ ہر ذی رائے اپنی رائے پر مصر۔ اسی کو حق و صواب سمجھے ہوئے اسی کے موافق فیصلہ کا متمنی ہے۔

ادھر قوت رائے کوئی محسوس چیز نہیں جس کے ماننے پر ہر کسی منکر کو مجبور کیا جا سکے۔ ایسی حالت میں اس کے سوا کوئی راہ عمل نہیں کہ کثرت رائے پر فیصلہ کیا جائے کیونکہ کثرت ایک محسوس چیز ہے اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

یہاں سے مولانا محمد شفیع صاحب دیوبندی کا مضمون شروع ہوا

یہاں تک عقلی طور پر صورت فیصلہ سے بحث کی گئی ہے۔ اسکے بعد ہم مسئلہ کا دوسرا پہلو یعنی شرعی طریق اور سلف کا طرز عمل پیش کرتے ہیں۔ اور حقیقت میں ایک مسلمان کیلئے یہی مشعل راہ ہے۔

نصوص قرآن و حدیث اور تعامل صحابہ و تابعین پر نظر ڈالنے سے بالاجمال اتنی بات کا یقین ہو جاتا ہے کہ شریعت اسلام نے مشورہ کا فیصلہ درصورت اختلاف کثرت رائے کے سپرد نہیں کیا بلکہ قوت رائے کا لحاظ کرتے ہوئے امیر مجلس کو اختیار دیا ہے کہ بجائے اکثریت کے اقلیت کو ترجیح دیدے۔ ہم اس بحث کو کسیقدر تفصیل کیساتھ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔ جس کے ساتھ یہ مسئلہ بھی انشاءاللہ تعالیٰ حل ہو جائیگا۔ کہ اسلامی خلافت ملوکیت و شخصیت کی شان رکھتی ہے یا جمہوریت کی پھر چونکہ یہ مسئلہ خود ایک مستقل بحث ہے جو مدت سے ملک میں چھڑی ہوئی ہے اس لئے ہم اس گزارش کو اسی عنوان کے ماتحت پیش کرتے ہیں۔ واللہ الموفق للصواب والمیسر للصعاب

اسلامی خلافت ملوکیت ہے یا جمہوریت

اسلام جس توسط و اعتدال کو اپنے ساتھ لایا ہے اس کے آثار تمام اسلامی احکام۔ اعتقادات، عبادات، اخلاق، معاملات، سیاسیات و معاشرتیات میں نمایاں طور پر مشاہد ہیں۔ اور یہی اعتدال اس امت امیہ کا طغرائے امتیاز ہے۔

وکذلک جعلناکم امة وسطا لتکونوا شهداء علی الناس"	اسیطرح ہم نے تمہیں ایک متوسط امت بنائی ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بن سکو"

مکہ معظمہ کی زاہدانہ زندگی کے بعد جب اسلام تخت سلطنت پر متمکن ہوا۔ تو اس نے اپنی سیاست اور تدبیر ممالک میں بھی اسی اعتدال اور توسط سے کام لیا۔

اور ملوکیت و جمہوریت کے افراط و تفریط کو مٹا کر سلطنت و سیاست کا ایک ایسا محکم قانون تیار کیا جو تمام مفاسد سے پاک اور تدبیر ممالک کی تمام ضروریات کیلئے صحیح معنوں میں کفیل ہو۔

ملوکیت اور شخصیت کے مفاسد تو محتاج بیان نہیں۔ کیونکہ مروجہ ملوکیت کا خلاصہ یہ ہے کہ (۱) تمام ملک ایک

شخص کا غلام بلکہ غلاموں سے زیادہ پابند ہو۔

(۲) یہ شخص ظلم کرے یا انصاف کسی کو اسکے خلاف لب کھولنے کا حق نہو۔

(۳) عہدہ سلطنت اس کی نسل میں متوارث ہو باپ کے مرنے کے بعد سارا ملک بیٹے کے قبضہ میں آجائے خواہ یہ کیسا ہی جاہل بد خلق اور نااہل نالائق ہو۔

(۴) تمام ملک کے جان و مال اس کی ایک جنبش لب سے زیروزبر ہو سکتے ہوں۔

الغرض شخصیت کا قانون محض بادشاہ کی زبان ہے۔ اور تمام خلق اللہ کی موت وحیات محض اس کے جسم پر موقوف ہے۔ ساری مخلوق اسکی ذاتی خواہشات کی تختہ مشق ہے۔ ظاہر ہے کہ اس صورت سے نظام سلطنت کیا قایم رہ سکتا ہے۔ اور لوگوں کے حقوق کیا ادا ہو سکتے ہیں۔

جمہوریت کے مفاسد آجکل کی مصطلح اور مروجہ جمہوریت میں اگرچہ وہ مفاسد نہیں جو ملوکیت میں بیان کئے گئے لیکن اسمیں بعض دوسرے ایسے مفاسد موجود ہیں جو نظام عالم کے قطعاً خلاف ہیں۔

(۱) پہلی تو یہی ہے کہ جمہوریت میں امیر و بادشاہ کی حقیقت ایک شطرنج کے بادشاہ سے زائد نہیں صرف اتنی عنایت اسکے حال پر کیجاتی ہے کہ اسکی رائے کو دو رائے کا قایم مقام سمجھا جاتا ہے۔ اور بس حالانکہ عالم کا فطری نظام اول سے آخر تک اسی کا مقتضی ہے کہ نظام سلطنت کا ذمہ دار کوئی ایک با اختیار شخص ہونا چاہیئے جسکو حقیقی طور پر امیر اور حاکم کہا جا سکے۔ اور جو امور سلطنت کے حل وعقد کا مالک ہو۔ اور جس کی اطاعت تمام رعایا پر فرض ہو۔

(۲) دوسرے ممبران جمہوریت کے باہمی اختلاف رائے کیوقت جمہوریت کا فیصلہ کثرت رائے کے تابع ہوتا ہے۔ کثرت رائے کے مقابلہ میں نہ امیر کی کوئی ہستی ہے اور نہ دوسرے اہل رائے اور تجربہ کار لوگوں کی۔

اور یہ ایک ایسی اصولی غلطی ہے جو سیکڑوں غلطیاں اپنے دامن میں رکھتی ہے۔ آج ہمارے یہاں کونسلوں اور بورڈ کے الیکشن میں جو طوفان بے تمیزی کے منظر سامنے آئے ہیں اور کثرت رائے

کے فیصلوں کے جو ناگوار نتائج ہمیں روزمرہ بھگتنے پڑتے ہیں ان کے مفاسد سے شاید کوئی انسان آنکھ نہ چرا سکے۔ آٹھ آٹھ آنہ میں رائے بکتی ہے، ہر فریق کثرت رائے حاصل کرنے کیلئے ہر جائز و ناجائز ہتھیار کام میں لاتا ہے۔ تعلقات کے دباؤ زور وزر کی نمائشوں سے ووٹ حاصل کئے جاتے ہیں۔ اور بالآخر نتیجہ اس شخص کے ہاتھ ہوتا ہے جسکی گرہ میں روپیہ زیادہ ہو اور جو رسوموں میں بے دریغ خرچ کرنے کا عادی ہو۔ یا جسکے تعلقات سے یا زور سے لوگ مرعوب ہوں یہ ایک ایسی بداہت ہے کہ جسکا ہر شخص سالانہ مشاہدہ کرتا ہے۔

اور پھر یہ طوفان بے تمیزی اپنی برکات جو ملک میں چھوڑ جاتا ہے وہ سب سے زیادہ قابل غور ہیں، الیکشن کا فتنہ تو چند روز میں ختم ہو جاتا ہے لیکن باہمی خانہ جنگیاں۔ عداوتیں اور بغض وعناد جو اسوقت قلوب میں قایم ہو جاتی ہے وہ اکثر ایسا صدقہ جاریہ ہوتا ہے جو قبروں میں ساتھ جاتا ہے۔

اس سال کونسل کے الیکشن کے زمانہ میں ایک مقتدر باپ اور بیٹے کی جنگ جب اخباری دنیا میں منظر عام پر آئی تو جسطرح باپ کو بیٹے کے شرمناک عیوب اخبارات واشتہارات میں شائع کرنے سے دریغ نہ تھا۔ ہونہار فرزند کو بھی ہم اس میدان کارزار میں باپ سے کسیطرح کم نہ پاتے تھے۔ بلکہ ہر گالی کا جواب اس سے زیادہ وزن کی گالی سے دیا جاتا تھا۔

خیر یہ تو اس حریت کا نتیجہ تھا جو یورپین تمدن کا لازمی اثر ہے اور جسکا خلاصہ نہ فقط مذہب سے آزادی بلکہ انسانیت کی ہر پابندی سے آزادی ہے۔

الغرض یہ سب اس جمہوریت اور کثرت رائے کے فیصلوں کی برکت ہیں جسکو آج سیاست کا اساسی قانون بنالیا گیا ہے۔

موجودہ اور مروجہ جمہوریت کے فیصلوں پر اگر تفصیلی نظر ڈالی جائے تو جمہوری حکومت کا دوسرا پہلو یہ نکلتا ہے اور یا جبر واستبداد اور مکر وفریب کیونکہ جب کثرت رائے کا پردہ فاش ہوتا ہے تو اس کے پس پردہ یہی چیزیں کارفرما نظر آتی ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ الیکشن کے تمام انتخابات میں عموماً وہ خودغرض۔ ہواپرست۔ نااہل لوگ۔ خلق اللہ کی جان ومال کے مالک بن بیٹھتے ہیں۔

جنگی نیت اور ہمت ابتداہی سے اسکے سوا کچھ نہیں ہوتی کہ ہمیں حکومت کی کرسی مل جائے۔ پھر مخصوص آدمی یا گروہ سب پر چھا جاتا ہو۔ چنانچہ ان کی ہائی زنی کا حاصل بھی اس سے زائد نہیں ہوتا کہ جس طرف زیادہ ہاتھ اٹھتے نظر آئے انہوں نے بھی اپنی جھنڈی اسی طرف کے لئے اٹھا دی۔ اکثر انہیں یہ بھی خبر نہیں ہوتی کہ کس معاملہ کے متعلق ہم سے رائے لی گئی ہے۔

اور ان تمام فتنوں کے طوفان کی ذمہ داری صرف کثرت رائے کے فیصلوں پر ہے۔ اگر اختلاف رائے کیوقت فیصلہ امیر مجلس کے سپرد ہو تو ان میں سے اکثر مفاسد کی جڑ کٹ جاتی ہے۔

الغرض جسطرح شخصیت محض بادشاہ پرستی کا نام ہے اور نظام عالم کے لئے کسیطرح مناسب نہیں۔ اسیطرح آجکل کی مصطلح جمہوریت اسکے بالکل خلاف ایک غوغا ناس کا نام ہے جس کے مفاسد بھی شخصیت سے کم نہیں۔

اسلام جو نظام عالم کا حقیقی ذمہ دار ہے اس کا فرض تھا کہ اس افراط وتفریط کے درمیان ایسی راہ اختیار کرے جو ہر قسم کے مفاسد اور خطرات سے پاک ہو۔

چنانچہ اسلامی حکومت کی بنیاد ایک ایسے قانون پر رکھی گئی جو بعض اعتبارات سے شخصیت سے ملتا ہے اور بعض وجوہ سے جمہوریت کا ہمرنگ ہے۔

یعنی خذ ما صفا ودع ما کدر (جو بات اچھی ہو اسکو اختیار کرو اور جو بری ہو چھوڑ دو) کے قانون پر عمل کرتے ہوئے شخصیت وجمہوریت دونوں کی وہ دفعات جو مفاسد پر مشتمل ہیں اسلام نے ان سب کو نظر انداز کر دیا اور جن دفعات کے ماتحت نظام عالم درست ہو سکے ان کو اختیار کر لیا۔ جسکی اجمالی صورت یہ ہے۔

(۱) اسلامی خلافت میں وراثت نہیں چلتی۔ یہ ضروری نہیں کہ باپ کے بعد بیٹا یا اسی کی نسل کا کوئی آدمی خلافت ووزارت کا جاگیردار ہو۔ بلکہ بیعت عامہ یا مشورہ سے انتخاب ہو جائے اور یا سابق خلیفہ کسی شخص کو اپنی رائے سے مقرر کر دے (وہ ہی اس عہدہ پر فائز ہوگا۔

(ازالۃ الخفاء) ؎

حضرت فاروق اعظم رض اسی دفعہ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔

لا خلافۃ الا عن مشورۃ (کنز العمال ص ۳۹ ج ۳) | کوئی خلافت بغیر مشورہ کے نہیں ہو سکتی۔

(۲) مہم معاملات میں تنہا خلیفہ بغیر مشورہ کے طے نہیں کر سکتا۔ آیۂ کریمہ "وشاورھم فی الامر" (اور معاملات میں صحابہ سے مشورہ لیجئے) میں خود حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشورہ کا حکم فرما کر اُمت کے لئے اُسوہ بنا دیا گیا ہے۔

(۳) اگر خلیفۂ وقت کوئی خلاف شرع فعل اختیار کرے تو ہر ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان کو حق ہے کہ امر بالمعروف کے قواعد وآداب کا لحاظ رکھتے ہوئے ناصحانہ طور پر کلمۂ حق اس کے سامنے پیش کر دے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رح ازالۃ الخفاء میں اسکے متعلق فرماتے ہیں "واز اعظم انواع جہاد امر کردن خلیفہ بمعروف ونہی او از منکر بغیر خروج بسیف ومی باید کہ بلطف باشد دون العنف ودر خلوت باشد دون الجلوۃ تا فتنہ بر نخیزد" خلفاء راشدین اور صحابہ کے بہت سے واقعات اسکے شاہد عدل ہیں۔

(۴) خلیفۂ وقت اگر کسیکو صریح خلاف شرع کام کرنیکا حکم دے تو اسپر اس کام میں خلیفہ کا اتباع واجب نہیں۔ حدیث میں اسی دفعہ کے متعلق ارشاد ہے۔

لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق | خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں کی جا سکتی۔"

(۵) امیر اگر اسلام کو ترک کر کے مرتد ہو جائے تو وہ امارت سے معزول ہو جائیگا۔ اور مسلمانوں پر اس سے جہاد کرنا فرض ہو جائیگا۔ اسی طرح اگر کوئی امیر عام طور پر بے دریغ قتل وغارت اور عورتوں کی حرمت دری اور غصب مال کرنے لگے اور شریعت کی کوئی پرواہ نہ رکھے تب بھی جائز ہے کہ مسلمان اسکے خلاف جمع ہو کر اُسے معزول کر دیں۔ کیونکہ اس کا حکم ڈاکو کا سا حکم ہے (ازالۃ الخفاء) لیکن جب تک یہ نوبت نہ آئے بلکہ شخصی طور پر کسی کسی پر ظلم کرتا ہو تب تک اس کی بغاوت ہرگز جائز نہیں۔ بلکہ اسکی طاعت پر صبر کرنا فرض ہے جس کی تفصیل عنقریب آتی ہے۔

یہ چند اصولی دفعات ہیں جو جمہوریت سے ملتی جلتی ہیں شخصی سلطنت میں یہ صورتیں اسوجہ نہیں ہوتیں۔

اور دفعات ذیل شخصیت کی ہمرنگ ہیں۔

(۶) مشورہ میں اگر اختلاف رائے پیش آئے تو فیصلہ کثرت رائے کے سپرد نہیں۔ بلکہ امیر کی رائے پر ہے اور اسکو اختیار ہے کہ اقلیت کو اکثریت پر ترجیح دیدے۔ قرآن عزیز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشورہ کا حکم فرمانے کے بعد فاذا عزمت فتوکل علی اللہ (پھر جب آپ عزم کریں تو اللہ تعالیٰ پر توکل کریں) بصیغہ واحد حاضر فرماکر اُسکی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ شورہ کے بعد کسی جانب کو ترجیح دیکر اس کا عزم کرنا یہ فقط آپ کی رائے پر ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفاء راشدین اور دوسرے خلفاء کے بہت سے معاملات اس کے شاہد ہیں جن کو انشاء اللہ تعالیٰ بتفصیل عرض کیا جائیگا۔

(۷) امیر کی اطاعت ہر مسلمان کے ذمہ سراً و علانیۃً فرض ہے۔ جب تک کہ وہ کسی صریح حرام کا حکم نہ کرے۔ قرآن عزیز میں اسی کے متعلق ارشاد ہے

اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم { اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے امراء کی اطاعت

(۸) امیر اگر کوئی ظالمانہ حکم نافذ کرے تب بھی رعایا کا فرض ہے کہ اسکی اطاعت کرے۔ انکو اسوقت صرف اتنا حق ہے کہ امر بالمعروف کے ذریعہ حق بات اسکے سامنے پیش کردیں اور یہ لیکن اگر امر بالمعروف کے بعد بھی امیر اپنے اس حکم پر قایم رہے تو رعایا کا فرض ہے کہ صبر کے ساتھ اس کی اطاعت کرے۔ اسکی سرکشی اور بغاوت کے لئے آمادہ ہونا اُسوقت بھی جائز نہیں حدیث میں اس دفعہ کے متعلق بکثرت تصریحات موجود ہیں۔

حضرت جریر ابن عبداللہ روایت فرماتے ہیں کہ چند گاؤں والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیخدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ بعض مُصدّقات، زکوٰۃ وصول کرنیوالے

سلہ اموال ظاہرہ یعنی مال تجارت اور جانوروں کی زکوٰۃ وصول کرنیکیلئے خلیفہ وقت کیطرف سے کچھ لوگ ملازم ہوتے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۵)

عامل ہمارے پاس آتے ہیں اور ہم پر ظلم کرتے ہیں (یعنی مقدار واجب سے زیادہ ہم سے وصول کرتے ہیں) آپ نے ارشاد فرمایا

ارضوا مصدقیکم (ابوداؤد) { اپنے عامل صدقہ کو راضی کرو۔

انہوں نے پھر عرض کیا کہ یارسول اللہ اگر وہ ہم پر ظلم کریں تب بھی ہم اُن کو راضی کریں آپ نے ارشاد فرمایا

ارضوا مصدقیکم وان ظلمتم (رواہ ابوداؤد از مشکوٰۃ) اپنے عاملین صدقہ کو راضی کرو اگرچہ تم پر ظلم کیا جائے۔

یہ عاملین صدقہ چونکہ خلیفہ اور امیر وقت کے نائب ہو کر ان لوگوں کے پاس جاتے تھے اس لئے ان کو مجبور کیا گیا ہے کہ ہر حال میں ان کی اطاعت کریں۔ وہ ظلم کریں تب بھی ان کے ذمہ ان کی اطاعت ضروری ہے۔

اسی کے متعلق ایک دوسری حدیث میں حضرت جابر ابن عتیک راوی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

سیأتیکم رکیب مبغضون فاذا جاءوکم فرحبوا بھم وخلوا بینھم وبین ما یبتغون فان عدلوا فلانفسھم وان ظلموا فعلیھم وارضوھم فان تمام زکوتکم رضاھم ولیدعوا لکم رواہ ابوداؤد (از مشکوٰۃ)

قریب ہے کہ تمہارے پاس چند مبغوض لوگ آئیں گے پس جب وہ تمہارے پاس آئیں تو تم انکی ساتھ فراخدلی سے پیش آؤ اور جو کچھ وہ طلب کریں انکو دیدو۔ اگر وہ انصاف کریں گے تو اس کا ثواب انکو پہنچیگا اور اگر انہوں نے ظلم کیا تو اسکا ضرر بھی وہ بھگتیں گے تم ان کو راضی کرو اسلئے کہ تمہاری زکوٰۃ کا اتمام ان کی رضا پر موقوف ہے (اور تم انکی ساتھ اسطرح پیش آؤ) کہ وہ تمہارے لئے دعا کریں۔

ان احادیث سے بصراحت معلوم ہوا کہ امیر وقت اگر ظلم بھی کرے تب بھی رعیت کے لئے اطاعت کے سوا کسی حربہ کا استعمال جائز نہیں۔ جب تک کہ اس کا ظلم و جفا اور بد دیانتی عام خلق اللہ کو محیط ہو کر اس درجہ کو نہ پہنچ جائے کہ اسکو ڈاکوؤں کی فہرست میں داخل سمجھا جائے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۰۲ تھے جو تمام صدقات وصول کر کے خلیفہ کے پاس جمع کرتے تھے اور پھر خلیفہ ان کو مصارف زکوٰۃ ہی پر انتظام سے خرچ کرتا تھا۔ ان لوگوں کو عامل صدقہ کہا جاتا تھا۔ جو امیر وقت کے نائب ہو کر صاحب نصاب لوگوں کے پاس جاتے تھے۔

ایک شبہ کا ازالہ — لیکن یہ مطلب اسکا ہرگز نہ سمجھا جائے کہ اسلام نے خلیفہ یا امیر وقت کے لئے ظلم کا میدان وسیع کرکے امراء کو ظلم کرنے پر جری اور بیچاری رعیت کو ظلم سہنے پر مجبور کر دیا ہے۔ اور یہ وہی عجمی ملوکیت و شخصیت ہے جس کے مفاسد اوپر بیان کئے گئے ہیں۔

کیونکہ نظام معاملات کی درستی کے لئے اسلام کا ایک خاص حکیمانہ اصول ہے جس کے تمام پہلو دیکھنے کے بعد ہر فہیم انسان یہ کہنے پر مجبور ہوگا کہ لوگوں کے باہمی معاملات کی اصلاح کے لئے اس سے بہتر کوئی قانون نہیں ہو سکتا۔

اسلام نے ایک طرف اگر رعایا کو اس پر مجبور کیا ہے کہ امیر وقت کے ظلم وستم کے وقت بھی تم اس کو راضی کرنے کی کوشش کرو اور ہر حال میں اس کی اطاعت تمہارا فرض ہے۔ تو دوسری جانب امراء کو بھی آزاد نہیں چھوڑ دیا بلکہ ان کو اپنی جگہ میں اتنا پابند بنایا ہے کہ اُن کی کوئی حرکت وسکون عدل کے خلاف نہ ہو سکے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے والی یمن بنا کر رخصت کیا ہے۔ تو مفصل وصیتوں کے ضمن میں یہ ارشاد فرمایا ہے۔

ایاك وكرائم اموالهم واتق دعوة المظلوم فانه ليس بينها وبين الله حجاب۔ رواہ البخاری ومسلم (مشکوۃ)	زکوۃ میں لوگوں کے عمدہ عمدہ مال منتخب کرنے سے بچو۔ اور مظلوم کی بددعا سے ڈرو۔ کیونکہ اس کے اور خدا تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں۔

نیز حضرت جابر ابن عتیک والی حدیث میں جس جگہ رعایا کو اسکی ہدایت کی گئی ہے کہ وہ ہر حال میں امیر کی اطاعت کریں۔ وہیں ان امراء کو جو لوگوں پر ظلم کریں، مبغوض و مردود فرمایا گیا ہے۔

اس کے علاوہ سیکڑوں احادیث ہیں جن میں ذرا سے ظلم کرنے والے امیر کے لئے ایسی سخت سخت وعیدیں فرمائی گئی ہیں۔ کہ انکو سنکر پتہ پانی ہوتا ہے۔

الغرض ادھر امیر کو اپنی جگہ میں ظلم کے پاس جانے سے روک دیا گیا۔ اور ادھر رعایا کو

[illegible] نہیں ہو سکتی [illegible]

[illegible] سے کام لیا جائے تب [illegible]

[illegible] تب ہی [illegible]

[illegible] دوسری طرف بیوی کو حکم دیا [illegible] شفقت و محبت کا برتاؤ [illegible]

[illegible] مسلمان نہیں [illegible] بیوی کو [illegible] اس پر ظلم نہ کرے۔

[illegible] بیوی کے حقوق کی پوری نگرانی

کرے اور اگر اس میں کوتاہی کی تو قیامت میں اسکی سزا کیلئے تیار ہو جائے۔ اگر ایک ایسا حکیمانہ

[illegible] سے کام [illegible] کہ اگر [illegible] سے کام لیا جائے

[illegible] ایک شخص اپنی حدود اور اپنے

[illegible] دوسرے کی حدود میں گھس جاتا ہے۔

[illegible] معاملات میں عدل و انصاف کرنا [illegible] فرض منصبی ہے [illegible]

[illegible] بالمعروف کو لحاظ رکھتے ہوئے حق بات [illegible]

[illegible] کسی طرح عقل کا تقاضا نہیں کہ [illegible] اپنی حدود سے باہر

[illegible] اپنے فرائض کو چھوڑ دے۔

[illegible] ذریعے وہ اپنی

[illegible] ہے

[illegible]

[illegible] قوت و شوکت نہیں رکھتا تو [illegible]

کے پہلے سے زیادہ مصائب [illegible] میں گرفتار ہو جائیگا اور اگر اس کے کوئی قوت و شوکت حاصل

[illegible] سارے ملک کی [illegible]

[illegible] ہو گئے

بغاوت سے پہلے اگر صرف ایک شخص کا نقصان تھا تو بغاوت کے بعد ممکن ہے ہزاروں کا نقصان
ہوسکتا ہے اور نقصان بھی وہ کہ اگر سارا ملک بھی اس کے مقابلہ پر متحد ہو جائے تو بھی قرآن و سنت
میں سے کسی شرعی حکم کا لحاظ رہے تو پھر اس کے خلاف کرنے اور اس سے بدلہ لینے کا اعلان کرنے
کو جائز کہا ہے۔ کیا مطلب

ان نتائج پر نظر کرتے ہوئے اسلام نے حکمت کے مشہور قانون پر عمل کیا کہ

اذا ابتلی المرء ببلیتین فلیختر اہونہما	جب آدمی دو بلاؤں میں گرفتار ہو تو دونوں میں سے جو ہلکی ہو اسکو اختیار کر لینا چاہیئے۔

جب امیر وقت ظلم کرے تو ہمارے سامنے دو مصیبتیں ہیں ایک یہ کہ مظلوم اس ظلم پر صبر کرے اور دوسرے یہ کہ علم بغاوت بلند کر کے خود بھی اس سے زیادہ مصیبت میں گرفتار ہو اور دوسروں کو بھی بلا میں مبتلا کرے۔ ظاہر ہے ان دونوں مصیبتوں کے مقابلہ کے وقت پہلی شکل کا اختیار کرنا ہی عقل سلیم کا مقتضیٰ ہوگا۔ اور میں کہتا ہوں کہ ایسی حالت میں مظلوم کو ظلم پر صبر کرنے کی تلقین کا ذمہ دار فقط شخصیت یا اسلام نہیں۔ آج اگر موجودہ جمہوریت میں کسی شخص پر ظلم ہو اور کثرت رائے اس کے خلاف فیصلہ کر دے تو بتلائیے کہ یہ شخص کیا کریگا اور اس وقت سیاسی مدبرین اس کیلئے کیا فتویٰ دیں گے۔

کیا کسی عاقل کے نزدیک اس کیلئے یہ مناسب ہوگا کہ جمہوریت کے خلاف علم بغاوت بلند کر کے خود بھی پہلے سے زیادہ مصائب کا تختہ مشق بنے اور دوسرے لوگوں کو بھی مصیبت میں ڈالدے۔

بلکہ ہر عقلمند ایسی حالت میں اسکو صبر و تحمل کے سوا کوئی چارہ کار نہ سمجھے گا لیکن اس تلقین صبر کا کسی کے نزدیک یہ مطلب نہ ہوگا کہ وہ جمہوریت کے ظلم کا حامی ہے یا ظالم کیلئے ظلم کا میدان وسیع کر رہا ہے۔

پس اگر اسلام نے ایسی حالت میں مظلوم کو اطاعت امیر پر مجبور کیا تو کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اس نے ظلم کا دروازہ امراء کیلئے کھول دیا۔ خصوصاً جبکہ دوسری جانب امراء کو بھی اس قدر تنگ کر دیا گیا

جگہ بہ نسبت یکتا نہ کہ مسلمانوں کو یہ حق دیا ہو کہ امر بالمعروف کے ذریعہ سے کام لیں لیکن بہ نسبت مسلمین کو یہ فرض یاد دلائے۔

آخر میں اسلامی قانون سیاست کی آخری اصل و قاعدہ یہ ہے کہ اگر خلیفہ وقت ظلم بھی کرے تب بھی مطلقاً اس کی اطاعت فرض ہے۔ البتہ امر بالمعروف کرنے کا حق ہر شخص کو ہر وقت حاصل ہے۔ (۹) انتخاب امیر کے وقت ضروری ہے کہ خلافت عادلہ کی شرطوں پر نظر رکھی جائے جن میں عدالت بھی ایک شرط ہے۔ اس لئے کسی فاسق کو اپنے اختیار سے خلیفہ بنانا جائز نہیں۔ لیکن اگر کوئی فاسق زبردستی سلطنت پر قابض ہو جائے یا پہلے بوقت انتخاب فاسق نہ تھا بعد میں فاسق ہو گیا۔ تو باوجود اس کے فسق کے اس وقت تک اس کے خلاف علم بلند نہ کیا جائیگا جب تک کہ کفر صریح میں مبتلا نہ ہو جائے۔ (ازالۃ الخفا، حضرت شاہ ولی اللہ)

البتہ اگر کفر صریح میں مبتلا ہو جائے تو وہ خلافت سے معزول ہے اور مسلمانوں کو اس کا علیحدہ کرنا ضروری ہے۔

(۱۰) مسائل مجتہد فیہا جنمیں جانبین میں ادلہ شرعیہ موجود ہیں جیسے حنفی شافعی وغیرہ کے مختلف فیہ مسائل ان میں سے اگر امیر کسی ایک جانب کو متعین کر کے لوگوں کو اس پر عمل کرنیکا حکم دے تو ان سب کا فرض ہو گا اس کا اتباع کریں اگرچہ بحیثیت حنفیت یا شافعیت وہ اس کے مذہب کے خلاف ہو۔

(۱۱) ارکان مجلس شوریٰ کا انتخاب بھی اسلامی سیاست میں اس طوفان بے تمیزی کے ساتھ نہیں ہوتا جو موجودہ جمہوریت کا طغرائے امتیاز ہو اور جس کی بدولت تمام ملک جنگ و جدل بغض و عناد کی آماجگاہ بنا ہوا ہے۔ بلکہ یہ انتخاب عموماً امیر خود اپنی رائے سے کرتا ہے۔ یہ چند خصوصیات ہیں جو شخصیت سے ہم رنگ نظر آتی ہیں۔

مجھے اس وقت اسلام کا سیاسی قانون پیش کرنا نہیں۔ بلکہ صرف یہ دکھلانا مقصود تھا کہ اسلامی سیاست نہ درحقیقت وہ شخصیت و ملوکیت ہے جو کسریٰ و قیصر اور ملوک عجم کا طریق تھا۔

البتہ جمہوریت جسکا آجکل عالم میں دور دورہ ہے یہ کیکہ ... تو ایسی نظام عالم کی اصلاح کیلئے کافی نہیں۔ بلکہ اسلام نے اپنے اساسی اصول اعتدال کو پیش نظر رکھکر ان دونوں کے درمیان ایک صراط مستقیم اختیار کیا ہے جو نظام عالم اور مصالح خلق کی اصلاح کیلئے بہترین طریقہ ہے۔ اور اس مقام پر بحث بھی یہی اصل غرض صرف یہ عرض کرنا ہے کہ مجلس شوریٰ میں اگر اختلاف رائے پیش آئے تو فیصلہ کثرت رائے کے سپرد نہیں بلکہ امیر کی رائے پر موقوف ہوگا جس کو کہ دفعہ (۲۰) میں عرض کیا گیا ہو۔ اسوقت ہم اس کو کسیقدر تفصیل سے ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

مشورہ کا فیصلہ کثرت رائے پر ہے یا امیر مجلس کی رائے پر

اصولی طور پر اس بحث میں بھی ہمیں سب سے پہلے قرآن عزیز کو حکم بنانا چاہئے اور اسی کے فیصلہ کو محکم اور منتہی فیصلہ سمجھنا چاہیے۔ جسکی چند آیات اسوقت ہم نقل کیجاتی ہیں۔

مشورہ کے متعلق قرآن عزیز کی سب سے زیادہ مشہور آیت یہ ہے:

وشاورهم في الامر فاذا عزمت فتوكل على الله۔	آپ (معاملات میں) صحابہ و عام مسلمانوں سے مشورہ لیجئے اور جب پختہ ارادہ کرلیں تو اللہ تعالیٰ پر توکل کیجئے۔

اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو حکم فرمایا گیا ہے کہ اہم معاملات میں (جنمیں صریح وحی نہ آئی ہو) صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا کریں۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمایا گیا ہو کہ مشورہ کے بعد جب آپ کسی ایک جانب کا عزم فرمائیں تو اس میں اللہ تعالیٰ پر اعتماد کریں اپنی رائے یا مشورہ پر بھروسہ نہ کریں۔

جس سے صاف معلوم ہوا کہ مشورہ کے بعد کسی ایک جانب کو ترجیح دینا اور اسکا عزم کرنا یہ فقط امیر مجلس کی رائے پر موقوف ہے۔ اور اگر مشورہ کا فیصلہ کثرت رائے کے سپرد ہوتا تو چاہئے تھا کہ عزم کے لئے بھی جمع کا صیغہ استعمال کرکے یوں فرمایا جاتا فاذا عزموا (یعنی جب صحابہ کسی جانب کا عزم کرلیں۔)

الغرض آیت میں بجائے صیغہ جمع کے مفرد کا صیغہ استعمال کرکے اس بات کو بھی صاف کردیا گیا ہے

[illegible] مجلس کی [illegible] امیر [illegible] فہم سے جس [illegible]
[illegible] کو نافذ کرے۔

[illegible] متعلق دوسری آیت [illegible] طرح ارشاد ہوتی

[illegible] (الشوریٰ) [illegible] صفات [illegible] سے ملے ہوتے ہیں وہ [illegible] صحابہ کرام [illegible] مسلمانوں کے اخلاق و اعمال کا اعلیٰ نمونہ دکھلاتے ہوئے اُن کے [illegible] کی مدح [illegible] کہ وہ اپنے معاملات میں خود رائی سے کام نہیں لیتے بلکہ مشورہ کر کے طے کرتے ہیں۔

اس میں اگرچہ مسئلہ زیر بحث یعنی درصورت اختلاف فیصلہ مشورہ کے متعلق صراحۃً کوئی حکم مذکور نہیں لیکن جن حضرات کے مشوروں کی اس آیت میں مدح فرمائی گئی ہے جب ہم اُن کے تعامل پر نظر ڈالتے ہیں تو بلا شبہ اختلاف کی صورت میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کی مجلس شوریٰ پر کثرت رائے کی حکومت نہ تھی۔

کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کے مشاورات جنکا ایک حصہ انشاء اللہ تعالیٰ آپ عنقریب ملاحظہ فرمائیں گے۔ ان میں سے کسی ایک میں آپ نہ دیکھیں گے کہ مشورہ کے بعد موجودہ [illegible] ووٹ لئے گئے ہوں اور آراء کو شمار کر کے ان کی کثرت پر فیصلہ کیا گیا ہو۔ آیات قرآنیہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و افعال [illegible] آیت قرآنی [illegible]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشاورات اور فیصلہ کی صورت

غزوہ بدر [illegible] مسلمانوں کی [illegible] فتح پر ختم ہوا اور قریش کے بڑے بڑے ستر آدمی گرفتار ہو کر دربار نبوت میں حاضر کئے گئے تو یہ سوال پیش ہوا کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسب عادت اس کیلئے مجلس شوریٰ طلب کی اور صحابہ کو جمع کر کے مسئلہ زیر بحث پیش فرمایا۔ اتنی بات پر تمام روایات حدیث متفق ہیں کہ اس بارہ میں صحابہ کرام کی جانب سے مختلف رائیں پیش کی گئیں۔ اور صدر العصور و سید الاولین والآخرین نے ایک جانب کو ترجیح دیکر حکم نافذ فرمایا۔

ہاں یہ بیشک ایسا واقعہ ہے کہ اگر اس کی مجلس شوریٰ کے ارکان کی صحیح تعداد اور انکی رائیں معلوم ہو جائیں اور

یہ بھی معلوم ہو جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کس قوت کا کس طرح یعنی شوریٰ کو فیصلہ کا
اعتبار کیا یا قوت کا اور اکثریت کو ترجیح دی یا قلیت کو، تو ہماری بحث کا یہ پہلو بھی طے ہو جائے گا
لیکن یہ عجب اتفاق ہے کہ اس مشہور واقعہ کی بہت سی روایتیں موجود تو ہیں۔ مگر کسی نے یہ پوری
طرح خبر نہیں دی کہ اس جلسہ شوریٰ کے شرکاء کتنے حضرات تھے اور انہوں نے کیا کیا رائیں پیش کیں
بلکہ عام طور پر صرف حضرت صدیق اور فاروق اعظم کا اختلاف رائے ذکر کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے
البتہ کتب حدیث و تفسیر و سیر کی بہت سی ورق گردانی کے بعد چند حضرات کے اسمائے گرامی معلوم ہو
جاتے ہیں اور وہ تقریریں جو انہوں نے اس مجلس میں کیں ہیں ہمارے سامنے آتی ہیں۔ جس سے مسئلہ
زیر بحث کا اصلی بصیرت فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

روایات حدیث کو جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مجلس شوریٰ ایک معتد بہ جماعت پر مشتمل تھی جن میں سے
حضرات ذیل کے اسمائے گرامی خاص طور پر ذکر کئے گئے ہیں۔ ۱ حضرت صدیق اکبرؓ ۲ حضرت فاروق
اعظم ۳ حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ ۴ حضرت عبد اللہ ابن رواحہ ۵ حضرت سعد ابن معاذؓ

ان حضرات میں سے صرف حضرت صدیق اکبرؓ کی یہ رائے تھی کہ ان سب کو چھوڑ دیا جائے۔ باقی
حضرات میں سے کسی نے ان کی تائید نہیں کی۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے تو یہ تقریر کی

"یا رسول اللہ یہ لوگ ہیں جنہوں نے آپ کو جھٹلایا اور آپ کو وطن سے نکالا۔ اور
آپ کے ساتھ قتل و قتال کیا۔ میری رائے میں تو ان کو بلا کر سب کی گردن اڑا دیجئے
(ترمذی ابن ابی شیبہ امام احمد عن عبد اللہ ابن مسعود۔ در منثور صفحہ ۲۰۱)"

حضرت عبد اللہ ابن رواحہؓ نے اس سے زیادہ غصہ کا اظہار کرتے ہوئے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ میری رائے تو یہ ہے کہ ان سب کو کسی ایسی وادی میں داخل کیا جائے
جہاں سوختہ زیادہ ہو۔ اور پھر اس میں آگ لگا دی جائے (روایت مذکورہ)"

حضرت سعد ابن معاذؓ سے کوئی خاص تقریر منقول نہیں مگر ابن جریر نے بروایت محمد ابن اسحٰق
یہ نقل فرمایا ہے کہ ان کی رائے بھی یہی تھی، سب کو قتل کر دیا جائے۔ (تفسیر روح المعانی صفحہ ۲۶۱ ج ۳)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شرکت جنگ کا تذکرہ حضرت عمرؓ نے کیا ہے۔ مگر اس کے متعلق
یہ نہیں فرمایا کہ اُن کی رائے کس طرف تھی۔

بہرحال ان حضرات کے اسمائے گرامی مذکور ہیں جن میں سے صرف ایک حضرت صدیق اکبرؓ کی رائے منقول ہے کہ ان قیدیوں کو چھوڑ دیا جائے۔ باقی کسی کی رائے منقول نہیں۔

البتہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کی ایک روایت میں اجمالاً اس قدر منقول ہے کہ جب حضرت صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کی مختلف رائیں مجلس میں پیش ہوئیں تو بعض حضرات نے ان کی موافقت کی اور بعض نے ان کی (اخرجہ ابن المنذر وابو الشیخ وابن مردویہ کذا فی الدر ج۳)
لیکن اس روایت میں نام کسی کا نہیں لیا گیا بہرحال جن حضرات کے ناموں کی صراحت ملتی ہے ان میں صرف ایک رائے چھوڑ دینے کی طرف تھی اور باقی اُن سے بدل فدیہ اور قتل کرنے کی طرف۔

یہاں تک تو شوریٰ کی رائیوں کا تذکرہ تھا اب یہ دیکھنا ہے کہ اس مجلس کے امیر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسئلہ زیر بحث کا فیصلہ کس طرح فرمایا۔

اس کے متعلق حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ والی حدیث میں مذکور ہے۔

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کی رائے سن کر گھر میں تشریف لے گئے اور کسی کو کچھ جواب نہیں دیا ادھر صحابہ میں باتیں شروع ہو گئیں کوئی کہتا تھا کہ آپ حضرت صدیقؓ کی رائے کو اختیار فرمائیں گے اور کسی کا خیال تھا حضرت فاروقؓ کی رائے قبول کی جائے گی۔ کچھ دیر کے بعد آپ باہر تشریف لائے اور ایک مختصر تقریر فرمائی جس کی تقریر حدیث عبداللہ ابن مسعودؓ میں مفصل مذکور ہے جس میں فریقین کی رائیوں کے متعلق [illegible] آخری فیصلہ حضرت صدیقؓ کی رائے پر فرمایا [illegible] کذا فی روح المعانی صفحہ [illegible] جلد ۳۔

[illegible]

[illegible]

اکر فرمائے ہیں:

[illegible]

[illegible] (در منثور صفحہ [illegible])

حضرت عبداللہ ابن عباس کی ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق کو مخاطب کرکے فرمایا:

لو اجتمعتما [illegible] ما خالفتکما [illegible]

عن ابن عباس (در منثور صفحہ ۲۴۲) کے خلاف نہ کرتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے [illegible] قطعی فیصلہ فرمایا ہے۔

(الف) شرکائے مجلس [illegible] حضرات کی رائے [illegible] اکثریت بلکہ ایک [illegible] کے سوا تمام [illegible] قیدیوں [illegible] اور قتل کردیا جائے۔ حضرت [illegible] صدیق اکبر کی رائے [illegible] آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے [illegible] اکثریت کی [illegible] حضرت صدیق کی رائے کو ترجیح دی۔

(ب) [illegible] قطعی [illegible] آنحضرت [illegible] کے متعلق [illegible] کرکے [illegible] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر کی رائے کو [illegible] ان الفاظ سے خود ظاہر ہے [illegible]

اس کے نزدیک قوت رائے کے اعتبار سے جو پسندیدہ ہو اسکو نافذ کرے خواہ اکثریت اسکے موافق ہو یا مخالف۔

ج۔ عام صحابہ کرامؓ نے جو فیصلے کے متعلق رائے زنی کرتے ہوئے اپنا اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے ان کے الفاظ بھی تقریباً حضرت فاروقؓ کے بیان کی ساتھ ملتے جلتے ہیں جن میں ابھی آپنے ملاحظہ فرمایا ہے کہ کوئی کہتا تھا کہ آپ حضرت صدیقؓ کی رائے کو قبول فرمائیں گے اور کسی کا خیال تھا کہ اس بحث میں رائے فاروق کو ترجیح دیجائیگی۔ یہ کسی نے نہ کیا کہ مجلس کے موجودہ ارکان کو شمار کر کے کثرت رائے سے صورت فیصلہ کی تعیین کرلیتا یہ صریح دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کے مجلس شورہ پر کثرت رائے کی حاکمیت نہ تھی۔ ورنہ صحابہ کو اس رائے زنی کرنیکا کوئی موقع ہی نہ تھا کیونکہ صورت فیصلہ خود بخود متعین تھی۔

(د) حضرت ابن عباسؓ کی روایت شیخینؓ کے متعلق خود حضرت نبوت کے یہ الفاظ ابھی نقل کئے گئے ہیں کہ اگر تم دونوں کسی رائے پر متفق ہوتے تو میں تمہارا اخلاف نہ کرتا۔ اس سے بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اختلاف آراء کی صورت میں آپ کثرت رائے کے پابند نہ ہوتے تھے۔ ورنہ اس کے کوئی معنی نہیں ہیتے کہ میں تم دونوں کا خلاف نہ کرتا۔

اس ایک واقعہ نے انہی متعدد وجوہ سے یہ ثابت کردیا کہ اسلامی سیاست میں کثرت کے بجائے قوت رائے کا اعتبار ہے۔ امامیر مجلس کثرت رائے کا پابند نہیں کیا جاتا۔

ایک شبہ اس کا رد یہاں اگر یہ کہا جائے کہ بدر کے قیدیوں کے معاملہ میں اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کثرت کے مقابلہ میں صرف حضرت ابوبکر کی رائے پر عمل فرمایا تھا۔ لیکن خداوند عالم کے نزدیک یہ فعل مقبول نہ ہوا بلکہ اظہار ناراضی کے کلمات قرآن کریم میں نازل ہوئے۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ ایک اجتہادی لغزش تھی جس کا ہونا شان نبوت کے خلاف نہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس میں ناراضی کا سبب کثرت رائے کو چھوڑنا ہے۔ اور نہ یہ کہ جس رائے کو اختیار کیا گیا ہے وہ فی نفسہٖ غلط تھی اور یہی وجہ ہے کہ بعد میں بھی حکم وہی باقی رہا جو اس واقعہ میں حضرت صدیق کے رائے کے موافق

جاری کیا گیا تھا۔ چنانچہ خود حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوہ حدیبیہ میں ستر قیدیوں کو چھوڑا ہے۔ نیز ثمامہ ابن اثال کو قید کرنے کے بعد رہا فرمایا ہے۔ بلکہ یہ ناراضی دوسرے اسباب کی بنا پر تھی جنکے بیان کا یہ موقع نہیں یہی وجہ ہے کہ اظہار ناراضی کے الفاظ میں بھی یہ نہیں کہا گیا کہ آپ نے اکثر کی رائے کو چھوڑ کر اقلیت کو کیوں ترجیح دی۔ بلکہ دوسرے اسباب ذکر کئے گئے ہیں۔

حافظ ابن قیمؒ زاد المعاد میں اس بحث کے متعلق لکھتے ہیں وقد تکلم الناس فی ای الرأیین کان اصوب فرجحت طائفة قول عمرؓ لھذا الحدیث ورجحت طائفة قول ابی بکرؓ لاستقرار الامر علیہ وموافقتہ الکتاب الذی سبق من اللہ باحلال ذلک لھم ولموافقتہ الرحمة التی غلبت الغضب (زاد المعاد ص ۳۳۳ ج ۱) (ترجمہ) لوگوں نے اسمیں کلام کیا ہے کہ ان دونوں رایوں میں کونسی رائے درست اور صواب تھی۔ سو بعض حضرات نے حضرت عمرؓ کی رائے کو صواب قرار دیا ہے۔ بوجہ اسی حدیث کے (جسمیں خداوند عالم کیجانب سے اس فیصلہ پر اظہار ناراضی کا ذکر ہے) اور دوسرے حضرات نے صدیق اکبرؓ کی رائے ہی کو صواب قرار دیا ہے کیونکہ بالآخر شرعی حکم وہ ہی قرار پایا ہے جو حضرت صدیق کی رائے تھی (یعنی قیدیوں کو آزاد چھوڑ دینا) نیز یہ رائے اُس ازلی فیصلے کے مطابق تھی جو اللہ تعالیٰ کے علم میں مقدر تھا۔ نیز یہ رائے اُس رحمت الٰہیہ کے موافق بھی ہے جو غضب پر غالب ہے۔

الغرض یہ اظہار ناراضی بعض وقتی امور کیوجہ سے پیش آیا ہے ورنہ خداوند عالم نے بھی ہمیشہ کیلئے اسی حکم کو جاری رکھا ہے اس فیصلہ میں حضرت صدیق کی رائے پر کیا گیا تھا۔

ایک اور واقعہ اسی غزوۂ بدر میں جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام کی مختصر جمعیت کے ساتھ محاذ جنگ پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ ابو سفیان اپنے قافلہ کو لیکر نکل گیا ہے۔ مگر قریش کا بڑا لشکر جو اس قافلہ کی امداد کیلئے مکہ سے آیا ہے ابھی اس میدان کے کنارہ پر پڑا ہے۔ تو آپ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا کہ اب جنگ کو شروع کیا جائے یا ملتوی کر دیجائے۔ اس مجلس شوریٰ کی روداد حضرت انسؓ اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شاور	جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابو سفیان کے نکلجانے کی

حیث بلغه اقبال ابی سفیان فتکلم ابوبکر فاعرض عنه ثم تکلم عمر فاعرض عنه فقال سعد ابن عبادة ایانا ترید یا رسول الله والذی نفسی بیده لو امرتنا ان نخیضها البحر لاخضناها ولو امرتنا ان نضرب اکبادها الی برك الغماد لفعلنا. رواه ابن ابی شیبه کذا فی الکنز صفحہ ۲۳ ج ۵۔

اطلاع ملی تو آپ نے صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا۔ اول صدیق اکبرؓ نے رائے ظاہر کی تو آپ نے اُن سے رُخ پھیر لیا۔ پھر حضرت عمرؓ نے اپنا خیال ظاہر کیا تو اُنسے بھی اعراض کیا۔ پھر سعد ابن عبادہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ ہماری رائے دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جسکے قبضہ میں میری جان ہے اگر آپ یہ حکم فرمائیں کہ ہم اپنے گھوڑے سمندر میں ڈالدیں تو ہم فوراً کود پڑیں گے اور اگر آپ یہ امر فرمائیں کہ مقام برک غماد تک گھوڑے دوڑائیں تو یقیناً ہم اطاعت کریں گے۔

اس مجلس مشورہ کے طرزِ عمل سے بھی قطعی طور پر معلوم ہوا۔ اسلامی جلسہ شوریٰ موجودہ جمہوریت کی طرح کثرت رائے کا محکوم نہ تھا۔

تیسرا واقعہ

غزوہ احد میں جب کفار مکہ کا لشکر مدینۃ الرسولؐ کے قریب آپہنچا تو حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو جمع کرکے مشورہ کیا۔ اس مشورہ میں بھی اختلاف رائے کی نوبت آئی بعض حضرات کی رائے تھی کہ مسلمانوں کا لشکر شہر مدینہ سے باہر نہ نکلے بلکہ جب کفار شہر میں داخل ہونے لگیں تو گلی کوچوں میں متفرق طور پر مقابلہ کیا جائے اور چھتوں کے اوپر سے عورتیں ان کی امداد کریں۔ خود حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھی یہی رائے تھی اور بعض صحابہ اس کے خلاف تھے وہ کہتے تھے کہ ہمیں باہر نکلکر مقابلہ کرنا چاہیئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ مختلف رائیں سُنکر گھر میں تشریف لے گئے اور زرہ پہن کر باہر تشریف لائے اور ان لوگوں کی رائے کے موافق طیاری شروع کی جو مدینہ سے باہر نکلکر لڑنے کا مشورہ دیتے تھے۔ لیکن جب ادھر ان لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اصرار کرکے آپ کو اپنی رائے کے خلاف پر مجبور کردیا۔ یہ مناسب نہیں۔ یہ سوچ کر ان سب کی رائے بدل گئی اور جب آپ باہر تشریف لائے تو متفقہ طور پر یہ عرض کی کہ مدینہ کے اندر رہکر ہی مقابلہ کیا جائے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد

فرمایا۔

مَا ینبغی لنبی اذا لبس لأمتہ ان یضعہا حتی یحکم اللہ بینہ وبین عدوہ۔	کسی نبی کیلئے مناسب نہیں جب وہ اپنی زرہ پہن لے کہ اسکو پھر اتارے جبتک کہ خداتعالیٰ اسکے اور دشمن کے درمیان فیصلہ نفرمادے۔

الغرض آپ نے اسی رائے کو نافذ فرمایا۔ اور ایک ہزار صحابہ کو ساتھ لیکر باہر تشریف لے گئے (کذا فی زاد المعاد صفحہ ۳۴۴ جلد ۱)۔

اس واقعہ مین بھی چند وجوہ سے ہمارے مسئلہ زیر بحث پر روشنی پڑتی ہے۔

(۱) اول اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو فیصلہ ابتداءً فرمایا تھا اس مین کثرت قلت کی کوئی گفتگو درمیان مین نہین آئی۔ بلکہ جس رائے کو آپ نے نافذ فرمایا تھا اس کی ترجیح کی وجہ روایات کے الفاظ سے یہ معلوم ہوتی ہین۔ کہ یہ جماعت فضلائے صحابہ پر مشتمل تھی اور ان کی قوت رائے باعث ترجیح ہوئی۔ روایات کے الفاظ یہ ہین۔

فقال رجال من فضلاء الصحابۃ ممن فاتہ الخروج یوم بدر واشاروا علیہ بالخروج والحوا علیہ فی ذلک (زاد المعاد صفحہ ۳۴۳)۔	ان فضلاء صحابہ کی ایک جماعت آگے بڑھی جنکو غزوہ بدر مین شرکت کا موقع نہین مل سکا تھا تو انہون نے یہی مشورہ دیا کہ آپ باہر نکلکر جنگ کریں۔ اور اس رائے پر اصرار کیا۔

(۲) دوسرے یہ کہ بعد مین جب ان حضرات کی رائے بدلی اور سب نے متفقہ طور پر یہ کہا کہ شہر کے اندر ہی مقابلہ کیا جائے۔ تو اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب کے خلاف خروج ہی کے حکم کو نافذ فرمایا۔

یہ چند واقعات ہین جنسے حضرت نبوت کی مجلس شوریٰ کے طرز عمل کا صحیح اندازہ ہو سکتا ہی اور بالجملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشورون مین اہل شوریٰ کی رائین شمار کرنے اور پھر کثرت پر فیصلہ کرنے کی ایک نظیر بھی پیش نہین کیجا سکتی۔

اس کے بعد ہم خلفاء راشدین کی مجلس شوریٰ اور اس کے طرز عمل کو چند واقعات کے ذریعہ ہدیۂ ناظرین کرتے ہین۔

خلفاء راشدین کی مجالس شوریٰ

حضرت رسالت پناہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے مشاورات اور ان کا طرز عمل اگرچہ قواعد اصول کے مطابق تمام اُمت کے لئے اسوہ ہے۔ اور جب تک تخصیص کی کوئی صریح دلیل معلوم نہ ہو اُسوقت تک اُس طرز عمل کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس کے ساتھ مخصوص کہنے کی کوئی وجہ نہیں۔

لیکن تاہم کسی کو یہ خیال گذر سکتا ہے کہ آپ تو بوجہ عہدہ نبوت خود مشورہ کے بھی محتاج نہیں تھے۔ اور اسی وجہ سے تمام اُمت کے مقابلہ میں آپ کی تنہا رائے راجح ہو سکتی ہے۔ لیکن نبی کے علاوہ کسی دوسرے شخص کے لئے یہ اختیار ثابت نہیں ہو سکتا۔ اسلئے مناسب معلوم ہوا کہ اسکے بعد ہم خلفاء راشدین کا طرز عمل اور ان کی مجالس شوریٰ کا اجمالی نقشہ بھی ناظرین کے لئے پیش کر دیں۔

حضرت صدیق اکبرؓ کی مجلس شوریٰ

فریضہ زکوٰۃ چھوڑنے والوں پر جہاد۔ صحابہ کی رائین

حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ جب حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہو گئی تو مدینہ میں نفاق پھیل گیا۔ عرب مرتد ہونے لگے۔ ادھر عجم میں بھی یہی ہوا اثر گرگیا اور مرتد ہو کر مقابلہ کی دھمکیاں دینے لگے اور ان کی زبانوں پر یہ باتیں آگئیں کہ یہ شخص جسکی وجہ سے مسلمان تمام اقوام پر بھاری نکلے اور جس کی وجہ سے ہر جنگ میں ان کی مدد ہوتی تھی (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم) وفات پا گئے اور اب مسلمانوں کا مٹا دینا سہل ہو گیا ہے۔

خلیفہ وقت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ صورت دیکھکر مہاجرین و انصار کو جمع کیا اور یہ تقریر فرمائی کہ:۔

آپ کو معلوم ہے کہ عرب نے زکوٰۃ ادا کرنی چھوڑ دی اور وہ اپنے دین سے مرتد ہو گئے ادھر عجم نے تمہارے مقابلہ کے لئے نہاوند کو تیار کر رکھا ہے اور وہ یہ کہتے ہیں کہ مسلمان جس شخص کی وجہ

ہمیشہ مظفر و منصور ہوتے تھے (یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وہ آج انتقال کر گئے ہین لا سوقت موقع ہے کہ مسلمانون کو دنیا سے مٹا دیا جائے۔ آپ مجھے مشورہ دین کہ اس حالت مین کیا کرنا چاہئے کیونکہ مین بھی تمہین مین سے ایک شخص ہون۔ اور مجھ پر نسبت تمہاری اس مصیبت کا بوجھ زیادہ ہے

اعیان صحابہ مہاجرین و انصار کا مجمع ہے لیکن یہ واقعہ سنکر سب پر ایک سکتہ کا عالم طاری ہے اور کوئی کچھ نہین بولتا یہانتک کہ ایک طویل سکوت کے بعد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تقریر شروع کی اور فرمایا۔

"اے خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بخدا میری رائے تو یہ ہے کہ آپ وقت کی نزاکت کو سامنے رکھکر (اسوقت) عرب سے نماز ادا کرنے ہی کو غنیمت سمجھین۔ اور فریضہ زکوٰۃ کے چھوڑنے پر مواخذہ نکرین۔ اسلئے کہ یہ لوگ اسلام مین ابھی ابھی داخل ہوئے ہین ابتک اسلام ان کے دلون مین رچا نہین۔ پھر یا تو اللہ تعالیٰ انکو ہدایت کیطرف پھیر دیگا اور یہ تمام اسلامی فرائض و احکام کو تسلیم کرکے سچے مسلمان ہوجائین گے۔ اور یا اللہ تعالیٰ اسلام کو قوت دیدیگا تو ہم ان سے مقابلہ پر قادر ہوجائین گے اسوقت مقابلہ کیا جائیگا۔ لیکن اسوقت تو موجودہ مہاجرین و انصار مین تمام عرب و عجم کے مقابلہ کی سکت نہین"

حضرت فاروق کی رائے سُننے کے بعد صدیق اکبرؓ حضرت عثمانؓ کی طرف متوجہ ہوئے۔ انہون نے بھی حرف بحرف حضرت فاروق کی رائے سے اتفاق ظاہر کیا۔ پھر حضرت علیؓ نے بھی اسی کی تائید کی۔ ان کے بعد تمام مہاجرین اسی رائے کی تائید مین یک زبان ہوگئے۔

یہ دیکھکر حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصار کیطرف متوجہ ہوئے۔ اُنہون نے بھی متفقہ طور پر یہی رائے ظاہر کی کہ اسوقت ان سے مقاتلہ قرین مصلحت نہین۔ یہ سُنکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تقریر کے لئے منبر پر چڑھے۔

یہ افضل الناس بعد الانبیاء حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس شوریٰ کا ایک واقعہ ہے

جسمین شوریٰ کے تمام ارکان بلا استثنا، امیر کی رائے کے خلاف رائے پیش کرتے ہین - اب سُنیے کہ مسلمانون کا سب سے پہلا امیر، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہلا خلیفہ اس واقعہ مین کیا فیصلہ دیتا ہے. تاکہ ہمارے مسئلہ زیر بحث کا فیصلہ صاف طور پر خلیفہ اول کے عمل سے ہو جائے -

حضرت صدیق کا یہ خطبہ چونکہ فصاحت و بلاغت اور شوکت و جلالت کا ایک خاص نمونہ ہے اسلئے عربی دان طبقہ کی دلچسپی کیلئے اس کے اصل الفاظ بھی نقل کئے جاتے ہین -

اما بعد فان اللہ بعث محمدا صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم والحق قلّ شرید والاسلام غریب
طرید قد رثّ حبلہ وقلّ اھلہ فجمعھم اللہ
تعالی بمحمد صلی اللہ علیہ وجعلھم الامۃ الباقیۃ
الوسطی واللہ لا ابرح اقوم بامر اللہ واجاھد
فی سبیل اللہ حتی ینجز اللہ تعالی لنا وعدہ ویفی
لنا عھدہ فیقتل من قتل منا شھیدا فی
الجنۃ ویبقی من بقی خلیفۃ اللہ فی ارضہ
ووارث عبادہ الحق فان اللہ قال ولیس
لقولہ خلف وعد اللہ الذین آمنوا منکم
وعملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض
کما استخلف الذین من قبلھم واللہ
لو منعونی عقالا کانوا یعطون رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثم اقبل معھم الشجر
والمدر والجن والانس لجاھدتھم
حتی تلحق روحی باللہ ان اللہ لم یفرق

حمد و نعت کے بعد ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم کو ایسے وقت مبعوث فرمایا جبکہ دنیا مین حق نہایت قلیل اور
گمنام تھا اور اسلام محض اجنبی اور غیر مقبول تھا - اس کی رسی بوسیدہ
ہو چکی تھی . اور اسکے اہل کم رہگئے تھے - پھر اللہ تعالیٰ نے انکو حضرت محمد
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں جمع فرمایا اور انھیں قیامت تک
باقی رہنے والی معتدل اُمّت بنادی . خدا کی قسم مین برابر امر الٰہی
پر قائم رہونگا اور خدا کے رستہ مین جہاد کرونگا یہانتک کہ حق تعالیٰ
اپنا وعدہ پورا فرمادین - اور ہم مین سے جو قتل ہو وہ شہید
ہو کر جنت مین جائے اور جو زندہ رہے وہ خدا کی زمین مین
اس کا خلیفہ اور اس کے بندون کا وارث ہو کر رہے - اسلئے
کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے اور اس کا وعدہ کبھی خلاف نہین
ہوتا، کہ اللہ تعالیٰ نے نیک عمل کرنیوالے مسلمانون سے وعدہ
کیا ہے کہ وہ ان کو زمین کا خلیفہ بنائیگا . جیسا کہ ان سے پہلے
لوگون کو خلیفہ بنایا تھا - خدا کی قسم . اگر وہ لوگ جو زکوٰۃ حضرت
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیتے تھے اسمین سے ایک رسی بھی دینے سے
انکار کرین تو مین ان سے برابر جہاد کرتا ہونگا . یہانتک کہ میری روح خدا تعالیٰ

بين الصلوٰة والزكوٰة ثم جمعهما رواه الخطابي فی رواۃ مالک (کنزالکنز صفحہ ۱۴۳) ۔

سے جلے۔ اگرچہ اسوقت ان کی امداد کیلئے دنیا کا ہر درخت اور پتھر اور جن وانس ہیرے مقابلہ کے لئے جمع ہوجائیں کیونکہ خدا تعالیٰ نے نماز اور زکوٰۃ میں کوئی فرق نہیں فرمایا بلکہ دونوں کو ایک ہی سلسلہ میں ذکر فرمایا ہے۔

حضرت صدیق کے اس پر شوکت خطبہ نے مجمع کو محو حیرت بنا دیا تھا۔ تقریر ختم ہوتے ہی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زور سے اللہ اکبر کہا اور فرمایا کہ جس کام کے لئے اللہ تعالیٰ نے ابوبکر کا شرح صدر فرمایا ہے۔ میرا بھی اس پر شرح صدر ہوگیا۔

لیکن اسوقت بھی صرف فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موافقت منقول ہے اور کسی کی تائید میری نظر سے نہیں گذری۔ بلکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بدستور اس کی مخالفت پر قائم رہنا اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ۔

جب حضرت صدیق رضی اللہ اس جہاد پر عزم مصمم کرکے مدینہ سے چل کھڑے ہوئے اور مقام ذی القصہ تک پہنچ گئے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آگے بڑھکر گھوڑے کی باگ تھام لی اور فرمایا کہ اے خلیفہ رسول اللہ آپ کدھر جاتے ہیں۔ آج میں بھی آپ سے وہی کہتا ہوں جو غزوۂ احد میں آپ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا جیسے

يعني شم سيفك ولا تفجعنا بنفسك فوالله لئن اصبنا بك لا يكون للاسلام بعدك نظام ابدا رواه ابن سعد في طبقاته (کنز صفحہ ۱۴۲)

اپنی تلوار کو میان میں کیجئے اور ہمیں اپنی ہستی سے محروم نہ کیجئے کیونکہ خدا کی قسم اگر آپ کے قتل کی مصیبت ہم پر پڑ گئی تو پھر آپ کے بعد اسلام کا کبھی نظام درست نہ ہوگا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اس تقاضا و اصرار پر خلیفہ اول خود تو واپس مدینہ میں تشریف لے آئے۔ مگر اپنے عزم کو نہیں چھوڑا۔

بلکہ حضرت سیف اللہ خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سرکردگی میں ایک لشکر ان مرتدین کیطرف روانہ فرمایا۔

(باقی آئندہ)

اس واقعہ مین خلیفہ اول رضہ کے فیصلہ نے ہمارے مسئلہ زیر بحث کا نہایت وضاحت سے فیصلہ کر دیا ہے کہ اگر شورہ مین اختلاف آراء کی نوبت آئے تو ان سب آراء مختلفہ کو سننے کے بعد امیر کی رائی جس جانب پر قائم ہوجائے بس وہی قابل انفاذ ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ خلفاء راشدین مین سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی انتظامی خصوصیت اور اس مین انتہائی قابلیت فقط اہل اسلام مین نہین بلکہ تمام دنیا کے قدیم وجدید سیاسی طبقون مین بلاخلاف تسلیم کیجاچکی ہے۔ اور اسی لئے ہمارے مسلمانون مین بھی جن حضرات کے نزدیک یورپین تمدن ومعاشرت ہی تمام خوبیون کا معیار ہے اور روشن خیالی اسی کا نام ہے کہ اسلامی قبا کو کھینچ تان کر اس جسم نازیبا پر راست بنادین اگرچہ اس کھینچا تانی سے خود قبا پھٹ جائے۔ انہون نے یورپ کی موجودہ جمہوریت کو بھی جب اسلام کے سرتھوپنے کی ٹھانی تو اس کا ذمہ دار حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو ٹھیرایا ہے۔

اس لئے عہد فاروقی کے چند واقعات پیش کے جاتے ہین جن کے مجموعہ سے اس مین شبہ نہین رہتا کہ خلافت فاروقی کے زمانہ مین بھی جب کہ سیاسی انتظامات کمال کو پہنچ چکے تھے۔ خلیفہ وقت کثرت رائے کا محکوم نہ تہا۔ بلکہ صحیح معنی مین حاکم تہا اور ہر مختلف فیہ مسئلہ مین آراء مختلفہ سننے کے بعد جس جانب کی ترجیح پر اس کا شرح صدر ہوتا تہا۔ وہی تمام ممالک کیلئے نافذ ہوتی تھی۔ یہ دوسری بات ہے کہ ایسے شرح صدر کا سبب کبھی کثرت رائے ہی ہوجائے اور کبھی دوسری وجوہ۔

امام ابوجعفر طبری بحوالہ صحیح بخاری ومسلم نقل فرماتے ہین کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب حضرت عمر رضہ شام کی طرف چلے اور مقام سرغ[1] تک پہنچ گئے۔ تو شام کے اسلامی حکام اور فوجی سردار آگے بڑھکر یہان آملے۔ اور خبر دی کہ آجکل شام مین وبار (طاعون) پھیلی ہوئی ہے۔

ابن عباس فرماتے ہین۔ یہ خبر سنکر حضرت عمر رضہ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ مہاجرین اولین کو جمع کرو مین نے حکم کی تعمیل کی جب سب جمع ہوگئے تو وبار کی خبر سنا کر ان سے مشورہ طلب کیا۔ ان کے

[1] مدینہ طیبہ سے تیرہ منزل کے فاصلہ پر ایک گاؤن کا نام ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ گاؤن وادی تبوک مین واقع ہے۔ ... (معجم البلدان ... جلد ۵ صفحہ ...) ...

آپس مین اختلاف ہوا۔ بعض نے عرض کیا کہ آپ ایک اسلامی کام کے لئے نکلے ہین۔ اسلئے ہم مناسب نہین سمجھتے کہ اب اسکو چھوڑکر واپس ہوجائین۔ اور بعض نے کہا کہ آپ کی ساتھ خدا کی ایک عظیم مخلوق اور تمام صحابہ کرام کا جتھا ہی۔ ہمارے نزدیک مناسب نہین ہے کہ آپ ان سب کو وبا مین ڈالدین۔ خلیفہ وقت نے یہ اختلاف رائے سنکر نہ دونون کے عدد شمار کئے اور نہ کثرت و قلت کو دیکھا۔ بلکہ سب کو رخصت کردیا۔ اور پھر حضرت ابن عباس رض نے فرمایا کہ انصار کو جمع کرو۔ جب وہ جمع ہوگئے تو ان سے بھی بھی مشورہ طلب کیا۔ ان مین بعینہ یہی اختلاف رائے پیش آیا۔ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو بھی رخصت کردیا۔

اور پھر حضرت ابن عباس رض سے فرمایا کہ اب ان سن رسیدہ قریشی مہاجرین کو جمع کرو جنھون نے فتح مکہ سے پہلے ہجرت کی تھی۔ ابن عباس فرماتے ہین کہ مین نے ان کو جمع کیا۔ ان سب نے یہ حال سنکر یک زبان ہوکر کہا کہ ہماری رائے یہ ہے کہ آپ واپس لوٹ جائین اور تمام خلق اللہ کو وبا کی آگ مین نہ ڈالین۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سنکر لشکر مین اعلان فرمایا کہ ہم علی الصباح یہان سے مدینہ کو واپس ہوجائین گے۔

صوبہ شام کے امیر حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ کیا آپ تقدیر خداوندی سے بھاگتے ہین۔ فاروق اعظم چونکہ ان کی بہت قدر کرتے اور ان کے خلاف کو پسند نہ کرتے تھے۔ اس لئے فرمایا کہ اگر تمہارے سوا کوئی اور ایسا کہتا تو بعید نہ تھا (لیکن تم جیسے فہیم آدمی سے ایسا اعتراض بعید ہی)۔ سُن لو کہ بیشک ہم تقدیر خداوندی سے تقدیر خداوندی ہی کی طرف بھاگتے ہین۔ (مطلب یہ تھا کہ خلق اللہ کو ہلاکت اور مضرت کی جگھون سے بچانا بھی حکم خداوندی ہی ہے لہذا ہم ایک تقدیر سے دوسری تقدیر کی طرف بھاگ رہے ہین اسمین مضائقہ ہی)۔

اور پھر فرمایا کہ اگر آپ کسی جنگل مین اپنے اونٹ چرانے کیلئے لیجائین اور ایسی جگہ مین جا کر اُترین جسکے دو حصہ ہون ایک قحط زدہ اور خراب اور دوسرے مین سبزہ لہلہاتا ہو تو کیا یہ بات صحیح نہین کہ اگر آپ خراب حصہ مین چرائین گے وہ بھی تقدیر خداوندی سے چرائین گے۔ اور اگر اچھے سبزہ زار مین چرائین گے تو وہ بھی تقدیر الٰہی سے ہوگا۔

حضرت عبدالرحمن ابن عوف رضی اللہ عنہ کہیں باہر تشریف لے گئے تھے۔ اتفاقاً اس وقت پہنچ گئے اور واقعات سنکر فرمانے لگے کہ مجھے اس کا شرعی حکم معلوم ہے۔ کیونکہ میں نے خود حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ:۔

اذا سمعتم بہ بارض فلا تقدموا علیہ واذا وقع بارض وانتم بہا فلا تخرجوا فراراً منہ | جب سنو کہ کسی شہر میں طاعون ہے تو وہاں مت جاؤ اور اگر جس جگہ تم پہلے سے موجود ہو وہاں طاعون آجائے تو وہاں سے نہ نکلو۔

حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ سنکر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ اور حسب ارادہ واپس ہو گئے۔ اس واقعہ نے صاف طور پر بتلا دیا کہ مشورہ کا فیصلہ اسلامی خلافت میں کثرت رائے کے حوالہ نہ تھا۔ بلکہ مشورہ کی غرض محض یہ ہوتی تھی کہ لوگوں کی رائیں سنکر مسئلہ کے تمام پہلو روشنی میں آجائیں اور پھر جس چیز پر امیر کا شرح صدر ہو وہ عمل میں لایا جائے۔

اس واقعہ میں جب تک حضرت فاروق کو شرح صدر حاصل نہیں ہوا مجلس شوریٰ کو بدلتے رہے۔ لشکر کی تنظیم اور مال غنیمت وغیرہ کی تقسیم کے بارہ میں بھی جب حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے مجلس مشورت طلب فرمائی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور ولید ابن ہشام ابن مغیرہ رضی اللہ عنہ وغیرہم کی مختلف رائیں مجلس میں پیش ہوئیں۔ اسوقت بھی حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے کثرت وقلت کی طرف کوئی التفات نہیں فرمایا۔ بلکہ ولید ابن ہشام کی رائے کو زیادہ قوی اور مفید سمجھکر اسی کو نافذ فرما دیا۔ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ الخلفاء میں اس مشورہ کے فیصلہ کے متعلق جو الفاظ نقل کئے ہیں وہ اس کیلئے شاہد عدل ہیں۔ وہی ہذا:۔

فاخذ بقول (ای بقول الولید) تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۰۳ | آپ نے ولید کے قول کو قبول کرکے نافذ کیا۔

یہ چند واقعات ہیں حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی مجالس مشورت کے۔ جن کے دیکھنے کے بعد ایک مسلمان کو اس میں تردد نہیں رہ سکتا۔ اسلامی مشورہ کا فیصلہ کثرت رائے کا محکوم نہیں ہوتا۔

خیال تھا اسلامی تاریخ سے اس سلسلہ کی پوری تکمیل کیجائے۔ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ان کے بعد جمہور خلفاء اسلام کی مجالس مشاورت روداد میں پیش کرکے مسئلہ زیر بحث کو مؤید ومشید کیا جائے۔ لیکن ایک طرف تو ہجوم افکار وحوادث اور ضیق وقت

وقلت فراغت اس میں سنگ راہ ہو رہی تھی دوسری طرف یہ بھی خیال ہوا کہ ایک حق طلب مسلمان کی تشفی واطمینان کیلئے تو اسقدر بھی کافی ہے۔ اور معاند ومخالف کے لئے ہزار دفتر بھی مفید نہیں۔ اس لئے اس تاریخی سلسلہ کو یہیں ختم کر دینا مناسب معلوم ہوا۔ آخر میں کثرت رائے کی حقیقت اور اس کے ایک گونہ فائدہ پر بھی متنبہ کر دینا ضروری ہے۔

کثرت رائے کی حقیقت اور اس کا فائدہ

اگر شورہ کی حقیقت اور اس کی اصلی غرض پر نظر کیجائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مشورہ کا مقصد صرف یہ ہی کہ زیر غور معاملہ کی تمام جوانب منافع اور مضار روشنی میں آجائیں اور پھر مشورہ لینے والا جس جانب کو اختیار کرے علی بصیرۃ اختیار کرے۔ کیونکہ بہت مرتبہ ایک کام کے منافع انسان کے سامنے ہوتے ہیں اور اس کی مضرتوں کا اسکو علم نہیں ہوتا یا ان سے ذہول ہوتا ہے مشورہ سے اس کے تمام مضار اور منافع پہلو واضح ہو کر ایک جانب کو علی بصیرۃ ترجیح دینے پر قدرت ہو جاتی ہے یہ ہی شورہ کی اصلی غرض اور مقصد۔ اس کا مقتضی خود یہ ہے کہ مشورہ طلب کرنیوالا بعد مشورہ کہ بھی ایسا ہی آزاد رہے جیسا قبل از مشورہ تھا۔ قلت وکثرت کا محکوم نہو بلکہ مسئلہ کے تمام جانب کو دیکھکر جو اس کی رائے قایم ہو اُسی کو توکلا علی اللہ اختیار کرے۔

اور حقیقت کسی رائے کے صائب اور مفید ہونے کو کثرت وقلت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ بعید نہیں کہ کثرت رائے اکثر غیر مفید بلکہ مضر جانب پر ہوا کرے۔

مولانا محمد حسین صاحب الہ آبادی نے سرسید احمد خانصاحب سے اس مسئلہ میں گفتگو کرتے ہوئے ایک عجیب لطیفہ بیان کیا۔ کہ اس عالم میں باتفاق عقلائے دنیا اچھی چیزیں کم ہیں اور بری زیادہ۔ تمام طبقات عالم پر یہ کلیہ شاہد ہے بالخصوص انسان میں تو بہت ہی واضح ہے۔ دنیا کی تمام مردم شماری کے ساتھ جب اہل علم وفضل اور کسی طبقہ کے اہل کمال اور صائب الرائے لوگوں کا موازنہ کیا جاتا ہے تو ہزار میں ایک بھی بمشکل نکلتا ہی جس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں بیوقوف اور ناتجربہ کارو کی بہت کثرت ہے اور عقلاء وتجربہ کاروں کا سخت قحط۔ لہذا کثرت رائے کا فیصلہ اکثر حماقت اور بے وقوفی کے فیصلہ کا مرادف ہوگا۔

اور حقیقت یہی ہے کہ ذرا سے غور کرنے پر یہ بات مشاہد ہو جاتی ہے کہ کسی رائے کے صواب اور قابل عمل کیلئے کثرت کا اس کی طرف ہونا ہرگز معیار نہیں ہو سکتا۔ اور نہ کثرت وقلت کو اس سے کچھ تعلق ہے۔ ایک ماہر اور تجربہ کار انسان کی تنہا رائے ایسے سیکڑوں انسانوں کے مقابلہ میں قابل ترجیح ہے جنہیں مہارت و تجربہ نہیں۔

الغرض رائے کی خطا وصواب معلوم کرنے کیلئے کثرت کی طرف جانا بالکل عقل سلیم کے خلاف ہی۔ البتہ کثرت رائے پر عمل کرنے میں ایک فائدہ ہے وہ یہ کہ اس سے بظاہر نزاع قطع ہو جاتا ہی اور کسی کو یہ کہنے کا موقع نہیں ملتا کہ میرے کسی فریق کی جانب داری کی۔ لیکن اس نزاع اور پھر قطع نزاع کی صورت وضرورت جبھی پیش آتی ہے جبکہ لوگوں کے قلوب آجکل کی بے معنی آزادی سے متاثر ہوں کہ انہیں اپنی رائے چھوڑ دینا اور خلق اللہ کے مفاد پر اپنی شخصی رائے کا ایثار کر دینا مصیبت گذرتا ہو اور ہر شخص اپنے آپ ہی کو متبوع ومطاع سمجھتا ہو۔

مگر جس مذہب کی تمام تعلیم کا خلاصہ ایثار واخلاص اور تواضع ومسکنت ہو اسکو کیا ضرورت ہی کہ یہ صورت اختیار کرے جو لوگ اس تعلیم سے متاثر ہوں گے وہ تو اپنی رائے کے خلاف پر بھی بعد حکم امیر اسی طرح راضی ہوں گے جس طرح موافقت پر۔ اور جو لوگ اس سے متاثر نہیں انہیں سلطنت کی قوت متاثر کرے گی۔

خلاصہ یہ کہ کثرت رائے کو ترجیح دینا در حقیقت قرعہ کی مثال ہے کہ اس سے نزاع ایک حد تک قطع ہو جاتا ہی۔ لیکن وضوح حق کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔ پس الحمدللہ ثابت ہو گیا کہ نظام عالم کی درستی کے لئے کثرت رائے پر فیصلہ کرنا ہرگز ہرگز مفید نہیں ہی۔

آزادی اور غلامی کا بے معنی راگ	حیرت ہے کہ موجودہ زمانہ کے روشن خیال حضرات اطاعت امیر کو غلامی کہتے ہیں۔ اور اس کے مقابلہ میں موجودہ جمہوریت کو سراہتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ جمہوریت

آزادی خیال اور حریت کی حامی ہی۔ لیکن اگر ذرا عقل سے کام لیں تو اس بارہ میں دونوں میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ کیونکہ اطاعت امیر اگر آزادی کے خلاف اور ایک گونہ غلامی ہے تو پارلیمنٹ یا ممبران کونسل کی اطاعت میں کونسی فضیلت ہے کہ اس کو غلامی نہ کہا جائے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ خلافت اسلامیہ میں تمام رعایا ان کے قول پر ایک شخص کی غلام بنتی ہے تو یہاں جمہوریت

مین اتنی آدمیون کا غلام بننا پڑتا ہے۔ کیونکہ جس طرح اسلامی خلافت مین امیر کے خلاف کسی شخص کو کوئی حرکت کرنے کی اجازت نہین ہے اسی طرح جمہوریت مین بھی ممبران مجلس مین سے اکثر نے جو فیصلہ کر دیا وہ ہی سارے ملک کو ماننا پڑتا ہے اگرچہ سب کی رائے کے خلاف ہو۔ اُسوقت ان آزاد خیال احرار سے کوئی پوچھے کہ یہ کونسی آزادی ہے جس کی خاطر اصول اسلامیہ کو چھوڑا جاتا ہے۔ آزادی اور حریت تو جب تھی کہ آپ اپنی اپنی رائے کے پابند ہوتے۔ اور جو چاہتے کرتے۔ اگر آزادی کے یہ معنی ہین کہ انسان جو چاہے کہے اور اپنی رائے کو کبھی وقت نہ چھوڑتے تو جب تک آدمی کسی سیاست و نظام کا پابند ہو اسکو آزاد کہنا بالکل بے معنی ہے۔ نہ شخصیت کے ماتحت رہکر ایسا آزاد ہو سکتا ہے اور نہ جمہوریت کے ماتحت۔ اور اگر آزادی اور آزاد خیالی کا مفہوم یہ ہے کہ ہر شخص اپنی رائے پیش کرنے مین آزاد ہے تو یہ آزادی دونون صورتون مین کہین نہین جاتی اور جس طرح جمہوریت مین اس کی رائے سُنی جا سکتی ہے اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ ٹھنڈے دل سے اسلامی خلافت کا دروازہ اسکے لئے کھلا ہوا ہے۔ بلکہ اگر حالات کی تفصیل پر نظر ڈالی جائے تو موجودہ جمہوریت مین آزادی رائے کا نام نہین سارے ملک مین سے صرف چند ممبرون ہی کو اہل الرائے قرار دیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اگر رعایا کے افراد مین سے کوئی شخص نہایت تجربہ کار اور ماہر سیاست عالم فاضل اپنی رائے پیش کرنا چاہے تو اگر یہ باضابطہ ممبر نہو تو اس کی رائے کو کوئی رائے ہی نہین سمجھا جاتا اور نہ قصر جمہوریت تک اس غریب کی آواز پہنچ سکتی ہے۔ بلکہ اگر قانون انتخاب ممبران کو دیکھا جائے تو اکثر ایسے شخص کو ممبری مین بھی قبول نہین کیا جا سکتا۔ کیونکہ وہان تو ممبری کا مدار کثرت مال اور حیثیت اور جائداد وغیرہ پر ہے۔ گویا اہل الرائے اور عاقل کی تعریف جمہوریت کے قانون مین یہ ہے کہ زیادہ پیسہ والا ہو۔ یا للعجب۔ کثرت مال کو اہل الرائے اور صائب الفکر ہونے سے کیا تعلق۔ بلکہ اقوام عالم کا اکثری تجربہ بالکل اس کے خلاف ثابت کرتا ہے کہ مالداری کی ہوس اور ثروت کا نشہ انسان کے قوی دماغیہ پر عموماً اس طرح چھا جاتا ہے کہ اسے دوسرون کے راحت و آرام کی مطلق پروا نہین رہتی۔

الغرض جمہوریت کے قانون مین رائے پیش کرنے کا بھی صرف وہی شخص مجاز ہے۔ جس کی گرہ مین ٹکے زیادہ ہون چاہے دماغ عقل سے خالی ہو۔ اور پھر رائے پیش کرنیکے بعد وہ بھی

آزاد نہیں بلکہ کثرت کے فیصلہ کا پابند ہو چاہے اس کے موافق ہو یا مخالف۔

بخلاف اسلامی خلافت کے کہ وہاں آزادی رائے میں مساوات کا کھلا ہوا اعلان ہے اور جو شخص اپنی رائے کسی معاملہ میں پیش کرنا چاہے اس کو ٹھنڈے دل سے سنکر اس پر بھی اسی طرح غور کیا جاتا ہے جس طرح ممبران شوریٰ کی رائے پر۔ فرق صرف اتنا ہو کہ مدار کار ممبران شوریٰ کی رائیں ہوتی ہیں۔ دوران سے مشورہ طلب کرنا ضروری ہوتا ہو دوسروں سے طلب کرنا ضروری نہیں۔ لیکن اگر وہ خود پیش کرنا چاہیں تو کسی کے لئے کوئی روک ٹوک نہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ جو حقیقی آزادی رائے اسلامی خلافت میں ہے نہ موجودہ جمہوریت میں پائی جاتی ہے اور نہ ملوک عجم کی شخصیت میں اور اسی سے ہمارا اصلی دعویٰ بھی بحمد اللہ ثابت ہو گیا کہ

خلافت اسلامیہ نہ موجودہ جمہوریت کا نام ہو نہ شخصیت کا

بلکہ وہ ان دونوں کے درمیان ایک معتدل اور محکم قانون کا نام ہے جو نظام عالم کی اصلاح کیلئے بہتوں مکمل ہے۔ جس میں ایک حد تک تمام رعایا کو حقوق مساوات دیے گئے ہیں۔ مگر ساتھ ہی فرق مراتب کو بھی ہاتھ سے نہیں دیا گیا۔ بلکہ ہر طبقہ اور ہر درجہ کے انسان کے لئے کچھ حدود مقرر کی ہیں۔ اپنی حدود میں ہر شخص کو مکمل آزادی ہے۔ البتہ اس حد سے آگے آزادی دینا چونکہ دوسروں کے حقوق ضائع کرنے کا مرادف اور نظام عالم کے خلاف ہے اس لئے بالکل شتر بے مہار بھی نہیں کر دیا گیا۔ اگر ایک طرف تمام رعایا پر اطاعت امیر فرض کی تو دوسری طرف رعایا کے ہر چھوٹے بڑے کو اس کا بھی حق دیا کہ اگر امیر کو کوئی کام خلاف شرع کرتا ہوا دیکھے تو (آداب امر بالمعروف کا لحاظ رکھتے ہوئے) صاف صاف اسکو غلطی پر متنبہ کرے۔

اگر ایک طرف تمام اموال مسلمین اور بیت المال پر تنہا امیر کے تصرف کو نافذ فرمایا۔ تو دوسری طرف یہ بھی قاعدہ رکھا گیا کہ امیر بھی بیت المال کے لئے مثل ایک ملازم کے ہے اور صرف اسقدر اپنے لئے لے سکتا ہے کہ توسط کے ساتھ اپنا اور اپنے اہل و عیال کا خرچ چلا سکے۔ یہی وجہ ہے کہ خلفاء راشدین اور ما بعد کے خلفاء کے مجموعی مصارف ایک متوسط الحال فرد رعایا سے نہیں بڑھے حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافت اور ملوکیت میں فرق کا معیار ہی یہ رکھا ہے۔ جس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُن سے دریافت کیا

کہ مین بادشاہون یا خلیفہ" انہون نے جواب دیا کہ اگر آپ بیت المال کا کوئی درہم بیجا جگہ صرف کرتے ہین تو خلیفہ نہین بلکہ بادشاہ ہین اور اگر اس کے ایک ایک پیسہ کو ٹھکانے لگاتے ہین تو خلیفہ ہین۔ (تاریخ الخلفا للسیوطی)۔

یہ ہے حقیقی جمہوریت کی روح جسکو اسلام نے اور صرف اسلام نے ہی مضبوط پکڑا ہے۔ دنیا کی جمہوریتین جس مساوات کے دعوی کرتی ہین اسلام نے اسکو عمل سے دکھلایا ہے۔ آج یورپ کو اپنی جمہوریت اور اس کی ماتحت رعایا کی آمد وخرچ مین کیا نسبت ہے کچھ عرصہ گذرتا ہے کہ مین نے اخبارات مین دول یورپ اور اس کے امرا و دولت کے مصارف کی فہرست پڑھی تھی۔ جس کو دیکھکر حیرت مین رہ گیا کہ جس کی رعایا مین ہزار ون انسان بھوک اور فاقہ سے ہلاک ہو رہے ہون اور بری سے بری غذا سے بھی پیٹ نہ بھر سکتے ہون اس کا حکمران بادشاہ اسطرح سونے مین کھیلتا ہے اور پھر مساوات کا دعوی اور زیادہ حیرت انگیز ہے۔

اخبار انقلاب لاہور مورخہ ۱۹ محرم الحرام ۱۳۴۶ھ؁ مین بعض یورپین تاجدار ون کے مصارف کی فہرست چھپی تھی جس کا اجمالی نقشہ درج ذیل ہے۔

شاہ سیام،	۳۵ لاکھ روپیہ سالانہ	شاہ جاپان،	۲۲½ لاکھ روپیہ سالانہ
شاہ اٹلی،	۳۰ لاکھ روپیہ سالانہ	شاہ ہسپانیہ،	۱۸ لاکھ روپیہ سالانہ
شاہ برطانیہ،	۲۹ لاکھ روپیہ سالانہ	شاہ پولنڈن،	۵ لاکھ روپیہ سالانہ
شاہ رومانیہ،	۲۵ لاکھ روپیہ سالانہ	شاہ ڈنمارک،	۴ لاکھ روپیہ سالانہ

شاہ ناروے۔ ۲½ لاکھ روپیہ سالانہ

اور بعض رپورٹون سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ انگلستان کے ماہواری مصارف ستر لاکھ پچاس ہزار روپے ہین۔ حسب تفصیل ذیل ہین۔

جیب خرچ۔	ایک لاکھ دس ہزار پونڈ ماہوار	محلات شاہی کی آرایش کیلئے۔	بیس ہزار پونڈ ماہوار
ملازمون کی تنخواہ۔	ایک لاکھ پچیس ہزار آٹھ سو پونڈ "	انعامات وخیرات کیلئے۔	تیرہ ہزار دو سو پونڈ "
گھر کا خرچ۔	ایک لاکھ ترانوے ہزار پونڈ "	متفرق اخراجات۔	آٹھ سو پونڈ "
میزان کل مصارف۔	۴۷۰۰۰۰ پونڈ ماہوار	بحساب روپیہ۔	۷۰۵۰۰۰۰ روپیہ

(باقی آئندہ)

استخارہ

سلسلہ تعلیمات اسلام کے آغاز میں لکھا گیا تھا کہ اس عظیم الشان سلسلہ کی دو کڑیاں اسوقت ہدیہ ناظرین کیجا ئینگی۔ مشورہ اور استخارہ حسب وعدہ مشورہ کی بحث الحمدللہ کافی تفصیل و تحقیق کیساتھ سامنے آچکی ہے۔ اس کا دوسرا حصہ استخارہ اتنا تفصیل طلب نہیں۔ اسلئے باختصار اسکو ضروری احکام لکھنے کے بعد اس سلسلہ کو سردست ختم کیا جاتا ہے۔

استخارہ کے معنے لغت میں طلب خیر کے ہیں اور اصطلاح شرع میں اس دعا کو کہتے ہیں جو کسی معاملہ کے مفید یا مضر ہونے میں تردد پیدا ہوجانے کی صورت میں حق تعالے کی بارگاہ میں کیجاتی ہے۔ تاکہ تردد زائل ہوکر ایسی جانب متعین ہوجائے جس میں فائدہ ہو۔ اور نماز استخارہ وہ نفل نماز ہے جو اس دعا سے پہلے پڑھی جاتی ہے۔

استخارہ درحقیقت مشورہ ہی کی ایک خاص نوع ہے۔ کیونکہ جسطرح مشورہ اپنے ابنائے جنس اور اقران و امثال سے اس لئے کیا جاتا ہے کہ تردد زائل ہوکر ایک جانب متعین ہوجائے اسیطرح استخارہ گویا جناب علیم و خبیر سے بطور مشورہ تاکہ معاملہ کی جو جانب حق تعالے کے علم میں بہتر اور خیر ہو وہی متعین ہوجائے۔

کیونکہ انسان کتنا ہی عاقل و زیرک اور تجربہ کار ہو۔ بہت مرتبہ اسمیں غلطی کرتا ہے اور مفید کو مضر یا مضر کو مفید سمجھ کر مرض اور مرض کو دوا سمجھ بیٹھتا ہے۔ اسی مضمون کو قرآن عزیز میں اسطرح بیان فرمایا گیا ہے۔

عسى ان تكرهوا شيئا وهو خير لكم وعسى ان تحبوا شيئا وهو شر لكم	عجب نہیں کہ تم کسی چیز کو برا جانو حالانکہ وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور یہ بھی عجب نہیں کہ تم کسی چیز کو اچھا جانو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بری ہے۔

اسلامی تعلیمات کے اور بہت سے اصول جو انسان کی دنیاوی حاجات و معاد کی درستی کے کفیل ہیں استخارہ بھی منجملہ ایک اہم اصول ہے۔ مضمون سابق میں آپ حدیث نبوی کا یہ جملہ پڑھ چکے ہیں۔

ما خاب من استخار ولا ندم من استشار ولا عال من اقتصد	جو استخارہ کرتا ہے وہ کبھی بے نصیب نہیں ہوتا۔ جو مشورہ کرتا ہے وہ نادم نہیں ہوتا۔ جو میانہ روی سے چال چلتا ہو وہ محتاج و فقیر نہیں ہوتا۔

اس ایک مختصر حدیث میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے تین اہم اور نہایت مفید چیزوں کی تعلیم فرمائی ہے۔

(۱) اہم کاموں میں مشورہ لینا (۲) استخارہ کرنا (۳) بخل و اسراف کے درمیان متوسط چال رکھنا۔

اور دوسری حدیث میں ہے۔

من سعادۃ ابن آدم استخارتہ اللہ ومن سعادۃ ابن آدم رضاہ بما قضی اللہ ۔ ومن شقاوۃ ابن آدم ترکہ استخارۃ اللہ ومن شقاوۃ ابن آدم سخطہ بما قضی اللہ (رواہ الترمذی والحاکم من سعد کنوز صفحہ ۱۱۲)۔	اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرنا آدمی کی نیک بختی کی علامت ہے۔ پھر اللہ کے حکم پر راضی رہنا بھی اس کیلئے سعادت ہے۔ اور ترک استخارہ بدبختی کی علامت ہے۔ اور اللہ کے حکم سے ناراض ہونا بھی شقاوت ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہمیں دعاء استخارہ کی اس طرح تعلیم فرماتے تھے جس طرح سورت قرآن کی تعلیم فرمایا کرتے تھے۔ اور تمام کاروبار میں استخارہ کرنے کی تاکید فرماتے تھے (احیاء العلوم مصری صفحہ ۱۴۲)۔

بعض حکماء کا مقولہ ہے کہ جسکو منجانب اللہ چار چیزیں عطا ہو جائیں۔ وہ چار چیزوں سے محروم نہ رہیگا۔ یعنی جسکو حق تعالیٰ شکر کی توفیق عطا فرمائیں وہ زیادتی نعمت سے محروم نہ رہیگا۔ اور جسکو توبہ کی توفیق دیجائے وہ قبولیت سے محروم نہ رہیگا۔ اور جسکو استخارہ کی طرف متوجہ کر دیا جائے وہ صحیح راستے اور مفید نتیجے سے محروم نہ رہیگا۔ اور جسکو مشورہ لینے کی عادت ہو وہ صحیح راستہ سمجھنے میں دھوکہ نہ کھائیگا۔

استخارہ کس کام میں کیا جائے

استخارہ کی غرض چونکہ معلوم ہو چکی ہے اسلئے ایسے ہی کاموں میں استخارہ کیا جائے جن میں تردد ہو کہ دینی یا دنیوی حیثیت سے وہ بہتر ہوگا یا نہیں اور جن کے ہونے اور نہ ہونے میں دو طرف کا مضر یا مفید دونوں کا احتمال ہو سکے اسلئے عبادات واجبہ میں استخارہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ان کا کرنا بہتر ہونا یقینی ہے انکے بُرے یا مضر ہونے کا مطلقاً احتمال نہیں اسی مضمون کو مثنوی اور ضرب المثل میں بیان کیا گیا ہے ؎ در کار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست ۔

البتہ حج کیلئے اس بات میں استخارہ ہو سکتا ہے کہ کونسا برس اسکے لئے زیادہ بہتر ہے اور یہ کہ رفیق سفر اور راستہ کونسا اختیار کرے۔

طریق استخارہ

استخارہ کیلئے لوگوں میں بہت سے طریقے تعویذ گنڈے والے عاملین کے مجوزہ مشہور ہیں۔ جنمیں سے اکثر اگرچہ قرآن وحدیث

کی دعاؤں سے مرکب ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس طریقے سے بہتر کوئی طریق نہیں ہو سکتا جو خود حضرت رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم کا تجویز کردہ ہو۔

اسلئے ہم صرف اسی کے نقل کر دینے پر اکتفا کرتے ہیں: حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی شخص کسی مہتم بالشان کام کا ارادہ کرے تو اسکو چاہیئے کہ اول دو رکعت نماز بہ نیت نفل پڑھے۔ عام روایات حدیث میں اسیقدر مذکور ہے دکما رواہ البخاری) اور احیاء العلوم وغیرہ کی بعض احادیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ اسکی پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد قل یا ایہا الکفرون پڑھے اور دوسری میں قل ھو اللہ احد اور بہتر یہ ہے کہ دعا کے اول و آخر سات سات مرتبہ درود شریف پڑھے۔

نماز کے بعد یہ دعا پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ (اس جگہ اپنے مقصد کو ذکر کرے یا دل میں خیال کرے) خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاقْدِرْهُ لِیْ وَیَسِّرْهُ لِیْ ثُمَّ بَارِكْ لِیْ فِیْهِ اَللّٰهُمَّ وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُهٗ شَرًّا لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ اَوْ مَعَاشِیْ اَوْ عَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاصْرِفْنِیْ عَنْهُ وَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاقْدِرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ كَانَ ثُمَّ رَضِّنِیْ بِهٖ۔ (رواہ احمد والبخاری عن جابر کذا فی الکنز صفحہ ۲۹)۔

ترجمہ اے اللہ میں تیرے علم سے مدد چاہتا ہوں (یعنی اپنے کام میں جانب خیر متعین کرنا چاہتا ہوں) اور تیری قدرت کے واسطے قدرت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اور تیرے عظیم الشان فضل کی بنا پر تجھسے درخواست کرتا ہوں اسلئے کہ تو قدرت رکھتا ہے اور مجھکو قدرت نہیں اور تجھے علم ہے مجھے کچھ علم نہیں تو ہی پوشیدہ باتوں کا جاننے والا ہے۔ اے اللہ اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام (اس جگہ اپنے مقصد کو ذکر کرے) میرے لئے بہتر ہے میرے دین میں اور معاش میں اور آخرت و عاقبت میں تو اس کام کو میرے لئے مقدر فرما دے۔ اور مجھپر آسان کر دے اور پھر میرے اس کام میں برکت عطا فرما۔ یا اللہ اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے لئے دین یا دنیا یا انجام کار کے اعتبار سے اچھا نہیں مجھے اس کی طرف سے پھیر دے اور اسکو مجھسے پھیر دے اور میرے لئے خیر اور بھلائی کو مقدر فرما دے جہاں کہیں ہو اور پھر مجھے اس چیز پر راضی کر دے جس میں میری بھلائی اور بہتری ہے۔

اسی طرح سات مرتبہ استخارہ کرنے کے بعد جس طرف دل میں جانب قلب کا میلان دیکھے اس پر عامل ہو گیا کہ انشاء اللہ تعالیٰ اسی میں خیر ہو گی۔ جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اذا هممت بامر فاستخر ربك فيه سبع مرات ثم انظر الى الذى يسبق الى قلبك فان الخير فيه۔ رواه ابن السنی فی عمل اليوم والليلة

جب کسی کام کا ارادہ کرو تو سات مرتبہ اپنے پروردگار سے اس کے بارہ میں استخارہ کرو پھر دیکھو کہ سب سے پہلے قلب میں کیا خیال آتا ہے۔ جو خیال آئے اسی میں خیریت ہے۔

دوسرا مختصر طریقہ

اگر کام میں عجلت ہے اور اتنی مہلت باقی نہیں رہی استخارہ مذکورہ کر سکے تو کام شروع کرنے سے پہلے گیارہ مرتبہ دعا ذیل پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ خِرْلِیْ وَاخْتَرْلِیْ ۔ کنز العمال | یا اللہ میرے لئے خیر کر اور جو صورت بہتر ہو اسکو ظاہر فرما۔

اور پھر جس طرف قلب کا میلان دیکھے عمل کرے، انشاء اللہ تعالیٰ وہی بہتر ہو گا۔

حق یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس اسلامی تعلیم پر عمل کرے تو کبھی اور کسی حال میں پریشان نہو۔ لیکن افسوس ہے کہ آج ہم اپنے کاروبار میں ہر چھوٹے اور بڑے سے مشورے کرتے ہیں اور ظاہری تدبیروں اور انکی فکروں میں ہزاروں پریشانیاں اٹھاتے ہیں۔ مگر چند منٹ اس سنت حسنہ کیلئے صرف نہیں کئے جاتے اور اسی لئے اکثر تدبیریں انکی پریشانیوں میں اضافہ کا سبب ہو جاتی ہیں۔

استخارہ کی بحث میں اسی قدر بیان پر اکتفا کرتے ہوئے حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ مسلمانوں کو سچا مسلمان بنادے اور ان تعلیمات اسلام کا نمونہ عمل بناکر غیروں کے لئے شمع ہدایت بنائے وما ذلك على الله بعزيز۔ وعليه التكلان وهو المستعان ٭

کتب خانہ قاسمی دیوبند کی چند عمدہ مطبوعات

کائنات روحانی۔ از رئیس القلم جناب مولانا محمد منظور صاحب نعمانی پر وفیسر جامعہ عثمانیہ دکن جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ عالم جسمانی کی طرح عالم روحانی بھی ہے اور اس میں بعث زندگی و حیات ہیں۔ کائنات روحانی کے لئے قرآن حکیم کی تعلیم بعث زندگی و حیات ہے۔ نہایت مفید تحریر ہے کاغذ اعلیٰ و لکھائی نہایت خوبصورت رنگین۔ قیمت ۸/

سوانح ابو ذر غفاری۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مستند سوانح جس میں واقعات زندگی، ایام جہالت و اسلام اور اسلام کے زمانہ کی آپ کی تمام وہ کیفیات درج ہیں جو تمام صحابہ میں ممتاز ہیں۔ رئیس التحریر مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی۔ صفحات ۱۲۵ کاغذ کتابت نہایت عمدہ قابل دید زیب رنگین۔ قابل دید کتاب ہے۔ ۸/

اخلاق محمدی۔ تمام مباحث دینی و دنیوی کے بارہ میں جتنی قرآن کی آیات اور احادیث موجود ہیں سب کو ابواب وار درج کیا ہے۔ واعظین و مناظرین، مصنفین، مؤلفین اور عام لوگوں کیلئے بھی نہایت مفید کار آمد ہے۔ چوتھی مرتبہ طبع ہوئی ہے۔ قیمت مجلد ۱۲/

سجود الشمس۔ جامع معقول و منقول جناب مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کی مشہور کتاب، مختصر رسالہ جس میں احسن طریقہ سے سجدہ شمس زیر عرش کو صحاح کتب اور حدیث صحیح سے ثابت کیا ہے۔ قیمت صرف ۱/

عظمت الٰہی۔ حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کا وہ معرکۃ الآرا مضمون جو مقامات بدر کے متعلق ہے جس میں اس قسم کی تمام مباحث کو نہایت اچھے انداز میں بیان کیا ہے۔ ۳/

قصیدہ لامیۃ المعجزات از حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، عثمانی ناظم دارالعلوم کا مشہور و بلیغ قصیدہ جس میں دنیا کی جہالت اور بعثت نبوی سے پہلے کی عام گمراہی کی حالت اور آنحضرت کی بعض شمائل مبارک اور ایک سو معجزات کے درج ہیں مع شرح اردو از مولانا محمد طیب صاحب ۱۲

الاسلام۔ حقانیت اسلام پر جناب مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کی وہ مشہور معروف تصنیف کہ جس کو قبولیت عامہ و خاص حاصل ہو چکی ہے۔ اصول اسلام کے تمام مسائل پر محققانہ بحث ہے۔ ۶/

العقل والنقل۔ مولانا موصوف کی معرکۃ الآرا تصنیف کہ جس میں دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ عقل سلیم و نقل صحیح میں کبھی تعارض نہیں ہو سکتا۔ ۱۰/

الفاظ مترادفہ۔ مؤلفہ امام ابوالحسن علی ابن عیسیٰ الرمانی متوفی ۳۸۴ھ۔ یہ کتاب طلباء عربی کیلئے نہایت مفید ہے۔ علامہ مصنف نے الفاظ مترادفہ کو مختلف فصلوں میں بیان فرمایا ہے۔ کتاب مع شرح محمود رافعی مصر میں چھپی تھی، افادہ عام کے لئے مطبع نے اس کو شائع کیا ہے۔ قیمت بھی بہت کم ہے۔ ۲/

تقریر دلپذیر۔ حضرت قاسم العلوم و الخیرات کی وہ عجیب و غریب تصنیف کہ جس میں اسلام کے اصول کی حقانیت عقلی طور پر ثابت کی گئی ہے اور بتلایا گیا ہے کہ دنیا میں نجات دہندہ اگر کوئی دین ہے تو وہ صرف اسلام ہے۔ یہ کتاب مطبع مجتبائی میں چھپی تھی، اور تمام قاسمی کتابوں میں نہایت مقبول ہے۔ [illegible]

علاوہ مذکورہ کتابوں کے ہر قسم کی درسی و غیر درسی کتابیں اور ہر قسم کے کلام مجید و حمائل شریف وغیرہ مترجم پتہ ذیل پر کفایت سے ملتے ہیں۔

ملنے کا پتہ **مینجر کتب خانہ قاسمی دیوبند ضلع سہارنپور**

[illegible]

دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا

[illegible]

قیمت صرف [illegible]

[illegible]